

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

المواهب اللدنیہ (جلد ثانی)

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
86	نبی ﷺ کا ہمبستری کرنا	18	17	تیسرے مقصد کے مشمولات	
87	قدم مبارک	19		فصل اول	
89	رسول اکرم ﷺ کا قدم مبارک	20	17	نبی اکرم ﷺ کی تخلیق کامل اور حسن صورت	
90	بال مبارک	21	19	سر انور کی صفت	1
96	زیر ناف ہال	22	19	چہرہ انور	2
97	رسول اکرم ﷺ کی رفتار	23	25	آنکھ مبارک	3
99	آپ کا رنگ مبارک	24	29	سماعت مبارکہ	4
102	حنبیہ	25	30	پیشانی مبارک اور جسم کے بعض اعضاء	5
	سرکارِ دو عالم ﷺ کے پسینہ اور خون مبارک	26	31	دہن مبارک	6
102	کی خوشبو		32	لعاب مبارک	7
	قضائے حاجت کے سلسلے میں آپ کی سیرت	27	33	رسول اکرم ﷺ کی فصاحت	8
109	طہنیہ		36	فصاحت کی تعریف	9
	فصل دوم			آپ ﷺ کی بلاغت اور اقوال کے کچھ نمونے	10
	رسول اکرم ﷺ کے پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ اوصاف		36		
114	خلق کا لغوی معنی	1	68	بلاغت کی جامع وجہ	11
114	اخلاق وہی ہیں یا کبھی؟	2	69	لغبت قریش کے علاوہ بلاغت کے کچھ نمونے	12
114	خلق عظیم	3	75	رسول اکرم ﷺ کی آواز مبارک	13
115	تمام فضائل کی اصل عقل ہے	4	76	رسول اکرم ﷺ کا ہنسنا اور رونا	14
118	رسول اکرم ﷺ کا کمال عقل	5	78	دست مبارک کا وصف	15
119	بردباری، معاف کرنا اور صبر کرنا	6	82	رسول اکرم ﷺ کا قلب اقدس	16
120			85	ایک نکتہ	17

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
7	عمدہ نکلتہ	121	7	کیا حضور ﷺ فقر سے موسوف تھے؟	169
8	اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لینا	125	8	کھانوں کی متعدد اقسام	170
9	آپ کی بردباری کا نتیجہ	126	9	ضمیمہ کھانا	171
10	گناہ گاروں پر شفقت	127	10	نبی اکرم ﷺ کا گوشت کھانا	172
11	نبی اکرم ﷺ کی تواضع اور حسن معاشرت	128	11	دیگر کھانے	175
12	اہل خانہ سے معاشرت	133	12	دو بچوں کو جمع کرنا	177
13	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا	136	13	دو کھانوں کو جمع کرنا	179
14	مزاج نبوی ﷺ	137	14	پھل کھانا	180
15	صحابہ کرام کے ساتھ ہم نشینی	140	15	پیاز اور بسن کھانا	181
16	تواضع کی صورتیں	140	16	نبی اکرم ﷺ کے کھانے اور بیٹھنے کا طریقہ	181
17	نبی اکرم ﷺ کا حیا مبارک	143	17	بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھنا	187
18	حیا کی اقسام	144	18	دائیں ہاتھ سے کھانا	188
19	اپنے رب کا خوف	145	19	ہاتھوں کو دھونا	189
20	نبی اکرم ﷺ کی شجاعت	147	20	گرم کھانا	190
21	رسول اکرم ﷺ کا جود و کرم	149	21	آپ کے پیالے کی کیفیت	190
	فصل ۳		22	آپ نے میز پر کھانا نہیں کھایا	191
	نبی اکرم ﷺ کی ضروریات زندگی جیسے غذا		23	نبی اکرم ﷺ کے مشروبات	193
	لباس نکاح وغیرہ	157	24	طفلی کا معاملہ	196
	پہننے کی چیزیں		25	ولیمہ کے آداب	196
	کھانے پینے کے سلسلے میں آپ کا گزران زندگی			ہو شرف فروع	
	ضرورت کے مطابق کھانا	157		نبی اکرم ﷺ کا لباس اور بچھونا	198
1	سیر ہو کر کھانے کی بدعت	158	1	عمامہ مبارکہ	198
2	رسول اکرم ﷺ کے میں گھر کھانے کی قلت	160	2	آستین مبارک	199
3	بطن مبارک پر پتھر باندھنا	165	3	تہبند کی لمبائی	199
4	ایک اعتراض اور اس کا جواب	167	4	لباس تکبر	201
5	فقر اختیاری	168	5	تہبند کی لمبائی کا خلاصہ	202
6			6	عورتوں کے کپڑوں کی لمبائی	203
			7	سر کا لباس	203

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
243	زیادہ شادیوں کی حکمتیں	7	206	نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ ترین لباس	8
244	نکاح کی ترغیب	8	207	صوفیائے کرام کا لباس	9
245	حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت	9	208	حسن و جمال کی بحث	10
	چند قرآنی فروع		211	سرخ لباس پہننا	11
246	آپ ﷺ کی نیند مبارک		212	سرخ لباس پہننے کا حکم	12
246	آرام کرنے کا انداز	1	214	تہ بند مبارک	13
247	نبی اکرم ﷺ کا بچھونا	2	215	طیاسی بچہ	14
247	سونے سے پہلے دعا	3	218	انگوٹھی پہننا	15
248	آپ کا دل نہیں سوتا تھا	4	219	انگوٹھی پہننے کا حکم	16
	چوتھا مقصد	5	220	معدنیات کے اعتبار سے انگوٹھیوں کا حکم	17
	فصل ۱		222	لوہے کی انگوٹھی	18
252	معجزات کا بیان		223	عقیق کی انگوٹھی	19
252	معجزہ کی تعریف اور شرائط	1	224	انگوٹھی کا گنہ	20
255	معجزہ یا نشانی؟	2	224	انگوٹھی کا نقش	21
256	دلائل نبوت	3	225	زیادہ انگوٹھیاں بنوانا	22
257	آپ کا "امی" ہونا	4	226	دائیں اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا	23
257	قرآن مجید	5	227	سلوار پہننا	24
261	اعجاز قرآن کی وجہ	6	229	موزے پہننا	25
267	دوسرے معجزات	7	229	نعلین مبارک پہننا	26
268	معجزات کی عمومیت و انواع	8	235	بچھونا مبارک	27
271	زمانے کے اعتبار سے معجزات کی تقسیم	9		تیسرے فروع	
271	پہلی قسم: دوسری قسم: تیسری قسم	10	237	نکاح کے سلسلے میں سیرت نبوی	
272	معجزہ انشاق قر	11	237	مقاصد نکاح	1
275	معجزہ انشاق قر کے منکرین	12	238	جماع کے فوائد	2
276	تنبیہ	13	239	"جب الی من دنیا کم" والی حدیث	3
277	سورج کولونا	14	240	لفظ "جب" میں غور و فکر	4
280	جمادات نے نبی اکرم ﷺ کا حکم مانا	15	241	ایک اور حدیث	5
281	کھانے کی تسبیح	16	241	نکاح کے سلسلے میں آپ کی قوت	6

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
17	پتھر کا سلام کرنا	282	16	قرآن مجید سے متعلق خصائص	365
18	درخت کا کلام کرنا	286	17	خزانوں کی چابیاں عطا ہونیں	369
19	کھجور کے تنے کا روٹا	290	18	جامع کلمات کا اعزاز	369
20	حیوانات کا کلام کرنا	293	19	بشیت عمومی	369
21	پانی نکلنے کا معجزہ	299	20	رعب کے ذریعے مدد	371
22	پانی کا پھوٹ نکلنا	303	21	غمیموں کا حلال ہونا	372
23	کھانے کا زیادہ ہونا	308	22	زمین کو مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا	372
24	ازالہ شبہ	310	23	معجزہ قرآن کا باقی رہنا	373
25	آفت زدہ کو تندرست کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ	314	24	چاند کا شق ہونا وغیرہ	373
			25	ختم نبوت اور تائید شریعت	374
			26	جنوں کے رسول ﷺ	374
			27	کیا نبی اکرم ﷺ فرشتوں کے بھی رسول ہیں؟	377
1	نبی اکرم ﷺ کی فضیلت	318	28	تمام جہانوں کے لئے رحمت	378
2	دیگر انبیاء کرام کے ساتھ فضائل میں شرکت	319	29	اسلوب خطاب کے ساتھ تکریم	379
3	رسول اکرم ﷺ کی مزید خصوصیات	328	30	اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ	381
4	علم بالخصائص کے فائدہ میں اختلاف	331	31	حضرت اسرافیل علیہ السلام کا اترنا	381
5	خصائص نبوی کے مراجع	332	32	اولاد آدم کے سردار	381
6	پہلی قسم: واجب خصائص	332	33	خلاف اولی باتوں کی مغفرت	382
7	دوسری قسم: وہ باتیں جو صرف آپ پر حرام		34	سب مخلوق سے زیادہ معزز	383
	تھیں		35	امہات المؤمنین سے نکاح کا حرام ہونا	384
8	تیسری قسم: وہ خصائص جو مباح ہیں	346	36	آپ کے نام کا وسیلہ	385
9	چوتھی قسم: فضائل میں خصوصیات	358	37	کیا امہات المؤمنین کے باپردہ جسم کو دیکھنا بھی	
10	آپ کی تخلیق و ولادت سے متعلق	358		حرام ہے؟	385
11	قرآن مجید میں آپ کے ایک ایک عضو کا ذکر	360	39	آپ کی صاحبزادیوں سے متعلق خصائص	386
12	بعض صفات میں آپ کی خصوصیات	361	40	محراب نبوی میں اجتہاد نہیں	388
13	بعثت کے وقت آسمان کی حفاظت	361	41	آپ کو خواب میں دیکھنا حق ہے	388
14	معراج کے خصائص	361	42	بیداری کے عالم میں آپ کی زیارت	394
15	نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا	365	43	خلاصہ کلام	397

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
432	جمعہ المبارک	7	398	رسول اکرم ﷺ کا اسم گراما اپنانا	44
432	ماورمضان سے متعلق خصائص	8	399	حدیث شریف پڑھنے سے متعلق خصائص	45
	مصیبت کے وقت ”انا للہ وانا الیہ راجعون“	9	400	نبی اکرم ﷺ کی مجلس سے متعلق خصائص	46
433	پڑھنا		47	رسول اکرم ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونا چاہیے	47
434	آسانی کا ہونا اور حرج کا اٹھ جانا	10	402	جب نماز میں ہو	
435	اسلام اس امت کے ساتھ مخصوص ہے	11	402	آپ پر جھوٹ باندھنا	48
436	شریعت امت محمدیہ کا کامل ہونا	12	403	گمنا ہوں اور جنوں سے عصمت	49
438	اس امت کا اجتماع اور اجماع کی فضیلت	13	405	نبی اکرم ﷺ کی توہین کرنے والے کا حکم	50
439	طاعون شہادت ہے	14	408	مالکیہ کے دلائل کا جواب	51
439	اچھی شہادت جنت میں دخول کا باعث ہے	15	410	دفاع واجب ہے	52
439	عمل کم اور ثواب زیادہ	16	410	اختیارات مصطفیٰ ﷺ	53
439	اسناد کی خصوصیت	17		رسول اکرم ﷺ کی بیماری، وصال اور قبر	54
440	اس امت میں ابدال کا وجود	18	413	شریف سے متعلق خصائص	
442	اخروی زندگی سے متعلق خصائص	19	414	حیات النبی ﷺ	55
446	حلاوت کا ایصال ثواب	20	416	امت کا سلام آپ تک پہنچتا ہے	56
	پانچواں مقصد		417	منبر نبوی حوض پر	57
450	اسراء و معراج		417	روضہ شریف (ریاض الجنۃ)	58
450	بہت بڑی نشانی	1		سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کا	59
450	نقاط اختلاف کی حد بندی	2	418	کھانا	
450	اختلاف کا مناقشہ (تفصیل)	3		نبی اکرم ﷺ کی امت کی	
454	جمہور کی رائے	4	421	خصوصیات	
455	رات کے وقت معراج کرانے کی حکمت	5	421	شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ	1
455	شب معراج اور شب قدر	6	423	تم بہترین امت ہو	2
456	اسراء آپ کے ساتھ خاص ہے	7	424	فضیلت صحابہ	3
456	آیت اسراء کی تفسیر	8		امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے	4
458	مراحل معراج	9	425	فضائل	
458	اسراء سے متعلق تصانیف	10	429	مال غنیمت کا حلال ہونا	5
458	حدیث اسراء کے راوی	11	429	نماز سے متعلق خصائص	6

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	حضرت جبریل علیہ السلام نے لفظ ”انا“ نہیں کہا	39	459	حدیث اسراء اور امام بخاری رحمہ اللہ	12
486			461	کچھ دوسری ہدایات	13
487	آسمان والوں کا جشن	40	462	روایات کو جمع کرنا	14
487	نہروں کا ذکر	41	462	مکان کی چھت کھلنے میں حکمت	15
488	آسمان کے دروازوں کا کھلنا	42	463	حدیث کے بعض نقاط کی وضاحت	16
488	”ارسل الیہ“ کا کیا معنی ہے؟	43	465	معراج سے پہلے شق صدر	17
489	فرشتوں کا ”مرحبا“ کہنا	44	465	پہلی بار شق صدر کی حکمت	18
	حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد کے اعمال	45	465	دوسری بار شق صدر کی حکمت	19
489			465	تیسری بار شق صدر کی حکمت	20
	انبیاء کرام علیہم السلام کے مقامات سے متعلق روایات کو جمع کرنا	46	466	شق صدر پر صبر	21
490			467	سونے کے تھال میں دھونا	22
491	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام	47	468	کیا معافی کا مجسم ہونا جائز ہے؟	23
	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نبی اکرم ﷺ کے لئے لفظ ”غلام“ استعمال کرنا	48	470	شق صدر کی حکمت	24
493			471	کیا قلب اقدس دھویا گیا یا سینہ مبارک؟	25
495	حضرت یوسف علیہ السلام کا جمال	49	471	براق اور معراج	26
	کیا حضرت اور لیس علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے دادا (جد اعلیٰ) تھے؟	50	472	حالت سواری میں اسراء کی حکمت	27
495			473	براق کی وجہ تسمیہ، شکلی اور تیز رفتاری	28
	بعض انبیاء کرام کے آسمان میں ہونے کی حکمت	51	474	کیا انبیاء کرام علیہم السلام براق پر سوار ہوئے؟	29
495			475	براق اپنے اوپر سوار کیوں نہیں ہونے دیتا تھا؟	30
497	آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو کیسے دیکھا؟	52		کیا حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی براق پر سوار ہوئے؟	31
498	شب معراج جن نہروں کا مشاہدہ ہوا	53	476		
499	سدرۃ المنتہی	54	476	اسراء کی رات نبی اکرم ﷺ نے کیا دیکھا؟	32
501	برتن کا دو مرتبہ پیش ہونا	55	479	انبیاء کرام اور فرشتوں سے ملاقات	33
501	بیت المعمور	56	480	فطرت کو اختیار کرنا	34
502	ضعیف احادیث	57	482	براق باندھنے سے متعلق بحث	35
504	فرشتوں کے بارے میں دیگر روایات	58	482	انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھانا	36
505	اسراء کے بارے میں دیگر روایات	59	485	اس نماز سے متعلق مبالغہ	37
506	قلموں کی آواز سننا	60	486	معراج کی کیفیت	38

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
536	تمہید	1	507	جنت کی صفت	61
536	پہلے ذبح		511	حجاب اور اس کا معنی	62
537	مراتبہ رسل میں فرق		512	”ثم دنا قتل“ کی تفسیر	63
538	نبی اکرم ﷺ کی فضیلت	1	515	فاوجی الی عہدہ ماوجی	64
541	فضیلت نہ ماننے والوں کا اعتراض	2	517	لفظ عہد کے ساتھ موصوف ہونا	65
544	کیا بشر افضل ہیں یا فرشتے؟	3	517	اشارات	66
546	فرشتوں کے مراتب	4	519	اللہ تعالیٰ کا دیدار	67
546	حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت	5		ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے	68
547	انبیاء و رسل کی تعداد	6	520		
547	ورفتا لک ذکرک	7	521	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے	69
550	ما انزلنا علیک القرآن لتبین	8	522	آخرت میں رویت کا ثبوت	70
553	انا اعطیناک الکلوثر	9	522	”لا تدركه الابصار“ کے بارے میں آراء	71
554	الکلوثر کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف	10	525	شرعی طور پر رویت کا جائز نہ ہونا	72
557	خطاب کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کی تکریم	11		نبی اکرم ﷺ کے لئے رویت باری تعالیٰ کے بارے میں آراء	73
558	قیسریہ ذبح		525		
	قیسریہ ذبح		527	روایات کو جمع کرنا	74
	نبی اکرم ﷺ کا وصف شہادت سے موصوف ہونا اور آپ کی رسالت کی شہادت		527	حضرت امام احمد رحمہ اللہ کی رائے	75
562			528	اس مسئلہ میں توقف کا قول	76
562	والبعث فہم رسولنا منہم	1	529	نماز کی فرضیت	
564	بعث فی الامم رسولنا	2	529	احادیث مبارکہ	1
568	انا ارسلک شاہدا	3	530	شب معراج نماز کی فرضیت میں حکمت	2
570	وارسل رسولہ بالہدی	4	530	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نماز کی فرضیت	3
570	فطرت کی گواہی	5		حضرت موسیٰ علیہ السلام کے موقف میں اشارات	4
570	انی رسول اللہ الیکم	6	531		
572	قد جاءکم رسولنا	7	533	فرضیت نماز کی حدیث سے استدلال	5
573	رسول من انفسکم	8	533	اسراء کے بارے میں قریش کا موقف	6
574	شفاء شریف کے کلام کی توجیہ	9	535	اسراء کی حکمت	7
575	رحمۃ للعالمین	10		چھٹا مقصد	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
607	آپ کی حیات طیبہ کی قسم	1	578	خاتم النبیین	11
609	آپ کے شہر پاک کی قسم	2		چھوٹی قسمیں	
610	آپ کے زمانہ مبارکہ کی قسم	3		پہلی کتب یعنی تورات وانجیل وغیرہ میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہے کہ آپ رسول اور مشرف و کرم ہیں	579
612	چھوٹی قسمیں			پانچویں قسمیں	
	اللہ تعالیٰ کا آپ کو نور اور سراج منیر سے موصوف کرنا		590	حضور اکرم ﷺ کا مرتبہ شریفہ اور مقام قرآنی آیات کے حوالے سے	
615	تسلسلہ چھوٹی قسمیں			فتیلہ ۱	
	وہ آیات جو نبی اکرم ﷺ کی اطاعت اور آپ کی سنت کی اتباع پر مشتمل ہیں			اللہ تعالیٰ کا آپ کے خلق عظیم پر جسے آپ کے ساتھ خاص کیا نیز جو فضل عظیم آپ کو عطا کیا اس پر قسم کھانا	591
621	آخری چھوٹی قسمیں			فتیلہ ۲	
621	بارگاہ نبوی کے آداب	1		اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی قدر و منزلت کو ظاہر فرمایا اس پر قسم کھانا	594
622	رسول اکرم ﷺ سے آگے نہ بڑھنا	2		فتیلہ ۳	
623	نبی اکرم ﷺ کے پاس آواز بلند نہ کرنا	3		اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ پر کی گئی وحی اور کتاب نیز خواہشات سے آپ کی پاکیزگی کی تصدیق پر قسم کھانا	596
624	آپ کو پکارنے کا خاص طریقہ	4		جو کچھ وحی کیا گیا اس کی تصدیق پر قسم	596
624	نبی اکرم ﷺ سے اجازت طلب کرنا	5		صدائق کتاب کی قسم	599
625	آپ کے قول پر اعتراض نہ کیا جائے	6		قرآن کے وحی ہونے پر قسم	602
625	آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا			فتیلہ ۴	
	چھوٹی قسمیں			اللہ تعالیٰ کا رسول اکرم ﷺ کی رسالت کے ثبوت پر قسم کھانا	606
625	وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے خود نبی اکرم ﷺ کے دشمنوں کا رد کر کے آپ کی شان کو بلند فرمایا			فتیلہ ۵	
629	ان آیات سے ازالہ شبہات جو نبی اکرم ﷺ کے بارے میں بطور تشابہت وارد ہوئی ہیں			نبی اکرم ﷺ کی مدت حیات آپ کے زمانے اور آپ کے شہر کی قسم	607
629	وہ چھوٹی قسمیں				
629	وہدک ضالانہدی	1			
632	وہدک ضالانہدی	2			
633	لیغزلک اللہ	3			
635	یا ایہا النبی اتق اللہ	4			

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
659	اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت	9	636	فلا تطع الکذبین	5
661	ایمان کی مشاس کا معنی	10	636	فان کنت فی شک	6
	"مما سواہا" (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ) کی وضاحت	11	638	فلا تکونن من المکذبین	7
662	ایمان کا ذائقہ	12	638	فلا تکونن من الجاہلین	8
663	اللہ تعالیٰ کی محبت کا حکم	13	639	وان کنت من قبلہ لمن الغافلین	9
665	محبت رسول ﷺ کی علامات	14	640	واما یزغک من الشیطن نزع	10
671	(۱) آپ کی اقتداء	15	640	اذا حسی الی الشیطان فی اسنیۃ	11
671	(۲) شریعت پر راضی رہنا	16	641	عس وتولی	12
674	(۳) آپ نے دین کی مدد کرنا	17	642	عفا اللہ عنک	13
676	(۴) مصائب برداشت کرنا	18	643	تریدون عرض الدنیا	14
676	(۵) نبی اکرم ﷺ کے ذکر کی کثرت	19	646	لقد کدت ترکن الیہم	15
677	(۶) ذکر کے وقت آپ کی تعظیم	20	646	ولو تقول علینا	16
679	(۷) رسول اکرم ﷺ کی ملاقات کا شوق	21	648	ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان	17
680	(۸) قرآن مجید سے محبت	22		ساتواں مقصد	
682	(۹) سنت کی محبت	23		نبی اکرم ﷺ کی محبت نیز آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے حکم کا بیان	1
684	(۱۰) نبی اکرم ﷺ کے ذکر کی چاہت	24	650	فصل اول	
686	محبت اور گناہ کا اجتماع	25		نبی اکرم ﷺ کی محبت آپ کی سنت کی اتباع اور سیرت طیبہ کی اقتداء کا وجوب	
688	محبت اور خلعت میں فرق	26	650	محبت کی تعریف	1
690	تنبیہ	27	650	محبت کیا ہے؟	2
	فصل دوم		651	بعض تعریفات	3
690	بارگاہ نبوی میں ہدیہ صلوٰۃ و سلام پیش کرنا		652	محبت رسول ﷺ	4
690	صلوٰۃ (درود) کا معنی	1	654	نبی اکرم ﷺ سے محبت کا معنی	5
692	درود شریف پڑھنے کا فائدہ	2	655	اللہ تعالیٰ کی محبت	6
693	درود شریف پڑھنے کا حکم	3	656	نبی اکرم ﷺ سے محبت کی آزمائش	7
696	امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے کا مناقشہ	4	656	صحابہ کرام کی نبی اکرم ﷺ سے محبت کے کچھ نمونے	8
702	درود شریف پڑھنے کا طریقہ	5			
	حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود شریف کے	6	657		

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
733	حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کا مقام	8	704	ساتھ تشبیہ کی وجہ	
735	نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کن کن لوگوں کی مشابہت تھی؟	9	707	آل محمد ﷺ سے کون لوگ مراد ہیں؟	7
737	حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مقام	10	708	درود شریف کے افضل الفاظ	8
738	حضرت عقیل اور ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا مقام	11	709	لفظ رحمت کا استعمال	9
739	آل بیت کے بارے میں اصطلاحات	12	710	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا درود شریف	10
740	حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اور سبز لباس	13	712	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درود شریف کے الفاظ	11
741	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت		712	کچھ دوسرے الفاظ	12
741	اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی	1	713	درود شریف پڑھنے کے مواقع و مقامات	13
743	صحابی کی تعریف	2	714	حنیبہ	14
746	صحابہ کرام مخلوق میں سے بہترین ہیں	3		نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کی فضیلت	15
747	آخری انتقال کرنے والے صحابی	4	719		
747	مجموعی فضیلت ہے یا افراد کی فضیلت ہے؟	5	721	بارگاہ نبوی میں ہدیہ سلام	16
748	نبی اکرم ﷺ کے مشاہدہ کی فضیلت	6	721	غیر نبی پر سلام پڑھنا	17
749	طبقات صحابہ رضی اللہ عنہم	7	722	نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف پڑھنا	18
751	صحابہ کرام کی تعداد	8	723	غیر انبیاء پر درود شریف بھیجنا	19
751	صحابہ کرام میں سے افضل	9		فصل اول ۴	
752	حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما	10		نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام آپ کی آل آپ کے اہل بیت قرابت داروں اور اولاد کی محبت کا بیان	
752	عشرہ مبشرہ میں سے باقی کی فضیلت	11	724		
753	بزرگس کا واقعہ	12	724	آل بیت اور قرابت داروں کی محبت	1
755	افضلیت و محبت	13	724	آل بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟	2
755	صحابہ کرام کی محبت اور اس کی علامت	14	727	آل بیت کی محبت	3
			729	قرابت سے کون لوگ مراد ہیں؟	4
			730	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقام	5
			731	ایک شبہ کا جواب	6
			732	حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مقام	7

17	تیسرا مقصد: فصل ۱: نبی اکرم ﷺ کی تخلیق کامل اور حسن صورت
114	فصل ۲: رسول اکرم ﷺ کے پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ اوصاف
157	فصل ۳: نبی اکرم ﷺ کی ضروریات زندگی جیسے غذا، لباس اور نکاح وغیرہ
157	پہلی نوع: کھانے پینے کے سلسلے میں آپ کا گزران زندگی
198	دوسری نوع: نبی اکرم ﷺ کا لباس اور بچھونا
237	تیسری نوع: نکاح کے سلسلے میں سیرت نبوی
246	چوتھی نوع: آپ ﷺ کی نیند مبارک
252	چوتھا مقصد: فصل ۱: معجزات کا بیان
318	فصل ۲: رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات
450	پانچواں مقصد: اسراء و معراج
537	پہلی نوع: مراتب رسل میں فرق
558	دوسری نوع:
	تیسری نوع: نبی اکرم ﷺ کا وصف شہادت سے موصوف ہونا اور آپ کی رسالت کی شہادت
562	چوتھی نوع: پہلی کتب یعنی تورات و انجیل وغیرہ میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر
579	پانچویں نوع: قرآنی آیات کے حوالے سے حضور ﷺ کا مقام و مرتبہ
590	فصل ۱: اللہ تعالیٰ کا آپ کے خلق عظیم پر رحم کھانا
591	فصل ۲: قدر و منزلت پر رحم کھانا
594	فصل ۳: آپ ﷺ کی پاکیزگی کی قسم کھانا
596	فصل ۴: رسالت کے ثبوت پر اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا
606	فصل ۵: حضور ﷺ کی زندگی وغیرہ پر رحم کھانا
607	چھٹی نوع: اللہ تعالیٰ کا آپ کو نور اور سراج منیر سے موصوف کرنا
612	ساتویں نوع: وہ آیات جو نبی اکرم ﷺ کی اطاعت پر مشتمل ہیں
615	آٹھویں نوع: بارگاہ نبوی کے آداب
621	نویں نوع: آپ کی شان پر دلالت کرنے والی آیات
625	دسویں نوع: تشابہت آیات
629	ساتواں مقصد: فصل ۱: نبی اکرم ﷺ کی محبت وغیرہ کا وجوب
650	فصل ۲: بارگاہ نبوی میں ہدیہ صلوٰۃ و سلام پیش کرنا
690	فصل ۳: نبی اکرم ﷺ کی آل اور صحابہ کرام وغیرہ کی محبت کا بیان
724	



تیسرے مقصد کے مشمولات

- (۱) اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو کمال خلقت اور جمال صورت کے ذریعے جو فضیلت عطا فرمائی۔
 - (۲) آپ پر عمدہ اخلاق اور پسندیدہ صفات کے ذریعے کرم فرمایا اور شرف عطا فرمایا۔
 - (۳) رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کی ضرورت۔
- اور اس مقصد میں چار تفصیلات ہیں۔

فصل نمبر ۱

نبی اکرم ﷺ کی تخلیق کامل اور حسن صورت ۱

یہ بات جان لینا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب آپ پر یوں ایمان لایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بدن مبارک کو اس طرح بنایا کہ آپ سے پہلے اور بعد کسی انسان کو آپ کی مثل نہیں بنایا۔ آپ کے بدن مبارک میں اس بات کی علامات موجود ہیں کہ آپ کے نفس کریم کی تخلیق نہایت عظیم ہے اور آپ کے اخلاق مبارک میں آپ کے قلب پاک کی عظمت پر دلالت پائی جاتی ہے۔

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ نے کیا خوب فرمایا: ۲

لہو الذی تم معناه و صورہ
منزہ عن شریک فی محاسبہ
ثم اصطفاه حبیباً باری النسم
لجوہر الحسن لہ غیر منقسم
”یہی وہ ذات ہے جن کی صورت و معنی کی تکمیل ہو گئی پھر خالق نے اپنا دوست منتخب کیا آپ اس بات

۱ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۱۵ البدلیۃ النہایہ ج ۶ ص ۱۳ دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۰۱)

۲ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ کا اسم گرامی شرف الدین ابو عبد اللہ بن سعید بن عماد بن محسن بن عبد اللہ بن منہاج بن بلال امنہاجی ہے آپ کا لقب بوصیری ہے۔ آپ قاج کا فکار ہو گئے تھے تو آپ نے بارگاہ نبوی میں قصیدہ لکھا قصیدہ مکمل ہوا تو اسی رات حضور ﷺ کی زیارت ہوئی آپ نے امام بوصیری کے جسم پر دست مبارک پھیرا صبح اٹھے تو بالکل صحیح تھے۔

(تفصیلی حالات شرح قصیدہ بردہ ابوالبرکات مولانا عبدالمالک خان کے آغاز میں ملاحظہ کریں ۱۲ ہزار روپی)

سے بالاتر ہیں کہ کوئی آپ کے محاسن میں شریک ہو پس آپ میں جو ہر حسن تقسیم نہیں ہو سکتا، یعنی حسن کامل کی حقیقت آپ میں پائی جاتی تھی پھر وہ آپ ہی کا حسن مکمل و تام تھا اور یہ حسن آپ کے اور دوسروں کے درمیان تقسیم نہیں ہوا ورنہ آپ کا حسن تام و مکمل نہ ہوتا اس لیے کہ تقسیم کی صورت میں آپ کو بعض حصہ ملتا اور مکمل نہ ہوتا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک لشکر لے کر نکلے تو کسی قبیلے کے پاس ٹھہرے اس قبیلے کے سردار نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ کا وصف بیان کیجئے آپ نے فرمایا میں تفصیل سے بیان نہیں کر سکتا اس نے کہا اجمالی طور پر بیان کر دیں آپ نے فرمایا جیسا بھیجئے والا ہے اسی کے اعتبار سے رسول بھی ہیں لے ابن المہیر نے ”اسرازالاسرار“ میں یہ بات ذکر کی ہے۔ ع تو کس کی مجال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قدر و منزلت بیان کرے یا آپ کے ان مذکورہ احوال پر مطلع ہو سکے جس سے امید کی جاسکے یا پوچھا جائے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ ع نے ”کتاب الصلوٰۃ میں“ بعض بزرگوں سے نقل کیا وہ بزرگ فرماتے ہیں: ہمارے لئے نبی اکرم ﷺ کا تمام حسن ظاہر نہیں ہوا اگر آپ کا تمام حسن ہمارے سامنے ظاہر ہوتا تو ہماری آنکھیں آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکتیں۔

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

اعبى الورى فهم معناه فليس يرى
للقرب والبعد فيه غير منفحم
كالشمس تظھر للعینین من بعد
صغيرة و تكل الطرف عن امم
”لوگ آپ کی حقیقت کو سمجھنے سے عاجز ہو گئے پس کوئی شخص چاہے وہ آپ کے قریب زمانہ کا ہو یا دور کا آپ کے کمالات کے بیان سے عجز کے بغیر نہیں دیکھا“ آپ کی مثال سورج کی طرح ہے جو دور سے آنکھوں کو چھوٹا دکھائی دیتا ہے اور قریب سے آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے۔“
اور یہ ان کے اس شعر کی طرح ہے:

انما مثلوا صفاتک للناس
كما مثل النجوم الماء
”انبیاء کرام نے آپ کی صفات لوگوں کے لئے اس طرح بیان کی ہیں جیسے پانی میں ستارے دکھائی دیتے ہیں ع تظہر (ظاہر ہونا) فرما کر سورج سے تشبیہ کی وجہ بیان کی یعنی ظہور کے اعتبار سے تشبیہ ہے۔ مطلق تشبیہ مراد نہیں کیونکہ سورج میں عیب ہے آپ میں نہیں۔“

۱۔ یعنی بھیجئے والی ذات بہت بلند و بالا ہے تو اس نے اپنے شایان شان رسول کو بھیجا۔

ع اس کتاب کا نام المقتفی ہے اور یہ نہایت عمدہ کتاب ہے اس کی پہلی قسم معراج شریف کے بارے میں اور دوسری قسم ہیرت سے متعلق ہے اور ابن منیر ناصر الدین احمد بن محمد جذامی اسکندرانی بہت بڑے عالم تھے۔

ع امام قرطبی معروف مفسر ہیں اندلس کے ایک شہر قرطبہ سے تعلق تھا محمد بن احمد ابن ابی بکر بن فرح ابو عبد اللہ انصاری اندلسی نام ہے۔

ع یعنی پانی میں ستاروں کو دیکھنے سے ان کی تپک آنکھوں کے لیے قابل برداشت ہو سکتی ہے اور بلا واسطہ نہیں دیکھ سکتے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے حسن مبارک کو پوشیدہ رکھا تا کہ دیکھ سکیں پھر بھی صحابہ کرام آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔

مطلق تشبیہ کی خرابی کو ابوالنواس (حسن بن ہانی بن عبدالاول عباسی شاعر) نے یوں بیان کیا ہے۔
 تَبِيهَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ الْمُنِيرِ اِذَا قُلْنَا كَانَهُمَا الْاَمِيرِ
 لَانِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ حِيْنَ تَمْسِي وَاِنَّ الْبَدْرَ يَنْقُصُهُ الْمَسِيرِ
 ”سورج اور روشن چاند فخر کرتے ہیں جب ہم کہتے ہیں گویا کہ وہ امیر ہیں کیونکہ سورج شام کے وقت غروب ہو جاتا ہے اور چاند چل چل کر چھوٹا ہو جاتا ہے آپ ﷺ کے حق میں یہ تشبیہات محض مثال دینے کے طور پر ہیں ورنہ آپ کی ذات والا صفات بہت بلند اور آپ کی بزرگی بہت گراں قدر ہے۔“

سر انور کی صفت

آپ کے سر انور مبارک کے سلسلے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ نے اپنی جامع (جامع ترمذی) میں اپنی سند سے حضرت ہند بن ابی ہالہ سے روایت کرتے ہوئے جو کچھ نقل کیا ہے وہ کافی ہے وہ فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَظِيمَ الْهَامَةِ. آپ بڑے (معتدل) سروالے تھے۔

(دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۱۶ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۱۵)

حضرت نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ہمارے لئے رسول اکرم ﷺ کا وصف بیان کرتے ہوئے بتایا۔

كَانَ عَظِيمَ الْهَامَةِ. آپ کا سر انور بڑا تھا۔

چہرہ انور

آپ کے چہرہ انور کے حوالے سے تمہارے لیے وہ حدیث کافی ہے جسے حضرت امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا نَبِيَّ أَكْرَمَ ﷺ خَيْرَ بَصُورَةٍ تَحْتَ أَوْرَسٍ سَبَّحَ
 وَ أَحْسَنَهُمْ خَلْقًا لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الذَّاهِبِ وَلَا اخْلَاقَ كَ مَالِكٍ تَحْتَ آفٍ نَدَوْبَةٍ لَبَّ قَدْوَالَةٍ تَحْتَ أَوْرَسٍ
 بِالْقَصِيرِ الْبَائِنِ. نہ ہی آپ کا قد بہت چھوٹا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۹ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۷۷ دلائل النبوة ج ۱ ص ۱۹۳ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۱۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے زیادہ حسن والا کسی کو نہیں دیکھا گویا

آپ کے چہرہ انور میں سورج چل رہا ہو۔ (مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۸۰ دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۰۹ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۸)

طبی فرماتے ہیں سورج کے اپنے فلک میں چلنے سے نبی اکرم ﷺ کے چہرے انور میں حسن مبارک کو تشبیہ دی ہے

(کہ جس طرح سورج اپنے فلک میں چلتا ہے حسن کا فلک چہرہ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ ۱۲ ہزار روئی)۔

۱۔ ان کا اصل نام حسن بن ہانی ہے۔ ۱۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں بغداد شہر میں فوت ہوئے۔ (فلاعلام ج ۲ ص ۲۲۵ ابن

عساکر ج ۳ ص ۲۵۴ خزائن الأدب ج ۱ ص ۱۶۸ انبیاء فیات لا عیان ج ۱ ص ۱۳۵ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳۳۶ اشعرا و اشعراء ص ۳۱۳)

نوٹ: سر کا بڑا ہونا دماغی قوت کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ انتہائی درجہ کی تشبیہ ہو کہ آپ کے چہرہ انور کو سورج کا ٹھکانہ اور مکان قرار دیا۔
کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

لم لا یضیء بک الوجود ولیلہ فیہ صباح من جمالک مسفر
فبشمس حسنک کل یوم مشرق وبسدر وجہک کل لیل مقمر
”آپ کی وجہ سے وجود میں چمک کیونکر نہیں ہوگی جب کہ اس کی رات میں آپ کے جمال کی وجہ سے
صبح روشن ہے آپ کے حسن سے ہر دن سورج طلوع ہوتا ہے اور آپ کے چہرہ انور کے چاند سے ہر رات
چاندنی ہوتی ہے۔“

”صحیح بخاری میں“ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا نبی اکرم ﷺ کا چہرہ انور تلواری کی طرح تھا؟ فرمایا
نہیں بلکہ چاند کی طرح تھا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۶، دلائل النبوة ج ۱ ص ۱۹۵، مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۱، ج ۵ ص ۱۰۴)
گویا پوچھنے والے کا مطلب یہ تھا کہ لمبائی میں تلواری کی طرح تھے تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کی بات کو رد کیا
اور فرمایا بلکہ چاند کی طرح تھا یعنی گول تھا اور ممکن ہے تلواری سے تشبیہ کا مطلب یہ ہو کہ چمکتا تھا تو آپ نے فرمایا بلکہ اس سے
اوپر تھا اور آپ نے چاند کا ذکر فرمایا کیونکہ چاند میں دو وصف ہیں گول بھی ہے اور چمکتا بھی ہے۔

حافظ نسائی ابو الخطاب بن دحیہ رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب ”التلوین فی مولد البشیر والندیر میں“ حضرت براء رضی اللہ عنہ
کی یہ حدیث نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص صحیح تشبیہ نہ دے سکتا ہوا اسے اس کا اقرار نہیں کرنا
چاہیے کیونکہ سائل نے آپ کے چہرہ انور کو تلواری سے تشبیہ دی ہے اگر وہ سورج سے تشبیہ دیتا تو زیادہ بہتر تھا۔ (کشف
الظنون ج ۱ ص ۵۰۲) تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کے قول کو رد کر کے فرمایا بلکہ چودہویں کے چاند کی طرح ہیں اور
آپ نے نہایت عمدہ تشبیہ دی ہے کیونکہ چاند اپنے نور سے زمین کو بھر دیتا ہے اور ہر دیکھنے والا اس سے مانوس ہوتا ہے اسی
طرح اس کی روشنی میں پریشان کن گری نہیں ہوتی اور نہ آنکھوں پر بوجھ پڑتا ہے جبکہ سورج آنکھوں کو ڈھانک لیتا ہے اور
دیکھنے والے کو نقصان ہوتا ہے۔

”صحیح مسلم کی“ ایک روایت جو حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا
کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور تلواری کی طرح تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ سورج اور چاند کی طرح تھا اور گول تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۶، مسند امام احمد ج ۳ ص ۲۸۱، ج ۵ ص ۱۰۴، البدایہ والنہایہ
ج ۶ ص ۱۴، دلائل النبوة ج ۱ ص ۱۹۵)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کا چہرہ انور گول تھا۔ یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ دونوں وصف جمع فرمائے
کیونکہ تلواری کی طرح ہونے سے لمبائی بھی مراد ہو سکتی ہے اور چمک بھی جیسا کہ پہلے اشارہ ہو چکا ہے تو مسئول نے سائل کی
بات کو اچھی طرح رد کیا۔

اور جب یہ بات معاشرے میں معروف ہے کہ سورج سے تشبیہ عام طور پر چمک کے حوالے سے ہوتی ہے اور چاند
سے تشبیہ کا مقصد ملاحظہ (خوبصورتی) بیان کرنا ہوتا ہے کوئی دوسری بات مقصود نہیں ہوتی تو آپ نے ”مسند ی“ (گول)

کا لفظ فرما کر دونوں صفتوں میں تشبیہ کو بیک وقت بیان کیا یعنی حسن اور گولائی۔

حضرت محارب بن حکیم سے وہ ابو اسحاق سے وہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے ایک مکمل روشن رات میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اور آپ پر سرخ رنگ کا جوڑا تھا میں کبھی آپ کو دیکھتا اور کبھی چاند کو تو آپ مجھے چاند سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیتے۔ ایک روایت میں سرخ حلے کے ذکر کے بعد یوں ہے کہ میں آپ کے اور چاند کے درمیان مماثلت دیکھنے لگا (تو آپ زیادہ خوبصورت تھے)۔

حضرت امام ترمذی اور امام بیہقی رحمۃ اللہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کا وصف یوں نقل کرتے ہیں کہ آپ نہ تو بہت زیادہ بھاری جسم والے تھے (اور نہ زیادہ کمزور تھے) اور آپ کا چہرہ مبارک مکمل طور پر گول نہ تھا (بلکہ اس میں قدرے گولائی تھی)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۸)

ابو عبید نے ”الغرائب میں“ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے چہرہ مبارک میں قدرے گولائی تھی حضرت ابو عبید نے اس کی شرح میں فرمایا: کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت زیادہ گول نہ تھا بلکہ اس میں کچھ گوشت کم تھا (لہذا مکمل گول نہ تھا) اور یہ بات اہل عرب کے ہاں بہت پسندیدہ ہے۔ ۱۔
الذہلی (محمد بن یحییٰ بن عبد اللہ نیشاپوری امیر المؤمنین فی الحدیث اور ائمہ عارفین میں سے ایک تھے متوفی ۲۰۸ھ (الاعلام ج ۷ ص ۱۳۵ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۱۵ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۳۰) اثر ہریات ۲ میں نبی اکرم ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کے رخسار مبارک نرم و نازک تھے۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ ”اسالۃ الخد“ کا مطلب رخساروں کا لمبا ہونا اور اٹھا ہوا نہ ہونا ہے۔

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شاید اس شخص کے سوال کی وجہ یہی ہے جس نے پوچھا تھا کہ کیا آپ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح ہے؟
حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک روشن ہو جاتا گویا وہ چاند کا ایک ٹکڑا ہو اور ہمیں اسی جگہ سے پتہ چلتا تھا یعنی جس مقام سے سرور ظاہر ہوتا اور وہ آپ کی پیشانی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۵۶-۳۳۱۸ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۴ دلائل النبوة ج ۱ ص ۱۹۷)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ خوشی خوشی تشریف لائے تو آپ کے چہرہ انور کی (پیشانی) لکیریں چمک رہی تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۷۰-۳۵۵۵-۳۷۷۱-۶۷۷۱ دلائل النبوة ج ۱ ص ۱۹۸)
اس لئے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔

امام طبرانی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے چہرہ ۱۔ ابو عبید قاسم بن سلام بغدادی امام حافظ مشہور معتمد تھے ۲۲۳ھ میں وفات پائی انقریب میں کہا کہ آپ نہایت ثقہ تھے۔ غریب حدیث کی وہ کتاب ہے جس کی تشریح و تفسیر کی ضرورت ہو اور ابو عبید قاسم کے اقوال احادیث کی تشریح میں پائے جاتے ہیں۔ (زرقاتی جلد ۳ ص ۷۶)
۲۔ وہ کتاب جس میں امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ کی روایات جمع ہیں۔

انور کے ذریعے ہماری طرف متوجہ ہوتے تو گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ یہ اس بات پر محمول ہے کہ توجہ کے وقت یہ صورت ہوتی تھی۔

امام طبرانی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کئی طرق سے روایت کی ہے ان میں سے بعض طرق میں یوں ہے کہ گویا وہ چاند کا بالہ ہو۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے اس قول کے خوالے سے پوچھا جاتا ہے کہ چاند کا ٹکڑا ہونے کی قید میں کیا راز ہے جب کہ بلیغ لوگوں کے کلام میں عام طور پر آپ کے چہرہ انور کو چاند سے تشبیہ دی گئی ہے اور ٹکڑے کی قید نہیں ہے اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ یہ بات شعراء صحابہ کرام کے اشعار سے کہتے تھے لہذا اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ہے اور وہ جو کہا جاتا ہے کہ چاند میں پائی جانے والی سیاہی سے بچنے کی خاطر (مکمل چاند کی بجائے) چاند کا ٹکڑا کہا ہے تو یہ تاویل مضبوط نہیں ہے کیونکہ آپ کو چاند سے تشبیہ روشنی اور چمک کی وجہ سے دی گئی اور وہ پورے چاند میں ہوتی ہے اس کے کسی ایک ٹکڑے میں نہیں گویا چہرے کے بعض حصے کو تشبیہ دی گئی پس مناسب یہی تھا کہ چاند کے بعض حصے سے تشبیہ دی جائے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور چاند کے بالہ کی طرح تھا۔ اسے ابو نعیم نے نقل کیا ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۵۲۶ جامع الکبیر ج ۲ ص ۳۰۱)

امام بیہقی رحمۃ اللہ حضرت ابواسحاق ہمدانی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ہمدان کی ایک عورت سے جس کا انہوں نے نام لیا تھا (لیکن راوی بھول گئے) روایت کرتے ہیں وہ کہتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ کئی بار حج کیا۔ تو میں نے آپ کو آپ کے اونٹ پر دیکھا آپ خانہ کعب کا طواف کر رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں عصا مبارک تھا (جس کا کنارہ مڑا ہوا تھا) اور آپ پر دوسرخ چادریں تھیں آپ کے بال مبارک کاندھوں کو چھونے کے قریب تھے جب آپ حجر اسود کے پاس سے گزرتے تو عصا سے اسے چھوتے (یا اشارہ کرتے) پھر اسے اٹھا کر چومتے۔

ابواسحاق کہتے ہیں میں نے کہا نبی اکرم ﷺ کی تشبیہ بیان کرو تو اس نے کہا آپ چودہویں رات کے چاند کی طرح تھے میں نے آپ سے پہلے اور بعد کسی کو آپ کی مثل نہیں دیکھا۔ (دلائل النبوة ج ۱ ص ۱۹۹ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۷)

امام دارمی، بیہقی، ابو نعیم اور طبرانی رحمۃ اللہ نے حضرت ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصف بیان کریں تو انہوں نے فرمایا اگر تم آپ کو دیکھتے تو کہتے سورج طلوع ہو گیا ہے (سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۰۰ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۰ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۹۳) ایک روایت میں ہے انہوں نے فرمایا بیٹا! اگر تم آپ کو دیکھتے تو طلوع ہونے والا سورج دیکھتے۔

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ نے حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ان سے نبی اکرم ﷺ کا وصف بیان کرنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے فرمایا آپ سفید رنگ (سرخ مائل) تھے اور آپ کا چہرہ انور نہایت خوبصورت تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۳ مسند امام احمد ج ۵ ص ۳۵۴ دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۰۵ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۶ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۲۱)

۱۔ یعنی ہجرت سے پہلے کئی بار حج کیا اور نہ ہجرت کے بعد آپ نے صرف ایک بار حج فرمایا۔ (ذرقانی ج ۳ ص ۷۷)

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ہند بن ابوالہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھرپور شخصیت کے مالک تھے (اور چہرہ انور بھرا ہوا تھا) آپ کا چہرہ مبارک چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

(شرح السنہ ج ۳ ص ۲۷۰ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۲۲ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۳ شمائل ترمذی ص ۹-۱۹-۱۶۵ دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۸۶ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۰۷ تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۲۹ تاریخ اسلام ج ۲ ص ۳۱۱ شمائل الرسول ص ۵۰ خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۷۶ عیون الاثر ج ۲ ص ۴۰۵)

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا (عاتکہ بنت خالد خزاعیہ سفر ہجرت میں جن کی بکری سے آپ ﷺ نے دودھ حاصل کیا) نے اپنے خاوند سے آپ کا وصف یوں بیان کیا کہ آپ کا چہرہ انور روشن اور چمکتا تھا (جب صبح روشن ہو جائے تو کہتے ہیں صبح الصبح) (عارف کبیر) سیدی علی بن وفا شاذلی رحمۃ اللہ کا قول کتنا عمدہ ہے فرماتے ہیں:

الا یا صاحب الوجه الملیح	سالتک لا تغیب عنی فانت روحی
متی ما غاب شخصک عن عیانی	رجعت فلا تری الا ضریحی
بحقک جد لرقک یا حبیبی	وداؤ لوعة القلب الجریح
ورق لمغرم فی الحب امسی	واصبح بالهوی دنفا طریح
مجب ضاق بالاشواق ذرعا	واوی منک للکرم الفسیح

”اے خوبصورت چہرے والے! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ سے غائب نہ ہوں پس آپ میری روح ہیں جب آپ کی ذات والا صفات مجھ سے غائب ہوتی ہے تو میں واپس لوٹتا ہوں پس تو میری قبر ہی دیکھے گا۔ اے میرے حبیب اپنے غلام کو پائیے (میں آپ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں) اور زخمی دل کی جلن کا علاج کیجئے آپ اپنے اس محبت پر رحم فرمائیں جس کا دل محبت میں جل چکا ہے وہ لا علاج مرض میں مبتلا ہے اور پھینک دیا گیا ہے ایسا محبت کہ شوق کی وجہ سے اس کا سینہ تنگ ہو چکا ہے اور وسیع کرم کے لیے آپ کے ہاں پناہ مانگتا ہے۔“

”انہایہ میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ جب خوش ہوتے تو گویا آپ کا چہرہ آئینے کی طرح ہوتا اور دیواریں آپ کے چہرہ انور میں نظر آتی تھیں۔

ابن ابی ہالہ کی روایت میں ہے کہ آپ کا چہرہ انور اس طرح روشن ہوتا جس طرح چودہویں رات کا چاند چمکتا ہے۔ کیونکہ چاند اپنی روشنی سے زمین کو بھر دیتا ہے اور اسے دیکھنے والا ہر شخص اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کا نور اذیت پہنچائے بغیر دیکھا جاسکتا ہے اور اس پر نظر ٹھہر سکتی ہے جب کہ سورج کا یہ حال نہیں ہے بلکہ وہ آنکھوں کو ڈھانپ لیتا ہے لہذا اسے دیکھنا ممکن نہیں ہوتا اور قمر کی بجائے بدر سے تشبیہ زیادہ ملیں ہے کیونکہ بدر (چودہویں کا چاند) اپنے وقت کمال پر ہوتا ہے۔

جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو کہا یا جب آپ کو دیکھتے تو کہتے:

لو کنت من شیء سوی بشر کنت المنور لیلۃ البدر
”اگر آپ بشر ہونے کے علاوہ کچھ ہوتے تو چودہویں کا چاند ہوتے اور یہ حقیقی تشبیہ ہے کیونکہ آپ کا

ایک اسم گرامی بدر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان لوگوں نے پڑھا

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع

”وداع کی گھاٹیوں سے چودہویں کا چاند ہم پر طلوع ہوا۔“

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

كالبدر والكاف ان انصفت زائدة فيه فلا تظننها كافا لتشبيه

”اگر تم انصاف سے کام لو تو کالبدر میں کاف زائدہ ہے پس اسے تشبیہ کا کاف نہ کہو۔“

ابن الحمادی کا قول کتنا عمدہ ہے:

يقولون يحكى البدر فى الحسن وجهه وبدر الدجى عن ذلك الحسن ينحط

کما شبهوا غصن النقا بقوامه لقد بالغوا فى المدح للغصن واشتطوا

”لوگ کہتے ہیں کہ چودہویں کا چاند حسن میں آپ کے چہرہ انور کی ترجمانی کرتا ہے حالانکہ اندھیری

رات کا چاند آپ کے چہرہ مبارک کے حسن سے کم ہے جس طرح انہوں نے نقا (ایک بوٹی یا درخت) کی ٹہنی

کو آپ کے قد سے تشبیہ دی لیکن انہوں نے ٹہنی کی تعریف میں مبالغہ کیا اور ظلم کیا۔“

چاند اور ٹہنی کو اس تشبیہ سے بہت زیادہ فخر حاصل ہوا علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ کی صفات میں یہ تشبیہات شعراء اور

اہل عرب کی عادت کے مطابق ہیں ورنہ ان میں سے کوئی بھی تشبیہ نبی اکرم ﷺ کی خلقی اور خلقی صفات کے برابر نہیں

ہو سکتی۔

امام الغار فین سید محمد وفا شاذلی مالکی (ان کا اصل نام محمد بن محمد بن محمد اسکندری ہے) ابوالفضل اور ابوالفتح القاب ہیں۔

مالکی مذہب ہیں ۷۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۶۵ھ میں قاہرہ میں وفات پائی (رحمۃ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے

انہوں نے کیا خوب فرمایا:

کم فيه للأرواح راح مسكر

بشرأ بأسرار الغيوب يشر

هيهات يشبه الغزال الأحور

وأرى المشبه بالغزاله يكفر

لولا لرب جماله يستغفر

وبحسنه كل المحاسن تفخر

وله منار كل وجه نير

ودليله ان المرأش كوتر

والغير فى حشر الأجانب يحشر

كتبنا تؤول بالهوى وتفسر

کم فيه للأبصار حسن مدھش

سبحان من أنشاه من سبحاته

قاسوه جهلا بالغزال تغزلا

هذا وحقك ماله من مشبه

يأتى عظيم الذنب فى تشبيهه

فخر الملاح بحسنهم وجمالهم

فجماله مجلى لكل جميلة

جنات عدن فى جنى وحناته

هيهات ألهو عن هواه بغيره

كتب الغرام على فى أسفاره

فدع الدعی وما ادعاه فی الهوی فدعیہ بالهجر فیہ یهجر
وعلیک بالعلم العلیم فانہ لخطیبہ فی کل خطب منبر

(الاعلام ج ۷ ص ۳۷ شذرات الذهب ج ۶ ص ۲۰۶ الدرر الکامنه ج ۳ ص ۲۷۹)

”آپ کے حسن مبارک نے کتنی ہی آنکھوں کو مدہوش کیا اور آپ میں ارواح کے لئے نغمہ دینے والی راحت ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے انوار سے آپ کو بشر پیدا کیا اور آپ غیبی خبروں کی بشارت دیتے ہیں۔ لوگوں نے غزل گوئی کے دوران آپ کو ہرن سے تشبیہ دی عقل سے بڑی بعید بات ہے کہ ہرن کا دودھ پیتا بچہ آپ سے مشابہ ہو تمہارے رب کی قسم کوئی ان کی مثال نہیں اور میرا خیال ہے کہ آپ کو ہرنی سے تشبیہ دینے والا حقیقت محمدی کا منکر ہے۔

آپ کو کسی سے تشبیہ دینا نہایت بڑے گناہ کا سبب ہے اگر شاعر آپ کا جمال پیدا کرنے والے سے مغفرت طلب نہ کرے۔ حسنین کو اپنے حسن و جمال پر فخر ہے جبکہ خوبیاں آپ کے حسن و جمال پر نازاں ہیں۔ آپ کا جمال ہر حسین کے لئے ظاہر ہے اور ہر چہرے کی خوبصورتی کا منبع آپ ہی ہیں۔

آپ کے رخساروں کی خوبصورتی میں جنات و عدن کی جھلک ہے اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ کوثر آپ سے استفادہ کرنے والا ہے ناممکن بات ہے کہ میں غیر کی محبت کے سبب آپ کی محبت کو بھول جاؤں اور یہ غیر بروز قیامت اجنبیوں میں اٹھایا جائے گا۔

محبت کی بڑی کتابوں میں آپ کی محبت مجھ پر لازم کر دی گئی جس کی تفسیر اور تاویل محبت کے ساتھ ہی کی جاتی ہے۔ محبت کے دعویدار کو اور محبت میں اس کے دعویٰ کو چھوڑ دے اسے فرقت میں ہی رہنے دو وہ اسی قابل ہے۔

اور تو بہت علم والے عالم سے مدد مانگ کیونکہ وہ آپ کے مدح خواں کے لیے ہر مشکل میں مددگار

ہے۔“

آنکھ مبارک ۱

آپ کی بصارت مبارکہ کا وصف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى

(النجم: ۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح دن کی روشنی میں دیکھتے تھے۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۷۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ اندھیرے میں اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح روشنی میں دیکھتے تھے۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۷۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کیا تم میری توجہ (اور قبلہ) اس طرف کو سمجھتے

۱ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۱۰ البدلیۃ والتمایہ ج ۶ ص ۱۷)

ہو پس اللہ کی قسم مجھ پر تمہارا رکوع اور سجدہ بھی پوشیدہ نہیں ہے میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۸۰-۳۱۷۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۹۰ مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۳-۳۶۵-۳۷۵ مسند ابوعوانہ رقم الحدیث: ۱۳۸ دلائل النبوة ج ۶ ص ۶۳ الدرا المنصور ج ۵ ص ۹۸ شرح السنہ ج ۳ ص ۲۸۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۴۸۱-۲۱۶۹۲ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۶۱۱)

”صحیح مسلم میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:
ایہا الناس! انبی امالکم فلا تسبقونی . اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں پس رکوع اور سجدہ میں
بالرکوع ولا بالسجود فانی اراکم من امامی . مجھ سے سبقت نہ کرو بے شک میں تمہیں اپنے آگے اور
ومن خلفی . پیچھے کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۲۰ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۹۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۲۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۱۳۷ صحیح ابن
خزیمہ رقم الحدیث: ۹۵۸۷ دلائل النبوة ج ۶ ص ۶۴ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۴۹۵)

ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَ تَقْلُبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ۝ (الشعراء: ۲۱۸-۲۱۹)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنے پیچھے صفوں کو بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے دیکھتے تھے اسے حمیدی نے اپنی مسند میں اور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔
(تفسیر البغوی ج ۳ ص ۳۳۳ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۶۲۳ الدرا المنصور ج ۵ ص ۹۸)

اور یہ دیکھنا ادراک کا دیکھنا تھا (یعنی معلوم ہو جانا) اور یہ آلہ یعنی آنکھ پر موقوف نہیں ہے یہ اہل حق کا مذہب ہے نہ اس میں شعاع کی ضرورت ہے اور نہ اس چیز کے سامنے ہونے کی حاجت ہے۔

یہ جو قدیم بلند ذات کی نسبت سے ہے جہاں تک مخلوق کا تعلق ہے تو اس کے حق میں دیکھنے کے لئے آنکھ شعاع اور (اس چیز کا جس کو دیکھا جا رہا ہے) بالمقابل ہونا ضروری ہے اور اس پر اتفاق ہے اسی لئے یہ دیکھنا نبی اکرم ﷺ کا معجزہ تھا اور آنکھ میں دیکھنے کی قدرت پیدا کرنے والا اس بات پر قادر ہے کہ آنکھ کے غیر میں یہ قوت پیدا کر دے۔

الحمرالی رحمۃ اللہ (علی بن احمد بن حسن جو قبیلہ بربر کی طرف منسوب ہیں اور بے شمار تصانیف کے مصنف ہیں) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو حقیقت امر پر دلیل بنایا یعنی آپ کو عملی وسعت کے اعتبار سے باطنی اطلاع اور معرفت حاصل تھی جب آپ نے لوگوں کو اپنے رب کی پہچان کرائی اپنی ذاتی کمالات کی پہچان نہیں کرائی تو اللہ تعالیٰ نے پہلے اور پچھلے تمام امور پر آپ کو مطلع فرمادیا اور جب یہ سب کچھ دلوں کے ادراک پر مشتمل تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مثل آنکھوں کا ادراک بھی بنا دیا پس آپ محسوسات کو اپنی پیٹھ کے پیچھے اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح اپنے سامنے دیکھتے تھے۔ (حرالی کا کلام مکمل ہوا)۔ (الاعلام ج ۳ ص ۲۵۶ فتح الطیب ج ۱ ص ۳۱۷ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۱۸ لسان المیزان ج ۴ ص ۲۰۴ طبقات المفسرین ج ۱ ص ۳۹۲)

زابدی بختیار محبت بن محمود (یعنی ابوالزجاج الغزنی ملقب بنجم الدین متوفی ۶۵۸ھ) شارح مختصر القدوری نے اپنے

رسالہ ”الناصریہ“ میں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دونوں کاندھوں کے درمیان سوئی کے سوراخ جیسی دو آنکھیں تھیں جن سے آب دیکھتے تھے اور لباس ان کے راستے میں حائل نہ ہوتا۔ (یہ روایت غریب ہے معروف نہیں)

(فتح الباری ج ۱ ص ۶۷۷، الاعلام ج ۷ ص ۱۹۳، الفوائد الجلیہ ص ۲۱۲، کشف الظنون ج ۱ ص ۶۲۸)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قبلہ کی جانب دیوار پر صورتیں نقش ہو جاتی تھیں جس طرح شیشے میں ہوتا ہے تو آپ ان کے افعال کا مشاہدہ فرماتے تھے۔ یہ بات اگر نبی اکرم ﷺ سے صحیح طریقے پر منقول ہو تو مقبول ہے ورنہ یہ رائے کا مقام نہیں ہے علاوہ ازیں یہ بات زیادہ مناسب ہے کہ یہ آپ کا معجزہ تھا اور آپ کو کسی آلہ کے بغیر ادراک ہو جاتا تھا۔ واللہ اعلم۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ دل سے دیکھنا تھا بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد علم ہے وہ وحی کے ذریعے ہو کہ ان کے افعال کی کیفیت بتائی گئی یا الہام کیا گیا لیکن پہلی بات (کہ کسی آلہ کے بغیر ادراک ہوتا تھا) صحیح اور بہتر ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس سے محض علم مراد ہے ان پر اعتراض کیا گیا جو ابن جوزی نے اپنی بعض کتب میں کسی سند کے بغیر لکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ہے۔ مگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس سے علم غیب کی نفی ہوگی اور یہ دونوں باتیں کس طرح جمع ہوں گی؟

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ اس پہلی حدیث کا ظاہر بتا رہا ہے کہ یہ نماز کی حالت سے خاص ہے اور مطلق کو تنقید پر محمول کیا جائے گا اور جب ہم آنکھوں سے دیکھنے کی طرف جائیں اور یہی بہتر ہے تو کوئی اعتراض نہیں کیونکہ یہ غیب کے ذریعے علم کی نفی ہے اور وہ مشاہدہ سے ہوتا ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ کی کتاب ”القاصد الحسنہ“ میں ہے اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے شیخ، شیخ الاسلام ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں لیکن میں کہتا ہوں ”تخریج احادیث الرافعی“ میں ذکر خصائص کے ساتھ ہی لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پیٹھ کے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح آگے دیکھتے تھے۔ صحیحین وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ کی روایت سے اس کا معنی مراد ہے۔

(تذکرۃ الموضوعات ص ۸۷، کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۵۰، الاسرار المفردہ رقم الحدیث: ۳۰۰)

اس سلسلے میں جو احادیث آئی ہیں ان میں حالت نماز کی قید ہے اسی طرح اس حدیث کو اور اس حدیث کو کہ میں اس دیوار کے پیچھے نہیں جانتا جمع کیا جاسکتا ہے۔

ہمارے شیخ امام سخاوی رحمۃ اللہ نے فرمایا: یہ اس بات کی خبر ہے کہ یہ (دیوار کے پیچھے علم نہ ہونے والی) حدیث آئی ہے اور اگر یہ ہے تو ان دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں کیونکہ دونوں کا محل الگ الگ ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس حدیث پر ان بے شمار احادیث کی وجہ سے اعتراض ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے زمانے کے غیبی امور اور بعد کے بارے میں بھی خبر دی ہے اور وہ امور اسی طرح حواقیع ہوئے جس طرح آپ نے خبر دی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ علم کی نفی اصل وضع کے اعتبار سے ہے یعنی غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات سے خاص ہے اور جو کچھ نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے بیان ہوا وہ وحی یا الہام کے ذریعے ہوا۔

اور اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی تو بعض منافقین نے گفتگو کی اور کہا کہ حضرت محمد ﷺ آسمانی خبروں کے بارے میں دعویٰ کرتے ہیں لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کی اونٹنی کہاں ہے؟ جب

آپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا اللہ کی قسم میں وہی بات جانتا ہوں جو مجھے میرے رب نے بتائی اور میرے رب نے مجھے بتایا ہے کہ میری اونٹنی فلاں فلاں جگہ ہے اس کی لگام ایک درخت کے ساتھ انک گئی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام تشریف لے گئے اور جس طرح آپ نے فرمایا تھا اسی طرح پایا۔

تو صحیح بات یہ ہے کہ دیوار کے پیچھے یا اس کے علاوہ کوئی اکرم علیہ السلام اسی صورت میں جانتے ہیں جب آپ کا رب آپ کو آگاہ فرمائے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے ”شفاء شریف میں“ فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ثریا میں گیارہ ستارے دیکھا کرتے تھے اور امام سکیل رحمۃ اللہ نے بارہ ستاروں کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن ابی ہالہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب توجہ فرماتے تو پوری طرح توجہ فرماتے اور آپ کی نگاہ جھکی ہوتی، آسمان کے مقابلے میں زمین کی طرف طویل نظر فرماتے اور آپ کا زیادہ تر دیکھنا آنکھ کے کنارے سے ہوتا تھا۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۵، مسند احمد ج ۵ ص ۹۷-۱۰۵، المسند رک ج ۲ ص ۲۰۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۱۳، الشماائل رقم الحدیث: ۱۱۳، تہذیب ابن عساکر ج ۱ ص ۳۲۲)

اس حدیث میں ”ملاحظہ“ کا لفظ ہے جو ”الخط“ سے ”مفاعلہ“ ہے اور یہ آنکھ کے کنارے سے دیکھنا ہے جو کنپٹی سے ملی ہوتی ہے اور وہ جو ناک سے ملی ہوتی ہے وہ ”موق“ اور ”ماق“ کہلاتی ہے۔

اور یہ بات کہ آپ بھر پور نظر فرماتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ نظر چراتے نہیں تھے اور یہ بھی کہا گیا کہ کسی چیز کو دیکھنے کے لیے اپنی نظر کودائیں بائیں نہیں پھیرتے تھے کیونکہ اس طرح وہ شخص کرتا ہے جو عقل کا کمزور اور ہلکا ہو۔

بلکہ پوری طرح متوجہ ہوتے اور پوری طرح پیٹھ پھیرتے یہ بات ابن اثیر نے کہی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بڑی تھیں، پلکیں طویل اور آنکھوں میں سرخ ڈورا تھا۔ (دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۱۲)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہن مبارک کشادہ تھا، آنکھیں فراخ اور سرخی مائل اور ایڑیاں مبارک دہلی پتی تھیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۷، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۷، مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۷-۱۰۳)

آنکھوں کی سفیدی میں سرخی نہایت پسندیدہ ہوتی ہے اس کو ”الشکلہ“ کہا جاتا ہے اور ”الشملہ“ کا مطلب یہ ہے کہ سیاہی میں سرخی ہو، یہی مفہوم زیادہ صحیح ہے بعض حضرات نے آنکھوں کی لمبائی مراد لی ہے وہ صحیح نہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بیان کرتے

۱۔ اس گفتگو سے واضح ہوا کہ دیوار کے پیچھے علم نہ ہونے والی حدیث ثابت نہیں ہے اور اگر ثابت بھی ہو تو اس سے آپ کے علم پر کوئی اعتراض نہیں اگر پہاڑوں کے پیچھے کی خبریں دے سکتے ہیں تو دیوار کے پیچھے کی خبر دینا آپ کے لیے مشکل نہیں لیکن اس بات کی تعلیم دی کہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور مخلوق کو وہ جتنا چاہے عطا فرمائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ”ماکان و ما یکون“ جو ہو گیا اور جو ہوگا سب کا علم عطا فرمایا ۱۲ ہزاروی۔

ہوئے فرمایا چہرہ انور میں کسی قدر گولا کی تھی اور وہ سرخی مائل سفید تھا آنکھیں سرخیں اور پلکیں گھنی اور لمبی تھیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۸، دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۱۳)

انہوں نے ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آنکھ کی پتلی سیاہ اور پلکیں لمبی تھیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو ایک دن میں خطبہ دینے کھڑا ہوا یہودیوں کا ایک عالم کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں تورات کی ایک جڑ تھی جسے وہ دیکھ رہا تھا اس نے جب مجھے دیکھا تو مجھ سے کہا ابوالقاسم ﷺ کا وصف بیان کچھ میں نے کہا۔

آپ ﷺ کا قد مبارک نہ تو زیادہ لمبا تھا اور نہ ہی بہت چھوٹا پوری حدیث بیان کی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر میں خاموش ہو گیا تو اس عالم نے پوچھا کیا ہوا؟ میں نے کہا مجھے یہی یاد ہے اس عالم نے کہا کہ آپ کی آنکھوں میں سرخی تھی داڑھی بہت اچھی تھی آپ فرماتے ہیں: میں نے کہا اللہ کی قسم آپ کی صفت یہی ہے یہودیوں کے عالم نے کہا میں نے یہ صفات اپنے آباؤ اجداد کی کتاب میں پائی ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ نبی ہیں اور آپ تمام مخلوق کی طرف رسول ہیں۔

سماعت مبارکہ

نبی اکرم ﷺ کی سماعت مبارکہ کے بارے میں اتنی بات کافی ہے آپ نے فرمایا:

انسی اری ما لا ترون واسمع ما لا تسمعون
اطلت السماء وحق لها ان تئط لیس فیہا
موضع اربع اصابع الا و ملک واضع جہتہ
ساجد لله تعالیٰ۔
بے شک میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے
اور جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے آسمان نے آواز نکالی
اور اس کا حق ہے کہ وہ چرچرائے اس میں چار انگلیوں کی
جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حضور
سجدہ ریزی کے لیے اپنی جبین رکھے ہوئے نہ ہو۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۹۰، مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۳، المسند رک ج ۲ ص ۵۱۰، ج ۳ ص ۵۳۳۔

۵۷۹، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۳۶، شرح السنہ ج ۱ ص ۳۷۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۳۳۷، ج ۳ ص ۲۶۵، ج ۵ ص ۲۹۳، ج ۶

ص ۲۹۷، دلائل النبوة رقم الحدیث: ۱۵۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۸۲۹-۲۹۸۳۸، القاموس المحیط ج ۲ ص ۳۶۲)

ابو نعیم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ نے ان سے فرمایا کیا تم وہ بات سنتے ہو جو میں سنتا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا ہم تو کچھ بھی نہیں سن رہے آپ نے فرمایا: میں آسمان کے چرچرانے کی آواز سن رہا ہوں اور اس چرچرانے کی وجہ سے اس پر کوئی ملامت نہیں کیونکہ اس میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں جس پر کوئی فرشتہ سجدہ نہ کر رہا ہو یا کھڑا نہ ہو۔

پیشانی مبارک اور جسم کے بعض اعضاء ۱۔

رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارک واضح تھی اور ابرؤوں کے بال ملے ہوئے تھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح آپ کا وصف بیان فرمایا ابن سعد اور ابن عساکر کے نزدیک اسی طرح ہے انہوں نے فرمایا آپ کے ابرؤوں کے بال باہم ملے ہوئے تھے اور پیشانی واضح تھی۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۱۶)

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تو آپ ایک ایسے شخص تھے جس کا جسم خوبصورت، پیشانی بڑی اور ابرو پتلے ہوں۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جبینہ مشرق من فوق طمرتہ
بالمسک خطت علی کافور جبہتہ
مکحل الخلق ما تحصی خصائصہ
منصر الحسن قد قلت نظائرہ

”آپ کی مبارک پیشانی چمکتی تھی اور دستار مبارک کے کناروں سے چمک تجاوز کر جاتی اور آپ کا نور بالوں کی سیاہی پر غالب آ جاتا اور بالوں کی سیاہی اس روشنی کو چھپانے والی تھی (تاکہ لوگ آپ کی طرف دیکھ سکیں) آپ کی مبارک پیشانی کے کافور پر مینڈھیوں نے پیشانی کے نوٹوں پر سین لکھ دیا تھا۔ آپ کی تخلیق مکمل تھی اور خصائص بے شمار ہیں حسن اس قدر زیادہ کہ اس کی نظیر قلیل (یعنی معدوم) ہے۔“

ابن ابی ہالہ نے کہا کہ آپ ”ازج الحواجب“ تھے اور اس کی وضاحت یوں کی کہ آپ کی پلکیں لمبی کمان کی طرح تھیں اور بال کانوں تک تھے پھر فرمایا: آپ کی پلکیں دراز تھیں اور لمبی ہوئی نہ تھیں ان کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے وقت خوب سرخ ہو جاتی اور بھری ہوئی ہوتی جس طرح دودھ آنے کی صورت میں تھن بھر جاتے ہیں۔

حضرت مقاتل بن حیان فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے پاک اور لوگوں سے دور رہنے والی خاتون کے بیٹے! سنیں اور مانیں میں نے آپ کو باپ کے بغیر پیدا کر کے تمام جہان والوں کے لیے نشانی بنایا ہے پس میری ہی عبادت کریں اور مجھ ہی پر بھروسہ کریں اور اہل سوران کی طرف جائیں (اور کہیں) کہ میں اللہ ہوں جو زندہ قائم رکھنے والا ہے جس کے لیے زوال نہیں ہے۔ اس نبی امی کی تصدیق کرو جو اونٹوں، زرہ، عمامہ، نعلین اور عصا مبارک والے ہوں گے اور ان کے بال زیادہ گھٹنگھریا لے نہیں ہوں گے، پیشانی واضح ہوگی، پلکوں کے بال گھنے ہوں گے، جوڑوں اور کندھوں کے درمیان جگہ مضبوط ہوگی، آنکھیں سرگمین، ناک مبارک پتلی اور لمبی ہوگی، رخسار واضح اور داڑھی گھنی ہوگی اور آپ کے چہرے پر پسینہ موتیوں کی طرح ہوگا اور اس سے کستوری کی خوشبو آئے گی اور گردن مبارک چاندی کی طرح سفید ہوگی۔ (الکاشف ج ۳ ص ۱۵۱، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۴، الجذب ج ۱ ص ۲۷۷، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۷۱، طبقات المفسرین ج ۲ ص ۳۲۹)

جو کچھ ابن ابی ہالہ نے بیان کیا ہے وہ حضرت مقاتل بن حیان کی حدیث اور حضرت ام معبد کی روایت کے خلاف ہے انہوں نے فرمایا کہ آپ کے ابرو طے ہوئے تھے۔

ابن امیر نے کہا پہلی بات زیادہ صحیح ہے یعنی آپ کے دونوں ابرو طے ہوئے نہ تھے۔

کئی لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کا وصف یوں بیان کیا کہ آپ عظیم الہامتہ تھے یعنی آپ کا سر انور (مناسب حد تک) بڑا تھا ابن ابی ہالہ کی مشہور حدیث میں اسی طرح ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ضعفم الراس“ یعنی سر انور بڑا تھا اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کر کے صحیح قرار دیا اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا اور صحیح بخاری کے مطابق حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کی ہڈیوں کے کنارے بڑے تھے جس طرح امام ترمذی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی ہی کی روایت ہے کہ آپ کے گھٹنے، کہنیاں اور کاندھے بھی بڑے بڑے تھے (کاندھوں کے ملنے کی جگہ مراد ہے)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۷-۳۶۳۸)

اور ناک کے اوپر والا حصہ پتلا تھا حضرت ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کا وصف یوں نقل کیا کہ ناک مبارک کا درمیان والا حصہ بلند تھا ابن ابی ہالہ نے فرمایا: کہ آپ کی ناک مبارک پتلی، لمبی اور نورانی تھی جو شخص اس میں غور نہ کرتا وہ ناک مبارک کے بانسے کو لمبا سمجھتا تھا۔

دہن مبارک ۱۔

آپ کے دہن مبارک کے حوالے سے ”صحیح مسلم میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے آپ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا دہن مبارک کشادہ تھا ابن ابی ہالہ نے اسی طرح بیان کیا ہے آپ کلام شروع کر کے کناروں پر ختم کرتے اور اس کی وجہ دہن مبارک کی کشادگی تھی۔

اور اہل عرب کے ہاں منہ کا کشادہ ہونا قابل تعریف ہے اور منہ کا چھوٹا ہونا قابل مذمت ہے۔

شمر بن عطیہ اسدی الکلابی الکوفی نے کہا کہ آپ کے دانت مبارک بڑے تھے۔ (الکاشف ج ۲ ص ۱۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جسے بزار اور بیہقی نے نقل کیا ہے اس میں آپ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے رخسار مبارک سفید اور دہن مبارک کشادہ تھا۔

ابن ابی ہالہ نے آپ کے وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: آپ کے دانتوں کے درمیان قدرے کشادگی تھی اور وہ چمکتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ آپ کے سامنے کے دانت چمکتے تھے۔ ابن سعد نے اسے حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

ابن عباسؓ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کے سامنے والے دانت چمکتے تھے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دانتوں کے درمیان (قدرے) وقفہ تھا۔
جب آپ گفتگو کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ سامنے والے دانتوں سے نور نکل آیا ہے یہ بات امام ترمذی نے شامل میں ذکر کی ہے نیز امام دارمی نے بھی اور امام طبرانی نے ”الاوسط میں“ اسے نقل کیا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۹ دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۱۵)

رسول اللہ ﷺ کے ہونٹ مبارک تمام لوگوں کے ہونٹوں سے زیادہ خوبصورت تھے اور دہن مبارک سب سے زیادہ لطیف تھا۔

بحر من الشہد فیہ مرآشفہ یاقوتہ صدف فیہ جواہرہ

”آپ کے دہن مبارک میں شہد کا سمندر ہے اور آپ کی زبان مبارک یاقوت ہے اور ایسا صدف ہے

جس میں اس کے موتی ہیں۔“

حضرت ابو بکر صافہ (معروف صحابی) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں میری ماں اور میری خالہ نے نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی جب ہم واپس ہوئے تو میری ماں اور خالہ نے مجھ سے کہا بیٹا! ہم نے ان کی طرح خوبصورت چہرے صاف کپڑوں اور نرم گفتگو والا کوئی شخص نہیں دیکھا اور ہم نے دیکھا کہ گویا آپ کے دہن مبارک سے نور نکل رہا ہے۔ (الاصابہ ج ۱ ص ۲۶۳)

لعاب مبارک ۱

نبی اکرم ﷺ کے لعاب مبارک سے متعلق ”صحیح بخاری و مسلم میں“ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ خیر کے دن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کل میں اس شخص کو جہنم ادوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس سے محبت کرتے ہیں جب دوسرے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہر ایک کو امید تھی کہ آپ ان کو جہنم عطا فرمائیں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے آپ نے فرمایا: ان کو بلاؤ جب ان کو لایا گیا تو نبی کریم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا جس سے وہ ٹھیک ہو گئے گویا انہیں کوئی تکلیف نہ تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۴۲-۲۹۴۵-۳۷۰۱-۳۲۱۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۲۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۱ مسند احمد ج ۳ ص ۵۲ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۳۱ دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۰۸-۲۱۳ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۲۳ المعجم الکبیر طبرانی ج ۱۸ ص ۲۳۷ التہذیب ج ۲ ص ۲۱۸ احاف السادة

۱ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۲۶)

المسکین ج ۱ ص ۱۰۶۔ ج ۷ ص ۱۸۸ اعلیٰ الاولیاء ج ۳ ص ۳۵۶ المسد رک ج ۳ ص ۳۳۷

اور پانی کا ایک ڈول لایا گیا آپ نے اس سے نوش فرمایا پھر کنویں میں ڈال دیا راوی فرماتے ہیں یا کنویں میں کلی کر کے پانی ڈالا تو اس سے کستوری کی خوشبو آنے لگی اس حدیث کو امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۵۹-۶۶۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۵)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں کنویں میں لعاب مبارک ڈالا تو مدینہ طیبہ میں اس سے میٹھا پانی نہ تھا۔

نبی اکرم ﷺ عاشورہ کے دن ان بچوں کو جو آپ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بچوں کو بلاتے اور ان کے مونہوں میں لعاب مبارک ڈالتے اور ان کی ماؤں سے فرماتے ان کو رات تک دودھ نہ پلانا چنانچہ ان کو آپ کا لعاب مبارک ہی کافی ہوتا۔

(دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۲۶ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۸۶ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۰۰۸ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۸ ص ۸۱) حضرت عمیرہ بنت مسعود اور ان کی بہنیں رضی اللہ عنہن نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیعت ہونے کے لیے حاضر ہوئیں اور یہ پانچ تھیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ خشک گوشت کے ٹکڑے تناول فرما رہے ہیں آپ نے ان (خواتین) کے لیے گوشت چبایا اور پھر ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک ٹکڑا چبایا تو دنیا سے رخصت ہونے تک ان کے مونہوں سے بدبو نہیں آئی۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عقیقہ بن فرقد رضی اللہ عنہ کی پیٹھ اور پیٹ پر لعاب ڈال کر ہاتھ پھیرا اور انہیں پھنسیاں تھیں تو انہوں نے اس سے اچھی خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو سخت پیاس لگی ہوتی تھی نبی اکرم ﷺ نے ان کی زبان کو چوسا تو ان کی پیاس ختم ہو گئی۔

امام العارفین حضرت سیدی محمد وفا شاذلی رحمۃ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے کیا خوب فرمایا:

جنی النحل فی فیہ و فیہ حیاتنا و لکنہ من لی یلثم لثامہ

رحیق الشایا و المشانی تنفست اذا قال فی فیح بطیب ختامہ

”آپ کے دہن مبارک میں شہد ہے میٹھا کلام ہے اور اس میں ہماری زندگی ہے لیکن کون میرے لیے

اس کو ظاہر کرنے کی ضمانت دے گا (تاکہ میں عالم بیداری میں زیارت کروں) وہ صاف ستھری شراب اور

خوبصورت آواز ہے جب کلام کرتے ہیں تو خوشبو پھیلتی ہے جو کستوری سے مہر شدہ ہے۔“

رسول اکرم ﷺ کی فصاحت

جہاں تک نبی اکرم ﷺ کی زبان کی فصاحت کلمات کے جامع ہونے اور عمدہ فی البدیہ بیان کا تعلق ہے تو آپ تمام مخلوق خداوندی سے زیادہ فصیح تھے آپ کا کلام سب سے میٹھا اور ادائیگی میں سب سے جلد ادا ہونے والا تھا اور گفتگو

نہایت شیریں تھی حتیٰ کہ آپ کا کلام مبارک دلوں کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہو جاتا اور ارواح کو نکال لیتا تھا۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۳ دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۷۹ البدایہ النہایہ ج ۶ ص ۳۰ الشفاء ج ۱ ص ۷۰)

ينظم در الشعر نثر مقولہ فيا حسنہ فی نشرہ و نظامہ
يناجی فينجی من ينجی من الجوى فكل كلیم برزہ فی كلامہ
”آپ نثر میں کلام کرتے، سامنے کے دانت مبارک موتیوں کی طرح چمکتے، پس آپ کی نثر و نظم کا حسن
تعب خیز ہے۔ آپ کلام فرماتے تو مخاطب کو عشق کی تکلیف سے نجات مل جاتی آپ کے کلام میں ہر زخمی کے
لیے شفاء تھی۔“

نبی اکرم ﷺ کی زبان اقدس کی فصاحت ایک ایسی انتہا ہے جس تک رسائی نہیں ہو سکتی اور ایک ایسی منزل ہے
جس کی انتہا کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان مبارک کو اپنی تلواروں میں
سے ایک تلوار قرار دیا جو اس کی مراد کو بیان کرتی تھی اور اس کے ذریعے آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی طرف بلا تے
تھے نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حکمتوں کو بیان فرماتے اور اس کے ذکر کی حقیقت سے اس کی مراد کو واضح
فرماتے۔

آپ بولتے تو تمام مخلوق سے زیادہ فصیح ہوتے اور جب وعظ فرماتے تو سب سے زیادہ خیر خواہی کرنے والے ہوتے
تھے آپ نامناسب اور غیر شائستہ بات نہ فرماتے آپ کی مکمل گفتگو کا نتیجہ علم ہوتا تھا اور وہ شریعت اور حکمتوں کی تعمیل پر مبنی
ہوتا کسی شخص کی گفتگو نبی اکرم ﷺ کی گفتگو سے زیادہ مضبوط اور اس سے زیادہ شیریں نہیں ہوتی تھی۔

آپ اللہ تعالیٰ کی مراد کو اپنی زبان مبارک سے بیان فرماتے تھے اور آپ اپنے بیان سے اللہ تعالیٰ کے بندوں پر
حجت قائم فرماتے اس کے فرائض، اوامر اور نواہی کو واضح فرماتے اس کے وعدہ وعید اور سزاؤں اور ہدایت کے سلسلے میں
آپ وضاحت فرماتے تھے آپ کا قلب پاک تمام مخلوق سے زیادہ مضبوط، آپ کی زبان سب سے زیادہ فصیح اور بیان
سب سے زیادہ واضح ہوتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کلام فرماتے تو آپ کا کلام نہایت واضح اور مفصل ہوتا جس کو لوٹانے والا لوٹا سکتا تھا اس قدر جلدی
نہ ہوتا کہ کوئی یاد نہ رکھ سکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کی طرح تیزی سے نہیں بولتے تھے آپ اس
طرح گفتگو فرماتے کہ کوئی شخص اس کو لوٹانا چاہے تو لوٹا سکے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰، سنن

ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۵۵، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۹، مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۸-۱۳۸-۱۵۷-۲۵۷)

اور آپ ایک کلمہ تین بار لوٹاتے تاکہ سمجھا جاسکے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۰)

آپ فرماتے تھے: کہ میں تمام عرب والوں سے زیادہ فصیح ہوں۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۳۲، ج ۲ ص ۸۵۰، المغنی عن حل
الاسفار ج ۲ ص ۳۶۳، الاسرار المفہومہ ص ۱۱۷، الشفاء ج ۱ ص ۸۰) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے

کہ آپ ہم سب سے زیادہ فصیح ہیں جب کہ ہمارے درمیان سے تشریف نہیں لے گئے؟ آپ نے فرمایا: میں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی لغت پڑھی ہے حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے یہ یاد کرائی۔

(المعنی ج ۲ ص ۳۶۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۴۶۲)

عسکری نے ”الامثال میں“ ایک ضعیف سند سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں بنو ہند نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (مکمل حدیث ذکر کی) اور اس میں ان کے خطبہ اور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے جواب کا ذکر بھی فرمایا وہ فرماتے ہیں: ہم نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! ہم اور آپ ایک ہی باپ (دادا) کی اولاد ہیں اور ایک ہی شہر میں پیدا ہوئے اور آپ اہل عرب سے ایسی زبان میں کلام کرتے ہیں کہ اس میں سے اکثر کو ہم نہیں سمجھ پاتے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور خوب سکھایا اور میری پرورش بنو سعد بن بکر میں ہوئی ہے (اور ان کی فصاحت مشہور ہے)۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۶۷۳)

حضرت محمد بن عبدالرحمن زہری اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنی عورت کو ٹال سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب کہ مفلس ہو (اس شخص نے ”ایدا لک“ کا لفظ استعمال کیا تھا اور آپ نے ”مفلج“ کا لفظ استعمال فرمایا) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! اس شخص نے آپ سے کیا کہا تھا اور آپ نے کیا جواب دیا؟ آپ نے فرمایا: اس نے پوچھا تھا کیا کوئی شخص اپنی عورت کو ٹال سکتا ہے؟ تو میں نے کہا ہاں جب مفلس ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تمام عرب میں گھوما پھرا ہوں اور میں نے ان کے فصحاء کو بھی سنا ہے لیکن میں نے آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں سنا۔ آپ نے فرمایا مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور میری پرورش بنو سعد میں ہوئی ہے۔

قاموس (لغت کی کتاب) میں ہے (دائکہ یعنی مائل مثل کرنا) اور مفلج میم پر پیش اور فاء پر زبر ہے یہ لُج سے اسم فاعل ہے ”المفلج الرجل وهو مفلج“ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص فقیر ہو اور یہ غیر قیاسی ہے جیسے احسن سے محسن (صاد پر زبر کے ساتھ) اسباب سے مسبب بھی عین کلمہ کے فتح کے ساتھ ہے یہ الفاظ شاذ (غیر قیاسی ہیں) قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر کسرہ (زیر) ہو لیکن ابن اثیر نے کہا ہے کہ صرف تین حروف یعنی اسباب، احسن، اور لُج میں یہ صورت ہے۔ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ”ایدا لک“ کا معنی یہ ہے ”کیا کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع سے پہلے کھیل کود کر سکتا ہے اور اس کو مظل قرار دیا کیونکہ اس کی سب سے بڑی غرض جماع ہے آپ نے فرمایا ہاں جب عاجز ہو تاکہ یہ بات شہوت کو حرکت دے اور اس کے عاجز ہونے کی وجہ سے اسے مفلس قرار دیا۔

(القاموس المحیط الطبروز آبادی ج ۳ ص ۳۱۲)

ابن اثیر نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ مہر کی ادائیگی میں ڈھیل کرے اگر فقیر ہو۔ اور وہ جو مردی ہے کہ میں ”ضاد“ کی ادائیگی کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ فصیح ہوں تو ابن کثیر نے کہا اس کی کوئی اصل نہیں۔ (امام قسطلانی

فرماتے ہیں) لیکن اس کا مفہوم صحیح ہے۔ واللہ اعلم

(الدرر المنشر ص ۲۳، کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۳۲، تذکرۃ الموضوعات ص ۸، الاسرار المرفوعہ ص ۱۱۶، الفوائد المجموعہ ص ۳۲۱)

فصاحت کی تعریف

فصاحت کی تعریف یہ ہے کہ کلمہ تنافر، غرابت اور مخالفت قیاس سے خالی ہو۔

تنافر سے مراد یہ ہے کہ حروف کے بخارج قریب قریب ہوں جیسے ”غدا نره مستشز رات الی العلاء“ اس میں سین، شین، تاء اور زاء کے بخارج قریب قریب ہیں اور غرابت یہ ہے کہ کلمہ میں کسی دوسرے معنی کا احتمال ہونے کی وجہ سے وہ پہلے مرحلہ میں مراد پر دلالت نہ کرے۔

اور مخالفت قیاس یہ ہے کہ کلمہ خلاف قیاس استعمال ہو جس طرح ایک کلمہ میں ایک جیسے دو حرفوں کو ادغام کے بغیر چھوڑ دینا جیسے الحمد لله العلی الاجل۔ الاجل میں لام کا دوسرے لام میں ادغام نہیں کیا گیا اور فصاحت کلام کلمہ اور متکلم تینوں میں ہوتی ہے۔

اور بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ فصاحت کے ساتھ ساتھ کلام حال کے تقاضے کے مطابق ہو عمدہ کلام ہو رکیک (گھٹیا) کلام نہ ہو۔

آپ ﷺ کی بلاغت اور اقوال کے کچھ نمونے

رسول اکرم ﷺ کی فصاحت معجزہ کی حد تک پہنچی ہوئی تھی اور اس کی انتہا یہ تھی کہ وہ ذہنوں سے پہلے دلوں کو پھاڑتی تھی اور کانوں کو کھٹکھٹانے سے پہلے پسلیوں کو کھٹکھٹاتی تھی جو نہایت صاف اور فوقیت رکھنے والی تھی آپ کے لیے تمام انسانوں پر حقوق ثابت ہیں جو نافرمانی کے مقابل نہیں ہیں۔

رسول اکرم ﷺ جامع کلمات اور بدیع حکمتوں کے مالک تھے کھٹکھٹانے والی، جھڑک اور ایسے اوامر و اوصاف کے مالک تھے جو آپ پر ختم اور جاری ہیں پھیلے ہوئے موتی اور روشن چمکتے ہوئے ستارے، مضبوط فیصلے اور وصیتیں اور وہ مواظف جو دلوں کے لیے فیصلہ کن اور ایسے دلائل جو سخت جھگڑا و مخالف کو بھی لگام ڈال دے کے مالک تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے حق میں یہ وصف بھی کم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں آپ کے فضل و شرف کو زیادہ کیا ہے۔ امام حاکم نے اپنی ”مستدرک میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کرتے ہوئے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ جنتی حضرت محمد ﷺ کی لغت (زبان) میں کلام کریں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی فصاحت کا علم کسی دلیل کا محتاج نہیں اور کوئی موافق و مخالف اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

علماء کرام (جیسے ابن سنی، قضاوی، اور ابن صلاح وغیرہ) نے نبی اکرم ﷺ کے یتا، مختصر اور بدیع کلام کو جمع کیا ہے۔ جس کے لیے پہلی کتب نے سبقت نہیں کی اور حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ کی کتاب ”الشفاء میں“ اس قدر ہے کہ اس سے علیل آدمی شفاء پلے جیسا کہ آپ نے فرمایا:

المرء مع من احب
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۲۷، المغنی ج ۲ ص ۵۹۰ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۶، مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۲، الشفاء ج ۱ ص ۷۸)
نیز فرمایا:

اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک
اسلام قبول کرو محفوظ ہو جاؤ گے (اور) اللہ تعالیٰ تمہیں
مرتبہ دے گا۔
اور فرمایا:

السعد من وعظ بغيره
نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل
کرے۔

(الدرر المستشرقة رقم الحدیث: ۹۳، اتحاف السادة المتقين ج ۱ ص ۲۳۵، الدرر المنثور ج ۲ ص ۲۲۵، سنن ابن ابی عاصم ج ۱ ص ۷۸، الاسرار المفردة ص ۲۱۶، الفوائد المجموعة رقم الحدیث: ۳۵۶، تذکرة الموضوعات رقم الحدیث: ۲۰۰، الشفاء ج ۱ ص ۸۰، مناهل الصفاس ص ۵۲ رقم الحدیث: ۱۲۰)

اور جو کچھ ”الشفاء میں“ ذکر نہیں کیا گیا ان کلمات میں سے یہ ہیں:
انما الاعمال بالنیات۔
بے شک اعمال (کے ثواب) کا دار و مدار نیتوں پر
ہے۔

اور فرمایا:

ليس للمعامل من عمله الا ما لواه
عمل کرنے والے کے لیے اس کے عمل سے وہی کچھ
ہے جس کی اس نے نیت کی۔

ان دو حدیثوں کے تحت علم کے خزانے جمع ہیں اسی لئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ حدیث ”انما الاعمال بالنیات“ نصف علم میں داخل ہے اس لئے کہ دین کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور نیت باطن سے متعلق ہے اور عمل کا ظاہر سے تعلق ہے نیز نیت دل کی عبادت ہے اور عمل اعضاء کی عبادت ہے۔
بعض ائمہ (جیسے امام احمد، ابن حدیثی اور ابوداؤد رحمہم اللہ) نے فرمایا کہ یہ حدیث دین کا تہائی حصہ ہے کیونکہ دین قول، عمل اور نیت کا نام ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے یہ بھی فرمایا:

نية المرء خیر من عمله
آدنی کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۶ ص ۲۳۸، اتحاف السادة المتقين ج ۱ ص ۱۵، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۵۵، الدرر المستشرقة رقم الحدیث: ۱۶۶، کشف الشفاء ج ۲ ص ۳۳۸، المغنی عن حمل الاسفار ج ۳ ص ۳۵۵)

بعض محدثین نے فرمایا کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا صحیح ثابت نہیں (یعنی یہ حضور ﷺ کا قول نہیں) (تقاضی (ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ مصری) نے اسماعیل بن عبد الرحمن الصفاء سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: ہمیں حضرت علی بن عبد اللہ الفضل نے خبر دی ہے وہ فرماتے ہیں ہم سے حضرت محمد بن حنفیہ واسطی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے حضرت محمد بن عبد اللہ حلبی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے یوسف بن عطیہ نے بیان کیا وہ بواسطہ حضرت ثابتؓ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نية المؤمن ابلغ من عمله. مؤمن کی نیت اس کے عمل کے مقابلے میں
(اتحاف السادة المتكلمين ج ۱۰ ص ۱۵) ابلغ (زیادہ پہنچنے والی) ہے۔

اور انہوں نے فرمایا کہ اس سند میں کوئی روشنی نہیں (یعنی ضعیف ہے) اور یوسف بن عطیہ متروک الحدیث ہے۔
حضرت عثمان بن عبد اللہ شامی نے حضرت نو اس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ آپ ﷺ فرمایا:

نية المومن خير من عمله. مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور فاجر
ونية الفاجر شر من عمله. (کافر) کی نیت اس کے عمل سے زیادہ بری ہے۔

(اتحاف السادة المتكلمين ج ۱۰ ص ۱۵ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۱-۱۰۹ تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۳۷)

ابن عدی نے کہا کہ عثمان بن عبد اللہ شامی کی بہت سی موضوع روایات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور ابن جوزی نے کہا اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں اور کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیت پوشیدہ چیز ہے اور عمل ظاہر ہے اور پوشیدہ عمل افضل ہوتا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کی نیت کرے تو اس کی یہ نیت ذکر و فکر سے بہتر ہوگی حالانکہ یہ بات صحیح نہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ محض نیت اس عمل سے بہتر ہے جو نیت کے بغیر ہو اور یہ بات بھی عقل سے دور ہے کیونکہ جب عمل نیت سے خالی ہو تو اس میں بھلائی بالکل نہیں ہوگی۔

یہ بھی کہا گیا کہ نیت دل کا عمل ہے اور فعل اعضاء کا عمل ہے اور دل کا عمل اعضاء کے عمل سے بہتر ہے کیونکہ دل اعضاء کا سردار ہے اور اس کے اعضاء کے درمیان ایک تعلق ہے جب دل کو تکلیف ہوتی ہے تو جسم مضطرب ہو جاتا ہے اور رنگ بدل جاتا ہے بے شک دل بادشاہ مگرامن ہے اور اعضاء اس کا لشکر اور رعایا ہیں اور بادشاہ کا عمل رعایا کے عمل سے ابلغ ہوتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ جب نیت تمام اعمال کی اصل روح اور مغز ہے اور اعمال اس کے تابع ہیں تو اس کی صحت سے اعمال صحیح ہوں گے اور اس کے فساد سے اعمال میں فساد پیدا ہوگا۔ اور یہ نیت ہی اچھے عمل کو فاسد عمل میں بدلتی ہے اور غیر صالح عمل کو صالح بنا دیتی ہے جس پر ثواب ملتا ہے اور اس پر جو ثواب ملتا ہے وہ عمل کے ثواب سے دوگنا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔

ابوبکر بن درید نے اپنی کتاب ”مجتبیٰ“ میں فرمایا: (اور اللہ بہتر جانتا ہے) کہ مؤمن اچھے کاموں میں سے بعض کی نیت کرتا ہے جیسے صدقہ اور روزہ وغیرہ تو ہو سکتا ہے وہ عمل سے عاجز ہو جائے لیکن اس نے نیت کر رکھی تھی تو اس کی یہ نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۹۳ راجع البخاری رقم الحدیث: ۶۳۹۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۳۰-۲۰۳۱-۲۵۹ سنن داری رقم الحدیث: ۷۰۷۷ مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۹)

نبی اکرم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی یوں ہے۔

یا خیل اللہ ارکبہ۔ اے اللہ کے لشکر! سوار ہو جاؤ۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۹۰ اکاف الشاف ص ۷۹، تفسیر الطبری ج ۶ ص ۱۳۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۶۳) اسے ابوالشیخ ح نے ”الناسخ والمنسوخ میں“ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اور عسکری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن عائد نے مغازی میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

ابن عائد کے نزدیک اس کے الفاظ یوں ہیں فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اس دن یعنی غزوہ احزاب کے دن ایک منادی بھیجا کہ وہ یوں ندا کرے ”یا خیل اللہ ارکبہ“ عسکری نے اور ابن درید نے ”اپنی مجتبیٰ میں“ کہا کہ یہ مجاز کے طور پر ہے آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اے اللہ کے گھوڑوں پر سوار لوگو! سوار ہو جاؤ تو آپ نے مختصر طور پر فرمایا۔ ح اور آپ نے ارشاد فرمایا:

الولد للفراش وللعاهر الحجر۔ بچہ بستر والے (باپ) کے لیے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۵۳-۲۲۱۸-۲۷۳۵-۳۳۰۳-۶۸۱۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۷۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۰۶ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۵۷ مسند احمد ج ۱ ص ۵۹ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۷۳۹ سنن داری ج ۲ ص ۱۵۲ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۰۸۵ الدر المنثور ج ۲ ص ۳۳۵ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳ ج ۷ ص ۲۵۱ السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۸۶ دلائل النبویہ ج ۵ ص ۸۹) اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے اس کا معنی یہ ہے (اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) کہ زانی کا حصہ پتھر ہے بچے کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں اور کہا گیا ہے کہ اس کا حصہ تختی ہے یعنی اس پر حد نافذ کی جائے جس کی انتہا پتھر سے مارتا ہے اور یہ بھی کہا کہ پتھر سے یہاں کنایہ مراد ہے کہ جب وہ عورت اس کی بیوی نہیں ہے تو بچے کی طرف اس کا رجوع ذلت و رسوائی کے ساتھ ہوگا۔ (واللہ اعلم) اور آپ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ ابوبکر محمد بن حسن بن درید اموی بصری تھے لغت بصری کا علم ان پر ختم تھا باقی تمام لوگوں سے ان کا حفظ اور علم بڑھا ہوا تھا اور وہ اشعار پر بہت قدرت رکھتے تھے۔ ساٹھ سال تک علم کی خدمت کی وہ ۳۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور رمضان ۳۲۱ھ میں عمان میں انتقال فرمایا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۱۰۸)

ح۔ ابوالشیخ سے مراد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان اصہبانی ہیں حافظ امام مصنف ثقہ تھے محرم الحرام ۳۶۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

ح۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں کہ اے اللہ کے گھوڑو! سوار ہو جاؤ اور مراد سوار ہیں۔ ۱۲ ہزار دی

کل الصيد فی جوف الفراء۔ ہر شکار جنگلی گدھے کے پیٹ میں ہے۔
 فرامیں فاء پر زبر ہے اور جنگلی گدھے کو فرا کہا جاتا ہے اور اسے راہر مزی نے ”الامثال میں“ نقل کیا ہے اس کی
 سند جید (عمدہ) ہے لیکن مرسل ہے (یعنی صحابی کا ذکر نہیں ہے) عسکری کے نزدیک بھی اسی طرح ہے اور وہ فرماتے ہیں:
 ”جوف“ فرمایا یا جنب (پہلو)۔ (الاعلام ج ۲ ص ۱۹۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۰۵ بیحیۃ الدہرج ج ۳ ص ۴۹۰)

ان الفاظ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو مخاطب کیا۔
 پہلے پہل وہ آپ سے دشمنی رکھتے تھے اور آپ کے خلاف اشعار کہتے تھے جب وہ اسلام قبول کر کے حاضر ہوئے تو
 آپ نے یہ الفاظ فرمائے۔

گویا آپ نے فرمایا: کہ جنگلی گدھے کا شکار سب سے بڑے جانور کا شکار ہے اور باقی تمام شکار اس سے نچلے درجہ
 میں ہیں جس طرح آپ (سفیان بن حارث) میرے خاندان کے بڑے لوگوں میں سے ہیں میرے ساتھ آپ کا سب
 سے زیادہ قرب ہے اور جو لوگ میرے پاس آئے ہیں آپ ان میں سے زیادہ معزز و مکرم ہیں دوسرے اس سے نچلے درجہ
 میں ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الحرب خدعة۔ لڑائی ایک چال ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ فرماتے
 ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے لڑائی کو خدعہ کا نام دیا امام مسلم کے نزدیک ”نام رکھا“ کے الفاظ نہیں ہیں اور ”خدعة“ کی
 خاء پر زبر و زیمش تینوں آتے ہیں لیکن زبر مشہور ہے اور دال ساکن ہے۔

ثعلب وغیرہ نے کہا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی لغت ہے (یعنی خاء پر زبر) اور دوسری لغت خاء پر پیش دال ساکن اور
 تیسری لغت میں خاء پر پیش اور دال پر زبر ہے۔

یہ بات آپ نے غزوہ احزاب کے دن فرمائی جب آپ نے نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا کہ قریش
 غطفان اور یہودیوں کے درمیان لڑائی پیدا کریں (ایک دوسرے سے متنفر کریں) اور اس سے اس بات کی طرف اشارہ
 فرمایا کہ کثرت کی بجائے حسن تدبیر زیادہ نفع بخش ہوتی ہے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ لڑائی کے دوران کفار کے مقابلے میں کوئی چال اختیار کرنا جائز ہے جیسے
 بھی ممکن ہو لیکن نہ تو عہد توڑے اور نہ امن دینے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرے۔

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

ایاکم و خضراء الدمن۔ مینگی کے ڈھیر پر اگنے والی سبزی سے بچو۔

یہ حدیث الراہر مزی نے اور العسکری نے ”الامثال میں“ ذکر کی ہے ابن عدی نے اسے الکامل میں ابو بکر بن درید

۱۔ راہر مزی حافظ متقی تھے ان کا نام ابو محمد حسن بن عبد الرحمن قاری تھا اور بڑے بڑے ائمہ میں سے تھے۔ ۳۶۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

نے ”الجبتی میں“ قضائی نے ”مسند شہاب میں“ اور دیلمی نے واقدی سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:

ہم سے محمد بن سعید بن دینار نے بیان کیا انہوں نے ابو وجزہ بن یزید بن عبید سے انہوں نے عطاء بن یزید لیشی سے اور انہوں نے حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ سے مرفوعاً روایت کیا عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا وہ خوبصورت عورت جو برے خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔ (الاعلام ج ۶ ص ۸۰، المعجم الادباء ج ۵ ص ۲۹۶، نایات الاعیان ج ۱ ص ۳۹۷، طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۱۳۵، نزہۃ الالباء رقم الحدیث: ۳۲۲، المعجم الشعراء رقم الحدیث: ۳۶۱، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۹۵، خزائن الادب ج ۱ ص ۳۹۰، تحف السادة المتعلمین ج ۹ ص ۸۹، الاحکام النبویہ ج ۲ ص ۲۲، تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۲۷):

ابن عدی نے کہا کہ اس میں واقدی متفرد ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ خراب عورتوں سے نکاح کو آپ نے ناپسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ بری رگیں اس کی اولاد کو کھینچتی ہیں۔

اس حقیقت کی وضاحت یوں ہے کہ ہوائی گنیوں کو زمین کے ایک ٹکڑے میں جمع کرتی ہے پھر اس پر مٹی جمع ہوتی ہے جب بارش ہوتی ہے تو اس سے تازہ عمدہ سبزی اُگتی ہے جو ادھر ادھر جھکتی ہے لیکن اس کے نیچے اصل خبیث ہے پس اس کا ظاہر اچھا اور باطن فاسد ہوتا ہے الدمن، دمنۃ کی جمع ہے۔

زفر بن حارث کا شعر ہے:

وقد یثبت المرعی علی دمن الشری وتبقى حزازات النفوس کما ہیا

”بعض اوقات نمناک گوبر پر سبزی اُگتی ہے اور دلوں کا کینہ پہلے کی طرح باقی رہتا ہے۔“

اس شعر کا معنی یہ ہے کہ دودا دی بعض اوقات صلح اور محبت کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ ان کے اندر بغض و عداوت ہوتی ہے جس طرح چارہ (سبزی) میٹنیوں کے ڈھیر پر اُگتا ہے یہ قاعدہ عام طور پر پایا جاتا ہے یا ہمارے زمانے میں ہر کلی قاعدہ ہے (سب کی یہی حالت ہے) ہمارے شیخ (امام سخاوی نے القاصد الحسنہ میں) اسی بات کی طرف اشارہ کیا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الانصار کشرسی و عیبتی۔ انصار میری اوجھ (معدہ) اور میرا صندوق ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۰۱، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۰۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۶-۱۸۸-۲۰۱، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۲۰۱، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۷، شرح السنن ج ۱ ص ۲۷، الدر المنثور ج ۳ ص ۲۷۰)

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے یعنی یہ میری پوشیدہ باتوں کی جگہ اور راز دان ہیں دونوں لفظوں کا یہی مطلب ہے کیونکہ جگالی کرنے والا اونٹ اپنے گھاس کو اپنی اوجھ میں جمع کرتا ہے اور آدمی اپنے کپڑے کو اپنے صندوق میں رکھتا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن پر میں اعتماد کرتا ہوں میں نے ان کے ہاں پناہ لی اور ان کے ذریعے مجھے قوت حاصل ہوتی ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ کرش سے جماعت مراد ہے یعنی یہ میری جماعت ہے اور میرے صحابہ کرام ہیں اور کہا جاتا ہے ”علیہ کرش من الناس“ یعنی اس پر لوگوں کی ایک جماعت ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

الا ان عیبتی التی اوی الیہا اهل بیتی سنو! میرا صندوق جس سے میں ٹھکانہ پکڑتا ہوں وہ وان کرشی الانصار۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۰۴) میرے اہل بیت ہیں اور میری اوجھ انصار ہیں۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا:

ولا یجنى علی المرء الا یدہ

انسان اپنے جرم کا نقصان خود اٹھاتا ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے روایت کیا امام احمد اور امام ابن ماجہ (رحمہم اللہ) نے حضرت عمرو بن احوں رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے:

لا یجنى جنان الا علی نفسه

جو شخص جرم کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۹، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۱۰۶)

اور اس سے نبی اکرم ﷺ کی مراد یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے کرنے میں پکڑا نہیں جاتا۔ اگرچہ کوئی قتل کرے، زخمی کرے یا زنا کرے۔

بلکہ ہاتھ سے کیے ہوئے جرم میں پکڑا جاتا ہے تو اس کے ہاتھ نے ہی اسے یہاں تک پہنچایا ہے۔

اور ارشاد نبوی ہے:

لیس الشدید من غلب الناس انما

وہ شخص پہلوان نہیں جو لوگوں پر غالب آئے بلکہ

الشدید من غلب نفسه۔

پہلوان وہ ہے جو اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

(موارد الطمان رقم الحدیث: ۲۵۱۸، مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۵۴، شرح السنہ ج ۱ ص ۱۶۰، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۷۷، کشف

الخفاء ج ۲ ص ۲۳۸)

اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر کیا اور امام بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔

لیس الشدید بالصرعة انما الشدید

پچھاڑنے والا پہلوان نہیں بے شک پہلوان وہ ہے

الذی یملک نفسه عند الغضب۔ جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۸-۱۰۷، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۶-۲۶۸-۵۱۷، السنن الکبریٰ ج ۱ ص

۲۳۵، مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۵۴، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۹۰۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۱۰۵، اتحاف السادة المتعلمین ج ۳

ص ۱۶۸، تاریخ جرجان ص ۲۵۱، تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۰۸)

یعنی وہ اپنے سب سے مضبوط دشمن اور سب سے برے مخالف کو قابو میں رکھتا ہے اسی لیے کہا گیا:

اعدی عدولک نفسک التی بین

تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے

جنبک۔

دو پہلوؤں کے درمیان ہے۔

(المغنی ج ۳ ص ۱۲ اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۲۰۶۔ ج ۹ ص ۳۳)

یہ مجاز کے باب سے اور فصیح کلام سے ہے اس لئے کہ جب انسان کو سخت غصہ آتا ہے اور اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو وہ اپنی برو بازی سے اس پر قابو پالیتا ہے اور ثابت قدمی سے اس کو یوں پچھاڑتا ہے جس طرح پہلوان لوگوں کو پچھاڑتا ہے اور لوگ اسے پچھاڑ نہیں سکتے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

ليس الخبر كالمعاينة۔ خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۱ موارد الظمان رقم الحدیث: ۲۰۸۷، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۳ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۳۸، اتحاف السادة المتقين ج ۶ ص ۶۳، التمهيد ابن عبد البر ج ۳ ص ۳۳۳، تاریخ جرجان ص ۷۳۔ ۵۰۵، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۶۰۔ ج ۶ ص ۵۶۔ ج ۸ ص ۱۶، تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۹۸۔ ج ۲ ص ۱۷۱، الفصحاء ابن عدی ج ۱ ص ۳۰۳۔ ج ۳ ص ۱۵۸۰۔ ج ۷ ص ۲۳۹۳، الدرر المستشرقة ص ۱۳۳، تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰۴، کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۳۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۱۱۰۔ ۴۳۱۲۶)

اس حدیث کو امام احمد، ابن منیع، طبرانی اور عسکری نے روایت کیا ہے۔

اور آپ نے فرمایا:

المجالس بالامانة۔ مجالس امانت کے ساتھ ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۹، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۷، اتحاف السادة المتقين ج ۶ ص ۲۱۶۔ ج ۸ ص ۳۳۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۹۳، فتح الباری ج ۱ ص ۹۷، المغنی عن حل الاسفار ج ۲ ص ۷۶، کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۷۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۳۷۹۔ ۲۵۳۷۷۔ ۲۵۳۳۳)

اس حدیث کو امام عقیلی نے حسین بن عبد اللہ بن ضمرہ کے ترجمہ میں (تعارف میں) نقل کیا ہے وہ اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے اور وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

اذا حدث الرجل ثم التفت فہی امانت۔ جب کوئی شخص بات کر کے ادھر ادھر دیکھے تو وہ امانت ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۹، السنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۶۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۶۱، کشف الخفاء ج ۱ ص ۹۰، الدر المنثور ج ۵ ص ۲۲۶، اتحاف السادة المتقين ج ۶ ص ۲۱۶، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۷، المغنی ج ۲ ص ۱۷۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۸، الطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۶۳۷، مشکل الآثار ج ۳ ص ۳۳۶، شرح السنن ج ۱ ص ۱۹۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۷۸)

امام ابو داؤد نے اسے اپنی سنن میں، امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور ابن ابی الدنیاء نے "المصمت میں" اور اس کے

علاوہ لوگوں نے بھی روایت کیا ہے۔

ان دو حدیثوں میں آداب معاشرہ اور آداب صحبت نیز راز کو چھپانے کی ترغیب دی گئی نیز اچھی دوستی، عہد کو پورا کرنے، باہم اصلاح کی راہ اختیار کرنے مسلمان، بھائیوں کے درمیان چغل خوری سے بچنے کی تعلیم دی گئی کیونکہ چغل اس قدر دشمنی پیدا کرتی ہے جو معمولی سمجھ رکھنے والے پر بھی غلی نہیں ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

البلاء موکل بالمنطق. گفتگو کے وقت امتحان ہوتا ہے۔

(الکشاف رقم الحدیث: ۱۵۷۰ الدرر المستشرقة رقم الحدیث: ۵۸۰ الموضوعات ج ۳ ص ۸۳ الفوائد المجموعہ رقم الحدیث: ۳۲۰ تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۹۶ کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۳۳-۳۳۴ تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۷۰ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۷۹ الملالی المصنوعہ ج ۳ ص ۱۵۸ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۳۱۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۴۰۰)

اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اور امام بخاری نے ”الادب المفرد میں“ حضرت ابراہیم سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام دیلمی نے حضرت داؤد رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

ابن جوزی نے ”الموضوعات میں“ حضرت ابو درداء اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا

ہے۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی) نے ”المقاصد الحسنہ میں“ فرمایا: کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ان تمام باتوں کے باوجود اسے موضوع قرار دینا اچھی بات نہیں اور اس حدیث کے معنی پر نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی گواہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک اعرابی کی عیادت کے لئے اس کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا ”لا بأس طہور“ کوئی حرج نہیں یہ پاکیزگی کا باعث ہے اعرابی نے کہا بلکہ یہ بخار ہے جو بوڑھے شخص پر جوش مار رہا ہے جو اسے قبر تک پہنچائے گا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تو پھر اسی طرح سہی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۱۶-۵۶۵۶-۵۶۶۲-۷۷۷۰ مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۲ الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۱۳ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۸۳ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۵۲۹ شرح السنن ج ۵ ص ۲۲۳ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۳۲ الاذکار النوویہ رقم الحدیث: ۱۲۵ زاد السیر ج ۹ ص ۲۱۸ تہذیب خصائص علی نسائی رقم الحدیث: ۷۰)

اسی مفہوم کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے:

لا تَنْطَقَنَّ بِمَا كَرِهْتَ فَرَبِّمَا نَطَقَ اللِّسَانُ بِحَادِثٍ فَيَكُونُ

”زبان سے ناپسندیدہ بات نہ کہو کیونکہ بعض اوقات زبان پر کسی آنے والی بات کا ذکر ہوتا ہے تو وہ ہو

جاتی ہے۔“

اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

تَرْكُ الشَّرِّ صَدَقَةٌ. (کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۶۰) برائی کو چھوڑنا صدقہ ہے۔

بعض حضرات نے اس کو روایت کیا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص برائی سے اور لوگوں کو اذیت پہنچانے سے باز

رہا گویا اس نے ان پر صدقہ کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ برائی کو ترک کرنے کی فضیلت صدقہ کرنے کی فضیلت کی طرح ہے۔

اور ارشاد نبوی ہے:

وای داء ادوا من البخل۔ بخل (کنجوسی) سے بڑھ کر کوئی بیماری ہو سکتی ہے؟

(المغنی ج ۳ ص ۲۳۹ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۱۷ مکارم الاخلاق ص ۵۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۸۵۹-۳۶۸۵۸)

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بخل کو بیماری قرار دیا حالانکہ یہ بخل آدمی کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔ اور اسے بیماری کے مشابہ قرار دیا کیونکہ یہ انسان کو خراب کر دیتا ہے اور اس کے لیے برے تذکرے کی راہ کھولتا ہے جس طرح بیماری کمزور کر دیتی اور تھکا دیتی ہے۔

اس حدیث کا مقصود بخل سے روکنا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

لا ینتطح فیہا عنزان۔ اس میں دو نیزے نہیں ٹکراتے۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۵۲۲ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۹۹ العلل المتباہین ج ۱ ص ۱۷۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۱۳۱)

یعنی ان میں دو باتیں وعدہ خلافی اور جھگڑا جاری نہیں ہوتا۔

اور ارشاد گرامی ہے:

الحیاء خیر کلہ۔ حیاء پورے کا پورا بھلائی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۶ مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۶ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۱ المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۱۷۱)

اتحاف السادة المتقين ج ۸ ص ۳۰۷ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۵۱ ج ۶ ص ۲۶۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۶۳-۵۷۸۵)

اور ارشاد فرمایا:

السمین الفاجرة تدع الدیار بلافع۔ جھوٹی قسم زمین کو دیر ان اور بھڑکھا کر رکھ دیتی ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۵ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۶۲۲ الدر المنثور ج ۲ ص ۲۵ جامع مسانید ج ۱ ص ۱۱۳-۲۵۹ کنز العمال رقم

الحدیث: ۴۶۳۸۸)

اس حدیث کو ”مسند فردوس میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

سید القوم خادمہم۔ قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ نے جب یہودی عورت مصماء بنت مردان کو قتل کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی شان میں یہ بات

فرمائی۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۶۱-۵۶۲ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۸ الدر المنثور ج ۲ ص ۹۵ الخاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۰۱ مشکوٰۃ المصابیح رقم

الحدیث: ۳۹۲۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۵۱۶-۲۳۸۳۳-۲۳۸۳۵)

اس حدیث کا ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے اپنی کتاب ”آداب الصحبة میں“ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف اور انقطاع ہے ان کے علاوہ لوگوں نے بھی اسے روایت کیا ہے۔
رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضل العلم خیر من فضل العبادة. علم کی فضیلت (محض) عبادت کی فضیلت سے زیادہ

ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۹۲ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۱۲ کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۱۱ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۰ الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۰ المعجم الکبیر طبرانی ج ۱ ص ۳۸ العلل المتباہر ج ۱ ص ۶۷ الکامل فی الصغفاء ج ۳ ص ۱۵۱۳ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۹۳ ج ۲ ص ۵۶۰)
اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بزار نے روایت کیا۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی ہے۔

الخیل فی نواصبھا الخیر

حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے اس حدیث کو حضرت امام مالک سے انہوں نے حضرت تافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا۔

الخیل فی نواصبھا الخیر الی
قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی رہے گی۔
یوم القيامة.

دوسرے محدثین کے نزدیک یوں ہے ”معقود بنو اصبھا الخیر“ ان کی پیشانیوں میں بھلائی باندھ دی گئی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۳۹-۳۶۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۸۷-۲۷۸۸ مسلم الامارۃ رقم الحدیث: ۹۶۰ مسند احمد ج ۲ ص ۲۸ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۶۷۷ سنن الکبریٰ ج ۳ ص ۸۱ ج ۶ ص ۳۲۹ المعجم الکبیر ج ۸ ص ۳۰۶ تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۸۰ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۹-۲۶۱ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۴۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۵۸)

اور ارشاد نبوی ہے:

اعجل الاشياء عقوبة البغی. حد سے تجاوز کرنے والے کی سزا تمام سزاؤں سے

جلدی ملتی ہے۔

کیونکہ باقی سزائیں مؤخر ہو جاتی ہیں لیکن کسی پر زیادتی کرنے والے کو فوری طور پر دنیا میں بھی سزا ملتی ہے اگر اللہ تعالیٰ معاف نہ کرے (زرقاتی ج ۳ ص ۱۲۰)
اور ارشاد فرمایا:

بے شک بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

ان من الشعر لحکما.

اس حدیث کو حضرت امام ابو داؤد رحمۃ اللہ نے حضرت صحر بن عبد اللہ بن بریدہ سے روایت کیا وہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ (حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ

نے فرمایا:

ان من البيان لسحرا وان من العلم جهلا وان من الشعر حكمة. اشعار حکمت ہوتے ہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۰-۵۰۱۱-۵۰۱۲، صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۱۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۵-۳۷۵۶، مسند داری رقم الحدیث: ۶۸، جامع الترمذی رقم الحدیث: ۶۹، مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۶-۳۵۷، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۹۸، تاریخ ابن عساکر ج ۶ ص ۲۲۵، المغنی ج ۱ ص ۳۰۰، عل الحدیث رقم الحدیث: ۲۳۱-۲۳۵۹، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۰۹)

(بہت بڑے تابعی) حضرت فصیح بن صوحان رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے حج فرمایا آپ کا یہ فرمانا کہ بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔

تو ایک شخص جس کے ذمہ کچھ حق ہوتا ہے اور وہ صاحب حق کے مقابلے میں دلائل کے ذریعے زیادہ گفتگو کر لیتا ہے تو اپنے بیان سے قوم پر جادو کر کے وہ حق لے جاتا ہے۔

اور آپ کا ارشاد گرامی کہ بعض علم جہالت ہوتے ہیں تو کسی عالم کا ایسی بات کے لیے تکلف کرنا جسے وہ نہیں جانتا، اس کو جاہل بنا دیتا ہے اور آپ کا ارشاد گرامی کہ بعض شعر حکمت ہوتے ہیں اس میں مواعظ اور مثالیں بھی شامل ہیں جن کے ذریعے لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ بعض اشعار ایسے نہیں ہوتے کیونکہ لفظ ”من“ جمع فیضیہ ہے (کسی چیز کے بعض ہونے کو بیان کرتا ہے) اور صحیح بخاری میں ہے:

ان من الشعر حكمة. بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

یعنی وہ سچا قول ہوتا ہے جو حق کے مطابق ہوتا ہے۔

طبری نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو اشعار کو مطلقاً ناپسند کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

الشعر مزامیر الشیطان. شعر شیطان کے گانے بجانے کا آلہ ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جب شیطان کو زمین پر اتارا گیا تو اس نے کہا اے میرے رب! میرے لئے قرآن بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرا قرآن شعر ہے۔

پھر اس کا جواب دیا کہ یہ احادیث کمزور ہیں اور بات یہی ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں علی بن زید الہبانی ہے جو ضعیف ہے۔

اور اگر ان کو قوی احادیث تسلیم کیا جائے تو زیادہ شعر گوئی مراد ہوگی اور اشعار کے جواز پر بے شمار احادیث دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ نے ”الادب المفرد میں“ حضرت عمرو بن الشریح سے روایت کیا وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے امیہ بن ابی الصلت کے اشعار پڑھنے کا حکم دیا تو میں نے ایک سو قافیہ پڑھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۸-۳۹۰)

الادب المفرد رقم الحدیث ۸۷۲-۲۹۱

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

صحت اور فراغت دو نعمتیں ہیں۔

الصحة والفراغ نعمتان.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۲، مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۲، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۹۲، الاحکام النبیہ فی الصنائع الطیبہ ص ۱۲۷، تہذیب

ج ۱ ص ۳۳۵، فتح الباری ج ۱ ص ۲۷۶)

نوٹ: صحیح بخاری میں ہے دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں لوگ خسارے میں ہیں ایک صحت دوسری فراغت۔

اور ارشاد فرمایا:

استعينوا على الحاجات بالکتمان حاجات کو پورا کرنے پر چھپانے کے ذریعے مدد مانگو

فان كل ذي نعمة محسود. کیونکہ ہر نعمت والے سے حسد کیا جاتا ہے۔

(كشف الخفاء ج ۱ ص ۱۳۵، اتحاف السادة المتقين ج ۸ ص ۵۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۹۵، الموضوعات ج ۲ ص ۱۶۵، حلیۃ الاولیاء

ج ۶ ص ۹۶، التہذیب ج ۱ ص ۱۵۲، الدرر المستعرة ص ۱۴، اکمال فی الضعفاء ج ۳ ص ۱۳۴، تذکرۃ الموضوعات ص ۲۰۵، الملای المصنوعہ

ج ۲ ص ۳۳، المغنی ج ۳ ص ۱۸۴، علل الحدیث رقم الحدیث: ۲۲۵۸، تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۱۳۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۸۰۰-۱۶۸۰۹)

اس حدیث کو امام طبرانی رحمۃ اللہ نے اپنی تینوں ”معاجم“ (المعجم الکبیر، المعجم الصغیر اور المعجم الاوسط میں) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ اسے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

العلی (ابو الحسن علی بن حسن بن حسین) نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یوں روایت کیا:

استعينوا على قضاء الحوائج حاجات کو پورا کرنے پر چھپانے کے ذریعے مدد

بالکتمان لها. حاصل کرو (یعنی صدقہ وغیرہ چھپا کر دو)۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

المکر والخديعة في النار. مکر و فریب اور دھوکہ آگ میں ہوں گے (یعنی مکار

اور دھوکہ باز)۔

(المسند رک ج ۳ ص ۶۰۷، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۰۲، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۰، تعلیق التعلیق رقم الحدیث: ۷۵۲، البدایہ والنہایہ ج ۸

ص ۱۰۵، اکمال فی الضعفاء ج ۲ ص ۵۸۴، ج ۶ ص ۲۰۹۲، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۶۹، اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۳۸۶، الترغیب والترہیب

ج ۲ ص ۵۷۲، سوار الطمان ص ۱۱۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۷۲۵، مراہیل ابوداؤد ص ۲۰)

اس حدیث کو امام دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور اس کا معنی یہ ہے کہ مکر و فریب کرنے والا نہ متقی ہوتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے کیونکہ جب وہ مکر کرے گا تو وعدہ خلافی کرے گا اور جب وعدہ خلافی کرے گا تو دھوکہ دے گا اور جب یہ دونوں کام کرے گا تو اپنے آپ کو ہلاک کرے گا اور یہ بات متقی آدمی میں نہیں ہوتی اور جو عادت تقویٰ سے دور رکھے وہ جہنم میں لے جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من غشنا فليس منا۔ جس نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳، مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۸، سنن داری ج ۲ ص ۲۳۸، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۵۵، المسند رک ج ۲ ص ۹، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۶۹، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۷۱، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۷۸-۷۹، تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۵۲، ج ۷ ص ۱۵۰، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۸۹، کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۱۱، اتحاف السادة المتعلمین ج ۶ ص ۲۳۰)

اس حدیث کو حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

المستشار مؤمن۔

جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۲۸، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۲-۲۸۲۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۳۵-۳۷۳۶، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۴، سنن داری ج ۲ ص ۲۱۹، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۲، المسند رک ج ۳ ص ۱۳۱، المعجم الکبیر ج ۲ ص ۲۰۹، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۶-۹۷، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۹۰، کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۸۷، اعلل المستصحب ج ۲ ص ۲۶۰، الدرر المنشرة ص ۱۳۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۹۳۵)

اس حدیث کو حضرت امام احمد اور دوسرے محدثین رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص تجھے اپنا راز بتائے اور تجھے اپنی ذات کا امین قرار دے تو اس نے تجھے اپنی جگہ سمجھا پس تجھ پر واجب ہے کہ تو اسے اسی بات کا مشورہ دے جسے تو اچھا سمجھتا ہے کیونکہ یہ امانت کی طرح ہے کہ آدمی اسی کے پاس امانت رکھتا ہے جس پر اس کو یقین ہوتا ہے اور وہ راز جس کے افشاء ہونے سے بعض اوقات جان جانے کا خطرہ ہوتا ہے وہ نہایت قابل اعتماد آدمی کو ہی بتایا جائے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الندم توبة۔

ندامت توبہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۵۲، مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۶-۳۷۷، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۵۴، المسند رک ج ۳ ص ۲۳۳، مسند الطیبری ج ۱ ص ۵۹، رقم الحدیث: ۱۰۵، شرح السنہ ج ۵ ص ۹۱، کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۵، ظل الحدیث رقم الحدیث: ۱۸۱۶، ۱۸۳۱، ۱۸۸۹، ۱۹۱۸، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۹۹، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۵۱، ج ۱ ص ۳۹۸، اکال ج ۱ ص ۲۰۲، ج ۲ ص ۱۳۲، حلیۃ الشریعہ ج ۲ ص ۲۳۶)

اسے امام طبرانی نے ”الکبیر میں“ روایت کیا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

الذال علی الخبر کفاعله۔

نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والا۔ لے کی

طرح ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۶ ص ۲۳۰، ج ۷ ص ۲۲۷، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۶، ج ۳ ص ۱۷۳، تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۳۶، اتحاف السادة المتعلمین ج ۱ ص ۱۱۵، ج ۳ ص ۵۰۱، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۶۶، کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۸۰، الدرر المنشرة رقم الحدیث: ۸۳، اکال ج ۲ ص ۵۷۳، ج ۳ ص ۱۱۳، ج ۵ ص ۱۷۳، المغنی ج ۱ ص ۱۲، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۲۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۰۵۲)

(۱۶۰۵۵ - ۱۶۳۱۹)

اس حدیث کو العسکری اور ابن جمیع نے روایت کیا اور اس کے طریق سے حضرت منذری ہیں جنہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع حدیث یوں نقل کی ہے:

وکل معروف صدقة والذال ہر نیکی صدقہ ہے اور نیکی پر رہنمائی کرنے والا نیکی علی الخیر کفاعله واللہ یحب کرنے والے کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ پریشان حال کی مدد إغاثة اللہفان کو پسند کرتا ہے۔

معنی یہ ہے کہ جو شخص نیکی پر تمہاری رہنمائی کرے اور تجھے اس کی طرف راستہ دکھائے پس تو اس کی ہدایت کے مطابق اس بھلائی کو پالے تو گویا اس نے یہ نیکی کی۔

اور ارشاد نبوی ہے:

حبك الشی یعمی و یصم۔ کسی چیز سے تمہاری محبت (اس کے عیب دیکھنے اور سننے سے) تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۰ مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۳۔ ج ۶ ص ۳۵۰ اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۲۷۶۔ ج ۹ ص ۶۷۴، مشکوٰۃ المصابیح ج ۹ ص ۲۸۳۔ رقم الحدیث: ۳۹۰۸ کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۱۰ تذکرۃ الموضوعات ص ۱۹۹ تنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۳۰۳ الاسرار المرفوعہ ص ۷۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۱۰۳ الدرر المشرقة ص ۷۱ الکامل ج ۲ ص ۴۷۲)

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور عسکری نے بقیہ بن ولید کی حدیث سے نقل کیا وہ حضرت ابوبکر بن عبد اللہ بن ابی مریم سے وہ خالد بن محمد ثقفی سے وہ حضرت بلال بن ابی الدرداء سے اور وہ اپنے والد سے مرفوع روایت کرتے ہیں اور اس میں حضرت بقیہ اکیلے نہیں بلکہ ان کی اتباع کی گئی اور ابن ابی مریم ضعیف ہیں۔

صفحانی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا لیکن عراقی نے تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی نے بھی ابن ابی مریم پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی اور اس پر ابوداؤد کی خاموشی ہمارے لیے کافی ہے پس یہ حدیث موضوع تو کیا زیادہ ضعیف بھی نہیں بلکہ حسن ہے۔

عسکری نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی مراد یہ ہے کہ تمہاری بعض محبتیں وہ بھی ہیں جو تمہیں راہ ہدایت سے اندھا اور حق سننے سے بہرہ کر دیتی ہیں اور جب آدمی کے دل پر محبت غالب آ جاتی ہے اور عقل یا دین وغیرہ اسے روک نہیں سکتے تو اس کی محبت اسے چھوڑنے سے بہرہ اور ہدایت سے اندھا کر دیتی ہے۔

اسی لئے کسی شاعر نے کہا:

وعین الرضی عن کل عیب کليلة ولكن عین السخط تبدی المساویا

”رضا مندی کی آنکھ ہر عیب سے رات کی طرح ہوتی اور ناراضگی کی نگاہ برائیوں کو ظاہر کرتی ہے۔“ ۱۔

۱۔ یعنی جب آدمی کسی سے راضی ہوتا ہے تو اس کے عیب نظر نہیں آتے اور جب اس سے ناراض ہوتا ہے تو اس کی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہمارے شیخ (السحاوی رحمۃ اللہ) نے ”القاصدا لحسنہ میں“ اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

العارية مؤداة والمنحة مردودة
والدين مقضى والزعم حرام.
ادھار لی ہوئی چیز واپس کی جائے (عارضی) عطیہ
لوٹایا جائے قرض کی ادائیگی ہونا ضروری ہے اور کفیل ذمہ
دار ہوتا ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۵۶۵ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۶۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۹۸-۲۳۹۹ مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۷ سنن الکبیری ج ۶ ص ۸۹ المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۶۰ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۵ شرح السنہ ج ۸ ص ۲۲۵ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۹۵۶ سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۱۶۵ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۶۳ کشف الخفاء ج ۲ ص ۶۷ الاسرار المفوضہ ص ۲۳۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۵۷-۲۹۸۱۳-۲۹۸۱۶)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

سبق بها عکاشة۔ حضرت عکاشہ تم سے سبقت کر گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۴۲-۶۵۴۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶۷۷-۳۶۷۸-۳۶۷۹ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۶ مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۱-۲۷۰ ج ۲ ص ۳۰۲ ج ۳ ص ۳۳۶ سنن داری ج ۲ ص ۳۲۸ المسند رک ج ۳ ص ۵۷۷ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۶ ج ۱۸ ص ۱۷۰ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳ اتحاف السادة المتین ج ۳ ص ۳۲۲ شرح السنہ ج ۱۳ ص ۳۰۰ الدر المنثور ج ۶ ص ۱۵۹ الدر المنثور ج ۹ ص ۹۵)

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

عجب ربک۔ تمہارا رب اس پر خوش ہوا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۹۸-۳۷۹۹-۳۸۰۰ اتحاف السادة المتین ج ۹ ص ۶۲ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۹۶۰ شرح السنہ ج ۱ ص ۱۷۱ تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۷۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۶۶۷)

یہ حدیث حضرت امام بخاری وغیرہ سے متعدد روایات میں مروی ہے اور اس کا معنی جس طرح ابن اثیر نے بیان کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم و کبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ انسان جب کسی چیز کے مقام کو عظمت والا دیکھتا ہے تو تعجب کرتا ہے اور اس پر اس کا سبب پوشیدہ ہوتا ہے تو اس نے ان کو اس بات کی خبر دی جس کو وہ پہچانتے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان چیزوں کا کیا مقام ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور اس نے ثواب عطا فرمایا تو اسے مجازاً نصیحت قرار دیا حقیقت میں تعجب نہیں ہے لیکن پہلی بات زیادہ مناسب ہے۔

(سابقہ حاشیہ) برائیں کو ظاہر کرتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

نبی اکرم ﷺ نے ان ستر ہزار افراد کا ذکر کیا جو حساب و کتاب کے بغیر میں جنت میں جائیں گے تو حضرت عکاشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ مجھے بھی ان میں سے کر دے آپ نے فرمایا تو ان میں سے ہے پھر دوسرا کھڑا ہوا تو آپ نے پھر فرمایا عکاشہ تم سے سبقت کر گئے۔ (صحیح بخاری)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

وہ شخص باندھ کر قتل کیا گیا۔

قتل صبرا۔

اس حدیث کو متعدد محدثین نے روایت کیا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

ليس المسئول با علم من السائل.

جس سے پوچھا گیا وہ پوچھنے والے سے زیادہ جاننے

والا نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۹۵ مسند احمد ج ۱ ص ۵۱ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰-۷۷۷۷ سنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۲۵ التہجد ج ۹ ص ۲۳۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۳۹ اتحاف السادة المستعین ج ۱۰ ص ۹۵ الدر المنثور ج ۱ ص ۲۱۰ ج ۳ ص ۶۹ صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۳۰۶۵ موارد الطمان ص ۱۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸-۴۰-۱۳۵۸)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ولا ترفع عصاك عن اهلك ادبا. اور اپنے گھر والوں سے ادب سکھانے (کے لئے)

استعمال ہونے والا ڈنڈا نہ اٹھاؤ۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۸ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۰۵ ج ۸ ص ۱۰۶ حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۲۲ المسد رک ج ۳ ص ۳۱ اتحاف السادة المستعین ج ۶ ص ۳۹۲ علل الحدیث رقم الحدیث: ۱۲۵۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۹۹۶) اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ نے روایت کیا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر والوں کی تربیت اور ان کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر رکھنے کا عمل ترک نہ کرے اور ان کو اطاعت خداوندی پر جمع رکھے۔ کہا جاتا ہے شق العصا (فلاں نے لاشھی توڑ دی) یعنی وہ جماعت سے الگ ہو گیا لاشھی سے مارنا مراد نہیں لیکن آپ نے اس کو ایک مثال قرار دیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی تربیت اور فساد سے منع کرنے سے غافل نہ ہو۔ یہ بات ابن اثیر نے کہی ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

ان مما ينبت الربيع ما يقتل حبطا او يلم. بے شک جو کچھ ربيع (نہر) اُگاتی ہے وہ پیٹ بھرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیتا ہے یا ہلاکت کے قریب کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۵ مسند احمد ج ۳ ص ۹۱ سنن الکبریٰ ج ۳ ص ۱۹۸ الدر المنثور ج ۶ ص ۸)

اس حدیث کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے اس کو ابن درید نے ذکر کیا اور کہا کہ یہ یکن مختصر کلام ہے اس کے مفہوم کی طرف نبی اکرم ﷺ سے کسی نے سبقت نہیں کی۔

یعنی جو کچھ چھوٹی نہر اُگاتی ہے (ربیع سے موسم بہار مراد نہیں) اور اگانے کی نسبت ربيع کی طرف مجازی ہے کیونکہ حقیقتاً اگانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور ”من جعیضیہ“ نہیں (یعنی بعض اگانے والی چیز مراد نہیں)۔

”حبط“ میں حاء اور باء دونوں پر زبر ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ کھانے کی وجہ سے پیٹ پھول جائے اور وہ مر جائے ”یسلم“ میں یاء پر پیش ہے یعنی ہلاکت کے قریب ہو اور یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو دنیا جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور جہاں خرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ نہیں کرتے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیر المال عین ساهرة لعین نائمة۔ بہترین مال سونے والی آنکھ کے لیے جاگنے والا (جاری) چشمہ ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ پانی کا چشمہ ہے جو دن رات جاری رہتا ہے اور اس کا مالک سویا ہوا ہے تو اس کے ہمیشہ جاری رہنے کو بیداری قرار دیا (یعنی اس کا مالک اس کے حصول کے لیے تھکاوٹ اور محنت برداشت نہیں کرتا)۔

اور ارشاد فرمایا:

خیر مال المرأة مہورة مأمورة أو سكة انسان کا بہترین مال زیادہ بچے جننے والی ماؤنی اور مہجوروں کے پھل دار درخت ہیں۔ مأمورة۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۸، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۸، فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۳)

اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی رحمۃ اللہ نے حضرت سید بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ ”مأمورة“ کا معنی زیادہ بچے جننے والی اور ”سکہ مہورة“ ایسا راستہ جو مہجوروں سے ڈھانکا گیا ہو۔ التائبہ مہجور کو پیوند لگانا۔ (زیادہ پھل دینے والا درخت)۔

اور ارشاد فرمایا:

من ابطاء به عمله لم يسرع به جس کا عمل تاخیر کرے اس کا نسب اس کے لیے نسل۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۲، موارد الفہم ج ۸ ص ۸)

اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

اور ارشاد نبوی ہے:

زربا تزداد حبا۔ کبھی کبھی ملاقات کرو محبت بڑھتی ہے۔

(المسند رک ج ۳ ص ۳۳۷، ج ۳ ص ۳۳۰، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۷۵، الترفیب والترہیب ج ۳ ص ۳۶۶، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۶، اتحاف السادة المتکین ج ۱ ص ۱۶۲، ۱۶۳، کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۲۸، فتح الباری ج ۱ ص ۶۱۱، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۲۲، الدرر المستشر رقم الحدیث: ۹۱، علل الحدیث رقم الحدیث: ۲۱۷۳، ۲۳۳۱، العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۲۵۳، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۵۹۶، تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۲۸۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۷۷۸)

اس حدیث کو امام بزار رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے اور حارث بن ابی اسامہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اس باب کی بعض احادیث میں ہے کہا گیا اے ابو ہریرہ! آپ کل کہاں تھے؟ فرمایا: میں اپنے بعض گھر

والوں کو دیکھنے گیا تھا فرمایا اے ابو ہریرہ! کبھی کبھی جایا کرو (اس سے) محبت بڑھتی ہے۔
اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انکم لن تسعوا الناس باموالکم
فسعوہم باخلاقکم۔
تم سب لوگوں کو مال کے ذریعے بدلہ دینے کی طاقت
نہیں رکھتے پس ان سے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲ فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۶۲ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۵۳۹ اتحاف السادة المتعلمین ج ۶ ص ۲۲۰ ج ۷ ص ۳۲۰-۳۲۷ المغنی ج ۳ ص ۴۹)

اسے ابو یعلیٰ اور یزار نے متعدد طرق سے روایت کیا ان میں سے ایک ان الفاظ کے ساتھ حسن ہے:
انکم لن تسعوا الناس باموالکم
ولکن یسعہم منکم بسط الوجه و حسن
الخلق۔
بے شک تم اپنے مالوں کے ذریعے لوگوں سے حسن
سلوک کی طاقت نہیں رکھتے البتہ تم کشادہ روئی اور اچھے
اخلاق کے ذریعے ان کے احسانات کا بدلہ دو۔

اور ارشاد فرمایا:

الخلق الحسن یذیب الخطایا کما
یذیب الماء الجلید والخلق السی یفسد
العمل کما یفسد الخل العسل۔
اچھے اخلاق گناہوں کو اس طرح مٹا دیتے ہیں جس
طرح پانی مضبوط چیز کو پگھلا دیتا ہے اور برے اخلاق عمل کو
اس طرح خراب کرتے ہیں جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر
دیتا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۸۸ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۲ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۱۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۵۱۳۲-۵۱۳۳)
اور ارشاد فرمایا:

ان هذا الدین متین فاعغل فیہ
برفق ولا تبغض الی نفسک عبادة
الله فان المنبت لا ارضا قطع ولا ظہرا
ابقی۔
بے شک یہ دین مضبوط ہے پس اس میں (تکلف
کے بغیر) نرمی کے ساتھ چلو اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی
عبادت سے متنفر نہ کرو کیونکہ جو شخص سفر میں اپنے ساتھیوں
سے پھٹ جاتا ہے نہ وہ منزل مقصود تک پہنچتا ہے نہ اس کے
پاس سواری باقی رہتی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۲ فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۵۹ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۱۸-۱۹ الزہد رقم الحدیث: ۲۱۵ اتحاف السادة المتعلمین
ج ۳ ص ۲۶۲-۲۶۳ الدر المنثور ج ۱ ص ۹۲ التہذیب ج ۱ ص ۱۹۵ المغنی ج ۳ ص ۷۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۵۱-۵۳۵۰)
اس حدیث میں ابن سووقہ پر اختلاف کیا گیا کہ بعض نے ان کے واسطے سے حضرت ابن منکدر سے مرفوعاً روایت کی
(اور یہ مرسل ہے کیونکہ صحابی کو چھوڑ دیا گیا) اور بعض نے ابن سووقہ سے انہوں نے ابن منکدر سے اور انہوں نے حضرت
جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی (اور یہ حدیث متصل ہے مرسل نہیں)۔
پھر یہ بھی اختلاف ہے کہ کس صحابی سے روایت کی ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یا حضرت عائشہ یا حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہم سے؟ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی تاریخ میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ حضرت ابن مسکدر رحمۃ اللہ سے مرسل روایت ہے (کسی صحابی کا ذکر نہیں ہے) اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ شخص راستے میں عاجز ہو کر رہ گیا مقصد تک نہ پہنچ سکا اپنا کام بھی پورا نہ کر سکا اور اس کی سواری بھی تھک گئی۔

”السو غول“ کا معنی داخل ہونا ہے گویا فرمایا کہ یہ دین باوجود آسان ہونے کے شدید (سخت) ہے پس خوب عبادت کرو لیکن اس میں نرمی کا پہلو بھی اختیار کرو کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو آسانی میں ڈالے بغیر زیادہ سے زیادہ عبادت کرتا ہے اور طاقت سے زیادہ کا تکلف کرتا ہے قریب ہے کہ وہ تھک جائے حتیٰ کہ واجبات کو ہی چھوڑ دے اب اس کی مثال اس شخص جیسی ہوگی جو اپنی سواری پر سختی کرتا ہے اور اس کو جلدی چلنے پر مجبور کرتا ہے تا کہ جلدی پہنچے پس وہ سواری سے محروم رہتا ہے اور اب نہ تو وہ منزل تک پہنچ سکتا ہے اور نہ سواری صحیح سالم رہتی ہے کہ اس کے بعد اس سے نفع اٹھائے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من شاد هذا الدين غلبه. جو شخص اس دین پر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے اس پر یہ غالب آ جاتا ہے۔

اس حدیث کو عسکری نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا امام بخاری کے نزدیک یہ حضرت معن بن محمد غفاری سے مروی ہے اور وہ حضرت ابوسعید مقبری سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔ کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الدين يسر ولن يشاد الدين احد الا غلبه فسددوا وقاربوا وبشروا واستعينوا بالغدوة والروحة وشيء من الدلجة. بے شک یہ دین آسان ہے اور کوئی شخص اس پر غلبہ حاصل کرنا چاہے تو یہ اس پر غالب آ جاتا ہے پس سیدھے رہو (اعتدال پر رہو) قریب قریب رہو خوشخبری حاصل کرو اور صبح و شام اور رات کے آخری حصے (میں عبادت) کے ذریعے مدد حاصل کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹-۵۶۷۳-۶۳۶۳-۷۲۳۵ اتحاف السادة المتقين ج ۶ ص ۲۶۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:

۱۲۳۶ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۲۸۳ التہذیب ج ۵ ص ۱۲۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۳۳)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله الاماني. سمجھدار آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو عبادت میں لگائے رکھتا ہے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرتا ہے اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہش کی اتباع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہے (اور آرزوئیں رکھتا ہے)۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۶۰ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۹ مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۳ فتح الباری ج ۹ ص ۲۲۸ السنن الکبریٰ

ج ۳ ص ۲۶۹ المسند رک ج ۱ ص ۵۷ ج ۳ ص ۲۵۱ المعجم الکبیر ج ۷ ص ۳۳۸-۳۳۱ اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۳۳ ج ۸ ص ۲۲۸)

شرح السنہ ج ۳ ص ۳۰۸، المعجم الصغیر ج ۲ ص ۳۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۲۸۹، الترفیب والترہیب ج ۳ ص ۲۵۲، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۶۷، ج ۸ ص ۳۷، کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۹۶، المغنی ج ۲ ص ۳۲۶، ج ۳ ص ۳۶۸، الدرر المنثور رقم الحدیث: ۱۲۷،
اس حدیث کو حاکم نے شداد بن اوس سے نقل کیا اور فرمایا امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے لیکن امام ذہبی نے ان کا تعاقب کیا کہ اس میں ابن ابی مریم ہے اور وہ ضعیف ہے عسکری، قضاوی، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔
رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما حاک فی نفسک فدعه۔ جو کچھ تمہارے دل میں کھٹکے اسے چھوڑ دو۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۲۵۵، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۳۸، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۹۸، اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۲۹۸، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۱۰۳)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ”الکبیر میں“ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔
اور آپ نے فرمایا:

تنکح المرأة لجمالها ومالها عورت سے اس کے حسن، مال، دین اور ذات و دینہا وحسبہا فعلیک بذات الدین (خاندان) کی بنیاد پر نکاح کیا جاتا ہے پس تجھ پر دین والی تربیت یداک۔ (کو اختیار کرنا) لازم ہے تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۹۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۴۷، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۸، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۹، اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۳۳۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۰۸۳، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۸۳، الترفیب والترہیب ج ۳ ص ۳۵، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۳۰۳، رقم الحدیث: ۲۱۳، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۵۷، شرح السنہ ج ۹ ص ۱۸، المغنی ج ۲ ص ۳۹، الدر المنثور ج ۷ ص ۲۵۷، سنن سعید ابن منصور رقم الحدیث: ۵۰۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۵۵۲)
امام بخاری رحمۃ اللہ نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔
رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الشتاء ربيع المومن قصر نهاره سردیوں کا موسم، مؤمن کی بہار ہے اس کے دن چھوٹے ہوتے ہیں پس وہ دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات لمبی فصامه و طال ليله فقامه۔ ہوتی ہے تو (عبادت کے لیے) قیام کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۷۵، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۹۷، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۰، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۲۲۲، العلل المتباہیہ ج ۱ ص ۳۱۳، کشف الخفاء ج ۲ ص ۶، الدر المنثور رقم الحدیث: ۱۳۰، اکمال ج ۳ ص ۹۸۱، تاریخ ابن عساکر ج ۵ ص ۲۲۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۲۰۸-۳۵۲۰۹)

اس حدیث کو امام بیہقی، امام احمد اور ابو نعیم نے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے عسکری نے مکمل روایت کی ان تمام کی روایت دراج کی حدیث سے ہے وہ حضرت ابو نعیم سے اور وہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور اس کے کئی شواہد ہیں (دیگر کئی احادیث اس کی تائید کرتی ہیں)۔

موسم سرما مؤمن کی بہار اس لئے ہے کہ وہ اس میں عبادات کی چراگاہوں سے (روحانی) خوراک حاصل کرتا ہے عبادات کے میدانوں میں سیر کرتا ہے اور جو عبادات اس کے لئے آسان کی گئی ہیں ان کے حوالے سے اعمال کے باغ میں اپنے دل کو خوش رکھتا ہے مؤمن (اس موسم میں) دن کے وقت کسی مشقت کے بغیر روزہ رکھنے پر قادر ہوتا ہے اور اسے بھوک لگتی ہے نہ پیاس کیونکہ اس کے دن چھوٹے اور ٹھنڈے ہوتے ہیں لہذا ان میں روزے کی مشقت نہیں ہوتی۔
نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

القناعة مال لا يفسد و كسز لا يفسى. قناعت ایسا مال ہے جو ختم نہیں ہوتا اور ایسا خزانہ ہے جو فنا نہیں ہوتا۔

(كشف الخفاء ج ۲ ص ۱۵۱ الدر المنثور ج ۳ ص ۱۳۰ امالی ج ۲ ص ۱۹۸ الکامل ج ۳ ص ۱۵۰ علل الحدیث رقم الحدیث: ۱۸۱۳ المقیّد ج ۲ ص ۳۹ التزیب والتریب ج ۱ ص ۵۹۰)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ”الاوسط میں“ حضرت منکدر بن محمد منکدر سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور قضا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا لیکن اس میں ”و كسز لا يفسى“ نہیں ہے۔

قناعت کے بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں اور اگر قناعت کا صرف یہی فائدہ ہوتا کہ اس میں عزت نفس برقرار رہتی ہے تو یہ بھی کافی تھا۔ نبی اکرم ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے:
اَللّٰهُمَّ قَنِّعْنِيْ بِمَا رَزَقْتَنِيْ. یا اللہ! مجھے اس پر قناعت کی توفیق عطا فرما جو کچھ تو نے مجھے عطا کیا ہے۔

(المعراج ج ۱ ص ۵۱۰ ج ۲ ص ۳۵۶-۳۵۷ الدر المنثور ج ۳ ص ۱۳۰ تاریخ ج ۱ ص ۹۱ كشف الخفاء ج ۲ ص ۱۵۱ علل الحدیث رقم الحدیث: ۲۰۵۲ تخفیف النعم ج ۲ ص ۲۳۸ مجمع البحار مع رقم الحدیث: ۱۰۰۳۰) کسی شاعر نے کہا ہے:

ما ذاق طعم العنى من لا قنوله ولن تری قانعاً ما عاش مستقراً
”جو شخص قناعت (مہر) نہیں کرتا اس نے مالدار کی کا ڈانقہ نہیں چکھا اور تم ہرگز نہیں دیکھو گے کہ کوئی قناعت کرنے والا زندگی بھر محتاج رہا ہو“۔
رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما عاب من استخار ولا ندم من استشار ولا عاب من اقتصد.
جس نے اللہ تعالیٰ سے بھلائی طلب کی وہ تاراً نہیں ہوتا جو مشورہ کرتا ہے وہ پشیمان نہیں ہوتا اور جو میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ محتاج نہیں ہوتا۔

(المعجم الصغير ج ۲ ص ۷۸ كشف الخفاء ج ۲ ص ۲۶۰ فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۰ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۵۴ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۰ ج ۸ تحف السادة السعیدین ج ۸ ص ۱۶۳ الاسرار المفوہ رقم الحدیث: ۱۹۵ الدر المنثور رقم الحدیث: ۹۰ لسان المیزان ج ۳ ص ۱۳۳)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ”الاوسط میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔
اور آپ نے ارشاد فرمایا:

الاقتصاد فی النفقة نصف اخراجات میں اعتدال نصف معیشت ہے لوگوں
المعیشة والتعودد الی الناس نصف سے محبت کرنا نصف عقل ہے اور اچھی طرح سوال کرنا
العقل وحسن السؤال نصف العلم. نصف علم ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۶۷ اتحاد السادة المتکلمین ج ۷ ص ۶۱ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۰ الدر المنثور ج ۳ ص ۱۷۸ کشف
الخفاء ج ۱ ص ۱۷۹ ظل الحدیث رقم الحدیث: ۲۳۵۳ میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۸۳۹۹ لسان المیزان ج ۳ ص ۱۳۳ ج ۶ ص ۳۵ کنز
العمال رقم الحدیث: ۵۴۳۳)

اس حدیث کو امام بیہقی رحمۃ اللہ نے ”شعب الایمان میں“ عسکری نے ”الامثال میں“ نیز ابن السی (ابو بکر احمد
بن محمد بن اسحاق محدث متوفی ۳۶۴ھ) نے دیلمی نے اپنے طریق سے اور قضاوی نے بھی روایت کیا۔

(الاعلام ج ۱ ص ۲۰۹ طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۹۶ شذرات الذهب ج ۳ ص ۴۷)

ان سب نے بواسطہ حضرت نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا امام بیہقی نے اسے ضعیف قرار دیا
لیکن اس کے کئی شواہد ہیں عسکری نے اس کو بواسطہ خلاد بن عیسیٰ، حضرت ثابت سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ
سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الاقتصاد نصف العیش وحسن میانہ روی نصف معیشت ہے اور اچھا اخلاق آدھا
الخلق نصف الدین. دین ہے۔

اسے طبرانی اور ابن لال (احمد بن علی) نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور اس کے شواہد میں سے ہے جو عسکری نے حضرت
انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ:

السؤال نصف العلم والرفق نصف سوال نصف علم ہے اور نرمی نصف معیشت ہے اور
المعیشة وما عال امرؤ فی اقتصاد. آدمی اعتدال کی صورت میں محتاج نہیں ہوتا۔

دیلمی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے:

السؤال نصف العلم والرفق نصف سوال نصف علم ہے اور نرمی (اخراجات میں اعتدال)
المعیشة. نصف معیشت ہے۔

صحیح ابن حبان میں ایک طویل حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:
یا اباذر لا عقل کالتدبیر ولا ورع اے ابوذر! تدبیر کی طرف کوئی عقل نہیں (گناہوں
کالكف ولا حسب کحسن الخلق. سے) پرہیز کی طرح کوئی تقویٰ نہیں اور اچھے اخلاق کی
طرح کوئی حسب نہیں۔

امام بیہقی نے ”شعب الایمان میں“ انہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے امام بیہقی اور عسکری دونوں نے حضرت علی

الرفعی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

التعود ونصف الدين وما عال امرؤ باہم محبت نصف دين ہے اور اعتدال کی راہ اختیار کرنے والا محتاج نہیں ہوتا۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۲۳۳، کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۸۰، اتحاف السادة المتعلمین ج ۸ ص ۱۶۳-۱۶۸)

یعنی جو شخص خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرتا ہے اور فضول خرچی نہیں کرتا وہ محتاج نہیں ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

المؤمن من امنه الناس (کامل) مؤمن وہ ہے جس سے لوگ بے خوف

ہوں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۲۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۳۳، سنن نسائی باب ۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۹-۳۸۰ ج ۳ ص ۱۵۲)

ج ۶ ص ۲۲، المسند رک ج ۱ ص ۱۱، اتحاف السادة المتعلمین ج ۶ ص ۲۵۳، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۲، ج ۳ ص ۲۶۸، کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۰۸

الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۵۳، المغنی ج ۲ ص ۱۹۲، موارد الطمان رقم الحدیث: ۲۶، التہذیب ج ۹ ص ۲۳۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۷۴۸)

اور ارشاد فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یدہ والمہاجر من ہجر ما حرم اللہ (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور (حقیقی) مہاجر وہ ہے جو اس کام کو

چھوڑ دے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۸۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۲۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۸۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵-۶۹)

مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۳-۱۶۵-۲۱۲، ج ۳ ص ۱۵۲، سنن داری ج ۲ ص ۳۰۰، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸۷، مسند الحمیدی ج ۲ ص ۲۷۱-۲۷۲، رقم

الحدیث: ۵۹۵، المسند رک ج ۱ ص ۱۰، ج ۳ ص ۵۱۷، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۵۶، ج ۱ ص ۳۰۹، اتحاف السادة المتعلمین ج ۶ ص ۲۵۳، مجمع الزوائد

ج ۱ ص ۵۶-۵۷، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۳۳، التہذیب ج ۹ ص ۲۳۳، مشکوٰۃ المصابیح ج ۶ ص ۳۳، تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۳۶۱، تظلیق التعلیق

رقم الحدیث: ۲۲، تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۳۹، موارد الطمان رقم الحدیث: ۲۵-۲۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰)

اور ارشاد نبوی ہے:

قلۃ العیال احد السارین (کامل) قلیل گھرانے والوں کا گھر ہونا دو آسانوں میں سے ایک

ہے۔

(الدر المنثور ج ۳ ص ۱۷۹، اتحاف السادة المتعلمین ج ۸ ص ۱۶۵، ج ۵ ص ۲۹۱، کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۶۸، تذکرۃ الموضوعات رقم

الحدیث: ۱۳۳، المغنی ج ۱ ص ۲۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۵۰۶)

اسے مسند الفردوس کے مصنف نے اس طرح نقل کیا ہے:

التدبیر نصف المعیشۃ والتعود نصف العقل التدبیر نصف معیشت ہے لوگوں سے محبت نصف عقل

العقل والہم نصف الہرم وقلۃ العیال احد ہے، غم نصف بڑھاپا ہے اور اولاد کا کم ہونا دو آسانوں

میں سے ایک ہے۔

الیسارین۔

(نوٹ) :- انسان کے لیے ایک آسانی یہ ہے کہ اسے مال حاصل ہوگا اور دوسری یہ کہ خرچ کم ہو اگر اس کے زیر کفالت لوگ کم ہوں گے تو زیادہ محنت کی ضرورت نہ ہوگی۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اد الامانة السی من اتصنک ولا تخن من خائنک۔ جس نے تمہارے پاس امانت رکھنی ہے اس کو واپس کرو اور جو تم سے خیانت کرتا ہے تم اس سے خیانت نہ کرو۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۶۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۳-۳۵۳۵ مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۴ سنن دارقطنی ج ۳ ص ۳۵ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۳۳ ج ۸ ص ۱۵۰ المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۷۱ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۷ المسد رک ج ۲ ص ۳۶ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۹۳۳ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۵ لسان المیزان ج ۳ ص ۱۳۷ میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۳۰۲۶ کشف الخفاء ج ۵ ص ۷۵ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۳۲ شرح السنہ ج ۸ ص ۲۰۶ الدر المنثور ج ۲ ص ۱۷۵ التاریخ الکبیر ج ۳ ص ۳۶۰ العلل المتباہیہ ج ۲ ص ۱۰۲-۱۰۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۵۳۹۳)

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت شریک اور حضرت قیس بن ربیع کی روایت سے نقل کیا ہے وہ دونوں حضرت ابوصالح کی روایت سے اور حارث حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کی روایت سے نقل کرتے ہیں اور وہ دونوں (حضرت حارث اور حضرت حسن بصری) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے اور اسے امام داری نے اپنی مسند میں اور امام دارقطنی اور امام حاکم نے بھی روایت کیا امام حاکم نے کہا کہ یہ امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے لیکن ابن حزم اور اسی طرح ابن قحطان اور امام بیہقی نے اسے معطل قرار دیا (یعنی اس میں کوئی خرابی ہے ابو حاتم نے کہا یہ حدیث منکر ہے) (ضعیف ہے) اور امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ حدیث اصحاب حدیث کے ہاں ثابت نہیں امام احمد نے فرمایا یہ حدیث باطل ہے میں اسے صحیح طریق کے ساتھ نبی اکرم ﷺ سے نہیں جانتا۔

اور ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ) نے فرمایا کہ اس کا دوسری سند کے ساتھ مل جانا اس کو قوی بنا دیتا ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

الرضاع یغیر الطباع۔ دودھ پلانا طبیعتوں کو بدل دیتا ہے۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۱۹ مسند شہاب رقم الحدیث: ۳۵ الاحکام النبیہ ج ۲ ص ۲۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۶۵۳)

اسے ابوالشیخ نے اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا۔

اور ارشاد فرمایا:

لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عہد له۔ اس کا ایمان (کامل) نہیں جو امانت کی پاسداری نہیں کرتا اور جو ایقانے عہد نہیں کرتا اس کا دین (کامل) نہیں۔

۱۔ مطلب یہ ہے کہ بچہ جن لوگوں کے ہاں دودھ پیتا ہے ان کے اخلاق اس پر اثر انداز ہوتے ہیں لہذا اگر بچہ کو کسی سے دودھ پلایا جائے تو نیک اور اچھے اخلاق والے لوگوں کا انتخاب کیا جائے۔ ۱۲ ہزاروی

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۵-۱۵۳-۲۱۰-۲۵۱) المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۳۰ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۹۶ الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲-ج ۲ ص ۱۷۵
کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۸۵ التہذیب ج ۹ ص ۲۵۵ شرح السنہ ج ۵ ص ۷۵ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۵ تاریخ جرجان رقم الحدیث: ۱۰۵
حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۲۰ الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۲۲۱ موارد الظمآن رقم الحدیث: ۲۷۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۵۵۰۳
اس حدیث کو امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے اپنی مسندوں میں اور امام بیہقی نے ”شعب الایمان میں“ حضرت انس
رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا۔

اور آپ نے فرمایا:

النساء حبائل الشیطان۔ عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۳۶ الدر المنثور ج ۲ ص ۲۵ اتحاد السادة المتعلمین ج ۷ ص ۲۸۰ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۵۷ المغنی
ج ۳ ص ۹۶) نوٹ: یعنی شیطان عورتوں کے ذریعے انسان کو گمراہ کرتا ہے اسی لئے عورتوں کو غیر محرموں سے پردے کا حکم ہے۔ ۱۲ ہزاروی
اس حدیث کو ”مسند الفردوس میں“ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔
اور ارشاد فرمایا:

حسن العهد من الایمان۔ اچھی طرح وعدہ پورا کرنا ایمان سے ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۴۲ تاریخ الکبیر ج ۱ ص ۳۱۵ الدر المنثور ج ۲ ص ۷۳ کشف الخفاء ج ۱ ص ۴۱۴-۴۳۱ الاسرار
المرفوعة رقم الحدیث: ۱۸۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۹۳۷)
اس حدیث کو امام حاکم نے ”المستدرک میں“ نقل کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ ایک بوڑھی خاتون
نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ میرے پاس تشریف فرما تھے آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا
جشامہ مزیہ ہوں آپ نے فرمایا: تم حسانہ ہو (یعنی یہ نام مناسب ہے) تم لوگ کیسے ہو تمہارا کیا حال ہے ہمارے بعد تم
کیسے رہے؟ اس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہم خیریت سے ہیں جب وہ چلی گئی تو میں نے عرض کیا یا
رسول اللہ! آپ نے اس بوڑھی عورت کی طرف اس طرح توجہ فرمائی؟ آپ نے فرمایا: یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے
زمانے میں ہمارے پاس آتی تھی اور اچھا وعدہ ایمان سے ہے۔ امام حاکم نے فرمایا: یہ حدیث امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی
شرط پر صحیح ہے اور اس میں کوئی علت (خرابی) نہیں۔ (اتحاد السادة المتعلمین ج ۶ ص ۲۳۵ امالی العجری ج ۲ ص ۱۵۲ الجامع الکبیر
ج ۲ ص ۷۳۱ مسند شہاب رقم الحدیث: ۷۹۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۳۳)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

الخمر جماع الانم۔ شراب تمام گناہوں کی جامع ہے۔

(یعنی تمام گناہوں کی بنیاد ہے)۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۲۲۵ کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۶۰ اتحاد السادة المتعلمین ج ۸ ص ۵۴۱
مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۱۲ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۵۷)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جمال الرجل فصاحة لسانہ۔ انسان کا حسن اس کی زبان کی فصاحت ہے۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۹۹ تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۲۰۳۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۷۷۵) اس حدیث کو قضاعی نے حضرت اوزاعی کی روایت سے اور عسکری نے حضرت منکدر بن محمد بن مکندر رحمۃ اللہ کی روایت سے نقل کیا اور وہ دونوں حضرت محمد بن منکدر سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ نیز الخطیب اور ابن طاہر نے بھی اسے نقل کیا ہے اور اس کی سند میں احمد بن عبد الرحمن بن جارد الرقی ہیں اور امام دیلمی نے اسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ:

الجمال صواب المقال والکمال حسن العمل درست گفتگو ہے اور کمال سچائی کے ساتھ اچھے العمل کا نام ہے۔

عسکری کے نزدیک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! انسان میں جمال (حسن) کیا ہے؟ تو فرمایا اس کی زبان کی فصاحت۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

منهو مان لا يشبعان طالب علم و طالب دنیا۔ دو حریص سیر نہیں ہوتے ایک علم کا طالب اور دوسرا طالب دنیا۔

(المصدر رک ج ۱ ص ۹۲ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۲۳ کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۹۸ اتحاف السادة المتقين ج ۸ ص ۱۵۸ ص ۲۳۲ تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۲۱۰۷ الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۹۵ العلل المتباہیہ ج ۱ ص ۸۶ ص ۸۷ در المنثور رقم الحدیث: ۱۶۲ تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۳۵۹ المغنی ج ۳ ص ۲۳۲ ص ۲۷۴ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۶۰ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۳۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۹۳۲-۲۸۹۳۳-۲۸۹۳۴-۲۸۹۳۵)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ”الکبیر میں“ روایت کیا اور قضاعی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا جبکہ امام بیہقی کے نزدیک ”المدخل میں“ حضرت قاسم سے مروی ہے فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دو حریص سیر نہیں ہوتے ایک طالب علم اور دوسرا طالب دنیا اور یہ دونوں برابر نہیں دنیا دار سرکشی میں بڑھتا ہے اور علم والا رحمن کی رضا زیادہ کرتا ہے۔

انہوں نے فرمایا: یہ موقوف منقطع ہے۔ بزار اور عسکری وغیرہ نے بھی اس کو اسی طرح روایت کیا اور اس اجتماع کی وجہ وجہ سے یہ قوی ہوگئی اگرچہ الگ الگ طریق سے ضعیف ہے۔ واللہ اعلم رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا فقر اشد من الجهل ولا مال اكثر من العقل ولا وحشة اشد من العجب۔ جہالت سے بڑھ کر کوئی فقر نہیں عقل سے بڑھ کر کوئی مال نہیں اور خود پسندی (تکبر) سے بڑھ کر کوئی تنہائی نہیں۔ (المعجم الکبیر ج ۳ ص ۶۸ کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۹۹ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۸۳ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۶ البدایۃ النہایہ ج ۸ ص ۳۱ تاریخ ابن عساکر ج ۳ ص ۲۲۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۱۳۵-۳۳۲۳۷-۳۳۳۸۹)

۱۔ جس حدیث میں ایک راوی یا ایک سے زیادہ مختلف مقامات سے چھوٹے ہوں وہ منقطع ہوتی ہے اور موقوف وہ حدیث جس میں صحابی کا قول ہو۔ ۱۲ ہزاروی

اور ارشاد نبوی ہے:

الذنب لا ينسى والبر لا يسلى والديان لا يموت فكن كما شئت.
گناہ مٹا نہیں (نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے) نیکی کا ثواب منقطع نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کے لئے موت نہیں بس جس طرح چاہے ہو جا۔ (کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۸۳)

اس کو ”مسند الفردوس میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا گیا اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
ما جمع شيء الى شيء احسن من حلم الى علم
کسی چیز کا دوسری چیز کے ساتھ جمع ہونا بردباری اور علم کے جمع ہونے سے زیادہ بہتر نہیں۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۱۶-۲۱۷-۲۱۹، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۲۱)

اس روایت کو عسکری نے حضرت جعفر بن محمد سے نقل کیا انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت علی بن حسین سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے کچھ اضافے کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے (اضافہ یہ ہے):

والفضل الايمان التحب الى الناس ثلاث من لم تكن فيه فليس مني ولا من الله حلم يرد به جهل الجاهل وحسن الخلق يعيش به في الناس وورع يجزه عن معاصي الله
بہترین ایمان یہ ہے کہ لوگوں سے محبت ہو اور تین باتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں نہ ہوں اس کا مجھ سے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں ایسی بردباری جس کے ذریعے جاہل کی جہالت کو رد کیا جائے اچھے اخلاق جس کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی گزارے اور تقویٰ جو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکے۔

ان (عسکری) کے نزدیک حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس طرح بھی مرفوعاً مروی ہے:

ما اوى شيء الى شيء احسن من حلم الى علم وصاحب العلم غرثان الى حلم
کوئی چیز دوسری چیز کو ٹھکانہ نہ دے (اس سے مل جائے) تو بردباری اور علم کے باہم مل جانے سے بہتر ملنا نہیں ہے اور عالم بردباری کا محتاج ہوتا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

التمسوا الرزق في خبايا الارض.
زمین کے پوشیدہ مقام سے رزق تلاش کرو۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۰۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۹۳۰۳)

اس کو بہت عبد الصمد بن علی بن محمد الحرثیہ کی جزء میں حضرت ابن ابی شریح سے روایت کیا اور اس سے مراد کھیتی باڑی کرنا ہے۔

اور انہوں نے یہ شعر پڑھا:

لتبع خبايا الارض وادع مليكها
”زمین کی پوشیدہ جگہوں کے پیچھے جاؤ اور اس کے مالک سے دعا کرو یقیناً کسی دن تمہاری دعا قبول ہو

کی پس تمہیں رزق ملے گا۔

اور ارشاد نبوی ہے:

نحن في الدنيا كالك غريب او عابر سبيل وعد نفسك في اهل القبور. آپ کو قبرستان والوں میں شمار کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۶، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۴، شرح السنن ج ۱ ص ۲۳۱، اتحاف السادة المستنیرین ج ۱ ص ۲۳۶، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۹۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۲۷۴، تاریخ الخلفاء ج ۲ ص ۱۹۴، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۱۳، ج ۳ ص ۳۰۱، الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۵، امالی ج ۲ ص ۱۹۳، تاریخ ابن عساکر ج ۵ ص ۱۷۴، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۹۶، ج ۱ ص ۱۳۳، درالمشور ج ۳ ص ۳۱۹)

اس حدیث کو امام بیہقی نے ”شعب الایمان میں“ نیز عسکری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور امام بخاری و امام ترمذی وغیرہ رحمہم اللہ نے اس کو ذکر فرمایا۔

صنائع المعروف تقی مصارع السوء و نیک کام بری موت سے بچاتے ہیں اور پوشیدہ طور صدقۃ السر تطفی غضب الرب و صلۃ پر صدقہ دینا اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور صلہ رحمی الرحمن تزیید فی العمر۔ عمر کو بڑھاتی ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۸ ص ۳۱۲، درالمشور ج ۱ ص ۳۵۴، ج ۳ ص ۲۵۶، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۱۵، کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۹، ص ۲۲، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۰، مسند شہاب رقم الحدیث: ۱۰۱-۱۰۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۹۶۵-۱۵۹۶۶-۱۵۹۷۳) اور ارشاد نبوی ہے:

العفو لا یزید العبد الا عزا والتواضع لا یزیدہ الا رفعة وما نقص مال من صدقة. (اتحاف السادة المستنیرین ج ۸ ص ۳۹، ص ۳۵۳) معاف کرنا بندے کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور تواضع اس کو بلندی عطا کرتی ہے اور صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔

ما نقصت صدقة من مال وما زاد الله بعفو الا عزا وما تواضع احد لله الا رفعه الله. صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور عفو و درگزر سے اللہ تعالیٰ عزت کو بڑھاتا ہے اور کوئی شخص تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سر بلندی عطا کرتا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۲۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۵-۲۳۶، سنن داری رقم الحدیث: ۳۳، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۰۵، شرح السنن ج ۶ ص ۱۳۳، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۵، ج ۴ ص ۱۸۷، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۱۰، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵، ج ۳ ص ۳۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۷۶۷)

اور قتضائی نے حضرت ابوسلمہ (عبدالرحمن بن عوف زہری رحمۃ اللہ) سے انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا:

ما نقص مال من صدقة ولا عفا رجل
عن مظلة الا زاده الله تعالى بها عزا.
صدقہ دینے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی اور
جب کوئی شخص کسی کی زیادتی معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس
بجہ سے اس کی عزت کو بڑھاتا ہے۔

امام دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا آپ نے فرمایا:
والذى نفس محمد بيده لا ينقص مال من
صدقة.
اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں حضرت
محمد ﷺ کی جان ہے صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔
اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ نے نقل کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَعُوْىٍّ وَمِنْ
شَرِّ بَصَرٍ وَمِنْ شَرِّ لِّسَانٍ وَمِنْ شَرِّ قَلْبٍ وَمِنْ
شَرِّ مَنِيْنٍ.
یا اللہ! میں اپنے کانوں کے شر اپنی آنکھوں کے شر
اپنی زبان کے شر اپنے دل کے شر اور اپنے مادہ منویہ کے شر
سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے اپنی جامع (سنن) میں اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت شاکل (بن جمید)
العیسیٰ صحابی رضی اللہ عنہ جو کوفہ میں اترے) سے روایت کیا۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۹۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۵۵۱،
مسند امام احمد ج ۳ ص ۳۲۹، المستدرک ج ۱ ص ۵۳۲، تحف السادة المتقين ج ۵ ص ۸۵، مجمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۱۲، المغنی
ج ۱ ص ۳۲۵، مکارم الاخلاق رقم الحدیث: ۹۳، مصنف ابن شیبہ ج ۱ ص ۱۹۳، ج ۱۵ ص ۱۳۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۴۱-۳۷۱۱)
اور نبی اکرم ﷺ نے یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةٍ
اَلْعِیْنِ.
یا اللہ! میں مالدار کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا
ہوں۔

اس حدیث کو امام ترمذی، امام نسائی، امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم
الحدیث: ۲۳۶۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۹۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۳۸، ابی ج ۲ ص ۲۱۱)
اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الدنيا عرض حاضر يا كل منها
البر والفاجر وان الاخرة وعد صادق
يحكم فيها ملك عادل قادر يحق فيها
الحق ويبطل الباطل فكونوا ابناء الاخرة
ولا تكونوا ابناء الدنيا فان كل ام يتبعها ولدها.
بے شک دنیا حاضر سامان ہے اس سے ہر نیک و بد
کھاتا ہے اور بے شک آخرت سچا وعدہ ہے اس میں عادل و
قادر بادشاہ فیصلہ کرے گا اس میں حق ثابت ہوگا اور باطل
مٹ جائے گا پس تم آخرت کے بیٹے بنو کیونکہ ہر بچہ اپنی
ماں کے پیچھے جاتا ہے۔

اس حدیث کو ابو نعیم نے ”الحلیہ میں“ حضرت شہاد کی حدیث سے نقل کیا ہے۔
(السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۱۶، مسند الشافعی رقم الحدیث: ۶۷، میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۳۲۰۸)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اخسر الناس صفقة من اذهب اخوته بدنیا
غیرہ۔ (جمع الجوامع رقم الحدیث: ۸۳۱)
تجارت کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارے میں
وہ شخص ہے جو دوسروں کی دنیا کے لئے اپنی آخرت سے
ہاتھ دھو بیٹھے۔

ابن نجار نے حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ سب سے زیادہ
گھائے کا سودا گروہ شخص ہے جس نے اپنی امیدوں میں اپنے ہاتھوں کو پرانا کر دیا اور زمانے نے اس کی خواہشات میں
اس کی مدد نہ کی پس وہ دنیا سے کسی سامان کے بغیر گیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی دلیل کے بغیر پہنچا۔
ارشاد نبوی ہے:

ان من کنوز البر کتمان المصائب۔
اور فرمایا:

الیمین حنث اوندہ۔
قسم کو یا توڑا جاتا ہے یا اس پر ندامت ہوتی ہے۔

اسے ابو یعلیٰ اور ابن ماجہ نے روایت کیا البتہ ابن ماجہ نے (الیمین کی جگہ) الخلف (قسم) فرمایا۔
(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۰۳، کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۳۷۔ ج ۲ ص ۵۵۸، مسند شہاب رقم الحدیث: ۱۱۶۹، موارد النظمین رقم
الحدیث: ۱۱۷۵، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۸۷، المجموع المصنوع ج ۲ ص ۱۱۲، میزان ۱۱۷۵، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۱۷۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۳۹۷)
اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

لا تظهر الشماتۃ باخیک فی عافیہ
اپنے بھائی کی پریشانی پر خوشی کا اظہار نہ کرو پس اللہ
تعالیٰ اسے عافیت دے کر تمہیں مبتلا کر دے گا۔
اللہ و یبتلیک۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰۶، شرح السنن ج ۱ ص ۱۳۱، الملای المصنوع ج ۲ ص ۲۲۸، در المستشر رقم الحدیث: ۱۷۸، اتحاف السادة المحققین
ج ۸ ص ۵۳، تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۹۵۳، کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۹۸، الفوائد المجموعہ رقم الحدیث: ۲۶۵، تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۳۶۹، مشکوٰۃ
المصابیح رقم الحدیث: ۳۱۱، حاوی الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۵۶، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۸۶، تذکرۃ الموضوعات ص ۲۱۷، المغنی ج ۳ ص ۱۸۳)
اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ نے بواسطہ حضرت مکحول، حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور فرمایا: یہ حسن
غریب ہے اور امام طبرانی نے بھی اسے نقل کیا اور ابن ابی الدنیا کی روایت میں ”قیغافیہ اللہ“ کی جگہ ”فیرحمہ اللہ“ ہے کہ اللہ
تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ سے ہی مرفوعاً مروی ہے:

من عبر اخاه بذنب لم یمت حتی
جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو کسی گناہ کی عار
دلالتے تو وہ مرنے سے پہلے اس عمل کو کرے گا۔
یعملہ۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۰۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۸۵۵، کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۶۵، شرح السنن ج ۱ ص ۱۳۰، تذکرۃ
الموضوعات رقم الحدیث: ۱۷۱، تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۹۵، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۱۰، الملای المصنوع ج ۲ ص ۱۵۷، الموضوعات
نوٹ: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی ایسے کام سے رکنے یا کرنے کی قسم کھائے جو گناہ ہے تو اسے یا تو قسم توڑ کر کفارہ دینا ہوگا یا وہ کام
کرے گا جو پسندیدہ نہیں پھر اس پر ندامت ہوگی لہذا قسم کھانے سے بچنا چاہیے۔ ۱۲ ہزار رووی

ج ۳ ص ۸۲ المغنی ج ۳ ص ۱۲۸ اتمام السادة المتکین ج ۷ ص ۵۰۳ الکامل ج ۶ ص ۲۱۸۱

رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

جف القلم بما انت لاق۔ اس بات کے ساتھ قلم خشک ہو گیا جو تجھے حاصل ہونے والی ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۵۹۶-۵۵۱ فتح الباری ج ۱۱ ص ۶۰۱ تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۹۳)

”فتح المنة بشرح الاخبار لمحي السنه کے“ مصنف نے فرمایا: یہ اس بات سے کہنا یہ ہے کہ تقدیر کے ساتھ قلم چلا اور اس سے فراغت ہوگئی کیونکہ کسی کام کو شروع کرنے کے بعد اس سے فراغت سیانہی سے قلم کے خشک ہونے کو لازم ہوتی ہے تو یہ لازم کا ملزوم پر اطلاق ہے۔

اور یہ لفظ کلام عرب میں نہیں پایا گیا بلکہ یہ ان الفاظ میں سے ہے جن تک ارباب بلاغت کی رسائی نہیں ہوئی صرف فصاحت نبوی اس کا تقاضا کرتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اليوم السرهان و غدا السباق والغاية الجنة والهالك من دخل النار۔ آج کامن (دنوی زندگی) اعمال کے لیے بطور ادھاری گئی اور کل اس کا بدلہ ملے گا اور انتہا جنت ہے اور جو شخص جہنم میں گیا وہ ہلاک ہوا۔ (المعجم الكبير ج ۱۲ ص ۱۱۹)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

من ضمن لى ما بين لحييه وما بين رجليه جو شخص مجھے اپنے دو جبروں کے درمیان (زبان) اور دو ٹانگوں کے درمیان (شرمگاہ) کی ضمانت دے میں اے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

اس حدیث کا ایک جماعت نے بواسطہ عسکری حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۰۰ کلاعمال رقم الحدیث: ۴۳۲۰۵)

صحیح بخاری و ترمذی میں حضرت اہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

من يضمن لى ما بين لحييه وما بين رجليه جو شخص مجھے دو جبروں کے درمیان (زبان) کی اور دو پاؤں کے درمیان (شرمگاہ) کی ضمانت دے میں اے جنت کی ضمانت دوں گا۔

دو جبروں کے درمیان سے مراد زبان اور گھٹگو ہے اور دو پاؤں کے درمیان سے شرمگاہ مراد ہے۔

داؤدی کہتے ہیں دو جبروں کے درمیان سے منہ مراد ہے پس یہ حدیث گھٹگو کھانے اور پینے اور ہر اس عمل کو شامل ہے جس کا تعلق منہ سے ہے۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

من توكل لى ما بين فميه و رجليه جو شخص مجھے دو جبروں کے درمیان اور دو پاؤں کے

اتوکل له بالجنة۔ درمیان کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دوں گا۔

الفقم فاء پر پیش اور زبردو نوں طرح ہے اور اس سے جبراً مراد ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

من تكفل لی تكفلت له۔ جو مجھے (ان باتوں کی) ضمانت دے میں اسے

(جنت کی) ضمانت دوں گا۔

الفاظ مختلف ہیں مفہوم ایک ہی ہے۔

دیلمی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
من وقى شرفقه و ذبذبه و لقلقه و
جو شخص پیٹ اور زبان کے شر سے محفوظ رہا اس کے
لئے جنت واجب ہوگئی۔

اور الاحیاء کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جس نے اپنے پیٹ کو قبضہ سے بچایا اور یہ وہ آواز ہے جو پیٹ سے سنی جاتی ہے گویا یہ اس آواز کی حکایت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ حرام اور مشتبہ چیزیں کھانے نیز شرمگاہ اور زبان سے کنایہ ہو۔
تو اس قسم کی بے شمار احادیث ہیں جن کا شمار مشکل ہے یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو فصاحت اور جامع کلمات کے ساتھ گفتگو میں اس قدر ترقی عطا کی گئی کہ کسی دوسرے درجہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔
اور آپ نے ایسا مقام پایا کہ اس میں آپ کی قدر و منزلت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

بلاغت کی جامع وجہ

نبی اکرم ﷺ کے کلام میں بلاغت کی جو جوہر شمار کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے شریعت اور اسلام کے قواعد سے متعلق متفرق امور کو چار احادیث میں جمع فرمایا وہ یہ ہیں:

انما الاعمال بالنیات۔ اعمال (کے ثواب) کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

الحلال بین والحرام بین۔ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی ظاہر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۸، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۰۵، مشکل الآثار ج ۱ ص ۳۲۳، اتحاف السادة المستعین ج ۶ ص ۵، مشکوٰۃ

المصابیح رقم الحدیث: ۲۷۲، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۵۳، مسند ابی حنیفہ رقم الحدیث: ۱۲۰، التہذیب ج ۹ ص ۲۰۱، اکال ج ۳ ص ۱۶۲۹)

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر۔ گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم منکر پر ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۳۱، سنن الکبریٰ ج ۸ ص ۲۷۹، شرح السنہ ج ۱ ص ۱۰۱، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۲۳۰، تنقیص

الجہر ج ۳ ص ۳۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۷۶۹، نصب الراية ج ۳ ص ۹۵، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۱۵۷، کشف الخفاء

ج ۱ ص ۳۳۲، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۳۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۲۸۲-۱۵۲۸۳)

لا یکمل ایمان المرء حتی یحب لایحیہ انسان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک

اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہ بات پسند نہ کرے جو

اپنے لئے پسند کرتا ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۱۵، سنن نسائی ج ۸ ص ۱۱۵، مسند امام

احمد ج ۳ ص ۶۷ سنن داری ج ۲ ص ۳۰۷ اتحاف السادة المتکین ج ۶ ص ۲۹۱ ج ۷ ص ۳۵۸ ص ۵۳۰ شرح السنن ج ۳ ص ۶۰ مسند ابی حنبلہ ج ۳ ص ۳۳ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۹۶۹۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۶۰

پہلی حدیث عبادات کی چوتھائی پر مشتمل ہے۔

دوسری حدیث معاملات کے چوتھے حصے پر مشتمل ہے۔

تیسری حدیث میں فیصلوں کی چوتھائی کا بیان ہے۔

اور چوتھی حدیث میں آداب اور انصاف کے چوتھے حصے کا بیان ہے اور اس کے تحت جرائم سے بچنے کی تلقین ہے۔

یہ بات ابن خیر نے کہی ہے۔

لغت قریش کے علاوہ بلاغت کے کچھ نمونے

نبی اکرم ﷺ کی بلاغت سے وہ کلام بھی شمار کیا گیا جو آپ ہر مبلغ لغت والے سے فرماتے تھے اور یہ فصاحت میں وسعت کی دلیل ہے اور الفت پیدا کرتا ہے۔

چنانچہ آپ شہریوں سے تیل سے زیادہ نرم اور سفید بادلوں سے زیادہ باریک کلام کے ساتھ گفتگو فرماتے اور دیہاتیوں سے ایسا کلام فرماتے جو پہاڑ سے زیادہ مضبوط اور کانٹے والی تلواریں سے زیادہ تیز ہوتا ہے۔

مدینہ طیبہ والوں نے جب آپ سے دعا کے لئے گزارش کی تو دیکھئے آپ نے کس قسم کی دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْ مَسْكِنِهِمْ وَبَارِكْ لَهُمْ فِيْ صَاعِيهِمْ وَمُتْلِهِمْ۔
یا اللہ! ان کے لئے ان کے ماپ میں برکت عطا فرما اور ان کے صاع اور مد میں برکت عطا فرما۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۱۳۰-۶۷۱۳-۷۳۳۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۶۲۰-۳۶۵ مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹ سنن داری ج ۲ ص ۲۵۷)

ص ۲۵۷ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۸۸۵ سنن الکبریٰ ج ۶ ص ۳۰۴ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۶۹۹ التہذیب ج ۱ ص ۲۷۸ مشکل الآثار ج ۲ ص ۹۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۸۷۶)

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ تَسْوِيْنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مُدْنِنَا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَدْعُوْكَ لِلسَّعِيْدِيْنَ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ اِبْرَاهِيْمُ لِمَكَّةَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ۔
یا اللہ! ہمارے لئے ہماری کھجوروں میں برکت عطا فرما ہمارے لیے ہمارے شہر میں برکت دے ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت عطا فرما اور ہمارے لئے ہمارے مد میں برکت عطا کر دے۔ یا اللہ! میں تجھ سے مدینہ طیبہ کے لئے اسی قسم کی دعا کرتا ہوں جو دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لئے کی تھی اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی۔

بنو نہد ایک وفد کی صورت میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو طہفہ بن رہم انہدی نے کھڑے ہو کر خشک سالی کی شکایت کی اور یوں کہا:

اَیْنَاکَ یا رسول اللہ امن غوری تھامہ
یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس تھامہ کی مغربی پست
ہا کو ار المیس تر تمی بنا العیس نستعلب
جانب سے حاضر ہوئے ہیں المیس (درخت) کے کجاووں

کے ساتھ اونٹ ہمارا قصد کرتے ہیں ہم بادلوں سے بارش کے طلبگار ہیں ہم سبزی اور گھاس کا ثنا چاہتے ہیں اور ہم پیلو کا پھل چننا چاہتے ہیں ہم تھوڑے بادلوں میں پانی خیال کرتے ہیں ہمارے خیال میں ان بادلوں کو ہوا ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر لے جاتی ہے اور ان میں پانی نہیں ہے زمین دوری کی وجہ سے اور اس لئے کہ اس پر چلنا مشکل ہے ہلاکت خیز ہے پہاڑ کے گڑھے خشک ہو گئے اور بنریوں کی جڑیں بھی خشکی کا شکار ہو گئی ہیں۔ درختوں کے پتے گر گئے اور شہنیاں خشک ہو کر ٹوٹ گئیں اونٹ ہلاک ہو گئے اور کھجوروں کے درخت خشک ہو گئے ہم شرک اور ظلم سے بری الذمہ ہو کر حاضر خدمت ہیں نیز اس عمل سے جسے زمانوں نے ظاہر کیا ہمارے لئے سلامتی کی دعوت اور شریعت اسلام ہے جب تک سمندر کی موجیں بلند اور تغار پہاڑ قائم رہے گا ہمارے پاس جانور کسی چرواہے کے بغیر ہیں اور ایسی اونٹنیاں ہیں جو دودھ نہیں دیتیں ایسے ریوڑ ہیں جو چارے کی تلاش میں دور دور بکھر گئے اور ان کا دودھ کم ہے انہیں سرخ شدید قحط پہنچا ہے نہ ان کے لیے پہلے پینا ہے اور نہ دوبارہ۔

الصیبر و نستخلب الخبیر و نستعضد البریر
و نستخیل الرهام و نستجیل الجہام من ارض
غائلة النطا غلیطة الوطا قد نشف المدھن و
یس الجعثن و سقط الاملوج و مات العسلوج
و هلك الھدی و مات الودی برننا الیک یا
رسول اللہ من الوثن والعنن و ما یحدث الزمن
لنا دعوة السلام و شریعة الاسلام ما طمی
البحر و قام تعار و لنا نعم حمل اغفال ما تبل
ببال و وقیر کثیر الرسل قلیل الرسل اصابتها
سنية حمراء مؤزلة و لیس لها علل ولا نھل۔

نبی اکرم ﷺ نے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْ مَخْصِنِهَا وَ مَخْصِنِهَا
وَ مُدْفِقِهَا وَ ابْعَثْ رَاْعِيَهَا فِي التَّدْوِيْرِ بَيِّنَاتٍ
الْقَمِيْرَ وَ اَفْجُرْ لَهُ الشَّمَدَ وَ بَارِكْ لَهُ فِي الْمَالِ
وَ الْوَلَدِ مَنْ اَقَامَ الصَّلَاةَ كَانَ مُسْلِمًا وَ مَنْ
اَتَى الزَّكَاةَ كَانَ مُحْسِنًا وَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ
اِلَّا اَللّٰهُ كَانَ مُخْلِصًا لَّكُمْ يَا بَنِي نَهْدٍ وَ دَلْعُ
الشِّرْكِ وَ وَضَّاعُ الْمَلِكِ لَا تَلْظَطُّ فِي الزَّكَاةِ
وَلَا تُلْحَدُ فِي الْحَيَاةِ وَلَا تَتَاَقَلُّ عَنِ الصَّلَاةِ۔

یا اللہ! ان کے خالص اور مکھن دینے والے دودھ میں
برکت عطا فرما ان کے چرواہے کو ایسی جگہ بھیج جہاں پانی
زیادہ ہو اور تھوڑے پانی کو زیادہ کر دے اس کے مال اور اولاد
میں برکت عطا فرما جو نماز ادا کرے وہ مسلمان جو زکوٰۃ دے
وہ نیکو کار ہے اور جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے
سوا کوئی معبود نہیں وہ مخلص ہے اے بنو نہد! تمہارے لیے
زمانہ شرک کے وعدوں کی پابندی اور وہ وظائف ہوں گے
جو مسلمانوں کے لئے ہیں زکوٰۃ سے انکار نہ کیا جائے اور
جب تک زندگی ہو حق سے ملال نہ ہو اور نہ نماز میں سستی ہو۔

(اعلل المتناہیہ ج ۱ ص ۱۷۹ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۹۲۷ الشفاء ج ۱ ص ۷۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۶۰۷-۳۰۳۱۷)

(۳۰۳۲۵ المسد رک ج ۳ ص ۳۲۷)

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے بنو نہد کو ایک تحریر دی جو اس طرح ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم
من محمد رسول الله الى بنى نهدي بن زيد
السلام على من امن بالله عز وجل ورسوله
لكم بنا بنى نهدي في الوظيفة الفريضة
ولكم الفارض والفريش و ذوالعنان الركوب
والفلو الضبيس لا يمنع سر حكم لا يعضد
طلحكم ولا يحبس دركم مالم تضرروا الا ما
وتاكلوا الرباق من القربا في هذا الكتاب
فله من رسول الله الوفاء بالعهد والذمة
ومن ابي فلعليه الرهبة.

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے
(یہ تحریر) اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی
طرف سے بنو نہد بن زید کی طرف ہے اس شخص پر سلام ہو جو
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا۔ اے بنو نہد!
زکوٰۃ کے سلسلے میں بوڑھا جانور تمہارے لئے ہوگا (ہم نہیں
لیں گے جس طرح ہم زیادہ عمدہ مال نہیں لیتے) بیمار جانور بھی
اور بچہ چھنے والی اونٹنی بھی تمہارے لئے ہوگی جس گھوڑے پر
آسانی سے سواری ہو سکے اور جس پر سوار ہونا مشکل ہو وہ بھی
نہیں لیں گے کوئی شخص تمہاری چراگاہ میں داخل نہیں ہوگا اور
تمہارے درخت کاٹنے کا۔ تمہارے دودھ والے جانوروں کو
چراگاہ سے روکا نہیں جائے گا جب تک تمہارے دل حق سے
تک نہ ہو جائیں یہاں تک کہ معاہدہ توڑ دو۔ جس نے اس
بات کا اقرار کیا جو اس تحریر میں ہے اس کے لیے رسول اکرم
ﷺ کی طرف سے عہد و پیمان کو پورا کرنا ہے اور جو انکار
کرے اس پر (بطور سزا زکوٰۃ میں) اضافہ ہوگا۔

بنو نہد کی گفتگو رسول اکرم ﷺ کا جواب اور پھر آپ کی تحریر میں جو الفاظ استعمال ہوئے وہ بلاغت کا مرقع ہیں ان
میں کچھ مشکل الفاظ کی وضاحت اس طرح ہے۔

المیس: ایک سخت قسم کا درخت جس سے اونٹوں کے کجاوے وغیرہ بنتے ہیں۔ الصبیر: گہرے سفید بادل۔
الخبیر اونٹ وغیرہ کے بالوں اور کھیتی وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔ البریسر: بیلو کا پھل جو قحط سالی میں کھاتے تھے۔
الرهام: کمزور بارش (واحد رهمہ ہے)۔ الجھام: ایسے بادل جن میں پانی نہ ہو۔ النطاء: دوری کی وجہ سے مہلک۔
المسمن: پہاڑ میں سوراخ۔ الجعنن: بیزی کی جڑ۔ العسلوج: خشک ٹہنی اس کی جمع (عسلج ہے)۔ الاملوج:
درختوں کے پتے۔ الہدی: وہ اونٹ جو حرم شریف کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ السودی: کھجور کے درخت۔
الوئن: بت۔ العنن: ایک طرف کو ہو جانا۔ طمی البحر: سمندر کی موجیں بلند ہوئیں۔ نعم حمل: وہ جانور جن کے
لئے چارہ نہیں۔ الابل الاغقال: وہ جانور جن کا دودھ نہیں۔ محصنها: خالص دودھ والا۔ مخضنها: مکھن والا
دودھ۔ ملاقھا: پانی ملا ہوا۔ الدنر: کثیر مال۔ الفمد: تھوڑا پانی۔ ودالع الشریک: زمانہ شرک کے معاہدے۔
وضائع الملک: بادشاہ کی طرف سے مقررہ وظائف۔ لا تلطط: نہ منع کرے۔ لا تلحد: بے دینی اختیار نہ
کرے۔ الوظیفہ: واجب حق۔ الفریضہ: بوڑھا جانور۔ الفارض: مریض جانور۔ الفریش: بچہ چھنے والی اونٹنی۔
ذوالعنان: مطح جانور۔ الركوب: جس جانور پر سواری آسان ہو۔ الضبیس: مشکل سخت۔ سرح: چراگاہ۔

درکم: تمہارے دودھ دینے والے جانور۔ الاماق: غصہ، رونا۔ الرباق: جانور کی رسی عہد مراد ہے۔ الربوة: زیادہ۔
تو نبی اکرم ﷺ کی اس دعا اور خط کو دیکھئے کس طرح ان کی لغت کے مطابق ہے بلکہ حسن لفظ اور ظہور میں اس سے زیادہ عمدہ ہے۔

اور یہ نبی اکرم ﷺ کی اس تحریر کے مقابلے میں کہاں؟ جو آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ کے بارے میں عطا فرمائی اور وہ تحریر جو قریش اور انصار کو ایک جماعت قرار دینے کی خاطر معرض وجود میں آئی:

انہم امة واحدة دون الناس من قریش
علی رباعتہم، یتعاقلون بینہم معاقلہم الاولیٰ
و یفسکون عانیہم بالمعروف والقسط بین
المؤمنین، وان المؤمنین المتقین یدبہم علی
من بغی علیہم، او ابتغی دسیعة ظلم، وان سلم
المؤمنین واحد علی سواء وعدل بینہم، وان
کل غازیة غزت یعقب بعضہم بعضا، ومن
اعتبط مؤمنا قتلا فهو قود الا ان یرضی ولی
المقتول، ومن ظلم واثم فانه لا یوتغ الا نفسه،
واولاهم بهذه الصحیفة البر المحسن.

کہ وہ ایک ہی جماعت ہیں قریش کے ان لوگوں کو
چھوڑ کر جو اپنے پرانے طریقے پر ہیں یہ لوگ دیت وغیرہ
اسی طرح ادا کرتے ہیں جس طرح پہلے ادا کرتے تھے وہ
اپنے قیدیوں کو دستور شریعت کے مطابق چھڑانے کی کوشش
کرتے ہیں مؤمنوں کے درمیان انصاف سے کام لیتے
ہیں اور متقی مؤمن سرکشی کرنے والوں اور ظلم کے طور پر
عطیات وصول کرنے والوں کے خلاف ان کے دست و
بازو ہیں اور مسلمان ایک ہی حالت پر ہیں اور وہ عدل و
استقامت ہے اور وہ باری باری جہاد کے لئے جاتے ہیں
اور جو شخص کسی مؤمن کو قتل کرے تو اس کا قصاص ہے مگر یہ کہ
مقتول کا ولی راضی ہو جائے اور جو شخص ظلم یا گناہ کا مرتکب
ہوتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ہی ہلاک کرتا ہے اور اس تحریر کا
زیادہ مستحق وہی شخص ہے جو نیکی اور احسان کرنے والا ہے۔

(السیرة لابن ہشام ج ۲ ص ۱۳۶ البدایہ النہایہ ج ۳ ص ۲۲۳ المختصر ج ۳ ص ۷۰ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۸۳)

دسیعة ظلم: بڑا ظلم۔ رباعتہم: ان کا پرانا معاملہ جس پر وہ تھے۔ یتعاقلون بینہم معاقلہم الاولیٰ: یعنی ان
کا جو طریقہ چل رہا تھا کہ وہ دیت لیتے دیت دیتے تھے یہ عقل سے باب تفاعل ہے اور معاقل دیتوں کو کہتے ہیں جو معقلہ کی جمع
ہے کہا جاتا۔ بنو فلان علی معاقلہم الی کا نوا علیہم: یعنی اپنے پہلے والے مراتب اور حالتوں پر ہیں۔ ولا
یوتغ: ہلاک نہیں ہوگا۔ و یعقب بعضہم بعضا: یعنی ان کے درمیان باری باری جنگ ہوتی ہے جب ایک گروہ نکلتا
ہے پھر لوٹتا ہے تو اسے دوبارہ آنے کی تکلیف نہیں دی جاتی حتیٰ کہ اس کے بعد دوسرا آئے۔
یہ تحریر اسی طرح اختصار کے ساتھ ابن شطب نے روایت کی ہے۔

کلام میں نرمی اور شہریوں کے انداز اور جمہور کے عرف کے مطابق نبی اکرم ﷺ کا وہ مکتوب گرامی کہاں ہے (یعنی
تمہارے پیش نظر ہے) جو مشعار ہمدانی (ابو ثور مالک بن نمط) کے لئے لکھا جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو
ہمدان کا وفد آپ سے ملا اور مالک بن نمط نے کہا یا رسول اللہ! یہ تمام ہمدان شہروں اور دیہاتوں کے اشراف میں آپ کی
خدمت میں تیز چلنے والی اونٹنی پر آئے ہیں اسلام سے وابستہ ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کا خوف نہیں رکھتے
خائف اور یام قبیلہ کی اولاد ہے وہ کسی کی چغلی اور فساد پھیلانے کی وجہ سے عہد نہیں توڑتے اور نہ ہی کسی سخت مصیبت کی

وجہ سے عہد شکنی کرتے ہیں جب تک لعل پھاڑ قائم ہے اور جب تک غیر آباد زمین پر گائے کے بچے موجود ہیں۔
تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی طرف لکھا:

هذا كتاب من محمد رسول الله لمخلاف
خفاف واهل جناب الهضب و خفاف الرمل
مع وافلها ذى المشعار مالك بن نمط ومن
اسلم من قومہ على ان لهم فراعها ووهاطها
وعزازها ما اقاموا الصلاة واتوا الزكاة يا
كلون علافها و برعون عفاها لنا من دفنهم و
صرامهم ما سلموا بالميثاق والامانة ولهم من
الصدقة الشلب والنباب والفصيل والفارض
والداجن والكبس الحورى و عليهم فيها
المصالح والقارح.

(السيرة لابن هشام ج ۳ ص ۲۳۵)

یہ خط اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف سے
مخلاف خارف جناب الهضب اور خفاف الرمل (جگہوں
کے نام) والوں کی طرف اور ان کے ساتھ ساتھ ان کے
راہنمائے وفد ذی المشعار مالک بن نمط اور ان کی قوم میں
سے جو لوگ ایمان لائے کی طرف ہے کہ پہاڑ کی بلند جگہ نیز
نرم اور سخت زمین ان کے لئے ہے جب تک وہ نماز قائم
کریں اور زکوٰۃ ادا کریں وہ وہاں کی سبزی کھائیں اور مباح
جگہ پر جانوروں کو چرائیں ہمارے لئے ان کے اونٹوں کے
بچے اور ان کی کھجوریں ہیں جو عہد و پیمان کے مطابق وہ ادا
کریں اور ان کے لئے صدقہ میں بوڑھے اونٹ اور اونٹنیاں
ہیں اس کے علاوہ اونٹوں کے چھوٹے بچے اور بڑے اونٹ
نیز جو گھروں میں مانوس ہیں اور وہ مینڈھا جس کی اون میں
سرخی ہے اور زکوٰۃ کے سلسلے میں ان پر لازم ہے کہ پوری عمر
والی بکری اور وہ گھوڑا جو چار سال کا ہو کر پانچویں سال میں
داخل ہو۔ (یعنی زکوٰۃ میں نہ تو بہت عمدہ مال لیا جائے اور نہ
بی کمزور اور ناقص بلکہ متوسط درجہ کا مال لیا جائے)۔

الجناب الهضب: جگہ کا نام۔ خفاف الرمل: جگہ کا نام۔ فراعها: پہاڑ یا زمین کا بلند حصہ۔ وهاط: ہموار
زمین۔ عزاز: سخت زمین۔ علاف: (علف کی جمع) گھاس۔ دف: اونٹوں کے بچے اور جو نطفہ اٹھایا جائے۔ الشلب:
بوڑھے اونٹ۔ النباب: بوڑھی اونٹنی۔ الفصيل: وہ بچہ جو ماں سے جدا ہوا۔ الفارض: جوان اونٹ۔ الداجن: وہ
جانور جو گھروں سے مانوس ہو۔ الكبس الحوری: وہ مینڈھا جس کی اون میں سرخی ہو۔ المصانع: جس بکری کے دانت
پورے ہوں۔ القارح: وہ گھوڑا جو پانچویں سال میں داخل ہو۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ مکتوب گرامی بھی اسی جنس سے ہے جو آپ نے قطن بن حارثہ علیہ السلام کی کلبی کو لکھا۔ یہ خط آپ کے حکم
سے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا جس کا مضمون اس طرح ہے:

هذا كتاب من محمد لعنائر كلب
واحلها ومن ظأره الاسلام من غيرهم
مع قطن ابن حارثة العليمي باقام الصلاة لوقتها
وابتداء الزكاة بحقها في شدة عقدها

یہ خط حضرت محمد ﷺ کی طرف سے کلب قبیلہ کی
ذیلی شاخوں ان کے حلیفوں اور ان کے علاوہ جن پر اسلام
کی شفقت و توجہ ہے کی طرف ہے جو قطن ابن حارثہ علیہ السلام
کے ذریعے بھیجا گیا ہے اس میں وقت پر نماز قائم کرنے

ووفاء عہدہا، بمحضر من شہود المسلمین،
 وسمی جماعۃ منهم دحیۃ بن خلیفۃ
 الکلبی، علیہم من الہمولۃ الراعیۃ البساط
 الظار فی کل خمسین ناقة غیر ذات عوار،
 والحمولۃ المائتۃ لہم لاغیۃ، و فی
 الشوی الوری مسنة حامل او حائل، و فیما
 سقی الجدول من العین المعین العشر، و فی
 العشری شطرہ بقیمة الامین لا یزاد علیہم
 وظیفۃ ولا یفرق. شہد علی ذلک اللہ و
 رسولہ.

زکوٰۃ اس کے حق کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ
 کے عہد و پیمان کو سخت پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے، یہ
 مسلمانوں کی موجودگی میں لکھا گیا آپ نے ان کا نام
 جماعت رکھا ان میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ (حضرت
 سعد بن عبادہ اور حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہما) بھی
 تھے۔ ان پر چرنے والے جانوروں میں جن کے ساتھ ان
 کے بچے بھی ہوں دودھ پلانے والی اونٹنیوں میں ایک اونٹنی
 لازم ہوگی جو بے عیب ہو اور جس اونٹ پر ۱۱۰ لاداجاتا
 ہے اس میں زکوٰۃ نہیں ہوگی اور موٹی تازہ ۱۰۰ لاداجاتا
 سال کی عمر کو پہنچ جائیں حاملہ ہوں یا ایک سا ہوں ان
 میں زکوٰۃ ہوگی اور جو زمین جاری چشمے سے نکلنے والی چھوٹی
 نہر سے سیراب ہو اس میں عشر ہوگا اور بارانی زمین میں اس
 کا نصف کسی تجربہ کار کے قیمت لگانے سے ہوگا نہ ان پر کسی
 وظیفہ میں زیادتی کی جائے اور نہ تفریق کی جائے اس پر اللہ
 اور اس کا رسول گواہ ہیں۔

یہ خط ثابت بن قیس بن شماس نے لکھا۔ حضرت وائل بن حجر کو جو مکتوب گرامی تحریر فرمایا وہ اسی انداز کا ہے یہ خط ان
 سرداروں کی طرف لکھا گیا جن کو ان کی مملکتوں پر قائم رکھا گیا اور وہ سردار جو حسن و جمال کا پیکر تھے۔ آپ نے اس خط میں
 فرائض کا ذکر فرمایا۔ یہ مکتوب گرامی اس طرح ہے:

فی التبعۃ شاة لا مقورة الالباط ولا
 ضناک، وانظوا التبجة و فی السیوب الخمس،
 ومن زنی مم بکر فاصقعوہ مائة واستوفضوہ
 عاماً، ومن زنی مم ثیب فضر جوہ بالاضامیم،
 ولا توصیم فی الدین، ولا غمة فی فرائض اللہ،
 وکل مسکر حرام، و وائل بن حجر یترفل علی

چالیس بکریوں میں ایک بکری ہوگی جو کمزوری کی وجہ
 سے ڈھیلے چمڑے والی نہ ہو اور نہ زیادہ گوشت والی ہو اور
 درمیانے قسم کا مال (زکوٰۃ میں) دو مدفون مال میں خمس
 (پانچواں حصہ) ہوگا اور جو شخص کنواری عورت سے زنا کرے
 اسے ایک سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دو
 (ابو العزیز) اور جو شخص شادی ہو کر زنا کرے اسے رجم کرو

۱۔ فآرہ الاسلام: غام اور پھر ہمزہ اور آخر میں و ہے ان پر مہربانی کی۔ فی الہمولہ: ہام پر زبر وہ جو خود چرے فعولہ کا وزن مفعولہ کے معنی میں استعمال
 نہیں ہوتا۔ البساط: جس کے ساتھ بچے ہوں الظنار: اونٹنی اپنے بچے کے علاوہ کی طرف متوجہ ہو۔ الحمولہ المائتۃ لہم لاغیۃ: جس اونٹ پر کھانا یا
 تجارت کا سامان لاداجا اس کی زکوٰۃ نہ لی جائے کیونکہ وہ حمل کے لئے ہیں۔ الشوی: شین پر زبر واو کے نیچے ذر اور یام پر شد ہے یہ شاة کی جمع
 ہے۔ الوری: موٹی۔

الاقبال۔ ۱۔

شرعی سزاؤں کے نفاذ میں سستی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے فرائض کو چھپایا نہ جائے اور ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے حضرت وائل بن حجران سرداروں کی قیادت فرما رہے تھے۔

اسی کے قریب وہ خطوط ہیں جو اکیدر اور اہل درمہ کو تحریر فرمائے جس طرح آپ کے خطوط میں گزر چکا ہے۔ حضرت علیہ سعدی کی حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

البد العلیاء ہی المنطیة والسفلی ہی المنطیة۔
اوپر والا ہاتھ دینے والا ہے اور پچھلا ہاتھ لینے والا ہے۔

(المجم الکبیر ج ۱ ص ۱۶۷۔ ۱۶۹ الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵۹ المسند رک ج ۳ ص ۳۲۷ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۱۹۸ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۹۸ مجمع البوامع رقم احادیث: ۶۰۱۰ منابیل السفا ص ۳۸۔ رقم الحدیث: ۲۷ تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۱۲۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۱۲۹۔ ۱۷۱۳۰۔ ۱۷۱۳۱)

وہ فرماتے ہیں: حضور علیہ السلام نے ہم سے ہماری زبان میں گفتگو فرمائی۔ یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت سے ہے کہ آپ بلخ لغت والے کے ساتھ اسی کی لغت میں گفتگو فرماتے تھے حالانکہ لغت میں الفاظ کی ترکیب اور کلمات کے اسلوب کے حوالے سے اختلاف ہے اور وہ لوگ اپنی لغت سے آگے نہیں بڑھ سکے تھے اگر وہ کوئی دوسری لغت سیکھتے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ کوئی عربی، عجمی زبان سن رہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو یہ قوت بارگاہ خداوندی سے ودیعت ہوئی تھی کیونکہ آپ کو تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا اور آپ سیاہ و سرخ سب کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

زبان سے گفتگو بیان کی غایت ہوتی ہے اور کوئی متکلم اپنی لغت کے بغیر گفتگو نہیں کر سکتا ہاں کوئی ترجمانی کرنے والا ہو تو وہ ترجمانی میں کوتاہی کرنے والا اور اصل کے مقابلے میں نچلے درجہ میں ہوتا ہے جب کہ ہمارے آقا ﷺ کا معاملہ اس سے الگ ہے جیسا کہ گزر گیا آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا کہ آپ جس لغت میں گفتگو فرماتے اس لغت والوں سے زیادہ فصیح السان ہوتے اور یہ بات آپ کے لائق بھی ہے کیونکہ آپ کو تمام اچھی بشری قوتیں دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ دی گئیں حالانکہ وہ مختلف جنسوں سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بات نہ تو قیاس میں آ سکتی ہے اور نہ اس کی تحقیق مشتبہ ہو سکتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی آواز مبارک

آپ کی آواز مبارک کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو خوبصورت اور اچھی آواز والا بنا کر بھیجا حتیٰ کہ ہمارے نبی کو بھیجا تو آپ کا چہرہ مبارک بھی حسین اور آواز بھی اچھی لے الاقبال: سردار جو بادشاہوں سے نچلے درجہ میں ہوں۔ العباہلہ: جو اپنی حکومت پر برقرار رکھے گئے۔ الاوداع: (راکب کی جمع) اچھی شکل و صورت والے۔ المشاہیب: سردار خوبصورت۔ البیعة: چالیس بکریاں یا جانوروں کی کم از کم تعداد جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ مقورۃ الالیاط: کمزور جانور۔ ضناک: موٹا تازہ۔ انطوا: دو۔ البشعة: درمیانہ مال السیوب: پوشیدہ خزانہ۔ فاصقعوہ: اسے مارو۔ استوفضوہ: ملک بدر کرو۔ الاضامیم: پتھر۔ توصیم: سستی۔ غمعة: پوشیدگی۔ ینر فل: سردار ہونا

تھی۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۳)

اسی قسم کی حدیث حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے بھی مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کلام فرماتے تو آپ کے سامنے کے دانتوں سے نور نکلتا ہوا دکھائی دیتا۔

آپ کی آواز مبارک وہاں تک پہنچتی تھی جہاں تک دوسروں کی آواز نہیں پہنچتی تھی۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا تو پردہ نشین کنواری لڑکیوں نے اپنے پردے میں سن لیا۔

نوٹ: چونکہ کنواری لڑکیوں کو بالکل اندر پردے میں رکھا جاتا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی آواز بہت دور تک جاتی تھی۔ ۱۲ ہزار روئی (مسند امام احمد ج ۳ ص ۴۲۴، دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۵۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ المبارک کے دن منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا اے لوگو! بیٹھ جاؤ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بنو غنم قبیلے میں تھے تو وہ وہاں ہی بیٹھ گئے۔

(دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۵۶، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۱۶)

حضرت عبدالرحمن بن معاذ التیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا تو ہمارے کانوں کو کھول دیا ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے کان کھول دیے حتیٰ کہ ہم اپنے خیموں میں آپ کا کلام سنتے تھے۔ (الکشاف ج ۲ ص ۱۶۴)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم آدھی رات کے وقت خانہ کعبہ کے پاس حضور ﷺ کی قرأت سنتے حالانکہ میں اپنی چار پائی پر ہوتی تھی۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۷۹، دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۵۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۱۷۳)

رسول اکرم ﷺ کا ہنسنا اور رونا

آپ کی مبارک ہنسی کے بارے میں صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو کبھی بھی کھل کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا گوشت اُٹھ جائے بلکہ آپ تبسم فرماتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اس طرح نہیں ہنستے تھے کہ مکمل طور پر اسی طرف متوجہ ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۲۸، ۶۰۹۲، المسند رک ج ۳ ص ۳۵۶، تحف السادة المستعین ج ۷ ص ۱۰۵)

اور یہ حدیث اس کے منافی نہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اس واقعہ میں ہے کہ جب ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے رمضان المبارک میں (دن کے وقت) اپنی بیوی سے جماع کیا تھا تو

۱۔ منہ کے بالکل آخر میں حلق کے اوپر ایک گوشت کا ٹکڑا لٹکا ہوا تھا۔

۲۔ ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے کہا میں ہلاک ہو گیا فرمایا کیا ہوا؟ عرض کیا میں نے روزے کی حالت میں بیوی سے جماع کر لیا ہے فرمایا مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟ کہا نہیں آپ نے فرمایا ساتھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اس نے کہا نہیں اتنے میں مجبوروں کا ایک ٹوکرا آیا آپ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور صدقہ کرو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنے آپ سے زیادہ محتاج پر صدقہ کروں اللہ تعالیٰ کی قسم مدینہ طیبہ میں مجھ سے زیادہ محتاج کوئی نہیں تو آپ ہنس پڑے (زرقاتی ج ۳ ص ۱۸۰)

نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں مبارک نظر آنے لگیں اسے امام بخاری رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۸۷، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۰۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۹، الضعفاء ج ۱ ص ۱۲۳)
اور داڑھیں اسی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں جب زیادہ ہنسا جائے تو دونوں احادیث ایک دوسرے کے منافی اس لئے
نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھنے کی نفی کی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مشاہدہ بیان کیا ہے اور
ثابت کرنے والی بات نفی والی بات پر مقدم ہوتی ہے۔
اہل لغت نے کہا کہ تبسم ہنسنے کا آغاز ہے اور ہنسا سرور کی وجہ سے چہرے کا اس قدر کھلکھلانا ہے کہ ذانت ظاہر ہو
جائیں اگر وہ آواز سے ہو اور دور والا سن لے تو یہ قہقہہ ہے ورنہ اسے ٹھک (ہنسا) کہتے ہیں اور اگر آواز بھی نہ ہو تو یہ تبسم
ہے۔

ابن ابی ہالہ نے کہا:

جل ضحکہ التسم و یفتر عن مثل
حب الغمام۔
کہ آپ اکثر تبسم فرماتے تھے اور جب کبھی ہنستے تو
دانت مبارک ظاہر ہو جاتے۔
”حب الغمام“ اولوں کو کہتے ہیں (دانتوں کو تشبیہ دی ہے)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

احادیث کو جمع کرنے سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ عام طور پر تبسم سے زیادہ نہیں ہنستے تھے اور کبھی زیادہ
ہو جاتا تو وہ ہنسی ہوتی (قہقہہ نہ ہوتا) اور فرمایا کہ وہ زیادہ ہنسا ہے (اور قہقہہ لگاتا ہے) کیونکہ اس سے وقار چلا جاتا ہے۔
ابن بطلال نے کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ان افعال کی پیروی کرنی چاہیے جن کو آپ نے ہمیشہ اختیار فرمایا۔
حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے ”الادب المفرد میں“ اور حضرت امام ماجہ رحمۃ اللہ نے (سنن ابن ماجہ میں)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
لا تكثر الضحك فان كثرة الضحك
زیادہ نہ ہنسو کیونکہ زیادہ ہنسا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

تمیث القلب۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۹۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۰، المعجم الکبیر ج ۲ ص ۶۸، کشف الخفاء
ج ۲ ص ۱۵۷، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۱۶، اتحاف السادة المستعین ص ۳۹۴، الادب المفرد رقم الحدیث: ۲۵۲-۲۵۳)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اذا ضحك يتلا لا فسى الجدار۔ (نبی اکرم ﷺ) جب ہنستے تو دیوار چمک اٹھتی۔

یعنی دیوار پر اس طرح نور چمکتا جس طرح سورج چمکتا ہے جب نبی اکرم ﷺ کی حضرت جبریل علیہ السلام سے
تازہ تازہ ملاقات ہوتی تو آپ ہنستے نہیں تھے حتیٰ کہ وہ چلے جاتے بلکہ آپ جب خطبہ دیتے یا قیامت کا ذکر کرتے تو سخت
قصہ آتا اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی۔ گویا کسی لشکر سے ڈرانے والے ہیں۔ آپ فرماتے وہ صبح کے وقت آیا یا شام
لے حضرت امام زرقانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کے مطابق خطیب کے لئے سنت ہے کہ سامعین کی حالت کے مطابق خطاب کرے اس
میں رغبت بھی ہو اور ڈرایا بھی جائے اپنی آواز کو بلند کرے اور کلام میں حرکت پیدا کرے (زرقانی جلد ۳ ص ۱۸)

کے وقت آیا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۰۶، شرح السنہ ج ۳ ص ۲۵۴، اتحاف السادة المتعلمین ج ۳ ص ۲۳۰، ج ۷ ص ۱۱۲، ج ۱۱۵، ج ۱۰ ص ۲۵۴، المغنی ج ۲ ص ۲۶۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۳۰۷، الاصابہ والصفات رقم الحدیث: ۱۸۸، المستطی ص ۸۳، رقم الحدیث: ۲۹۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۷۴)۔

نبی اکرم ﷺ کا رونا بھی آپ کی ہنسی کی طرح ہوتا تھا اس میں نہ تو ہنسی ہوتی اور نہ آواز بلند ہوتی جس طرح آپ کی ہنسی قہقہہ کی شکل میں نہیں ہوتی تھی لیکن آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے اور آپ کے سینے سے آواز آتی تھی آپ اپنی امت پر خوف اور ڈر کی وجہ سے کسی میت پر بطور رحمت روتے تھے نیز خوفِ خدا سے روتے قرآن پاک سن کر اور کبھی کبھی رات کی نماز میں روتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جمائی سے محفوظ فرمایا تھا۔

”تاریخ بخاری اور مصنف ابن ابی شیبہ میں“ حضرت یزید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جمائی کبھی نہیں آئی۔ ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے کہ کسی نبی کو کبھی بھی جمائی نہیں آئی۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۷۷)۔

دست مبارک کا وصف

نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک کے بارے میں متعدد حضرات نے فرمایا کہ آپ کے ہاتھ مضبوط تھے یعنی انگلیاں سخت تھیں آپ کے بازو مضبوط اور تھیلیاں کشادہ تھیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

(دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۳۲، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۳)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے رخسار پر دست مبارک پھیرا تو انہوں نے آپ کے دست مبارک میں ٹھنڈک اور خوشبو پائی گویا وہ عطار کی صندوقچی سے نکالا گیا ہو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰)

امام طبرانی اور بیہقی رحمۃ اللہ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ سے مصافحہ کرتا یا میرا جسم آپ کے جسم سے لگتا تو میں بعد میں اپنے ہاتھ سے اس بات کو پہچانتا اور وہ کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا تھا۔

حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے مجھے اپنا ہاتھ پکڑوایا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔ (دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۵۶)

حضرت مستورد بن شداد اپنے والد (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کا دست مبارک پکڑا تو وہ ریشم سے زیادہ نرم اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔

نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے وہ فرماتے ہیں آپ نے اپنا دست مبارک میری پیشانی پر رکھا اور میرے چہرے سینے اور پیٹ کو چھوا تو مجھے مسلسل یہی خیال رہتا کہ میں قیامت تک آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے جگر میں محسوس کرتا رہوں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۵۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳، مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۶۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۰۳، المسند رک ج ۱ ص ۳۳۲، الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۹۹، سنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۸۱، ج ۹ ص ۱۸، ج ۱۰ ص ۷۷، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۷۸)

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے آپ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک سے زیادہ نرم کوئی ریشم اور دیباچہ نہیں چھوا۔ (دیباچہ ریشم کی ایک قسم ہے)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۰ مسند امام احمد ج ۳ ص ۱۰۷)

کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ (کے دست مبارک) کا یہ وصف اس حدیث کے خلاف ہے جو ابن ابی ہالہ سے مروی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ نے اسے آپ ﷺ کی صفت میں ذکر کیا ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا کہ اس میں آتا ہے کہ آپ کے ہاتھ اور آپ کے پاؤں سخت تھے ”شثن الکفین والقدمین“ کے الفاظ ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح بیان کیا جو متعدد طرق سے امام ترمذی امام حاکم اور دوسرے محدثین نے ذکر کیا۔ ابن ابی خثیمہ کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ان دونوں قسم کی روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ نرمی سے جلد کی نرمی مراد ہے اور جب کہ ہڈیاں مضبوط تھیں تو گویا آپ میں بدن کی نرمی اور قوت دونوں جمع تھیں۔

ابن بطلال نے کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ہتھیلی گوشت سے پر تھی لیکن اس ضخامت (بھرپور ہونے) کے باوجود نرم تھی جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

وہ فرماتے ہیں: اصمعی! کا یہ قول کہ ”الشثن“ کا معنی ہتھیلی کا سخت ہونا ہے تو یہ اس حدیث کے موافق نہیں ہے لیکن جو کچھ ظلیل نے وضاحت کی ہے (کہ اس سے آپ کی انگلیوں کا سخت ہونا مراد ہے اور یہ بات مردوں میں کمال ہے) یہ تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

ابن بطلال فرماتے ہیں اگر اصمعی کی بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ شثن سے مراد ہتھیلی کا سخت ہونا ہے تو اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی ہتھیلی کے دو وصف بیان کئے ہوں یعنی جب آپ جہاد میں اپنی ہتھیلی استعمال فرماتے تھے یا گھر میں کام کاج کرتے تھے تو آپ کی ہتھیلی ان مقاصد کے تحت سخت ہوتی اور جب یہ کام چھوڑ دیتے تو اپنی اصل اور فطرت کی طرف لوٹ جاتی یعنی نرم ہو جاتی تھی۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ ابو عبیدہ نے الشثن کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ آپ کا دست مبارک سخت اور چھوٹا تھا۔ اس پر ان کا تعاقب کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کے وصف میں یہ بات ثابت ہے کہ آپ کی مبارک انگلیاں (مناسب حد تک) لمبی تھیں۔ (الشفاء شریف ج ۱ ص ۱۶۳)

نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک کے نرم ہونے کی تائید نعمان کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ہتھیلیاں قدرے لمبی تھیں۔

تو یہ نرم ہونے والے وصف کے موافق ہیں۔

اور الشثن میں تحقیق یہ ہے کہ آپ کی ہتھیلیاں گوشت سے بھرپور تھیں نہ سخت تھیں اور نہ چھوٹی۔

ابن خالویہ نے نقل کیا کہ اصمعی نے جب الشثن کی وہ وضاحت کی جو پہلے گزر چکی ہے تو ان سے کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ

۱۔ الاصمعی۔ ابو سعید عبد الملک بن قریب بن عبد الملک بن علی بن اصمیع اپنے دادا اصمیع کی طرف منسوب ہیں بنو ہلالہ قبیلے سے تعلق تھا بصری کہلاتے تھے آپ نہایت ثقہ اور سچے ہیں امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے ان سے روایت کی ہے بصرہ میں انتقال ہوا۔

کی مفت میں یوں مذکور ہے کہ آپ کی ہتھیلیاں نرم تھیں تو انہوں نے قسم کھالی کہ آئندہ کبھی کسی حدیث کی وضاحت نہیں کریں گے۔ امام طبرانی اور امام بزار رحمہما اللہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک سفر میں مجھے اپنے پیچھے بٹھایا تو میں نے آپ کے جسم مبارک سے زیادہ کسی چیز کو نرم نہ پایا۔

غزوہ حنین کے دن حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ ۱ کے چہرہ انور کو زخم پہنچا تو ان کے چہرے اور سینے پر خون جاری ہو گیا نبی اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کے چہرے اور سینے سے خون دور کیا پھر ان کے لیے دعا فرمائی تو آپ کے دست مبارک کا یہ اثر ہوا کہ جہاں تک آپ نے ہاتھ پھیرا گھوڑے کی سفیدی کی طرح وہ سب جگہ سفید چمکدار ہو گئی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی تاریخ میں نیز امام بغوی اور ابن مندہ دونوں نے معرفۃ الصحابہ کے سلسلے میں حضرت صاعد بن علاء بن بشر کے طریق سے روایت کیا وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا بشر بن معاویہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپ معاویہ بن ثور کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ تو ان کے چہرے پر نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پھیرنے کی وجہ سے چمک بھی اور وہ جس بیمار کو ہاتھ لگاتے وہ ٹھیک ہو جاتا۔

نبی اکرم ﷺ نے مدلوک ابوسفیان (مدلوک نام ہے اور ابوسفیان کنیت ہے صحابی ہیں شام میں رہے) کے سر پر ہاتھ پھیرا تو جہاں جہاں آپ کا ہاتھ پھرا وہ جگہ سیاہ تھی جب کہ باقی حصہ سفید ہو گیا تھا اسے امام بخاری نے اپنی تاریخ میں نیز امام بیہقی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۱۵ تاریخ الکبیر ج ۳ ص ۲ رقم الحدیث: ۵۵)

حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں بھی اسی طرح منقول ہے اسے امام بغوی، امام بیہقی اور ابن مندہ نے ذکر کیا۔

امام بیہقی نے صحیح قرار دیتے ہوئے اور امام ترمذی نے حسن قرار دیتے ہوئے حضرت ابو زید انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا (وہ فرماتے ہیں) کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سر اور داڑھی پر پھیرا پھر فرمایا یا اللہ اس کو خوبصورت رکھنا فرماتے ہیں وہ ایک سو سال سے اوپر عمر کے ہو گئے لیکن ان کی داڑھی میں کوئی سفید بال نہیں تھا اور وہ کشادہ روتھے انتقال فرمانے تک ان کے چہرے پر ناراضگی کا ظہور نہیں ہوا۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۷۷۔ ص ۳۴۰ المسند رک ج ۳ ص ۱۳۹ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۷۸ دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۱۰۔ ص ۲۱۲ انجم الکبیر ج ۷ ص ۲۸)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت حنظلہ بن حذیم رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا تجھے برکت حاصل ہو۔ تو ان کے پاس کوئی بکری لائی جاتی جس کے تھنوں میں ورم ہوتا یا کسی اونٹ یا انسان کو ورم ہوتا تو وہ اپنے ہاتھ پر لعاب ڈالتے اور اسے پیشانی کے بالوں کی جگہ پر ملتے اور فرماتے ”اللہ کے نام سے رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک کے اثر پر“ پھر اسے ورم کی جگہ پر ملتے تو ورم چلا جاتا۔ (مسند امام احمد ج ۵ ص ۶۸ دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۱۳ تاریخ بخاری ج ۲ ص ۲ رقم الحدیث: ۳۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا آپ دعا میں ہاتھ بلند

۱۔ حضرت عائذ بن عمرو بن ہلال بن عبید بن یزید المزنی صحابی ہیں انہوں نے (حدیبیہ میں) درخت کے نیچے حضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی صحابی کے صاحبزادے ہیں بصرہ میں رہے اور وہیں ۶۱ھ میں وصال ہوا۔

کرتے حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔

متعدد احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ آپ کی بغلیں سفید تھیں۔
طبری نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی ہے کہ دوسرے لوگوں کی بغلوں کا رنگ بدلتا رہتا ہے لیکن آپ کے لئے یہ بات نہیں ہے۔

امام قرطبی نے اس کی مثل ذکر کیا البتہ انہوں نے یہ اضافہ بھی کیا کہ آپ کی بغلوں میں بال نہیں تھے۔
لیکن ”شرح تقریب الاسانید کے“ مصنف نے کہا کہ یہ بات کسی طریقے سے بھی ثابت نہیں ہے اور انہوں نے فرمایا کہ خاص احوالات سے ثابت نہیں ہوتے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کا اس بیان سے کہ آپ کی بغلیں سفید تھیں یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہاں بال نہ ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن اقرم خزاعی نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھتا تھا انہوں نے ”عفۃ“ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنی ایسی سفیدی ہے (جو خاکستری رنگ کی ہو) خالص نہ ہو۔ ہر وہی وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے مزید تفصیل خصائص کے بیان میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔
بنو حریش کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے معاف فرمایا تو آپ کی بغلوں کا پسینہ مجھ پر گرا جو کستوری کی خوشبو کی مثل تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ آپ ”ذو مسربۃ“ تھے یعنی آپ کے سینے اور ناف کے درمیان بالوں کی (باریک) لکیر تھی۔

ابن ابی ہالہ نے فرمایا: کہ وہ لکیر باریک تھی اور ابن سعد، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ لکیر لمبی تھی۔
امام بیہقی رحمۃ اللہ کے نزدیک اس طرح ہے کہ آپ کے سینہ مبارک سے ناف تک کچھ بال تھے جو ایک شاخ کی طرح تھے اس کے علاوہ آپ کے سینے یا پیٹ پر کوئی بال نہیں تھا۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے پیٹ مبارک کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:
ما رأیت بطن رسول اللہ ﷺ الا ذکرت القراطیس المشنی بعضها علی بعضها۔
میں نے نبی ﷺ کے پیٹ مبارک کو یوں دیکھا جس طرح کاغذ ایک دوسرے پر لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

کان صلی ﷺ ابیض کانما صبیغ من لفضۃ رجل الشعر مفاض البطن عظیم مشاش المنکبین۔
نبی اکرم ﷺ سفید رنگ کے تھے گویا چاندی سے ڈھالے گئے ہوں بالوں میں کنگھی کی ہوئی پیٹ کشادہ سینہ کے برابر تھا اور کاندھوں کے جوڑے بڑے تھے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ، حضرت محرش کعمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے رات کے وقت حیرانہ سے عمرہ کیا تو میں نے آپ کی پیٹھ کو دیکھا گویا وہ ڈھلی ہوئی چاندی ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۰۳۰ ج ۵ ص ۲۰۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۶ ج ۳ ص ۶۹ ج ۵ ص ۳۸)

امام بخاری رحمۃ اللہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے کاندھوں کے درمیان دوری تھی۔

یعنی آپ کا سینہ مبارک چوڑا تھا اور ابن سعد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ”رحب الصدر“ کے الفاظ نقل کئے ہیں اس کا معنی بھی کشادگی ہے یعنی سینہ مبارک کشادہ تھا۔

رسول اکرم ﷺ کا قلب اقدس ۱

قلب (دل) فؤاد کے اندر گوشت کا ایک ٹوٹھڑا ہوتا ہے جو ایک رگ کے ساتھ لٹکا ہوتا ہے پس یہ فؤاد کے مقابلے میں خاص ہے اور قلب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ دل مختلف خیالات اور ارادوں کے ساتھ بدلتا ہے اور قلب کا معنی بھی الٹ پلٹ ہونا ہے شاعر کہتا ہے:

وما سمي الانسان الا لنسبه ولا القلب الا انه يتقلب

”انسان کو انسان اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بھولتا ہے اور دل کو قلب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بدلتا رہتا ہے۔“

زخشری نے کہا کہ یہ ”قلب“ سے مشتق ہے اور یہ مصدر ہے اور یہ بہت زیادہ بدلتا ہے (اس لئے مصدر کے ساتھ تعبیر کیا گیا) کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا آپ نے فرمایا:

هذا القلب كمثل ريشة ملقاة بفلاة
يقبلها الريح بطناً لظهر.

یہ دل ایک پر کی طرح ہے جو کسی صحرا میں پڑا ہوا ہو
اسے ہوا یوں پلٹ دیتی ہے کہ اوپر کا نیچے (اور نیچے کا اوپر)

ہو جاتا ہے۔

(زخشری نے) کہا کہ قلب اور فؤاد میں فرق یہ ہے کہ فؤاد قلب کا وسط (درمیان) ہوتا ہے اور اسے فؤاد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اس کو روشن کرتا ہے۔

جوہری نے قلب اور فؤاد کی ایک دوسرے سے وضاحت کی ہے زکشی نے کہا کہ ان کے غیر کا قول زیادہ اچھا ہے یعنی فؤاد قلب کا پردہ ہے اور قلب اس کے اندر ایک دانہ اور سویدا ہے۔ ۲

اس فرق کی تائید نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے:

الین قلوباً وأرق افئدة. ۳

اور یہ بعض لوگوں کے اس قول سے زیادہ ہے کہ آپ لفظی اختلاف کی وجہ سے تکرار کے ساتھ لائے۔

(مطلب یہ ہے کہ یہ محض لفظی اختلاف نہیں بلکہ دونوں میں معنوی طور پر بھی فرق ہے)۔

امام راغب نے فرمایا کہ قلب سے وہ معانی مراد ہیں جو آپ کے ساتھ ہیں جیسے علم اور شجاعت۔

یہ بھی کہا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ ”قلب“ کا ذکر فرماتا ہے تو اس سے عقل اور علم کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے ارشاد

خداوندی ہے:

۱ (الشفاء شریف ج ۱ ص ۶۷)

۲ حدیث (دائد) اور سویدا کا مطلب یہ ہے کہ قلب کے درمیان میں ایک سیاہ ٹوٹھڑا ہے کہا جاتا ہے ”اجعل ذلک فی سویدا قلبک“

یعنی قلب کے اندر رکھو۔ (زرقاتی ج ۳ ص ۱۸۹)

۳ اہل یمن کے بارے میں فرمایا کہ وہ تہارے پاس اس طرف آئے۔ ان کے دل (قلوب) نرم اور دل (لہو) رقیق ہیں۔

إِنِّي لَمِنَ ذَلِكَ لَوَكُنِّي لَمِنَ كَمَانَ لَهٗ
 قَلْبٌ. (ق: ۳۷)
 بے شک اس میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے پاس قلب (علم و عقل) ہو۔

اور جب لفظ صدر ذکر کیا جائے تو اس سے علم و عقل کے علاوہ دیگر قوتیں جیسے شہوت اور غضب وغیرہ بھی مراد ہوتی ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اس کے لئے دل بنایا جس سے سمجھتا ہے اور وہ اس کے وجود کی اصل ہے جب اس کا دل درست ہوتا ہے تو اس کا تمام جسم درست ہوتا ہے اور جب اس کا دل خراب ہوتا ہے تو تمام جسم خراب ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دل کو راز اور اخلاص کا مقام بنایا یعنی اللہ تعالیٰ اپنا راز جس بندے کے دل میں چاہتا ہے امانت کے طور پر رکھتا ہے۔

تو سب سے پہلا دل جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت کو رکھا وہ نبی اکرم ﷺ کا قلب اقدس ہے کیونکہ آپ مخلوق میں سے سب سے افضل ہیں اور آپ کی صورت مبارکہ انبیاء کرام کی صورتوں میں سے سب سے آخر میں ظاہر کی گئی پس آپ ان (انبیاء کرام علیہم السلام) کے اول بھی ہیں اور آخر بھی۔

اور اللہ تعالیٰ نے دلوں کے اخلاق کو ان نفوس کے لئے اسرارِ قلوب پر علامات بنایا ہے پس جس کا دل اسرارِ الہیہ کا امین ہوگا اس کے اخلاق تمام مخلوق کے لیے عام ہوں گے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے لئے ایک مخصوص جسم بنایا جو آپ کو تمام عالمین سے خاص کرتا ہے۔ پس آپ کے جسم اقدس کی خصوصی علامات ایسی نشانیاں ہیں جو آپ کے نفس شریف اور اخلاق عظیم پر دلالت کرتی ہیں۔

اور آپ کے اخلاق عظیم کی علامات آپ کے قلب مقدس کے راز کی دلیل ہیں۔ اور جب آپ کا قلب اقدس سب سے وسیع دل ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر مطلع ہوا جیسا کہ حدیث میں ہے ۲ تو زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ یہی اس بندے کا دل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا وَسِعَنِي اَرْضِي وَلَا سَمَانِي وَوَسِعَنِي
 قَلْبِي عَبْدِي الْمُؤْمِنِ
 میں (یعنی مجھ پر ایمان اور میری محبت و معرفت) میری زمین اور میرے آسمان کی وسعتوں میں نہیں آ سکتا

میں اپنے بندہ مؤمن کے دل میں سماتا ہوں۔

اور جب معراج سے پہلے نبی اکرم ﷺ کا کمال دیگر انبیاء کرام کی طرح تھا تو آپ کا سینہ مبارکہ ٹھک تھا پس جب سینہ مبارکہ کھل گیا تو دل میں وسعت پیدا ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے بوجھ اتار دیئے اور آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

اور حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے سینہ مبارکہ کو چاک کیا اور اس سے ایک لوتھڑا نکالا اور فرمایا یہ آپ کے پاس شیطان کا حصہ تھا پھر ایک سونے کے تھال میں زمزم کے پانی کے ساتھ دھویا پھر اسے بند کر لے اور وہ سب قوموں کو نہایت نرمی کے ساتھ سمجھائے گا اور سخت مزاج نہیں ہوگا جس طرح حضور ﷺ سطر مایا کا گرا آپ سخت مزاج ٹھک دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کو چھوڑ دیتے۔ (زر قانی ج ۳ ص ۱۸۹)

۲ اس حدیث کی سند معروف نہیں اور اسے اسرائیلی روایات سے قرار دیا گیا اور معنی یہ ہے کہ ایمان اور اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت کے لئے دل کو وسیع کر دیا گیا ورنہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے وہ دلوں میں نہیں اترتا۔ (زر قانی ج ۳ ص ۱۹۰)

کے اپنے مقام پر رکھ دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں آپ کے سینہ مبارک میں سلائی کا نشان دیکھا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۱۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۱-۱۳۹-۱۳۸)

نبی اکرم ﷺ کی ذات کریمہ میں اس لوتھڑے کو پیدا کر کے پھر نکالا گیا کیونکہ اس کا تعلق اجزائے جسمانیہ سے ہے لہذا تخلیق انسانی کی تکمیل کے لئے اسے پیدا کیا گیا اور یہ ضروری تھا پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے نکالا گیا یہ بات امام سبکی نے فرمائی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ اور امام حاکم نے بیان کیا اور مؤخر الذکر نے اسے صحیح قرار دیا کہ آپ نے فرمایا پھر ان فرشتوں نے میرا قلب (دل) نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا میرے پاس پانی اور برف لاؤ چنانچہ انہوں نے اس سے میرے اندر کو دھویا پھر کہا ٹھنڈا پانی لاؤ پس اس کے ساتھ میرے دل کو دھویا پھر کہا میرے پاس سکون لاؤ اور اسے میرے دل میں پھیلا دیا پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا اس کی سلائی کر دو چنانچہ اس نے ہی دیا اور اس پر میری نبوت لگا دی۔ (مسند امام احمد ج ۳ ص ۱۸۴)

امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ میرے پاس دو فرشتے آئے جو دوسرا (پرندوں) کی صورت میں تھے ان کے پاس برف اور لے اور ٹھنڈا پانی تھا پس ان میں سے ایک نے میرا سینہ چاک کیا اور دوسرے نے اپنی چونچ سے اس میں ڈالا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس بات کے ساتھ آپ کی نبوت کا آغاز ہوا؟ آپ نے فرمایا: میں صحرا میں چل رہا تھا اور اس وقت میں دس سال کا تھا اچانک میں نے دو آدمیوں کو (انسانی صورت میں دو فرشتوں کو) اپنے قریب دیکھا ان میں سے ایک کہہ رہا تھا کیا یہ وہی ہے؟ دوسرے نے کہا ہاں وہی ہے پھر ان دونوں نے مجھے پکڑا اور مجھے پیٹھ کے بل لٹا کر میرے پیٹ کو چیرا ان میں سے ایک سونے کے تھال میں سے پانی ڈالتا تھا اور دوسرا میرے پیٹ کے اندر کو دھوتا تھا ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ پھاڑ تو میں نے دیکھا میرا سینہ پھاڑا گیا لیکن مجھے کوئی درد محسوس نہ ہوا پھر کہا ان کا دل پھاڑیں چنانچہ اس نے میرا دل (قلب) چیرا پھر کہا اس سے کینہ اور حسد نکال دیں۔ چنانچہ اس نے گوشت کے لوتھڑے جیسی چیز نکال کر پھینک دی پھر کہا ان کے دل میں مہربانی اور رحمت ڈالیں چنانچہ اس نے چاندی جیسی کوئی چیز داخل کی پھر خوشبو نکالی جو اس کے پاس تھی اور اسے اس پر چھڑکا اور میرے انگوٹھے پر مارا پس میں یوں واپس ہوا کہ میں چھوٹوں پر رحمت اور بڑوں پر مہربانی کے جذبہ سے سرشار تھا۔

اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ نے ”زوائد مسند میں“ نیز ابونعیم نے بھی روایت کیا اور کہا کہ اس میں معاذ راوی اپنے والد سے روایت کرنے میں اکیلے ہیں اور عمر مبارک کا ذکر بھی صرف انہوں نے کیا ہے۔ ۱۔

ابونعیم کے نزدیک یہ حضرت یونس بن میسرہ کی روایت ہے اس میں اس طرح ہے کہ میرے اندر سے زائد چیزوں کو نکالا پھر اسے دھویا اور اس پر خوشبو چھڑکی پھر کہا مضبوط دل ہے اس میں جو کچھ واقع ہو گا وہ اسے یاد رکھے گا نیز اس میں دو آنکھیں اور دو کان ہیں جو سنتے ہیں اور آپ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ۲۔

۱۔ کیونکہ یہ ثقہ راوی ہیں لہذا ان کا تہا ہونا نقصان دہ نہیں نیز اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا۔

۲۔ اگرچہ آپ نے اعلان نبوت چالیس سال کے بعد فرمایا لیکن جب آپ نے بچپن میں یہ عجیب حالت دیکھی تو معلوم ہو گیا کہ آپ کی ایک شان ہے چنانچہ وحی نازل ہونے پر آپ نے جان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے شیطان کی طرف سے نہیں۔ (زرقاتی ج ۳ ص ۱۹۲)

جو سب سے بعد میں آنے والے ہیں (قیامت کے دن) سب لوگ آپ کے قدموں میں اکٹھے ہوں گے آپ کامل سلیم زبان بھی نفس مطمئن اور جسم اعتدال پر ہے اور آپ سچی ہیں آپ کے حکم اطہر اور قلب مبارک کا حق کیا جانا آپ کے بچپن میں کئی بار ہوا اور یہ ارہامس کے طور پر تھا اور بشت سے پہلے معجزہ کار ہامس کے طور پر واقع ہونا جائز ہے اور رسول اکرم ﷺ کے لئے ایسے واقعات بے شمار ہیں۔

اور اس اعتراض کا جواب بھی یہی ہے کہ کہا جاتا ہے یہ کام آپ کے بچپن میں واقع ہوئے اور یہ معجزات ہیں جبکہ معجزات نبوت (اعلان نبوت) سے پہلے نہیں ہوئے۔ (تو یہی جواب ہے کہ یہ ارہامات ہیں جو جائز ہیں)۔ اکثر اہل اصول نے فرمایا کہ معجزہ تب ہوتا ہے جب اس کے ساتھ نبوت کا دعویٰ پایا جائے جس طرح کتاب کے آغاز میں کہا گیا اور اس کی تحقیق ان شاء اللہ چوتھے مقصد میں آئے گی۔ ارشاد خداوندی ہے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (الم نشرح: ۱) کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھولا۔

سے یہی مراد ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ کے لیے جس کھولنے کا ذکر ہے اس سے معرفت و اطاعت مراد ہے پھر انہوں نے اس سلسلے میں کئی وجوہ ذکر کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو سرخ و سیاہ اور جنوں انسانوں کی طرف بھیجا گیا تو آپ کے قلب مبارک سے پریشانیوں کو دور کر دیا گیا اور آپ کا سینہ کشادہ کر دیا گیا تاکہ تمام امور نیکے لئے وسیع ہو اور اس میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو بلکہ پریشانی اور خوشی دونوں حالتوں میں سینہ مبارک کشادہ رہے اور آپ کو جن امور کا مکلف بنایا گیا وہ ان کی ادائیگی میں مشغول رہے۔

سوال: الم نشرح صدرک کیوں فرمایا (صدرک کی بجائے) قلبک کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: دوسروں کا مقام سینہ ہوتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

يُؤْتِيهِمْ مِنْ رَحْمَتِهِ صُدُورُ النَّاسِ ۝ (الناس: ۵) وہ جو لوگوں کے سینوں میں دوسرے ڈالتا ہے۔

تو ان دوسروں کو زائل کرنا اور ان کو خیر کی طرف بلانے والے امور سے بدلنا ہی ”شرح صدر“ ہے اس لئے اس شرح کا تعلق صدر سے ہے قلب سے نہیں ہے۔

حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

دل عقل و معرفت کا محل ہے اور شیطان اسی کا قصد کرتا ہے وہ سینے کی طرف آتا ہے جو دل کا قلعہ ہے جب وہ کسی راستے میں داخل ہوتا ہے تو اس میں لوٹ مار کرتا ہے اور اس میں اپنا لشکر اتارتا ہے چنانچہ اس میں غموں پریشانیوں اور حرص وغیرہ کو پھیلا دیتا ہے لہذا اس وقت دل تنگ ہو جاتا ہے اور عبادت میں لذت حاصل نہیں ہوتی اور نہ اسلام میں کوئی محاسن محسوس ہوتی ہے۔ اور جب شروع سے ہی دشمن کو پھینک دیا جائے تو امن حاصل ہو جاتا ہے تنگی دور ہو جاتی ہے سینہ کھل جاتا ہے اور عبادت کی ادائیگی آسان ہو جاتی ہے۔

ایک نکتہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پہلی عقل نقل کی ہے:

اے میرے رب میرے سینے کو کھول دے۔

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي. (طہ: ۲۵)

اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (نشر: ۱)

کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کے سینے کو کھول نہیں

دیا۔

تو نبی اکرم ﷺ کو سوال کے بغیر یہ اعزاز عطا ہوا پھر حضور علیہ السلام کا وصف یوں بیان فرمایا:

وَمِسْرًا جَانِبِيًّا ۝ (الاحزاب: ۴۶)

اور آپ روشن چراغ ہیں۔

تو فرق ملاحظہ کیجئے سینے کی کشادی یہ ہے کہ وہ نور کے قابل ہو جائے اور سراج منیر وہ ہے جس سے نور کا فیض حاصل کیا جائے اور یہ واضح فرق ہے۔

ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام مرید تھے کہ عرض کیا:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي. (طہ: ۲۵)

اے میرے رب! میرے لیے میرے سینے کو کھول

دے۔

اور ہمارے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝

کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھولا۔

نبی ﷺ کا ہم بستری کرنا۔

آپ کے جماع کی حالت یہ تھی کہ آپ رات اور دن کی ایک ساعت میں اپنی ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے اور وہ گیارہ تھیں۔

راوی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کو اس کی طاقت تھی؟ انہوں نے فرمایا: ہم باہم گفتگو کرتے تھے کہ آپ کو تیس آدمیوں کی قوت عطا ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸۰-۲۸۳-۵۰۶۸-۵۲۱۵)

اسماعیلی نے اپنے مستخرج میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے چالیس افراد کی قوت کا ذکر کیا ہے ابو نعیم نے حضرت مجاہد سے روایت کیا کہ ان میں سے ہر شخص جنتی افراد میں سے ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: مؤمن کو جنت میں اتنی اتنی قوت عطا کی جائے گی۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اسے اس کی طاقت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اسے ایک سو آدمیوں کے برابر طاقت دی جائے گی۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۶، اتحاف السادة المتقين ج ۱ ص ۵۴۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۶۳۶، تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۱۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۳۶۱)

امام ترمذی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح غریب ہے ہم اسے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے صرف عمران القطان کی روایت سے جانتے ہیں۔

پس جب ہم چالیس کو ایک سو سے ضرب دیتے ہیں تو یہ چار ہزار کی تعداد بنتی ہے اس سے وہ اعتراض بھی دور ہو گیا

۱ (الشفاء شریف ج ۱ ص ۸۷، طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۲)

کہ نبی اکرم ﷺ کو چالیس آدمیوں کے برابر قوت دی گئی جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک سو ایک ہزار مردوں کے برابر قوت دی گئی (کیونکہ حضور ﷺ کو چار ہزار افراد کے برابر قوت حاصل ہوئی)۔

ابن عربی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو جماع کے سلسلے میں مخلوق پر ظاہری قوت حاصل تھی جب کہ کھانے میں قناعت تھی تاکہ عام امور میں آپ کے لیے دو فضیلتیں جمع ہو جائیں جس طرح شرعی امور میں آپ کو دو قوتیں حاصل تھیں تاکہ دونوں جہانوں میں آپ کی حالت کامل ہو۔ اور نبی اکرم ﷺ رات کے وقت اپنی نوازاوج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس ایک ہنڈیا لے کر آئے تو میں نے اس سے کھایا چنانچہ مجھے چالیس مردوں کے برابر قوت جماع عطا کی گئی۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۲، جمع الجوامع ص ۲۶۶، کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۰۰، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۷۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۸۵۱-۳۱۸۹۷-۳۱۸۹۶-۳۱۸۹۷-۳۳۲۲۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے قلت جماع کی شکایت کی تو وہ مسکرائے حتیٰ کہ جبریل علیہ السلام کے سامنے والے دانتوں کی چمک سے رسول اللہ ﷺ کی مجلس روشن ہو گئی انہوں نے عرض کیا آپ ہریرہ کیوں نہیں کھاتے اس میں چالیس آدمیوں کے برابر قوت ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ہریرہ کھلایا جس سے میری پشت مضبوط ہو گئی اور مجھے نماز پر قوت حاصل ہو گئی۔

حضرت جابر بن سرہ ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ یہ تمام روایات کثور ہیں بلکہ ابن ناصر الدین نے اپنی جزء (کتب حدیث کی ایک قسم) جس کا نام ”رفع الدمیسہ بوضع حدیث الہریرہ“ رکھا ہے، میں اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو چالیس سے زائد افراد (وہ بھی جنتی) کی قوت عطا کی گئی۔ اس حدیث کو حارث بن ابی اسامہ نے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو احتلام سے محفوظ فرمایا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: ما احتلم بسی قط واما الاحتلام کسی نبی کو کبھی بھی احتلام نہیں ہوا احتلام تو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

قدم مبارک

نبی اکرم ﷺ کے قدم مبارک کا وصف اکثر محدثین نے یوں بیان کیا ہے کہ آپ ”مثنیٰ القدین“ تھے یعنی آپ کی مبارک انگلیاں موٹی تھیں۔ (دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۳۲، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۲)

حضرت میمونہ بنت کردم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا پس میں آپ کے مبارک گندم اور گوشت کو ملا کر ایک کھانا تیار کیا جاتا ہے اسے ہریرہ کہتے ہیں۔

پاؤں کی انگلیوں کو نہیں بھولی کہ انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی باقی انگلیوں سے بڑی تھی۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۶، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۰، دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۳۶)

حضرت جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاؤں مبارک کی سب سے چھوٹی انگلی ظاہر میں بڑی نظر آتی تھی۔

لوگوں کی زبانوں پر یہ مشہور ہے کہ شہادت والی انگلی درمیانی انگلی سے زیادہ لمبی تھی۔ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہنے والے سے غلطی ہوئی یہ بات آپ کے پاؤں مبارک کی انگلیوں کے بارے میں ہے۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ) نے ”القاصد الحسنہ“ میں ”فرمایا جن لوگوں نے آپ کی ہاتھ کی انگشت شہادت کے لمبا ہونے کا قول کیا ہے ان کے امام کمال دمیری (محمد بن مہدی بن عیسیٰ بن علی الدمیری) ہیں لیکن یہ خطا ہے جو مطلق روایت پر الہام کی وجہ سے پیدا ہوئی۔

(الاعلام ج ۷ ص ۱۱۸، مفتاح السعادة ج ۱ ص ۱۸۶، الضوء الملامح ج ۱ ص ۵۹، حسن المحاضرة ج ۱ ص ۲۰۷، روضات الجنات

ج ۳ ص ۲۰۸، بحکم المطبوعات رقم المذہب: ۸۸۷)

دمیری کی عبارت اس طرح ہے۔

اسی طرح ابن ہارون نے عبد اللہ بن مقسم سے انہوں نے مقسم کی صاحبزادی سارہ سے روایت کیا کہ انہوں نے میمونہ بنت کردم سے سنا انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی انگلیوں کو اس طرح دیکھا۔

تو اس میں مطلق انگلیوں کا ذکر تھا جس سے انہوں نے درمیانی انگلی کو انگشت شہادت سے لمبا قرار دیا اور آپ کے ہاتھ مبارک کا تعین کیا کیونکہ مقصود اس وصف کا ذکر تھا جو حضور علیہ السلام کو دوسروں سے خاص کرتا ہے۔

لیکن مسند امام احمد میں یزید بن ہارون کی مذکورہ روایت پاؤں کے ساتھ مقید ہے اور اس کے الفاظ جیسا کہ پہلے بیان ہوئے اس طرح ہیں کہ میں نے آپ کے پاؤں کی انگلیوں میں سے شہادت والی انگلی کا دوسری انگلیوں سے لمبا ہونا نہیں بھلایا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے ”الدلائل میں“ یزید بن ہارون کے طریق سے اسی طرح نقل کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں دیکھا آپ اپنی اونٹنی پر تھے اور میں اپنے والد کے ہمراہ تھی میرے والد آپ کے قریب ہوئے اور انہوں نے آپ کا پاؤں مبارک پکڑا آپ نے اپنا پاؤں ٹھرائے رکھا (تا کہ وہ دیکھ سکیں) وہ فرماتی ہیں پس میں آپ کے مبارک قدم سے شہادت والی انگلی کی دوسری انگلیوں پر لمبائی نہیں بھولی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب قدم رکھتے تو پورا قدم رکھتے درمیان والا حصہ جھکا ہوا نہ ہوتا۔ (دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۳۵)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے پاؤں کا درمیان والا حصہ جھکا ہوا نہ تھا ہوتا آپ پورے قدم پر زور ڈالتے۔

حضرت ابن ابی ہالہ فرماتے ہیں: ”نمضان الاخصمین“ یعنی پاؤں کا درمیان والا حصہ اٹھا ہوا تھا۔ ابن اثیر کہتے ہیں ”الاخص“ قدم کا وہ (نچلا) حصہ جو چلتے وقت زمین پر نہیں لگتا اور ”الخصمان“ اس میں مبالغہ ہے یعنی آپ کے قدم مبارک کی وجہ جگہ زمین سے زیادہ دور رہتی تھی۔ ابن اعرابی سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ جگہ جو زمین سے نہیں ملتی اس قدر ہو کہ بالکل نہ اٹھتی ہو تو قدم پر نچلا حصہ برابر نہیں ہوگا اور یہ زیادہ اچھا ہے اور جب برابر ہو یا بہت اٹھا ہوا ہو تو یہ قابل مذمت ہوتا ہے تو معنی یہ ہوگا کہ آپ کے پاؤں کا نچلا حصہ اعتدال کے ساتھ تھا نہ تو بالکل زمین سے لگتا اور نہ زیادہ اٹھا ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب آپ قدم مبارک رکھتے تو پورے کا پورا پاؤں رکھتے درمیان میں خلا نہ ہوتا۔

”مسح القدمین“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاؤں نرم تھے ان میں ٹوٹ پھوٹ یا شکاف نہ تھا جب ان پر پانی لگتا تو فوراً لگ ہو جاتا جس طرح ابن ابی ہالہ نے کہا ہے کہ اس سے پانی دور ہو جاتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے۔ حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت قدم والے تھے۔

رسول اکرم ﷺ کا قدم مبارک ۱

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا قدم مبارک نہ تو چھوٹا تھا اور نہ زیادہ لمبا بلکہ لمبائی کے زیادہ قریب تھا۔ (دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۵۰ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۵) امام بیہقی نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ زیادہ لمبے نہ تھے اور آپ درمیانے قد سے قدرے اوپر تھے جب قوم کے ساتھ ہوتے تو ان کو ڈھانپ لیتے (نمایاں ہوتے) اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ رجبہ تھے اور لمبائی کے زیادہ قریب تھے۔ مطلب یہ ہے کہ عام حالات میں درمیانہ قد تھا اور جب دوسروں میں موجود ہوتے تو طوالت کے قریب ہوتے اور سب میں نمایاں نظر آتے۔ ۱۲ ہزاروی

”ربحہ“ کا معنی ”مربوع“ ہے اور تانیث نفس کے اعتبار سے ہے (نفس مونث ہے) اور آنے والی حدیث میں وضاحت کی گئی ہے کہ آپ نہ تو زیادہ لمبے تھے اور نہ چھوٹے قد کے تھے اور زیادہ لمبے (الطویل البائن) سے مراد یہ کہ لمبائی حد سے بڑھی ہوئی ہو اور قد ادھر ادھر ڈھلکتا ہو۔

ابن ابی ہالہ نے کہا کہ آپ کا قدم مبارک ”مربوع“ سے لمبا اور ”مقضب“ سے چھوٹا تھا یعنی آپ دبلے پتلے بہت زیادہ لمبے قد کے نہ تھے جس طرح دوسری حدیث میں کہ آپ ”الطویل الممخط“ نہیں تھے۔ ”ممخط“ انتہائی لمبے قد والے کو کہتے ہیں جب دن لمبا ہو جائے تو کہا جاتا ہے ”ممخط النہار“ اسی طرح جب تم رسی کو

کھینچو تو کہتے ہو "مغلطہ الحبل" میں نے رسی کو کھینچنا اصل میں یہ "منمط" تھا نون کو میم سے بدل کر ادغام کیا "منمط" ہو گیا (غین کی بجائے) عین کے ساتھ بھی ہے دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نہ تو حد سے زیادہ لمبے تھے اور نہ حد سے زیادہ چھوٹا قد تھے جب آپ اکیلے چلتے تو "الرہۃ" کی طرف منسوب ہوتے (یعنی درمیانہ قد) اور جب دوسرے لوگوں کے ساتھ چلتے تو ان میں سے جو لمبا ہوتا آپ اس سے لمبے قد والے ہوتے بعض اوقات دو لمبے قد والوں کے ساتھ چلتے تو آپ ان دونوں سے زیادہ لمبے معلوم ہوتے اور جب آپ الگ ہوتے تو درمیانہ قد والے ہوتے۔

ابن سبع نے "الخصائص" میں یہ اضافہ کیا کہ جب آپ تشریف فرما ہوتے تو آپ کے کاندھے مبارک تمام اہل مجلس سے بلند ہوتے۔

ابن ابی ہالہ نے آپ کے وصف میں لکھا کہ آپ "بادن متماسک" تھے یعنی آپ کے اعضاء مبارک اعتدال پر تھے گویا بعض اعضاء دوسرے بعض کو روکے ہوئے ہیں۔

بال مبارک

آپ کے مبارک بالوں کے بارے میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ السلام کے بالوں کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: آپ کے بال دو قسم کے بالوں کے درمیان تھے نہ تو بالکل سیدھے تھے اور نہ ہی بالکل گھنگریالے تھے آپ کے بال کانوں اور کاندھوں کے درمیان رہتے تھے۔ ۱۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۲۱ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۲۹ دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۱۹ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۰۵-۵۹۰۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳-۱۱۳ موطا رقم الحدیث: ۱ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۵۳ مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۵-۲۰۳-۲۳۰)

امام بخاری اور امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کے بال قدرے گھنگریالے تھے نہ بالکل سیدھے اور نہ بالکل گھنگریالے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ کانوں کے نصف تک تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶ سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۳۱۸۶ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۰۱ سنن نسائی ج ۸ ص ۱۳۳ مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۳-۱۶۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اور نبی اکرم ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے اور آپ کے بال کانوں کی لو سے ذرا اوپر تک تھے۔ (جمہ سے اوپر اور وفرہ سے نیچے) وفرہ وہ بال جو کانوں کی نرم جگہ (لو) تک پہنچتے ہوں (اور جمہ جو اس سے ذرا کم ہوں)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۵۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۳۵ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۸۷)

ابن ابی الدنیا نے بھی کہا کہ آپ کے بال تھوڑے تھوڑے گھنگریالے تھے بالکل سیدھے اور بالکل گھنگریالے نہ تھے اگر خود بخود مانگ نکل جاتی تو آپ مانگ نکالتے ورنہ چھوڑ دیتے آپ کے بال کاندھوں کی لو سے تجاوز کرتے تو وہ ایک ہی مینڈھی کی شکل میں ہوتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے بال کھلے لٹکے ہوئے چھوڑتے تھے 'شرکین' ۱۔ جب کٹھی کرتے تو کاندھوں تک آجاتے اور کٹھی کے بغیر کاندھوں سے اوپر رہتے تھے۔

سروں میں مانگ نکالتے تھے جب کہ اہل کتاب کھلے چھوڑتے تھے اور آپ ان باتوں میں اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے جن میں آپ کو کوئی حکم نہ دیا گیا پھر آپ نے سرانور میں مانگ نکالنا شروع کر دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۱۷)

بالوں کو کھلا چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ ان کو پیشانی پر کھلا چھوڑنا اور گوندھے ہوئے بالوں کی طرح رکھنا۔ اور فرق کا معنی بالوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا یعنی مانگ نکالنا ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں بالوں میں مانگ نکالنا سنت ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اسی طریقے کی طرف رجوع فرمایا اور صحیح بات یہ ہے کہ مانگ نکالنا اور کھلے چھوڑنا دونوں طرح جائز ہے لیکن مانگ نکالنا سنت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بال کانوں کی لو سے کچھ اوپر تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کانوں تک تھے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کاندھوں کو چھوتے تھے۔

حضرت ابورمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کاندھوں تک پہنچتے تھے

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۵، سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۰ ج ۸ ص ۱۸۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۸۳)

(کفیفہ یا منکبیہ فرمایا مفہوم ایک ہی ہے)۔

ایک روایت میں ہے کہ کاندھوں تک بالوں والوں میں سے کسی کو آپ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۸۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۲۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۰ ج ۸ ص ۱۸۳)

جمہورہ بال جو کاندھوں کی طرف اتریں اور وفروہ جو کانوں کی لو تک اتریں اور الملمۃ وہ جو کاندھوں تک ہوں۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ان روایات کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ جو کانوں سے ملے ہوتے تھے وہ کانوں کی لو تک پہنچتے تھے اور جو اس کے پیچھے ہوتے وہ کاندھوں تک پہنچتے۔

وہ فرماتے ہیں: یہ بھی کہا گیا کہ یہ مختلف اوقات کی بات ہے جب آپ ان کو چھوٹے نہ کراتے تو کاندھے تک پہنچتے۔ اور جب چھوٹے کر داتے تو کانوں کے نصف تک پہنچتے تو اس طرح کبھی لمبے اور کبھی چھوٹے ہوتے تھے۔

حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ کے بال چار مینڈھیوں کی صورت میں تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۹۱)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک میں چند بال سفید تھے۔

امام مسلم کی ہی ایک اور روایت میں ہے کہ (آپ کے بالوں میں) سفیدی کم دیکھی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر میں چاہوں تو حضور ﷺ کے سر مبارک میں سفید بالوں کو گن سکتا ہوں

جن پر آپ نے خضاب نہیں لگایا تھا انہی سے ہے کہ آپ نے خضاب نہیں لگایا آپ کی داڑھی مبارک کنپٹیوں اور سر میں چند متفرق بال سفید تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان سفید بالوں نے آپ کے حسن میں فرق نہیں ڈالا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۵-۵۸۹۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱-۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵ مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸-۲۱۶-۲۲۳-۲۲۴-۲۶۶-۲۶۷ ج ۳ ص ۱۹۰-۱۹۲-۹۳-۱۰۰-۱۰۳)

شیخ عبد الجلیل نے ”شعب الایمان میں“ فرمایا: اور ان سے فاکھانی نے نقل کیا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ عورتیں عام طور پر سفید بالوں کو پسند نہیں کرتیں اور جو آدمی حضور ﷺ سے کسی بات کو ناپسند کرے وہ کافر ہے۔
”نہا یہ میں“ فرمایا: کہ یہاں حدیث میں سفیدی کو عیب قرار دیا گیا حالانکہ یہ عیب نہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ یہ وقار اور نور ہے اور سفید بالوں کی تعریف کی گئی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف سے اسے عیب قرار دینا بالخصوص حضور ﷺ کے حق میں عجیب بات ہے۔

دونوں قسم کی احادیث کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد) حضرت ابوقافہ کو دیکھا کہ ان کے سر میں سفید بال ہیں (جو ثغامہ بوٹی کی طرح ہیں) تو ان کو بدلنے کا حکم دیا اور ناپسند فرمایا اسی لئے فرمایا سفیدی کو بدل دو۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۵۲ سنن نسائی ج ۸ ص ۱۳۷ مسند احمد ج ۱ ص ۱۶۵-۲۶۱ ج ۳ ص ۲۳۷ المسند رک ج ۳ ص ۲۳۵ السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۱۱ اتحاد السادة المتقين ج ۲ ص ۲۲۰ الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۵ المعجم الصغير ج ۱ ص ۱۷۴ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۳۱۷-۱۷۳۱۹)

پس جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کو آپ کی اس عادت کا علم تھا تو انہوں نے اس قول کی بنیاد پر فرمایا کہ سفید بالوں کی وجہ سے آپ کے حسن میں فرق نہیں پڑا اور انہوں نے اس بات کو آپ کی رائے پر محمول کیا اور دوسری حدیث نہ سنی ہو سکتا ہے ان میں سے ایک حدیث دوسری حدیث کے لئے ناخ ہو۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت ابو حنیفہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اور آپ کے یہ بال سفید تھے راوی نے اپنی انگلی داڑھی کی بجی پر رکھی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سفید بالوں کی وجہ سے آپ کے حسن کو نہیں بدلنا۔ آپ کے سر انور اور داڑھی مبارک میں صرف سترہ یا اٹھارہ بال سفید تھے۔

حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کے سفید بال سیاہ بالوں میں ملے ہوئے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۳)

”صحیح بخاری و مسلم میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو زرد رنگ کا خضاب لگائے ہوئے دیکھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۱۳-۱۶۶-۱۵۵۲-۱۶۰۹-۲۸۶۵-۵۸۵۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۷۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سفید بال تقریباً بیس تھے۔
امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے سورہ ہود سورہ واقعہ سورہ المرسلات سورہ عم یسألون اور ”اذا الشمس

کورت“ نے بوڑھا کر دیا ہے۔ ا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۷ المسند رک ج ۲ ص ۳۳۳ دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۵۸ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۷۷ اتحاف السادة المستعین ج ۶ ص ۵۵۰ ج ۱۰ ص ۳۶۱ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۳۵۳ الدر المنثور ج ۳ ص ۳۱۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۸۸) امام ترمذی رحمۃ اللہ نے ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے سر انور میں چند بال چوٹی پر سفید تھے جب تیل لگاتے وہ چھپ جاتے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک سیاہ اور بال خوبصورت تھے۔ اس سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ کیا حضور علیہ السلام نے خضاب لگایا یا نہیں؟ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء نے منع کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مختار یہ ہے کہ آپ نے کبھی کبھی لگایا لیکن زیادہ وقت چھوڑے رکھا لہذا جس نے جو حالت دیکھی اسے بیان کیا اور وہ سچا ہے فرماتے ہیں یہ تاویل متعین کی طرح ہے۔ پس حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما جو صحیح بخاری و مسلم میں ہے اسے چھوڑنا اور اس کی تاویل ممکن نہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۶۳۰ سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۵) آپ کے بالوں میں کس قدر سفیدی تھی اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں پس ان کو جمع کرنے کی صورت یہی ہے کہ سفیدی کم تھی لہذا جس نے سفیدی کو ثابت کیا اس نے تھوڑے بالوں کو دیکھا اور جس نے نفی کی اس کی مراد یہ ہے کہ زیادہ بال سفید نہ تھے جس طرح دوسری روایت میں فرمایا: کہ سفیدی بہت کم دیکھی گئی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے سر انور کے اگلے حصے اور داڑھی مبارک میں سفید اور سیاہ بالوں کی آمیزش تھی جب آپ تیل لگاتے تو سفیدی نظر نہ آتی۔ اور جب بال بکھرتے تو سفیدی نظر آتی اور آپ کی داڑھی مبارک کے بال زیادہ تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سر انور میں اکثر تیل لگاتے اور داڑھی میں کنگھی کرتے۔ ابن ابی ہالہ نے آپ کا وصف بیان کیا کہ آپ کی گردن کے نیچے سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی اس کے علاوہ بال نہیں تھے۔ اور آپ کے بازوؤں کا اندھوں اور سینے کے اوپر والے حصوں پر بال زیادہ تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ کے بال موٹہ ہر ہاتھ اور صحابہ کرام آپ کے گرد تھے اور آپ کا ہر بال کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں گرنا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵) ان شاء اللہ حجۃ الوداع کے بیان میں آپ کے سر انور کے بال موٹہ دانے کا ذکر ہوگا۔

اور میرے علم کے مطابق یہ بات مروی نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حج اور عمرہ کی ادائیگی کے علاوہ سر منڈوایا ہو پس بالوں کو سر پر باقی رکھنا سنت ہے اور اس بات کا علم ہونے کے باوجود اس کے منکر کو ادب سکھانا ضروری ہے اور جو شخص

۱۔ چونکہ ان سورتوں میں سعادت مندوں بد بختوں اور احوال قیامت کا ذکر ہے اس لئے آپ امت کے بارے میں سوچتے رہتے تھے جب

ان سورتوں کی تلاوت فرماتے۔ ۱۲ ہزار روئی

بال نہ رکھ سکتا ہو اس کے لئے ان کو دور کرنا جائز ہے۔ ۱۔
اور میں نے ذی قعدہ ۸۹۷ھ میں شیخ ابو حامد المرشدی کے پاس ایک بال دیکھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ
نبی اکرم ﷺ کا بال مبارک ہے میں نے مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہونے والے امام مقری خلیل العباسی کے ہمراہ
اس کی زیارت کی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ان کے احسان کا بدلہ عطا فرمائے۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمارے پاس نبی اکرم
ﷺ کا بال مبارک ہے جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ یا (فرمایا) ان کے گھر والوں سے حاصل ہوا ہے تو انہوں نے
فرمایا اگر میرے پاس نبی اکرم ﷺ کا بال مبارک ہو تو مجھے یہ بات دنیا اور اس کی تمام دولت سے بڑھ کر پسند ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۰-۱۷۱)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ
اپنی داڑھی مبارک کی چوڑائی اور لمبائی سے بال کاٹتے تھے۔ اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ نے روایت کیا اور فرمایا یہ
حدیث غریب ہے۔ ۲۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۲، اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۲۸۲)
امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ
موچھوں کو کاٹتے تھے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۰، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۲، تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۰۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۷۹)
امام ترمذی رحمۃ اللہ نے ہی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی
موچھیں نہیں کاٹتا وہ ہم میں سے نہیں۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۱، سنن نسائی ج ۸ ص ۱۲۹، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۶-۳۶۸، المعجم
الکبیر ج ۵ ص ۲۰۸، اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۳۱۱-۳۱۳، المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۰۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۳۸، کشف الخفاء
ج ۲ ص ۲۳۰، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۲، شرح السنن ج ۲ ص ۱۰۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۳۲)
”صحیح بخاری و مسلم میں“ ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

خالفوا المشركين و فربوا اللحى و
أحفوا الشوارب.
مشرکین کی مخالفت کرو (یعنی) داڑھیاں بڑھاؤ اور
موچھوں کو پست کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۶۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۹۳-۵۸۹۴، سنن نسائی ج ۱ ص ۱۶، مسند احمد
ج ۳ ص ۱۶-۵۲، ۲۲۹-۲۸۹، المعجم الصغیر ج ۲ ص ۱۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۲، مسند ابی عوانہ ج ۱ ص ۱۸۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۱۷)
۱۔ مطلب یہ ہے کہ کسی مجبوری کے تحت بال نہ رکھ سکتا ہو لیکن سنت کا منکر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن بال رکھنے کو سنت نہ سمجھتا ہو تو وہ گناہ گار ہے۔

۱۲ ہزاروی

۲۔ نبی اکرم ﷺ نے ہر کام میں اعتدال کو پسند فرمایا اس لئے داڑھی میں بھی اعتدال ہے لہذا ایک قبضہ (مٹھی) بھر داڑھی سنت ہے اور علماء کرام
نے ایسے لوگوں کو بیوقوف قرار دیا جو حد سے زیادہ لمبی داڑھی رکھتے ہیں کیونکہ ہر کام میں درمیانی راہ اختیار کرنا بہتر ہے امام زرقاتی نے اس پر
تفصیلاً گفتگو کی ہے ملاحظہ کیجئے۔ (زرقاتی ج ۳ ص ۲۱۱)

موچھوں کو کاٹنے اور مونڈنے میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کونسا طریقہ افضل ہے؟
 موطا میں ہے کہ موچھوں کے بال اس قدر کاٹے جائیں کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے۔
 ابن عبدالحکم نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں موچھوں کو پست کیا جائے اور داڑھی کو بڑھایا
 جائے اور موچھوں کا مونڈنا مرد نہیں اور میں نے دیکھا کہ موچھیں مونڈنے والے کو جھڑکا جاتا تھا۔ ۱۔
 حضرت اشعوب فرماتے ہیں: کہ موچھیں منڈوانا بدعت ہے انہوں نے فرمایا میرا خیال یہ ہے کہ ایسا کرنے والے کو
 سزا دی جائے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: مختار بات یہ ہے کہ موچھوں کو کاٹنے حتیٰ کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے
 جڑ سے ہی نہ مونڈے۔

حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ سے اس سلسلے میں کوئی واضح بات نہیں پائی۔
 حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین (حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہما) کے نزدیک سر کے
 بال اور موچھیں کاٹنے کی بجائے ہلکی کرنا افضل ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ کے بارے میں ”الاشترم“ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ وہ بڑی شدت کے ساتھ
 موچھوں کو پست کرتے تھے۔

موچھوں کو کاٹنے کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ان کے دونوں کناروں کو بھی کاٹا جائے یا ان کو
 چھوڑا جائے جیسا کہ بہت سے لوگ کرتے ہیں۔

تو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ نے ”احیاء العلوم میں“ فرمایا: کہ موچھوں کے کناروں کو باقی رکھنے میں کوئی حرج نہیں
 حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔

کیونکہ اس سے منہ ڈھانپا نہیں جاتا اور نہ اس میں کھانے کی چربی وغیرہ باقی رہتی ہے کیونکہ وہ وہاں تک نہیں پہنچتا۔
 حضرت امام ابو داؤد رحمۃ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم موچھوں کے کناروں کو حج اور عمرہ

کے علاوہ کاٹ دیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث ۴۲۰۱)

بعض علماء نے ان کو باقی رکھنا مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس میں عجمیوں بلکہ مجوسیوں اور اہل کتاب سے مشابہت ہے
 اور یہ بات درستی کے زیادہ لائق ہے کیونکہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی
 اکرم ﷺ کے سامنے مجوسیوں کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ موچھوں کے کناروں کو بڑھاتے اور داڑھی منڈواتے
 ہیں پس ان کی مخالفت کرو۔ پس آپ موچھوں کے کناروں کو اس طرح کاٹتے تھے جس طرح بکری یا اونٹ کے بال کاٹے

جاتے ہیں۔ (السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۵۱ اتحاف السادة المتعلمین ج ۲ ص ۲۰۹ حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۹۴ فتح الباری ج ۱ ص ۴۲۶)

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ضمن میں نقل کیا (کہ وہ
 فرماتے ہیں) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اہل کتاب اپنی عثمانین (داڑھیاں) کاٹتے اور موچھوں کے کنارے

۱۔ امام ذرقانی نے فرمایا اس جھڑکنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ طریقہ اختیار کرنا مجوسیوں سے مشابہت ہے۔ (ذرقانی ج ۳ ص ۲۱۲)

بڑھاتے ہیں تو آپ نے فرمایا مونچھوں کے کنارے کاٹو اور اپنی داڑھیاں بڑھاؤ اور (یوں) اہل کتاب کی مخالفت کرو۔
(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۵ الدر المنثور ج ۳ ص ۷۹ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۱ المغنی ج ۱ ص ۱۴۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۵۷)
”شرح تقریب الاسانید“ میں ہے کہ عثمان بن مسعود کی جمع ہے اور یہ لفظ داڑھی کے لئے بولا جاتا ہے۔

زیر ناف بال

زیر ناف بالوں کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ چوڑے سے اکھڑتے نہیں تھے بلکہ جب یہ بال زیادہ ہو جاتے تو آپ ان کو مونڈتے تھے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔
(اسنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۵۲ حادی الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۲۵-۵۲۹ شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۱۳ فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۲ الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۴ التفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۰۱ الاطلاق البدو رقم الحدیث: ۵۷۰ تاریخ اصحاب ج ۱ ص ۳۲۱)
امام ابن ماجہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ نے جو حدیث نقل کی ہے اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن اس میں ارسال (راوی چھوٹے) کی علت ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کیا (جس میں انہوں نے فرمایا) کہ نبی اکرم ﷺ (زائد) بالوں کو صاف کرنا چاہتے تو زیر ناف بالوں سے ابتدا کرتے اور ان کو چوڑے سے صاف کرتے اور جسم کے باقی حصے سے آپ کی زوجہ بالوں کو صاف کرتی تھیں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۵۱-۳۷۵۲ حادی الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۲۳-۵۲۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۱۳)
وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ چھ کے حمام میں داخل ہوئے تو یہ حدیث ان تمام لوگوں کے نزدیک موضوع ہے جو حدیث کی معرفت رکھتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے فرمایا بلکہ عرب کے لوگوں کو اپنے ملک میں حمام کی پہچان نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ہوئی۔

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ نے حضرت ابو جعفر باقر رحمۃ اللہ کی مرسل روایت سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے ناخنوں اور مونچھوں کو جمعہ المبارک کے دن کاٹنا چھایا کرتے تھے۔

(اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۲۰۹ اخلاق البدو ص ۲۵۷)

اس حدیث کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متصل سند کے ساتھ مروی حدیث شاہد ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے اسے بھی حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ نے ”شعب الایمان میں“ نقل کیا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: جمعہ کے دن زوال سے پہلے سنت ہے ان سے ایک روایت میں جمعرات کا ذکر ہے اور ایک روایت میں وہ فرماتے ہیں: کہ (انسان کو) اختیار ہے۔

حافظ ابو الفضل ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا: کہ ایسی ہر بات پر اعتماد ہے وہ جس طرح بھی ضرورت محسوس کرے وہی مستحب ہے۔

انہوں نے فرمایا: کہ جمعرات کے دن ناخن کاٹنے کے استحباب کے سلسلے میں کوئی حدیث نہیں اسی طرح اس کی کیفیت کے بارے میں بھی کوئی بات ثابت نہیں اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ سے کسی دن کی تعیین ثابت ہے۔

اور جو عبارت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ کی طرف منسوب ہے اس کے بارے میں ہمارے شیخ (علامہ سخاوی رحمۃ اللہ) نے فرمایا کہ وہ باطل ہے۔

ناخن کاٹنے سے مراد ناخنوں کے اس حصے کو زائل کرنا ہے جو انگلیوں کے سروں سے ملا ہوتا ہے کیونکہ اس کے نیچے میل جمع ہوتی ہے پس اس سے گھن آتی ہے اور بعض اوقات اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کے نیچے تک پانی نہیں پہنچتا جب کہ اس کا دھونا فرض ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے اصحاب سے اس سلسلے میں دو وجہ منقول ہیں۔

حضرت المتولی (میم برپیش تاء اور واو پر زبر اور لام کے نیچے زیر ہے حضرت امام شافعی کے مقلد ہیں) نے قطعی طور پر فرمایا کہ اس صورت میں وضو صحیح نہیں ہوتا اور حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ نے قطعی طور پر فرمایا کہ اس قسم کی صورت معاف ہوتی ہے۔

حضرت امام طبرانی رحمۃ اللہ نے ”الاوسط میں“ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ اپنی مسواک اور کنگھی جدا نہیں کرتے تھے (ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے) اور جب داڑھی مبارک کو کنگھی کرتے تو آئینے میں دیکھتے۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۲۔ فتح الباری ج ۱ ص ۴۳۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے ہر رات تین سلائیاں ایک آنکھ میں اور تین سلائیاں دوسری آنکھ میں لگاتے تھے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ امام ترمذی اور امام احمد رحمۃ اللہ نے روایت کیا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۵۷۔ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۹۹۔ مسند احمد ج ۱ ص ۳۵۴۔ اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۱۷۰) امام احمد رحمۃ اللہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

كان يكتحل بنا لائمدا كل ليلة قبل ان يبي اكرم ﷺ ہر رات سونے سے پہلے ”ائمدا“ سرمہ ہنام و كان يكتحل في كل عين ثلاثة امهال. لگاتے تھے اور ہر آنکھ میں تین سلائیاں لگاتے۔

حضرت امام نسائی نے اور حضرت امام بخاری (رحمۃ اللہ) نے اپنی تاریخ میں حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم ﷺ خوشبو لگاتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں آپ کستوری اور عنبر لگاتے جو مردوں کے مناسب ہے۔ (مردوں کے مناسب وہ خوشبو ہے جو نظر نہ آئے لیکن اس کی مہک پھیلے اور عورتوں کے مناسب خوشبو وہ ہے جس کی مہک نہ پھیلے البتہ وہ نظر آئے ۱۲ ہزار روپی)۔ (سنن نسائی ج ۸ ص ۱۵۱)

رسول اکرم ﷺ کی رفتار ۱۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب چلتے تو آگے کی طرف اچھی طرح جھکاؤ رکھتے گویا بلندی سے اتر رہے ہوں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۷۰۔ المسند رک ج ۲ ص ۶۰۶)

۱۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۶)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ نے روایت کیا اور حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا۔
امام بزار رحمۃ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جب آپ قدم مبارک رکھتے تو مکمل طور پر رکھتے تھے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے ”الشمائل میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے کسی شخص کو نبی اکرم ﷺ کے مقابلے میں زیادہ تیز چلتے ہوئے نہیں دیکھا گویا زمین آپ کے لیے پیٹ دی جاتی تھی ہم اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے (اور تیز چلتے) لیکن آپ کسی مشقت میں پڑے بغیر تیز چلتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۷)

حضرت یزید بن مرثد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب چلتے تو تیز تیز چلتے حتیٰ کہ کوئی شخص آپ کے پیچھے تیز چل کر بھی آپ تک نہ پہنچتا۔ اسے ابن سعد نے نقل کیا ہے۔

یہ بات بھی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب چلتے تو اعضاء کی قوت کے ساتھ چلنے میں ڈھیل نہیں ہوتی تھی۔
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب چلتے تو پاؤں اچھی طرح اٹھاتے تھے۔

(جامع ترمذی الشمائل رقم الحدیث: ۶۰، دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۵۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۲، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۲)

ابن ابی ہالہ نے کہا:

اذا زال زال تقلعا يخطو تكفيا و يمشي
هو نا ذربع المشية اذا مشى كانما ينحط
من صلب.
جب آپ چلتے تو قدم اٹھا کر اور نرم رفتار سے چلتے
لیکن قدموں کے درمیان کشادگی ہوتی جب آپ چلتے تو
یوں محسوس ہوتا کہ ڈھلوان میں اتر رہے ہوں۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

جب چلتے تو قدم اٹھا کر چلتے۔

اذا زال زال قلعا

لفظ (قلعا) کے قاف پر زبر اور پیش دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور یہ مصدر ہے جو (اسم) فاعل کے معنی میں ہے یعنی آپ ہمیشہ اپنے پاؤں کو زمین سے اٹھا کر چلتے تھے اور پیش کے ساتھ مصدر ہے یا اسم ہے اور یہ کھولنے کے معنی میں ہے۔
ہرودی نے کہا میں نے یہ حرف کتاب غریب الحدیث میں پڑھا ہے یہ کتاب ابن انباری کی تصنیف ہے اس میں قلعا قاف پر زبر اور لام کی زیر کے ساتھ ہے میں نے ازہری کے خط سے بھی اسی طرح پڑھا ہے اور جس طرح دوسری حدیث میں آیا ہے:

گویا آپ بلندی سے اترتے ہوں۔

كانما ينحط من صلب.

اس (قلع) کا مفہوم بھی یہی ہے اوپر سے نیچے کی طرف اترنا اور زمین سے پاؤں اٹھا کر چلنا ایک دوسرے کے

قریب قریب ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ آپ ثابت قدمی کے ساتھ چلتے اور اس حالت میں آپ سے زیادہ جلدی اور آگے بڑھنا نہ پایا

جاتا۔

”ذربع المشية“ کا معنی کھلے کھلے قدم اٹھانا ہے یہ بات ابن اثیر نے کہی ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ قلع کا معنی زمین سے مکمل طور پر اٹھ جانا ہے جس طرح بلندی سے اترنے والا ہوتا ہے اور یہ انداز رفتار عزم و ہمت اور بہادر لوگوں کا اندازہ ہے۔ رفتار کے مختلف طریقوں میں سے یہ طریقہ زیادہ معتدل اور اعضاء کو زیادہ راحت پہنچانے والا ہے کئی لوگ ایک کھڑے کی طرح چلتے ہیں۔ گویا لکڑی ہے جو اٹھائی ہوئی ہے اور یہ طریقہ مذموم ہے۔ یا وہ تھکا دینے والی رفتار سے چلتے ہیں جیسے غصے والا اونٹ چلتا ہے اور یہ طریقہ بھی مذموم ہے (تیز چلنا مراد ہے)۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کی عقل کمزور ہے خصوصاً جب وہ چلتے ہوئے دائیں بائیں متوجہ ہو۔ بعض مسند روایات میں ہے کہ چلنے والوں نے حجۃ الوداع کے موقع پر چلنے کے بارے میں شکایت کی تو آپ نے فرمایا تھوڑے تھوڑے تیز چلو لیکن اس طرح کہ چلنے والا تھک نہ جائے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ اس طرح چلتے کہ وہ آپ کے آگے چلتے اور آپ ان کے پیچھے ہوتے اور فرماتے میری پیٹھ کو فرشتوں کے لئے چھوڑ دو اور کسی کہنے والے کے اس قول کا یہی مفہوم ہے کہ آپ اپنے صحابہ کرام کو چلاتے اور ان کو اکیلے اکیلے اور جماعت کی صورت میں آگے چلاتے تھے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۸، مشکل الاطاریج ج ۳ ص ۱۰)

ایک غزوہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ اس طرح چلے کہ آپ کی مبارک انگلی زخمی ہوئی اور اس سے خون جاری ہو گیا آپ نے فرمایا:

هَلْ أَنْتَ إِلَّا أَصْبَعٌ دَمِيَّتٌ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَالِقِيَّتٌ

”تو ایک انگلی ہی تو ہے جس سے خون جاری ہوا اور جو کچھ تجھے پہنچا اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہنچا۔“

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۳۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۵، مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۲، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۱۸۵، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۷۷۶، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۳، الشماک ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۳، التہذیب ج ۶ ص ۲۸۹، الدر المنثور ج ۶ ص ۳۶۰، مشکل الاطاریج ج ۳ ص ۲۹۹)

سورج اور چاند کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ کا سایہ نہ ہوتا تھا یہ بات امام ترمذی حکیم نے حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے ابن سبع نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نور تھے پس جب آپ سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا۔ ان کے علاوہ حضرات نے کہا کہ اس بات پر نبی اکرم ﷺ کی دعا کا یہ حصہ گواہی دیتا ہے آپ نے یوں دعا مانگی:

وَأَجْعَلْنِي نُورًا

اور مجھے نور بنادے۔

آپ کا رنگ مبارک

نبی اکرم ﷺ کے رنگ مبارک کا وصف جمہور صحابہ کرام نے سفیدی کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت ابو جحیفہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن ابی ہالہ، حضرت حسن بن علی، حضرت ابو الطفیل، حضرت محرش کنعنی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت براء، رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دور روایتوں میں سے ایک روایت اسی طرح ہے۔

۱۔ (الہدیۃ والنبایہ ج ۶ ص ۱۵، دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۰۱)

حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کا رنگ سفید تھا۔

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا سفید گندی رنگ تھا۔

مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے:

ابيض مليح الوجه. آپ کے چہرہ انور کا رنگ سفید گندی تھا۔

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کی ایک روایت امام طبرانی نے نقل کی ہے اس میں فرماتے ہیں:

ما انسى شدة بياض وجهه مع شدة میں آپ کے چہرہ کا بہت زیادہ سفید اور بالوں کا

سواد شعره. بہت زیادہ سیاہ ہونا نہیں بھولا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا یہ شعر آپ کے چہرے کی سفیدی کو بیان کرتا ہے:

وابيض يستسقى الضمام بوجهه ثمال اليتامى عصمة للازامل

”آپ سفید (گندی رنگ) والے تھے آپ کے چہرہ انور کی برکت و وسیلہ سے بادل بارش برساتے

آپ یتیموں کے ماویٰ اور بیواؤں کے محافظ تھے۔

اور حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا آپ ابیض مشرب تھے اور مشرب وہ ہوتا ہے جس کے سفید رنگ میں سرخی

ہو۔ جس طرح دوسری روایت میں:

ابيض مشرب بحمرة.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جو قول صحیح مسلم میں ہے کہ انہوں نے فرمایا آپ:

ازهر اللون تھے تو اس کا یہی مطلب ہے۔

”سنن نسائی میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں): کہ نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا تم میں سے عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) کون ہے؟

انہوں نے کہا:

هذه الامير المرفق. یہ ایسے سفید رنگ والے جس میں سرخی ملی ہوئی ہے

اور کہنی پر فیک لگا رکھی ہے۔

الامير۔ جس رنگ میں سرخی کی آمیزش ہو۔

المرفق۔ کہنی کا سہارا لئے ہوئے۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ:

ليس بابيض امهق. آپ خالص سفید رنگ والے نہ تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: داؤدی نے مروزی کی اتباع میں یوں نقل کیا:

امهق ليس بابيض. آپ سفید رنگ والے تھے لیکن زیادہ سفید نہیں تھا۔

(اصل میں ”ابيض ليس بامهق“ ہے)۔

ابو حاتم وغیرہ کی روایت میں ”اسر“ کا لفظ ہے یعنی گندی رنگ والے۔
 بعض حضرات نے اس بات کو مشکل قرار دیا اور کہا کہ ان میں سے اکثر روایات ایک دوسرے کی نفی کرتی ہیں اور
 بعض میں تطبیق دینا اور ان کو جمع کرنا ممکن ہے جس طرح سفید رنگ اور سرخ والی روایات لیکن بعض روایات کو جمع کرنا ممکن
 نہیں جیسے وہ روایات جس میں شدید سفیدی کا ذکر ہے گندی رنگ والی روایات کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔
 داؤدی نے مروزی کی اتباع میں جو روایت نقل کی ہے کہ ”امہق لبس بابیض“ اس پر اعتراض کیا گیا ہے۔
 قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے فرمایا: یہ وہم ہے اسی طرح وہ روایت جس میں کہا گیا کہ ”آپ نہ سفید رنگ والے تھے اور
 نہ گندی رنگ والے“ تو یہ روایت صحیح نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے فرمایا: یہ بات عمدہ نہیں کیونکہ جہاں سفید رنگ کی نفی کی گئی ہے تو اس سے مراد زیادہ
 سفیدی ہے اور جہاں گندی رنگ کی نفی ہے تو اس سے بھی سخت گندی رنگ کی نفی ہے بلکہ آپ کے سفید رنگ میں سرخی تھی۔
 اور اہل عرب اس قسم کے سب لوگوں پر ”اسر“ (گندی رنگ والے) بولتے ہیں۔
 اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے جیسے امام احمد، امام بزار اور ابن مندہ نے صحیح سند کے ساتھ
 ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ:

کان اسمر۔ گندی رنگ والے تھے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے دوسری سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا انہوں نے حضرت محمد ﷺ کا
 وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

کان ابیض بیاضہ الی السمرۃ۔ آپ سفید رنگ والے تھے اور سفیدی میں گندی
 رنگ تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا وصف یوں بیان کیا گیا ہے کہ جسم مبارک اور
 گوشت کے اعتبار سے دو آدمیوں کے برابر تھے (یعنی اعتدال پر تھے) سرخ رنگ سفیدی مائل تھا۔

ان تمام روایات کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ سرہ سے مراد وہ سرخی ہے جو سفیدی سے ملی ہو اور جہاں سفید رنگ کا ذکر
 ہے تو اس سے بھی سرخی ملا ہوا رنگ مراد ہے اور جہاں سفید رنگ کی نفی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خالص سفید رنگ جس
 میں سرخی نہ ملی ہو اس کی نفی ہے کیونکہ ایسے رنگ کو اہل عرب ناپسند کرتے تھے اور وہ ”امہق“ کہتے تھے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ مروزی کا یہ قول کہ ”امہق لبس بابیض“ میں قلب ہے (یعنی الٹ ہے اصل یوں ہے
 ”ابیض لبس بامہق“)

یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہا جائے کہ امہق سے مراد بزرگ جو سفیدی میں انتہا کو نہ پہنچا ہوا اور نہ
 ہی سرخی زیادہ ہو۔

روۃ (بن عجاج) سے منقول ہے کہ پانی کی سبزی کو ”امہق“ کہا جاتا ہے اور یہ تاویل روایت کے ثابت ہونے پر
 مکمل ہوگی۔

اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں گزر چکا ہے کہ آپ سفید رنگ والے تھے اسی طرح حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے جسے امام مسلم اور امام ترمذی رحمۃ اللہ نے نقل کیا۔

حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابن اسحاق نے نقل کی ہے اس میں اس طرح ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی مبارک پنڈلی کو دیکھا تو گویا وہ کھجور کی گوند کی طرح ہے۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ نے سمرہ ہراندہ کے ضمن میں حضرت عرش لعمی کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے آپ کی پشت مبارک کو دیکھا تو گویا وہ چاندی کی ڈلی جیسی تھی۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کا وصف بیان کرتے ہوئے سنا وہ فرماتے تھے کہ آپ نہایت درجہ سفید تھے اسے یعقوب بن سفیان اور امام بزار نے مضبوط سند کے ساتھ بیان کیا ہے ان دونوں روایتوں کو جمع کیا جاسکتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جسم کے اس حصے میں سفید رنگ میں سرخی ملی ہوئی تھی جو سورج اور ہوا میں روشن ہوتا ہے جیسے چہرہ اور گردن مبارک لیکن جو حصہ کپڑوں کے نیچے تھا وہ سفید روشن تھا یہ بات ابن ابی خیمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو حضور علیہ السلام کے وصف کے بارے میں ہے اس کے بعد نہایت تفصیل سے ذکر کیا اور اس میں اضافہ کیا کہ آپ کا مبارک رنگ جس میں کوئی شک نہیں کیا جاتا تھا سفید روشن تھا۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ بعض حضرات نے ان لوگوں کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے جنہوں نے کہا کہ گندی رنگ سے جسم کا وہ حصہ موصوف تھا جس تک دھوپ نہیں پہنچتی تھی۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پر آپ کا کوئی معاملہ پوشیدہ نہ تھا کہ آپ حضرت محمد ﷺ کی صفت لازمہ کے علاوہ کوئی وصف بیان کرتے کیونکہ ان کو آپ ﷺ کا قرب حاصل تھا۔ ہاں بعض آنے والے جنہوں نے اس وقت حضرت محمد ﷺ سے ملاقات کی ہو جب سورج کی وجہ سے آپ کے رنگ میں تبدیلی آئی ہو وہ یہ بات بیان کریں تو صحیح قرار پاتی ہے پس حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس ”سمرہ“ (رنگ) کا ذکر ہے اسے اس سرخی پر محمول کیا جائے گا جو سفیدی سے ملی ہوئی ہو۔

تنبیہ

”شفاء شریف میں“ حضرت احمد بن سلیمان جو جحون کے شاگرد اور راوی ہیں سے منقول ہے کہ جو شخص کہے کہ نبی اکرم ﷺ سیاہ رنگ والے تھے اسے قتل کر دیا جائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی صفات عالیہ کے سلسلے میں جھوٹ کفر ہے جو موجب قتل ہے لیکن یہ بات (مطلقاً) نہیں بلکہ ضروری یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی قرینہ پایا جاتا ہو جس سے معلوم ہو کہ وہ شخص آپ کی توہین کرتا ہے جس طرح اس مذکور مسئلہ میں ہے کیونکہ سیاہ رنگ کو فضیلت حاصل نہیں ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے پسینہ اور خون مبارک کی خوشبو

نبی اکرم ﷺ کی ریح پسینہ اور فضلات خوشبودار تھے اور اچھی خوشبو آپ کی صفت تھی اگرچہ آپ نے خوشبو نہ لگائی

ہو۔ (الشفاء ج ۱ ص ۶۱ دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۵۴ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۵)

ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں:

ما شمت ریحاً قط ولا مسکا ولا عنبرا
الطیب من ریح رسول اللہ ﷺ
صحیح بخاری میں ہے:

ولا شمت مسکة ولا عنبرة اطیب
من رائحة النبی ﷺ
جامع ترمذ میں ہے فرماتے ہیں:

ولا شمت مسکا قط ولا عطرا کان
اطیب من عرق رسول اللہ ﷺ
عالم ﷺ کے پسینہ سے زیادہ عمدہ ہو۔

حضرت عتبہ بن فرقد سلمی رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام عاصم فرماتی ہیں: حضرت عتبہ کے ہاں ہم چار عورتیں تھیں ہم میں سے ہر ایک خوشبو لگانے میں بہت زیادہ کوشش کرتی تھی تاکہ وہ سب سے زیادہ خوشبودار ہو جب کہ حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ صرف تیل لگاتے کوئی خوشبو نہ لگاتے لیکن جب حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ باہر لوگوں کے پاس جاتے تو وہ کہتے ہم نے حضرت عتبہ کی خوشبو سے بڑھ کر کسی کی خوشبو نہیں سنی۔

میں نے ایک دن کہا کہ ہم خوشبو لگانے کی بہت زیادہ کوشش کرتی ہیں لیکن آپ ہم سب سے زیادہ خوشبودار ہوتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مجھے سرخ پھنسیاں نکل گئی تھیں تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی آپ نے مجھے کپڑے اتارنے کا حکم دیا میں نے اپنا ستر ڈھانپتے ہوئے باقی کپڑے اتار دیئے نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ پر لعاب ڈالنے کے بعد اسے میری پیٹھ اور پیٹ پر پھیرا تو اس دن سے یہ خوشبو میرے جسم سے مٹی ہوئی ہے اسے طبرانی نے اپنی معجم صغیر میں روایت کیا۔

ابو یعلیٰ اور طبرانی نے اس شخص کا قصہ نقل کیا جس میں اس نے حضور علیہ السلام سے اپنی صاحبزادی کی (بطور دلہن) تیاری کے لئے مدد طلب کی پس آپ کے پاس کچھ نہ تھا تو آپ نے ایک شخص سے شیشی منگوائی اور اس میں اپنا پسینہ ڈالا اور فرمایا اسے کہو اس سے خوشبو لگائے چنانچہ وہ جب بھی اس سے خوشبو لگاتی تو تمام اہل مدینہ اس خوشبو کی مہک سے مستفید ہوتے چنانچہ انہوں نے اس گھر کو خوشبوداروں کا گھر قرار دیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ میں کچھ خصائل تھے آپ کسی راستے پر جاتے تو آپ کے پیچھے جانے والے کو آپ کے پسینہ مبارک کی خوشبو سے پتہ چل جاتا اور معلوم ہو جاتا کہ آپ کدھر تشریف لے گئے ہیں اور آپ جس پتھر کے پاس سے گزرتے وہ آپ کو سجدہ کرتا اسے داری، نیکی اور ابو نعیم نے روایت کیا۔ (تاریخ الکبیر ج ۳ ص ۱۵۴، الثغام ج ۱ ص ۶۳، منال الصفا ص ۴۱، رقم الحدیث: ۶۶، سنن داری ج ۱ ص ۳۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۲، کشف الاستار ج ۳ ص ۱۶۱، مسند ابی یعلیٰ ج ۵ ص ۴۳۳)

کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

فلوان ركباً يمموك لقادهم نسيمك حتى يستدل به الركب
 ”اگر کوئی سوار آپ کا ارادہ کریں تو آپ کے مبارک بدن کی خوشبو ان کی رہنمائی کرتی ہے حتیٰ کہ اس کے ذریعے ان سواروں کی رہنمائی ہو جاتی ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ کے کسی راستے سے گزرتے تو صحابہ کرام اس سے عمدہ خوشبو پاتے اور فرماتے کہ نبی اکرم ﷺ اس راستے سے گزرے ہیں۔
 اس حدیث کو ابو یعلیٰ اور بزار نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔
 کسی شاعر کا یہ قول کتنا عمدہ ہے:

يسروح على غير الطريق التي
 تنفسه في الوقت انفسا عطره
 عليها فلا ينهي علاه نهاته
 فمن طيبه طابت له طرقاته
 لهما سحر من حبه نسماته
 ”شام کو اس راہ پر چلتے ہیں جس پر صبح نہیں چلے انہیں روکنے والے ان کی بلند یوں کو نہیں روک سکے ان کا سانس لینا خوشبوؤں کا منبع ہے ان سانسوں کی خوشبو سے ان کے راستے مہک اٹھے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ کا چہرہ سب سے زیادہ خوبصورت اور آپ کا رنگ سب سے زیادہ نورانی تھا۔ جس وصف بیان کرنے والے نے ان کا وصف بیان کیا اس نے اسے چودہویں رات کے چاند سے تشبیہ دی اور آپ کے چہرہ انور پر پسینہ موتیوں کی طرح ہوتا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا۔
 حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور آپ نے دوپہر کے وقت کچھ آرام فرمایا (قیلولہ کیا) آپ کو پسینہ آیا تو میری ماں ایک شیشی لے آئیں اور اس میں آپ کا پسینہ مبارک ڈالنے لگیں رسول اکرم ﷺ بیدار ہوئے تو فرمایا: اے ام سلیم! کیا کر رہی ہو؟ عرض کیا آپ کا پسینہ مبارک خوشبو کے لئے حاصل کر رہی ہوں یہ سب سے عمدہ خوشبو ہے۔

صحیح مسلم کی ہی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لاتے اور ان کے بچھونے پر آرام فرماتے اور اس میں کوئی حرج نہیں (کیونکہ وہ جانتی تھیں اور اس پر خوش ہوتی تھیں) فرماتے ہیں: ایک دن آپ تشریف لائے اور ان کے بستر پر آرام فرما ہوئے کسی نے آ کر ان کو بتایا کہ نبی اکرم ﷺ تمہارے گھر میں تمہارے بستر پر سوئے ہوئے ہیں حضرت انس فرماتے ہیں: حضرت ام سلیم آپ اور اس وقت نبی اکرم ﷺ کو پسینہ آیا ہوا تھا اور وہ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر جمع ہونے لگا حضرت ام سلیم نے اپنی صندوقی کھول کر اس پسینہ مبارک کو اپنی شیشیوں میں نچوڑ لیا۔
 رسول اکرم ﷺ گھبرا کر اٹھے اور فرمایا: اے ام سلیم! کیا کر رہی ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے بچوں کے لئے اس کی برکت کی امید رکھتے ہیں آپ نے فرمایا تم نے صحیح کیا۔

وہ جو کہا جاتا ہے کہ گلاب آپ کے پسینے یا آپ کے براق کے پسینے سے پیدا ہوا تو ہمارے شیخ نے فرمایا: کہ یہ مشہور احادیث ہیں (لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہیں) لیکن حضرت امام نووی رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ صحیح نہیں اور شیخ الاسلام حضرت

امام ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ موضوع ہے اس بات میں ابن عساکر نے سبقت کی ہے انہوں نے مسند الفردوس میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا۔

سفید گلاب معراج کی رات میرے پسینے سے پیدا ہوا سرخ گلاب حضرت جبریل علیہ السلام کے پسینے سے پیدا کیا گیا اور زرد گلاب براق کے پسینے سے پیدا کیا گیا۔ (حزب الشریعہ ج ۲ ص ۲۷۰ کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۰۲ ج ۲ ص ۳۵۲-۳۶۵ ملائی المعصوم ج ۲ ص ۱۳۸ الاسرار المفوضہ ص ۱۳۵-۱۳۷ الموضوعات ج ۳ ص ۶۲)

یہ حدیث انہوں نے مکی بن بندار زنجانی کے طریق سے روایت کی ہے۔

ہم سے حسن بن علی بن عبد الواحد قرشی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے ہشام بن عمار زہری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے بیان کیا پھر فرمایا حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابو عبیدہ حاکم نے ایک شخص کے واسطے سے حضرت مکی سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا اور حضرت مکی اس میں تنہا ہیں۔

ابو الحسین بن فارس لغوی (احمد بن فارس بن زکریا القزوینی الرازی) نے اپنی تصنیف ”الریحان والراح میں“ حضرت مکی سے اسے روایت کیا اور مکی ان لوگوں میں سے ہیں جن پر امام دارقطنی نے وضع حدیث کی تہمت لگائی۔

(الاعلام ج ۱ ص ۱۹۳ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۵ نتیجۃ الدرر ج ۳ ص ۶۲۳)

اس روایت کا ایک اور طریق ہے جیسے ابو الفرج نہروانی نے ”المجلیس الصالح“ کے ”پچانوے باب میں نقل کیا وہ یہ کہ محمد بن عنبسہ ابن حماد فرماتے ہیں: ہم سے ہمارے والد نے بیان کیا انہوں نے واسطہ جعفر بن سلیمان، حضرت مالک بن دینار سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

جب مجھے معراج کرایا گیا تو میرے بعد زمین روئی تو اس کی سبزی میں ایک خاردار جھاڑی پیدا ہوئی جب میرے پسینہ کا قطرہ زمین پر لوٹا تو سرخ گلاب اُگاسنوا! جو شخص میری خوشبو سونگھنا چاہے وہ سرخ گلاب سونگھے۔

پھر ابو الفرج نے کہا اس حدیث میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ ان باتوں میں سے زیادہ آسان ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو عزت بخشی اور آپ کی فضیلت اور بلند کی مرتبہ پر دلالت ہے۔ امام سخاوی کا قول مکمل ہوا (مصنف فرماتے ہیں:) میں نے یہ روایت (موضوع ہونے کے باوجود) اس لئے ذکر کی ہے تاکہ اس کا علم حاصل ہو جائے۔

حضرت جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے رخسار پر ہاتھ مبارک پھیرا فرماتے ہیں: میں نے آپ کے ہاتھ مبارک کی ٹھنڈک اور خوشبو اس طرح پائی کہ گویا اس کو عطار کی صندوقچی سے نکالا گیا ہو۔

دوسرے حضرات نے یوں بیان کیا کہ آپ خوشبو لگاتے یا نہ آپ سے مصافحہ کرنے والا دن بھر آپ کے دست مبارک کی خوشبو پاتا اور آپ کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھتے تو بچوں کے درمیان اس خوشبو کو پہچانا جاتا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے جن خبر دینے والوں کی طرف نسبت کی ہے ان سے اور نبی اکرم ﷺ کے شائل جمع کرنے والوں سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین پھٹ جاتی اور وہ آپ کے پاخانہ اور پیشاب کو نگل لیتی اور اس جگہ سے خوشبو آتی دوسرے حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاخانہ اور پیشاب پر کوئی شخص کبھی بھی مطلع نہ ہوسکا۔

واقدی کے کاتب محمد بن سعد نے مسند میں بیان کیا کہ جس طرح شفاء کے بعض نسخوں میں ہے کہ محدثین فرماتے ہیں: نہ یہ روایت ہے اور نہ ابن جبیر کے اصل کے حواشی میں سے ہے بلکہ ان کے غیر کے حواشی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے ہیں لیکن ہمیں وہاں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تو نہیں جانتی کہ زمین انبیاء کرام علیہم السلام سے نکلنے والی چیز کو نگل لیتی ہے پس ان سے کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ (الشفاء ج ۱ ص ۶۳)

ابن سبع کی الشفاء میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھا جب آپ نے قضائے حاجت کا ارادہ کیا تو میں رک گیا آپ مکان میں داخل ہوئے اور قضائے حاجت فرمائی پھر میں اس جگہ داخل ہوا جہاں سے آپ باہر تشریف لائے تھے تو وہاں پیشاب اور پاخانہ کا کوئی اثر نہ تھا میں نے وہاں تین پتھر دیکھے میں نے ان کو اٹھایا تو ان سے عطر کی خوشبو آ رہی تھی۔ (مصنف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں) حافظ عبد الغنی مقدسی سے پوچھا گیا کہ کیا یہ بات مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاخانہ وغیرہ کو زمین نگل لیتی تھی؟ انہوں نے فرمایا یہ غریب طریق سے مروی ہے لیکن ظاہر اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ کسی صحابی سے یہ بات مروی نہیں کہ اس نے آپ کے پاخانہ کو دیکھا ہو یا اس کا ذکر کیا ہو لیکن آپ کے پیشاب کو کئی حضرات نے دیکھا ہے اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے اسے پیا بھی ہے۔ واللہ اعلم لیکن امام بیہقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ وہ حدیث جس کی خبر ہمیں ابوالحسن بن بشر نے دی وہ فرماتے ہیں: کہ ہمیں اسماعیل بن محمد صفار نے خبر دی وہ فرماتے ہیں: ہم سے زید بن اسماعیل صالح نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: ہم سے حسین بن علوان نے بواسطہ ہشام بن عروہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔

اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو میں آپ کے پیچھے جاتی (یعنی آپ کے باہر آنے کے بعد) تو مجھے بھی نظر نہ آتا البتہ مجھے عطر کی خوشبو آتی میں نے یہ بات آپ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے (انبیاء کرام) کے جسم اہل جنت کی ارواح پر پیدا ہوتے ہیں اور جو کچھ ان سے نکلتا ہے اسے زمین نگل لیتی ہے۔

تو یہ حسین بن علوان کی موضوع روایات میں سے ہے اسے ذکر کرنا مناسب نہیں البتہ اس مقصد کے لئے ذکر کیا جاتا ہے کہ اس کا موضوع ہونا معلوم ہو پس صحیح مشہور احادیث جو آپ کے معجزات کے سلسلے میں مروی ہیں وہ ابن علوان کے اس جھوٹ کے مقابلے میں کافی ہیں لیکن یہ حدیث ابن علوان کے طریق کے بغیر بھی مروی ہے۔

امام دارقطنی نے ”الافراد میں“ ذکر کیا کہ ہم سے محمد بن سلیمان باہلی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے محمد بن حسان اموی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں عبدہ بن سلیمان نے بواسطہ ہشام بن عروہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں خبر دی انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ام المؤمنین نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں آپ بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہیں پھر آپ کے بعد جو شخص جاتا ہے وہ آپ کے پاخانے کا کوئی نشان نہیں پاتا۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تو نہیں جانتی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے جسم سے نکلنے والی چیز (پاخانے) کو نگل لے۔

اور محمد بن حسان بغدادی (اموی) ثقہ (قابل اعتماد) راوی ہیں اور عبدہ بن سلیمان صحیح کے راویوں میں سے ہیں۔
ابن سعد نے اس حدیث کا ایک اور طریق بھی ذکر کیا ہے اسی طرح امام حاکم نے مستدرک میں بھی ایک دوسرا طریق نقل کیا۔
یہ بھی ہر وہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا پیشاب اور خون برکت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔
پس ابن حبان نے ”المصنف“ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ قریش کے ایک غلام نے نبی اکرم ﷺ کو سینگ لگائی جب وہ سینگ لگانے سے فارغ ہوا تو اس نے آپ کا خون لیا اور اسے دیوار کے پیچھے لے گیا پھر دائیں بائیں دیکھا تو کوئی بھی نظر نہ آیا تو اس نے آپ کے خون کی چسکی بھری حتیٰ کہ فارغ ہو گیا تو حاضر خدمت ہوا آپ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو پوچھا تجھ پر افسوس تم نے خون کدھر کیا؟ (غلام کہتا ہے) میں نے کہا میں نے دیوار کے پیچھے غائب کر دیا ہے فرمایا: کہاں غائب کیا ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اس کو زمین پر بہانے میں نخل سے کام لیا تو وہ میرے پیٹ میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جاؤ تم نے اپنے آپ کو جہنم سے محفوظ کر لیا۔

(الکنز ج ۱ ص ۲۰، المعمل المتابع ج ۱ ص ۱۸۱، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸۶)

سنن سعید (ابو سعید) بن منصور بن عمرو بن سائب کے طریق سے ہے وہ فرماتے ہیں: کہ انہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ احد کے دن جب نبی اکرم ﷺ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا تو حضرت ابو سعید انصاری رضی اللہ عنہ کے والد نے آپ کے چہرہ انور سے دھم کا خون چوس لیا حتیٰ کہ وہ صاف شفاف ہو گیا اور چمکنے لگا آپ نے فرمایا: اس کو کلی کر دو انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم میں کبھی بھی اسے نہیں تھوکوں گا پھر وہ اسے نکل گئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ ان کو دیکھے تو وہ (اسی وقت احد میں) شہید ہو گئے۔ ۱۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۸۳، دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۶۶، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۳)
امام بزاز امام طبرانی حاکم اور ترمذی نے نیز ابو نعیم نے ”المعجم“ میں حضرت عامر بن مہد اللہ بن زہرہ سے روایت کیا انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے سینگ لگوائی تو وہ خون مجھے عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا: جاؤ اسے غائب کر دو (فرماتے ہیں) میں گیا اور اسے پی گیا پھر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: تم نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو غائب کر دیا ہے آپ نے فرمایا شاید تم نے اسے پی لیا ہے؟ میں نے عرض کیا (جی ہاں) میں نے پی لیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے میں نے کہا کہ میں نے اسے نہایت پوشیدہ جگہ میں رکھ دیا ہے میرا خیال تھا کہ یہ لوگوں سے پوشیدہ ہے آپ نے فرمایا: شاید تم نے اسے پی لیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! میں نے پی لیا ہے آپ نے فرمایا: تمہارے لئے لوگوں سے خرابی ہو اور لوگوں کے لئے تجھ سے خرابی ہو۔ ۲۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے معلوم تھا کہ آپ کے خون کو جہنم (کی آگ) نہیں پہنچ سکتی پس میں نے اس وجہ سے اسے پی لیا آپ نے فرمایا: تمہارے لئے لوگوں سے خرابی ۱۔ نبی اکرم ﷺ کا قول سچا ہوا اور وہ شہادت پا کر جنت کے مستحق ہو گئے اس واقعہ سے صحابہ کرام کی نبی اکرم ﷺ سے محبت کا پتہ چلتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی محبت رسول ﷺ کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن زہیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا اور شہید کر کے سولی چڑھایا گیا یہ آپ کے لئے حجاج وغیرہ کی طرف سے اذیت ہے اور آپ کے قاتلوں نے آپ کو قتل کرنے اور کعبہ شریف کی بے حرمتی کا جو بہت بڑا گناہ اپنے سر لیا وہ ان کے لئے خرابی ہے (زرقاتی ج ۳ ص ۲۳۰) نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے بتانے سے غیب کی خبر دی اور جیسا آپ نے فرمایا اسی طرح ہوا۔ ۱۲ ہزار رو

ہو۔ (المعراج ج ۳ ص ۵۵۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۲۲۶)

دارقطنی میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایت سے اس کی مثل ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ تجھے آگ نہیں چھوئے گی ”الجوہر المکنون فی ذکر القباہل والبطون نامی“ کتاب میں ہے کہ جب انہوں نے یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کا خون پیا تو ان کے منہ سے کستوری کی خوشبو آنے لگی اور آپ کے منہ میں وہ خوشبو آپ کے سولی چڑھائے جانے تک باقی رہی۔

حضرت حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں نیز امام حاکم، دارقطنی، طبرانی اور ابونعیم نے بھی حضرت ابو مالک نخعی کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت اسود بن قیس سے وہ حضرت شیخ سے اور وہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت گھر کی ایک جانب گھڑے کی طرف تشریف لے گئے اور اس میں پیشاب فرمایا میں رات کو انھی اور مجھے پیاس لگی ہوئی تھی چنانچہ میں اسے پی گئی اور مجھے کچھ پتہ نہ چلا صبح ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ام ایمن اٹھو اور گھڑے میں جو کچھ ہے اسے بہا دو میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کی قسم اس میں جو کچھ تھا وہ میں نے پی لیا ہے آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہو گئیں پھر فرمایا سنو! اللہ کی قسم! تیسرے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہوگا۔

حضرت ابن جریج فرماتے ہیں: مجھے خبر دی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ لکڑی کے ایک پیالے میں پیشاب فرماتے پھر اسے چار پائی کے میچے رکھا جاتا آپ تشریف لاتے تو پیالے میں کچھ بھی نہ ہوتا تو آپ نے ”برکہ“ نامی خاتون سے جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھیں اور حبشہ سے ان کے ساتھ آئی تھیں پوچھا کہ پیالے میں جو پیشاب تھا وہ کہاں گیا؟ اس نے عرض کیا کہ وہ میں نے پی لیا ہے آپ نے فرمایا: اے ام یوسف! یہ صحت (کا باعث) ہے۔ اس کے بعد وہ کبھی بیمار نہ ہوئیں البتہ آخر میں بیمار ہوئیں جس میں ان کا انتقال ہوا۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے حضرت ابن جریج سے نقل کیا انہوں نے حکیم سے اور انہوں نے اپنی ماں اصیمہ بنت رقیقہ سے روایت کیا ابن دحیہ نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ دو واقعہ ہیں جو دو عورتوں کو پیش آئے اور یہ بات واضح ہے کہ برکہ جو ام یوسف ہیں وہ برکہ ام ایمن سے الگ ہیں۔ شیخ الاسلام ہلقینی رحمۃ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔

ان (مذکورہ بالا) احادیث میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا پیشاب اور خون پاک تھا۔ امام نووی رحمۃ اللہ نے ”شرح المہذب میں“ فرمایا: کہ جن لوگوں نے آپ کے پیشاب اور خون کے پاک ہونے کا قول کیا ہے انہوں نے دو معروف حدیثوں سے استدلال کیا ہے ایک یہ کہ ابو طیبہ حجام نے آپ کو سینگ لگائی اور آپ کا خون پیا اور آپ نے ان پر اعتراض نہیں کیا اور ایک خاتون نے آپ کا پیشاب پیا تو آپ نے ان پر بھی اعتراض نہ کیا۔ ابو طیبہ والی حدیث ضعیف ہے لیکن پیشاب پینے والی حدیث صحیح ہے۔ اسے امام دارقطنی نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور یہ آپ کے تمام فضائل کے لئے بطور قیاس استدلال میں کافی ہے پھر قاضی حسین نے کہا کہ زیادہ صحیح اور قطعی بات یہ ہے کہ یہ تمام فضائل پاک ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں: جس طرح امام بدر الدین عینی نے فرمایا۔ ابو طیبہ (طاہر پرزہ اور یام ساکن کے ساتھ ہے) یہ نافع ہیں جو سینگ لگاتے تھے اور محیہ (میم پر پیش) حام پرزہ اور یام

مشہود کے نیچے زیر ہے) ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔
 شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے فضلات کی طہارت پر بے شمار دلائل ہیں اور
 ائمہ حدیث نے اس بات کو آپ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔
 بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا: کہ اس کی وجہ وہ واقعہ ہے جس میں دو فرشتوں نے آپ کے لطن مبارک کو دھویا تھا۔
 اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

قضائے حاجت کے سلسلے میں آپ کی سیرت طیبہ

قضائے حاجت کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے طریقہ مبارک کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی
 ہیں کہ جب سے قرآن مجید نازل ہوا آپ نے بھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں فرمایا۔
 یہ حدیث ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں نیز امام حاکم نے روایت کی ہے۔
 امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عبدالرحمن بن حنبلہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بیٹھ کر پیشاب فرمایا
 تو (کفار) کہنے لگے اس کی طرف دیکھو عورتوں کی طرح پیشاب کرتا ہے۔
 (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۹-۳۲۶ سنن نسائی ج ۱ ص ۲۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱ مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۶)
 ابن ماجہ نے اپنے بعض مشائخ سے نقل کیا وہ کہتے ہیں عرب کا طریقہ تھا کہ وہ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے عبد
 الرحمن بن حنبلہ کی (مندرجہ بالا) روایت اس بات کی تائید کرتی ہے اور اس میں اس بات پر بھی دلالت پائی جاتی ہے کہ
 آپ ان کی مخالفت کرتے ہوئے بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے کیونکہ اس میں پردہ بھی زیادہ ہے اور پیشاب کے (کپڑوں اور
 جسم کو) پہنچنے سے حفاظت بھی زیادہ ہوتی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ قوم کے کوڑا کرکٹ کے ایک ڈھیر پر تشریف لائے اور
 کھڑے ہو کر پیشاب کیا پھر پانی طلب فرمایا تو میں پانی لایا جس سے آپ نے وضو فرمایا۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ نے
 روایت کیا اور ان کے غیر کی روایت میں ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور دونوں پاؤں کے درمیان زیادہ قاصلہ
 رکھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۳-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳-۴۴-۴۵-۴۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱ جامع
 ترمذی رقم الحدیث: ۱۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۵-۳۰۶ سنن نسائی ج ۱ ص ۱۹ سنن دارمی رقم الحدیث: ۹ مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۲-
 ج ۳ ص ۲۲۶-ج ۵ ص ۳۸۲)

(کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کے لئے) سبیلۃ کا لفظ استعمال ہوا اور عام طور پر وہ نرم ہوتا ہے جس سے پیشاب واپس
 نہیں آتا اور قوم کی طرف اضافت، اختصاص کی اضافت ہے اضافت مملکت نہیں ہے کیونکہ وہ نجاست سے خالی نہیں ہوتا
 اس سے یہ اعتراض بھی دور ہو گیا کہ پیشاب سے دیوار خراب ہو جاتی ہے تو یہ نقصان پہنچاتا ہے یا ہم کہتے ہیں کہ ڈھیر کے
 اوپر پیشاب کیا دیوار کے نیچے نہیں اور یہ بات حضرت ابو عوانہ کی صحیح میں صراحتاً بیان ہوئی ہے کہا گیا ہے کہ اس بات کا بھی
 احتمال ہے کہ ان (دیوار والوں) کی طرف سے یا کسی اور کی طرف سے واضح اجازت معلوم ہو یا اس سلسلے میں لوگ چشم پوشی
 سے کام لیتے ہوں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا علم تھا کہ وہ لوگ آپ کو ترجیح دیتے تھے یا یہ کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ امت کے مال میں تصرف کر سکتے ہیں کیونکہ آپ مومنوں کی جانوں اور مالوں کے مقابلے میں ان سے زیادہ قریب ہیں۔

یہ بات اگرچہ معنی کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن آپ کی سیرت طیبہ سے یہ معروف نہیں اور نہ ہی آپ کے اخلاق عالیہ کے مطابق ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ قضائے حاجت کے لئے عام راستے اور لوگوں کی نگاہوں سے دور جاتے تھے تو اس صورت میں اس واقعہ کا جواب یہ ہوگا کہ آپ مسلمانوں کے کاموں میں مشغول رہتے تھے اور شاید آپ کی مجلس طویل ہوگئی ہوگی کہ آپ نے پیشاب کی ضرورت محسوس کی اور اگر دور تشریف لے جاتے تو ضرر پہنچتا۔

آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو قریب کیا تا کہ ان کے ذریعے پردہ ہو اور کوئی دیکھ نہ سکے یا بیان جواز کے لئے ایسا کیا پھر قضائے حاجت کے مقابلے میں پیشاب کے لئے زیادہ ستر نہیں کھلتا اور دور جانے کا مقصد بھی ستر ہوتا تھا۔ اور یہ مقصد قیص کا دامن لٹکانے یا پردہ کرنے والے کو قریب کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۴۷۷) امام طبرانی نے حضرت عصمہ بن مالک کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کی ایک گلی میں ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے حذیفہ! میرے لئے پردہ کرو اس کے بعد مکمل حدیث ذکر کی۔

اس سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اسی حالت میں قریب کرنے کی حکمت ظاہر ہوگئی۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ایک حکمت یوں بیان کی گئی ہے کہ اس صورت میں ہوا کے نکلنے کا خوف نہیں ہوتا چنانچہ آپ نے دیوار کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار کیا۔

حضرت عبدالرزاق کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت اس بات کی تائید کرتی ہے وہ فرماتے ہیں: السؤل قائمنا احصن للدبر۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں دبر (سرین) کی زیادہ حفاظت ہوتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا سبب وہ بات ہے جو حضرت امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ اہل عرب پیٹھ کے درد سے اس عمل کے ذریعے شفا حاصل کرتے تھے تو شاید آپ نے اس مقصد کے تحت ایسا کیا ہو۔

امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ آپ نے زخم کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا جو آپ کے گھٹنے کے اندر تھا گویا اس وجہ سے بیٹھنے پر قادر نہ تھے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو مذکورہ بالا تمام تاویلات کی ضرورت نہیں رہے گی لیکن اسے امام دارقطنی اور امام بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ آپ نے جواز بتانے کے لئے ایسا کیا اور نہ عام طور پر آپ بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا اور اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ حدیث دلالت کرتی ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ بات آپ کے علم سے تعلق رکھتی ہے لہذا اسے گھر میں پائے جانے والے عمل پر محمول کیا جائے گا جب گھر سے باہر ام المؤمنینؓ نبی اکرم ﷺ کے عمل پر مطلع نہ تھیں جب کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ عمل یاد تھا اور آپ جلیل القدر صحابہ کرام میں سے تھے اور یہ بلا کراہت چائز ہے جب کہ چھیننے پڑنے کا خطرہ نہ ہو۔

نبی اکرم ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یہ کلمات کہتے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَ الْخَبَائِثِ۔
یا اللہ! میں ترا اور مادہ شیطانوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۲-۱۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۶۵-۶۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰ مسند احمد ج ۳ ص ۹۹ ج ۳ ص ۳۶۹ سنن الکبریٰ ج ۵ ص ۹۵ سنن داری ج ۱ ص ۱۷۱ اتحاف السادة المتکلمین ج ۱ ص ۳۳۹ تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۳۹ شرح السنہ ج ۱ ص ۲۶۶ مسند ابوداؤد ج ۱ ص ۳۱۶ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۷۳) نبی اکرم ﷺ بندگی کے اظہار کے لئے پناہ مانگتے تھے اور تعلیم کے لئے بلند آواز سے کہتے تھے۔

کیا یہ کلمات صرف گھروں میں بنے ہوئے بیت الخلاء میں جاتے وقت کے ساتھ مختص ہیں کیونکہ وہاں شیطان حاضر ہوتے ہیں یا یہ حکم عام ہے؟ تو دوسری بات صحیح ہے۔

اور آپ یہ کلمات بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے کہتے تھے لیکن دوسرے مقامات پر شروع میں یعنی کپڑے اٹھاتے وقت یہ کلمات کہتے تھے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اگر آدی بھول جائے تو دل سے کہے زبان سے نہ کہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو جب تک زمین کے قریب نہ ہو جاتے کپڑا نہ اٹھاتے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳ سنن داری رقم الحدیث: ۷۷ مجمع الرواۃ ج ۱ ص ۲۰۶ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۶ شرح السنہ ج ۱ ص ۲۷۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۶۷)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب بیت الخلاء سے نکلتے تو فرماتے۔ ”غفرانک“ یا اللہ! تیری بخشش کا طالب ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۰ تاریخ الکبریٰ ج ۸ ص ۳۸۶ سنن الکبریٰ ج ۵ ص ۹۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۷۱ العلل المتباہیہ ج ۱ ص ۳۳۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۶۹-۱۷۸۷۱-۳۷۲۱۱)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ کلمات کہتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیْ الْاَذٰی
وَقَالَ یٰ اٰمِیْنُ۔
تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے) جو مجھ سے اذیت کو لے گیا اور مجھے عافیت عطا کی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۷۰)۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی ایک قضائے حاجت کے لئے آئے تو قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ نہ کرے بلکہ مشرق یا مغرب کی

طرف منہ کرو۔ یہ حدیث امام بخاری نے حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔
 (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۰-۳۹۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸ سنن نسائی ج ۱ ص ۲۳ مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۱۶ المجم الکبیر ج ۳ ص ۱۷۹ تفسیر ابن کثیر رقم الحدیث: ۳۸۲۱۶ علل الحدیث رقم الحدیث: ۷۵ تاریخ ابن عساکر ج ۳ ص ۳۷۸)
 نوٹ: چونکہ مدینہ طیبہ سے خانہ کعبہ جنوب کی جانب ہے اس لئے مغرب کا ذکر فرمایا ہمارے ہاں کعبہ شریف مغرب کی جانب ہے لہذا ہم شمالاً جنوباً رخ کریں گے۔ ۱۲ ہزاروی

یہ صحرا کے بارے میں ہے جہاں تک بستیوں کا تعلق ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں کسی کام کے لئے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر چڑھا تو میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ قبلہ کی طرف پیٹھ اور شام کی طرف رخ کیے ہوئے قضائے حاجت فرما رہے تھے۔ ۱

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۸۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۱ مسند احمد ج ۲ ص ۱۲-۱۳)
 حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت جو حضرت ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے نقل کی ہے اور امام احمد کے نزدیک اس کے الفاظ یوں ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں قبلہ کی طرف پیٹھ کرنے یا اس طرف شرمگاہ کرنے سے منع فرماتے جب ہم پانی بہاتے (استنجاء کرتے) فرماتے ہیں: کہ پھر میں نے نبی اکرم ﷺ کو وصال سے ایک سال پہلے دیکھا کہ آپ قبلہ رخ تھے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۰ فتح الباری ج ۱ ص ۳۲۶)

اس حدیث کے سلسلے میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: حق بات یہ ہے کہ یہ حکم (قبلہ کی طرف رخ نہ کرنا) منسوخ نہیں کیونکہ حضور ﷺ کی طرف سے ممانعت آئی ہے بخلاف اس کے جو منسوخ سمجھتا ہے۔ ۲ بلکہ یہ اس بات پر محمول ہے کہ انہوں نے آپ کو عمارت وغیرہ میں دیکھا ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی حالت معروفہ یہی تھی کہ آپ پردہ کرنے میں مبالغہ کرتے تھے۔ اور یہ دعویٰ کہ یہ بات نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت سے ہے اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ خصائص احتمال سے ثابت نہیں ہوتے اور جمہور یعنی امام مالک امام شافعی اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ بستیوں اور صحرا کے حوالے سے حکم میں فرق ہے اور یہ تمام اقوال میں سے زیادہ عدل پر مبنی ہے کیونکہ اس میں تمام دلائل پر عمل ہوتا ہے۔

ایک قوم نے مطلق حرام قرار دیا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ امام احمد رحمۃ اللہ سے بھی یہی بات مشہور ہے مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والوں میں سے ابن عربی نے بھی اسے ہی ترجیح دی اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اباخت پر مقدم ہے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کو صحیح قرار نہیں دیا۔

ایک قوم نے مطلقاً جواز کا قول کیا ہے حضرت عائشہ حضرت عروہ اور حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے ان کا فقہ حنفی کے مطابق قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا دونوں جائز نہیں چاہے گھر میں ہو یا جنگل میں کیونکہ حضور ﷺ نے مطلقاً منع فرمایا اور مذکور مسلک امام شافعی رحمۃ اللہ کا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا حضور علیہ السلام کو دیکھنا یقیناً کھڑے ہونے کی حالت میں تھا کیونکہ قضائے حاجت کے وقت دیکھنا جائز نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

۲ کیونکہ نسخ پر کوئی دلیل نہیں اور نبی کے خلاف عمل کو صرف دیکھ لینے سے نسخ ثابت نہیں ہوتی۔ (زر قانی ج ۳ ص ۲۳۹)

استدلال یوں ہے کہ احادیث کے باہم متعارض ہونے کی وجہ سے ہم اصل اباحت کی طرف رجوع کریں گے۔
 ”صحیح بخاری میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو میں اور ایک غلام بھی ساتھ ہوتے اور ہمارے پاس پانی کا ایک برتن ہوتا تا کہ آپ اس سے استنجاء فرمائیں۔
 (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰ سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۰ ج ۱ ص ۲۲ مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۲ سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۵۰)
 ”صحیح مسلم میں“ انہی سے مروی ہے کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور پانی سے استنجاء فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو میں آپ کے پیچھے گیا آپ نے فرمایا: میرے لئے پتھر تلاش کرو تا کہ میں ان کے ساتھ طہارت حاصل کروں لیکن ہڈی اور لید نہ لانا۔ پس میں اپنے کپڑے کے کنارے میں پتھر لایا اور آپ کے پاس رکھ دیئے آپ نے فراغت پر ان سے استنجاء کیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۵-۳۸۶)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لائے تو مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے پاس تین پتھر لاؤں میں نے دو پتھر پائے اور تیسرا پتھر تلاش کرنے لگا لیکن نہ پایا چنانچہ میں لید لے کر حاضر ہوا تو آپ نے پتھر لے لئے اور لید پھینک دی۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۷۱ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۵۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۷ مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۸-۳۱۸)

امام مسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
 لَا يَسْتَنْجِحُ أَحَدُكُمْ بِأَقْلٍ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ۔ تم میں سے کوئی شخص تین پتھروں سے کم کے ساتھ استنجاء نہ کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۱ سنن دارقطنی ج ۱ ص ۵۴ سنن نسائی ج ۱ ص ۲۴ سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۳-۱۱۲)
 حضرت امام شافعی، امام احمد اور اصحاب حدیث نے اسی کو اپنایا اس لئے ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ تین سے کم پتھر نہ ہوں اور پاک کرنے کی رعایت بھی ملحوظ رہے یعنی تین پتھروں سے طہارت حاصل نہ ہو تو زیادہ کر دیئے جائیں لیکن سنت یہ ہے کہ طاق پتھر ہوں۔

کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اسْتَجْمَرَ فَلْيَسُوْتِرْ۔ جو شخص پتھر استعمال کرے تو طاق استعمال کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵ سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷-۳۰۹ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۶-۲۷۸ سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۹ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۷۵ مسند ابومرثد ج ۱ ص ۲۲۷ شخص ج ۱ ص ۱۱۰ احواف السادة المحمدين ج ۲ ص ۳۳۲ نصب الراية ج ۱ ص ۲۱۷ المغنی ج ۱ ص ۱۳۱ فتح الباری ج ۱ ص ۳۳۱)
 لیکن یہ واجب نہیں کیونکہ سنن ابی داؤد میں سند حسن کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے:

مَنْ لَا فَلَاحِجْرٍ۔ جو ایسا نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

۱۔ لید خود ناپاک ہے اس سے طہارت حاصل نہیں ہو سکتی اور ہڈی جنوں کی خوراک ہے اس لئے اس سے استنجاء کرنا صحیح نہیں نیز جسم کے زخمی ہونے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ ۲۔ ہزاروی

خطابی فرماتے ہیں اگر صرف پاکیزگی حاصل کرنے کا ارادہ ہو تو تعداد کی شرط بے فائدہ ہوگی۔
تو جب عدد کی شرط لفظوں میں ہے اور پاکیزگی کا حصول معنوی طور پر معلوم ہو تو یہ اس بات کی دلالت ہے کہ دونوں باتیں واجب ہیں۔
اس کی مثال اقراء کی تعداد ہے کہ تعداد شرط ہے اگرچہ رحم کی برأت ایک حیض سے معلوم ہو جاتی ہے (عدت کے لئے تین حیض گزارنا)۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اگر تین کی تعداد شرط ہوتی تو نبی اکرم ﷺ تیسرا پتھر بھی طلب فرماتے۔
لیکن امام طحاوی رحمۃ اللہ اس حدیث سے غافل رہے حضرت امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت معمر کے طریق سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے لید کو پھینک دیا اور فرمایا: یہ ناپاک ہے ایک پتھر لے آؤ۔
اس حدیث کے راوی ثقہ ثابت ہیں۔

جبکہ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ کا استدلال محل نظر ہے کیونکہ ہو سکتا ہے آپ نے ان پتھروں میں سے کسی ایک کے دوسرے کنارے کے ساتھ اکٹھا کر لیا ہو کیونکہ تین کی تعداد کا تصور تین بار ملتا ہے اور یہ بات حاصل ہو جاتی ہے اگرچہ ایک پتھر سے ہو۔
فصل نمبر ۲

رسول اکرم ﷺ کے پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ اوصاف ۱

خلق کا لغوی معنی

اخلاق خلق کی جمع ہے (خلق خاء اور لام دونوں پر پیش ہے اور لام ساکن بھی پڑھی جاتی ہے)۔
حضرت امام راغب فرماتے ہیں: الْخُلُقُ اور الْخُلُقُ اصل میں ایک ہی ہیں جس طرح الشُّرْبُ اور الشُّرْبُ لیکن خلق (زبر کے ساتھ) شکل و صورت کے ساتھ مختص ہے جو آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے اور خلق (پیش کے ساتھ) ان قوتوں اور عادات کو کہتے ہیں جن کا تعلق بصیرت سے ہے۔

اخلاق وہی ہیں یا کبھی؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آیا حسن خلق وہی ہیں یا کبھی ہیں؟
جن لوگوں نے وہی کہا ہے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا آپ نے

فرمایا:

۱۔ (دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۰۸ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۶ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۷۳-۲۸۵-۲۸۹-۳۱۳ الشفاء ج ۱ ص ۱۲۶)

ان اللہ قسم بینکم اخلاقکم کما
قسم لوزاقکم۔
بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے
اخلاق اسی طرح تقسیم فرمائے جس طرح تمہارے رزق
تقسیم فرمائے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۷ المسد رک ج ۱ ص ۳۳ ج ۲ ص ۳۳۷ ج ۳ ص ۱۶۵ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۹۰ ج ۲ ص ۲۸۸ جمع الجوامع رقم
الحديث: ۲۰۳۲-۲۳۳۳ الدر المنثور ج ۲ ص ۱۵۹ ج ۶ ص ۱۷۱ شرح الزوائد ج ۱ ص ۱۰۱ العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۳۵۲ الکامل ج ۳
ص ۱۱۵۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحديث: ۳۹۹۳ حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۶۶ ج ۵ ص ۳۵ کنز العمال رقم الحديث: ۲۰۳۲-۲۳۳۳)

امام قرطبی فرماتے ہیں: خلق انسانی فطرت کا نام ہے اور اس سلسلے میں لوگوں میں فرق ہے اگر کسی پر ان اچھے اخلاق
میں سے کسی بات کا غلبہ ہو تو وہ محمود ہے ورنہ اسے حکم دیا گیا کہ وہ اس قدر مجاہدہ کرے کہ قابل تعریف بن جائے اسی طرح
کمزور ہو تو مشق اور ریاضت کے ذریعے قوت حاصل کرے۔ حضرت شیخ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم
ﷺ نے فرمایا: بے شک آپ میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے ایک بردباری اور دوسری ٹھہراؤ (جلد
بازی نہ کرنا) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ قدیم ہیں یا جدید؟ آپ نے فرمایا: پہلے سے ہیں انہوں نے فرمایا: اللہ
تعالیٰ کے لئے حمد (اور شکر) ہے جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا فرمایا جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

ان کا سوال اور نبی اکرم ﷺ کا اس بات کو پکا کرنا اس بات کی خبر دیتا ہے کہ خلق فطری بھی ہوتا ہے اور کسبی بھی۔
اور نبی اکرم ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ۔
یا اللہ! جس طرح تو نے میری صورت کو اچھا بنایا ہے
میرے خلق کو بھی اچھا کر دے۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۷۳ كشف الخفاء رقم الحديث: ۲۱۷۷ اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۱۱۳ اخلاق النبوة رقم الحديث: ۱۷۱ المغنی
ج ۳ ص ۲۹ کنز العمال رقم الحديث: ۵۱۹۷)

”صحیح مسلم میں“ دعائے افتتاح اس طرح ہے:
وَاهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ
لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ۔
اور نہایت اچھے اخلاق کی طرف میری رہنمائی فرما
یا اچھے اخلاق کی طرف رہنمائی صرف تو ہی فرماتا ہے۔
خلق عظیم

جب نبی اکرم ﷺ میں کمال کی اس قدر خصلتیں جمع تھیں کہ کوئی حد ان کا احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ وہ کسی شمار میں آ
سکتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کی تعریف یوں فرمائی:
وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقِيٍّ عَظِيمٍ۔
اور بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

۱۔ عبد القیس کا وفد آیا تو وہ جلدی جلدی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے وہی سفر والا لباس پہن رکھا تھا لیکن شیخ نے
سامان رکھا اونٹنی باندھی اور اچھے کپڑے پہن کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اس پر آپ نے ان کی تعریف فرمائی اور یہ کلمات ارشاد فرمائے۔
(زرقاتی ج ۳ ص ۲۳۲)

کلمہ ”علیٰ“ استعلاء (بلندی) کے لئے آتا ہے پس یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ان اخلاق سے بلند اور ان پر ولایت رکھتے ہیں۔

خلق ایک نفسانی قوت (ملکہ) ہے جس کی وجہ سے اس سے موصوف شخص کے لئے اچھے کاموں کا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی قوت علیہ کی تعریف یوں فرمائی:

وَعَلَّمَكُمَا لَكُمْ مَالَكُمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝ (النساء: ۱۱۳)

جانتے تھے اور یہ آپ پر بہت بڑا فضل ہے۔

اور قوت علیہ کے وصف کو لفظ عظیم کے ساتھ بیان فرمایا پھر ارشاد فرمایا:

وَأَنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقِي عَظِيمٌ ۝ (القلم: ۴)

اور بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

پس ان دونوں آیتوں کا مجموعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تمام ارواح بشریہ کے درمیان آپ کی روح مبارک بلند درجہ رکھتی ہے گویا یہ اپنی قوت اور شدت کمال کی وجہ سے ارواح ملائکہ کی جنس سے ہے۔

علمی کہتے ہیں آپ کے وصف کو عظیم کہا گیا حالانکہ خلق کو عظمت کی بجائے کرم کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے۔

کیونکہ خلق کے کریم ہونے سے مراد نرمی اور آسانی ہے اور آپ کا خلق مبارک صرف اسی وصف میں بند نہ تھا بلکہ آپ مومنوں پر رحیم اور رفیق تھے اور کفار پر سخت تھے اور دشمنوں کے سینوں میں آپ کا رعب پایا جاتا تھا ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ساتھ آپ کی مدد کی گئی تھی لہذا آپ کے خلق کو عظیم قرار دینا زیادہ بہتر ہے تاکہ انعام اور انتقام دونوں کو شامل ہو۔

حضرت جنید (ابو القاسم بن محمد نہادندی) ع فرماتے ہیں: آپ کا خلق اس اعتبار سے عظیم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ارادہ نہیں فرماتے تھے۔ (الاعلام ج ۲ ص ۱۳۱ فیات الاعیان ج ۱ ص ۱۱۷ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۵۵ طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۲۸ تاریخ بغداد ج ۷ ص ۲۳۱ طبقات الحنابلہ رقم الحدیث: ۸۹۰)

یہ بھی کہا گیا کہ آپ ﷺ مخلوق کے ساتھ اپنے خلق سے معاشرتی زندگی گزارتے لیکن اپنے دل کے ساتھ ان سے جدا رہتے (یعنی دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا تھا)۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ میں تمام اچھے اخلاق جمع تھے اس لئے آپ کے خلق کو خلق عظیم قرار دیا گیا۔

امام طبرانی نے اوسط میں اسی سند کے ساتھ ذکر کیا جس میں عمر بن ابراہیم مقدسی ہیں اور وہ ضعیف ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ امام زرقانی فرماتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کو کمال عظیم سے موصوف فرمایا جو قوت علیہ کی طرف لوٹتا ہے اور آپ کو احکام اور غیب کی باتیں جو (پہلے) نہیں جانتے تھے سکھادیں۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۳۵)

۲۔ ابو القاسم بن محمد نہادندی اصل میں بغدادی تھے حضرت ابو ثور سے فقہ حاصل کی اور ان کی موجودگی میں فتویٰ دیتے جو درست اور مقبول ہوتا لوگ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے اور الفاظ یاد رکھتے فقہاء آپ کی تقریر کے لئے فلاسفہ آپ کی دقت نظر کے لئے متکلمین آپ کی تحقیق اور صوفیاء آپ کے اشارات کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ آپ کا وصال ۲۹۸ یا ۲۹۹ھ میں بغداد شریف میں ہوا۔

ان اللہ بعثنی بتمام مکارم الاخلاق و اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق اور اچھے افعال کے کمال محاسن الافعال۔ کمال کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۸۸، مجمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۷۳۶، کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۳۵، تاریخ ابن عساکر ج ۵ ص ۳۳۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۳۷)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ نے ”موطأ میں“ روایت نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بعثت لاسم مکارم الاخلاق۔ مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔
(السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۱، اتحاف السادة المستعین ج ۶ ص ۱۷۱، شرح السنن ج ۱ ص ۲۰۲، المسد رک ج ۲ ص ۶۱۳، تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۳۳۵، ج ۱۳ ص ۱۹۷، المغنی ج ۲ ص ۱۵۵-۳۵۲، ج ۳ ص ۲۸، الشفاء ج ۱ ص ۹۶، موطأ امام مالک رقم الحدیث: ۹۰۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۱)

پس تمام اچھے اخلاق آپ میں موجود تھے کیونکہ یہ ادب قرآن ہے۔
جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كان خلقه القرآن۔ آپ کا خلق مبارک قرآن تھا۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۹۱-۱۶۳، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۹۹، دلائل ج ۱ ص ۳۰۹، الدر المنثور ج ۵ ص ۲-ج ۶ ص ۲۵۰، الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۰۹، الشفاء ج ۱ ص ۹۶، المغنی ج ۲ ص ۳۵۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۷۱۸-۱۸۳۷۸)

بعض عارفین نے فرمایا: کہ یہ بات معلوم ہے کہ قرآن مجید میں مشابہات بھی ہیں جن کی تاویل کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جو لوگ علم میں مضبوط ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یعنی جو کچھ ہمارے سامنے ہے اس کا بھی اقرار کیا اور جو کچھ اس کے پردے کے پیچھے ہے اس کا بھی اقرار کیا اور اس کے ذریعے ہم نے حجت کی تلواریں نکالی لیکن وہ اپنی میان میں ہے۔

وما كونه مما تحصل مقلة ولا حده مما تحس الانامل
”اور یہ اس قدر مخفی ہے کہ اس کا حصول ممکن نہیں اور نہ ہی اس کی حد کو انگلیوں کے پوروں سے چھوا جاسکتا ہے (یعنی اس کے معنی کا ادراک نہیں ہو سکتا)۔“

”عوارف المعارف میں“ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ نے فرمایا:

یہ بات بعید نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول ”كان خلقه القرآن“ میں نہایت گہری رمز ہے اور اخلاق ربانیہ کی طرف پوشیدہ اشارہ ہو اور ام المؤمنین نے بارگاہ خداوندی سے حیا کرتے ہوئے یہ نہ فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف تھے۔

بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس قول کے ذریعے اس کا مفہوم بیان فرمایا: کہ ”كان خلقه القرآن“ آپ کا خلق قرآن مجید تھا۔

گویا آپ نے جلال خداوندی کے انوار سے حیا فرمایا اور اچھے کلام کے ذریعے حال کو پوشیدہ رکھا اور یہ حضرت ام المؤمنین کے کمال عقل و ادب کی وجہ سے ہے۔

تو جس طرح قرآن مجید کے معانی کی کوئی انتہا نہیں اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے اوصاف بیلہ جو آپ کے خلق پر دلالت کرتے ہیں بے حد و حساب ہیں کیونکہ آپ کے احوال میں سے ہر حالت میں اچھے اخلاق، اچھی خصلتوں اور اللہ تعالیٰ کے معارف و علوم جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، نبی اکرم ﷺ پر فیضان ہوتا ہے پس آپ کے اخلاق حمیدہ کی جزئیات کو کسی حد میں بند کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے اور اس کی عادات کے ممکنات میں سے نہیں ہے۔ حوالی (لام پر شد ہے اور قبیلہ بربر کی طرف نسبت ہے) علی بن احمد بن حسین مشہور تصانیف والے فرماتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ کا عرفان قلبی اللہ تعالیٰ کے ذریعے ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا:

بررسی عرفت کل شیء۔ میں نے ہر چیز کو اپنے رب کے ذریعے ہی پہچانا۔
تو آپ کے اخلاق سب سے بڑا خلق قرار پائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ کی رسالت کو انسانوں تک محدود نہ رکھا بلکہ وہ جنوں کو بھی شامل ہوئی اور ان دو بھاری مخلوق (انسانوں اور جنوں) کو آپ کی رسالت محدود نہ رہی بلکہ تمام جہانوں کو شامل ہوئی پس جس کا رب اللہ ہے حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اور جس طرح ربوبیت تمام جہانوں کو شامل ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا خلق تمام جہانوں کو شامل ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو فرشتوں کی طرف بھی بھیجا گیا اس ضمن میں مکمل کلام بعد میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور اسی (اللہ) سے مدد مانگی جاتی ہے۔
نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کریمہ آپ کی فطرت اور پاکیزہ تخلیق میں شامل تھے یہ اخلاق نفس کی ریاضت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے جود و کرم سے حاصل ہوئے اسی طرح انوار معارف ہمیشہ آپ کے دل میں چمکتے رہے حتیٰ کہ آپ نے بلند مقام تک رسائی حاصل کی۔

تمام فضائل کی اصل، عقل ہے

ان خصائل حمیدہ اور عطیات مجیدہ کی اصل کمال عقل ہے کیونکہ عقل کے ذریعے فضائل حاصل کئے جاتے ہیں اور بری خصلتوں سے بچاؤ ہوتا ہے پس عقل، روح کی زبان اور بصیرت کی ترجمان ہے اور بصیرت، روح کے لئے دل کے قائم مقام ہے جب کہ عقل زبان کی جگہ پر ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا: کہ ہر شے کا ایک جوہر (اصل ہے) اور انسان کا جوہر عقل ہے اور عقل کا جوہر صبر ہے۔
ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب عقل کو پیدا فرمایا تو فرمایا: آگے بڑھو آگے بڑھی، پھر فرمایا: پیچھے ہٹ جاؤ وہ پیچھے ہٹ گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے میں نے تجھ سے زیادہ معزز چیز پیدا نہیں کی تیری وجہ سے پکڑتا ہوں اور تیرے سبب سے عطا کرتا ہوں۔

ابن تیمیہ اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کی اتباع میں کہا کہ یہ روایت بالاتفاق موضوع ہے (امام زرقانی فرماتے ہیں: ابن تیمیہ وغیرہ کی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس کے لئے اصل صاحب موجود ہے زرقانی ج ۳ ص ۲۷۸)۔
عبداللہ بن امام احمد رحمہما اللہ نے اپنے والد کی کتاب "الزہد کے" زوائد میں حضرت علی بن مسلم سے اور انہوں نے

حضرت یہار بن حاکم سے نقل کیا اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو متعدد حضرات نے ضعیف قرار دیا اور یہ شخص کمزور روایات کو بہت زیادہ جمع کرتا تھا (وہ صحیح ہوں یا غیر صحیح) تو ابری نے کہا کہ یہ سب عقل شخص تھا۔

وہ کہتے ہیں ہم سے جعفر بن سلیمان النضعی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: ہم سے مالک بن دینار نے بیان کیا اور وہ فرماتے ہیں: ہم سے حسن بصری رحمۃ اللہ نے مرسل بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اس (عقل) سے فرمایا: آگے بڑھو وہ آگے بڑھی پھر فرمایا: پیچھے ہٹ جاوہ پیچھے ہٹ گئی فرمایا: میں نے تجھ سے زیادہ محبوب چیز پیدا نہیں کی تیرے ذریعے پکڑوں گا اور تیری وجہ سے عطا کروں گا۔

داؤد بن محمر نے اسے اپنی ”العقل میں“ ذکر کیا اور ابن محمر جھوٹا شخص ہے۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ سب سے پہلی مخلوق کے بارے میں یہ حدیث آئی ہے: اول ما خلق الله القلم۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔

اور یہ حدیث عقل والی حدیث سے زیادہ مضبوط اور ثابت ہے۔

ابوالشیخ نے حضرت قرہ بن ایاس مزنی سے مرفوع حدیث نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الناس يعملون الخير وانما يعطون
اجورهم على قدر عقولهم۔
لوگ نیک کام کرتے ہیں اور ان کو ان کا ثواب ان کی عقلوں کے مطابق دیا جائے گا۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۵۲ الملای المصنوع ج ۱ ص ۶۵)

عقل کی ماہیت میں بہت زیادہ اختلاف کیا گیا ہے۔

”القاموس میں“ اس کتاب کے مؤلف نے نقل کیا کہ عقل علم کا دوسرا نام ہے یا اشیاء کی صفات یعنی ان کا حسن، قبح، کمال اور نقصان عقل ہیں یا دو اچھی باتوں میں سے زیادہ اچھی اور دوسری باتوں میں سے زیادہ بری بات کا علم عقل ہے یا ایسی قوت کا نام ہے جو قبح اور حسن کے درمیان تمیز کر سکے۔

یا ان معانی کو عقل کہتے ہیں جو ذہن میں جمع ہوتے ہیں اور ان سے پہلے کچھ مقدمات ہوتے ہیں جن کے ذریعے اغراض اور مصالح ثابت ہوتے ہیں اسی طرح انسان کی حرکات اور کلمات میں قابل تعریف شکل عقل کہلاتی ہے۔

لیکن حق یہ ہے کہ یہ روحانی چیز ہے جس کے ذریعے علوم ضروریہ اور نظریہ کا ادراک ہوتا ہے اور اس کے وجود کا آغاز اسی وقت ہو جاتا ہے جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے پھر یہ مسلسل بڑھتا ہے حتیٰ کہ جب بچہ بالغ ہو جاتا ہے تو یہ کامل ہو جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا کمال عقل

نبی اکرم ﷺ کمال عقل کے اعتبار سے اس انتہا کو پہنچے ہوئے تھے جہاں تک آپ کے علاوہ کسی انسان کی رسائی نہیں اسی لئے آپ کے معارف بہت عظیم اور خصائص بھی نہایت عظمت والے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنے غیب کا جو فیضان فرمایا اس سے عقلیں حیران رہ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن امور پر مطلع فرمایا ان کی معرفت میں افکار تھک گئے اور یہ عطیات آپ کو کس طرح عطا نہ ہوتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو

اسرار الہی، معرفت ربوبیت اور بندگی کے تحقق کے سلسلے میں آپ کو عطا کیا اور آپ کے مکرم جسم پر فیض فرمایا اس سے آپ کا قلب و باطن بھر گیا۔

حضرت وہب بن منہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اکہتر کتب میں پڑھا اور ان سب میں یہ بات پائی کہ اللہ تعالیٰ نے آغاز دنیا سے اس کے اختتام تک تمام لوگوں کو جو عقل عطا فرمائی ہے وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی مبارک عقل کے پہلو میں دنیا بھر کی ریت میں ریت کے ایک دانے کی طرح ہے اور نبی اکرم ﷺ کو عقل کے اعتبار سے سب لوگوں پر ترجیح دی گئی اور آپ کی رائے کو سب سے افضل رائے قرار دیا گیا۔

اسے ابو نعیم نے ”الحلیہ میں“ اور ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔

”عوارف المعارف میں“ بعض سے منقول ہے کہ عقل اور سمجھداری کے کل ایک سو حصے ہیں جن میں ننانوے نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس میں اور باقی ایک حصہ تمام مومنوں میں پایا جاتا ہے۔

جو شخص اس بات میں غور کرے کہ آپ نے اہل عرب کے ساتھ کس قدر حسن تدبیر اختیار کی جب کہ وہ بھاگنے والے وحشیوں اور نفرت کرنے والی دور رہنے والی طبیعتوں کے مالک تھے آپ نے ان کی رہنمائی کس طرح فرمائی ان کے ظلم کو برداشت کیا ان کی اذیتوں پر صبر کیا حتیٰ کہ وہ سب آپ کے مطیع ہو گئے اور آپ کے پاس جمع ہو گئے آپ کے ساتھ مل کر اپنے خاندان والوں باپ دادا اور اولاد کے ساتھ لڑے اور انہوں نے آپ کو اپنی جانوں پر ترجیح دی آپ کی مرضی کی خاطر اپنے وطن اور دوست احباب کو چھوڑا جب کہ آپ کو پہلے سے کوئی تجربہ نہ تھا نہ کتابوں کا مطالعہ کر کے پہلے لوگوں کی سیرتوں کو معلوم کیا تو اس کے باوجود آپ نے جو انقلاب پکایا اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ تمام جہاں والوں سے زیادہ عقلمند ہیں۔

اور جب آپ کی عقل تمام عقلوں سے زیادہ وسیع ہے تو یقیناً آپ کے اخلاق کریمہ بھی ایسی وسعت رکھتے ہیں کہ ان میں کسی بات سے تنگی نہیں ہے۔

بردباری، معاف کرنا اور صبر کرنا

اسی سے ہے کہ آپ (بدلہ لینے کی) طاقت کے باوجود بردباری اور معاف کرنے کی راہ اختیار کرتے یہ آپ کے خلقِ عظیم کی وسعت ہے اسی طرح آپ کو تکلیف پہنچتی تو صبر کرتے۔ غزوہ احد میں کفار نے آپ سے لڑتے ہوئے آپ کو زخمی کیا اور آپ کے دانت مبارک شہید کر دیئے چہرہ انور زخمی کیا حتیٰ کہ آپ کے چہرہ مبارک پر خون بہنے لگا اور صحابہ کرام کو یہ بات ناگوار گزری اور انہوں نے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں کے لئے بددعا فرمائیں تو آپ نے فرمایا: میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے اسلام کی طرف بلانے والا اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے (پھر آپ نے یوں دعا مانگی):

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ (یا فرمایا:) اَللّٰهُمَّ اهْدِ یا اللہ! میری قوم کو بخش دے یا اللہ! میری قوم کو قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ ہدایت دے بے شک یہ جانتے نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷۱، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۸۹، الادب المفرد ص ۱۱۹ رقم الحدیث: ۳۲۲، شرح السنن ج ۱ ص ۲۳۰، اتحاف السادة

المستعین ج ۷ ص ۱۰۸، الدر المنثور ج ۳ ص ۳۳۲، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۲۱۸، الشفاء ج ۱ ص ۱۰۵)

ابن حبان نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ یا اللہ انہوں نے میرے چہرے کو زخمی کرنے کے سلسلے میں جو گناہ کیا ہے اسے بخش دے۔ آپ نے مطلقاً ان کی مغفرت کی دعا نہیں فرمائی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ کی دعا قبول ہوتی اور جب دعا قبول ہوتی تو وہ سب مسلمان ہو جاتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے اپنے بعض کلام میں فرمایا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف یوں دعا کی:

وَقَدْ لَا تَلْزَ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ
اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی ایسے

مگر آپ ہمارے خلاف اس قسم کی دعا مانگتے تو ہم سب آخر تک ہلاک ہو جاتے آپ کی پشت مبارک کو روندنا گیا۔
چہرہ مبارک خون آلود کیا گیا اور آپ کے مبارک دانتوں کو شہید کیا گیا لیکن آپ نے اچھے کلمات کے علاوہ کچھ کہنے سے
انکار فرمایا آپ نے صرف یہی فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔
 یا اللہ! میری قوم کو بخش یہ لوگ جانتے نہیں۔

عمدہ نکتہ

جب نبی اکرم ﷺ کا چہرہ انور زمینی کیا گیا تو آپ نے معاف فرما دیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! میری قوم کو ہدایت دے اور جب غزوہٴ خندق کے دن انہوں نے آپ کو نماز سے (دوسری طرف) مشغول رکھا تو آپ نے عرض کیا:

اللّٰهُمَّ اَمْلَا بُطُونَهُمْ نَارًا۔ ۱۔
یا اللہ ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔
تو جو زخم آپ کے جسم اقدس کے چہرہ انور کو پہنچا آپ نے اسے برداشت فرمایا اور جو زخم آپ کے دین مبارک کے چہرہ مبارک کو پہنچا اسے آپ نے برداشت نہ فرمایا کیونکہ دین کا چہرہ نماز ہے پس آپ نے اپنے حق پر اپنے خالق کے حق کو ترجیح دی۔

اذیت پر صبر کرنا نفس کا جہاد ہے اور اللہ تعالیٰ نے نفس کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ اسے جوازیت پہنچتی ہے اس پر وہ تکلیف محسوس کرتا ہے اسی لئے جب ان لوگوں نے مال غنیمت کی تقسیم میں آپ کی طرف نا انصافی کی نسبت کی تو آپ پر یہ بات گراں گزری۔

لیکن نبی اکرم ﷺ نے اس کہنے والے سے بردہاری کا سلوک کیا اور صبر فرمایا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس پر بہت زیادہ ثواب ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔

لیکن نبی اکرم ﷺ اپنی ذات کو پہنچنے والی اذیت پر صبر کرتے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہوتا تو آپ حکیم خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے سختی سے نوٹس لیتے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

۱۔ ”صحیح بخاری و مسلم میں یوں ہے ”اللہ تعالیٰ ان کے کمروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جس طرح انہوں نے ہمیں درمیانی نماز سے مشغول رکھا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔“

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ ۖ اءِىَ نَبِىٍّ كُفَّرَ عَنْهُ ۚ وَاعْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ
اے نبی ﷺ کفار اور منافقین سے جہاد کریں اور ان پر سختی کیجیے۔

یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے مختلف اسباب کی وجہ سے غصہ فرمایا لیکن ان تمام کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل تھی آپ نے غصہ اس لئے ظاہر فرمایا کہ زیادہ تاکید کے ساتھ جھڑک ہو پس آپ کا صبر کرنا اور معاف کرنا صرف آپ کے ذاتی معاملات میں تھا۔

امام طبرانی ابن حبان حاکم اور بیہقی نے حضرت زید بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: میں نے حضرت محمد (نبی اکرم ﷺ) کے چہرہ انور کو دیکھا تو نبوت کی علامات میں سے کوئی ایسی بات باقی نہ رہی جسے میں نے پہچانا نہ ہو لیکن دو باتیں ایسی تھیں جن کے بارے میں مجھے بتایا نہ گیا ایک یہ کہ آپ کی بردباری جہالت پر سبقت کرتی ہے اور بہت زیادہ جہالت کا سلوک بھی آپ کی بردباری ہی کو بڑھاتا ہے پس میں آپ کے ساتھ مانوس ہونے کی کوشش کرتا تا کہ آپ سے میل جول ہو اور میں آپ کی بردباری اور عدم برداشت کو پہچان سکوں پس میں نے آپ سے ایک خاص مدت کی مہلت تک کھجوریں خریدیں اور قیمت ادا کر دی جب مقرر وقت میں دو یا تین دن رہ گئے تو میں آپ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے آپ کو اس جگہ سے پکڑا جہاں قمیص اور تہبند اکٹھے ہوتے ہیں اور سخت نگاہ کے ساتھ آپ کی طرف دیکھا پھر کہا اے محمد! کیا آپ میرا حق ادا نہیں کرتے اللہ کی قسم! اے بنو عبد المطلب! تم لوگ وقت پر حق ادا نہیں کیا کرتے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! کیا تو رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کہتا ہے جو میں سن رہا ہوں اللہ کی قسم اگر وہ بات نہ ہوتی جس کے فوت ہونے کا مجھے ڈر ہے (یعنی مسلمانوں اور اسی کے قوم کے درمیان صلح) تو میں اپنی تلوار سے تمہارا سرا ڈا دیتا نبی اکرم ﷺ نہایت سکون اور اطمینان سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے پھر آپ نے فرمایا اے عمر! میں اور یہ شخص تیری طرف سے کسی اور بات کے زیادہ محتاج تھے۔ یعنی تم مجھے اچھی ادائیگی اور اس کو اچھے مطالبہ کا کہتے اے عمر!

اسے لے جاؤ اس کا حق ادا کرو اور تم نے جو اسے خوف زدہ کیا ہے اس کی جگہ بیس صاع زیادہ کھجوریں دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

میں نے کہا اے عمر! میں نے نبوت کی تمام علامات نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور پر دیکھیں جب آپ کو دیکھا لیکن دو علامتوں کی مجھے خبر نہ ملی ایک یہ کہ آپ کی بردباری جہالت پر سبقت لے جاتی ہے اور آپ سے جتنا زیادہ جہالت کا سلوک کیا جائے اسی قدر آپ کی بردباری میں اضافہ ہوتا ہے تو میں نے ان دونوں باتوں کو آزمایا ہے میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر راضی ہوں۔

(المسند رک ج ۲ ص ۳۲ اتحاد السادة المتقين ج ۷ ص ۹۶ دلائل النبوة ص ۲۳ البدلیہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۸۸ الشفاء ج ۱ ص ۱۰۹ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۳۲ الدلائل ج ۶ ص ۲۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن نبی اکرم ﷺ نے ہم سے گفتگو فرمائی پھر کھڑے ہو گئے آپ کے ساتھ ہم بھی کھڑے ہو گئے اچانک ہم نے دیکھا کہ ایک دیہاتی نے آپ کو پکڑا اور اپنی چادر سے کھینچنے لگا آپ کی لے سعد بن مسین اور نون پر زہر ہے میں ساکن ہے امام نووی فرماتے ہیں سین پر زہر ہے بعض حضرات نے کہا پیش ہے۔

گردن مبارک سرخ ہوئی اور وہ چادر کھردری (سخت) چادر تھی میں نے ادھر دیکھا تو وہ دیہاتی آپ سے کہہ رہا تھا مجھے یہ دو اونٹ غلہ عطا کریں آپ مجھے اپنے مال اور اپنے باپ کے مال سے نہیں دے رہے آپ نے اس سے فرمایا نہیں اور میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کرتا ہوں (تین بار فرمایا) میں تجھے یہ اونٹ نہیں دوں گا حتیٰ کہ تم مجھے اس کھینچنے کے ذریعے بدلہ لینے دو۔ ہزار دیہاتی جواب دیتا کہ میں بدلہ نہیں لینے دوں گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مکمل حدیث ذکر کی اس میں ہے کہ پھر آپ نے ایک شخص کو بلا کر فرمایا کہ اس شخص کو دو اونٹ کا بوبہ غلہ دو ایک اونٹ پر بھجوریں اور دوسرے پر بولا دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۷۵، سنن نسائی ج ۸ ص ۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۲۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۲۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۷۰۹)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ جا رہا تھا اور آپ پر ایک سخت کنارے والی نجرانی چادر تھی ایک دیہاتی نے آپ کو پایا تو آپ کی چادر کے ساتھ آپ کو بہت زیادہ کھینچا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ کی گردن کو دیکھا تو اس پر سخت کھینچنے کی وجہ سے چادر کے کنارے کے نشانات تھے پھر اس نے کہا اے محمد! (ﷺ) میرے لئے اس مال میں سے حکم دیں جو آپ کے پاس ہے آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے پھر اس کو عطا کرنے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۳۹، ۵۸۰۹، ۶۰۸۸)

ان احادیث میں نبی اکرم ﷺ کی مرد باری اور نفس و مال کے حوالے سے کھینچنے والی اذیت پر مبریز اس شخص کے ظلم کو برداشت کرنے کا بیان ہے جس کو آپ اسلام سے مانوس کرنا چاہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ فطرتاً اور تکلف کے طور پر کسی صورت میں بھی فحش گو نہ تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر کرتے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶، شامی رقم الحدیث: ۱۸۵) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا کہ آپ فحش گو نہ تھے نہ فطرتاً نہ تکلفاً۔

انہی کی ایک روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ گالی دینے والے بدکلامی کرنے والے اور لعنت بھیجنے والے نہیں تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۱، ۶۰۳۶)

ہر وہ کلام فعل اور صفت جو اپنی حد سے نکل جائے حتیٰ کہ قبیح قرار پائے اسے فحش کہتے ہیں لیکن عام طور پر اس کا استعمال گفتگو میں ہوتا ہے اور متحش وہ شخص جو بدکلامی کا سہارا لیتا کثرت سے بدکلامی کرتا اور اس میں تکلف کی راہ اختیار کرتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے (اندر آنے کی) اجازت مانگی آپ نے جب اسے دیکھا تو فرمایا: یہ (اپنے) قبیلے کا برا بھائی ہے یا فرمایا قبیلے کا برا بیٹا ہے جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نہایت خندہ لے نبی اکرم ﷺ بدلہ لینا نہیں چاہتے تھے محض اس کا جائزہ لے رہے تھے اس لئے آپ اس کے جواب پر مسکرا پڑے جیسا کہ شرح زرقانی میں

پیشانی اور کشادہ روئی کے ساتھ پیش آئے جب وہ شخص چلا گیا تو ام المؤمنین نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب آپ نے اس شخص کو دیکھا تو فلاں فلاں کلمات فرمائے پھر آپ نے نہایت خندہ پیشانی اور کشادہ روئی کے ساتھ اس سے ملاقات کی آپ نے فرمایا اے عائشہ! تم نے مجھے کب بد اخلاق پایا؟ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کا مقام و مرتبہ سب سے برا ہوگا جس کو لوگ اس کے شر سے بچتے ہوئے چھوڑ دیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۲-۶۰۵۲-۶۱۳۱ فتح الباری ج ۱ ص ۵۵۸)

ابن بطلال کہتے ہیں یہ شخص عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر فزاری تھا اور اس کو ”احق مطاع“ (ایسا بیوقوف جس کی بات مانی جائے) کہا جاتا تھا حضرت قاضی عیاض امام قرطبی اور امام نووی رحمۃ اللہ نے اسی طرح وضاحت کی ہے۔

عبد الغنی نے ابو عامر خزاعی کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں کہ مخرمہ بن نوفل نے حاضر ہو کر اجازت طلب کی نبی اکرم ﷺ نے اس کی آواز سنی تو فرمایا یہ قوم کا برا بھائی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا اس وجہ سے تھا کہ وہ اپنی قوم کا رئیس تھا اور آپ اس کے دل کو نرم کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کی قوم اسلام قبول کرے۔

جس طرح خطابی نے کہا یہ حدیث علم و ادب کی جامع حدیث ہے نبی اکرم ﷺ کا اپنی امت کے بارے کچھ کہنا یا ان کی طرف کسی ناپسندیدہ بات کی اضافت کرنا غیبت نہیں ہے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ غیبت ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ پر لازم تھا کہ وہ ان باتوں کو واضح کرتے اور لوگوں کو ان کے معاملے میں آگاہ فرماتے کیونکہ یہ امت کے لئے خیر خواہی اور ان پر شفقت ہے لیکن جب نبی اکرم ﷺ کی فطرت میں کرم اور حسن اخلاق رکھا گیا ہے تو آپ نے اس کے سامنے خوشی کا اظہار فرمایا اور ناپسندیدہ بات کے ساتھ جواب نہیں دیا تاکہ آپ کی امت اس قسم کے لوگوں کے شر سے محفوظ رہے اور خاطر مدارات کی وجہ یہ تھی کہ اس کے شر سے محفوظ رہیں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص علانیہ فاسق اور فحش گو ہے اس کی غیبت جائز ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سے حسن سلوک بھی کرنا جائز ہے تاکہ اس کے شر سے محفوظ رہیں لیکن اس بات کا خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سلسلے میں مدارات اور مہانت پیدا نہ ہو۔

پھر امام قرطبی نے قاضی حسین کی اتباع میں کہا کہ مدارات اور مہانت میں فرق یہ ہے کہ مدارات کا ہر مطلب دنیا یا آخرت یا دونوں کو حاصل کرنے کے لئے دنیا خرچ کرنا ہے اور یہ جائز ہے بلکہ بعض اوقات مستحب ہوتی ہے۔ جب کہ مہانت دنیا کی اصلاح کے لئے دین دے بیٹھنا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس سے گفتگو کرتے ہوئے اچھے سنوک اور نرم گفتگو کا راستہ اختیار کیا اور یہ آپ کی دنیا تھی اس کے باوجود زبان سے اس کی تعریف نہیں کی کہ آپ کے قول و فعل میں تضاد پایا جاتا کیونکہ اس کے بارے میں آپ نے حق بات فرمائی اور اس کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا وہ حسن معاشرت ہے اس تقریر سے وہ اعتراض دور ہو گیا جو اس حدیث سے پیدا ہو سکتا تھا (یعنی آپ کے قول و فعل میں تضاد کا اعتراض)۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اس وقت تک عیینہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا لہذا اس کے بارے میں

آپ کا قول غیبت نہیں ہے یا اسلام قبول کیا لیکن خیر خواہی والا اسلام نہ تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اس لئے اس کے بارے میں یہ بات فرمائی کہ جو شخص اس کے باطن سے واقف نہیں وہ دھوکے میں نہ آئے۔

نبی اکرم ﷺ کی (ظاہری) حیات طیبہ میں اور اس کے بعد بھی عیینہ سے کچھ ایسے کام ظاہر ہوئے جو اس کے ایمان کی کمزوری پر دلالت کرتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا وہ آپ کی علامات نبوت سے ہے۔ لیکن گھر میں اس کے داخل ہونے کے بعد آپ کا نرمی سے گفتگو کرنا تالیف قلب کے لئے تھا۔

”فتح الباری میں ہے کہ“ عیینہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ارتداد کی راہ اختیار کی اور مسلمانوں سے لڑائی کی اس کے بعد رجوع کرتے ہوئے دوبارہ اسلام قبول کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بعض فتوحات میں حصہ لیا۔

اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لینا

صحیح بخاری میں ہے:

وما انتقم لنفسه.

نبی اکرم ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰-۶۱۲۶-۶۷۸۶-۶۸۵۳، التہذیب ج ۸ ص ۱۳۶-۱۳۹)

سوال: صحیح روایت میں ہے کہ آپ نے عقبہ بن ابی معیط، عبد اللہ بن مطل اور کچھ دوسرے لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور یہ لوگ آپ کو اذیت پہنچاتے تھے تو یہ عمل اس بات کا خلاف ہے کہ آپ نے اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیا؟

جواب: وہ لوگ آپ کو اذیت پہنچانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حرمت کی توہین بھی کرتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس صورت میں انتقام نہیں لیتے تھے جب تک کوئی ایسا سبب نہ ہو جو کفر تک پہنچاتا ہے جس طرح آپ نے اس دیہاتی کو معاف کر دیا جس نے آپ کے سامنے آواز بلند کر کے آپ کو تکلیف پہنچائی اور اس اعرابی کو بھی جس نے چادر کے ذریعے آپ کو کھینچا حتیٰ کہ آپ کی مبارک گردن پر نشان پڑ گیا۔

داؤدی نے کہا ہے کہ انتقام اس صورت میں نہیں لیتے تھے جب مالی معاملہ ہوتا لیکن عزت کے معاملہ میں آپ نے

انتقام لیا ہے۔

امام حاکم نے یہ حدیث حضرت معمر کے طریق سے روایت کی وہ حضرت زہری سے تفصیلاً روایت کرتے ہیں اس کے شروع میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ذکر کر کے (یعنی نام لے کر) کسی مسلمان پر لعنت نہیں بھیجی اور نہ کسی کو کبھی اپنے ہاتھ سے مارا البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارا ہو اور اگر آپ سے کوئی چیز مانگی تو آپ نے انکار نہیں فرمایا البتہ یہ کہ وہ گناہ کا کام ہو اور کسی سے اپنی ذات کے لئے انتقام بھی نہ لیا البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کی توہین کی جائے تو آپ اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے۔ (المسند رک ج ۲ ص ۶۱۳)

آپ کی بردباری کا نتیجہ

نبی اکرم ﷺ کے خلق اور بردباری کی وسعت کے بارے میں جو کچھ روایت میں کہا گیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ ان منافقین سے بھی اخلاق سے پیش آتے جو آپ سے غائب ہونے کی صورت میں آپ کو اذیت پہنچاتے اور جب آپ کے سامنے ہوتے تو چالپوسی کی راہ اختیار کرتے اور یہ وہ طریقہ ہے جس سے انسان نفرت کرتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے اور نبی اکرم ﷺ کو جب بھی ان پر سختی کی اجازت دی جاتی آپ ان کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیتے پس ان کے لئے بخشش طلب کرتے اور دعا مانگتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

إِسْتَغْفِرُ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

آپ ان کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔

(التوبہ: ۸۰)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے میرے رب نے اختیار دیا ہے پس میں نے طلب مغفرت کو اختیار کر لیا اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ (التوبہ: ۸۰)

اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش طلب کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

تو آپ نے فرمایا: میں ستر سے زیادہ بار بخشش مانگوں گا اور وہ شخص جو ان (منافقین) میں سے بہت بڑا منافق تھا اور آپ کو اذیت پہنچاتا تھا اس کے بیٹے کو اس کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ ۱ اور جب وہ مر گیا تو آپ نے اپنے جسم سے کپڑا اتار کر اسے کفن دیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

(الدر المنثور ج ۳ ص ۲۶۳-ج ۶ ص ۲۲۳، تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۱۳۸، تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۲۸)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کو آپ کے کپڑے سے پکڑ کر کھینچ رہے تھے اور عرض کرتے یا رسول اللہ! آپ منافقوں کے سردار کی نماز جنازہ پڑھیں گے آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کپڑا چھڑایا اور فرمایا: عمر! مجھے چھوڑ۔ تو گویا آپ نے ایک منافق دشمن کے حق میں مؤمن ولی (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کی مخالفت کی۔

(الدر المنثور ج ۳ ص ۲۶۳، سیرۃ النبویہ ج ۳ ص ۱۹۷)

آپ کا یہ عمل امت پر رحمت کا عملی مظاہرہ تھا حرائی نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ فرما۔ تب ہیں: کہا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کے بیٹے (حضرت عبد اللہ) کی دلجوئی کی خاطر اسے اپنی قمیص عطا فرمائی جو اس کے کفن کے طور پر استعمال ہوئی کیونکہ اس کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ صحابی صالح تھے اور انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے قبول فرمایا۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۹۵)

یہ بھی کہا گیا کہ آپ نے عبد اللہ بن ابی کے احسان کا بدلہ دیا تھا کیونکہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر کے دن قیدی بن کر آئے تو اس نے آپ کو قمیص دی تھی۔

۱ جب عبد اللہ بن ابی (منافقوں کے سردار) نے حضور ﷺ کی شان میں نازیبا کلمات کہے تو اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن حضور ﷺ نے منع فرمایا اور حسن سلوک کا حکم دیا۔ (زر قانی ج ۳ ص ۲۰۹)

ان تمام باتوں سے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ کا پتہ چلتا ہے یہ بات معلوم ہے کہ وہ منافق آپ کو کس قدر اذیتیں دیتا تھا لیکن آپ نے اس کے مقابلے میں حسن سلوک کیا اور اپنی قمیص اس کے لئے بطور کفن عطا فرمائی اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لئے بخشش کی دعا کی۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ (القلم: ۴)

بے شک آپ بہت بڑے اخلاق کے مالک ہیں۔ اسی طرح جب لبید بن اعصم نے آپ پر جادو کیا تو آپ نے اس کا بدلہ نہیں لیا۔ نیز اس یہودیہ کو بھی معاف کر دیا جس نے آپ کو زہر دیا تھا صحیح روایت میں اسی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ شاعر پر رحمت فرمائے جس نے یوں کہا:

وَمَا الْفَضْلُ إِلَّا خَاتَمُ أَنْتَ فَصْهَ وَ عَفْوُكَ نَقْشُ الْفَصْ فَخْتَمَ بِهِ عَذْرَى

”اور درجات میں اضافہ ایک مہر ہے اور آپ اس کا نگینہ ہیں اور آپ کا درگزر کرنا اس نگینے کا نقش ہے پس میرے عذر پر بھی مہر لگا دیجئے۔“

گناہ گاروں پر شفقت

نبی اکرم ﷺ کی شفقت میں سے یہ بھی ہے کہ آپ اپنی امت کے ان لوگوں پر بھی شفقت فرماتے جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوتے تھے آپ ان کو پردہ ڈالنے کا حکم دیتے چنانچہ آپ نے فرمایا جو شخص ان برے کاموں (حرام کاموں) کا مرتکب ہو اسے چاہیے کہ اسے چھپائے (لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرے)۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۲) نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۲۳، تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۱۵۷۔ ج ۱۹ ص ۱۰۴، التہذیب ج ۵ ص ۳۲۱، السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۳۰)

اور آپ نے اپنی امت کو حکم دیا کہ جن لوگوں کو حد لگائی جائے ان کے لئے بخشش اور رحمت کی دعا مانگو یہ بات اس وقت فرمائی جب دیکھا کہ صحابہ کرام کو ان پر غصہ آیا اور انہوں نے ان کو لعن طعن کیا۔ آپ نے فرمایا: یوں کہو:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَہُمۡ اَللّٰهُمَّ اَرْحَمۡہُمۡ۔ یا اللہ! اسے بخش دے یا اللہ! اس پر رحم فرما۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۷۷، السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۱۲)

جب شراب حرام ہوگئی اور ایک شخص جو شراب کے نشے میں بار بار آپ کے پاس لایا جاتا تو ایک مرتبہ صحابہ کرام نے اس پر لعنت بھیجی۔ آپ نے فرمایا:

۱۔ ایک سوال جو ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب اس منافق کی نماز جنازہ پڑھی، طلب مغفرت کی اپنی قمیص پہنائی تو اس کی بخشش ہوگئی۔ اس کا جواب حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کی تاثیر کا کنٹرول اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ مؤثر حقیقی ہے جہاں چاہے اس تاثیر کو جاری کرے اور جہاں چاہے روک دے جس طرح آگ جلاتی ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم پر اس اثر کو روک دیا اسی طرح حضور ﷺ کی دعا اور آپ کے جسم سے چھونے والا کپڑا نفع بخش ہے لیکن عبد اللہ بن ابی آپ کا دشمن تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے اس تاثیر کو روک دیا یہ بات حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ نے درس بخاری میں فرمائی اور اس درس میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے طلباء درجہ حدیث ۱۹۷۰ء جن میں راقم بھی تھا حاضر تھے۔ ۱۲ ہزاروی

لا تلعنوه فانہ يحب اللہ ورسولہ۔ اس پر لعنت نہ بھیجیو یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۰، اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۳۸۷-۵۰۲، شرح النجاشی ج ۱ ص ۳۳۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۶۲۵، المغنی ج ۳ ص ۱۲۱)

تو جب صحابہ کرام نے اس کے ظاہری عمل کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا تو آپ نے اس کے دل کے عمل کو ظاہر کر دیا اور اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو پاک کر دے اور ہمارے بڑے بڑے گناہوں کو بخش دے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۳۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۵-۵۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۸۷، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۱۳۳-۵۱۳۵، اتحاف السادة المتقين ج ۱ ص ۱۵۶، ج ۳ ص ۱۴۵، ج ۱ ص ۶، شرح النجاشی ج ۱ ص ۳۲۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۳۱۳، الدر المنثور ج ۵ ص ۲۳۸، ج ۶ ص ۲۳۱، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۹۸، ج ۷ ص ۱۲۲، المغنی ج ۳ ص ۲۶۹، ج ۳ ص ۳۵۱، تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۳۲۶، الکامل ج ۳ ص ۱۶۳۳، زاد المسیر ج ۶ ص ۳۶۰، ج ۷ ص ۲۷۷، تاریخ ابن عساکر ج ۵ ص ۳۳۰)

اس سلسلے میں امام دارقطنی کی روایت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ بلی کے لئے برتن ٹیڑھا کرتے تھے حتیٰ کہ اس سے پانی پیتی پھر آپ اس بچے ہوئے سے وضو فرماتے۔

نبی اکرم ﷺ کی تواضع اور حسن معاشرت

نبی اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ میں سے آپ کی تواضع، آداب، گھروالوں، خدام اور صحابہ کرام سے حسن معاشرت بھی ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا: کہ بندہ حقیقت تواضع تک اسی وقت رسائی حاصل کر سکتا ہے جب نور مشاہدہ کی چمک اس کے دل میں پائی جائے اس وقت نفس پگھلتا ہے اور اسی پگھلنے میں اس کا دل تکبر اور خود پسندی کے کھوٹ سے صاف ہو جاتا ہے اور ان خرابیوں کے آثار مٹ جانے اور ان کے گرد و غبار کے ٹھہر جانے سے نفس حق اور مخلوق کیلئے نرم اور متواضع ہو جاتا ہے۔

ہمارے نبی کریم ﷺ کو مقامات قرب میں تواضع کا بہت زیادہ حصہ ملا اور آپ کی تواضع کے سلسلے میں یہی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا کہ آپ نبوت کے ساتھ بادشاہی رکھیں یا بندگی تو آپ نے نبوت کے ساتھ بندگی کو اختیار فرمایا۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس تواضع کی وجہ سے یہ مقام عطا فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے آپ کے لئے زمین کھلی جائے سب سے پہلے آپ شفاعت فرمائیں گے اور آپ ہی کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے آخر دم تک تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھایا۔

اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: میری تعریف میں حد سے نہ بڑھو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حد سے تجاوز کیا میں صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں پس (مجھے) اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

۱۔ ان کا نام عبد اللہ اور لقب ہمارا تھا اور یہ نبی اکرم ﷺ کو اکثر ہنسیا کرتے تھے۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۶۱)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۵-۶۸۳۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳، مسند احمد ج ۱ ص ۲۳-۲۴، دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۹۷- ج ۵ ص ۳۹۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۸۹۸، الشفاء ج ۱ ص ۱۳۱)

یہ آپ کی تو اضع ہی تھی کہ آپ خادم کو جھڑکتے نہیں تھے۔ ہم نے ترمذی شریف میں روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے دس سال تک نبی اکرم ﷺ کی خدمت کی پس آپ نے مجھے کبھی بھی لفظ اُف نہ کہا اور اگر میں نے کوئی کام کیا تو اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا: کہ تم نے کیوں کیا اور اگر کسی کام کو چھوڑا تو یہ نہیں فرمایا: کہ کیوں چھوڑا؟ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۳، صحیح الترمذی ج ۱ ص ۱۶)

نبی اکرم ﷺ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرتے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو کبھی نہیں مارا اور یہ ایسا کام ہے جسے بشری طبیعتیں اس وقت تک اپنا نہیں سکتیں جب تک ربانی تائیدات حاصل نہ ہوں۔

”صحیح مسلم میں“ مروی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما رايت احدا ارحم بالعيال من رسول الله ﷺ. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳)

میں نے کسی شخص کو نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر اپنے اہل و عیال کیلئے رحم کرنے والا نہیں پایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو اور نہ خادم کو مگر یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے، اسی طرح کسی سے اذیت پہنچتی تو انتقام نہ لیتے البتہ اللہ تعالیٰ کے محارم میں سے کسی کی توہین کی جاتی تو اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم ﷺ جب گھر میں (ازواج مطہرات کے ساتھ) تنہا ہوتے تو آپ کا طریقہ کیا ہوتا؟ فرمایا: آپ بہت زیادہ تبسم فرماتے، خوش رہنے والے ہوتے اور آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان کبھی بھی پاؤں پھیلانے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے فرماتی ہیں:

ما كان احدا احسن خلقا من رسول الله ﷺ. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳)

میں نے رسول اکرم ﷺ سے بڑھ کر کسی شخص کو اللہ ما دعاہ احد من اصحابہ الا قال زیادہ اچھے اخلاق والا نہیں دیکھا آپ کا کوئی بھی صحابی لسیک۔

امام احمد اور ابن سعد نے نقل کیا جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنے کپڑے سیتے اور نعلین مبارک کا نختے تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنے ڈول کو ٹھیک کرتے۔ امام احمد نے ہی روایت کیا کہ آپ اپنے کپڑوں کو صاف کرتے، بکری کا دودھ دوہتے اور اپنا کام خود کرتے۔

تو یہ مختلف اوقات کی بات ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ کے کئی خادم تھے تو کبھی آپ اپنا کام خود کرتے اور کبھی دوسروں کو حکم دیتے اور بعض اوقات ان کے ساتھ شریک ہوتے۔

نبی اکرم ﷺ دراز گوش پر سوار ہوتے اور اپنے پیچھے کسی کو بٹھاتے۔ بنو قریظہ کے ساتھ لڑائی والے دن آپ دراز گوش پر سوار تھے جس کے ناک میں بھجور کے پنوں سے بنی ہوئی رسی کی ٹکیل تھی۔ (المجد رک ج ۲ ص ۴۶۶)

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ ہماری ملاقات کیلئے تشریف لائے جب واپسی کا ارادہ فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دراز گوش آپ کے قریب کیا اور اس پر ایک چادر ڈالی پھر آپ سوار ہوئے۔ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے قیس! نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جاؤ حضرت قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ لیکن میں نے انکار کر دیا آپ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ یا واپس چلے جاؤ۔ ایک دوسری روایت میں ہے میرے آگے سوار ہو جاؤ کیونکہ سواری کا مالک آگے سوار ہونے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۸۵، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۱، الشفاء ج ۱ ص ۱۲۰، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۵۴، تحف السادة المصنفین ج ۷ ص ۱۰۴، تاریخ ابن مساکر ج ۶ ص ۸۹، تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳۲۷)

”صحیح بخاری میں“ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ خیبر سے آئے، میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار تھا اور وہ چل رہے تھے اور نبی اکرم ﷺ کی کوئی زوجہ مطہرہ آپ کے پیچھے تھیں کہ اچانک اونٹنی پھسل گئی تو میں نے کہا خاتون (گر رہی ہیں)۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ تمہاری ماں ہے (کیونکہ حضور ﷺ کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں) چنانچہ میں نے کجاوہ باندھ دیا تو آپ سوار ہوئے۔ حضور ﷺ کے ہمراہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۶۸)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھا میرے اور آپ کے درمیان صرف کجاوے کی پھولی لکڑی تھی اور نبی اکرم ﷺ دراز گوش پر سوار ہوئے جس پر ایک چادر اور اس کے اوپر مقام فندک کا ایک کپڑا تھا اور آپ نے اپنے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھایا تھا۔

نبی اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو بنو عبدالمطلب کے چند بچے آپ کے سامنے آئے تو آپ نے ایک کو اپنے سامنے اور دوسرے کو پیچھے سوار کر لیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ (مکہ مکرمہ) تشریف لائے تو حضرت قثم کو اپنے سامنے اور حضرت فضل کو اپنے پیچھے سوار کیا یا (فرمایا) حضرت فضل کو آگے اور حضرت قثم کو پیچھے سوار کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۷۹۸، ۵۹۶۵، ۵۹۶۶)

محب طبری نے اپنی کتاب ”مختصر السیرۃ النبویہ“ میں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ تنگی پیٹھ والے دراز گوش پر سوار ہو کر قبا تشریف لے گئے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے فرمایا: اے ابو ہریرہ! تمہیں سوار کر لوں؟ عرض کیا یا رسول اللہ! جیسے آپ چاہیں آپ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سوار ہونے کے لئے کودے تو سوار نہ ہو سکے چنانچہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو پکڑا تو دونوں گر گئے پھر آپ سوار ہوئے اور فرمایا: ابو ہریرہ! تمہیں بھی سوار کر لوں؟ عرض کیا جیسے آپ چاہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ وہ سوار نہ ہو سکے اور آپ کو پکڑ لیا چنانچہ پھر دونوں

گر مجھے سرکارِ دو عالم ﷺ نے پھر فرمایا: اے ابو ہریرہ! تمہیں سوار کروں؟ عرض کیا نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ سمجھا ہے تیسری مرتبہ آپ کو گمانا نہیں چاہتا۔

محبِ طبری نے یہ بھی ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ ایک سفر میں تھے تو آپ نے ایک بکری کو پکانے کے لئے صحابہ کرام کو حکم دیا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس کو ذبح کروں گا دوسرے نے کہا یا رسول اللہ! میں اس کی کھال اٹھا دوں گا تیسرے نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس کو پکاؤں گا آپ نے فرمایا: لکڑیاں جمع کرنا میری ذمہ داری ہے۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی جگہ ہم کام کے لئے کافی ہیں آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے تم کافی ہو لیکن میں تم سے ممتاز ہونا پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بندے سے اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ وہ اسے اپنے ساتھیوں سے ممتاز دیکھے۔

میں نے طبری کے علاوہ کسی کے ہاں یہ روایت نہیں پائی ہاں ابو الیسن بن عسا کر کی جزء ”تمثال العلل الشریف“ میں دیکھا انہوں نے حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کی اپنے والد سے روایت کے بعد فرمایا: کہ میں طواف میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے دیجئے تاکہ میں اسے ٹھیک کر دوں آپ نے فرمایا: یہ ”اثرہ“ ہے اور میں ”اثرہ کو پسند نہیں کرتا“۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۳۲ تحف السادة الصالحين ج ۷ ص ۱۰۲)

اثرہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص تنہا ایک کام کرے گویا نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ کوئی شخص تنہا آپ کے نعلین مبارک کو ٹھیک کرے اور وہ خادم کی طرح ہو اور آپ کو بخند و والی بلندی حاصل ہو آپ کا اس بات کو ناپسند کرنا آپ کی تواضع اور ساتھیوں پر برتری اختیار نہ کرنے کی وجہ سے تھا (ورنہ آپ تو تمام مخلوق سے برتر ہیں)۔

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے آپ کو کسی کام میں شامل کرنا چاہا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی جگہ ہم کافی ہیں آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم کافی ہو لیکن میں تم سے مختار ہونا پسند نہیں کرتا اللہ بندے سے اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے امتیازی حیثیت اختیار کرے۔

پھر میں نے اپنے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ) کو دیکھا انہوں نے (المقاصد الحسنہ میں) مشہور احادیث کے ضمن میں یہ بات نقل کی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

حضرت ابوقتاہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نباشی کا وفد آیا تو نبی اکرم ﷺ خود ان لوگوں کی خدمت کرنے لگے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کی جگہ کام کرتے ہیں اور کافی ہیں آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے ہمارے ساتھیوں کی عزت و احترام کیا تو میں ان کو بدلہ دینا پسند کرتا ہوں۔

(دلائل النبوة ج ۲ ص ۳۰۷ تحف السادة الصالحين ج ۷ ص ۱۰۲)

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے کچھ کھجوریں مقرر تھیں (یعنی انصار نے مہاجرین کے لئے کھجوروں کے درخت مقرر کئے کہ وہ ان سے نفع اٹھائیں) یہاں تک کہ جب قریظہ اور نصیر پر فوج حاصل ہوئی تو (حضور ﷺ نے وہ درخت واپس کرنے کا حکم دیا) میرے گھر والوں نے مجھے حضور

علیہ السلام کے پاس بھیجا کہ میں آپ سے ان تمام یا بعض درختوں کی واپسی کا سوال کروں وہ درخت آپ نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو دے رکھے تھے حضرت ام ایمن آئیں اور انہوں نے کپڑا میری گردن میں ڈالا اور کہنے لگیں اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہم تمہیں نہیں دیں گے یہ درخت نبی اکرم ﷺ نے ہمیں دیے ہیں (یا جیسا بھی کہا) نبی اکرم ﷺ فرما رہے تھے تمہیں اس قدر درخت دوں گا اور وہ کہہ رہی تھیں: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں حتیٰ کہ حضور علیہ السلام نے اسے عطا فرمائے اور میرا خیال ہے انہوں نے فرمایا: کہ اس سے دس گنا زیادہ عطا فرمائے یا جیسا بھی انہوں نے فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۲۰ مسند امام احمد ج ۳ ص ۲۱۹ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۸۲ تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۹۲ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۸۱)

حضرت ام ایمن نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا کہ ان کے خیال میں یہ دائمی حصہ تھا اور وہ اس کی مالک بنائی گئی تھیں اور نبی اکرم ﷺ نے یہ درخت واپس لینے کے بعد ان کی دلجوئی کا ارادہ فرمایا اور اس کے عوض میں اضافہ فرماتے تھے حتیٰ کہ وہ راضی ہو گئیں اور یہ سب کچھ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے نیکی اور ان کی عزت افزائی تھی کیونکہ حضرت ام ایمن کو نبی اکرم ﷺ کی پرورش اور تربیت کی وجہ سے اس نیکی اور اعزاز کا حق حاصل تھا اور اس میں آپ کی سخاوت کی فراوانی اور بردباری نیز نیکی کی کثرت مخفی نہیں ہے۔

ایک عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی جس کی عقل میں کچھ خرابی تھی اس نے کہا مجھے آپ سے کچھ کام ہے آپ نے فرمایا مدینہ طیبہ کی جس گلی میں چاہے بیٹھ جا میں تیرے پاس بیٹھ جاؤں گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۱۸ بنوی ج ۷ ص ۱۳۰ مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۲ المغنی ج ۲ ص ۱۹۵ اتحاف السادة المتقين ج ۶ ص ۲۶۲) صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا حتیٰ کہ میں تیری حاجت کو پورا کر دوں۔ چنانچہ آپ اس کے ساتھ ایک راستہ میں تشریف فرما ہوئے حتیٰ کہ وہ اپنی حاجت سے فارغ ہو گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کچھ آپ کی بہت زیادہ تواضع کی وجہ سے ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۶)

حضرت عہد اللہ بن حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ سے ایک سودا کیا اور آپ کی کچھ رقم باقی تھی میں نے وعدہ کیا کہ فلاں جگہ آپ کے پاس حاضر ہوں گا لیکن میں بھول گیا حتیٰ کہ تین دن بعد مجھے یاد آیا تو آپ اسی جگہ پر تھے آپ نے فرمایا تم نے مجھے مشقت میں ڈالا میں تین دن سے یہاں تمہارا منتظر ہوں۔

(السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۹۸ اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۵۰۶)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کسی بیوہ اور مسکین کے ساتھ جا کر اس کا کام کرنے سے نفرت نہیں کرتے تھے۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ کوئی بھی لونڈی حضور علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی۔

امام احمد کی روایت میں ہے کہ وہ اپنے کام کیلئے آپ کو لے جاتی۔

انہی کے نزدیک یہ بھی ہے کہ مدینہ طیبہ والوں کی بچیوں میں سے کوئی بچی آتی اور نبی اکرم ﷺ کا ہاتھ پکڑتی آپ اس سے اپنا ہاتھ نہ چھڑواتے حتیٰ کہ وہ آپ کو جہاں چاہتی لے جاتی۔

ہاتھ پکڑنے سے ساتھ لیجانا مراد ہے۔

یہ واقعہ تواضع کی کئی انواع پر مشتمل ہے کہ اس میں عورت کا ذکر ہے، مرد کا نہیں لونڈی کا ذکر ہے آزاد عورت کا نہیں

اور لونڈی کے لیے بھی عمومیت ہے یعنی کوئی بھی لونڈی ہو (خاص مراد نہیں) اسی طرح یہ الفاظ کہ ”جہاں چاہے“ مطلب یہ ہے کہ جس جگہ بھی لے جائے اور ہاتھ سے پکڑ کر لے جانے کے ذکر میں انتہائی درجہ کے تصرف کی طرف اشارہ ہے حتیٰ کہ اگر اسے مدینہ طیبہ سے باہر کوئی کام ہوتا اور وہ اس حالت میں آپ سے مدد طلب کرتی تو آپ اس کی مدد فرماتے یہ آپ کے بہت زیادہ تواضع اختیار کرنے اور تکبر کی تمام اقسام سے برأت کی علامت ہے۔

نبی اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ (جو ابھی بچے تھے) داخل ہوئے اور آپ کی پیٹھ مبارک پر سوار ہو گئے آپ نے سجدے میں دیر لگا دی حتیٰ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اتر گئے جب آپ فارغ ہوئے تو کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے سجدہ لہا کر دیا فرمایا میرے بیٹے نے مجھے سواری بنا دیا (اور میری پیٹھ پر سوار ہو گیا) تو میں تے جلدی کرنا مناسب نہ سمجھا۔

(السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۶۳ تاریخ ابن عساکر ج ۳ ص ۳۲۰ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۶ مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۴)

نبی اکرم ﷺ بیماروں کی عیادت کرتے اور جنازے میں شرکت فرماتے۔
نبی اکرم ﷺ نے ایک پرانے کجاوے پر چڑھ فرمایا اور اس پر جو کپڑا تھا اس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی آپ نے دعا مانگی:
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَبًّا لَا رِبَاَ فِيْهِ وَلَا مُنْعَةً.
یا اللہ! اس (کپڑے) کو ایسا حج بنا جس میں ریا کاری اور شہرت نہ ہو۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۲۱ شمائل ترمذی ص ۱۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۹۰)

نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز پڑھتے تو مدینہ طیبہ کے خدام اپنے برتن لے کر حاضر ہوتے جن میں پانی ہوتا پس آپ کے پاس جو برتن بھی لایا جاتا آپ اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالتے بعض اوقات سردی کی صبح حاضر ہوتے تو آپ اس میں دست مبارک ڈالتے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴۰ مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۷ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۸۰۸ شرح السنہ ج ۱ ص ۲۴۳ الدلائل ج ۱ ص ۳۳۳ تاریخ بغداد ج ۴ ص ۹ المغنی ج ۱ ص ۳۳۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۶۳۔ ۳۹۴۷)

اہل خانہ سے معاشرت

نبی اکرم ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے نہایت اچھا سلوک فرماتے تھے اور آپ ان کے ساتھ آرام فرما ہوتے۔
امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: یہ نبی اکرم ﷺ کا ظاہری عمل ہے جسے آپ ہمیشہ کرتے تھے حالانکہ آپ ہمیشہ رات کے وقت قیام فرماتے پس ان (ازواج مطہرات) میں سے کسی ایک کے ساتھ آرام فرما ہو جاتے اور جب عبادت مقررہ کے لئے کھڑا ہونے کا ارادہ فرماتے تو ان کو چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے پس وظیفہ عبادت اور ان کے مستحب حق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو جمع فرماتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاوند کا اپنی بیوی کے ساتھ ایک بستر پر ہونا افضل ہے خصوصاً جب اس کی حالت معلوم ہو کہ وہ اس بات کی حرص رکھتی ہے اور اس کے ساتھ سونے سے وطنی کرنا لازم نہیں آتا۔ واللہ اعلم

نبی اکرم ﷺ انصار کی بچیوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بلاتے تاکہ وہ ان کے ساتھ کھیلیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۳۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۸۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱)

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا برتن سے پانی نوش فرماتیں تو سرکارِ دو عالم ﷺ اس جگہ وہیں مبارک رکھتے جہاں انہوں نے رکھا اور پھر پانی نوش فرماتے۔

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہڈی سے گوشت نوج کرکھاتیں تو آپ ان سے لے کر اسی جگہ منہ رکھتے جہاں انہوں نے رکھا ہوتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۳۰، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۷۶۰-۱۷۷۰، مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۷) آپ ان کی گود میں تکیہ لگاتے اور روزے کی حالت میں بھی ان کا بوسہ لیتے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۲۲۰، مسند احمد ج ۶ ص ۸۶-۸۷، ۲۹۴-۳۰۰، ۳۱۸، التہذیب ج ۳ ص ۱۶۵، مسند الشافعیہ ص ۱۱۱، مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۱۰)

مسجد میں جہشی کھیل رہے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یوں یہ کھیل دکھایا کہ انہوں نے آپ کے مبارک کاندھے کا سہارا لے رکھا تھا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے تو جہشی رقص کرنے لگے اور بچے ان کے گرد تھے آپ نے فرمایا: اے عائشہ! آؤ اور دیکھو (فرماتی ہیں) میں آئی اور میں نے اپنے جڑے رسول اکرم ﷺ کے کاندھے پر رکھ دیئے پس میں آپ کے کاندھے اور سرانور کے درمیان سے ان لوگوں کو دیکھتی رہی آپ نے فرمایا: کیا تو سیر نہیں ہوتی (دوبار فرمایا) میں نے جواب دیا نہیں، نہیں۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۹۱، فتح الباری ج ۱ ص ۵۶۲)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑنے کا مقابلہ کیا تو وہ آپ سے آگے نکل گئیں اس کے بعد پھر مقابلہ کیا تو آپ ان سے آگے نکل گئے آپ نے فرمایا: یہ اس کا بدلہ ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۷۸، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۵۱، المغنی ج ۲ ص ۳۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۶۱۳)

امام ابوداؤد نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا فرماتی ہیں: کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا تو پیدل دوڑ میں میں آپ سے آگے نکل گئی جب میرا وزن زیادہ ہو گیا تو اس وقت مقابلے میں آپ مجھ سے آگے نکل گئے آپ نے فرمایا یہ اس پہلے مقابلے کا بدلہ ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ہم لوگ ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ روٹی اور گوشت کا ایک پیالہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے آیا اور نبی اکرم ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا آپ نے فرمایا: اپنے ہاتھ ڈالو پس حضور علیہ السلام نے بھی ہاتھ مبارک ڈالا اور ہم نے بھی ہاتھ ڈال کر کھانا شروع کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھانا بنا رہی تھیں تو انہوں نے جلدی کی وہ اس پیالے کو دیکھ چکی تھیں جب کھانا پکا چکیں تو اسے لا کر رکھ دیا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پیالہ اٹھا کر توڑ دیا آپ نے فرمایا: اللہ کے نام سے کھاؤ تمہاری ماں کو غیرت آگئی پھر ان کا پیالہ حضرت ام سلمہ کو دے دیا اور فرمایا: کھانے کی جگہ کھانا اور برتن کی جگہ برتن۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۹۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۸۲۵)

”صحیح بخاری میں“ ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ آپ اپنی ایک زوجہ مطہرہ کے پاس تھے تو ایک ام المؤمنین نے پیالہ بھیجا جس میں کھانا تھا تو آپ جس زوجہ کے گھر میں تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ پر مارا تو پیالہ ٹوٹ گیا نبی اکرم ﷺ نے پیالے کے ٹکڑے جمع کئے پھر اس میں وہ کھانا اکٹھا کیا اور فرمایا: تمہاری ماں کو غیرت آگئی۔ پھر خادم کو روک دیا

اور جب اس زوجہ کی طرف سے پیالہ آیا جو اس گھر میں تھیں تو وہ پیالہ ان کے پاس بھیج دیا جن کا پیالہ ٹوٹا تھا اور ٹوٹا ہوا پیالہ اسی گھر میں رکھ لیا۔

امام احمد، امام ابو داؤد اور امام نسائی رحمۃ اللہ نے یوں نقل کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ میں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جیسی کھانا پکانے والی خاتون نہیں دیکھی انہوں نے کھانے کا ایک برتن نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تو میں اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکی اور میں نے اسے توڑ دیا (پھر) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کھانے جیسا کھانا اور برتن جیسا برتن ہے۔

دوسرے محدثین کے نزدیک یوں ہے فرماتی ہیں: کہ میں نے حضور علیہ السلام کے سامنے سے پیالہ اٹھایا اور اسے (زمین پر) دے مارا اور توڑ دیا تو نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور کھانا اور گوشت اٹھاتے ہوئے فرمانے لگے تمہاری ماں کو غیرت آئی اور ام المؤمنین سے کوئی مواخذہ نہ فرمایا۔

تو نبی اکرم ﷺ کے خلق کریم کی وسعت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آثار غیرت کے بھرے ہوئے برتنوں (یعنی شدید غیرت) پر غالب آگئی اور آپ متاثر نہ ہوئے بلکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بدلے کا فیصلہ فرمایا۔ نبی اکرم ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ یہی طریقہ تھا آپ ان سے مواخذہ نہ فرماتے بلکہ ان کا عذر قبول فرماتے اور اگر ان پر عدل کا ترازو قائم کرنا ہوتا تو کسی پریشانی اور غصے کے بغیر قائم فرماتے بلکہ آپ مہربان رحم فرمانے والے ازواج مطہرات اور دوسری خواتین (کے ایمان) کی حرص رکھنے والے تھے اور جو چیز ان کو مشقت میں ڈالتی وہ آپ پر گراں گزرتی تھی۔

کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیرت میں کسی فعل کے مرتکب پر مواخذہ نہ کیا جائے کیونکہ اس حالت میں سخت غصے کی وجہ سے عقل پر پردہ چھا جاتا ہے۔

حضرت ابو یعلیٰ نے صحیح سند کے ساتھ جس میں کوئی حرج نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ غیرت میں آنے والی کو وادی کے اوپر والے حصے سے اس کا نچلا حصہ بھی نظر نہیں آتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ میں حضور علیہ السلام کے پاس خزیروہ لے کر آئی جسے میں نے پکایا تھا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کھائیں نبی اکرم ﷺ ہم دونوں کے درمیان تھے انہوں نے انکار کر دیا میں نے کہا کھائیں انہوں نے (پھر) انکار کر دیا میں نے کہا آپ کھائیں ورنہ میں آپ کے چہرے پر مل دوں گی انہوں نے انکار کر دیا چنانچہ میں نے خزیروہ میں ہاتھ ڈالا اور ان کے چہرے پر مل دیا نبی اکرم ﷺ ہنس پڑے اور اپنی ران میرے سامنے رکھ کر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کہ ان کے چہرے پر بھی مل دیں چنانچہ انہوں نے میرے چہرے پر بھی مل دیا اور آپ مسکراتے رہے۔

اس حدیث کو ابن غیلان نے ہاشمی کی روایت سے نقل کیا اور الملاء (عمر الموصلی) نے اپنی سیرت (کی کتاب) میں اسے ذکر کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کے اہل خانہ، صحابہ کرام اور ان کے علاوہ فقراء، یتیموں، یتیموں، یتیموں اور یتیموں اور گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو بہت زیادہ پانی میں اچھی طرح ملایا جاتا ہے پھر اس پر آٹا ڈالتے ہیں تو یہ خزیروہ ہے۔

مساکین کے ساتھ آپ کے حسن سیرت میں غور کرتا ہے اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ دل کی نرمی کے سلسلے میں اس انتہاء اور بلندی پر پہنچے تھے کہ مخلوق کیلئے اس سے اوپر پہنچنے کی کوئی جگہ نہیں۔
اگرچہ آپ اللہ تعالیٰ کی حدود حقوق اور دین کے معاملے میں سختی فرماتے تھے مگر چور کا ہاتھ کاٹ دیتے اور اس کے علاوہ سزائیں دیتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا

نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام سے اس قدر خندہ پیشانی سے پیش آتے کہ اس سے آپ کی محبت ان کے دلوں میں جا گزریں ہو جاتی ایک شخص جس کا نام زہیر (زہر بھی لکھا ہے) تھا اور وہ جنگل میں رہتا تھا وہ نبی اکرم ﷺ کے لئے وہ چیز (نمبری وغیرہ) بطور تحفہ لاتا جو جنگل میں موجود ہوتی اور آپ اس کو شہر کی کوئی چیز تحفہ کے طور پر عنایت فرماتے۔
اور آپ فرماتے: کہ زہیر ہمارے دیہاتی ہیں اور ہم ان کے شہری ہیں اور نبی اکرم ﷺ ان سے محبت کرتے تھے ایک دن آپ بازار کی طرف تشریف لے گئے تو ان کو کھڑا پایا چنانچہ آپ ان کی پیٹھ کی طرف سے آئے اور ہاتھ ڈال کر ان کو اپنے سینے سے ملایا حضرت زہیر کو معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ ہیں تو وہ فرماتے ہیں: میں برکت حاصل کرنے کی امید سے اپنی پیٹھ کو آپ کے سینے سے ملنے لگا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۱ الاصابہ رقم الترجمہ: ۲۷۷۳)

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے شاکل میں روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے پیچھے کی جانب سے ان کو اپنی ہانہوں میں لے لیا اور وہ دیکھ نہیں رہے تھے انہوں نے کہا مجھے چھوڑ دو کون ہے؟ جب توجہ کی تو نبی اکرم ﷺ کو پہچان لیا اب انہوں نے اپنی پیٹھ کو نبی اکرم ﷺ کے سینہ مبارک سے رگڑنے میں کوئی کمی نہ کی (یعنی) جب آپ کو پہچان لیا۔
نبی اکرم ﷺ فرمانے لگے: کون اس غلام کو خریدے گا؟ حضرت زہیر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس صورت میں آپ مجھے بے قیمت پائیں گے آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت قیمتی ہو۔

ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ تم اللہ تعالیٰ کے ہاں بے قیمت نہیں ہو یا فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے ہاں بیش قیمت ہو۔ (شاکل ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۱)

حضرت ابو یعلیٰ نے حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کو گھسی کا ایک ڈبہ اور شہد بھیجا کرتا تھا جب وہ دوکاندار رقم کا تقاضا کرتا تو وہ اسے آپ کی خدمت میں لے آتا اور کہتا اس شخص کے سامان کا حق (قیمت) عطا کیجئے۔

تو نبی اکرم ﷺ صرف مسکرا دیتے اور حکم دیتے چنانچہ اسے عطا کر دیا جاتا۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۲۸ مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۳۲۹)

حضرت محمد بن عمرو بن حزم کی روایت میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں جو غنی چیز آتی وہ اس میں سے خرید کر آپ کی خدمت میں لے آتا اور عرض کرتا یا رسول اللہ! میں یہ چیز آپ کی خدمت میں تحفہ کے طور پر پیش کرتا ہوں جب دوکاندار قیمت لینے آتا تو وہ اسے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور کہتا کہ اس کی رقم دیجئے آپ پوچھتے کیا تم نے بطور تحفہ نہیں لیا تھا تو وہ کہتا میرے پاس تو کچھ نہیں پس آپ مسکراتے اور دوکاندار کے لئے اس کی قیمت ادا کرنے کا حکم فرماتے۔

مزاح نبوی ﷺ

نبی اکرم ﷺ خوش طبعی فرماتے ہیں: لیکن سچ بات ہی فرماتے جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جو سوچے سمجھے بغیر بات کرتا تھا نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے سوار کیجئے (سواری دیجئے) تو آپ نے اس سے تفصیل کے ساتھ مردہ بات کہی جس سے اس کو اس بیماری سے (عدم تفکر سے) شفا حاصل ہو جائے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۴۸)

آپ نے فرمایا: میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کراؤں گا تو اس نے بچے کے لفظ سے اونٹنی کا چھوٹا ہونا سمجھا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اونٹنی کا بچہ میرے کس کام کا ہے؟ آپ نے فرمایا: تجھ پر افسوس! اونٹ کو اونٹنی ہی جنتی ہے یہ حدیث امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے نقل کی ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۹۸ اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۸۶۰ الاذکار النوبیہ رقم الحدیث: ۲۸۹ شرح السنن ج ۳ ص ۱۸۲ البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۴۸)

آپ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے خوش طبعی فرمائی وہ بوڑھی خاتون تھیں تو آپ نے ان سے فرمایا: کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی جب وہ پریشان ہوئیں تو آپ نے ان سے فرمایا: کہ تم عورتیں جنت میں جو ان ہو جاؤ گی۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۱۹ شامل ترمذی رقم الحدیث: ۱۲۲ تاریخ اسمہان ج ۱ ص ۱۳۲ تفسیر طبری ج ۷ ص ۸۰ تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۹) ترمذی شریف کی روایت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بوڑھی خاتون حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے جنت میں داخل کرے آپ نے فرمایا: اے فلاں! جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہیں جائے گی فرماتے ہیں: وہ روتی ہوئی واپس ہوئی تو آپ نے فرمایا: اسے بتاؤ کہ بڑھاپے کی حالت میں نہیں داخل ہوگی کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّا أَنْشَأْنَاكُمْ مِنْ نَسَاءٍ فَجَعَلْنَاكُمْ بَشَرًا مِمَّنْ لَا يَخْلُقُ أَهْلًا لَهَا ۝۱۰ (واقفہ: ۳۵) انہیں کنواریاں بنایا۔

اس حدیث کو ابن رزین نے ذکر کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خوش طبعی فرماتے ان سے کھل مل کر رہتے ان سے گفتگو کرتے اور اپنے ساتھ مانوس کرتے نیز ان کے معاملات کی تدبیر میں شریک ہوتے ان کے بچوں کے ساتھ خوش طبعی فرماتے اور ان کو اپنی گود میں بٹھاتے اس کے باوجود آپ کا قلب مبارک جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ملکوت کی سیر کرتا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی اور اسے حسن قرار دیا کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں سچ بات ہی کہتا ہوں۔

اور نبی اکرم ﷺ سے خوش طبعی اور کھیل کود کے سلسلے میں جو نرمی وارد ہوتی ہے وہ اس میں زیادتی پر محمول ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اہم دینی امور میں غور و فکر سے دوری ہو جاتی ہے اور جو آدمی اس (دوری) سے محفوظ ہو اس کے لئے یہ جائز ہے اور اگر اس میں کوئی مصلحت بھی ہو جس طرح مخاطب کے دل کو خوش کرنا اور حضور علیہ السلام بھی اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے تھے تو اس صورت میں یہ مستحب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر خوش اخلاق تھے اور میرا ایک بھائی تھا جسے ابوعمیر کہا جاتا تھا اور اس کا ایک چھوٹا سا (چڑیا کی طرح کا) پرندہ تھا (جسے غیر کہتے تھے) وہ پرندہ مر گیا ایک دن وہ (میرا بھائی) حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے غمگین دیکھا فرمایا: اسے کیا ہوا؟ گھر والوں نے عرض کیا اس کا پرندہ مر گیا ہے آپ نے فرمایا:

یا ابا عمیر ما فعل النغیر۔ اے ابوعمیر! غیر (چھوٹا پرندہ) کو کیا ہوا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۹-۶۲۰۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۰، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۶۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۵-۱۱۹، ۱۹۰-۲۰۱، ۲۷۸-۲۸۸)

ترمذی شریف کی روایت میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ ہم سے گھل مل جاتے حتیٰ کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے: یا ابا عمیر ما فعل النغیر۔

جو ہری کہتے ہیں النغیر تنفر کی تصغیر ہے اور تنفر الغرة کی جمع ہے اور یہ چڑیا جیسا چھوٹا سا پرندہ ہے اس کی جمع نغران بھی آتی ہے جیسے مرد اور مردان۔

نبی اکرم ﷺ کو جس طرح خوش طبعی کا وصف ملا تھا اسی طرح آپ کو رعب کے وصف سے بھی موصوف کیا گیا۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے سامنے کھڑا ہوا تو اس پر سخت کچکی اور خوف طاری ہو گیا آپ نے فرمایا اپنے آپ پر آسانی کرو میں بادشاہ یا ظالم و جابر (متکبر) نہیں ہوں میں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو مکہ مکرمہ میں خشک گوشت کے ٹکڑے کھاتی تھی۔

اس کے بعد اس شخص نے اپنی حاجت بیان کی اور پھر نبی اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا:

یا ایہا الناس انی اوحی الی ان تواضعوا
الا فتواضعوا حتی لا یغی احد علی احد
ولا یفخر احد علی احد و کونوا عباد اللہ
اخوانا۔ اے لوگو! میری طرف وحی کی گئی کہ تم لوگ تواضع اختیار کرو سنو! پس تم تواضع اختیار کرو حتیٰ کہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے پر زیادتی (اور سرکشی) نہ کرے اور نہ کوئی شخص دوسرے پر فخر کرے اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

پس آپ کا خوف شفقت میں بدل گیا کیونکہ آپ مومنوں پر مہربانی رحم فرمانے والے ہیں اور آپ سے ملوکیٹ کا وصف لیا گیا کیونکہ آپ نے فرمایا: میں بادشاہ نہیں ہوں۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۷۸-۴۲۱۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۹۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۳، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۶۵، معجم الجوامع رقم الحدیث: ۲۷۱۹، الدر المنثور ج ۳ ص ۱۱۳، ج ۶ ص ۱۱۱، المغنی ج ۲ ص ۱۹۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۸۹۸، اتحاف السادة المتکلمین ج ۷ ص ۱۰۵، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۵۸، علیہ الاولیاء ج ۲ ص ۱۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۳۳)

کیونکہ ملوکیٹ کے لئے جبر لازم ہے اور آپ نے تواضع کے طور پر فرمایا: کہ میں ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کے ٹکڑے کھاتی تھی کیونکہ قدیمہ کھانا نہیں بلکہ وہ مسکین لوگوں کا کھانا ہے۔

اور جب قبیلہ بنت مخزمہ نے نبی اکرم ﷺ کو مسجد میں رانوں کو کھڑا کر کے پیٹ سے ملاتے ہوئے اور ہاتھوں سے گھیرا بانڈھ کر بیٹھے دیکھا تو وہ خوف کی وجہ سے کانپنے لگیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۴۷)

امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی مجلس اختیار کی تو میں نے آپ سے حیا کرتے ہوئے اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے کبھی بھی آنکھ بھر کر آپ کی طرف نہیں دیکھا اور اگر مجھے کہا جائے کہ میں آپ کا وصف بیان کروں تو مجھے اس کی طاقت نہیں۔

تو جب یہ ان کا قول ہے اور آپ جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں تو اگر نبی اکرم ﷺ ان کے ساتھ خوش طبعی نہ فرماتے ان کے لئے عاجزی اختیار نہ کرتے اور ان کو اپنے ساتھ مانوس نہ کرتے تو ان میں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ بیٹھنے پر قادر نہ ہوتا اور آپ کی ہیبت و جلال کی وجہ سے جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا آپ کا کلام نہ سن سکتے۔

اس بات کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے کہ جب آپ فجر کی نماز (سنتوں) سے فارغ ہوتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو کرتے اگر وہ بیدار ہوتیں ورنہ زمین پر لیٹ جاتے پھر نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر آپ اسی حالت میں جس پر آپ ہوتے تھے تشریف لے جاتے اور اللہ تعالیٰ سے مناجات اور اس کے کلام کی سماعت وغیرہ احوال سے جو قرب آپ کو حاصل ہوتا تھا اور زبان اسے بیان کرنے سے قاصر ہے تو (ای صورت میں تشریف لے جانے) کی وجہ سے کوئی شخص آپ سے ملاقات اور میل جول کی طاقت نہ رکھتا اس لئے آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کلام فرماتے یا زمین پر لیٹ جاتے تاکہ ان (صحابہ کرام) کی جنس (یعنی زمین) سے انس حاصل ہو تو یہ انس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا اصل خلقت کی جنس یعنی زمین کے ذریعے انس حاصل کرتے پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف تشریف لے جاتے اور یہ سب کچھ مسلمانوں پر نری کرنے کی غرض سے ہوتا اور آپ مومنوں پر مہربان تھے۔

یہ بات ابن حجاج (محمد بن محمد بن محمد ابن الحجاج ابو عبد اللہ العبدری المالکی) نے المدخل میں ذکر کی ہے۔

(الاعلام ج ۷ ص ۲۵ الدرر النکاح ج ۳ ص ۲۳۷ دیاج المذہب رقم الحدیث: ۳۲۷۰ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۶۳۳)

حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ آپ نبی بادشاہ ہوں یا نبی بندہ تو آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا آپ ان سے مشورہ لے رہے ہوں تو حضرت جبریل علیہ السلام نے زمین کی طرف دیکھا یعنی تواضع کا مشورہ دیا پس نبی اکرم ﷺ نے بندگی کو اختیار فرمایا۔

پس جب آپ کی تواضع زمین کی طرف تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس طرف اشارہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان کی طرف بلندی عطا فرمائی پھر رفرف اعلیٰ اس کے بعد ”قاب قوسین او ادنیٰ“ کی ترقی عطا فرمائی۔

حضرت محمود بن ربیع چھوٹے سے پانچ سال کے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے مزاح کے طور پر اس کے منہ پر منہ کے ذریعے پانی ڈالا تو اس کی برکت یہ ہوئی کہ بڑا ہونے کے بعد ان کے ذہن میں صرف پانی کی اسی کلی کا خیال باقی رہا اور نبی اکرم ﷺ کو دیکھنا انہیں یاد نہ رہا تو ان کو صحابہ کرام میں شمار کیا گیا اور ان کا واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۵۳، مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۱)

نبی اکرم ﷺ کی ربیبہ حضرت زینب بنت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) حاضر ہوئیں اور آپ غسل خانہ میں تھے تو آپ نے ان کے چہرے پر پانی ڈالا تو اس کی برکت یہ ہوئی کہ ان کے چہرے میں کبھی تندی نہیں آئی اور جب وہ بہت بوڑھی ہو گئیں تب بھی ان کے چہرے پر جوانی ثابت تھی اور چہرہ پر رونق تھا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے۔

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ آپ صحابہ کرام اپنے اہل بیت اور اجنبی اور قریبی سب کے ساتھ کشادہ دل، خندہ پیشانی اور اچھے اخلاق سے پیش آتے اور جس سے ملاقات ہوتی اسے سلام کرتے اور جو آپ کو (کسی مقصد کے لئے) ٹھہراتا چاہتا اس کے ساتھ ٹھہر جاتے اور کبھی کبھی بچوں اور بڑوں کے ساتھ خوش طبعی فرماتے لیکن سچ بات ہی فرماتے دعوت دینے والے کی دعوت قبول فرماتے اور پہلوئے رحمت جھکاتے حتیٰ کہ آپ کے صحابہ کرام میں سے ہر ایک یہی خیال کرتا کہ آپ اس سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

اور اس میدان میں تم واجب، مستحب یا مباح عمل پاؤ گے پس نبی اکرم ﷺ مخلوق سے میل جول رکھتے اور کشادہ روئی سے پیش آتے تاکہ وہ جہالت کی تاریک راتوں کے اندھیروں میں آپ کے نور ہدایت سے منور ہوں اور آپ کی سیرت طیبہ کو مشعل راہ بنائیں۔

صحابہ کرام کے ساتھ ہم نشینی

عام طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ کی مجلس ذکر الہی اور ترغیب و ترہیب کی مجلس ہوتی تھی اور وہ یا تو تلاوت قرآن سے ہوتی یا وہ حکمت اور موعظت حسنہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی نیز اس بات کی تعلیم جو دینی اعتبار سے نفع بخش ہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو وعظ و نصیحت کرنے اور واقعات بیان کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت و موعظت سے بلائیں خوشخبری دیں اور (جہنم سے) ڈرائیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کی یہ مجالس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں نرمی پیدا کرتیں دنیا سے دوری اور آخرت کی رغبت کا درس دیتی تھیں۔

جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں کیا ہے کہ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہو جاتے ہیں دنیا سے بے رغبت اور آخرت والے بن جاتے ہیں اور جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو گھر والوں سے گھل مل جاتے ہیں اپنی اولاد کی خوشبو سونگھتے اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس حالت میں تم مجھ سے جدا ہوتے ہو اگر اسی حالت پر رہو تو فرشتے تمہارے گھروں میں تمہاری ملاقات کے لئے آئیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۱۰)

اس حدیث کو امام احمد، امام ترمذی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

تواضع کی صورتیں ۱

نبی اکرم ﷺ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی کسی کھانے پینے کی چیز میں عیب بیان نہیں کیا اگر طبیعت مبارکہ چاہتی تو کھالیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۷۱-۱۸۸۱ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۳-۳۵۹۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۶۳ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۸۳۰ مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶)

اور یہ اس وقت ہوتا جب کھانا جائز ہوتا اور اگر حرام ہوتا تو اس میں عیب بیان کرتے اس کی مذمت کرتے اور اس سے منع فرماتے بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر اس میں پیدائشی طور پر عیب ہوتا تو اسے ناپسند کرتے اور اگر اس کو بنانے

کے اعتبار سے ہوتا تو مکروہ نہ جانتے اور فرماتے اللہ تعالیٰ کے بنانے میں کوئی عیب نہیں اور انسانوں کے بنانے میں عیب ہے۔

’فتح الباری میں فرمایا کہ“ ظاہر بات عموم ہے (یعنی عیب بالکل نہ نکالتے) کیونکہ اس میں پکانے والے کی دل شکنی ہوتی ہے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کھانے کے تاکیدِ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ ان میں عیب نہ نکالا جائے مثلاً یہ نمکین ہے، کڑوا ہے، نمک کم ہے، گاڑھا ہے، پتلا ہے، کچا ہے وغیرہ وغیرہ۔

نبی اکرم ﷺ کی تواضع کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ لوگ اس دنیا کو گالی دیتے اور یہ بات عام تھی لیکن آپ نے فرمایا: دنیا کو گالی نہ دو پھر اس کی تعریف فرماتے ہوئے فرمایا: یہ مؤمن کی بہترین سواری ہے اسی پر سوار ہو کر آدمی بھلائی تک پہنچتا ہے اور اسی کے ذریعے شر سے بچتا ہے اور فرمایا زمانے کو گالی نہ دو۔

اس حدیث کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یوں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: یوں نہ کہو:

خبیثۃ الدھر فان اللہ هو الدھر۔ زمانے کی طرف سے نقصان کیونکہ اللہ تعالیٰ (کا حکم ہی) زمانہ ہے۔

انہی کے الفاظ میں یوں بھی آیا ہے:

یسب بنو ادم الدھر وانا الدھر بیدی اللیل والنہار۔ انسان زمانے کو گالی دیتا ہے اور میں (اللہ تعالیٰ) زمانہ ہوں (زمانے کو پیدا کرنے والا ہوں) رات اور دن میرے قبضے میں ہیں۔

اور صحیح مسلم میں اس طرح ہے:

لا یسب احدکم الدھر۔ تم میں کوئی شخص زمانے کو گالی نہ دے۔

اس حدیث کی تاویل میں تین باتیں کہی گئی ہیں۔

۱۔ ”اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے“ سے مراد یہ ہے کہ وہ زمانے کے امور کی تدبیر فرماتا ہے۔

۲۔ مضاف مقدر ہے یعنی ”صاحب الدھر“ وہ زمانے والا ہے۔

۳۔ اصل میں ”مقلب الدھر“ ہے یعنی زمانے کو بدلنے والا ہے اسی لئے ایک روایت میں اس کے بعد فرمایا کہ اسی کے قبضے میں رات اور دن ہیں۔

(اتحاف السادة المستعین ج ۱ ص ۱۱۰ کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۹۶ اکمال ج ۱ ص ۳۰۴ مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۵-۳۹۱-۳۹۶۔

۳۹۹ ج ۵ ص ۲۹۹-۳۱۱ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۷۱ المغنی ج ۳ ص ۳۹۱ تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۳۱۰ حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۵۸ تاریخ

اصفہان ج ۱ ص ۱۲۰-۱۶۱-۳۳۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۱۵۱ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۶۵ زاد المسیر ج ۷ ص ۳۶۳)

محققین نے فرمایا کہ جو شخص زمانے کی طرف سے کسی فعل کی حقیقی نسبت کرے اس نے کفر کیا اور اگر کسی کی زبان پر یہ الفاظ عقیدے کے طور پر جاری نہ ہوں تو وہ کافر نہیں لیکن ایسا کہنا مکروہ ہے کہ اس طرح کا کلام کفار کے اقوال کی

مشابہت رکھتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے زیادہ آسان کو اختیار فرمایا بشرطیکہ وہ گناہ کی بات نہ ہوتی اور اگر گناہ ہوتا تو آپ اس سے دور بھاگتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۷۸۶-۶۱۲۶-۳۵۶۰-۶۷۸۶-۶۱۲۶-۳۵۶۰)
سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۵۰ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۵ التبیان ج ۸ ص ۱۳۸ (ص ۱۳۹)

مطلب یہ کہ جب دنیوی امور میں سے دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا۔ اختیار دینے والے کا ذکر نہ کر کے عموم کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا یا مخلوق کی جانب سے، اور یہ جو فرمایا کہ اگر گناہ کی بات نہ ہوتی تو زیادہ آسان کو اختیار فرماتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ آسان بات گناہ کا تقاضا نہ کرتی ورنہ آپ سخت بات کو اختیار فرماتے۔

امام طبرانی نے ”اوسط میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس میں فرمایا: کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کام نہ ہوتا آپ زیادہ آسان کو اختیار فرماتے اور گناہ والے کام اور جس میں گناہ نہ ہو اس کے درمیان مخلوق کی طرف سے اختیار واضح ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی تواضع کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ آپ کے دروازے پر کوئی دربان نہ ہوتا تھا جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے اور وہ قبر کے پاس رو رہی تھی آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کرو اس نے کہا آپ اپنا کام کریں آپ میرے والی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوئے۔ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ آگے تشریف لے گئے پھر ایک شخص اس عورت کے پاس سے گزرا اور اس نے کہا رسول اکرم ﷺ نے تم سے کیا کہا تو اس نے کہا میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا اس نے کہا وہ رسول اکرم ﷺ تھے۔ چنانچہ وہ آپ کے دروازے پر آئی تو وہاں کوئی دربان نہ تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۲۳، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۵۲-۱۲۸۳-۱۳۰۲-۱۵۴)

لیکن حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کنوئیں کی منڈیر پر تشریف فرما ہوئے تو وہاں دربان تھا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۸ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۹۷)

ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا گیا کہ جب آپ گھر والوں کے ساتھ مشغول نہ ہوتے اور نہ کوئی ذاتی کام کر رہے ہوتے تو اپنے اور صحابہ کرام کے درمیان سے پردہ اٹھالیتے اور حاجت مند کے سامنے ہو جاتے۔

نبی اکرم ﷺ نے جب قسم کھائی کہ آپ ایک مہینے تک ازواجِ مطہرات کے پاس نہیں جائیں گے اور اس دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے سیاہ غلام حضرت رباح نے اجازت طلب کی اس سلسلے میں مذکور ہے کہ جب آپ تنہائی اختیار فرماتے تو دربان مقرر فرماتے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اجازت لینے کی ضرورت نہ پڑتی اور آپ کو یوں کہنا نہ پڑتا کہ اے رباح میرے لئے اجازت مانگو۔

لیکن اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجازت طلب کرنے کا سبب یہ ہو کہ حضور علیہ السلام آپ پر ناراض ہوں کہ شاید آپ اپنی صاحبزادی (حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا) کی سفارش کے لئے آئیں ہیں اس لئے آپ نے جائزہ لینا مناسب سمجھا جب نبی کریم ﷺ نے آپ کو اجازت دے دی تو آپ مطمئن ہو گئے۔

کیا حاکم پردہ ڈال سکتا ہے؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ حاکم کو چاہیے کہ دربان نہ رکھے۔

لیکن دوسرے حضرات نے اسے جائز قرار دیا ہے پہلے قول کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جب لوگ سکون کی حالت میں ہوں اور وہ بھلائی پر نیز حاکم کی اطاعت پر جمع ہوں۔ اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ مقدمات کو ترتیب دینے اور جھگڑا کرنے والوں کو روکنے نیز شریر کو زور کرنے کے لئے دربان رکھنا مستحب ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا حیا مبارک ۱۔

نبی اکرم ﷺ کے حیا کے سلسلے میں جو کچھ مروی ہے اس ضمن میں صحیح بخاری کی یہ حدیث تمہیں کافی ہے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ أشد حياء من رسول اکرم ﷺ پردہ میں رہنے والی کنواری لڑکی العذراء فی خدرها۔ سے بھی زیادہ حیا دار تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۲-۶۱۰۲-۶۱۱۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷، مسند احمد ج ۳ ص ۷۷-۹۱، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۸۰، دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۱۶، المغنی ج ۲ ص ۳۵۵، مشکوٰۃ المصابیح ج ۳ ص ۵۸، الشفاء ج ۱ ص ۱۱۸، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۰۶، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶-۲۷، فتح الباری ج ۶ ص ۵۶۶، اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۹۹، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۲، شرح السنن ج ۳ ص ۲۵۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۱۷)

یہ حدیث کمال کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ کنواری لڑکی اپنے پردے کے مقام پر باہر نکلنے کے مقابلے میں زیادہ حیا کرتی ہے کیونکہ خلوت میں برائی واقع ہونے کا خدشہ ہوتا ہے تو ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ صورت ہے جب کنواری لڑکی کے پاس اس کے مقام پردہ میں کوئی جائے اسکا تنہا ہونا مراد نہیں لفظ حیا مد کے ساتھ حیا (زندگی) سے بنا ہے اسی سے ”الحیا للمطر“ ہے لیکن یہ الف مقصورہ کے ساتھ ہے (ممدودہ کے ساتھ نہیں) دل میں جس قدر زندگی ہوتی ہے اسی حساب سے اس میں حیا کا وصف پایا جاتا ہے اور حیا کی قلت دل اور روح کی موت سے ہے اور جب دل زندہ ہو تو حیا زیادہ مکمل ہوتا ہے۔

حیا کا لغوی معنی تبدیلی اور انکسار ہے جو انسان کو عیب والے کام سے روکتا ہے۔

اور بعض اوقات کسی سبب کی بنیاد پر کسی چیز کو چھوڑنا حیا کہلاتا ہے اور چھوڑنا حیا کے لوازم میں سے ہے۔ شرعی اصطلاح میں حیا ایک ایسا وصف ہے جو برے کاموں سے اجتناب پر ابھارتا اور حقدار کے حق میں کمی سے روکتا ہے۔

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دل میں پائی جانے والی مصیبت کا نام ہے اسکے ساتھ ساتھ اس کام سے

۱۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۱۸)

۲۔ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ کا نام ثوبان بن ابراہیم ہے اور آپ ان مشائخ میں سے ایک ہیں جن کا رسالہ قیصریہ میں ذکر ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

دشت بھی ہوتی ہے جو انسان سے اس کے رب کی طرف جاتا ہے۔

(الاعلام ج ۲ ص ۱۰۲، فیات الامیان ج ۱ ص ۱۰۱، تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۹۳، لسان المیزان ج ۲ ص ۲۳۷، میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۳۱)

محبت بولتی ہے 'حیاء' خاموش رہتا ہے اور خوف میں اضطراب ہوتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ (مشہور عالم تھے ۲۵۸ھ میں نیشاپور میں فوت ہوئے) فرماتے ہیں: جو شخص اطاعت کے وقت اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہے وہ گناہ کے وقت بھی حیاء کرتا ہے۔ یہ کلام تشریح کا محتاج ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ سے حیاء کا وصف غالب ہو حتیٰ کہ وہ عبادت کے وقت بھی حیاء کرتا ہو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا دل اس طرح جھکا ہوتا ہے جس طرح حیاء کرنے والے شرمندگی اختیار کرنے والے کا سر جھکتا ہے پس جب اس سے کوئی گناہ واقع ہوتا ہے تو وہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے سے حیاء کرتا ہے۔

(الاعلام ج ۸ ص ۷۲، صفة الصغیر ج ۳ ص ۷۱، طبقات الصوفیہ رقم الحدیث: ۱۰۷)

کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احترام کو پیش نظر رکھتا ہے تو وہ اس بات سے حیاء کرتا ہے کہ جو ذات اس کی ولی اور اس کے قریب ہے وہ اس سے ایسا کام دیکھے جو عیب پیدا کرتا ہے اور اس بات کا عام طور پر مشاہد ہوتا ہے کہ ایک شخص جب ایسے آدمی کو دیکھتا ہے جو اس کے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ خاص اور زیادہ محبوب و مقرب ہے وہ اس کا ساتھی ہو یا اولاد یا کوئی دوسرا محبوب ہو اور وہ اس سے خیانت کرتا ہو تو اسے اس بات پر اطلاع پانے سے عجیب حیاء آتا ہے گویا وہ خود مجرم ہے اور یہ انتہائی کرم ہے۔

حیاء کی اقسام

حیاء کی آٹھ قسمیں ہیں جن کا احاطہ بہت طویل ہے۔

حیائے کرم: جیسے نبی اکرم ﷺ کا ان لوگوں سے حیاء کرنا جن کو آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کی دعوت دی اور دیر تک آپ کے پاس ٹھہرے رہے اور آپ نے ان کو واپس جانے کے لئے کہنے سے حیاء فرمایا۔

محبت کا محبوب سے حیاء کرنا: حتیٰ کہ جب اس سے غائب ہونے کی حالت میں اس کے دل میں کوئی خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کے دل میں حیاء پیدا ہوتا اور وہ اسے اس کے چہرے پر محسوس کرتا ہے لیکن اس کے سبب سے آگاہ نہیں ہوتا۔

بندگی کا حیاء: اکسیں محبت اور خوف بھی ملا ہوتا ہے اور اس بات کا مشاہدہ کہ اس کی بندگی اس کے معبود کے لئے صلاحیت نہیں رکھتی اور اس (معبود) کی قدر اس کی عبودیت سے بلند و بالا ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا محالہ اس سے حیاء کو واجب کرتا ہے۔

انسان کا اپنے آپ سے حیاء کرنا: شریف بلند مرتبہ نفس کا اپنے لئے حیاء کرنا یہ ہے کہ نقصان اور معمولی چیز پر قناعت کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کو اپنے ہی نفس سے حیاء کرنے والا پاتا ہے حتیٰ کہ اس کے لئے نفس ہوتے ہیں اور وہ ان میں سے ایک نفس کے ساتھ دوسرے نفس سے حیاء کرتا ہے اور یہ زیادہ کامل حیاء ہے کیونکہ بندہ جب اپنے آپ سے حیاء

(سابقہ حاشیہ) انہوں نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ سے اور ان سے حضرت جنید رحمۃ اللہ سے روایت کیا آپ اپنے دور میں علم ادب اور

تقویٰ میں یکساں تھے آپ کا وصال ۲۴۵ھ میں ہوا۔

کرتا ہے تو دوسروں سے حیاء کرنا زیادہ لائق ہوتا ہے۔

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ حیاء بھلائی لاتا ہے اور حیاء ایمان سے ہے یہ بات حضرت امام بخاری نے نقل کی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۱۸-۶۱۱۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۷، المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۰۶، اتحاف السادة المحققین ج ۸ ص ۳۰۸، الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۳۱۸-۱۳۱۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۰۷۱، الترفیب والترہیب ج ۳ ص ۳۹۷، شرح السنہ ج ۱۳ ص ۷۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۷۶۳)

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ اور دوسرے حضرات نے فرمایا: کہ حیاء کو ایمان سے قرار دیا گیا اگرچہ وہ فطری چیز ہے کیونکہ یہ قانون شریعت کے مطابق اس کا استعمال ارادہ اور اکتساب کا محتاج ہے۔

اور امام قرطبی رحمۃ اللہ نے فرمایا: حیاء کسی چیز ہے اور شارع نے اسے ایمان سے کہا ہے اور بندہ اس کے حصول کا مکلف ہے یہ فطری نہیں البتہ جس میں یہ فطرت پایا جائے تو وہ اسے اکتساب پر مددگار ہوتا ہے حتیٰ کہ قریب ہے کہ اس کے لئے فطری بن جائے۔

اور نبی اکرم ﷺ میں یہ دونوں قسمیں پائی جاتی تھیں پس آپ فطری حیاء میں اس کنواری عورت سے بھی زیادہ حیاء کرتے تھے جو اپنے پردے کی جگہ میں حیاء کرتی ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے یہ بھی فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ حیاء کی وجہ سے کسی کے چہرے کی طرف نہیں دیکھتے تھے۔

اپنے رب کا خوف ۱

نبی اکرم ﷺ کے اپنے رب سے خوف کے بارے میں جاننے سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ خوف، وجل اور رمہ ان تینوں الفاظ کے معانی قریب قریب ہیں لیکن مترادف نہیں ہیں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ سانسوں کے جاری ہونے کے مقامات پر ہز اکاڈر خوف ہے۔

کہا گیا ہے کہ ڈرانے والے کو یاد کرتے وقت دل کی حرکت اور اضطراب خوف کہلاتا ہے۔

بعض نے کہا کہ احکام کے جاری ہونے کی قوت علم خوف ہے لیکن یہ خوف کا سبب ہے نفس خوف نہیں۔

یہ بھی کہا گیا کہ مکروہ چیز کے شعور کے وقت اس کے آنے سے دل کا بھاگنا خوف ہے۔

خشیت خوف کے مقابلے میں خاص ہے کیونکہ یہ علماء کے ساتھ خاص ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۚ بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے علماء

(الفاطر: ۲۸) ڈرتے ہیں۔

اور خشیت ایسے خوف کو کہتے ہیں جس میں معرفت ملی ہوئی ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱ (الشفا ج ۱ ص ۱۳۳)

انا اتقاكم لله واشدكم له خشية. میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں اللہ کے ہاں اور سب سے زیادہ خشیت والا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰-۶۱۰۱-۲۳۰۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳-۷۳، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۳-۱۳۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۷-ج ۵ ص ۳۳۳، ج ۶ ص ۶۱، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۶۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۶۳)

پس خوف حرکت کا نام ہے اور خشیت میں سکر جانا اور سکون ہوتا ہے جو شخص دشمن اور سیلاب وغیرہ کو دیکھتا ہے اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ وہ اس سے بھاگنے کے لئے حرکت کرتا ہے اور یہ حالت خوف ہے اور دوسری حالت اس کا ایسے مقام پر سکون و قرار کے ساتھ ٹھہرنا جہاں یہ (دشمن وغیرہ) نہ پہنچ سکیں اور یہ خشیت ہے۔ اور رعبت، مکروہ بات سے بھاگنے میں بہت تیزی اختیار کرنا اور یہ رعبت کی ضد ہے کیونکہ رعبت مرغوب چیز کی طلب میں دل کے سفر کو کہتے ہیں۔

اور وجہ اس کے ذکر سے دل کا دھڑکنا ہے جس کے اقتدار اور سزا سے ڈر محسوس ہوتا ہو۔ اور ہیبت ایسا خوف ہے جس کے ساتھ تعظیم اور بزرگی کو تسلیم کرنا بھی متصل ہو اور اکثر مصیبت معرفت اور محبت کے ساتھ ہوتی ہے اور اجلال ایسی تعظیم کا نام ہے جو محبت سے ملی ہوئی ہو۔ پس خوف عام مسلمانوں کے لئے، خشیت، عارفین کے لئے، ہیبت، محبت کرنے والوں اور اجلال مقررین کے لئے ہوتا ہے اور خوف و خشیت ظلم و معرفت کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الہی لا علمکم باللہ واشدکم له خشية. اور اللہ تعالیٰ کی معرفت تم سب سے زیادہ رکھتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔

اور ارشاد فرمایا:

لو تعلمون ما اعلم لضحككم قليلا و لبيكنم كشيروا. اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۲۱-۶۳۸۵-۶۶۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳-۱۳۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲-۲۳۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۹۱-۳۱۹۰، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۲-۳۵۳-۵۰۲، ج ۳ ص ۱۸۰-۲۶۸، سنن داری ج ۲ ص ۳۰۶، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۳۸، المعجم الکبیر ج ۷ ص ۲۹۸، المسد رک ج ۳ ص ۶۳۵-۶۳۰، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۰، الدر المنثور ج ۳ ص ۲۶۵، مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۳۰۵، الشفاء ج ۱ ص ۱۳۲، اتحاف السادة المتقين ج ۲ ص ۶۶-ج ۷ ص ۲۹۶، المغنی ج ۱ ص ۹۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۰۹۳-۳۰۸۹۵-۳۰۸۹۷-۳۱۰۲۳)

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ بصری اور قلبی معارف کے ساتھ خاص ہیں اللہ تعالیٰ بعض اوقات آپ کے علاوہ امت کے مخلصین کو بھی اس پر مطلع فرماتا ہے لیکن یہ اطلاع اجمالی ہوتی ہے اور اس کی تفصیل صرف نبی اکرم ﷺ کے لئے ہے۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

والذی نفس محمد بیدہ لو رايتہ
ما رايت لضحكتم قليلا ولبكينہ
کثیرا
اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد
ﷺ کی جان ہے اگر تم وہ چیز دیکھو جو میں نے دیکھی ہے تو
تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ آپ نے کیا دیکھا ہے؟ فرمایا: میں نے جنت اور جہنم کو دیکھا
ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۶-۱۲۷، مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۱۳۶)

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو علم الیقین اور عین الیقین کے ساتھ ساتھ خشیت قلبی بھی عطا فرمائی اور عظمت الہیہ بھی
آپ کے پیش نظر تھی اور یہ سب کچھ آپ کے لئے اس طرح جمع کیا گیا جس طرح دوسروں کے لئے جمع نہیں کیا اسی لئے
آپ نے فرمایا:

ان اتقاکم و اعلمکم باللہ انا۔
بے شک تم سب سے زیادہ متقی اور اللہ تعالیٰ کی
معرفت رکھنے والا میں ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۰۷، فتح الباری ج ۱ ص ۹۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۹۹۱)

یہ صحیح حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

نبی اکرم ﷺ جب نماز پڑھتے تو رونے کی وجہ سے آپ کے اندر سے اس طرح کی آواز آتی جس طرح ہنڈیا سے
آواز آتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۰۴، مسند احمد ج ۳ ص ۲۵-۲۶، سنن نسائی ج ۳ ص ۱۳)

ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس طرح ذکر کیا کہ چکی کی طرح آواز آتی تھی یعنی خوف خدا کی وجہ سے روتے اور اس کی
آواز آتی اور کہا گیا ہے کہ آپ کے اندر جوش پیدا ہوتا اور ہنڈیا کی طرح کا ابال ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ کی شجاعت ۱۔

نبی اکرم ﷺ کی شجاعت دلیری احکام خداوندی (کے نفاذ) میں قوت اور شدت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس
قول سے واضح ہے آپ فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ بخشنے والے اور سب لوگوں سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک
رات اہل مدینہ خوف زدہ ہوئے تو لوگ اس آواز کی طرف چل پڑے تو نبی اکرم ﷺ سے ان کی ملاقات یوں ہوئی کہ
آپ واپس آ رہے تھے آپ اس آواز کی طرف صحابہ کرام سے پہلے چلے گئے اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر
طلب خیر کے لئے تشریف لے گئے آپ کی گردن میں تلوار تھی اور آپ فرما رہے تھے خوف زدہ نہ ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۴۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۷، انصاف السادة السنین ج ۷ ص ۱۳۸-۱۳۹-۱۴۰، ۳۲۲)

حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۶۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۸۱۳)

ایک روایت میں ہے مدینہ طیبہ میں خوف پھیل گیا تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے ان کا گھوڑا

۱۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۶۱، انصاف السادة السنین ج ۱۱ ص ۱۱۳)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۲۷-۲۸۲۰-۲۸۲۲-۲۸۶۶-۲۸۶۷-۲۹۰۸-۲۹۱۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸-۳۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۸۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۷۴، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۸۵-۱۶۸۶، مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۷-۱۴۳-۲۹۱، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۷۰، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۶۳، اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۵۸)

”صحیح بخاری کی ہی“ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ اکیلے ہی گھوڑے کو ایڑ لگا کر چل پڑے پھر صحابہ کرام سوار ہوئے اور انہوں نے آپ کے پیچھے (اپنی ساریوں کو) ایڑ لگائی آپ نے فرمایا تم ہرگز خوف زدہ نہ ہو گے (نیز فرمایا) یہ گھوڑا (تجربہ، فطرت، سبب) اس دن کے بعد کوئی گھوڑا اس سے آگے نہ نکل سکا۔

اس حدیث شریف میں آپ کی بہادری کا بیان ہے کہ آپ صحابہ کرام سے پہلے دشمن کی طرف تشریف لے گئے یعنی جوں ہی آپ کو معلوم ہوا آپ نے جلدی کی اور صحابہ کرام کے وہاں پہنچنے سے پہلے واپس تشریف لے آئے۔

آپ نے جو فرمایا کہ ہم نے اس کو مسند پر پایا اس کا یہی مطلب ہے یعنی تیز رفتار پایا۔
حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے گھوڑوں میں ایک گھوڑا مندوب نامی تھا ہو سکتا ہے
نہ گھوڑا حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے آپ کے پاس آیا ہو۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے یہ دو گھوڑے ہوں اور دونوں کا ایک ہی نام ہو۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:
 ما رایت اشجع ولا انجد من رسول
 اللہ ﷺ. (سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۰۰)

میں نے نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر کسی شخص کو زیادہ
 بہادر اور جوانمرد نہیں دیکھا۔

ابن اسحاق نے اپنی کتاب ”السيرة میں“ اور دوسرے حضرات نے بھی ذکر کیا کہ مکہ مکرمہ میں ایک طاقتور شخص تھا جو اچھا پہلوان تھا اور دوسرے علاقوں سے لوگ اس سے کشتی لڑنے آتے تو وہ ان کو بچھاڑ دیتا ایک دن وہ مکہ شریف کی ایک گھاٹی میں تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی اس سے ملاقات ہو گئی آپ نے فرمایا: اے رکابہ! کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور میری دعوت کو قبول نہیں کرتے یا جو کچھ آپ نے فرمایا۔

دعوت کو قبول نہیں کرنے یا بوچھاڑنے کی سزا دیا۔

رکانہ نے کہا اے محمد ﷺ! کیا آپ کی صداقت پر کوئی گواہ ہے؟ آپ نے فرمایا: بتاؤ! اگر میں تمہیں بچھاڑ دوں تو تم

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ گے؟ اس نے کہا ہاں اے محمد! آپ نے فرمایا: کشتی لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ اس نے کہا میں تیار ہو گیا نبی اکرم ﷺ اس کے قریب ہوئے اور اس کو پکڑ کر بچھاڑ دیا۔
راوی کہتے ہیں: رکناہ کو اس پر تعجب ہوا پھر آپ نے اپنی بات کو دہرایا اور دوبارہ کشتی لڑنے کے لئے فرمایا دو تین مرتبہ ایسا ہوا تو رکناہ تعجب کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا اور کہا آپ کی شان عجیب ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۸۳۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۰۷۰ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۰۱ دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۵۰)
اس حدیث کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں ابو جعفر محمد بن رکناہ سے روایت کیا (یعنی یہی رکناہ) اور امام ابوداؤد امام ترمذی نیز امام بیہقی نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

نبی اکرم ﷺ نے رکناہ کے علاوہ بھی ایک جماعت کو بچھاڑا ان میں ابو الاسود الجعفی بھی ہے جس طرح امام سہیل نے فرمایا اور امام بیہقی نے روایت کیا اور یہ شخص اس قدر سخت تھا کہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس آدمی اس کے کناروں کو کھینچتے تاکہ اس کے پاؤں کے نیچے سے نکالیں چڑا پھٹ جاتا لیکن اس کے پاؤں کے نیچے سے نہ نکلتا اس نے نبی اکرم ﷺ کو مقابلے کے لئے بلایا اور کہا اگر آپ مجھے بچھاڑ دیں تو میں آپ پر ایمان لاؤں گا نبی اکرم ﷺ نے اسے بچھاڑ دیا لیکن وہ ایمان نہ لایا اس کا طویل واقعہ ہے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بنو قیس کے ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ کیا غزوہ حنین کے دن تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہم مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے تو ان لوگوں نے ہم پر تیروں کی بارش کر دی اور میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ اپنی سفید خچر پر تھے اور ابوسفیان بن حارث نے اس کی لگام پکڑی ہوئی تھی اور آپ فرما رہے تھے:

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب۔ میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں (اور) میں عبد المطلب

کا بیٹا (پوتا ہوں)۔

یہ نبی اکرم ﷺ کی شجاعت تامہ کی انتہاء ہے کیونکہ ایسے دن میں آپ لڑائی کی شدت میں تھے اور آپ کا لشکر آپ سے بکھر گیا اور پھر یہ کہ آپ کی خچر تیز رفتار بھی نہ تھی اور وہ ادھر ادھر ہونے اور بھاگنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی تھی اس کے باوجود آپ اسے ان لوگوں کی جانب ایڑ لگا رہے تھے اور اپنا نام بلند کر رہے تھے تاکہ وہ لوگ بھی آپ کو پہچان لیں جو نہیں پہچانتے (ﷺ)۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب لڑائی سخت ہو جاتی تو ہم نبی اکرم ﷺ کے ذریعے پناہ لیتے یعنی آپ کو آگے کرتے اور آپ دشمن کے سامنے اور ہم آپ کے پیچھے ہوتے۔

رسول اکرم ﷺ کا جود و کرم ۱۔

نبی اکرم ﷺ نہایت سخی، کریم تھے سخاوت ایک طبعی فطری وصف ہے اور اس کے مقابلے میں بخل اور لالچ ہے اور یہ نفسانی صفت کے لوازم میں سے ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

۱۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۳ الشفاء ج ۱ ص ۱۱۱)

وَمَنْ يَنْوِقْ شُجَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (الحشر: ۹)

اور جس کو نفس کی لالچ اور بخل سے بچا لیا گیا پس وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

تو انہی لوگوں کے لئے فلاح کا ذکر کیا گیا جو بخل سے بچتے ہیں اسی طرح جو خرچ کرتا ہے وہ بھی فلاح پاتا ہے ارشاد خداوندی ہے:

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ (البقرہ: ۳)

اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

پھر آخر میں فرمایا:

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (البقرہ: ۵)

وہی فلاح (کا میابی) پانے والے ہیں۔

اور فلاح، دونوں جہانوں کی سعادت کا جامع نام ہے۔ آدمی سے بخل (اور لالچ) تعجب خیز بات نہیں کیونکہ یہ فطری بات ہے البتہ طبعی طور پر اس کا بھنی ہونا تعجب کی بات ہے۔ اور سخاوت، جود کے مقابلے میں زیادہ کامل ہوتی ہے۔ جود کے مقابلے میں بخل اور سخاوت کے مقابلے میں لالچ (لالچ) ہے۔

جود اور بخل بطور عادت کس کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں جب کہ شح (لالچ) اور سخاوت طبعی ضرورت سے ہیں پس ہر بخی، جواد ہوتا ہے اور ہر جواد بخی نہیں ہوتا۔

جود میں ریا کاری بھی آ جاتی ہے اور انسان اس لئے جود کرتا ہے کہ وہ مخلوق یا اللہ تعالیٰ سے کوئی غرض رکھتا ہے یعنی مخلوق سے تعریف اور اللہ تعالیٰ سے ثواب مقصود ہوتا ہے۔

لیکن سخاوت میں ریا کاری نہیں آتی کیونکہ وہ ایسے پاکیزہ نفس سے صادر ہوتی ہے جو اغراض سے بلند ہے۔ عوارف المعارف میں ایسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ بخی تھے۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔

اجود اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو جود سے بنا ہے یعنی جس کے لئے جو مناسب ہے اسے وہ عطا کرنا اور معنی یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سب سے زیادہ بخی تھے تو جب آپ کا نفس مبارک تمام نفوس سے زیادہ حامل شرافت اور مزاج شریف سب سے زیادہ معتدل مزاج تھا تو ضروری تھا کہ آپ کا فعل بھی سب سے اچھا فعل ہو، آپ کی صورت مبارک بھی سب سے زیادہ حسین ہو۔

۲۔ سخاوت میں ریا کو دخل نہیں اس لئے کہ وہ ایسے نفس سے پیدا ہوتی ہے جو پاک ہے اور جس کی سرشت بلندی ہے ایسے بلند ہمت انسان سخاوت کے عوض دنیا اور آخرت کے معاوضہ کے خواہش مند نہیں ہوتے کیونکہ عوض طبعی سے بخل کا احساس ہوتا ہے۔

(عوارف المعارف ص ۳۲۹، مطبوعہ پروگریسو بکس اردو بازار لاہور)

اور آپ کے اخلاق بھی سب سے اچھے ہوں لہذا اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ بخي تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ باقی رہنے والی نیکیوں کے ذریعے فانی چیزوں سے بے نیاز تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا صرف تین اوصاف کو ذکر کرنا جامع گفتگو سے ہے کیونکہ یہ تین باتیں اخلاق کی جز ہیں کیونکہ ہر انسان میں تین قوتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ قوت غصیہ - اور اس کا کمال شجاعت ہے۔

۲۔ قوت شہوانیہ - اور اس کا کمال جود ہے۔

۳۔ قوت عقلیہ - اور اس کا کمال حکمت بھری گفتگو ہے۔

”صحیح مسلم کی“ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے جو کچھ مانگا گیا آپ نے عطا فرمایا ایک شخص حاضر ہوا تو آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان بکریاں عطا فرمادیں وہ اپنی قوم کی طرف گیا تو کہا اے قوم! اسلام لاؤ بے شک حضرت محمد ﷺ اس قدر عطا کرتے ہیں کہ فقر کا خوف نہیں رہتا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ نے ہی حضرت صفوان بن امیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ آپ نے مجھے عطا کیا جو عطا کیا آپ میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ ناپسندیدہ تھے لیکن آپ مجھے عطا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب قرار پائے۔

ابن شہاب فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو حنین کے دن ایک سو بکریاں دیں پھر ایک سو اور اس کے بعد ایک سو مزید عطا فرمائیں۔

واقعی کے معافی میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس دن حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو وادی بھری ہوئی بکریاں اور اونٹ عطا فرمائے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اس قسم کا عمل کوئی نبی ہی خوشدلی سے کر سکتا ہے۔

حضرت ابن جابر پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے انہوں نے فرمایا:

هذا الذي لا يتقى فقرا اذا يعطى ولو كثر الانعام وداموا

وادم من الانعام اعطى املا فتحيروا لعطائه الا وهام

”یہ وہ ذات ہے جسے عطا کرتے وقت فقر کا خوف نہیں ہوتا اگرچہ لوگ زیادہ ہوں اور ہمیشہ مانگتے رہیں

وہ جانوروں کی بھری وادی عطا کرتے ہیں پس ان کی عطا پر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔“

نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس قدر مال اس لئے عطا فرمایا کہ آپ جانتے تھے کہ ان کی بیماری اس دوا کی بغیر زائل نہیں ہوگی اور یہ (دوا کی) احسان ہے پس نبی اکرم ﷺ نے ان کا علاج اس طرح کیا حتیٰ کہ وہ کفر کی بیماری سے ٹھیک ہو گئے اور اسلام قبول کیا۔

اور یہ نبی اکرم ﷺ کی شفقت، رحمت اور مہربانی سے ہے کہ آپ نے ان سے کمال احسان کا معاملہ کیا اور جہنم کی آگ سے بچا کر جنت کے شہدے لطف کی طرف لے گئے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب نبی اکرم ﷺ کا وصف بیان کرتے تو یوں کہتے:

كان اجود الناس كفا واصدق الناس
 لهجة. اور زبان کے حوالے سے سب سے سچے تھے۔
 ابن عدی ضعیف سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:
 انا اجود بنی آدم. میں تمام انسانوں سے بڑھ کر سچی ہوں۔

(اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۹۷، الترفیب والترہیب ج ۲ ص ۳۲۰، فتح الباری ج ۱ ص ۴۱)
 اور بلاشبہ نبی اکرم ﷺ مطلقاً تمام انسانوں سے بڑھ کر سچی تھے جیسا کہ آپ سب سے زیادہ فضیلت والے سب سے زیادہ عالم سب سے زیادہ بہادر اور تمام اوصاف حمیدہ میں سب سے زیادہ کامل ہیں۔
 اور نبی اکرم ﷺ جو دو سخاوت کے تمام انواع کے ساتھ سچی تھے کہ آپ علم اور مال بھی عطا فرماتے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اس کے دین کے اظہار بندوں کو ہدایت دینے اور ہر طریقے سے ان کو نفع پہنچانے ان میں سے بھوکوں کو کھانا کھلانے جاہلوں کو وعظ کرنے ان کی حاجتوں کو پورا کرنے اور ان کے بوجھوں کو برداشت کرنے کے سلسلے میں اپنی ذات والا صفات کے ذریعے کوشش کرتے۔
 حضرت ابن جابر نے کیا خوب کہا:

ووجهه بين منهل ومنسجم	بیروی حدیث الندی والبشر عن یدہ
بحر ومن فمه در لمنتظم	من وجه احمد لی بدر ومن یدہ
والمزن من کل هام الودق مرتکم	یمم نیسا تباری الريح انملہ
لم تلق اعظم بحر منه ان تعم	لو عامت الفلک فیما فاض من یدہ
به ودع کل طامی الموج ملتظم	تحیط کفاه بالبحر المحيط فلذ
کل الانام وروت قلب کل ظمی	لو لم تحط کفه بالبحر ما شملت

”آپ کی سخاوت اور خندہ پیشانی کی حدیث آپ کے دست مبارک سے روایت کی جاتی ہے اور آپ کے روئے انور (دید کی پیاسی نظروں کے لئے) پانی گرنے کی جگہ اور چشمہ ہے آپ کے چہرے سے میرے لئے چودھویں کا چاند اور آپ کے دست مبارک سے سمندر ہے اور موتی پروٹنے والے کے لئے آپ مونہہ سے موتی ہیں اس نے ایسے نبی کا قصد کیا جس کی انگلیوں کی پوریں ہوا اور موسلا دھار بارش برسانے والے بادل سے مقابلہ کرتی ہیں اگر افلاک ان کی سخاوت کے سمندر میں غوطہ لگائیں تو اس سے بڑا سمندر نہیں پائیں گے ان کے دونوں ہاتھ بحر محیط کو گھیرے ہوئے ہیں ان ہاتھوں کی پناہ لے اور ٹھانٹیں مارتی موج کو بھول جا اگر ان کا دست مبارک سمندر کو محیط نہ ہوتا تو جہان بھر کو شامل نہ ہوتا اور نہ ہی پیاسے دلوں کو سیراب کر سکتا۔ تو وہ ذات پاک ہے جس نے آپ کی مبارک پیشانی کے افق میں جمال کے انوار چمکائے اور آپ کے دائیں ہاتھ کے بادلوں کو بارش برسانے والے بادل بنا دیا۔“

”صحیح بخاری میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

ما سئل رسول اللہ ﷺ عن شیء قط
نہی اکرم ﷺ سے جو کچھ بھی مانگا گیا آپ نے بھی
بھی ”نہ“ نہیں فرمایا۔
لفقال لا۔

یعنی ایسا نہیں ہوا کہ آپ سے دنیا کی کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ نے انکار کیا ہو۔
فرزدق شاعر (ہام بن غالب التمیمی الداری ۱۱۰ھ میں بصرہ میں وفات پائی) (الاعلام ج ۸ ص ۹۳) فیات الامیان
ج ۴ ص ۱۹۶ الاغانی ج ۹ ص ۳۶۷ شعر الشعراء ص ۳۳۲ نے کہا:

ما قال لا قط الا فی تشہده
لو لا التشہد کانت لازہ نعم
”آپ نے تشہد کے علاوہ کبھی بھی ”لا“ نہیں فرمایا اور اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ کا ”لا“ بھی نعم (یعنی
ہاں) ہوتا۔“

لیکن ہمارے شیخ المصنف حضرت حافظ ابو الفضل ابن حجر (عسقلانی رحمۃ اللہ) نے فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ
سے جو کچھ بھی مانگا جاتا آپ لازماً عطا فرماتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ سوال کو رد نہ فرماتے بلکہ اگر آپ کے پاس ہوتا تو
عطا فرماتے اگر آسانی سے عطا کیا جاسکتا ورنہ خاموش رہتے وہ فرماتے ہیں اس کا بیان حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی
ایک مرسل روایت میں ہے جسے ابن سعد نے نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

جب آپ سے کچھ مانگا جاتا اور آپ عطا کرنا چاہتے تو نعم (ہاں) فرماتے اور اگر عطا کرنا نہ چاہتے تو خاموش
رہتے۔

اور یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے قریب ہے کہ آپ نے کسی کھانے میں کبھی بھی عیب نہیں بتایا
اگر چاہتے تو تناول فرماتے ورنہ چھوڑ دیتے۔

حضرت شیخ عز الدین بن عبد السلام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ عطا نہ فرماتے تو ”ملا“ نہ
فرماتے اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ آپ عذر پیش کرتے ہوئے بھی یہ بات نہ فرماتے جیسے ارشاد خداوندی ہے:
قلت لا اجد ما احمکم علیہ۔
آپ فرماتے ہیں میں وہ چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں
سوار کروں۔

اور ان دو باتوں میں فرق پوشیدہ نہیں یعنی ”میں وہ چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں“ اور ”میں تمہیں سوار نہیں
کرتا۔“

اور یہ اس بات کی مثل ہے جو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب اشعریوں نے نبی اکرم
ﷺ سے سواریاں طلب کیں تو آپ نے فرمایا:

ما عندی ما احمکم۔
میرے پاس وہ چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں۔

لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے قسم کھائی کہ آپ ان کو سوار نہیں کریں گے پس فرمایا:
واللہ لا احمکم۔
اللہ کی قسم میں تم لوگوں کو سوار نہیں کروں گا۔

تو ممکن ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے عموم سے اس بات کو خاص کیا گیا ہو کہ جب آپ سے وہ چیز مانگی

جاتی جو آپ کے پاس نہ ہوتی اور سائل کو معلوم ہوتا کہ یہ چیز آپ کے پاس نہیں ہے یا جب خاموشی پر اکتفاء وقت اور مقام کا تقاضا نہ ہوتا یا سائل کی حالت کا تقاضا ہوتا کہ جواب دیں گویا وہ عادت سے واقف نہ ہوتا تو اس وقت سائل کی حاجت کے باوجود آپ کی خاموشی سے وہ بار بار سوال کرتا۔

تو اس پر قسم کھانا سائل کی طمع کو ختم کرنے کے لئے تھا اور ان دو قولوں یعنی ”میں وہ چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں“ اور ”اللہ کی قسم میں تمہیں سوار نہیں کروں گا“ کو جمع کرنے میں راز یہ ہے کہ پہلا قول اس بات کو بیان کرنے کے لئے تھا کہ آپ سے جو کچھ مانگا گیا وہ آپ کے پاس نہیں اور دوسرے قول میں اس بات کا بیان ہے کہ آپ صرف اسی سوال کو پورا کرنے میں تکلف فرماتے جو قرض مانگنے کی صورت میں ہوتا یا بطور ہبہ مانگا جاتا کیونکہ اس صورت میں مجبور کرنا نہ پایا جاتا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں نوے ہزار درہم پیش کئے گئے اور ان کو چٹائی پر رکھا گیا پھر آپ کھڑے ہوئے اور تقسیم کرنے لگے تو کسی سائل کو رو نہیں کیا حتیٰ کہ ان سے فارغ ہو گئے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے فرمایا: کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا میرے پاس کچھ نہیں لیکن تم میری طرف سے خریداری کر لو جب ہمارے پاس کچھ آجائے گا تو ہم قرض ادا کر دیں گے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کام کا مکلف نہیں بنایا جس پر آپ قادر نہیں ہیں۔

تو رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا اس پر ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ! خرچ کیجئے اور عرش والے کی طرف سے محتاجی کا خوف نہ کیجئے نبی اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا اور آپ کے چہرہ انور سے خوشی ظاہر ہونے لگی اور فرمایا مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔ (مشکل ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۱۰ الشفاء ج ۱ ص ۱۱۳)

آپ نے مصلحت کے تحت یہ عمل اختیار کیا مثلاً اس شخص کو مانوس کرنا مقصود تھا۔

ابن فارس نے اپنی کتاب ”اسماء النبی ﷺ“ میں ذکر کیا کہ غزوہ حنین میں ایک خاتون نے حاضر ہو کر ایک شعر پڑھا جس میں ہوازن قبیلے میں آپ کے دودھ پینے کا تذکرہ تھا تو جو کچھ ان سے (بطور مال غنیمت) لیا گیا تھا آپ نے واپس کر دیا اور انہیں بہت سا مال عطا کیا حتیٰ کہ اس دن کے عطیہ کی قیمت لگائی گئی تو وہ مانج کر وراثت کا تھا۔

ابن دجیہ نے کہا کہ یہ انتہائی درجہ کی سخاوت تھی کبھی نہیں سنا گیا کہ ایسی سخاوت پائی گئی ہو۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ آپ کے پاس بحرین سے مال آیا تو آپ نے مسجد میں ڈال دیا اور یہ آپ کے پاس آنے والے مالوں میں سے سب سے زیادہ تھا آپ مسجد کی طرف تشریف لے گئے اور اس کی طرف توجہ نہ فرمائی جب نماز ہو چکی تو تشریف لائے اور اس کے پاس بیٹھ گئے اور جس کو بھی دیکھا عطا فرمایا اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور عرض کیا مجھے عطا کیجئے۔ میں نے اپنے آپ کا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا (اور قید سے چھوٹے) آپ نے فرمایا: لے لیجئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑے میں ڈالا پھر اٹھانے لگے تو اٹھانے کے عرض کیا یا رسول اللہ! کسی کو حکم دیں کہ وہ اٹھانے میں میری مدد کرے آپ نے فرمایا: نہیں انہوں نے عرض کیا آپ خود اٹھوائیں فرمایا: نہیں چنانچہ انہوں نے اس میں سے کچھ کم کیا پھر اٹھانے لگے تو اٹھانے کے عرض کیا یا رسول اللہ! کسی کو حکم

دیں کہ وہ اٹھانے میں میری مدد کرے آپ نے فرمایا: نہیں، انہوں نے عرض کیا آپ خود اٹھو ادیس فرمایا نہیں، پھر اس میں سے کچھ نکالا اور اٹھا کر کاندھے پر رکھا اور چل پڑے نبی اکرم ﷺ ان کی حرص پر تعجب کرتے ہوئے مسلسل ان کی طرف دیکھتے رہے حتیٰ کہ وہ غائب ہو گئے اور جب تک ایک درہم بھی باقی تھا نبی اکرم ﷺ وہاں سے نہیں اٹھے (تقسیم کر کے تشریف لے گئے)۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۱۶۵، السنن الکبریٰ ج ۶ ص ۳۵۶، مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۶۳۷، تاریخ دمشق ج ۷ ص ۲۳۳، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۰۰، تعلیق التعلیق رقم الحدیث: ۹۹۲-۲۳۳)

ابن ابی شیبہ نے حمید بن ہلال کے طریق سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ ایک لاکھ درہم کا مال تھا اور یہ مال علاء بن حضری نے بحرین سے بھیجا تھا فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آنے والا یہ سب سے پہلا مال تھا۔ (غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں سواری پیش کی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تمہارا اونٹ ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ آپ کا ہے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نے فرمایا بلکہ تم اسے مجھ پر بیچو چنانچہ انہوں نے بیچ دیا اور آپ نے حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کی قیمت ادا کر دیں پھر آپ نے فرمایا قیمت بھی لے جائیں اور اونٹ بھی اللہ تعالیٰ تمہیں ان دونوں میں برکت عطا فرمائے۔ اور یہ عمل آپ نے ان کے اس قول کے بدلے میں اختیار فرمایا جو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کا ہے چنانچہ آپ نے ان کو رقم بھی دے دی اور اونٹ بھی واپس کر دیا اور ان دونوں میں برکت کے لئے دعا بھی فرمائی۔ نبی اکرم ﷺ کی سخاوت سب کی سب اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے تھی آپ کبھی کسی محتاج فقیر پر مال خرچ کرتے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے واسطے میں اور کبھی مال کے ذریعے ایسے شخص کے دل کو اسلام کی طرف نرم کرتے جس کے اسلام لانے سے اسلام کو طاقت حاصل ہوتی۔

اور نبی اکرم ﷺ اپنے آپ اور اپنی اولاد پر ترجیح دیتے اور اس قدر عطا فرماتے کہ اس سے کسریٰ اور قیصر جیسے حکمران عاجز آ جاتے اور خود فقر کی زندگی گزارتے ایک ایک دو دو مہینے تک آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی اور بعض اوقات بھوک کی وجہ سے پیٹ مبارک پر پتھر باندھتے تھے۔

اور نبی اکرم ﷺ کے پاس قیدی آئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھر کے کام کاج کی وجہ سے پہنچنے والی مشقت کی شکایت کرتے ہوئے آپ سے خادم طلب کیا تاکہ وہ گھر کے کاموں میں آپ کی مدد کرے لیکن نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ وہ ”سبحان اللہ! اللہ اکبر اور الحمد للہ“ (پڑھنے) کے ذریعے مدد حاصل کریں اور فرمایا: میں (ان قیدیوں میں سے کوئی خادم) تمہیں نہیں دوں گا اور فرمایا: اہل صفہ (فقراء) کو بلاؤ بھوک کی وجہ سے ان کے پیٹ دہرے ہو گئے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۷۸)

ایک خاتون ایک چادر لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کو یہ چادر پہناتی ہوں تو آپ نے اس کی ضرورت سمجھتے ہوئے اسے لے کر بہن لی صحابہ کرام میں سے کسی صحابی نے دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کتنی اچھی چادر ہے مجھے پہنا دیں آپ نے فرمایا ہاں جب نبی اکرم ﷺ تشریف لے گئے تو صحابہ کرام نے اس صحابی کو ملامت کیا اور کہا کہ تم نے اچھا نہیں کیا تم دیکھتے ہو کہ رسول اکرم ﷺ کو اس کی ضرورت ہے پھر بھی تم نے مانگ لی اور تم جانتے ہو کہ

آپ سے کچھ مانگا جائے تو آپ انکار نہیں کرتے۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت بہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔
ابن ماجہ اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے جب گھر تشریف لے گئے تو اس چادر کو
پیٹ کر اس کی طرف بھیج دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۷۷-۲۰۹۳-۵۸۱۰-۶۰۳۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۵۵ مسند
احمد ج ۵ ص ۲۲۲-۲۲۳ سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۴)

امام طبرانی نے حضرت زمرہ بن صالح رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بات بھی نقل کی کہ آپ نے اپنے لئے دوسری
چادر بنانے کا حکم دیا لیکن اس کے تیار ہونے سے پہلے آپ کا وصال ہو گیا۔

اس حدیث سے آپ کے حسن اخلاق اور سخاوت کی وسعت دونوں باتوں کا پتہ چلتا ہے۔
اکابر صوفیا کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ مرید کے لئے جائز ہے کہ مشائخ سے خرقہ تصوف طلب کرے
تاکہ ان بزرگوں اور ان کے لباس سے برکت حاصل کرے جس طرح وہ شیخ کے مرید کو لباس (جبہ وغیرہ) پہنانے پر اس
حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام خالدہ کو سیاہ رنگ کا جبہ جس پر بتیل بوٹیاں تھیں پہنایا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۲۳-۵۸۲۵)

لیکن ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا: کہ جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے خرقہ پہنا تو ابن دجیہ اور ابن الصلاح نے فرمایا کہ یہ باطل ہے۔
اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اس کے طرق روایت میں سے کوئی بات بھی ثابت نہیں اور کسی صحیح
حسن اور ضعیف روایت میں یہ بات نہیں آئی کہ نبی اکرم ﷺ نے اس طریقے پر جو صوفیاء کرام کے درمیان معروف ہے کسی
صحابی کو خرقہ پہنایا ہو اور نہ ہی کسی صحابی کو ایسا کرنے کا حکم دیا اور اس سلسلے میں جو کچھ واضح الفاظ میں مروی ہے وہ باطل ہے۔
فرمایا: پھر جھوٹ گھڑنے والے کا ایک جھوٹ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ
اللہ کو خرقہ پہنایا کیونکہ ائمہ حدیث کے نزدیک حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سماع ہی
ثابت نہیں چہ جائیکہ آپ ان کو خرقہ پہناتے۔

اسی طرح دمیاطی، ذہبی، العلاء مغلطائی، عراقی، ابن ابی (ابراہیم بن موسیٰ بن ایوب برہان الدین ابوالاسحاق الایناسی)
حلبی اور دوسرے بزرگوں رحمۃ اللہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے حالانکہ ان میں سے ایک جماعت نے قوم کی مشابہت میں
خرقہ پہنا اور پہنایا ہے۔ (الاعلام ج ۱ ص ۷۵ شذرات الذہب ج ۷ ص ۱۳ النوہ الملامع ج ۱ ص ۱۷۲)

ہاں ان کا خرقہ پہننا کمیل بن زیادہ (نخعی) کی صحبت میں ثابت ہے اور کمیل کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی
صحبت حاصل تھی اس صحبت میں جرح و تعدیل کے ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

(الاعلام ج ۵ ص ۲۳۳ الاصابہ ج ۵ ص ۳۲۵ طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۱۷ تہذیب المعجم ج ۸ ص ۴۳۷)

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے فقراء پر شفقت کو مقدم رکھا اور اپنی لخت جگر کو خدمت کے لئے غلام نہ دیا آج کے دور میں اہل اقتدار قوم کے مال میں جس
طرح خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں انہیں اسوۂ رسول ﷺ کو سامنے رکھنا چاہیے۔ ۱۲ ہزار روپی

اور بعض طرق میں اس کا اتصال حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ تک ہے اور وہ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے ساتھ اکٹھے ہوئے اور اس صحبت پر کوئی طعن نہیں اور کئی اکابر محض صحبت پر اکتفا کرتے ہیں جس طرح شاذلیہ اور ہمارے شیخ ابواسحاق السہبوی رحمۃ اللہ اور شیخ یوسف عجمی رحمۃ اللہ تلقین ذکر و وعدہ لینے اور خرقہ پہننے کو جمع کرتے تھے اور اس سلسلے میں ”ریحان القلوب کے نام سے“ ان کا ایک رسالہ بھی ہے میں نے وہ رسالہ ان کے پوتے العارف المسلسک سیدی علی رحمۃ اللہ کے سامنے پڑھا اور انہوں نے مجھے خرقہ پہنایا، تلقین ذکر کی اور وعدہ لیا۔ اور شیخ قطب الدین القسطلانی رحمۃ اللہ کا ایک رسالہ ”الرمۃ فی اللباس والصحبۃ کے نام سے“ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائے۔

فصل نمبر ۳

نبی اکرم ﷺ کی ضروریات زندگی جیسے غذا، لباس، نکاح وغیرہ ۱

اس میں چار انواع ہیں۔

پہلی نوع

کھانے پینے کے سلسلے میں آپ کا گزران زندگی

ضرورت کے مطابق کھانا

کھانا، کھانا ایک بہت بڑا اصل اور بنیاد ہے جو بہت سے علوم کا محتاج ہے کیونکہ یہ دینی اور دنیوی مقاصد حسنہ پر مشتمل ہے اور اس کا تعلق دل اور جسم سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا قانون اسی طرح جاری ہے کہ اس کے ذریعے بدن قائم رہتا ہے اور جسم دل کی سواری ہے اور اسی کے ذریعے دنیا اور آخرت کی آبادی ہے اور تنہا جسم حیوانی طبیعت پر ہے جس کے ذریعے صرف دنیا کو آباد کرنے پر مدد ملی جاسکتی ہے جب کہ روح اور دل فرشتوں کی طبیعت پر ہیں جن کے ذریعے آخرت کو آباد کرنے پر مدد ملی جاتی ہے اور ان دونوں کے اجتماع سے دونوں جہانوں کی تعمیر کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

۱ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۹۸-۳۳۷، الشفاء ج ۱ ص ۸۳)

اور ملاقات تک رسائی کا طریقہ علم اور عمل ہے اور ان دونوں کا دوام بدن کی سلامتی پر موقوف ہے اور بدن کی سلامتی اسی وقت صاف اور درست ہوتی ہے جب کھانا اور رزق حاصل ہو اور اس میں سے ضرورت کے مطابق مختلف اوقات میں کھائے اسی لئے بعض نیک اسلاف نے فرمایا کہ کھانا دین میں سے ہے اور اس پر تمام جہانوں کے رب نے جو سب سے زیادہ سچا ہے یوں فرمایا:

كلوا من الطيبات واعملوا صالحا. پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور اچھے کام کرو۔
پس جو شخص کھانا اس لئے کھاتا ہے کہ اس کے ذریعے علم و عمل پر مدد حاصل کرے اور تقویٰ کی قوت حاصل ہو تو اس کے لئے مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو کھلی چھٹی دے اور اسے اس طرح کھانے کے لئے چھوڑ دے جس طرح جانور کو چراگاہ میں چھوڑا جاتا ہے کیونکہ یہ کھانا دین کی طرف ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے مناسب ہے کہ آدمی پر دین کے انوار ظاہر ہوں اور دین کا نور آداب اور سنن دین کے ذریعے بندے کو لگام ڈالی جاتی ہے اور یہی مفتی لوگوں کی لگام ہے حتیٰ کہ شریعت کی میزان میں جس کا وزن ہوتا ہے وہ کھانے کی خواہش ہے اس کا اقدام ہو یا اس کے لگام ڈالی جائے۔
پس اس کے سبب سے (گناہ کا) بوجھ دور کیا جاتا ہے اور اجر حاصل ہوتا ہے۔

سیر ہو کر کھانے کی بدعت

یہ بات بھی جاننا ضروری ہے کہ سیر ہو کر کھانے کی بدعت پہلی صدی کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔
امام نسائی اور ابن ماجہ نے روایت نقل کی ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا کہ حضرت مقدم بن معدیکرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما ملا ابن آدم وعاء شراً من بطنه حسب
الادمی للقیعات یقمن صلبه فان غلبت الادمی
نفسه فثلث للطعام و ثلث للشراب و ثلث
للنفس.
انسان اپنے پیٹ سے زیادہ برا برتن نہیں بھرتا آدمی
کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں اور
اگر آدمی پر اس کا نفس (خواہش) غالب آ جائے تو ایک
تہائی کھانے کے لئے ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی
سانس لینے کے لئے ہو۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۲، سنن داری رقم الحدیث: ۲۱۳،
المسند رک ج ۳ ص ۳۳۱، کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۷۸، الشفاء ج ۱ ص ۸۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۱۹۳، الترغیب والترہیب ج ۳
ص ۱۳۶، تحف السادة المستحقین ج ۷ ص ۳۸۷، المغنی ج ۲ ص ۲۴، الدر المنثور ج ۳ ص ۸۰، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۳، تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۱۹۲،
فتح الباری ج ۱ ص ۳۳۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۸۷۰)

حضرت امام قرطبی رحمۃ اللہ نے ”الاسماء کی شرح میں“ فرمایا: جیسا کہ شیخ الاسلام والحفاظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ
نے نقل کیا فرماتے ہیں: اگر ”بقراط“ اس تقسیم کے بارے میں بنتا تو اس حکمت پر تعجب کرتا۔

دوسرے حضرات نے فرمایا: کہ ان تین باتوں کو ذکر کرنے میں خاص کیا کیونکہ یہ حیوانی زندگی کے اسباب ہیں نیز
پیٹ میں ان تین چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں داخل ہوتا۔

اور کیا تہائی کا ذکر ان تینوں کے درمیان مساوات ہے جیسا کہ حدیث شریف سے ظاہر ہے یا تینوں پر قریب قریب تقسیم کرنا ہے؟ یہ محل احتمال ہے۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے فرمایا:

المؤمن بما كل في معي واحد والكافر مؤمن اكل آنت في كاهات في اور كافر سات
بما كل في سبعة امعاء. آنتوں میں کھاتا ہے۔

صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۹۳-۵۳۹۶-۵۳۹۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲-۱۸۳-۱۸۵ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۱۸
سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۵۶-۳۲۵۷-۳۲۵۸ سنن احمد ج ۲ ص ۲۱-ج ۳ ص ۳۵۷-ج ۶ ص ۲۳۵ سنن داری ج ۲ ص ۹۹ سنن
الحمدی رقم الحدیث: ۹۶۹ اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۳۸۹ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۲-۳۳ مشکل لا تار ج ۲ ص ۳۰۷ تاریخ الکبیر
ج ۳ ص ۱۹۹ تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۱۹۲ المغنی رقم الحدیث: ۷۹ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۳۷ العلل رقم الحدیث: ۱۵۳۰ کنز العمال رقم
الحدیث: ۶۷۰-۷۸۰)

اور یہاں حقیقت و عدد مرا نہیں سات کی تخصیص کثرت بیان کرنے میں مبالغہ ہے اور معنی یہ ہے کہ مؤمن کی شان
ہے کم کھانا ہے کیونکہ اس نے عبادت کے اسباب میں مشغول ہوتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کھانے سے شریعت کا مقصد
بھوک کا ازالہ کرنا اور عبادت پر مدد حاصل کرنا ہے نیز اس بات کا خوف بھی کہ زائد کا حساب دینا ہوگا جب کہ کافر کا معاملہ
اس کے خلاف ہے۔

اور اہل تشریح کہتے ہیں کہ انسان کی آنتیں سات ہیں ایک معدہ ہے پھر اس سے متصل تین آنتیں ہیں ان کے نام
”ابواب“ ”صائم“ اور ”رقیق“ ہے اور یہ تینوں پتلی باریک ہیں پھر ”امور“ ”قولون“ ”مستقیم“ اور ”طرنۃ الدبر“ ہے
اور یہ تمام سخت موٹی ہیں زین الدین عراقی نے ان کا ذکر یوں کیا ہے:

سبعة امعاء لكل آدمی معدة وابها مع صائم

لحم الرقيق امور قولون مع المستقیم مسلک المطاعم

”ہر آدمی کی سات آنتیں ہیں معدہ اور ابواب صائم کے ساتھ پھر رقیق امور قولون مستقیم کے ساتھ

کھانے کے راستے ہیں۔“

پس معنی یہ ہے کہ کافر حرص کی وجہ سے کھاتا ہے اس لئے جب تک ساتوں آنتیں بھر نہ جائیں وہ سیر نہیں ہوتا اور
مؤمن کی ایک آنت بھر جائے تو سیر ہو جاتا ہے۔

اور اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ بات ہر مؤمن اور ہر کافر کے بارے میں ہے کیونکہ مؤمنوں میں سے بعض
زیادہ کھاتے ہیں اور اس کی وجہ یا تو عادت ہوتی ہے یا کوئی مرض وغیرہ۔

اور کافروں میں سے بعض تھوڑا کھانا کھاتے ہیں اور اس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ وہ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق
صحت کا خیال رکھتے ہیں یا کسی مذہبی رہنما کے کہنے پر ریاضت کرتے ہیں اور یا معدے کی کمزوری لاحق ہونے کی وجہ سے
اس طرح کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ زہد پر حریص اور جمل جائے اس پر راضی ہو جب کہ کافر کا معاملہ یہ نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مؤمن کھاتے اور پیتے وقت ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھتا ہے پس شیطان اس کے کھانے میں شریک نہیں ہوتا لہذا اسے تھوڑا کھانا ہی کافی ہوتا ہے جب کہ کافر کا مسئلہ اس کے برخلاف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے جس مؤمن کا ذکر ہے اس سے کامل ایمان والا شخص مراد ہے کیونکہ اس کے حسن اسلام اور کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی فکرموت اور اس کے بعد کی طرف متوجہ رہتی ہے لہذا خوف کی شدت، فکر کی کثرت اور اپنے نفس پر خوف اسے خواہش کی تکمیل سے روکتا ہے جس طرح حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من کثر تفکره قل مطعمه ومن قل تفکره کثر مطعمه وقسا قلبه۔ جو شخص زیادہ سوچتا ہے وہ کم کھاتا ہے اور جس کی سوچ کم ہو اس کا کھانا زیادہ ہوتا ہے اور دل سخت ہوتا ہے۔ اور بزرگان دین فرماتے ہیں: اس معدے میں حکمت داخل نہیں ہوتی جو کھانے سے بھرا ہوا ہو اور جس کا کھانا کم ہوگا اس کا پینا کم اور نیند ملے گی اور جو کم سوئے اس کی عمر میں برکت ہوتی ہے اور جو شخص اپنے پیٹ کو بھرتا ہے وہ پانی زیادہ پیتا ہے اور جو پانی زیادہ پیتا ہے اس پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور جس پر نیند بھاری ہو اس کی عمر کی برکت مٹ جاتی ہے۔ پس جب سیر ہوئے بغیر اکفاء کرے تو بدن کی غذا اچھی ہوتی ہے اور اس کے نفس اور دل کا حال اچھا ہوتا ہے اور جو شخص کھانے سے پیٹ کو بھر دے اس کے بدن کی غذا بری ہوتی ہے اس کا نفس فاسد اور دل سخت ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اهل الشبع في الدنيا هم اهل الجوع غدا في الاخرة۔ جو لوگ دنیا میں سیر ہو کر کھاتے ہیں وہ کل آخرت میں بھوکے ہوں گے۔

(المجم الکبیر ج ۱۱ ص ۲۶۷، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۰، اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۳۹۱، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۳۱۹، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۳۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۱۵۶)

حضرت سلمان اور ابو جحیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان اکثر الناس شبعاً في الدنيا اقلهم جوعاً في الاخرة۔ بے شک جو لوگ دنیا میں زیادہ سیر ہو کر کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن بھوکے ہوں گے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۹۸، الفتح ج ۳ ص ۳۶۰)

رسول اکرم ﷺ کے گھر میں کھانے کی قلت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا بطن مبارک کبھی سیر ہونے کی وجہ سے نہیں بھرا آپ اپنے گھر والوں سے کبھی کھانا طلب نہ فرماتے اور نہ ہی اس کی خواہش رکھتے اگر وہ دیتے تو کھا لیتے اور جو کچھ دیتے قبول فرماتے اور جو کچھ پلاتے آپ نوش فرما لیتے۔

حضرت ام المؤمنین کا یہ فرمانا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا بطن مبارک سیر ہونے کی وجہ سے نہیں بھرا یہ اس بات پر محمول

ہے کہ ایسا سیر ہونا نہیں پایا گیا جس کی وجہ سے معدے پر بوجھ پڑے اور آدمی عبادت کے لئے کھڑا نہ ہو سکے بلکہ وہ متکبر اور مغرور ہوئے نیز نیند اور سستی تک جا پہنچے بلکہ بعض اوقات یہ کراہت 'حرمت تک پہنچ جاتی ہے کہ اس سے کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں عام عادت کے مطابق سیر ہونے کی نفی نہیں ہے "صحیح مسلم میں ہے کہ" نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھوک کی وجہ سے ایک انصار کے گھر تشریف لے گئے اور انہوں نے بکری ذبح کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب سیر ہوئے اور پانی سے سیراب ہو گئے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سیر ہو کر کھانا جائز ہے اور جو کراہت آئی ہے وہ ہمیشہ سیر ہو کر کھانے پر محمول ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

ما شبع آل محمد ﷺ من طعام ثلاثة ايام تباعا حتى قبض. حضرت محمد ﷺ کے گھر والوں نے مسلسل تین دن سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ يبيت الليالي المتتابعة اهله طاويا لا يجدون عشاء وانما كان خبزهم الشعير. نبی اکرم ﷺ اور آپ کے گھر والے مسلسل کئی راتیں خالی پیٹ رہتے شام کا کھانا نہ پاتے اور ان کی روٹی جو سے ہوتی۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔

حضرت مسعر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام مسلم نے نقل کیا ہے اس میں اس طرح ہے:

ما شبع ال محمد يومين من خبز البر الا واحدهما تمر. حضرت محمد ﷺ کی آل دو دن بھی گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھاتی مگر ان میں سے ایک دن کھجوریں ہوتیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۶-۶۳۵۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰-۳۵-۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۳، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۳۶، مسند احمد ج ۲ ص ۹۸، ج ۳ ص ۳۳۲، ج ۶ ص ۱۲۸، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۱۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۲۳۷-۵۲۳۸، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۸۷)

حضرت عمران بن زید مدنی فرماتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: کہ ہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا: آپ (یعنی حضور علیہ السلام) دنیا سے یوں تشریف لے گئے کہ ایک دن بھی آپ نے دو کھانوں سے پیٹ نہیں بھرا اگر آپ کھجوریں پیٹ بھر کر کھاتے تو جو سیر ہو کر نہ کھاتے اور اگر جو سیر ہو کر کھاتے تو کھجوروں سے سیر نہ ہوتے۔

اس حدیث میں اس بات پر دلالت نہیں ہے کہ آپ دو قسم کے کھانے جمع نہیں فرماتے تھے کیونکہ (یہ بات ثابت ہے کہ) آپ گڑی (ثر) اور کھجور ملا کر کھاتے جیسا کہ آگے آئے گا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا تو فرمایا: اللہ کی قسم شام کے وقت آل محمد ﷺ کے پاس کوئی کھانا نہ تھا اور بیشک یہ سات گھر تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قسم آپ نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے رزق کو کم سمجھتے ہوئے نہیں فرمائی بلکہ آپ کا ارادہ امت کی خیر خواہی تھا۔ اسے دمیاطی نے سیرت سے متعلق اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ دنیا سے تین چیزوں کو پسند کرتے تھے خوشبو، عورتیں اور کھانا پس آپ کو دو چیزیں حاصل ہوئیں اور ایک حاصل نہ ہوئی عورتوں اور خوشبو تک آپ کی رسائی ہوتی لیکن کھانے تک نہیں ہوتی۔ یہ روایت بھی دمیاطی نے نقل کی ہے۔

شمائل ترمذی میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے تمہارے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ کے پاس ادنیٰ کھجوریں بھی اتنی نہ تھیں جن سے شکم سیری حاصل ہوتی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۳۶، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۵۴)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

قالت عائشة ان كنا آل محمد نمكث
شهرًا ما نستوقد بنار ان هو الا الماء
والتمر. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم آل محمد
ﷺ ایک مہینہ یوں گزارتے کہ آگ نہ جلاتے صرف
پانی اور کھجوروں پر گزارہ کرتے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۳۴)

حضرت عقبہ بن غزوہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں اور میں سات میں سے ساتواں تھا ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے اور ہمارے لئے کانٹے دار درخت کے پتوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا حتیٰ کہ ہمارے منہ کا اندرون حصہ زخمی ہو جاتا۔

”صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا“ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے فرماتی تھیں: اے بھانجے! اللہ کی قسم ہم چاند دیکھتے پھر دوسرا پھر تیسرا چاند دیکھتے دو مہینوں میں تین چاند (دیکھتے)۔ اور رسول اکرم ﷺ (کی ازواج مطہرات) کے گھروں میں آگ نہ جلتی فرماتے ہیں: میں نے پوچھا اے خالہ! آپ کس پر گزارہ کرتے تھے؟ فرمایا: دو سیاہ چیزیں ایک کھجور اور دوسرا پانی، البتہ رسول اکرم ﷺ کے انصاری پڑوسی تھے جن کے پاس عطیہ کے جانور تھے تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں ان کا دودھ بھیجتے تو آپ ہمیں وہ دودھ پلاتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۶۷-۲۵۵۸-۲۵۵۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۵۳)

”صحیح مسلم میں ہے ”ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ دنیا سے یوں تشریف لے گئے کہ آپ نے ایک دن میں دو مرتبہ روٹی اور زیتون سیر ہو کر تناول نہیں فرمایا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۵۳)

۱۔ پہلے مہینے کے شروع میں اور دوسرے مہینے کے شروع اور آخر میں چاند دیکھتے اس طرح دوسرے مہینے کے شروع اور آخر میں تیسرا چاند دیکھتے۔ (زرقاتی ج ۳ ص ۳۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

ما اعلم ان رسول اللہ ﷺ رای رغیفا
مرفقا حتی لحق باللہ ولا رای شاة سمیطا
بعینہ حتی لحق باللہ.
میں نہیں جانتا کہ رسول اکرم ﷺ نے پتلی روٹی
دیکھی ہو حتی کہ آپ کا وصال ہو گیا اور نہ آپ نے بھی ہوئی
بکری دیکھی حتی کہ آپ اپنے رب سے جا ملے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۲۱-۶۳۵۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۸-۱۳۳-۲۵۰)

”المرق“ وہ روٹی جو نرم اور اچھی ہو جس طرح بار بار آٹا چھاننے کے بعد روٹی پکائی جائے ”ترقیق“ باریک اور نرم کرنے کو کہتے ہیں اور ان لوگوں کے پاس چھلنیاں نہ تھیں۔

اور بعض اوقات ”مرق“ پتلی کشادہ روٹی کو کہتے ہیں یہ بات قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے فرمائی اور ابن اثیر نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے وہ فرماتے ہیں: سفید (میدے کی) روٹی مراد ہے۔

ابن جوزی نے کہا اس سے ہلکی پھلکی روٹی مراد ہے گویا انہوں نے اسے ”الرقاق“ سے مشتق مانا اور یہ وہ لکڑی ہے جس کے ذریعے روٹی کو پتلا کیا جاتا ہے۔

”سمیط“ وہ بکری جس کے بال گرم پانی کے ساتھ دور کر کے اسے چمڑے کے ساتھ بھون لیا جائے اور چھوٹے بچے کے ساتھ یہ عمل کیا جاتا تھا اور یہ خوشحال لوگوں کا طریقہ تھا اور اس کی دو وجہ تھیں ایک یہ کہ ذبح میں جلدی کی جائے کہ اگر وہ باقی رہے تو قیمت بڑھ جائے گی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کا چمڑا اتارا جائے اس کے چمڑے سے لباس وغیرہ کی صورت میں فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور ”سمط“ (والا طریقہ) ان دونوں مقاصد کو ختم کر دیتا ہے۔ ابن بطلال اور ابن اثیر نے کہا کہ مسموط (یا سمیط) بھی ہوئی بکری کو کہتے ہیں۔

لیکن ابن اثیر کے نزدیک اس کی اصل یہ ہے کہ گرم پانی کے ساتھ اون اتار دی جائے جیسا کہ پہلے بیان ہوا وہ فرماتے ہیں عام طور پر بھوننے کے لئے ایسا کیا جاتا تھا۔

اور شاید مراد یہ ہو کہ آپ نے اپنے کھانے میں ایسی بھی ہوئی بکری نہیں دیکھی ورنہ اگر یہ طریقہ معروف نہ ہو تو آپ کی تعریف اس طرح نہ کی جاتی۔

حضرت ابو حازم فرماتے ہیں: کہ انہوں نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چھنے ہوئے آٹے کی روٹی دیکھی ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں میں نے پوچھا آپ لوگ جو (کا آٹا) کس طرح چھانتے تھے؟ فرمایا: ہم پھونک مارتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۱۰-۵۴۱۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۶۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۵، مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۳) ان ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تم لوگوں کے پاس چھلنیاں تھیں؟ فرمایا: نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تو اس وقت سے وصال تک آپ نے چھلنی نہیں دیکھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۵، مسند احمد ج ۶ ص ۷۱)

حضرت شیخ الاسلام ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ بعثت سے پہلے کے وقت کو اس سے نکالا ہے کیونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ اس مدت میں شام کی طرف تجارت کے لئے سفر کرتے تھے اور اس وقت شامِ روم کے ساتھ تھا

اور چھنے ہوئے آٹے کی روٹی ان لوگوں کے ہاں بکثرت ہوتی تھی اسی طرح چھلنیاں اور فراخی (کشادہ حالی) کا دیگر سامان بھی تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کے ہاں چھلنی دیکھی ہوگی لیکن بعثت کے بعد آپ مکہ مکرمہ طائف اور مدینہ طیبہ میں رہے تب تک تشریف لے گئے اور یہ شام کے اطراف میں ہے لیکن آپ نے اسے نہ تو فتح کیا اور نہ ہی زیادہ دیروہاں ٹھہرے۔

میں (مصنف رحمۃ اللہ) نے تحقیق کی ہے کہ آیا آپ کی روٹی کی نکلیاں چھوٹی تھیں یا بڑی؟ لیکن تفتیش کے بعد مجھے اس سلسلے میں کچھ بھی معلوم نہ ہوا ہاں ایک حدیث میں جسے امام دیلمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چھوٹی روٹی کا حکم دیا آپ نے فرمایا:

صغروا الخبز واكثروا عدده يبارك لكم فيه۔
روٹی چھوٹی رکھو اور اسے تعداد میں زیادہ کرو اس میں تمہیں برکت دی جائے گی۔

لیکن یہ روایت کمزور ہے اور ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس میں جابر بن سلیم (راوی) پر تہمت ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

البركة في صغر القرص۔
برکت چھوٹی تکیہ میں ہے۔

لیکن امام نسائی رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ یہ جھوٹ ہے لیکن امام بزار نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

قوتوا طعامكم يبارك لكم فيه۔
حسب ضرورت کھانا حاصل کرو اس میں تمہیں برکت دی جائے گی۔

نہا یہ میں فرمایا کہ امام اوزاعی سے منقول ہے کہ اس کا معنی روٹی کا چھوٹا رکھنا ہے۔

امام بزار نے حضرت ابراہیم بن عبد اللہ بن جنید سے اور انہوں نے بعض اہل علم سے نقل کیا کہ اس سے روٹیوں کو چھوٹا رکھنا مراد ہے۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمۃ اللہ) نے ”المقاصد الحسنہ میں“ اسی بات کی طرف اشارہ کیا اور شاید یہ میرے شیخ اور رہنما میری بصیرت کی آنکھ کی پتلی عارف ربانی عارفین کی دلیل ابواسحاق ابراہیم المتبولی کی سند ہے کہ ان کے دسترخوان پر چھوٹی روٹیاں تھیں جیسا کہ شیخ ابوالعباس احمد بدوی اور سادات جو معارف سعادات کی اکسیر بلند و بالا عطیات اور حقائق محمدیہ کے زیادہ حقدار و فاکہ پیکر اللہ تعالیٰ ان کی برکات کو ہماری طرف لوٹائے اور ان کی امداد ہم تک پہنچانے کی دلیل یہی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو میرے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جگر والا کھائے مگر میری دیوار میں غلے کی الماری میں کچھ جو تھے میں نے عرصہ دراز تک ان کو کھایا لیکن جب ان کا وزن کیا تو وہ ختم ہو گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۵۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۷، مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۸، دلائل النبوة ج ۷ ص ۲۷۴)

”صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے“ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کی

زرہ تیس صاع جو کے بدلے میں ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آپ کی زرہ میں صاع غلے کے بدلے رہن تھی جو آپ نے اپنے گھر والوں کے لئے لیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو دیکھا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی موجود ہیں آپ نے فرمایا: اس وقت تم دونوں اپنے گھروں سے باہر کیسے آئے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بھوک کی وجہ سے آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مجھے وہی چیز باہر لائی ہے جو تم دونوں کو لائی ہے۔

پس آپ ایک انصاری کے ہاں تشریف لائے اور وہ گھر میں نہیں تھے جب ان کی بیوی نے آپ کو دیکھا تو خوش آمدید کہا رسول اکرم ﷺ نے پوچھا فلاں کہاں ہے؟ انہوں نے عرض کیا وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں اتنے میں وہ انصاری بھی حاضر ہو گئے انہوں نے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو دیکھا تو فرمایا:

الحمد للہ! آج مجھ سے بڑھ کر معزز مہمانوں والا کوئی نہیں راوی فرماتے ہیں پھر وہ انصاری چلے گئے اور ایک نوکری لائے جس میں خشک اور تر ہر قسم کی کھجوریں تھیں اور عرض کیا تناول فرمائیں اس کے بعد انہوں نے چھری لی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دودھ والے جانور سے بچنا چنانچہ انہوں نے مہمانوں کے لئے بکری ذبح کی جو انہوں نے تناول فرمائی۔

اس نوکری سے کھجوریں کھائیں اور پانی نوش فرمایا جب سیر اور سیراب ہو گئے تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال ہوگا، بھوک تمہیں گھر سے باہر لائی پھر تم واپس نہیں لوٹے حتیٰ کہ تمہیں یہ نعمتیں حاصل ہوئیں۔ (موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۰، الدر المنثور ج ۶ ص ۳۸۹، اتحاف السادة المستعین ج ۸ ص ۱۲۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۳۳۹)

یہ سوال ان کے اعزاز و اکرام، انعام اور فضل و کرم کو شمار کرنے کے حوالے سے ہوگا۔ حضرت طلحہ بن نافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھر میں لے گئے آپ کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا نکالا گیا تو آپ نے فرمایا سالن نہیں؟ عرض کیا نہیں البتہ سرکہ ہے آپ نے فرمایا: سرکہ بہترین سالن ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے جب سے نبی اکرم ﷺ سے یہ بات سنی ہے اس دن سے مجھے سرکہ پسند ہے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے اس دن سے سرکہ پسند ہے جب سے میں نے یہ بات حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۲-۱۸۳۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۱۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۹۰-۱۶۹۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۲۱-۳۸۲۲، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۱-۳۰۲، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸۰-۲۸۱، تاریخ دمشق ج ۷ ص ۳۲)

بطن مبارک پر پتھر باندھنا

حضرت ابن نجیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے بھوک محسوس فرمائی تو آپ

نے ایک پتھر لے کر بطن مبارک پر رکھا پھر فرمایا سنو! کئی نفس دنیا میں کھانے اور عیش کرنے والے قیامت کے دن بھوکے ننگے ہوں گے سنو! کئی لوگ اپنے آپ کو معزز سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ اپنے آپ کو ذلیل کر رہے ہوتے ہیں سنو! کتنے لوگ اپنے آپ کو ہلکا سمجھتے ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو معزز بنا رہے ہوتے ہیں۔ اس روایت کو ابن ابی الدنیاء نے نقل کیا ہے۔ حضرت انسؓ حضرت ابو طلحہؓ (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں پر باندھے ہوئے پتھر سے کپڑا اٹھایا تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے بطن مبارک سے کپڑا اٹھا کر دو پتھر دکھائے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حضرت ابو طلحہؓ رضی اللہ عنہ کی روایت سے غریب ہے اور ہم اسے صرف اسی وجہ سے پہچانتے ہیں۔ پیٹوں سے کپڑا اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ایک مشقت اور کمزوری کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھتا جو کمزوری بھوک کی وجہ سے پہنچتی تھی۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ والا واقعہ غزوہ خندق کے موقع پر پیش آیا جب آپ نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ سخت زمین کی طرف اٹھے تو آپ کے بطن اقدس پر پتھر باندھا ہوا تھا۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے اور حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

وشد من سغب احشائه و طوی تحت الحجارۃ کشحاً مترف الادم

”اور بھوک کی وجہ سے اپنی آنتوں کو باندھا اور پتھر کے نیچے ایسا پہلو پلیٹ دیا جو خوشحال جسم والا تروتازہ تھا۔“ جیسا کہ میں نے (مصنف علیہ الرحمہ نے) اس قصیدہ شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ کشح آپ کے ازار بند کی جگہ اور پہلوئے مبارک کی چھوٹی پسی کے درمیان جگہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ طریقہ اس لئے اختیار فرمایا کہ اس سے کچھ بھوک رک جاتی ہے اور یہ فعل سکون کا باعث ہوتا ہے کیونکہ بھوک کی وجہ معدے کی شدید حرارت ہے جب معدہ کھانے سے بھر جاتا ہے تو یہ حرارت کھانے میں مشغول ہو جاتی ہے اور جب اس میں کھانا نہ ہو تو وہ جسم کی رطوبات اور جواہر کو تلاش کرتا ہے تو اس حرارت سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ جسم کے بہت سے جواہر سے متعلق ہو جاتی ہے اور جب معدے پر آنتوں اور چمڑے کو پینٹ دیا جائے تو اس کی آگ قدرے بجھ جاتی ہے اور اس طرح تکلیف کم ہو جاتی ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا بھوک سے تکلیف برداشت کرنا اس لئے تھا کہ آپ کو دو گنا اجر ملے آپ کی قوت کی حفاظت اور جسم کی تازگی باقی رہے حتیٰ کہ جو کوئی آپ کو دیکھے وہ آپ کو بھوکا نہ سمجھے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا جسم اقدس ان لوگوں کے جسموں سے زیادہ تروتازہ معلوم ہوتا تھا جو دنیا کی نعمتوں سے نفع حاصل کرتے تھے۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ نے ”مترف الادم“ سے اسی مفہوم کا قصد کیا ہے اور یہ حفاظت اور تکمیل کے باب سے ہے کیونکہ جب فرمایا: شد من سغب بھوک کی وجہ سے باندھا۔

تو اس وہم کا خوف محسوس ہوا کہ اس وقت آپ کے جسم شریف میں بھوک کا اثر ظاہر ہوا پس آپ نے اس کی حفاظت کی تو اس ابہام کو ”مترف الادم“ فرما کر دور کر دیا۔

ابو حاتم بن حبان نے ان احادیث کا انکار کیا ہے جن میں بھوک کی وجہ سے بطن مبارک پر پتھر باندھنے کا ذکر ہے انہوں نے فرمایا: کہ یہ باطل ہیں اور انہوں نے حدیث وصال (جب حضور ﷺ نے وصال کے روزے رکھے) سے استدلال کیا کہ آپ نے فرمایا:

لست كما حدكم انسى اطعم وامسى. میں تم میں سے کسی ایک کے جیسا نہیں ہوں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں: پتھر اس جگہ باندھے جاتے تھے جہاں ازار بند باندھتے ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ جب وصال کے روزے رکھتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو کھلاتا اور پلاتا تھا۔ پس آپ پیٹ پر پتھر باندھنے کی صورت کیسے محسوس کرتے اور پتھر بھوک کو دور نہیں کر سکتا۔

بعض حضرات نے فرمایا: کہ ہو سکتا ہے آپ عرب کی عادت یا اہل مدینہ کی عادت کے مطابق پتھر باندھتے ہوں کہ جب ان کے پیٹ خالی ہوتے تو وہ ان پر پتھر باندھتے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے بھی یہ طریقہ اختیار فرمایا تا کہ صحابہ کرام کو بتائیں کہ آپ کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وجہ سے آپ ان پر ترجیح حاصل کریں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ احادیث صحیح ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے ثواب حاصل کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کس طرح کئی کئی دن بھوک میں گزارتے حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کے لئے سال بھر کا غلہ رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مال (بطور) نسیمت عطا فرمایا اس میں سے ایک ایک ہزار اونٹ چار چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم فرماتے اور عمرہ مبارکہ میں آپ ایک سوا اونٹ لے گئے اور ان کی قربانی کر کے مساکین کو کھلائے نیز آپ نے ایک اعرابی کو بکریوں کا ایک ریوڑ عطا کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ بھی واقعات ہیں۔

اس کے علاوہ آپ کے ساتھ مالدار صحابہ کرام مثلاً حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت طلحہ وغیرہ رضی اللہ عنہم بھی تھے اور وہ اپنے مال ہی نہیں اپنی جانیں بھی آپ کے قدموں میں نچھاور کرتے تھے اور آپ نے صدقہ کا حکم دیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا تمام مال لے آئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نصف مال پیش کیا اسی طرح آپ نے غزوہ تبوک کے لئے لشکر کی تیاری میں حصہ ڈالنے کی ترغیب دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اونٹ پیش کئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

طبری (یا طبرانی) نے اس کا جواب جسے ”فتح الباری میں“ نقل کیا گیا یوں دیا ہے کہ آپ کا یہ طریقہ اختیار کرنا (پیٹ پر پتھر باندھنا) کسی حالت میں ہوتا تھا اور کسی میں نہیں اور اس کی وجہ کبھی نہ تھی بلکہ کبھی آپ ایثار کے طور پر ایسا کرتے اور کبھی سیر ہوتے اور زیادہ کھانے کو ناپسند کرتے ہوئے ایسا کرتے تھے۔

اس عمل کی مطلقاً نفی پر یوں اعتراض کیا گیا کہ یہ گزشتہ احادیث کے خلاف ہے ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا آپ فرماتی ہیں:

جو شخص تم سے بیان کرے کہ ہم لوگ کھجور سے سیر ہوتے اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے، جب قرظہ فتح ہوا تو ہمیں کھجوریں اور چربی وغیرہ حاصل ہوئی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ اکثر حضرات ہجرت سے پہلے معاشی تنگی کا شکار تھے جب مکہ مکرمہ میں تھے پھر جب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو بھی اکثر کی حالت یہی تھی انصار نے مکانات اور عطیات وغیرہ کے ذریعے ان سے خیر خواہی کی جب ہونے لگا تو ان کے خلاف فتح حاصل ہوئی اور اس کے بعد کا دور آیا تو انہوں نے انصار کے عطیات واپس کر دیئے۔

(نوٹ: ان عطیات کو منیجہ کہا جاتا تھا یعنی یہ مکمل طور پر نہیں دیئے جاتے تھے بلکہ نفع حاصل کرنے کے لئے عاریتاً دیئے جاتے۔ ۱۲ ہزار دی) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ کی راہ میں ڈرایا گیا اور کسی دوسرے کو ڈرایا نہیں گیا اور مجھے اللہ کی راہ میں اذیت دی گئی اور کسی دوسرے کو اذیت نہیں دی گئی مجھ پر تیس دن اور راتیں ایسی گزریں کہ میرے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لئے اتنا کھانا نہیں تھا جسے ایک شخص کھائے سوائے اس کے جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بغل چھپاتی۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۲، مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۶، اتحاف السادة المتقين ج ۹ ص ۸۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۲۵۳، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۸۹، تفسیر بغوی ج ۶ ص ۱۶۲، موارد الطمان رقم الحدیث: ۲۵۲۸، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۷۳، تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۰۸)

ہاں نبی اکرم ﷺ اس (فقر) کو اختیار فرماتے باوجودیکہ آپ کے لئے دنیا کی کشادگی اور وسعت کے حصول کا امکان تھا جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے پیشکش فرمائی کہ وہ وادی مکہ کو میرے لئے سونے کا بنا دے میں نے عرض کیا اے رب! نہیں بلکہ میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں جب بھوکا ہوں گا تو تیری بارگاہ میں گڑ گڑاؤں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب سیر ہو کر کھاؤں گا تو تیرا شکر اور تیری تعریف کروں گا۔“ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۲، مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۳، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۳۵، اتحاف السادة المتقين ج ۳ ص ۲۶۱، ج ۷ ص ۳۹۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۱۹۰، المغنی ج ۱ ص ۲۳۹، ج ۳ ص ۲۰۷، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۳۳، شرح السنہ ج ۱ ص ۲۳۶، اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۲۶۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۱۳۰)

اس تفصیل کی حکمت خطاب سے لذت حاصل کرنا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا اجمالی اور تفصیلی علم رکھتا ہے۔

فقر اختیاری

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام کوہ صفا پر تھے تو آپ نے فرمایا: اے جبریل! وہ ذات جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آل محمد (ﷺ) کے پاس شام کے وقت ایک ٹھنڈی جو بھی نہ تھے نہ تھیلی برابر ستوتھے۔ آپ کے کلام سے بھی جلدی آسمان سے ایسی آواز سنی گئی جو خوف زدہ کرتے والی تھی۔

رسول اکرم ﷺ نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے قیامت کو قائم ہونے کا حکم دیا ہے؟ عرض کیا نہیں بلکہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا تو وہ اس وقت اترے جب آپ کا کلام سنا چنانچہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ

آپ نے جو کچھ ذکر کیا اسے اللہ تعالیٰ نے سنا پھر مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے کر بھیجا اور حکم دیا کہ میں آپ سے پوچھوں کہ کیا آپ کے ساتھ تہامہ کے پہاڑوں کو زمر دیا قوت سونا اور چاندی بنا کر چلاؤں اگر آپ اس پر راضی ہوں تو میں ایسا کروں پس اگر آپ نبی بادشاہ بننا چاہتے ہیں (تو ایسا کریں) اور اگر نبی بندہ بننا چاہیں (تو ایسا کریں) چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کی طرف اشارہ کیا کہ تو اضع اختیار کریں تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا: بلکہ میں نبی بندہ بننا چاہتا ہوں۔ اسے امام طبرانی نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔

(المجم الکبیر ج ۱۰ ص ۳۵۰، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۰۰، ج ۱۰ ص ۳۱۵، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۹۶، التذکرۃ المحدثہ: ۲۶۳)

تو رسول اکرم ﷺ کی بلند ہمتی کو دیکھنے کے لیے آپ پر زمین کے خزانوں کی چابیاں پیش کی گئیں لیکن آپ نے انکار کر دیا حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ اگر آپ ان کو لیتے تو اپنے رب کی فرمانبرداری میں خرچ کرتے لیکن آپ نے اس سے انکار کر کے محض بندگی کو اختیار فرمایا تو آپ کی ہمت شریف کس قدر بلند ہے اور آپ کا پاکیزہ نفس کس قدر خوبصورت ہے؟

قصیدہ بردہ شریف کے مصنف علیہ الرحمہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے انہوں نے کیا خوب فرمایا:

ورادته الجبال الشم من ذهب عن نفسه فأراه إيما شم
واكدت زهده فيها ضرورته ان الضرورة لا تعدو على العصم
وكيف تدعو الى الدنيا ضرورة من لو لاه لم تخرج الدنيا من العدم
”سونے کے بلند پہاڑوں نے حضور علیہ السلام کو پھسلانا چاہا پس آپ نے نہایت استغناء ظاہر کیا کچھ پرواہ نہ کی۔

حضور علیہ السلام کی دنیوی حاجات نے آپ کے زہد کو اور بھی مستحکم کر دیا فی الحقیقت دنیوی احتیاج عصمت حقیقی پر غالب نہیں آ سکتی۔

کس طرح (ممکن ہے) کہ ایسی ذات کو اس کی ضرورت دنیا کی طرف بلائے کہ اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو دنیا ہی عدم سے وجود میں نہ آتی۔“

یعنی معصومین کے سردار کی ضرورت آپ کو کیسے دنیا کی چمک دھمک کی طرف بلاتی حالانکہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے وہ سب آپ کے لئے پیدا کیا گیا پس آپ کس طرح اس کے مجبور ہوتے؟

لیکن ان میں کچھ بات ہے کیونکہ یہ مقام مدح ہے اور اس میں زہد اور ضرورت کے ساتھ موصوف کرنا صحیح نہیں (کیونکہ رغبت اور حاجت کی طرف اشارہ ہوتا ہے)۔

کیا حضور ﷺ فقر سے موصوف تھے؟

حلی نے ”شعب الایمان میں“ فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کو ان باتوں سے موصوف

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے دنیا کی دولت سے منہ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان کے خزانوں میں تصرف کا اعزاز بخش دیا کہ آپ نے ڈوبے ہوئے سورج کو واپس کیا چاند کے دو ٹکڑے فرمائے ستاروں کے ذریعے شیطان کو رجم کیا جاتا ہے آسمانوں سے گزر گئے ہارش کارو کنا اور چھوڑنا ہوا کا چلانا اور روکنا۔ (ذرقانی ج ۳ ص ۳۲۳) معلوم ہوا کہ جو دنیا سے محبت نہ کرے اسے بہت بڑا اعزاز ملتا ہے۔

قرار نہ دیا جائے جو لوگوں کے نزدیک ادنیٰ وصف ہیں پس آپ کو فقیر نہ کہا جائے اسی طرح بعض لوگوں نے آپ پر زہد کے اطلاق کا بھی انکار کیا ہے؟

”نثر الدرۃ کے“ مصنف (ابوسعید منصور بن حسین الآبی) نے حضرت محمد بن واسع سے نقل کیا ان سے کہا گیا فلاں شخص زاہد ہے انہوں نے فرمایا: دنیا کی مقدار کیا ہے جس سے وہ زہد اختیار کرتا ہے؟
حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے ”الشفاء میں“ ذکر کیا اور ان سے شیخ تقی الدین السبکی نے اپنی کتاب ”السیف المسلمون“ میں نقل کیا کہ اندلس کے فقہاء نے ”حاتم التقی الطلیطلی“ کو قتل کر کے سولی چڑھانے کا فتویٰ دیا کیونکہ اس نے نبی اکرم ﷺ کے حق کو معمولی جانا اور مناظرے کے دوران آپ کو یتیم کہا اور اس کا خیال تھا کہ نبی اکرم ﷺ کا زہد اختیاری نہیں تھا اگر آپ کو اچھے کھانے ملتے تو آپ تناول فرماتے۔

حضرت شیخ بدر الدین زرکشی رحمۃ اللہ نے متاخرین میں سے کسی فقیہ سے نقل کیا وہ کہتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ مالی اعتبار سے قطعاً فقیر نہ تھے اور نہ ہی آپ کی حالت ’فقیر کی حالت تھی بلکہ آپ سب لوگوں سے زیادہ بے نیاز تھے اور دنیوی امور میں آپ کو آپ کی ذات اور اہل و عیال کے سلسلے میں کفایت کی گئی اور وہ نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی:
یا اللہ! مجھے مسکین کے طور پر زندہ رکھنا۔

اللہم احیننی مسکیناً۔
کے بارے میں کہتا تھا کہ اس سے دل کا ٹھہرنا مراد ہے محتاجی مراد نہیں کہ ضرورت پوری نہ ہو اور اس فقیہ نے اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں پر سخت اعتراض کیا ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۵۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۲۲ سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۱۲ المستدرک ج ۳ ص ۳۲۲ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۶۲ کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۰۶ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۱۳۵ الدرر المنثور رقم الحدیث: ۲۳۰ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۷۰۳ تاریخ الکبیر بخاری ج ۷ ص ۱۹۴ المغنی ج ۲ ص ۲۰۶ الموضوعات ج ۳ ص ۱۴۱ فتح الباری ج ۱ ص ۳۳۰ الملای المصنوع ج ۳ ص ۷۴ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۵۹۳-۱۶۶۶۸-۱۶۶۶۹) اور یہ جو مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
الفقر فحسوی وبہ افتخر۔

(کشف الخفاء ج ۲ ص ۱۳۱ اتحاف السادة المتعلمین ج ۸ ص ۲۱۸ تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۸۷-۸۸ الاسرار المفروعة ص ۲۵۵)
اس کے بارے میں شیخ الاسلام والحفاظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہ روایت باطل اور موضوع ہے۔

کھانوں کی متعدد اقسام

نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ نہیں تھی کہ ہمیشہ ایک ہی قسم کا کھانا تناول فرماتے ہوں اور کسی دوسری غذا کو اختیار نہ فرمائیں یہ صورت تو طبیعت کے لئے نقصان دہ ہے اگرچہ سب سے افضل غذا ہی کیوں نہ ہو بلکہ آپ اپنے شہر والوں کی عادت کے مطابق تناول فرماتے تھے یعنی گوشت، پھل، روٹی اور کھجوریں وغیرہ کھاتے تھے جیسا کہ آگے آئے گا۔
آپ نے حلوہ اور شہد بھی تناول فرمایا اور آپ ان دونوں کو پسند فرماتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۹۹ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۱۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:

۳۳۲۳ سنن داری رقم الحدیث: ۳۳۰ مسند احمد ج ۶ ص ۵۹)

”حلوی“ الف مقصورہ اور الف ممدودہ کے ساتھ دونوں طرح ہے ہر مینھی چیز کو کہتے ہیں۔ خطابی کہتے ہیں ”حلوی“

اسی میٹھی چیز کو کہا جاتا ہے جسے پکایا جاتا ہو اور اس میں عمل دخل ہو۔

ابن سیدہ نے کہا جو میٹھا کھانا تیار کیا جائے وہ حلوی ہے اور پھلوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

خطابی کہتے ہیں حضور علیہ السلام کا میٹھی چیز کو پسند کرنا اس اعتبار سے نہیں تھا کہ آپ اس کی بہت زیادہ خواہش رکھتے تھے اور اس کی طرف آپ کا طبعی میلان بہت زیادہ تھا بلکہ جب آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تو آپ اچھی طرح لیتے اس سے معلوم ہوا کہ یہ آپ کو پسند تھا۔

”معالمی“ کی کتاب ”فقه اللغة“ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جس حلوی کو پسند کرتے تھے اسے ”جمع“ کہتے ہیں جو عظیم کے وزن پر ہے اور یہ سمجھو اور دودھ کو ملا کر بنایا جاتا ہے۔ فتح الباری میں اسی طرح ہے۔

یہ روایت صحیح نہیں کہ نبی اکرم ﷺ شکر (چینی) کو پسند کرتے تھے نہ یہ کہ آپ نے اسے صدقہ کیا یا دیکھا لیکن ابو جعفر طحاوی نے اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں لمازہ (ابن مغیرہ) کی حدیث سے نقل کیا وہ ثور بن یزید سے وہ خالد بن معدان سے اور وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک انصاری کی شادی میں تشریف لے گئے تو کچھ لڑکیاں آئیں جن کے پاس اخروٹ اور شکر کے تھال تھے۔ صحابہ کرام نے اپنے ہاتھ روک لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایک دوسرے سے کیوں نہیں چھینتے؟ انہوں نے عرض کیا آپ نے چھیننے سے روکا ہے آپ نے فرمایا شادی کے موقع پر منع نہیں۔ (الملائی المصنوع ج ۲ ص ۹۱ معانی الانار ج ۳ ص ۵۰)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ ان سے اور وہ آپ سے چھین رہے ہیں۔ حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا کہ مال نخاؤر کرنا مکروہ نہیں جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا موقف ہے اور انہوں نے ان احادیث کی توجیہ اسی حدیث سے کی جن میں چھیننے سے منع فرمایا گیا۔ لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے پھر فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اس مفہوم میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔

اور ”کتاب المعرفة“ میں ”امام طحاوی رحمہ اللہ کے اس قول کو نامناسب کہا اور فرمایا یہ حدیث عون بن عمارہ اور عصمہ بن سلیمان سے مروی ہے اور ان دونوں سے استدلال نہیں کیا جاتا اور ان کے شیخ لمازہ بن مغیرہ مجہول ہیں۔ تو یہ دو علتیں ہیں ان میں سے ہر ایک الگ الگ حدیث کے ضعف کو واجب کرتی ہے پس ان کو جمع کرنے سے ضعف کیسے ختم ہوگا؟

یہ اور خالد بن معدان منقطع ہیں (انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا) اور منقطع حدیث صحت نہیں۔ تو یہ تین علتیں ہیں اور ان سے کم (مثلاً ایک علت) سے بھی حدیث ضعیف قرار پاتی ہے۔ ابن مفلح یوسفی نے بھی اس پر کلام کیا ہے۔ واللہ اعلم

خبیص کھانا

حضرت لیث بن ابی سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ اسلام میں سب سے پہلے خبیص ۱ حضرت عثمان ابن عفان

۱ مجبور بالائی اور میدے سے تیار کیا گیا ایک طوطہ ٹھوس کہلاتا ہے۔

رضی اللہ عنہ نے تیار کروایا ان کے پاس ایک قافلہ آیا جنہوں نے آٹا اور شہد اٹھا رکھا تھا تو ان دونوں کو ملایا گیا اور نبی اکرم ﷺ کی طرف بھیجا آپ نے اسے تناول فرمایا اور عمدہ قرار دیا۔

محبت طبری نے ”الریاض میں“ فرمایا: کہ اسے حضرت خیشمہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ذکر کیا ہے (ان کی کتاب ”فضائل الصحابة“ ہے جس میں ذکر کیا)۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ایک قافلہ آیا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اونٹ بھی تھا اور اس پر سفید چھنا ہوا آٹا، گھی اور شہد تھا وہ اسے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ نے اس پر برکت کے لئے دعا فرمائی پھر ایک پتھر کی ہنڈی منگوائی اور اسے آگ پر رکھا گیا اور اس میں شہد آٹا اور گھی ڈالا پھر اسے پکایا گیا حتیٰ کہ وہ پک گیا یا پکنے کے قریب تھا پھر اتار دیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کھاؤ اس چیز کو ایران والے خبیثیں کہتے ہیں۔
(المستدرک ج ۳ ص ۱۰۹-۱۱۰ اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۱۱۷)

تمام نے اسے اپنے فوائد (یا فوائد) میں اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے اپنی معجم میں ذکر کیا اور اس کے راوی ثقہ (قابل اعتماد) ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے بھیڑ کا گوشت بھی تناول فرمایا اور یہ تین چیزیں حلوہ، شہد اور گوشت غذاؤں میں سے افضل اور بدن، جگر اور اعضاء کے لئے زیادہ نفع بخش ہیں اور ان سے وہی شخص نفرت کرتا ہے جس میں کوئی بیماری اور آفت پائی جاتی ہو۔

نبی اکرم ﷺ کا گوشت کھانا

گوشت جتنیوں کا سب سے اعلیٰ کھانا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ دنیا اور آخرت والوں کے کھانوں کا سردار ہے۔ اسے امام ابن ماجہ اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مرفوعاً نقل کیا ہے اس کی سند (اگرچہ) ضعیف ہے لیکن اس کے کئی شواہد ہیں (لہذا یہ ضعف نقصان دہ نہیں)۔
(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۵، کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۶۰، ج ۲ ص ۲۲۶)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے فرماتے ہیں:
سید طعام الدنيا اللحم ثم الازر۔
ابو نعیم رحمہ اللہ نے اسے طب نبوی کے ضمن میں ذکر کیا۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گوشت ستر قوتوں کے اضافہ کا باعث ہے۔
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ رنگ کو صاف کرتا ہے اور اخلاق کو درست کرتا ہے اور جو شخص چالیس دن تک گوشت نہ کھائے اس کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ ۱۔

۱۔ جو شخص مسلسل چالیس دن گوشت کھاتا ہے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے یہ بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ابن قیم نے کہا گوشت ہمیشہ نہیں کھانا چاہیے اس سے کئی خونی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ بقراط نے کہا اپنے پیٹوں کو حیوانات کا قبرستان نہ بناؤ۔
(زرقاتی ج ۳ ص ۳۲۷)

ابوالشیخ بن حیان، حضرت ابن سماعان کی روایت سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے علماء کرام سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ ترین کھانا گوشت تھا اور وہ اس سماعت میں یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ دنیا اور آخرت کے کھانوں کا سردار ہے اگر میں اپنے رب سے سوال کرتا کہ وہ مجھے روزانہ گوشت کھلائے تو وہ ایسا کرتا۔
حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ گوشت کھانا عقل کو بڑھاتا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کو (بکری کی) دستی پسند تھی اسی لئے اس میں زہر ملایا گیا تھا (ایک یہودی عورت نے زہر ملایا)۔
حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: انہیں ایک بکری بطور تحفہ دی گئی تو انہوں نے اس کو ہنڈیا میں ڈالا نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو فرمایا: اے ابورافع! یہ کیا ہے؟ عرض کیا بکری ہے جو ہمیں تحفہ دی گئی ہے میں نے اس کو ہنڈیا میں پکایا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابورافع! اس کی دستی (بازو) مجھے دو (فرماتے ہیں) میں نے بازو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا پھر فرمایا: دوسرا بازو بھی دو میں نے دوسرا بازو بھی دے دیا آپ نے فرمایا: اور بازو دو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بکری کے دو ہی بازو ہوتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر تم خاموش رہتے تو مجھے ایک کے بعد دوسرا بازو پکڑاتے جب تک خاموش رہتے۔ ۱۔

اس کے بعد آپ نے پانی منگوا کر کلی فرمائی اور اپنی انگلیوں کے کناروں کو دھویا پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔
اس روایت کو امام دارمی اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو عبیدہ سے روایت کیا جس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ میں نے آپ کے لئے ہنڈیا پکائی اور آپ کو بازو پسند تھا پس میں نے آپ کی خدمت میں بازو پیش کیا آپ نے پھر فرمایا: مجھے بازو دو تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بکری کے کتنے بازو ہوتے ہیں؟ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم خاموش رہتے تو جب تک میں طلب کرتا رہتا تم مجھے بازو دیتے رہتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو (بکری کا) بازو پسند تھا اور آپ گوشت کبھی کبھی تناول فرماتے تھے اور آپ اس کی طرف جلدی کرتے کیونکہ یہ جلدی پک جاتا ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۸)
اسی طرح آپ کو گردن کا گوشت بھی پسند تھا حضرت ضباع بنت زبیر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ان کے گھر میں ایک بکری ذبح کی گئی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو پیغام بھیجا کہ اپنی بکری سے ہمیں بھی کھانا انہوں نے عرض کیا صرف گردن رہ گئی ہے اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں گردن بھیجوں قاصد نے واپس آ کر خبر دی تو آپ نے فرمایا: دوبارہ جاؤ اور کہو کہ وہی بھیج دیں کیونکہ یہ بکری کی گردن ہے اور بکری میں سے خیر کے زیادہ قریب اور اذیت سے زیادہ دور یہی چیز ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۰-۳۶۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ بکری کا ہلکا ترین گوشت گردن بازو اور کاندھوں کا گوشت ہے یہ معدے کے لئے ہلکا اور جلد ہضم ہونے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان غذاؤں کا زیادہ خیال رکھا جائے جن میں تین خاصیتیں جمع ہوں۔

پہلی بات یہ کہ ان کا نفع اور اعضاء میں ان کا اثر زیادہ ہو۔

۱۔ اسی سے نبی اکرم ﷺ کے اس اعزاز کا پتہ چلتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا اور امتیارات سے نوازا کہ آپ بولتے جائیں اور بکری کے بازو دینے جائیں۔ ۱۲ ہزار روپی

دوسری بات یہ ہے کہ وہ معدے کے لئے ہلکی پھلکی غذا ہو اور اس سے جلدی اترنے والی ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ جلدی ہضم ہو اور غذا میں سب سے افضل بات یہی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اطيب اللحم لحوم الظهر. بہترین گوشت پیٹھ کا گوشت ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۴-۲۰۵، المستدرک ج ۳ ص ۱۱۱، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۷۰، لسان المیزان

ج ۱ ص ۱۱۶، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۵۳۹، تاریخ صہبان ج ۱ ص ۲۳۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۹۷)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کو گردے پسند نہیں تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پیشاب کی جگہ ہے۔ حافظ عراقی نے فرمایا کہ ہم نے ایک جزء میں حضرت ابو بکر بن محمد بن عبد اللہ بن خثیر کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ایسی سند کے ساتھ نقل کیا جس میں ضعف ہے۔

نبی اکرم ﷺ گوشت نوج کر بھی تناول فرماتے یعنی ہڈی وغیرہ سے گوشت کو دانتوں کے ساتھ نوچتے اور پہلے اسے شوربے سے نکال لیتے۔

”صحیح بخاری میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ نے بکری کے کاندھے سے جو آپ کے دست مبارک میں تھا گوشت کاٹا پھر نماز کی طرف بلایا گیا تو آپ نے اس گوشت اور چھری کو پھینک دیا جس کے ساتھ گوشت کاٹ رہے تھے پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور وضو نہ فرمایا (گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے آپ نے دوبارہ وضو نہیں فرمایا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۷-۵۳۰۴-۵۳۰۵، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۲، سنن دارمی رقم الحدیث: ۵۲، مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۵-۳۶۶، ج ۲ ص ۱۳۹-۱۴۰، ج ۳ ص ۲۸۸)

ابن بطلال کہتے ہیں یہ حدیث ابو معشر کی روایت کا رد کرتی ہے جو بواسطہ ہشام بن عروہ ان کے والد سے مروی ہے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تقطعوا اللحم بالسكين فانه من صنيع الا عاجم وان هشا فانه اهناء وامرا. گوشت کو چھری سے نہ کاؤ کیونکہ یہ عجمیوں کی عادت ہے اور اسے (دانتوں سے) نوچو یہ زیادہ خوشگوار ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۷۸، سنن نسائی ج ۳ ص ۱۷۲، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۱۵، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۳۲، الکامل ج ۷ ص ۲۵۱۸، تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۲۸، الملای المصنوعہ ج ۲ ص ۱۲۲، تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۳۵-۱۳۶، موضوعات ج ۲ ص ۳۰۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۷۳۱، فتح الباری ج ۹ ص ۶۸۳)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث قوی نہیں ہے۔

حافظ ابو الفضل عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کی شاہد موجود ہے جو امام ترمذی نے نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انهشوا اللحم نهشا فانه اهناء وامرا. گوشت کو اچھی طرح نوج کر کھاؤ یہ زیادہ خوشگوار ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۵ سنن داری رقم الحدیث: ۲۰۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۶ ج ۶ ص ۳۶۵ معجم الکبیر ج ۸ ص ۵۷ ج ۱۸
الجوامع رقم الحدیث: ۲۶۱۰ تاریخ دمشق ج ۶ ص ۲۲۹ شرح السنن ج ۱ ص ۲۹۷ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۸)

امام ترمذی نے فرمایا: ہم اسے صرف عبدالکریم کی روایت سے جانتے ہیں فرماتے ہیں عبدالکریم سے ابوامیہ بن ابی الخارق مراد ہے جو ضعیف ہے لیکن ابن ابی اصم نے اسے ایک دوسرے طریق سے حضرت صفوان بن امیہ سے روایت کیا اور وہ حسن ہے لیکن اس میں وہ اضافہ نہیں جسے ابو معشر نے ذکر کیا کہ واضح الفاظ میں چھری کے ساتھ گوشت کاٹنے سے منع فرمایا۔ صفوان کی روایت میں عام طور پر یہی آتا ہے کہ کوچ کرکھانا زیادہ بہتر ہے۔

اور ان روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ جو کچھ چھوٹی ہڈی پر ہے اسے نوچا جائے اور بڑی ہڈی والے سے پرہیز کیا جائے۔

نبی اکرم ﷺ نے بھنا ہوا گوشت بھی تناول فرمایا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک بھنا ہوا پہلو نبی اکرم ﷺ کے قریب کیا گیا آپ نے اس سے تناول فرمایا پھر نماز کے لئے تشریف لے گئے اور (نئے سرے سے) وضو نہیں فرمایا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۲۹ سنن نسائی ج ۱ ص ۱۰۸ مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۷)
رسول اکرم ﷺ نے دودھ میں خشک کیا ہوا گوشت بھی تناول فرمایا جیسا کہ سنن میں ایک شخص سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے بکری ذبح کی گئی اور ہم مسافر تھے تو آپ نے فرمایا اس کا گوشت اچھی طرح بناؤ پس میں مدینہ طیبہ تک آپ کو اس سے کھلا تارہا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۱۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۵-۳۶ سنن داری رقم الحدیث: ۶۰ مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۷ ج ۲ ص ۲۸۱
اسنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۹۱ المسند رک ج ۳ ص ۲۳۰ التبیان ج ۳ ص ۲۱۹ تاریخ دمشق ج ۳ ص ۹۳)
رسول اکرم ﷺ نے بھنی ہوئی کھجی بھی کھائی ہے۔

آپ نے مرغی کا گوشت بھی تناول فرمایا نیز آپ نے نیل گائے کا گوشت بھی تناول فرمایا۔
آپ نے سفر میں بھی اور گھر میں بھی اونٹ کا گوشت تناول فرمایا علاوہ ازیں خرگوش کا گوشت بھی کھایا نیز دریائی جانوروں کا گوشت بھی تناول فرمایا۔

دیگر کھانے

رسول اکرم ﷺ نے شہید بھی کھائی ہے یعنی روٹی کو گوشت کے شوربے میں اچھی طرح ملا کر کھانا شہید ہے۔
بعض اوقات اس کے ساتھ گوشت بھی ہوتا تھا۔

اہل عرب کہتے ہیں:

الشہید احد اللحمین۔
شہید بھی ایک قسم کا گوشت ہے۔

سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:

احب الطعام الی رسول اللہ ﷺ الشہید
رسول اکرم ﷺ کا پسندیدہ ترین کھانا روٹی کا شہید

من الخبز والشريد من الحيس. اور مجبور کا شریہ تھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۸۳)

رسول اکرم ﷺ نے کھانے کے ساتھ بھی کھانا کھایا اور زیتون کے ساتھ بھی روٹی کھائی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ہر یہ کھلایا جس کے ذریعے رات کے قیام کے لئے میری پیٹھ مضبوط رہتی ہے۔

(اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۳۱۰ الملانی المصنوع ج ۲ ص ۱۲۷ الموضوعات ج ۳ ص ۱۷۷ تنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۲۰۰ لسان المیزان

ج ۵ ص ۳۹۰ میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۳۵۱۰ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۷۹ الکامل ج ۶ ص ۲۱۵۵)

اس روایت میں محمد بن حجاج لکھی ہے جس نے یہ حدیث گھڑی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے کدو بھی کھایا اور آپ

اسے پسند کرتے اور پیالے کے کناروں سے تلاش کرتے تھے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اسی لئے اس

دن سے کدو پسند کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۲۵-۵۳۲۳-۵۳۳۵-۵۳۳۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۸۲ صحیح

مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۰-۱۳۵۰ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۵۱ مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۵-ج ۳ ص ۳۵۲)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کدو پسند کرنا مستحب ہے اور اسی طرح ہر اس چیز کو پسند کرنا جسے سرکارِ دو عالم ﷺ پسند فرماتے تھے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے جو میں پکی ہوئی چغندر کو بھی تناول فرمایا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حضرت حسن بن علی ابن عباس اور ابو جعفر رضی اللہ عنہم حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا (حضرت رافع کی والدہ) کے پاس

آئے اور انہوں نے فرمایا: ہمارے لئے وہ کھانا بناؤ جسے رسول اکرم ﷺ پسند کرتے اور تناول فرماتے تھے انہوں نے

فرمایا: اے بیٹو! آج (کے دور میں) تم اس کی خواہش نہیں رکھو گے۔ فرمایا: ہاں! کیوں نہیں تم ہمارے لیے بناؤ چنانچہ وہ

کھڑی ہوئیں اور کچھ جوئے کران کو پیسا پھر اس (آٹے) کو ہنڈیا میں ڈال کر اس پر کچھ زیتون کا تیل ڈالا اور مرچ مصالحہ

ڈال کران کے قریب کیا اور کہا کہ اس کھانے کو نبی اکرم ﷺ پسند فرماتے اور خوشی سے تناول فرماتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے خزیرہ بھی تناول فرمایا یہ آٹے سے عصیدہ کی شکل میں بنایا جاتا ہے لیکن اس سے پتلا ہوتا ہے

(آٹے اور گھی کو ملا کر جو کھانا بنتا ہے اسے عصیدہ کہتے ہیں)۔

طبری نے یہ بات کہی ہے۔

ابن فارس نے کہا آٹے اور چربی کو ملا کر خزیرہ تیار کیا جاتا ہے۔ قحی نے کہا اور جوہری نے ان کی اتباع کی کہ گوشت

لے کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے جائیں اور ان پر پانی ڈالا جائے جب خوب پک جائیں تو ان پر آٹا ڈال دیا

جائے اگر اس میں گوشت نہ ہو تو وہ عصیدہ کہلاتا ہے (ورنہ خزیرہ ہوگا)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شوربہ ہوتا ہے جو چھان بورے کی تراوٹ سے صاف کر کے حاصل کیا جاتا ہے پھر اسے پکایا

جاتا ہے یہ بھی کہا گیا کہ عجیموں کے نزدیک خزیرہ چھان بورے سے ہوتا ہے اور خزیرہ (حاء نکتہ کے بغیر) دودھ سے بنایا

جاتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سورج بلند ہونے کے بعد ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے ان کو خزیہ تناول فرمانے کے لئے روک لیا جو ہم نے بنایا تھا۔
رسول اکرم ﷺ نے پیڑ بھی تناول فرمائی ہے۔

جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اور یہ دودھ سے بنایا جاتا ہے جب مکھن نکال لیا جائے (یعنی لسی سے بناتے ہیں)۔

(مصنف فرماتے ہیں:) میں نے اسے کھایا اور یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں عام ہوتی ہے اور یہ کشک کے زیادہ مشابہ ہوتی ہے (موٹے ستوک و دودھ میں بھگو کر خیر اٹھنے کے بعد پکایا جاتا ہے اسے کشک کہتے ہیں)۔
رسول اکرم ﷺ نے خشک اور تر ہر قسم کی بھجور تناول فرمائی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے کباث بھی تناول فرمائے پیلو کا پکا ہوا پھل کباث کہلاتا ہے بعض نے کہا پیلو کے پتوں کو کہتے ہیں۔ لیکن اسماعیلی نے تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ یہ پیلو کا پھل ہے جسے بریر بھی کہا جاتا ہے اور جب سیاہ رنگ کا ہو جائے تو کباث کہتے ہیں۔

”ابن اشیر کے نہایہ میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ ”جذب“ کو پسند فرماتے تھے اور یہ بھجور کا گودا ہے اس کا واحد جذبہ ہے۔

سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ تنوک میں نبی اکرم ﷺ کے پاس بنیر لائی گئی تو آپ نے چھری منگوا کر بسم اللہ پڑھی اور اسے کاٹا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۱۹)

دو پھلوں کو جمع کرنا

رسول اکرم ﷺ کھانوں کے صفات اور طبیعتوں کو طبی اعتبار سے دیکھتے تھے جب دو کھانوں میں سے کسی ایک میں کوئی ایسی بات دیکھتے جسے ختم کرنا اور اعتدال پیدا کرنا ضروری ہوتا تو ممکن ہوتا تو اس کی ضد کے ساتھ برابر کرتے جس طرح بھجور کی گرمی کو تربوز کے ساتھ ملا کر برابر کرتے۔ مرکب دوائیوں میں یہ بہت بڑا ضابطہ ہے۔

اور اگر کوئی دوسری چیز نہ ملتی تو اسے ضرورت کے مطابق تناول فرماتے حد سے تجاوز نہ فرماتے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت ابواسامہ کے واسطے سے حضرت ہشام سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ تربوز کو بھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے اور فرماتے: اس کی گرمی اس کی ٹھنڈک سے اور اس کی ٹھنڈک اس کی گرمی سے ٹوٹتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۶، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸۱، اتحاف السادة المستقین ج ۷ ص ۱۰۱-۱۱۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۲۵، تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۱۹۹)

یزید بن رومان نے حضرت زہری سے انہوں نے حضرت عروہ سے طاء کو مقدم کر کے طیح پڑھا ہے جیسا کہ نو قاتی

۱۔ نوٹ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میری آنکھوں میں تکلیف ہے میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں جب بارش ہوتی ہے تو وادی میں سیلاب کی وجہ سے میں ان کی مسجد میں نہیں جاسکتا آپ میرے گھر تشریف لائیں تاکہ میں اسے جائے نماز بنالوں آپ نے فرمایا ان شاء اللہ میں آؤں گا۔ (زرقاتی ج ۳ ص ۳۳۳)

(ابو عمر محمد بن احمد بن عمر بن سلیمان ۳۸۲ھ) نے ذکر کیا۔ (الاعلام ج ۵ ص ۳۱۲، معجم الادباء ج ۵ ص ۱۳۰، معجم البلدان ج ۸ ص ۳۲۷) جب کہ سنن نسائی کے ولیمہ کے بیان میں طام موخر ہے (یعنی بطبخ ہے) گویا ہشام کے نزدیک دونوں لفظوں کے ساتھ ہے۔

اسی طرح ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت محمد بن عبد الرحمن کی حدیث سے نقل کیا وہ حضرت امام احمد بن حنبل سے وہ حضرت وہب بن جریر بن حازم سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت حمید سے سنا وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ طبخ یا بطبخ تر کھجور کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔ (طبخ کپے ہوئے کھانے کو کہتے ہیں جب کہ بطبخ خربوزے کو کہتے ہیں)۔

حضرت عقبہ فرماتے ہیں: حضرت احمد سے شک واقع ہوا اور لغوی اعتبار سے طام کی تقسیم کو انہوں نے صاحب محکم (محکم ابن سعیدہ) سے نقل کیا۔

حضرت محمد بن اسلم (زاہد متقی جن کو حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے اسلام کا ایک رکن قرار دیا اور انہوں نے تابعین کی ایک جماعت کو پایا) خربوزہ نہیں کھاتے تھے کیونکہ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے کوئی کیفیت ان تک نہیں پہنچی۔ (الاعلام ج ۶ ص ۳۳، شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۰۰، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۳۲، حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۳۸، رسالۃ المسطر رقم الحدیث: ۶۳)

حضرت امام طبرانی رحمہ اللہ نے ”الاوسط میں“ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے دائیں ہاتھ میں ککڑی (ثر) اور بائیں ہاتھ میں کھجور دیکھی آپ کبھی اس سے تناول فرماتے اور کبھی اس سے۔ اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۷۰، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۳۰-۵۳۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۸، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۲۵، سنن داری رقم الحدیث: ۲۳، مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۳) (نوٹ) صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کھجور کو خر کے ساتھ ملا کر تناول فرماتے تھے۔

طبرانی ”اوسط میں“ اور ابو نعیم کی کتاب ”الطب“ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کھجور کو اپنے دائیں ہاتھ میں اور خربوزے کو اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑتے اور پھر کھجور کو خربوزے کے ساتھ تناول فرماتے اور یہ آپ کا پسندیدہ ترین پھل تھا۔ اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت حمید سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ تر کھجور اور خربوز کو جمع فرماتے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۲-۱۳۳) خربوز زرد رنگ کے خربوزے کی ایک قسم ہے۔

اس روایت میں ان لوگوں کے گمان کا تعاقب کیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ حدیث میں ہزر رنگ کے خربوزے (یعنی تربوز) کا ذکر ہے وہ کہتے ہیں کہ زرد رنگ والے (یعنی خربوزے) میں گرمی ہوتی ہے جس طرح کھجور گرم ہوتی ہے حالانکہ

دونوں کو ملانے کی وجہ یوں بیان کی گئی ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کے اثر کو مٹا دیتا ہے۔
تو اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ خربوزے میں کھجور کی نسبت ٹھنڈک ہوتی ہے اگرچہ اس میں مٹھاس کی وجہ سے کچھ
حرارت بھی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

سنن نسائی کی ایک روایت میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں:
ان نبی اللہ اکل البطیخ والرطب جميعا۔ بے شک نبی اکرم ﷺ نے خربوزے اور کھجور کو ملا کر
تناول فرمایا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۳۶ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۲۶)
امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا آپ فرماتی ہیں: میری والدہ نے میرے جسم
کو کچھ موٹا کرنے کے لئے میرا علاج کیا تا کہ مجھے حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کریں تو یہ علاج نہ ہو سکا حتیٰ کہ میں
نے کھجور اور ترکو ملا کر کھایا تو میرا جسم اچھے انداز میں موٹا ہو گیا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۳)
اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا اور رطب کی جگہ تمر کا ذکر کیا یعنی خشک کھجور تناول فرمائی۔
خربوزے کے فضائل کے بارے میں جو احادیث ہیں وہ باطل ہیں اگرچہ نواقاتی اپنی جزء (کتاب) میں ان کو ذکر
کرنے میں متغرد ہیں جیسا کہ حفاظ نے کہا ہے۔ واللہ اعلم

دو کھانوں کو جمع کرنا

نبی اکرم ﷺ کھجور اور مکھن کو ملا کر کھاتے اور اسے پسند فرماتے تھے۔
حضرت بسر کے دو بیٹوں حضرت عبداللہ اور حضرت عطیہ (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے وہ دونوں فرماتے ہیں: کہ
نبی اکرم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے مکھن اور کھجور آپ کے سامنے پیش کی اور آپ مکھن اور کھجور کو پسند
فرماتے تھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۳۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۳ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۵ مشکوٰۃ المصابیح رقم
الحدیث: ۲۲۳۲ احکام النبی ج ۲ ص ۹۸ فتح الباری ج ۹ ص ۱۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۰۷)
نبی اکرم ﷺ نے دودھ اور کھجور کو دوا پاکیزہ چیزیں قرار دیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۲)
نبی اکرم ﷺ روٹی کو سالن کے ساتھ کھاتے جب سالن مل جاتا۔ بعض اوقات آپ گوشت کے ساتھ کھاتے اور
فرماتے:

هو سيد الطعام لاهل الدنيا والاخرة۔ یہ دنیا اور آخرت میں کھانوں کا سردار ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۰۵ کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۶۰ ج ۲ ص ۲۲۶)

کبھی خربوزے کے ساتھ اور کبھی کھجور کے ساتھ تناول فرماتے آپ جو کی روٹی کے ایک ٹکڑے پر کھجور رکھ کر فرماتے
یہ اس کا سالن ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۵۹ سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۶۳ شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۹۳-۹۶ مجمع
الزوائد ج ۵ ص ۲۰ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۲۲۳ اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۲۲۰ شرح السنہ ج ۱ ص ۲۲۲ تفسیر قرطبی
ج ۱۲ ص ۱۱۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۰۱۵)

امام ابو داؤد اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے سند حسن کے ساتھ یوسف بن عبد اللہ بن سلام کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا (اس کے بعد اوپر والی صورت ذکر کی ہے)۔ ابن قیم نے کہا کہ یہ غذا کی تدبیر سے ہے کیونکہ جو ٹھنڈے خشک ہیں اور کھجور گرم کر ہے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق یہ بات ہے۔
تو جو کی روٹی کے لئے کھجور کو سالن بنانا بہترین تدبیر ہے اور کبھی آپ سر کے کے ساتھ کھانا تناول فرماتے اور ارشاد فرماتے:

نعم الادم الخلل. بہترین سالن سر کہ ہے۔

خطابی اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہوا کہ کھانے میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی تعریف کی گئی ہے اور لذت کھانوں سے روکا گیا گویا یوں فرمایا:
سر کہ کو سالن بناؤ اور اس چیز کو جو اس جیسی ہو کہ اس میں مشقت کم ہو اور اس کا وجود نادر نہ ہو اور خواہشات کے پیچھے نہ جاؤ کیونکہ یہ دین کو خراب اور بدن کو بیمار کرنے والی ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس کا پیچھا کرتے ہوئے فرمایا کہ مضبوط بات یہ ہے کہ یہ صرف سر کہ کی تعریف ہے جہاں تک کھانوں میں راہ اعتدال اختیار کرنے اور خواہشات کو چھوڑنے کا تعلق ہے تو وہ دوسرے قواعد سے معلوم ہے۔
ابن قیم نے کہا کہ یہ اس وقت کے حالات کے مطابق تعریف ہے دوسرے کھانوں پر فضیلت نہیں جس طرح بعض لوگوں کا خیال ہے۔ ابن قیم نے کہا کہ حدیث کا سبب یہ ہے کہ ایک دن آپ اپنے گھر والوں کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے کھانا پیش کیا آپ نے پوچھا سالن نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس صرف سر کہ ہے آپ نے فرمایا بہترین سالن سر کہ ہے۔

مقصود یہ ہے کہ سالن کے ساتھ روٹی کھانا حفاظت صحت کے اسباب میں سے ہے جب کہ ان میں سے صرف ایک پر اکتفا کرنا ایسا نہیں ہے سالن کو "الادم" کہا گیا کیونکہ وہ روٹی کی اصلاح کرتا اور اسے صحت کی حفاظت کے لئے مناسب بناتا ہے۔

اس میں سالن کی دودھ، گوشت، شہد اور شوربے پر فضیلت نہیں ہے اگر گوشت یا دودھ ہوتا تو وہ تعریف کے زیادہ لائق تھا۔

تو آپ نے (سر کہ کے بارے میں) جو کچھ فرمایا تو یہ کھانا پیش کرنے والے کی دلجوئی کے لئے فرمایا یہ مطلب نہیں کہ اسے باقی تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

پھل کھانا

نبی اکرم ﷺ اپنے شہر مبارک کا پھل کھاتے جب آپ کے پاس آتا اور اس سے پرہیز نہیں کرتے تھے اور یہ صحت کا سب سے بڑا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ہر شہر (علاقہ) کے پھل میں وہ تاثیر رکھی ہے جو اس شہر والوں کے لئے نفع بخش ہوتی ہے پس اس پھل کا کھانا صحت و عافیت کے اسباب میں سے ہے اور بے شمار دوائیوں سے بے نیاز

کر دیتا ہے اور اپنے علاقے کے پھل سے بیماری کے خوف سے وہی شخص پر ہیز کرتا ہے جو جسمانی اعتبار سے سب سے زیادہ بیمار اور صحت و قوت کے حوالے سے سب سے زیادہ دور ہو پس جو شخص مناسب وقت میں مناسب پھل مناسب طریقے سے کھائے وہ اس کے لئے نفع بخش دوا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ نے فرمایا: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ اس طرح انگور کھاتے کہ اس کا کچھا منہ میں ڈالتے اور دانے کھانے کے بعد ٹہنی باہر لاتے ہم نے اسے غیلانیات سے نقل کیا لیکن ابو جعفر عقیلی نے فرمایا: کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ”الہدی النبوی“ میں اسی طرح کہا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ اندازے سے کھاتے تھے۔

پیاز اور لہسن کھانا

پیاز کے بارے میں امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ ان سے پیاز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے سب سے آخر میں جو چیز کھائی ہے وہ پیاز ہے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۲۹، مشکوٰۃ الصالح رقم الحدیث: ۴۲۳۱)

صحیح بخاری و مسلم میں ثابت ہے کہ آپ نے پیاز کھانے والے کو مسجد میں داخل ہونے سے منع فرمایا۔ اور لہسن آپ نے ہمیشہ ترک فرمایا کیونکہ ہر وقت فرشتوں اور وحی کی آمد متوقع ہوتی تھی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے حق میں لہسن کے بارے میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے اسی طرح پیاز اور گندے (گیندنا یا گندنا ایک بدبودار سبزی ہوتی ہے جو پیاز یا لہسن کے مشابہ ہوتی ہے) وغیرہ کے بارے میں بھی (اختلاف ہے)۔

ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا: کہ یہ آپ پر حرام تھا لیکن ان کے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ کراہت تشریعی کے ساتھ مکروہ تھا۔ اور حرام نہیں تھا کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ حرام ہے؟ تو آپ نے عمومی جواب دیتے ہوئے فرمایا ”نہیں“۔

اور جن حضرات نے پہلی بات کہی ہے وہ فرماتے ہیں: حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے حق میں حرام نہیں ہے۔ پس محبت کرنے والے کے لئے مناسب ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی موافقت میں لہسن وغیرہ کو چھوڑ دے اور جس چیز کو آپ نے ناپسند کیا اسے ناپسند کرے کیونکہ سچے محبت کے اوصاف میں سے یہ بات بھی ہے کہ جس چیز کو محبوب پسند کرے اسے پسند کرے اور جسے وہ اچھا نہ سمجھے یہ بھی پسند نہ کرے۔

نبی کریم ﷺ کے کھانے اور بیٹھنے کا طریقہ

رسول اکرم ﷺ تین انگلیوں سے کھاتے تھے۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۸، مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۶، صحیح مسلم رقم

الحدیث: ۱۳۲، سنن داری ج ۲ ص ۹۷، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۷۷، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵، اتحاف السادة

المستعین ج ۵ ص ۲۷۲، ج ۷ ص ۱۱، فتح الباری ج ۹ ص ۲۳، اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۱۹۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۹۷)

اور جیسا کہ ”الہدی میں ہے کہ“ کھانے کے طریقوں میں سے یہ طریقہ زیادہ نفع بخش ہے کیونکہ ایک انگلی سے کھانا

منکبر کا کھانا ہے اور اس سے کھانے والے کو لذت حاصل نہیں ہوتی نہ خوشگوار ہوتا ہے اور نہ ہی جلدی سیر ہوتا ہے۔ آلات طعام اور معدہ کو بھی فرحت حاصل نہیں ہوتی کہ وہ ہر لقمہ میں جو کچھ پاتا ہے وہ کراہت (نا پسندیدگی) سے لیتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنا حق قسطوں میں لیتا ہے تو وہ اس سے لذت محسوس نہیں کرتا۔

اور پانچوں انگلیوں اور اس کے ساتھ (کچھ) ہتھیلی کے ساتھ کھانے سے آلہ طعام (منہ اور حلق) اور معدے پر هجوم ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ آلات بند ہو جاتے ہیں اور آدمی مر جاتا ہے نیز آلات اسے دور کرنے اور معدہ برداشت کرنے سے تھک جاتا ہے اور اس طرح کھانے سے لذت اور خوشگوار بھی حاصل نہیں ہوتی لہذا سب سے زیادہ نفع بخش کھانا نبی اکرم ﷺ کا اور آپ کی اقتداء کرنے والوں کا کھانا ہے اور وہ تین انگلیوں کے ساتھ کھانا ہے۔ نبی اکرم ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو انگلیاں چاٹتے تھے۔

”صحیح مسلم کی“ ایک روایت میں ہے کہ آپ ہاتھ پونچھنے سے پہلے ان کو چاٹتے تھے ایک اور روایت میں ہے کہ آپ انگلیوں اور برتن کو چاٹنے کا حکم دیتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۶۱۳، اخلاق المؤمن رقم الحدیث: ۱۹۴) حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ام عاصم رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں: کہ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم ایک پیالے میں کھا رہے تھے انہوں نے ہم سے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من اکل فی قصعة ثم لحسها استغفرت له
القصة.
جو آدمی پیالے میں کھائے پھر اسے چاٹے تو پیالہ اس کے لئے بخشش کی دعا کرتا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۰۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۷۲-۳۲۷۱، مسند احمد ج ۵ ص ۷۶، سنن دارمی ج ۲ ص ۹۶، کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۱۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۳۲-۳۲۱۸، شرح السنن ج ۱ ص ۳۱۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۷۸۷، اتحاف السادة المتعلمین ج ۵ ص ۲۲۵-ج ۷ ص ۱۲۲)

اسی طرح ابن ماجہ امام احمد ابن شاہین اور دارمی وغیرہ نے بھی ذکر کیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

بعض نے اسے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

تستغفر الصفحة للاحسها.
پیالہ اپنے چاٹنے والے کے لئے بخشش مانگتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مرفوعاً مروی ہے کہ ابو الشیخ نے ”کتاب الثواب میں“ نقل کیا کہ جس شخص نے اس چیز کو کھایا جو دسترخوان یا پیالے سے گرتی ہے وہ محتاجی برص اور کوڑھ کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے نیز اس کی ولولہ بیوقوف نہیں ہوتی۔

دیلمی نے اچھے طریق سے اپنے آباؤ اجداد سے روایت کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

من اكل ما يسقط من المائدة خرج ولده صباح الوجوه ونفى عنه الفقر. جو شخص دسترخوان پر گرا ہوا کھانا کھاتا ہے اس کی اولاد خوشنما چہروں والی پیدا ہوتی ہے اور وہ فقر سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: عاش فی سعة و عوفی فی ولده. وہ کشادہ حالی میں زندگی گزارتا ہے اور اسے اولاد میں عافیت حاصل ہوتی ہے۔

یہ روایات منکر ہیں۔ (اتحاف السادة المستعین ج ۵ ص ۲۲۲ تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۳۲ احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۶) لیکن ”صحیح مسلم میں“ حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا لقمہ گرے تو اس کے ساتھ جو کچھ لگا ہے اسے دور کر دے اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے اور جب تک انگلیوں کو چاٹ نہ لے رو مال سے نہ پونچھے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ برکت کھانے کے کس حصے میں ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳ مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۷۸ اتحاف السادة المستعین ج ۵ ص ۲۲۰ المغنی ج ۲ ص ۵ تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۳۲ علل الحدیث: ۱۵۳۳)

حضرت امام طبرانی رحمہ اللہ نے ”الاوسط میں“ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے انگلیاں چاٹنے کی کیفیت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ تین انگلیوں یعنی انگوٹھے شہادت والی اور درمیان والی انگلی کے ساتھ کھانا کھاتے پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ہاتھ پونچھنے سے پہلے تینوں انگلیوں کو چاٹتے سب سے پہلے درمیانی انگلی پھر اس کے ساتھ والی اور پھر انگوٹھے کو چاٹتے تھے۔ حافظ زین الدین عراقی نے شرح ترمذی میں لکھا کہ اس میں راز یہ ہے کہ درمیان والی انگلی سے کھانا زیادہ لگتا ہے کیوں کہ وہ لمبی ہے اس لئے دوسری انگلیوں کی نسبت اس کے ساتھ کھانا زیادہ رہ جاتا ہے نیز طویل ہونے کی وجہ سے وہ کھانے میں سب سے پہلے آتی ہے۔

ابن شہاب کی مرسل روایت میں جو حضرت سعید بن منصور سے مروی ہے یوں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کھانا تناول فرماتے تو پانچ انگلیوں کے ساتھ کھاتے تھے۔

تو پہلی احادیث اور اس حدیث کو مختلف حالات پر محمول کیا جائے گا۔ بعض روایات میں انگلیاں چاٹنے کی وجہ وضاحت سے بیان ہوتی ہے کہ تم نہیں جانتے برکت کھانے کے کس حصے میں ہے؟

اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو دنیوی شان و شوکت کی وجہ سے انگلیاں چاٹنے کو ناپسند کرتے ہیں ہاں یہ ناپسندیدگی اس صورت میں ہو سکتی ہے جب کھانے کے دوران انگلیاں چاٹنے کیونکہ وہ دوبارہ کھانے میں داخل کرتا ہے اور ان پر تھوک کا اثر ہوتا ہے۔

خطابی فرماتے ہیں: جن لوگوں کی خوشحالی نے ان کی عقل کو خراب کر دیا وہ انگلیاں چاٹنے کو برا سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ بہت بری بات ہے گویا وہ نہیں جانتے کہ جو کھانا انگلیوں اور پیالے کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ اسی کھانے کا ایک

حصہ ہے جسے انہوں نے کھایا ہے اور اگر باقی اجزاء میں خرابی نہیں تو اس تھوڑے سے حصے میں کیا خرابی ہوگی؟
اس میں زیادہ سے زیادہ یہی بات ہے کہ انگلیوں کو ہونٹوں کے اندر رونی حصے سے چوستا ہے اور کسی عقلمند کو شک نہیں کہ
اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ آدمی کلی کرتے وقت اپنی انگلی منہ میں ڈالتا ہے اور اس سے دانتوں اور منہ کے اندر والے حصے
کو ملتا ہے پھر کوئی بھی نہیں کہتا کہ یہ گندگی اور برا طریقہ ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کسی کام کو ناپسندیدہ کہے وہ بے ادب ہے
اسے بہت بڑے عذاب سے ڈرنا چاہیے ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کریم کی وجاہت کے صدقے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں
نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارک کو ناپسند کرنے کے طریقے پر نہ چلائے اور ہمارے لئے آپ کی محبت کو ہمیشہ قائم رکھے۔

نبی اکرم ﷺ لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے کیونکہ صحیح حدیث میں ثابت ہے آپ نے فرمایا:

لا اکل منکنا۔ میں تمکی لگا کر (کھانا) نہیں کھاتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۹۸-۵۳۹۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۶۹ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۰ شمائل ترمذی رقم

الحدیث: ۶۳۰ خلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۵۶)

اور آپ نے یہ بھی فرمایا:

انما انا عبد اجلس کما یجلس
العبد واکل کما یاکل العبد۔
بے شک میں بندہ ہوں میں اس طرح بیٹھتا ہوں
جس طرح بندہ بیٹھتا ہے اور اس طرح کھاتا ہوں جس طرح
بندہ کھاتا ہے۔

(الشفاء ج ۱ ص ۱۳۱ اتحاف السادة المتقین ج ۵ ص ۲۱۲ ج ۷ ص ۱۱۶ ج ۸ ص ۳۹۳ ج ۹ ص ۳۵۱ المغنی ج ۲ ص ۳۶۷-
ج ۳ ص ۳۵۰ اکال ج ۵ ص ۱۹۷ الترہد رقم الحدیث: ۵۵۳ اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۱۹۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۷۹۳-۳۰۷۹۸)
امام ابن ماجہ اور طبرانی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بکری کا تحفہ پیش کیا گیا تو
آپ اپنے گھنٹوں پر جھک کر کھانے لگے ایک دیہاتی نے کہا یہ بیٹھنے کا کونسا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے
کریم بنایا ہے متکبر سرکش نہیں بنایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۷۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۶۳ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۷۷۵-۳۷۷۶ مشکوٰۃ المصابیح
رقم الحدیث: ۳۲۵۱ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۳۰ فتح الباری ج ۹ ص ۶۷۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۸۶-۳۰۸۱۰-۳۱۷۰۷)

ابن بطال فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتے ہوئے یہ طریقہ اختیار فرمایا اس
کے بعد انہوں نے حضرت ایوب کے طریق سے روایت نقل کی وہ امام زہری سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: کہ
نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک فرشتہ آیا جو پہلے کبھی نہیں آیا تھا اس نے کہا آپ کا رب آپ کو اختیار دیتا ہے کہ آپ نبی
بادشاہ ہوں یا نبی بندے آپ نے مشورہ طلب کرنے والے کی طرح حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انہوں
نے آپ کی طرف اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کریں چنانچہ آپ نے فرمایا: میں بندہ نبی بننا چاہتا ہوں۔

راوی فرماتے ہیں: (پھر) آپ نے تمکی لگا کر نہیں کھایا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۱ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۸ موارد القرآن رقم

الحديث: ۲۱۳۷ اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۱۱۶ فتح الباری ج ۹ ص ۶۷۶ اخلاق النبوة رقم الحديث: ۱۹۸

یہ حدیث مرسل یا مفضل ہے۔ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے موصولاً زبیدی کے طریقے سے جو امام زہری سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو کبھی بھی تکیہ لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے صرف ایک مرتبہ تکیہ لگا کر کھایا۔

دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب تکیہ لگا کر کھایا تو اس پر حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مطلع نہیں ہوئے ہوں گے۔

ابن شاہین نے اپنی ”ناخ“ میں حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ کی مرسل روایت سے نقل کیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کو تکیہ لگا کر کھاتے ہوئے دیکھا تو روک دیا۔

اور ابن ماجہ نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے آدمی کو منہ کے بل کر جھک کر کھانے سے منع فرمایا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحديث: ۳۳۷۰ احکام اللہ یہ ج ۱ ص ۱۰۱)

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء میں“ فرمایا: کہ تکیہ لگانے سے کھانے والے کا ٹیک لگانا مراد ہے جس طرح چوڑی مار کر بیٹھنا وغیرہ گویا اس طرح بیٹھنے والے کا اپنے نیچے والی جگہ تک جانا ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں: اس طرح بیٹھنے والا زیادہ کھاتا ہے جب کہ نبی اکرم ﷺ کا کھانے کے لئے بیٹھنا اس طرح ہوتا تھا کہ جس سے فوراً اٹھ سکیں یعنی ٹانگ کھڑی کر کے بیٹھتے تھے حدیث شریف میں جس تکیہ لگانے کا ذکر ہے اس کا مطلب ایک پہلو کی طرف جھکاؤ نہیں۔

سرین کوزمین پر لگا کر پنڈلیوں کو کھڑا کر کے بیٹھنا ”اقعاء“ کہلاتا ہے اور حضور علیہ السلام کھانے کے لئے یوں بیٹھا کرتے تھے اور یہ طریقہ نماز میں منع ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے تکیہ لگانے کی وضاحت (شرح مسلم) الاکمال میں خطابی سے نقل کی اور فرمایا: کہ خطابی نے اس تاویل میں اکثر لوگوں کی مخالفت کی ہے کیونکہ عام لوگوں کے نزدیک تکیہ لگانے سے مراد کسی ایک پہلو کی طرف جھک جانا ہے۔ میں نے جو کچھ خطابی کی طرف منسوب دیکھا ہے وہ اس طرح ہے کہ وہ فرماتے ہیں: عام لوگوں کا خیال ہے کہ تکیہ لگا کر کھانے والا کسی ایک پہلو پر ہو کر کھاتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ وہ اپنے نیچے والی چیز کا سہارا لیتا ہے۔

کسی ایک پہلو پر ہونے کو تکیہ لگانا کہا گیا ہے ابن جوزی نے یہی وضاحت کی ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ کسی چیز پر ٹیک لگانا مراد ہے ایک قول کے مطابق بائیں ہاتھ کوزمین پر ٹکانا مراد ہے۔

ابن عدی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس بات سے سختی کے ساتھ روکا ہے کہ کوئی شخص

کھانا کھاتے وقت بائیں ہاتھ کوزمین پر رکھ دے۔

۱۔ مرسل وہ حدیث ہے جس میں تابعی صحابی کا ذکر نہ کرے اور براہ راست حضور ﷺ سے روایت کرے اور مفضل وہ حدیث ہے جس کی سند

کے درمیان میں سے دوراوی چھوٹ جائیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ یہ تکیہ لگانے کی ایک قسم ہے۔ حافظ ابو الفضل عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کھانے والا جس صورت کو بھی تکیہ لگانا سمجھتا ہے وہ مکروہ ہے کوئی خاص شکل مراد نہیں ہے۔ ابن اثیر نے ”النهاية میں“ نقل کیا کہ جس نے تکیہ لگانے سے ایک طرف جھکنا مراد لیا ہے اس نے طبی اعتبار سے یہ وضاحت کی ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ اس طرح کھانے والے کو نقصان ہوتا ہے کیونکہ اس طرح کھانا فطری طور پر معدہ کی طرف جاری نہیں ہوتا اور معدے پر دباؤ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ غذا کے لئے کھلتا نہیں البتہ کسی چیز پر ٹیک لگانا متکبرین کا طریقہ ہے جو بندگی کے خلاف ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے۔ اگر تکیہ لگانے سے مراد کسی چیز کا سہارا لینا یا نیچے والی چیز پر اطمینان سے بیٹھنا ہے جس طرح میں نے خطابی سے نقل کیا ہے تو مفہوم یہ ہوگا کہ جب میں کھانا کھاتا ہوں تو متکبر لوگوں اور زیادہ کھانے والوں کی طرح تکیہ وغیرہ پر ٹیک نہیں لگاتا بلکہ میں تھوڑا سا کھاتا ہوں اسی لئے یوں بیٹھتا ہوں کہ جلدی اٹھ سکوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی چیز کا سہارا لیتے ہوئے کھجوریں کھائیں اور آپ بھوک کی حالت میں تھے (یعنی کمزوری کی وجہ سے ضرورت کے تحت ایسا کیا)۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے کسی چیز کا سہارا نہیں لیا اور ٹائیں مبارک کھڑی کر کے بیٹھتے تھے۔ تکیہ لگا کر کھانے کے بارے میں بزرگوں کا اختلاف ہے۔ ابن القاص کا خیال ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے (یعنی اس کا مکروہ ہونا آپ کے ساتھ خاص ہے)۔

لیکن سہیل نے تعاقب کرتے ہوئے فرمایا: کہ آپ کے علاوہ لوگوں کے لئے بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ تکبر کرنے والوں کا فعل ہے اور اس کی اصل غمی بادشاہوں سے لی گئی وہ فرماتے ہیں اگر کوئی رکاوٹ ہو اور آدی تکیہ لگائے بغیر نہ کھائے تو کراہت نہیں ہے پھر انہوں نے بزرگوں کی ایک جماعت کے بارے میں ذکر کیا کہ انہوں نے اس طرح کھایا ہے اور انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ضرورت کے تحت ایسا کیا۔

”فتح الباری میں ہے کہ“ اس بات پر محمول کرنا محل نظر ہے کیونکہ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس، خالد بن ولید، محمد بن سیرین، عطاء بن یسار اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مطلق جواز کا قول نقل کیا ہے اور جب اس کا مکروہ یا خلاف اولیٰ ہوتا ثابت ہو گیا تو کھانے کے لئے بیٹھنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اپنے گھٹنوں اور قدموں کی پیٹھ پر جھکا ہوا ہوا دائیں ٹانگ کھڑی کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یوں بھی مذکور ہے کہ آپ دونوں گھٹنوں کو بچھاتے اور بائیں قدم کا پیٹ دائیں پاؤں کی پیٹھ پر رکھتے اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کرنا اور جو کچھ سامنے ہے اس کا ادب مقصود تھا اور کھانے کے تمام طریقوں میں سے یہ طریقہ سب سے افضل ہے کیونکہ اس صورت میں تمام اعضاء اس طبعی طریقے پر ہوتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت ابراہیم خفی رحمہ اللہ کے طریق سے نقل کیا فرماتے ہیں: کہ اسلاف تکیہ لگا کر کھانے

کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ اس سے پیٹوں کے بڑھنے کا خطرہ ہے۔

بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھنا

جب کھانا رکھا جاتا تو نبی اکرم ﷺ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھتے تھے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۷، المغنی ج ۲ ص ۳۶۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۸۱)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے ”کتاب الاذکار میں“ کھانے کے آداب کے تحت لکھا ہے کہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھنا افضل ہے اور اگر صرف بسم اللہ پڑھے تو بھی کافی ہے اور سنت پر عمل ہو جاتا ہے۔ ”فتح الباری میں“ فرمایا کہ انہوں نے جو افضلیت کا ذکر کیا ہے میں نے اس پر کوئی دلیل نہیں پائی۔

رسول اکرم ﷺ کھانے کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے یہ کلمات پڑھتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا
تَمَامِ تَعْرِيفِ اللّٰهِ تَعَالٰی كَلِّ لَيْسَ بِهٖ زِيَادَةٌ
تَعْرِيفِ جَوْپَاكِ اَوْر بَرَكَتِ وَالِیْ هِیْ نَدَّ جُھُوْرًا جَائِیْ اَوْر نَدَّ
بِیْ نِیَازِی اِخْتِیَارِی كِی جَائِیْ اَوْر (وہ) ہمارا رب ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۸-۵۳۵۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۳۹، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۵۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۸۳، سنن داری ج ۲ ص ۹۵، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۹۵، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۶۸، اتحاف السادة المحققین ج ۵ ص ۱۳-ج ۷ ص ۱۲۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۱۹۹، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۶۸، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۳۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۷۸)

غیر مودع کا معنی نہ چھوڑا جائے اور ولا مستغنی کا معنی ہے کہ اس سے بے نیازی اختیار نہ کی جائے۔

دینا مرفوع ہے مبتدا محذوف ہو کی خبر ہے یعنی وہ ہمارا رب ہے اور مدح کی بنیاد پر نصب بھی جائز ہے یا اختصاص کی بنیاد پر یا اعنسی فعل مقدر ہے۔ ابن جوزی نے کہا کہ منادی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور حرف ندا محذوف ہے یعنی یا ربنا۔

ایک حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ
تَمَامِ تَعْرِيفِ اللّٰهِ تَعَالٰی كَلِّ لَيْسَ بِهٖ زِيَادَةٌ
کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۷، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۸۳، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲-۹۸، الدر المنثور ج ۳ ص ۲۵، فتح الباری ج ۹ ص ۲۵، مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۳۵۳، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۸۶، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۹۸، اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۲۱۹)

حضرت امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت عبدالرحمن بن جبیر مصری کے طریق سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ ان سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جس نے آٹھ سال نبی اکرم ﷺ کی خدمت کی کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا جب آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا تو آپ ”بسم اللہ“ پڑھتے اور جب فارغ ہوتے تو یہ کلمات پڑھتے:

اللَّهُمَّ اطْعَمْتِ وَ سَقَيْتِ وَ أَغْنَيْتِ
یا اللہ تو نے کھلایا اور پلایا اور بے نیاز کیا اور مال عطا
وَ أَفْنَيْتِ وَ هَدَيْتِ وَ أَحْيَيْتِ فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰی
کیا (جو بچ جاتا ہے) تو نے ہدایت دی اور زندگی عطا فرمائی
مَا أَعْطَيْتِ۔
پس تیرے لئے تعریف کہ تو نے عطا فرمایا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۶۲-۳۳۷، کشف الظہار ج ۱ ص ۳۳۷، اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۲۰۷، فتح الباری ج ۱ ص ۲۵، تاریخ دمشق ج ۱ ص ۸۸، اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۶۰-۲۲۰، دلائل النبوة رقم الحدیث: ۳۱-۱۰۳، تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۳۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۰۸۰-۳۰۰۸۳)

دائیں ہاتھ سے کھانا ۱۔

نبی اکرم ﷺ ہر کام میں دائیں طرف کو پسند فرماتے تھے اور آپ نے فرمایا:
یا غلام سم الله و کل بيمينک و کل
مما یبلیک۔
اے لڑکے! اللہ تعالیٰ کا نام لو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ
نیز اپنے سامنے سے کھاؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۷۶-۵۳۷۷-۵۳۷۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۲۶۸، مسند احمد ج ۳ ص ۲۶، سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۷، تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۱۰۴، شرح السنہ ج ۱ ص ۲۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۰۷۳۸)

حافظ زین الدین عراقی نے ”شرح ترمذی میں“ لکھا ہے کہ شافعی مسلک والوں نے اسے استحباب پر محمول کیا ہے۔
امام غزالی اور پھر امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے ”الرسالہ میں اور کتاب الدم
کے“ ایک مقام پر وجوب کا قول کیا۔ صیرفی نے ”الرسالہ کی“ شرح میں اسی طرح لکھا ہے۔
البویطی نے اپنی مختصر میں نقل کیا کہ ثرید کے اوپر سے کھانا رات کو راستے میں اترنا اور (ایک سے زیادہ) کھجوروں کو
ملا کر کھانا حرام ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے ”اپنی منہاج میں“ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی: ”کل مما یبلیک سامنے
سے کھاؤ“ کی بنیاد پر اسے مستحب قرار دیا۔

شیخ تاج الدین سبکی نے اس کی شرح میں ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے دوسرے مقام
پر واضح طور پر لکھا ہے کہ جو شخص اس ممانعت کو جانتے ہوئے اپنے سامنے سے نہ کھائے وہ گناہ گار ہے اور فرمایا کہ میرے
والد رحمہ اللہ نے اس قسم کے مسائل کو ایک کتاب میں جمع کیا جس کا نام ”کشف اللبس عن المسائل الخمس“ رکھا اور اس
قول کی تائید کی ہے کہ اس میں امر وجوب کے لئے ہے۔

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۶-۵۳۸۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۶-۶۷، سنن نسائی ج ۱ ص ۸، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۴۰، مسند
احمد ج ۶ ص ۹۴-۱۳۰-۱۳۷، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۶۰۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۸۳، مجمع الزوائد
ج ۳ ص ۱۳۹، اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۳۶۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۰۰، مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۲۲۲، کنز العمال رقم
الحدیث: ۴۲۰۳۷)

شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ اسے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: کہ دائیں ہاتھ سے کھانے کے واجب ہونے پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانے کی سخت سزا بیان کی گئی ہے۔

”صحیح مسلم میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا آپ نے فرمایا دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس نے کہا اس کی مجھے طاقت نہیں آپ نے فرمایا تجھے اس کی طاقت نہ ہو چنانچہ اس کے بعد وہ اس ہاتھ کو منہ تک نہ اٹھا سکا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶، سنن داری ج ۲ ص ۹۷، دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۳۸، المعجم الکبیر ج ۷ ص ۱۵، سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۷۷، فتح الباری ج ۹ ص ۶۵۲، التہذیب ج ۱ ص ۲۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۰۳)

سوال: نبی اکرم ﷺ پیالے کے کناروں میں سے کدو تلاش کرتے تھے اور یہ سامنے سے کھانے کے خلاف ہے؟
جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ساتھ کھانے والا راضی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن جب دوسرے ساتھی کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے تو صرف اپنے قریب سے کھائے۔

ابن بطلان نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا ہاتھ مبارک کھانے میں گھومتا تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ کسی کو یہ بات ناپسند نہیں اور نہ ہی کسی کو اس سے گھمن آتی تھی بلکہ صحابہ کرام آپ کے لعاب اور آپ کے دست مبارک سے چھوئی گئی چیز سے برکت حاصل کرتے تھے بلکہ وہ تو آپ کے ناک مبارک سے نکلے ہوئے پانی کو ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہوئے لیتے اور اپنے چہروں پر ملتے تھے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا: کہ آپ اس لئے ایسا کرتے تھے کہ تنہا تاول فرما رہے ہوتے لیکن یہ بات تسلیم نہیں کی جاتی کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ کھاتے تھے۔

اور ترمذی شریف میں حضرت عکراش رضی اللہ عنہ کی حدیث منقول ہے جس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ایک قسم کا کھانا ہو تو اپنے سامنے سے تجاؤ نہ کرے اور کئی قسم کا ہو تو جائز ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

ہاتھوں کو دھونا

نبی اکرم ﷺ کے سامنے کھانا رکھا گیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا کیا ہم آپ کے وضو کے لئے پانی نہ لائیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے وضو کا حکم اس وقت دیا گیا جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۶۰، سنن نسائی ج ۱ ص ۸۵، مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۲، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۲۸، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۸۲، ج ۱ ص ۱۲۲، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۹۵-۳۳۸، اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۲۱۳، الدر المنثور ج ۲ ص ۲۶۲، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۳۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۰۹-۳۲۱۰، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۳، فتح الباری ج ۱ ص ۵۱۹)

انہی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء

کھانے کی برکت پہلے اور آخر میں وضو ہے۔

بعده۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۶۱، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۱، المعجم الکبیر ج ۶ ص ۲۹۲، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۹۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۰۸، اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۲۱۲، المحلل المتصاہب ج ۲ ص ۲)

مس ۱۶۳ تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۳۱۰ الکامل ج ۶ ص ۲۰۶۸ شرح السنہ ج ۱ ص ۲۸۲ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۵۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۳۳-۳۰۷۶۳

تو پہلی حدیث میں شرعی وضو مراد ہے اور دوسری حدیث میں لغوی وضو مراد ہے (یعنی صرف ہاتھ دھونا اور کلی کرنا)۔ ابو یعلیٰ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا کہ جو شخص اس گوشت میں سے کچھ کھائے تو وہ اس کی بو اور نقصان کو ہاتھوں سے صاف کرے اور اپنے پیچھے والے کو تکلیف نہ پہنچائے۔

گرم کھانا

نبی اکرم ﷺ گرم کھانا نہیں کھاتے تھے۔ طبرانی نے ”الصغیر اور الاوسط میں“ حضرت بلال بن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک پیالہ لایا گیا جو اہل رہا تھا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ نہیں کھلائی۔ فرماتے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بہت کم روایت کرتے ہیں۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۸۰)

حضرت ابو نعیم نے ”الحلیہ میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ آپ داغ لگانے اور گرم کھانے کو ناپسند فرماتے تھے اور آپ ارشاد فرماتے:

علیکم بالبارد فانہ ذو بركة الا وان
الحار لا بركة له۔ تم پر ٹھنڈا کھانا لازم ہے کیونکہ اس میں برکت ہوتی ہے سنو! گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۸۰ حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۵۲ اتحاف السادة المتقین ج ۷ ص ۱۱۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۵۹) حضرت امام احمد اور ابو نعیم نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا کہ جب آپ شہید بناتیں تو کسی چیز سے ڈھانپ دیتیں حتیٰ کہ اس کا اہال ختم ہو جاتا پھر فرماتیں: میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا: اس میں برکت زیادہ ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۷۷ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۳۱ کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۸۰)

لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس گرم کھانا لایا گیا تو آپ نے فرمایا: اتنے اتنے دنوں سے آج تک میرے بطن اقدس میں گرم کھانا داخل نہیں ہوا۔

(السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸۰ اتحاف السادة المتقین ج ۷ ص ۱۱۶ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۸۸ المغنی ج ۲ ص ۳۶۷)

آپ کے پیالے کی کیفیت

نبی اکرم ﷺ کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا جسے لوہے کے ساتھ مضبوط کیا گیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو تمام مشروبات یعنی پانی، جوس اور شہد اسی پیالے میں پلایا ہے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ہبل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لاتے حتیٰ کہ ٹھیکہ بنو ساعدہ میں آپ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا: اے ہبل! ہمیں پلایئے تو میں نے آپ کے لئے یہی پیالہ نکالا اور سب کو اسی سے پلایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۳۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۸۰ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۱)

(ابو حازم راوی فرماتے ہیں:) حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے یہ پیالا ہمارے لئے نکالا تو ہم نے اس میں پیا پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما نے اسے بطور ہبہ طلب کیا تو انہوں نے ان کو ہبہ کر دیا۔ ان دنوں حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ طیبہ کے حکمران بنائے گئے تھے۔

”صحیح بخاری میں ہی“ حضرت عاصم احوال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کا پیالہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس دیکھا وہ ٹوٹ چکا تھا اور اس کو چاندی (کی تاروں) کے ساتھ جوڑا گیا تھا۔ انہوں نے فرمایا یہ نہایت عمدہ اور چوڑا تھا اور خالص لکڑی کا زردی مائل تھا۔ ۱۔

(راوی فرماتے ہیں:) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس پیالے میں اتنی اتنی مدت سے زیادہ پلایا ہے۔

ابن سیرین فرماتے ہیں: اس میں لوہے کا کوٹھا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسے سونے یا چاندی کے کوٹھے سے بدلنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو کچھ نبی اکرم ﷺ نے بنایا اور چھوڑا اس میں تبدیلی نہ کریں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ہی ابو حمزہ سکری کے طریق سے حضرت عالم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے وہ پیالہ دیکھا اور اس میں پیا بھی ہے۔

ابو نعیم نے حضرت علی بن حسن بن شقیق کے طریق سے حضرت ابو حمزہ سے روایت کیا پھر فرمایا: حضرت علی بن حسن نے فرمایا: کہ میں نے وہ پیالہ دیکھا اور اس میں پیا ہے۔

امام قرطبی نے ”مختصر البخاری میں“ ذکر کیا کہ انہوں نے ”صحیح بخاری کے“ بعض قدیم نسخوں میں دیکھا۔ حضرت ابو عبداللہ بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ میں نے یہ پیالہ بصرہ میں دیکھا اور اس میں پیا اور یہ حضرت نصر بن انس رضی اللہ عنہ کی وراثت سے آٹھ لاکھ میں خریدا گیا تھا۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت شریک کے طریق سے حضرت عاصم سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کا پیالہ دیکھا جس کو چاندی سے مضبوط کیا گیا تھا۔

آپ نے میز پر کھانا نہیں کھایا

نبی اکرم ﷺ نے میز پر کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی چپاتی کھائی ہے۔ (خوان کا لفظ استعمال ہوا جو میز یا تپائی کو کہتے ہیں اور یہ غمیوں کا طریقہ تھا، متکبر لوگ اس طرح کھاتے تھے تاکہ کھانے کی طرف جھکنا نہ پڑے۔ ۱۲ ہزار روپی) (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۸۶-۵۴۱۵-۶۲۵۰ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۸-۱۷۸۹-۱۷۹۰ اتحاف السادة المستعین

ج ۷ ص ۱۳۳-ج ۹ ص ۳۳۱ المغنی ج ۲ ص ۳۸۱)

خوان خام پر پیش بھی آتی ہے اور زیر بھی جب تک اس پر کھانا نہ رکھیں خوان کہلاتا ہے۔

سفرہ دستر خوان کو کہتے ہیں اور یہ اس کپڑے وغیرہ کے لئے معروف ہے جس پر کھانا رکھتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کھانا کھانے کے بعد سو جانے سے منع فرماتے اور آپ فرماتے: کہ اس سے دل سخت ہو جاتا ہے اس

۱۔ مفتح ایک درخت ہے جس سے تیر کمان بناتے ہیں اس سے بنا ہوا تھا اور بعض کے نزدیک اٹل (جھاؤ) درخت کا بنا ہوا تھا۔

بات کو ابوعبید نے ذکر کیا اسی لئے حکماء کہتے ہیں کہ جو شخص صحت کی حفاظت چاہتا ہے وہ کھانے کے بعد چلے اگر چہ ایک سو قدم ہوں اور کھانے کے بعد نہ سوئے کیونکہ اس سے بہت نقصان ہوتا ہے اور کھانے کے بعد نماز اس کے ہضم کو آسان بناتی ہے۔ یہ بات زاد المعاد (الحدی) میں ذکر کی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے مشروبات

نبی اکرم ﷺ کے لئے میٹھا پانی لایا جاتا تھا (یعنی کھار نہیں ہوتا تھا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ آپ کے لئے سفیاء کے گھروں سے پانی لایا جاتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۳۵ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۰۱ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۸۲۸۳ اتحاف السادة المستعین ج ۳ ص ۴۲۷ ج ۵ ص ۲۵۵ اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۲۲۷۷ شرح السنہ ج ۱ ص ۲۸۳ المغنی ج ۱ ص ۲۶۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۲۲) سفیاء ایک کنواں ہے جو مدینہ طیبہ سے دودن کے فاصلے پر ہے۔

ابن بطال نے کہا کہ میٹھا پانی پینا زہد کے خلاف نہیں اور اس خوشحالی میں داخل نہیں جو مذموم ہے ہاں خوشبو وغیرہ کے ذریعے پانی کو طیب بنانا اور بات ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اسے ناپسند کیا کیونکہ اس میں فضول خرچی ہے لیکن میٹھا پانی پینا اور اسے طلب کرنا مباح ہے نیک لوگوں نے یہ کام کیا ہے اور نمکین پانی پینے میں کوئی فضیلت نہیں۔ رسول اکرم ﷺ شہد کو ٹھنڈے پانی میں ملا کر نوش فرماتے تھے۔

ابن قیم نے کہا کہ اس میں صحت کی حفاظت ہے اور اس کو صرف بڑے بڑے حکماء سمجھ سکتے ہیں شہد پینا اور اسے تھوک کے ساتھ چاشنا بلغم کو دور کرتا اور معدے کی صفائی کرتا ہے یعنی اس کے اوپر جو کچھ چمٹا ہوا ہوا سے دور کرتا ہے آلائش وغیرہ دور کر کے اس کی بندش کو کھولتا ہے اور ٹھنڈے پانی میں تری ہوتی ہے جو حرارت کو ختم کرنے کے بدن کی حفاظت کرتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ ترین مشروب میٹھا ٹھنڈا (پانی) تھا۔ (یاد رہے کہ میٹھے سے مراد یہ ہے کہ کھار نہ ہو)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۹۵ مسند احمد ج ۶ ص ۳۸-۳۹ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۲۵۷ شام ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۴۱ اتحاف السادة المستعین ج ۵ ص ۲۵۵ اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۲۰۸-۲۲۷ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۸۲۲۲) کنز العمال رقم الحدیث: ۱۵۸۸

یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ پانی ہو جس میں شہد ملایا گیا یا جس میں کھجور یا انگور کا رس ہو۔

نبی اکرم ﷺ کے لئے نبیذ (کھجور یا انگور کا رس) رات کے شروع میں بنایا جاتا اور آپ اگلی صبح آنے والی رات اور اس کے بعد والے دن عصر تک اسے نوش فرماتے اگر بیچ جاتا تو خادم کو پلا دیتے یا گرانے کا حکم دیتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹۷۹ المعجم الکبیر ج ۲ ص ۱۱۱ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۲۸۸ اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۲۱۰)

نبیذ سے مراد یہ ہے کہ پانی میں کھجوریں ڈالی جاتیں جو اس کو میٹھا کر دیتیں اس سے طاقت میں اضافہ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے لیکن اسے تین دن کے بعد نہیں پینا چاہیے کیونکہ اس کے نشہ میں بدلنے کا خوف ہوتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ بعض اوقات خالص دودھ نوش فرماتے اور کبھی اس میں ٹھنڈا پانی ملائے کیونکہ دودھ وقت دودھ گرم ہوتا ہے اور وہ علاقے (حریم طہین) عام طور پر گرم ہوتے ہیں اس لئے آپ دودھ کی گرمی کو ٹھنڈے پانی سے ختم

کرتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے: کہ نبی اکرم ﷺ ایک انصاری کے پاس تشریف لے گئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے سلام کیا تو انصاری نے جواب دیا اور وہ باغ کو پانی لگا رہے تھے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارے پاس پانی ہو جو رات بھر مشکیزے میں رہا ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ہم منہ لگا کر پی لیں گے اس نے کہا میرے پاس پانی ہے جو رات بھر مشکیزے میں رہا ہے چنانچہ وہ جھونپڑی (چھپر) کی طرف گئے اور پیالے میں پانی ڈال کر اس میں ایک گھریلو (مانوس) بکری کا دودھ دوہا اور نبی اکرم ﷺ نے اسے نوش فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۱۳-۵۶۲۱ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۷۲۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۲ مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۸ السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۷۲ اتحاف السادة المتعلمین رقم الحدیث: ۲۵۵ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۷ سنن دارمی ج ۲ ص ۱۲۰)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کھانے اور پانی (دونوں) کی جگہ صرف دودھ کفایت کرتا ہے۔
”جامع ترمذی میں ہے“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تین چیزوں کو رو نہ کیا جائے دودھ، تکیہ اور تیل (خوشبو) بعض حضرات نے یہ اشعار پڑھے:

قد كان من سيرة خير الوري
صلى عليه الله طول الزمن

ان لا يرد الطيب والمنكا
واللحم ايضا يا اخي واللبن

”اے بھائی! تمام مخلوق میں سے بہتر ذات (نبی اکرم ﷺ) کی سیرت یہ ہے اللہ تعالیٰ آپ پر ہمیشہ رحمت نازل فرمائے کہ خوشبو، تکیہ، گوشت اور دودھ (کا تحفہ) واپس نہ کیا جائے۔“

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کھانے کے بعد پانی نہیں پیتے تھے خصوصاً جب کہ پانی گرم یا ٹھنڈا ہو کیونکہ یہ بہت نقصان دہ ہے نبی اکرم ﷺ بیٹھ کر پانی نوش فرماتے اور آپ کی یہی عادت تھی۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۸۳ سنن نسائی ج ۳ ص ۸۲ مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۱ ج ۲ ص ۱۷۵-۲۱۵ شامل ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۹ شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۷۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۲۶-۳۱۸۲۷)

”صحیح مسلم کی“ ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۸۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۳۳ مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۲-۲۷۷ مشکل الآثار ج ۳ ص ۱۸۱ اکمال ج ۳ ص ۱۳۳۳ مسند الربیع بن حبیب ج ۲ ص ۷۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۱۸)

اور ان ہی کی ایک روایت میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یوں فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کھڑا ہو کر ہرگز نہ پیئے پس جو بھول جائے وہ قے کر لے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۶ السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸۲ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۶۷ اتحاف السادة المتعلمین ج ۵ ص ۲۲۲ فتح الباری ج ۱ ص ۱۰۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۰۳۳)

”صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں زمزم کا ایک ڈول لے کر حاضر ہوا تو آپ نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کھڑے ہو کر پانی پیا پھر فرمایا لوگ

لے مطلب یہ ہے کہ یہ عمدہ چیزیں ہیں ان میں احسان کم ہوتا ہے اور وہ بھی باک ہوتا ہے۔ (درقانی ج ۳ ص ۳۶۰)

کھڑے ہو کر پینا مکروہ جانتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۶۱۵-۵۶۱۶)

یہ تمام احادیث صحیح ہیں ان میں کوئی اشکال اور تعارض نہیں اور جس نے کہا کہ یہ احادیث منسوخ ہیں اس نے غلط کہا جب دونوں قسم کی احادیث کو جمع کیا جاسکتا ہے تو نسخ کی طرف کیسے جائیں گے صحیح بات یہ ہے کہ ممانعت مکروہ تنزیہی پر محمول ہے اور آپ کا کھڑے ہو کر پینا بیان جواز کے لئے تھا۔

سوال: کھڑے ہو کر پینا کیسے مکروہ ہوگا جب کہ سرکارِ دو عالم نے یہ عمل خود کیا ہے؟

جواب: جب آپ کا فعل جواز کے لئے ہوگا تو مکروہ نہیں ہوگا بلکہ یہ بیان آپ پر واجب تھا۔

اور آپ کا یہ فرمانا: کہ جو بھول جائے وہ تے کرے یہ استحباب پر محمول ہے لہذا جو کھڑا ہو کر پیئے اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ تے کرے تاکہ اس واضح حدیث پر عمل ہو جائے بھول کر ایسا کیا ہو یا جان بوجھ کر۔

یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والے فرماتے ہیں: کہ کھڑے ہو کر پینے میں کوئی حرج نہیں انہوں نے اس بات پر حضرت جابر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہو کر پیتے دیکھا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے تھے ان کو حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے یہ بات پہنچی ہے کہ یہ حضرات کھڑے ہو کر پیتے تھے مالکی حضرات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا جس میں فرمایا کہ کوئی شخص ہرگز کھڑا ہو کر نہ پیئے اور اگر بھول جائے تو تے کرے جواب یوں دیتے ہیں کہ حضرت عبدالحق رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ اس کی سند میں عمر بن حزمہ عمری ضعیف ہیں۔

مازری نے کہا کہ ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا ہو سکتا ہے نبی اس شخص کی طرف پھیری جائے جو اپنے ساتھیوں کے پاس پانی لے کر آئے پھر جلدی کرتے ہوئے کھڑے ہونے کی حالت میں پی لے اور یوں وہ اس ضابطے سے نکل جائے کہ قوم کے ساقی کو آخر میں پینا چاہیے۔

بعض حضرات نے فرمایا: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے وہ فرماتے ہیں: میرے لئے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے جو احادیث کھڑے ہو کر پینے کے بارے میں مروی ہیں وہ جواز پر دلالت کرتی ہیں اور نبی کی احادیث استحباب پر نیز زیادہ بہتر اور زیادہ کامل کی ترغیب پر محمول ہیں کیونکہ کھڑے ہو کر پینے میں کچھ نہ کچھ نقصان ہے اور نبی اکرم ﷺ کا عمل اس لئے تھا کہ آپ اس سے بے خوف تھے۔

فرماتے ہیں: آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ جو بھول جائے وہ تے کر لے اس قول کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے عقل میں خرابی پیدا ہوتی ہے اور تے کرنا اس کا علاج ہے۔

امام نخعی رحمہ اللہ کا قول اس کی تائید کرتا ہے وہ فرماتے ہیں: اس سے پیٹ کی بیماری کی وجہ سے منع کیا تھا۔

ابن قیم نے کہا کہ کھڑا ہو کر پینے میں کئی آفات ہیں ایک یہ کہ اس سے پوری طرح سیرابی نہیں ہوتی اور وہ معدے میں ٹھہرتا نہیں حتیٰ کہ جگر اسے اعضاء پر تقسیم کرے اور وہ معدے کی طرف جلدی جلدی اترتا ہے جس سے اس کی حرارت کے ٹھنڈا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اور بدن کے نچلے حصے کی طرف آہستہ آہستہ جانے کی بجائے تیزی سے جاتا ہے اور یہ تمام

باتیں کھڑے ہو کر پینے والے کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ البتہ کبھی کبھی ایسا ہو جائے تو نقصان نہیں ہوتا۔
حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو کھڑے ہو کر پیتے دیکھا تو فرمایا: تے کرو اس نے پوچھا کیوں؟ فرمایا کیا تمہیں پسند ہے کہ تمہارے ساتھ ملی بھی پیے؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا: تیرے ساتھ اس سے بھی بری مخلوق نے پیا ہے اور وہ شیطان ہے۔
نبی اکرم ﷺ پینے کے دوران تین بار سانس لیتے تھے اور آپ فرماتے: کہ یہ تو زیادہ سیراب کرتا اور آسانی سے اترنے کا سبب ہے نیز صحت کا زیادہ ضامن ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳)

اور سانس لینے کا مطلب یہ ہے کہ برتن سے منہ ہٹا کر باہر سانس لیتے پھر دوبارہ نوش فرماتے۔
طبرانی نے ”الاوسط میں“ اچھی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ تین سانسوں میں پیتے تھے۔ جب برتن کو منہ کے قریب کرتے تو بسم اللہ پڑھتے اور جب ہٹاتے تو الحمد للہ کہتے آپ تین بار اس طرح کرتے تھے۔

اس انداز میں پینے میں بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک ارشاد گرامی میں ان سب کو جمع کر دیا آپ نے فرمایا:

انہ اروی و امراء و ابراء۔
یہ زیادہ سیرابی آسانی سے اترنے اور حفظانِ صحت کا

ضامن ہے۔

اروئی ری سے بنا ہے یعنی خوب سیراب ہونا اور زیادہ نفع بخش ہونا ابراہیم سے اسم تفصیل ہے شفاء کے معنی دیتا ہے یعنی سخت پیاس اور اس کی بیماری سے ٹھیک ہو جاتا ہے کیونکہ پانی معدے پر کئی مرتبہ پڑتا ہے اور پہلی مرتبہ سے جو سکون نہیں ملتا وہ دوسری بار سے حاصل ہوتا ہے اور دوسری بار کی عاجزی تیسری بار پینے سے سکون پہنچاتی ہے۔ نیز اس طرح معدے کی حرارت محفوظ رہتی ہے اور یکدم پانی ڈالنے کی وجہ سے اس کا جو خاتمہ ہوتا ہے اس سے حفاظت ہوتی ہے کیونکہ ایک ہی مرتبہ پینے سے جو خرابی ہوتی ہے وہ اس صورت میں نہیں ہوتی کیونکہ اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ زیادہ ٹھنڈک اور پانی کی زیادہ مقدار حرارت کو بجھا دے یا اس کو کمزور کر کے معدے اور جگر کو خراب کر دے اور بری بیماریوں کی طرف لے جائے خاص طور پر گرم ممالک کے باشندوں اور گرم موسم میں زیادہ خطرہ ہے کیونکہ ایک ہی مرحلے میں پینا ان کے لئے خطرناک ہو سکتا ہے۔

آپ نے امر فرمایا جو ہمزہ کے ساتھ ہے اور ”مرد“ سے اسم تفصیل ہے یعنی کھانا اور پانی جب بدن میں سہولت کے ساتھ داخل ہو کر مل جائے اور لذت و نفع کا باعث بنے۔

بعض حضرات نے فرمایا: کہ وہ ہنیا مر یا (خوشگوار) ہو جاتا ہے یعنی محفوظ اور بیماری پیاس اور اذیت سے بچتا ہے اور اسی سے ماخوذ ہے کہ یہ پیاس کو زیادہ ختم کرتا اور ہضم پر زیادہ قوت دیتا ہے۔

ایک سانس میں پینے میں گلے میں رک جانے کا خطرہ بھی ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ پانی کے زیادہ ہونے کی وجہ سے تالیوں میں رکاوٹ آ جائے پس جب سانس لے کر پیئے گا تو اس سے محفوظ رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نیز امام بیہقی رحمہ اللہ علیہما اور ان کے علاوہ محدثین نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

اذا شرب احدکم فلیمص الماء مصاً
ولا یعب عباً لانه یورث الکباد۔ ۱۔
جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیئے تو چسکی کے طور پر
پیئے اور یکبارگی ایک ہی سانس میں نہ پیئے اس سے جگر میں
درد پیدا ہوتا ہے۔

اس سانس اور برتن میں سانس لینے کی ممانعت میں کوئی ٹکراؤ نہیں کیونکہ برتن میں سانس لینے سے منع کیا گیا ہے
کیونکہ بعض اوقات سانس لینے سے پانی میں تبدیلی آ جاتی ہے یا تو اس لئے کہ کھانے کی وجہ سے سانس لینے والے کے منہ
میں تبدیلی ہوتی ہے یا مسواک اور کلی کئے ہوئے زیادہ وقت گزر چکا ہوتا ہے یا سانس کے ذریعے معدے کے بخارات
اوپر کوآتے ہیں۔

لیکن برتن سے باہر سانس لینے میں یہ خطرہ نہیں ہوتا اس لئے دونوں قسم کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔
اور اگر سانس نہ لے بلکہ ایک سانس میں پیئے تو بھی جائز ہے لیکن بعض نے کہا کہ مطلقاً منع ہے کیونکہ یہ شیطان کا
طریقہ ہے۔ ۲۔

طفلی کا معاملہ

اور نبی اکرم ﷺ کو جب کھانے کی دعوت دی جاتی ہے اور آپ کے ساتھ کوئی دوسرا ہوتا جو آپ کو گھر والے کا پتہ
بتاتا تو آپ فرماتے: یہ شخص ہمارے ساتھ آیا ہے اگر تم چاہو تو واپس چلا جائے۔ ۳۔
(المجم الکبیر ج ۷ ص ۱۹۶-۱۹۸-۱۹۹ السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۶۵)

ولیمہ کے آداب

نبی اکرم ﷺ اپنے مہمانوں کو بار بار کھانے کا حکم دیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دودھ پینے والے
واقعہ میں مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان سے بار بار فرمایا پیو حتیٰ کہ انہوں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ
کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس کے لئے گنجائش نہیں پاتا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۵-۳۵۵ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۶-
۱۔ اگر پانی بالکل تھوڑا ہو اور سانس لینے کی ضرورت نہ ہو تو ایک سانس میں بھی پیا جاسکتا ہے اگر زیادہ ہو تو تین سانسوں میں پینا چاہیے اور سانس
برتن سے باہر لئے جائیں۔

۲۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ جانوروں کا ممل ہے لہذا ایسا کرنے والا جانوروں کے مشابہ ہے۔ ۱۲ ہزاروی (زرقاتی ج ۳ ص ۳۶۵)
۳۔ طفلی وہ شخص ہوتا ہے جس کو دعوت نہ دی گئی ہو اور وہ دوسرے شخص کے ہمراہ جائے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ ایک انصاری ابو شعیب نے
اپنے غلام لجام (گوشت بیچنے والا) سے کہا کہ پانچ آدمیوں کے لئے کھانا پکاؤ میں حضور علیہ السلام کو دعوت دینا چاہتا ہوں میں نے آپ کے
چہرے پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں حضور علیہ السلام کو دعوت دی تو ایک شخص آپ کے پیچھے پیچھے ہو گیا آپ نے فرمایا تم نے مجھے پانچویں شخص
کے طور پر (یعنی صرف مجھے) دعوت دی تھی۔ یہ شخص ہمارے ساتھ آیا ہے اگر چاہو تو اسے اجازت دو اور چاہو تو چھوڑ دو اس نے عرض کیا میں
نے اجازت دی۔ (زرقاتی ج ۳ ص ۳۶۵)

ج ۷ ص ۸۳۔ ج ۸ ص ۶۹۳، دلائل النبوة رقم الحدیث: ۱۵۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۲۳۲) نبی اکرم ﷺ جب کچھ افراد کے ساتھ کھاتے تو آپ سب سے آخر میں کھانے والے ہوتے (تاکہ کوئی شخص شرم کی وجہ سے بھوکا نہ رہ جائے)۔

امام بیہقی نے ”شعب الایمان میں“ حضرت جعفر بن محمد سے روایت نقل کی وہ اپنے والد سے مرسل روایت کرتے ہیں اور ابن عمرو سے مرفوعاً مروی ہے جسے ابن ماجہ اور امام بیہقی نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب دسترخوان رکھ دیا جائے تو کوئی شخص نہ اٹھے اگرچہ سیر ہو گیا ہو جب تک سب لوگ فارغ نہ ہو جائیں اس سے اس کا ساتھی شرمندہ ہوگا اور ہو سکتا ہے اسے کھانے کی حاجت باقی ہو۔ (اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۲۲۵-۲۱)

نبی اکرم ﷺ جب کسی کے ہاں کھانا تناول فرماتے تو گھر والوں کے لئے دعائیں بغیر تشریف نہ لے جاتے آپ نے حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کے گھر میں یوں دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاعْفُ عَنْهُمْ وَارْحَمْهُمْ۔
یا اللہ! ان کے رزق میں برکت عطا فرما ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۷۲۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱۶، مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۸-۱۹۰، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۷۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۳۲۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۲۷)

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے گھر میں یوں دعا فرمائی:

اَلْفَطْرُ عِنْدَ كُمْ الصَّائِمُونَ وَاَكَلْ طَعَامَكُمْ
اَلْاَبْرَارُ وَصَلَتْ عَلَيْكُمْ الْمَلَائِكَةُ۔
تمہارے ہاں روزہ داروں نے افطار کیا اور نیک لوگوں نے تمہارا کھانا کھایا اور فرشتوں نے تمہارے لئے رحمت کی دعا کی۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۸۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۳۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۸، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۳۹-۲۴۰، مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۱۳۵، اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۲۲۵-۲۳۰، موارد النعمان رقم الحدیث: ۱۳۵۳، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۷۲، نصب الرایہ ج ۲ ص ۳۸۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۹۸۸-۲۵۹۸۹)

اور کسی دوسرے صاحب نے آپ کو دودھ پلایا تو آپ نے یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ امْنِعْهُ بِشَبَابِهِ۔
یا اللہ ان کو ان کی جوانی سے نفع عطا فرما۔

(عمل الیوم واللیلہ رقم الحدیث: ۲۶۹، نووی فی الاذکار رقم الحدیث: ۲۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۳) تو ان کی عمر اسی سال ہونے کے باوجود ان کا ایک سفید بال بھی نہیں دیکھا گیا۔

دوسری نوع

نبی اکرم ﷺ کا لباس اور بچھونا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک عنوان قائم کیا ہے جو اس طرح ہے:

باب ما كان النبي ﷺ يتجوز من
اللباس. (مع البخاری رقم الحديث: ۵۸۴۳-۵۸۴۴) سے متعلق باب۔

یعنی آپ کے لباس میں وسعت تھی آپ کسی ایک قسم کے لباس کو اختیار کر کے تنگی کی راہ اختیار نہیں کرتے تھے اسی طرح عمدہ اور بیش قیمت لباس کی طلب کے ذریعے بھی تنگی میں نہیں پڑتے تھے بلکہ جو آسانی سے مل جاتا زیب تن فرما لیتے۔ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ آپ حسب ضرورت لباس پر اکتفاء کرتے تھے اور دوسرے لباس سے بے رغبت ہو جاتے پس جو مل جاتا پہنتے تھے عام حالات میں آپ دستار مبارک بڑی موٹی چادر عام چادریں اور تہبند استعمال فرماتے اور ریشمی جبے جن پر سونا چڑھا ہوتا تھا حاضرین میں تقسیم فرما دیتے اور جو موجود نہ ہوتے ان کے لئے رکھ دیتے کیونکہ لباس اور زینت اختیار کرنے میں اہل بھارہ بزرگی اور عزت کی خصلتوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ عورتوں کی علامت ہے۔

قابل تعریف لباس وہ ہے جو پاک صاف ہو اور درمیانے قسم کا ہو اور اس قسم کا لباس پہنا جاتا ہو اور اس جیسے دوسرے لوگوں کی شان و عزت کو گرانے والا نہ ہو (یعنی دوسروں سے ممتاز نہیں ہونا چاہیے)۔

ابو نعیم نے ”الحلیہ میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان من کرامة المومن علی اللہ عز وجل
نقاء ثوبه و رضاه بالیسیر۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں مؤمن کی عزت اس کے کپڑوں کے پاک صاف ہونے اور تھوڑے پر راضی ہونے میں

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۴۱-۳۴۲) ہے۔

انہوں نے ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے کپڑے میلے کچیلے تھے تو فرمایا کیا اس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس سے یہ اپنے کپڑوں کو صاف کرے۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۴۱، جمع الجوامع رقم الحديث: ۳۲۷، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۵۶، انتخاب السادة المتعلمین ج ۱ ص ۳۰۶)

عمامہ مبارکہ

لباس کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ (طریقہ مبارکہ) بدن کے لئے زیادہ نفع بخش اور آسان ترین ہے۔ آپ کا عمامہ شریف بہت بڑا نہ تھا جس کا اٹھانا اذیت ناک ہو وہ کمزور کر دے اور آفات کا نشانہ بنا دے جس طرح آپ کے صحابہ کرام کے حال سے مشاہدہ ہوتا تھا اور نہ اتنا چھوٹا کہ سر کو گرمی اور سردی سے محفوظ نہ رکھے بلکہ اس کے درمیان تھا اور آپ اس کو اپنی گردن مبارک کے نیچے داخل کرتے تاکہ گردن مبارک گرمی سردی سے محفوظ رہے اور گھوڑے یا اونٹ

پر سواری نیز حملے کے وقت وہ آپ کو زیادہ قائم رکھتا تھا اسی طرح بدن پر چادر اور تہبند دوسرے لباس کی نسبت زیادہ ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔

ابن حجاج مکی رحمہ اللہ نے ”المدخل میں“ عمامہ شریف کو گردن کے نیچے لے جانے کے مستحب ہونے پر استدلال کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے پھر فرمایا کہ جب عمامہ شریف باندھنا مباح ہے (جائز ہے جو واجب نہیں) تو اس میں ان سنتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے جو اس سے متعلق ہیں یعنی اسے دائیں جانب سے شروع کرنا، بسم اللہ پڑھنا اور جدید ہونے کی صورت میں وہ دعا پڑھنا جو اس سلسلے میں احادیث میں مذکور ہے۔

عمامہ باندھنے سے گردن کے نیچے سے داخل کرنے شملہ رکھنے اسے چھوٹا رکھنے یعنی سات ہاتھ (تین گز سے کچھ زائد) یا اس کے برابر برابر رکھتے کہ اس کو گردن کے نیچے سے گزار سکے اور شملہ بھی بن سکے وغیرہ سے متعلق سنت پر عمل کرے اگر عمامہ شریف میں گرمی یا سردی کی وجہ سے تھوڑا سا زیادہ رکھے تو کوئی حرج نہیں پھر فرمایا:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (حشر: ۷)
اور جس بات کا رسول اکرم ﷺ تمہیں حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

پس تم پر لازم ہے کہ شلواری بیٹھ کر پہنو اور دستار کھڑے ہو کر باندھو۔

آستین مبارک

نبی اکرم ﷺ کی آستینیں مبارک نہ تو زیادہ لمبی ہوتیں اور نہ ہی زیادہ کشادہ بلکہ آپ کی آستینیں کلائی تک ہوتیں۔ یعنی (جہاں گھڑی باندھتے ہیں) ہاتھ سے آگے نہ بڑھتی جو پہننے والے کو مشقت میں ڈالے اور جلدی جلدی حرکت کرنے یا کسی چیز کو پکڑنے سے اسے روک دے اور نہ اس سے چھوٹی ہوتی کہ گرمی سردی میں بازو تنگا ہو۔ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی قمیص مبارک کی آستین کلائی تک ہوتی تھی۔

تہبند کی لمبائی

نبی اکرم ﷺ کی قمیص کا دامن اور چادر پنڈلیوں کے نصف تک ہوتی اور ٹخنوں سے تجاوز نہ کرتی کہ چلنے والے کو تکلیف ہو اور گویا وہ بیڑی میں جکڑا ہوا ہے اور پنڈلیوں کے گوشت سے بھرپور پٹھے سے کم بھی نہ ہوتی کیونکہ اس سے گرمی سردی میں تکلیف ہوتی ہے۔ زاد المعاد میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت اشعث بن سلیم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی

۱۔ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ مبارک تھا کہ جب کسی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے مثلاً قمیص، عمامہ وغیرہ پھر یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا تَحْسَبُ تَقْدِيْرُكَ اَمَّا تِلْكَ
يا اللہ! تیرا شکر ہے اور تو قابلِ تعریف کہ تو نے مجھ پر لباس پہنچایا
میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس کے لئے یہ بنایا گیا اس کی بھلائی کا
سوال کرتا ہوں اور اس کے شر اور جس کے لئے یہ بنایا گیا اس کے شر
سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

وَحَسْبِيَ مَا صُنِعَ لَكَ. (زر قانی ج ۵ ص ۴)

سے سنا وہ اپنے چچا سے نقل کرتی ہیں وہ فرماتے ہیں: میں مدینہ طیبہ میں چل رہا تھا کہ میرے پیچھے ایک شخص کہہ رہا تھا اپنے تہبند کو اوپر اٹھاؤ یہ زیادہ تقویٰ اور طہارت کا باعث ہے میں نے دیکھا تو نبی اکرم ﷺ تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو چھوٹی سی چادر ہے آپ نے فرمایا کیا اس سلسلے میں (میرا عمل) تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا تو آپ کا تہبند مبارک پنڈلیوں کے نصف تک تھا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۳ شمس الملک ترمذی رقم الحدیث: ۵۸۰ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۷۷ المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۲۸۱ فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۲۳) امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیل سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میرا تہبند لٹکا ہوا تھا آپ نے فرمایا: اے ابن عمر! کپڑے کا جو حصہ زمین کو چھوئے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ (یعنی وہ شخص سزا کا مستحق ہے)۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۹۸ فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۱۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۱۹۰) ”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: ما اسفل من الکعبین من الازار فی سبنے والا) جہنم میں جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۷ سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۳ مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۱ ج ۵ ص ۹ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۳ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۱۳ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۸۸ الاکمل ج ۳ ص ۱۲۷ شرح السنہ ج ۱۲ ص ۱۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۱۵۸)

حضرت خطابی فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ٹخنوں کے نیچے جسم کے جس حصے کو تہبند (شلوار) پہنچے تو وہ حصہ جہنم میں جائے گا تو کپڑا بول کر پہننے والا مراد لیا معنی یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے قدم کا جو حصہ ہے اسے جہنم میں سزا دی جائے گی۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ کسی چیز کا نام اس چیز کے نام پر رکھا گیا جس سے وہ ملی ہوئی ہے یا اس میں داخل ہے اور ”من“ بیان یہ ہے۔ امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ازرة المومن الى انصاف الساقين
وليس عليه حرج فيما بينه وبين الكعبين
وما اسفل من ذلك ففي النار.
مومن کا تہبند (شلوار وغیرہ) باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پنڈلیوں کے نصف تک ہو اور اگر پنڈلیوں کے نصف اور ٹخنوں کے درمیان ہو تو بھی کوئی حرج نہیں اور جو اس سے نیچے ہو گا وہ جہنم میں ہوگا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۹۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۳ مسند احمد ج ۳ ص ۶-۹ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۲ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۷۷۷ سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۳۳ کشف الخفاء ج ۲ ص ۸۸ المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۳۳۱ اتحاف السادة المتقين ج ۹ ص ۳۵۹ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۲ تاریخ کبیر ج ۵ ص ۳۶۶ الاکمل ج ۳ ص ۱۶۳۸ التہذیب ج ۳ ص ۲۳۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۰۹۸-۳۱۱۲۳)

الازرة: تہبند باندھنے کی حالت کو کہا جاتا ہے جس طرح رکبہ اور جلسہ ہے۔ تکبر کے طور پر یوں کہنا کہ: بندہ تعالیٰ نے میرے اور تیرے کپڑوں کو پاک رکھا اور میرے اور تیرے دل کو پاک رکھا منع ہے اور اسی کے بارے میں سزا کا

ذکر آیا ہے (تکبر کے بغیر ہو تو حرج نہیں)۔

امام ترمذی کے علاوہ محدثین سنن (حضرت امام ابو داؤد امام ابن ماجہ اور امام نسائی رحمہم اللہ) نے اسے روایت کر کے غریب قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبدالعزیز بن ابی رواد سے انہوں نے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الامبال فی الازار والقميص والعمامة انکنا تہبند قیص اور عمامہ میں ہوتا ہے پس جو شخص من جر شینا منها خیلاء لم ينظر الله اليه ان میں سے کسی چیز کو تکبر کے طور پر لٹکانے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت کی) نظر نہیں کرے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۹۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۶ سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۸ المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۳۱۱ شرح النہج ج ۱۲ ص ۹ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۳۲ اتحاف السادة المستعین ج ۸ ص ۳۳۷ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۸۹ علل الحدیث رقم الحدیث: ۱۳۵۳ فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۲۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۱۶)

تو اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ حکم تہبند کے ساتھ خاص نہیں ہے اگرچہ اکثر طرق احادیث میں صرف ازار (تہبند) کا ذکر آیا ہے۔

طبری نے کہا کہ حدیث شریف میں لفظ ازار آیا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اکثر لوگ تہبند باندھتے اور چادر اوڑھتے تھے اور جب لوگوں نے قیص اور زرہیں پہننا شروع کیں تو ممانعت میں ان کا حکم بھی ازار والا ہو گیا (شلوار کا بھی یہی حکم ہے)۔

ابن بطل نے کہا یہ قیاس اس وقت صحیح ہوتا جب حدیث میں کپڑے کا واضح ذکر نہ ہوتا کیونکہ اس وقت یہ سب کو شامل ہوتا۔ عمامہ کو کھینچنا محل نظر ہے مگر یہ کہ اس سے مراد وہ طریقہ ہو جو اہل عرب کا تھا یعنی اس کے شملے کو لٹکانا پس جو عادت سے زیادہ ہوگا وہ لٹکانے میں شمار ہوگا۔

اور کیا قیص وغیرہ کی آستینوں کو لمبا رکھنا بھی اس لٹکانے میں شامل ہے تو یہ بات قابل غور ہے اور جو کچھ ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ عادت سے بڑھانا جیسا کہ بعض اہل حجاز کی عادت ہے اس ممانعت میں داخل ہے۔ ۱۔

لباس تکبر

ابن قیم نے کہا کہ یہ کھلی اور لمبی آستینیں جو گریبان کی طرح (کھلی ہیں) اور دستاریں جو برجوں کی طرح ہیں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام میں سے کسی نے اس طرح نہیں پہنی اور یہ سنت کے خلاف طریقہ ہے البتہ اس کا جائز ہونا محل نظر ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا تکبر ہے۔

ابن الحاج رحمہ اللہ نے ”الدخل میں“ فرمایا کہ کسی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں کہ آج کل بعض ایسے لوگوں کی آستینیں جو اہل علم کہلاتے ہیں مال کا ضائع کرنا ہے جس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ بعض اوقات آستین سے دوسروں کے لئے کپڑا بچ جاتا ہے۔

۱۔ اس میں کپڑے کا ضیاع بھی ہے اور اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز کرنا بھی اس لئے یہ منع ہے۔ ۱۲ ہزاروی

لیکن جب لمبی آستین رواج بن گیا اور مختلف لوگوں نے اپنی پہچان کیلئے کچھ نشانیاں مقرر کر دیں تو اگر یہ طریقہ تکبر کے طور پر ہو تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر عادت و رواج کے طور پر ہو تو حرام نہیں ہوگا جب تک دامن کھینچنے تک نہ پہنچے جو ممنوع ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے علماء کرام سے نقل کیا کہ لباس کے سلسلے میں عادت و عرف سے جس قدر لمبائی یا کشادگی زائد ہوگی وہ مکروہ ہے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بِسْمِ اللَّهِ رَجُلٌ يَمْشِي تَعْبِجُهُ نَفْسُهُ
مَرَجُلٌ جَمَّةٌ أَذْخَسُفَ التَّرْبَةِ فَهُوَ يَتَجَلَّجَلُ
الْيَوْمَ الْقِيَامَةَ.
ایک شخص اپنے آپ پر اتارتے ہوئے بالوں کو کنگھی کے ہوئے جارہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین سے دیا پس وہ قیامت تک اس میں دھنسا چلا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۹، مسند احمد ج ۲ ص ۳۵۶-۳۵۷، تاریخ الکبیر ج ۱ ص ۲۱۲-۲۱۳، احاف السادة المتقين ج ۸ ص ۳۳۶، الترفیب والترہیب ج ۳ ص ۵۶۸)
طبرانی اور ابوداؤد نے نقل کیا (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

ان رجلا ممن كان قبلکم لبس
بردة فتبختبر فيها فنظر الله اليه فمقته
فامر الارض فاحذته.
تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس نے ایک چادر پہنی اور اس میں تکبر کے ساتھ چلنے لگا اللہ تعالیٰ نے اس کو دیکھا تو وہ اس پر ناراض ہوا پس زمین کو حکم دیا تو اس نے اس کو پکڑ لیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۰، مسند احمد ج ۲ ص ۲۱۳، احاف السادة المتقين ج ۸ ص ۳۳۶)

یہ وعید (سزا کا ذکر) اس مخصوص فعل پر مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی۔

چنانچہ امام نسائی اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت ایوب کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت نافع سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عورتیں اپنے دامنوں کے ساتھ کیا طریقہ اختیار کریں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک بالشت نیچے رکھیں انہوں نے عرض کیا اس طرح ان کے پاؤں نیچے ہوں گے آپ نے فرمایا: ایک ہاتھ چھوڑیں اس پر زیادہ نہ کریں۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔

تہبند کی لمبائی کا خلاصہ

جو کچھ ذکر کیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کی دو حالتیں ہیں ایک حالت استحباب ہے وہ یہ کہ نصف پنڈلی تک رکھیں اور دوسری حالت جواز ہے اور وہ ٹخنوں تک ہونا ہے۔

اسی طرح عورتوں کی بھی دو حالتیں ہیں ایک حالت مستحب ہے وہ یہ کہ جس قدر مردوں کے لئے جائز ہے اس سے ایک بالشت کی مقدار بڑھائیں اور حالت جواز اس سے ایک ہاتھ زیادہ کریں۔

اور لٹکانا تہبند، قمیص اور عمامہ میں ہوتا ہے نیز ٹخنوں سے نیچے لٹکانا جائز نہیں اگر تکبر کے طور پر ہو اور اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ظاہر احادیث میں تکبر کے ساتھ اس کی تخصیص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حرمت بھی تکبر کے ساتھ مخصوص ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ بات واضح طور پر بیان فرمائی ہے۔

عورتوں کے کپڑوں کی لمبائی

عراقی نے ”شرح ترمذی میں“ فرمایا: کہ ایک ہاتھ (لمبائی) جس کی عورتوں کو اجازت دی گئی ہے تو کیا اس کی ابتدا اس حد سے ہوگی جو مردوں کے لیے ممنوع ہے اور وہ ٹخنوں سے ہے یا مستحب حد سے اور وہ نصف پنڈلی ہے یا وہاں سے جو زمین کو چھوئے؟

ظاہر یہ ہے کہ اس سے تیسری صورت مراد ہے کیونکہ اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو امام ابو داؤد، امام نسائی نے نقل کی ہے اور الفاظ امام نسائی کے ہیں ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا۔ آپ فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ عورت اپنے دامن کو کس حد تک گھسیٹے؟ آپ نے فرمایا: ایک بالشت انہوں نے عرض کیا اس طرح اس کا جسم ننگا ہوگا (یعنی پاؤں) آپ نے فرمایا: ایک ہاتھ کر لے لیکن اس سے زائد نہ ہو۔ (کنہی کے درمیان والی انگلی کے سرے تک مراد ہے) (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۱۱۷، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۲۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۸۰، سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۹، مسند احمد ج ۲ ص ۵، ج ۶ ص ۱۲۳، ۳۰۹، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۳۳، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۲۰، تاریخ اصفہان ج ۱ ص ۱۳۰) تو اس کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ ایک ہاتھ تک زمین پر گھسیٹ سکتی ہے۔ فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ اس ذراع (ہاتھ) سے مراد ہاتھ کا ذراع ہے اور وہ دو بالشت ہے کیونکہ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے امہات المؤمنین کو ایک بالشت کی اجازت دی پھر انہوں نے زیادہ کا مطالبہ کیا تو ایک بالشت کا اضافہ فرمایا۔

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ جس ذراع (ہاتھ) کی اجازت دی گئی ہے وہ دو بالشت ہے اور آج کل اسی ذراع (شرعی گز) کے ساتھ پیمائش کی جاتی ہے۔ عراقی کا قول مکمل ہوا۔

اور عورتوں کے لئے اس کا جواز ستر کی وجہ سے ہے کیونکہ عورت سوائے ان اعضاء کے جن کو مستثنیٰ کیا گیا (ہاتھ، پاؤں اور چہرہ) مکمل طور پر ستر ہے۔

سر کا لباس

نبی اکرم ﷺ کا ایک عمامہ شریف تھا جس کو ”سحاب“ کہتے تھے اس کے نیچے ٹوپیاں ہوتی تھیں جو سر سے ملی ہوتی تھیں۔

فلانس (ٹوپیاں) فلنسوة کی جمع ہے قاف پر زبر، نون ساکن سین پر پیش اور واو پر زبر ہے واو کو کبھی یاء سے اور کبھی الف سے بدل کر سین کو زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں (فلنسة پڑھتے ہیں) کبھی اس سے نون کو حذف کر کے اس کے

بعد تائے تانیث لاتے ہیں یعنی فلسفہ۔ اس سے مراد سر کوڑھانے والی چیز ہے فراء۔ (ابوزکریا یحییٰ بن زیاد بن عبد اللہ اسدی) نے شرح "الفصح" میں یہ بات کہی ہے "الفصح" ثعلب کی کتاب ہے۔

(الاعلام ج ۸ ص ۱۳۵، نجات الاعیان ج ۲ ص ۲۲۸، معجم الادباء ج ۵ ص ۶۱۹، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۷۲، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۳۹، مرآۃ البیان ج ۲ ص ۲۸، منہاج السعاده ج ۵ ص ۲۲۵، فہرست ابن الندیم رقم الحدیث: ۶۶-۶۷) ابن ہشام کہتے ہیں یہ وہ چیز ہے جسے عام لوگ شاشیہ کہتے ہیں ابن سیدہ کی "الحکم" میں ہے کہ یہ سروں کے لباس ہیں جو معروف ہیں۔

ابو ہلال عسکری نے کہا کہ اس سے دستاروں کو ڈھانپا جاتا ہے اور سورج نیز بارش سے آڑ بنائی جاتی ہے گویا ان کے نزدیک یہ برنس (اوچی ٹوپی) کی چوٹی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ پر سیاہ عمامہ شریف تھا۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۷۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۸۵-۳۵۸۶، مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۳، ج ۴ ص ۳۰۷، سنن داری رقم الحدیث: ۸۸، سنن نسائی ج ۸ ص ۲۱۱، دلائل النبوة ج ۵ ص ۶۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۳۲-۲۳۷، تحف السادة المستعین ج ۳ ص ۲۵۳) اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے سال آپ داخل ہوئے تو آپ کے سر انور پر خود (لوہے کی ٹوپی) تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۰۸، شرح السنہ ج ۱ ص ۳۹۹) یہ خود (مغفر) سر کے مطابق زرہ کے لوہے سے بنی جاتی تھی۔

ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ سیاہ عمامہ شریف خود کے اوپر تھا۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ان کو اس طرح جمع کیا کہ جب آپ داخل ہوئے تو پہلے مرحلے میں آپ کے سر پر خود تھی پھر اسے ہٹا کر عمامہ شریف باندھا۔ اس کی دلیل حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا فرماتے ہیں: نبی اکرم نے خطبہ دیا تو آپ پر سیاہ عمامہ تھا۔ کیوں کہ آپ نے فتح مکہ کے بعد کعبہ شریف کے دروازے کے پاس خطبہ ارشاد فرمایا۔ ولی بن عراقی نے کہا اس طرح دونوں حدیثوں کو جمع کرنا پہلی تاویل کے مقابلے میں زیادہ مناسب اور بہتر ہے اس سے پہلے فتح مکہ کے سلسلے میں اسی قسم کی بات بیان ہوئی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب دستار مبارک باندھتے تو کپڑا لٹکا ہوا چھوڑتے۔ صحیح مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ اس کا ایک کنارہ دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکاتے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۳، سنن نسائی ج ۸ ص ۱۰۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۲۱، مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۸-۱۵۲، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۶۹، شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۵۶، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۳۸، اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۱۷۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۶۹)

ابو محمد بن حیان رحمہ اللہ نے کتاب "اخلاق النبی ﷺ" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ رسول اکرم ﷺ دستار باندھتے ہوئے عمامہ شریف کے بیچ کو سر انور پر گھماتے اور اس کو پچھلی جانب دستار میں ڈال دیتے

(کھسیڑ دیتے) اور ایک حصہ دونوں کاندھوں کے درمیان چھوڑتے۔ (الاعلام ج ۳ ص ۱۲۰، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۳۵)
شذرات الذہب ج ۳ ص ۶۸، کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۳۹، الملباب ج ۱ ص ۲۳۱، النجوم الزاہرہ ج ۳ ص ۱۳۶)
”صحیح مسلم میں“ حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو منبر شریف پر دیکھا آپ پر سیاہ عمامہ تھا اور آپ نے اس کا ایک کنارہ دونوں کاندھوں کے درمیان چھوڑ رکھا تھا۔
امام مسلم ہی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ پر سیاہ عمامہ تھا اس میں ٹٹکنے والے کنارے کا ذکر نہیں جو اس بات پر دلالت ہے کہ آپ دستار کا کنارہ کاندھوں کے درمیان ہمیشہ نہیں ڈالتے تھے۔

لیکن یوں کہا جاسکتا ہے کہ جب آپ مکہ مکرمہ داخل ہوئے تو آپ پر لڑائی کا لباس اور سر پر خود تھا پس آپ نے ہر جگہ اس کے مناسب لباس پہنا۔

ابن قیم نے ”الھدی النہوی میں“ کہا ہے کہ ابن تیمیہ نے دستار کے لٹکائے جانے والے حصے کے بارے میں ایک عجیب بات کہی ہے وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے اس عمل کو اس صبح اختیار کیا جس رات آپ نے مدینہ طیبہ میں خواب میں رب العزت کی زیارت کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ! بلند مرتبہ فرشتے کس بات میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کانڈھوں کے درمیان رکھا تو میں نے آسمان اور زمین کے درمیان کی ہر چیز کو جان لیا۔ یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ صحیح ہے۔

تو اس صبح آپ نے دستار کا ایک حصہ دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا۔ ابن قیم نے کہا کہ یہ علمی بات ہے جس کا جاہل لوگوں کی زبانیں اور دل انکار کرتے ہیں لیکن اس سلسلے میں میں نے یہ فائدہ کسی اور سے نہیں دیکھا۔

”الھدی النہوی کے علاوہ“ (کتب میں) یوں مذکور ہے کہ ابن تیمیہ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے جب دیکھا کہ آپ کے رب نے اپنا دست قدرت آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا ہے تو اس جگہ کو شملے کے ذریعے اعزاز بخشا۔

لیکن عراقی نے یہ بات ذکر کرنے کے بعد فرمایا: کہ ہم اس کی اصل نہیں پاتے۔
ابن ابی شیبہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے عمامہ باندھا تو اس کا ایک کنارہ میرے کاندھوں کے درمیان لٹکایا اور فرمایا غزوہ بدر اور حنین کے دن اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے میری مدد کی تو انہوں نے یہی عمامے باندھ رکھے تھے۔ بے شک عمامہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان امتیاز ہے۔
(السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۴ مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۱۵۸)

حضرت عبدالحق اشملی (عبدالحق بن عبد الرحمن بن عبد اللہ الازدی) رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ عمامہ باندھنے کے بعد سنت یہ ہے کہ اس کا کنارہ لٹکا ہوا چھوڑا جائے اور اسے گردن کے نیچے سے لے جایا جائے اگر اس کا شملہ نہ ہو اور گردن کے نیچے سے بھی نہ لے جایا جائے تو علماء کے نزدیک یہ مکروہ ہے البتہ کراہت کے سبب میں اختلاف ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس طرح شیطانوں کی دستاریں ہوتی ہیں۔

(الاعلام ج ۳ ص ۲۸۱ شذرات الذهب ج ۳ ص ۲۷۱ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۳۵۰ فوات الوفيات ج ۲ ص ۲۵۶ المعجم ج ۳ ص ۲۳۳ مرآۃ البیان ج ۳ ص ۳۲۲ دیباچہ رقم الحدیث: ۱۷۵)

احادیث مبارکہ میں دستار کا ایک کنارہ لٹکانے کے مختلف طریقے مذکور ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کاندھے پر چھوڑا اور ایک طریقہ وہ ہے جو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے عمامہ باندھا تو اسے میرے آگے اور پیچھے دونوں طرف لٹکایا یہ بات امام ابو داؤد در حدیث اللہ نے نقل کی ہے۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۷۹ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۰ اکمال ج ۵ ص ۱۸۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ پر سیاہ عمامہ شریف دیکھا۔

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ان فرق ما بیننا و بین المشرکین ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق دستاروں کا العمام علی القلائس۔
ٹوپوں پر ہونا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۱۳۲)

حضرت ابو بکرؓ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گول ٹوپیاں تھیں جو کھڑی نہیں ہوتی تھیں۔

بعض روایات میں ”کمام“ اور بعض میں ”اکمہ“ کا لفظ ہے یعنی جمع قلت اور جمع کثرت دونوں طرح ہے ”الکمہ“ ٹوپی کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں بیٹھی ہوتی تھی کھڑی نہیں تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک سفید ٹوپی تھی۔ اسے دمیا طی نے روایت کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا پسندیدہ ترین لباس

نبی اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ قمیص پسند تھی جیسے ”شائل ترمذی میں“ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے وہ فرماتی ہیں:

كان احب الثياب الى رسول الله ﷺ القميص۔
نبی اکرم ﷺ کا سب سے زیادہ پسندیدہ لباس قمیص تھی۔

حضرت معاویہ بن قرہ (رضی اللہ عنہما) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں مزین قبیلہ کے ایک گروہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ ہم آپ کے دست اقدس پر بیعت کریں اور آپ کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ راوی کو شک ہے کہ ”المطلق الازار“ فرمایا فرمایا ”زر قمیصه مطلق“ (مفہوم ایک ہی ہے) فرماتے ہیں: میں نے اپنا ہاتھ آپ کی قمیص کے گریبان میں داخل کر کے مہر نبوت کو چھوا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۷۸ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۰۸۲ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳ ج ۳ ص ۱۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ کی قمیص مبارک سوتی تھی اور اس کی لمبائی اور آستینیں زیادہ بڑی نہ تھیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو وہ لباس پہننا سب سے زیادہ پسند تھا جو بمبئی چادروں پر مشتمل ہوتا۔ ۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۱۳-۵۸۱۴ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۲۵ سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۳ مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۱ شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰ اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۱۲۶ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۳۲۸ المغنی ج ۲ ص ۲۵۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۲۶۳)

اسے ”الخمرة“ کہا جاتا ہے اور یہ ایک قسم کی چادریں ہیں جن میں کچھ سرخی ہوتی ہے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ پر دو ہنر چادریں تھیں۔ ۲۔
حضرت عروہ بن مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہما) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک رومی جبہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۶۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۰۵)
حضرت عطاء حضرت ابویعلیٰ سے اور وہ اپنے والد (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور آپ پر ہنر چادر تھی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۸۳ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۸۵۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۹۵۳)
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ پر سفید کپڑا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۲۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۳ مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۶۶)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ ایک صبح نبی اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ پر بالوں (اون) سے بنی ہوئی سیاہ چادر تھی۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۱۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۳۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶-۶۱ مسند احمد ج ۶ ص ۱۶۲ المسد رک ج ۳ ص ۱۸۸ الفعفاء ج ۳ ص ۱۹۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اونی لباس بھی پہنتے تھے ۳۔ اور آپ کی ایک چادر تھی جس پر پیوند لگے ہوئے تھے آپ اسے پہنتے اور فرماتے: میں بندہ ہوں اس طرح پہنتا ہوں جس طرح بندہ پہنتا ہے۔

صوفیاء کرام کا لباس

اگر تم کہو کہ اس (مذکورہ بالا) گفتگو اور صوفیاء کرام کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس عمدہ نہ ہو اور پرانے قسم کا ہو تو ۱۔ یہ چادر نرم ہوتی تھیں اور ان کی بناوٹ بھی اچھی تھی اور آپ کے جسم اقدس کے زیادہ موافق تھیں کیونکہ آپ کا جسم مبارک نہایت نرم و گداز تھا اور سخت کپڑا آپ کو تکلیف پہنچاتا تھا اور آپ کا ان کو پسند کرنا نعت کے اظہار اور آنے والے وفود کے دلوں سے وہم کو دور کرنا تھا (مسلمانوں کے پاس کچھ نہیں) لہذا آپ دنیا کے لئے آخرت کے حوالے سے عمدہ لباس پہنتے تھے۔ (زرقاتی ج ۵ ص ۱۵)

۲۔ چونکہ ہنر لباس اہل جنت کا لباس ہے اس لئے آپ اسے پسند فرماتے تھے۔
۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انبیاء کرام دراز گوش پر سوار ہوتے اونی لباس پہنتے اور بکری کا دودھ دوہتے تھے (مکویا تواضع کا طریقہ اختیار فرماتے تھے)۔ (زرقاتی جلد ۵ ص ۱۶)

صوفیاء کرام میں سے شاذلی سلسلہ والے اپنی شکل و صورت اور لباس میں حسن و جمال کو کیوں اپناتے ہیں؟ حالانکہ ان کا راستہ تو سنت شریف اور پہلے بزرگوں کی سیرت پر عمل کرنا ہے۔

تو عارف ربانی علی الوفا کی (الوفی) رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے مشرب کی مناس اور ان کے کریم حصہ سے حصہ عطا فرمائے انہوں نے ان الفاظ میں جواب دیا "فرماتے ہیں" اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے معافی اور حکمتوں کی طرف دیکھا تو سلف صالحین کو دیکھا کہ جب انہوں (سلف صالحین) نے لوگوں کو غفلت میں اور دنیا میں مشغول دیکھا اور یہ کہ وہ ظاہری زینت پر جھکے ہوئے ہیں اپنی دنیا پر فخر کرتے اور اس پر مطمئن ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ وہ اہل دنیا ہیں۔

تو ان بزرگوں نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے اس چیز کی حقارت کو ظاہر کیا جسے اللہ تعالیٰ نے حقیر قرار دیا اور غافل لوگوں نے اس کو بڑا سمجھ رکھا ہے تو انہوں نے اس چیز سے بے پرواہی اختیار کی جس سے غافل لوگوں نے اطمینان اختیار کر رکھا تھا۔ اس وقت ان بزرگوں کا پرانا لباس یہ بتاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس چیز سے بے نیاز کر دیا جس کی طرف نفس زیادہ محتاج ہے اور وہ دنیوی اہتمام ہے پھر جب امید لمبی ہو گئی اور اس معنی کو بھولنے کی وجہ سے دل سخت ہو گئے اور غافل لوگوں نے پھٹے پرانے کپڑے پہننا اور خراب حالت کو اپنانا شروع کیا تا کہ اس طریقے کو حصول دنیا کا ذریعہ بنائیں تو ان صوفیائے کرام نے اپنا معاملہ اس کے برعکس کر دیا۔

تو گویا ان لوگوں کی مخالفت اللہ تعالیٰ کے لئے تھی اور اس وجہ سے انہوں نے یہ راستہ اختیار کیا اسلاف کا یہی قول اور طریقہ تھا۔

الاستاذ ابو الحسن شاذلی رحمہ اللہ! پر کسی پرانے کپڑوں والے نے ان کے خوبصورت لباس کی وجہ سے اعتراض کیا تو انہوں نے نہایت اچھا جواب دیا اور ہماری رہنمائی فرمائی انہوں نے فرمایا۔

"اے فلاں! میری حالت الحمد للہ کہہ رہی ہے اور تیری یہ حالت کہتی ہے کہ مجھے اپنی دنیا میں سے کچھ دو۔"

(الاعلام ج ۳ ص ۳۰۵، دانی بالوفیات ج ۱۲ ص ۹۲، کشف الظنون رقم الحدیث: ۳۰۳-۶۶۱، ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۷۰۹-۷۱۰)

طبقات الشحرانی ج ۲ ص ۲۲، (الذی ج ۷ ص ۳۸۸)

ان لوگوں کے کاموں میں حکمت ربانی کا رفرما ہوتی ہے اور ان کی مراد اپنے رب کی رضا تلاش کرنا ہوتی ہے سیدی علی الوفا کا قول مکمل ہوا۔

حسن و جمال کی بحث

صحیح حدیث شریف میں آیا ہے:

ان الله جميل يحب الجمال. بے شک اللہ تعالیٰ صاحب جمال ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے۔

۱۔ حضرت ابو الحسن شاذلی رحمہ اللہ کا نام تقی الدین علی بن محمد اللہ بن محمد البزار ہے آپ شیخ الطائفہ تھے ابن دقیق نے کہا کہ میں نے حضرت ابو الحسن شاذلی رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی عارف باللہ نہیں دیکھا آپ نے ۶۷۶ھ میں مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہوئے انتقال فرمایا۔

(زرعانی ج ۵ ص ۱۷)

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۳-۱۳۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۷۷ المسد رک ج ۱ ص ۲۶ کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۶۰ المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۳۰ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۱۳ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۱۰۸ مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۲۱۷۰ الدر المنثور ج ۳ ص ۷۹ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۷۷۷ اتحاف السادة المتعلمین ج ۶ ص ۲۹۸ المغنی ج ۳ ص ۲۹۰ العلل المتباہیہ ج ۲ ص ۱۹۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۱۶۵-۱۷۱۸۸)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

ان الله نظيف يحب النظافة. بے شک اللہ تعالیٰ پاک صاف ہے اور وہ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۹۹ کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۳۱ اتحاف السادة المتعلمین ج ۲ ص ۳۱۱ العلل المتباہیہ ج ۲ ص ۲۲۳ الاسرار المفوہ رقم الحدیث: ۱۵۳۳ الدر المنثور رقم الحدیث: ۶۰ الخفاء ج ۱ ص ۶۲)

سنن ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابوالاحوص الجبشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میرے اوپر بوسیدہ کپڑا ہے۔ نسائی شریف میں ہے کہ مجھ پر حقیر سا کپڑا تھا آپ نے پوچھا کیا تیرے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا: کونسا مال ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیا ہے اونٹ بھی ہیں اور بکریاں بھی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پس اس کی نعمت اور کرم کو اپنے اوپر ظاہر کرو! نسائی شریف کی روایت ہے آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال عطا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرم کا اثر تم پر ظاہر ہونا چاہیے۔ (سنن نسائی ج ۸ ص ۱۹۶ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۶ مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۷ المسد رک ج ۱ ص ۲۵۰ المعجم الکبیر ج ۸ ص ۳۱۱ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۰ الدر المنثور ج ۲ ص ۳۳۷ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۲ تاریخ الکبیر ج ۳ ص ۶۰ العلل المتباہیہ ج ۲ ص ۳۱۱ شرح السنن ج ۲ ص ۲۷ مشکل لا تاریخ ج ۳ ص ۱۵۳ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۰۶ تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۱۸۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے تو فرمایا: اس شخص کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے اپنے سر کو ٹھیک کرے۔ (شرح السنن ج ۲ ص ۵۰) اور ایک دوسرے شخص کو میلے کپڑوں میں دیکھا تو فرمایا اس کے پاس کپڑے دھونے کے لئے کچھ نہیں۔ سنن میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت کا اثر دکھائی دے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۱۹ مسند احمد ج ۲ ص ۲۱۳ المسد رک ج ۳ ص ۱۳۵ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۸۹۹ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۳۵۰ اتحاف السادة المتعلمین ج ۲ ص ۳۱۱ الدر المنثور ج ۳ ص ۷۹ التہذیب ج ۳ ص ۲۵۴ تاریخ الکبیر ج ۳ ص ۲۷۷ المغنی ج ۳ ص ۳۳۶ شرح السنن ج ۲ ص ۲۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۱۷۳-۱۷۱۹۲)

پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر ظاہر ہو اور یہ وہ جمال ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور یہ نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا ہے اور وہ (شکر) باطنی جمال ہے تو واجب ہے کہ بندے پر ظاہری جمال نعمت کے ذریعے اور باطنی جمال شکر کے ذریعے ظاہر ہو۔

چونکہ اللہ تعالیٰ جمال (خوبصورتی) کو پسند فرماتا ہے اس لئے اس نے اپنے بندوں پر لباس اتارا جو ان کے ظاہر کو

خوبصورت بناتا ہے اور تقویٰ نازل کیا جو ان کے باطن کو خوبصورت بناتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُورِي
سَوَاتِكُمْ وِرْيَتًا وَلِبَاسُ الشَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ
خَيْرٌ (الاعراف: ۲۶) ہے۔

اور اہل جنت کے بارے میں فرمایا:
وَلَقَدْ أَهَلَّمْ نَظْرَةً وَ مَسْرُورًا وَ جَزَاهُمْ بِمَا
صَبَرُوا جَنَّةً وَ حَوْرًا (الدھر: ۱۱)

تو ان کے چہروں کو تر و تازگی باطن کو سرور اور بدلوں کو ریشمی کپڑے کے ذریعے جمال عطا فرمایا۔
اللہ تعالیٰ جس طرح اقوال افعال لباس اور شکل و صورت میں بد صورتی کو ناپسند کرتا ہے پس وہ برے کاموں اور ان کے مرتکبین کو ناپسند کرتا ہے۔
لیکن یہاں دو جماعتیں بھٹک گئیں۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا وہ خوبصورت ہے پس وہ اپنی تمام مخلوق سے محبت کرتا ہے اور ہم اس کی تمام مخلوق سے محبت کرتے ہیں اور کسی چیز سے نفرت نہیں کرتے وہ کہتے ہیں جو شخص کائنات کو اس کی طرف سے دیکھتا ہے وہ تمام کائنات کو خوبصورت سمجھتا ہے انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ (السجدہ: ۷)
ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے غیرت نہیں نہ ہی اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے بغض اور دشمنی رکھتے ہیں نہ برائی کا انکار کرتے ہیں اور نہ حدود قائم کرتے ہیں۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شکل و صورت کے حسن کی مذمت کی ہے اسی طرح اچھے قد و قامت اور تخلیق کی بھی مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا:

وَلَا ذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ
(النافقون: ۴) ہوگا۔

اور ”صحیح مسلم میں“ مرفوع حدیث ہے: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان الله ينظر الى صوركم و اموالكم و
انما ينظر الى قلوبكم و اعمالكم۔
کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۳۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۵، صحیح مسلم ص ۱۹۸، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۱۳۳-۵۱۳۵، اتحاف السادة المتقين ج ۱ ص ۱۵۶، الدر المنثور ج ۵ ص ۲۳۸، ج ۶ ص ۲۳۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۳۱۳، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۹۸، شرح النج ج ۳ ص ۳۳۱، تاریخ دمشق ج ۵ ص ۳۳۰، ظل الحدیث رقم الحدیث: ۸۹۵، تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۳۲۶-۳۲۲)

یہ حضرات کہتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے ریشم اور سونا پہننا نیز سونے اور چاندی کے برتن حرام قرار دیئے حالانکہ یہ حسن

دنوی میں سے سب سے بڑی چیزیں ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

ولا تملن عینک الی ما متعنا به
ازواجاً منهم زهرة الحياة الدنيا
نفسہم فیہ۔
اور اپنی آنکھوں کو دنیوی زندگی کی تروتازگی کی طرف
نہ بڑھاؤ جو ہم نے ان میں سے بعض جوڑوں کو اسی لئے عطا
کی کہ ہم اس میں ان کو آزمائیں۔

اور حدیث شریف میں ہے:

البذاذة من الايمان۔
فلکۃ حالی ایمان سے ہے (یعنی ہمیشہ زینت کا لباس

نہ پہننا اور بناوٹ سے دور رہنا)۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۱۸، المسند رک ج ۱ ص ۹، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۳۶، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۰۲۸۶، التہذیب ج ۳ ص ۲۵۵، تاریخ الکبیر ج ۹ ص ۳، اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۳۱۰، المغنی ج ۳ ص ۳۳۵، مشکل الآثار ج ۱ ص ۳۸۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۶۱۹-۵۶۲۲)

اور اللہ تعالیٰ نے ضرورت سے زائد خرچ کرنے (اسراف) سے منع فرمایا اور اسراف جس طرح کھانے پینے میں ہوتا ہے اسی طرح لباس میں بھی ہوتا ہے۔

اس اختلاف کا فیصلہ یہ ہے کہ کہا جائے صورت لباس اور حالت میں حسن و جمال کی کئی قسمیں ہیں ان میں قابل تعریف بھی ہیں اور قابل مذمت بھی اور وہ بھی جو نہ تو محمود ہیں اور نہ ہی مذموم۔

تو قابل تعریف صورت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کی عبادت اس کے احکام کے نفاذ اور اس کے حکم کی تعمیل پر مددگار ہو جس طرح نبی اکرم ﷺ مختلف وفود کے لئے جمال اختیار کرتے تھے اسی طرح لڑائی کیلئے لڑائی کا لباس پہننا ہے اسی طرح لڑائی میں ریشمی لباس پہن کر اس پر اکڑنا بھی محمود ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنا اس کے دین کی مدد اور اس کے دشمن کو غضبناک کرنا مقصود ہو۔

اور مذموم جمال وہ ہے جو دنیا، اقتدار، فخر اور تکبر کے لئے ہو اور بندے کا انتہائی مقصود و مطلوب یہی ہو کیونکہ بہت سے لوگوں کا مقصد یہی ہوتا ہے۔

اور حسن و جمال اختیار کرنے کی وہ صورت جو نہ محمود ہے اور نہ ہی قابل مذمت وہ صورت ہے جو ان دونوں مقاصد اور ان دونوں اوصاف سے خالی ہو۔

تو اس حدیث کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے چاہتا ہے کہ اس کی زبان صدق کے ساتھ دل اخلاص، محبت اور رجوع الی اللہ کے ساتھ اعضاء فرمانبرداری کے ساتھ اور بدن اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اظہار کے ساتھ حسن و جمال اختیار کرے کہ لباس اچھا ہو حقیقی اور حکمی نجاستوں سے پاکیزگی حاصل کی جائے ناپسندیدہ بال اتارے جائیں ختنہ ہو اور ناخن کاٹے جائیں نیز اس کے علاوہ امور جو احادیث میں آئے ہیں۔

سرخ لباس پہننا

حضرت جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے ایک رات جب چودہویں کا چاند روشن تھا

نبی اکرم ﷺ کو دیکھا اس رات بادل وغیرہ کچھ نہ تھے۔ پس میں کبھی آپ کی طرف اور کبھی چاند کی طرف دیکھتا آپ پر سرخ جوڑا تھا۔ تو سرکارِ دو عالم ﷺ میرے نزدیک چاند سے بھی زیادہ حسین تھے۔ (سنن داری رقم الحدیث: ۱۰)

حضرت عون بن ابی حنیفہ اپنے والد (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ پر سرخ جوڑا تھا تو گویا میں آپ کی پنڈلیوں کی چمک کو (اب بھی) دیکھ رہا ہوں۔

سفیان راوی کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ دھاری دار چادر تھی۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

ما رايت احدا من الناس احسن في حلة حمراء من رسول الله ﷺ. میں نے سرخ جوڑے میں کسی شخص کو سرکارِ دو عالم ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے:

رايت في حلة حمراء لم ار شيئا قط احسن منه. میں نے آپ کو سرخ جوڑے میں دیکھا تو میں نے آپ سے بڑھ کر خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا۔

سنن ابی داؤد میں ہے:

ما رايت من ذي لمة في حلة حمراء احسن من رسول الله ﷺ. میں نے کسی زلفوں والے کو سرخ جوڑے میں نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر خوبصورت نہیں دیکھا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۸۳ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۵ سنن نسائی ج ۸ ص ۱۸۳)

”ذی لمة“ لام کے نیچے زیر ہے یعنی سر کے بال جو حقہ سے کم ہیں کیونکہ کاندھوں تک نہیں پہنچتے اس سے زیادہ ہوں تو جمہ کہلاتے ہیں۔

قاموس میں کہا کہ حلہ میم پر پیش کے ساتھ دو چادریں تہبند اور اوپر والی چادر ہے تو حلہ یا دو کپڑوں پر مشتمل ہوتا ہے یا اس کے اندر ستر ہوتا ہے۔

سرخ لباس پہننے کا حکم

ابن قیم نے کہا جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ جوڑا خالص سرخ رنگ کا تھا اور اس میں کوئی دوسرا رنگ نہ تھا وہ غلط گمان کرتے ہیں سرخ حلہ دو یعنی چادروں پر مشتمل تھا جس میں سرخ و سیاہ دھاریاں تھیں جس طرح تمام یعنی چادریں ہوتی ہے اور لکیروں کی وجہ سے یہ اسی نام سے مشہور ہے ورنہ خالص سرخ رنگ کی سخت ممانعت ہے۔

”صحیح بخاری میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ نے سرخ ریشمی بچھونوں سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۳۹)

اور ”صحیح مسلم میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں:

رای النبی ﷺ علی ثوبین معصفرین فقال ان هذا لباس الکفار فلا تلبسهما فرمایا یہ کفار کا لباس ہے پس تم نہ پہنو۔

(سنن نسائی ج ۸ ص ۲۰۳ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷-۲۸ مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۲-۱۹۳ سنن الکبریٰ ج ۵ ص ۶۰ مشکوٰۃ

المصاح رقم الحدیث: ۳۳۲۷ المسد رک ج ۳ ص ۱۹۰ تخفیف الحیر ج ۲ ص ۷۰ (۷)

اور یہ بات معلوم ہے کہ وہ سرخ رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے ہوتے تھے۔

ابن قیمؒ نے کہا کہ سرخ کپڑوں اور چوغہ وغیرہ کا جو اذبح نظر ہے جب کہ کراہت بہت سخت ہے تو کس طرح نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے خالص سرخ لباس پہنا ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا اور لفظ ”حله حراء“ (سرخ جوڑے) سے مخالف لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ”معصفر“ کپڑوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور یہ عصفر (مُوثی) سے رنگے ہوئے کپڑے ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام تابعین اور بعد کے تمام اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے حضرت امام شافعیؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالک رحمہم اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

لیکن حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اس کے غیر کو افضل قرار دیا ہے ان سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے اسے گھر میں اور گھر کے محن میں پہننے کو جائز قرار دیا البتہ محافل اور بازاروں وغیرہ میں مکروہ کہا ہے۔

علماء کی ایک جماعت نے فرمایا: کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور نبی کو اسی پر محمول کیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا سرخ جوڑا پہننا ثابت ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے زرد رنگ لگایا۔

اور بعض حضرات نے نبی کو حج اور عمرہ کرنے والے عمرم کے ساتھ خاص کیا ہے۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”معرفة السنن میں“ یہ مسئلہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا: کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک شخص کو مزعفر کپڑے سے منع فرمایا اور معصفر کی اجازت دی۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ میں نے معصفر کی اجازت اس لئے دی ہے کہ میں نے کسی کو اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ سے نبی بیان کرتے ہوئے نہیں پایا البتہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے منع فرمایا اور میں نہیں کہتا کہ آپ نے تم لوگوں کو بھی منع فرمایا ہے۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ اس ممانعت کے عموم پر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں پھر انہوں نے صحیح مسلم کی یہ روایت نقل کی کہ (آپ نے فرمایا: یہ کفار کا لباس ہے۔ اور اس کے علاوہ احادیث نقل کرنے کے بعد فرمایا اگر یہ احادیث امام شافعی رحمہ اللہ تک پہنچتی تو ان شاء اللہ وہ بھی یہی بات فرماتے پھر انہوں نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے صحیح قول نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: اگر میرے قول کے خلاف صحیح حدیث مل جائے تو اس حدیث پر عمل کرو اور میرے قول کو چھوڑ دو۔ ایک روایت میں ہے کہ وہی میرا مذہب ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ میں غیر محرم آدمی کو ہر حال میں مزعفر لباس سے منع کرتا ہوں اور اگر وہ یہ رنگ لگائے تو اسے دھو ڈالے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انہوں نے مزعفر میں سنت کی اتباع کی ہے تو معصفر میں سنت کی اتباع کرنا زیادہ مناسب ہے۔

اور میں نے اپنے شیخ علامہ قاسم جو خنی ائمہ اور محققین میں سے ایک تھے کے فتاویٰ میں دیکھا کہ انہوں نے اس رنگ

کو مکروہ تحریمی لکھا لیکن اس میں نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا اور اس سلسلے میں مذکورہ بالا دلائل سے استدلال کیا نیز حضرت طاؤس کی روایت سے بھی استدلال کیا جو امام حاکم کے نزدیک صحیحین کی شرط پر ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھ پر معطر کپڑا تھا آپ نے فرمایا تمہیں کہاں سے حاصل ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میری بیوی نے میرے لئے بنایا ہے آپ نے فرمایا اسے جلادو (یعنی سختی سے منع فرمایا)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۶)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ عیدوں اور جمعہ کے دن سرخ چادر پہنتے تھے۔ حضرت یحییٰ بن عبد اللہ بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنے کپڑوں یعنی قمیص، چادر اور دستار مبارک کو زعفران سے رنگتے تھے۔

سنن ابی داؤد میں ان الفاظ کے ساتھ کہ آپ اپنے کپڑے درس اور زعفران سے رنگتے تھے حتیٰ کہ عمامہ شریف کو بھی رنگ لگاتے۔

حضرت زید بن اسلم، ام سلمہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے لیکن صحیح حدیث اس کے معارض ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے زعفران سے رنگ لگانے کو منع فرمایا۔ واللہ اعلم

تہبند مبارک

رسول اکرم ﷺ کے تہبند مبارک کے بارے میں حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمارے لئے ایک چادر اور مونا تہبند نکالا اور فرمایا نبی اکرم ﷺ کا وصال ان دو کپڑوں میں ہوا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۱۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳، فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۲، دلائل النبوة ج ۷ ص ۲۷۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۳۰۶)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ مونا تہبند تھا جو یمن میں بنایا جاتا ہے اور چادر اس سے تھی جس کو تم ملبہ کہتے ہو۔ ایک اور روایت میں ”کساء“ ”ملبدہ“ ہے۔

ابن کثیر نے کہا کہ اس پر پیوند لگے ہوئے تھے کہا جاتا ہے ”لبدت قمیص البدہ والبدت“ یعنی میں نے قمیص پر پیوند لگائے اور وہ کپڑا جس سے قمیص کے اگلے حصے کو پیوند لگائے جاتے ہیں اسے ”البدتہ“ کہتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”الملبدہ“ وہ کپڑا جس کا، میان والا حصہ سخت ہوتی کے وہ نمندے جیسا ہو جائے۔^۱ ”صحیح مسلم میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ پر سیاہ بالوں سے بنی ہوئی اونٹنی چادر تھی جس کو بطور تہبند باندھ رکھا تھا اس میں کجاوے کی تصویر تھی۔ اون کی بنی ہوئی چادر جس کو بطور تہبند باندھتے ہیں اسے مرط کہتے ہیں اور وہ کپڑا وغیرہ جس پر کجاووں کی تصویریں ہوں اسے ”مرط“ کہا جاتا ہے۔

”قاموس میں ہے کہ“ اس کا مادہ ”رحل“ ہے یہ وہ چادر ہے جس پر کجاوے کی تصویر ہوتی ہے اور جو ہری کا اس کی تفسیر اس تہبند سے کرنا جو ریشمی ہو اور اس میں تیل بوئے ہوں درست نہیں۔

یہ ”المرجل“ (جیم کے ساتھ) کی وضاحت ہے یہ ایسی چادر ہے جس میں مردوں کی تصویریں ہوتی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: صحیح بات جو جمہور کا موقف ہے اور قابل اعتماد لوگوں نے اسے ضبط کیا وہ حاء کے ساتھ ہے (جیم کے ساتھ نہیں) یعنی اس پر اونٹوں کے کجاووں کی تصویریں تھیں اور اس تصویر میں کوئی حرج نہیں حیوانات (روح والی چیزوں) کی تصویر حرام ہے۔

خطابی نے کہا کہ ”المرجل“ وہ چادر ہے جس میں لکیریں ہوں (دھاری دار چادر)۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے تہبند مبارک کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ اور بالشت تھی۔

حضرت معن بن عیسٰی رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا لباس جس میں آپ دودھ سے ملاقات کیلئے باہر تشریف لاتے تھے بزر چادر تھی جس کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ ایک بالشت تھی (ہاتھ یعنی ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے)۔ حضرت معن بن عیسٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم سے حضرت محمد بن بلال رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے ہشام بن عبد الملک پر نبی اکرم ﷺ کی بھنی چادر دیکھی جس کے دو حاشیے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ پر ایک چادر تھی جس سے آواز آ رہی تھی (یعنی بھنی چادر تھی)۔

حضرت یزید بن ابی حبیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ تہبند کو اپنے آگے سے جھکاتے اور اس کا پچھلا حصہ اٹھا کر رکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ اپنا تہبند ناف سے نیچے باندھتے تھے اور ناف مبارک نظر آتی تھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ تہبند مبارک ناف سے اوپر باندھتے تھے۔

طیالسی جبہ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکالا جس کے گریبان میں ریشمی پٹی تھی اور دونوں آستینوں پر بھی ریشم تھا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ رسول اکرم ﷺ کا جبہ مبارک ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب ان کا انتقال ہوا اور نبی اکرم ﷺ اس کو پہنا کرتے تھے اور ہم اس کو دھو کر اس سے مریضوں کے لئے شفاء حاصل کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۰۵۳ مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۷-۳۵۳)

”جبہ طیالسی“ طیالسی کی طرف منسوب ہے اور ”کسروانی“ ایران کے بادشاہ کسریٰ کی طرف نسبت ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کناروں پر ریشم ہو تو بلا کراہت جائز ہے خالص ریشمی لباس یا جس میں زیادہ ریشم ہو اس سے روکا گیا ہے اور اس سے ہر جزء کا حرام ہونا مراد نہیں جب کہ شراب اور سونے کا ہر جزء حرام ہے۔ یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

لطیفہ

جب نبی اکرم ﷺ کے جسم مبارک سے خوشبو ہی آتی تھی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے جسم مبارک پر کپڑا میلا نہیں ہوتا تھا اس لئے آپ کا لباس کبھی میلا نہیں ہوا۔

ابن سبع نے ”الشفاء میں“ اور السبکی نے ”اعذب الموارد و اطیب الموالد میں“ فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے جو کس آپ کو اذیت نہیں دیتی تھیں (یعنی آپ کے جسم یا کپڑوں میں نہیں ہوتی تھیں)۔

لیکن امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے کپڑوں میں جو کس تلاش کرتے اور بکری کا دودھ دوہتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز اذیت پہنچاتی تھی جو کس یا پھو وغیرہ۔

اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ آپ کا جو کس تلاش کرنا اس وجہ سے تھا کہ دوسروں سے آپ کے کپڑوں کو کچھ لگ جاتا ہوگا اگر چہ وہ آپ کو تکلیف نہ دے۔

اس سلسلے میں بحث ہے کیونکہ جوؤں کا تکلیف دینا بدن سے غذا حاصل کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ جاری فرمایا ہے اور جب غذا نہ ملے تو عام طور پر حیوان زندہ نہیں رہتا۔ ۱

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ آپ کے کپڑوں پر کبھی نہیں بیٹھتی تھی اور پھر آپ کا خون مبارک چوستے نہیں تھے۔

طیلسان (چادر کی طرح کا کپڑا جو سر کا ندھوں اور پیٹھ پر رکھا جاتا ہے) لام پر زبر ہے اور یہ طیلالہ کا واحد ہے جمع (طیلالہ) میں ہاء عجمہ کے لئے کیونکہ یہ لفظ فارسی سے عربی بنایا گیا اسے ساج بھی کہتے ہیں۔

ابن خالویہ نے ”الفصحی“ کی شرح میں کہا کہ سبز طیلسان کو ساج بھی کہا جاتا ہے۔ ابن فارس کی کتاب ”المجمل“ میں ہے کہ طاق طیلسان ہے (دیوار میں چھوٹی سی الماری کو بھی طاق کہتے ہیں اور لباس کی ایک قسم بھی طاق کہلاتی ہے)۔

ابن قیم نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے طیلسان کو پہنا ہوا اور نہ ہی کسی صحابی کے بارے میں منقول ہے بلکہ صحیح مسلم میں حضرت نو اس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے دجال کا ذکر کیا تو فرمایا ان کے ساتھ ستر ہزار یہودی نکلیں گے ان کا تعلق اصفہان سے ہوگا اور ان پر طیلسان (کپڑا) ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۳۰)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو دیکھا جن پر طیلسان تھا تو فرمایا: یہ خیبر کے یہودیوں سے کس قدر مشابہ ہیں؟

ابن قیم نے کہا کہ اسی وجہ سے پہلے اور پچھلے بزرگوں میں سے ایک جماعت نے اس کو مکروہ جانا کیونکہ امام ابو داؤد نے اور امام حاکم نے (مستدرک میں) روایت نقل کی ہے۔

۱ شیخ امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ جو کس تلاش کرنا اس لئے نہیں تھا کہ آپ کو دوسروں سے جو کس لگ جاتی تھیں بلکہ محض کپڑوں کو صاف کرنا مقصود تھا۔ ۱۲ ہزاروی (زر قانی ج ۵ ص ۷۲)

کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من تشبه بقوم فهو منهم .

جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ ان ہی

میں سے ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۳۱، مسند احمد ج ۲ ص ۵۰-۹۲، کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۳۲، الدرر المستنيرة رقم الحدیث: ۱۳۸، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۷۱، نصب الراية ج ۳ ص ۳۳۷، اتحاف السادة المتقين ج ۶ ص ۱۲۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۳۷، مشکوٰۃ ج ۲ ص ۸۸، تظلیق التعلیق رقم الحدیث: ۹۵۵-۹۵۶، التہذیب ج ۶ ص ۸۰، المغنی ج ۱ ص ۲۷۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۶۸۰، فتح الباری ج ۱ ص ۳۳۷) اور جامع ترمذی میں ہے:

لیس منا من تشبه بغيرنا .

جو شخص ہمارے غیر سے تشبیہ اختیار کرے وہ ہم میں

سے نہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۹۶، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۳۸، اتحاف السادة المتقين ج ۶ ص ۲۷۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۳۶۹، اللعل المصابیح ج ۲ ص ۲۳۳، فتح الباری ج ۱ ص ۳۳۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۳۳۳)

اور حدیث بھرت میں جو کچھ مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دوپہر کے وقت تشریف لائے تو آپ نے چہرہ انور چادر سے ڈھانپ رکھا تھا تو اس وقت آپ کا یہ عمل اس لئے تھا کہ اس کے ذریعے پوشیدہ رہیں پس ضرورت کے تحت ایسا کیا ورنہ آپ کی عادت نہ تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ اکثر چادر سے سر اور چہرے کو ڈھانپتے تھے تو یہ گرمی وغیرہ سے بچنے کے لئے کرتے تھے۔

شیخ الاسلام الولی بن عراقی نے ”شرح تقریب الاسانید میں“ فرمایا کہ ”تھنق“ معروف عمل ہے یعنی عمامہ کے ایک کنارے یا چادر وغیرہ سے سر کو ڈھانپنا۔

ابن حارج نے ”الدمل میں“ فرمایا: کہ ”قناع الرجل“ یہ ہے کہ آدمی اپنے سر کو چادر سے ڈھانپے اور اس کا ایک کنارہ ایک کاندھے پر ڈال دے۔

ابن قیم کا یہ کہنا کہ یہ حاجت کے لئے تھا اسے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث رد کرتی ہے وہ فرماتے ہیں: انہ ﷺ کان یکشر القناع . حضور ﷺ عام طور پر سر اور کو ڈھانپتے تھے۔

اسے امام بیہقی نے ”شعب الایمان میں“ اور امام ترمذی نے بھی ذکر کیا ہے۔ امام بیہقی ”شعب الایمان میں ہی اور ابن سعد طبقات میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی نقل کرتے ہیں ”یکشر القناع“ تو اس قسم کی احادیث ابن قیم کے اس قول کو رد کرتی ہیں کہ حضور علیہ السلام سے اس کا پہننا منقول نہیں۔

اور ابن قیم کا یہ کہنا کہ کسی صحابی سے بھی منقول نہیں تو اسے امام حاکم کی وہ حدیث رد کرتی ہے جو انہوں نے المستدرک میں شیخین کی شرط پر حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے ایک فتنہ کا ذکر سنا آپ فرما رہے تھے: وہ فتنہ عنقریب پیا ہونے والا ہے پس ایک شخص گزرا جس نے کپڑے سے اپنا سر ڈھانپ رکھا تھا آپ نے فرمایا: اس دن یہ ہدایت پر ہوگا۔ فرماتے ہیں: میں اٹھا تو دیکھا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی

اللہ عنہ تھے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۱، مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۳، معجم الکبیر ج ۱ ص ۱۶۲، المسد رک ج ۳ ص ۳۳۳، حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۱۴، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۰۶۷، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۲۰-۲۲۱)

حضرت سعد بن منصور رضی اللہ عنہ نے اپنی سنن میں حضرت ابو العلاء سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا آپ نماز پڑھ رہے تھے اور سر انور ڈھانپ رکھا تھا۔ ابن سعد نے (طبقات میں) حضرت سلیمان بن مغیرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے طیالہ (چادر) پہن رکھی تھی۔

اور حضرت عمارہ بن زاذان فرماتے ہیں: میں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر اندق (سرقند کی ایک ہستی) کی چادر (طیلسان) دیکھی۔

ابن قیم نے جو یہودیوں کا ذکر کیا ہے تو حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ استدلال اس وقت صحیح ہوتا جب طیلسان اوڑھنا یہودیوں کا شعار ہوتا آج کے زمانے میں ان کا شعار نہیں رہا بلکہ یہ عموم میں داخل ہو گیا ہے۔ اور ابن عبد السلام نے ”امثلۃ البدعۃ المباحہ میں“ اس کا ذکر کیا ہے اور اب یہ مسلمانوں کا شعار ہو چکا ہے تو اس کا چھوڑنا مروت سے خالی ہوتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے طیالہ (چادروں) کے رنگوں کا انکار کیا کیوں کہ وہ زرد رنگ کی تھیں۔ واللہ اعلم

انگوٹھی پہننا ۱

”صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی وہ آپ کے دست مبارک میں تھی پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی حتیٰ کہ بیزاریس (کنوئیں) میں گر گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۶۵-۵۸۶۶-۵۸۶۷-۵۸۶۸-۵۸۶۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶-۶۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۱۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸، ج ۳ ص ۹۹)

ان دونوں کتابوں میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی پہنی جس کا گھینہ جشہ کا تھا اور آپ اس کے گھینے کو پھیلی کی طرف کرتے تھے۔

امام احمد، امام نسائی، ترمذی اور امام بزار رحمہم اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں لوہے کی انگوٹھی دیکھی تو فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں؟ پھر فرمایا: چاندی کی انگوٹھی بنواؤ اور وہ ایک مشقال (ساڑھے چار ماشے) سے زیادہ نہ ہو۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۷۸۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۳۳، سنن نسائی ج ۸ ص ۱۷۲، فتح الباری ج ۱ ص ۳۹۶، شرح السنن ج ۹ ص ۱۲۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۹۶، نصب الراية ج ۳ ص ۲۳۳، مورد الظلمان رقم الحدیث: ۱۳۶۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۹۳)

۱ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۶۳، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳)

انگوٹھی پہننے کا حکم

انگوٹھی پہننے کے سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے اکثر اہل علم نے کسی کراہت کے بغیر جائز قرار دیا جب کہ بعض نے زینت کے طور پر پہننے کی صورت میں مکروہ قرار دیا ہے۔

اور بعض نے بادشاہ کے علاوہ (لوگوں) کے لئے مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ ابوداؤد اور نسائی نے ابوریحانہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے بادشاہ کے علاوہ لوگوں کو انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔

نیز نبی اکرم ﷺ نے اسے ضرورت کے تحت پہنا کہ آپ بادشاہوں کی طرف بھیجے جانے والے خطوط پر مہر لگاتے تھے جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کو خطوط لکھے تو کہا گیا کہ وہ لوگ صرف اسی خط کو قبول کرتے ہیں جس پر مہر ہو تو آپ نے انگوٹھی بنوائی جس پر ”محمد رسول اللہ“ کا نقش تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی حکومت کے دوران اسی مقصد کے تحت انگوٹھی پہنی کیونکہ جس طرح حضور علیہ السلام کو اس کی ضرورت تھی اسی طرح آپ کو بھی اور پھر اسی طرح حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کو بھی ضرورت تھی۔

ابن عبد البر نے علماء کی ایک جماعت سے اس کے پہننے کی مطلقاً کراہت نقل کی ہے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے انگوٹھی کو پھینک دیا اور پہنی نہیں۔

اور شاکل ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی پس آپ اس سے مہر لگاتے لیکن پہننے نہیں تھے۔ اور صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک دن نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک میں چاندی کی ایک انگوٹھی دیکھی پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چاندی کی انگوٹھیاں بنوا کر پہننا شروع کر دیں تو رسول اکرم ﷺ نے اپنی انگوٹھی پھینک دی چنانچہ صحابہ کرام نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دی۔

لیکن پہلا قول صحیح ہے کیوں کہ نبی اکرم ﷺ کا انگوٹھی پہننا ایک مصلحت کے تحت تھا یعنی خطوط پر مہر لگا کر بادشاہوں کی طرف بھیجتے تھے پھر آپ نے مسلسل پہننا شروع کر دی اور صحابہ کرام نے بھی انگوٹھیاں پہنیں اور آپ نے ان پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ ان کے اس عمل کو برقرار رکھا تو کسی قید کے بغیر اجازت (اور جواز) پر دلالت ہے۔

جہاں تک حدیث شریف میں وارد نہیں کا تعلق ہے کہ آپ نے صرف بادشاہ کو اجازت دی تو ابن رجب کہتے ہیں ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا: کہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

اور وہ چہ حضرت زہری کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن انگوٹھی پہنی پھر پھینک دی تو اس کے تین جواب ہیں۔

پہلا جواب: یہ حضرت زہری کا وہم ہے اور سہو ان کی زبان پر چاندی کا لفظ جاری ہوا آپ نے جو انگوٹھی ایک دن پہننے کے بعد پھینک دی وہ سونے کی انگوٹھی تھی جیسا کہ حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی حدیث میں متعدد طرق سے ثابت ہے۔

دوسرا جواب: نبی اکرم ﷺ نے جو انگوٹھی پھینکی تھی وہ مکمل طور پر چاندی کی نہیں تھی بلکہ لوہے کی انگوٹھی تھی جس پر چاندی

چڑھی ہوئی تھی۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے حضرت معقیب صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے اور وہ نبی اکرم ﷺ کی انگٹھی پر (بطور خادم) مقرر تھے وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی انگٹھی لوہے کی تھی جس پر چاندی چڑھی ہوئی تھی ہو سکتا ہے اسی کو ایک دن پہننے کے بعد پھینک دیا ہوا اور ہو سکتا ہے اسی کے ساتھ مہر بھی لگاتے ہوں لیکن پہننے نہ ہوں۔ تیسرا جواب: آپ کا پھینکنا اس لئے تھا کہ اسے سنت مسنونہ نہ سمجھ لیا جائے پس جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو انگٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو انگٹھیاں بنوالیں تو آپ کے پھینک دینے سے واضح ہوا کہ یہ جائز نہیں اور نہ ہی سنت ہے۔

معدنیات کے اعتبار سے انگٹھیوں کا حکم

پھر انگٹھی کبھی سونے کی ہوتی ہے کبھی چاندی کی کبھی لوہے کی کبھی پتیل کی اور کبھی تانبے کی ہوتی ہے اور بعض اوقات عقیق کی ہوتی ہے۔ سونے کی انگٹھی کے بارے میں صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

نہانا رسول اللہ ﷺ عن خاتم الذهب وانیة الفضة۔
نبی اکرم ﷺ نے ہمیں سونے کی انگٹھی اور چاندی کے برتنوں سے منع فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۷۵، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۰۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹-۳۱-۵۲، مسند امام احمد ج ۳ ص ۲۸۳-۲۸۵)

اور صحیحین میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سونے کی انگٹھی سے منع فرمایا۔ ان ہی دونوں کتابوں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے سونے کی انگٹھی بنوائی اور آپ نے اسے دائیں ہاتھ میں پہنا آپ اس کا تگینہ تھیلی کی جانب کرتے تھے پھر صحابہ کرام نے بھی سونے کی انگٹھیاں بنوالیں راوی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ممبر پر تشریف لے گئے اور انگٹھی کو پھینک دیا اور سونے کی انگٹھی پہننے سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۳۹-۲۳۳۵-۵۱۷۵-۵۲۳۵-۵۲۵۰-۵۸۲۸-۶۲۲۲-۶۲۵۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱-۵۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۰۹، سنن نسائی ج ۸ ص ۱۶۵، مسند احمد ج ۸ ص ۸۱-۸۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۳۲-۳۶۳۳، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۳۲، تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۳)

چاروں ائمہ حضرت امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے۔ لیکن ایک گروہ نے جن میں حضرت اسحاق بن راہویہ بھی ہیں اس کی اجازت دی ہے وہ فرماتے ہیں پانچ صحابہ کرام ایسے ہیں جن کے وصال کے وقت ان کی انگٹھیاں سونے کی تھیں۔ حضرت مصعب بن سعد فرماتے ہیں: میں نے حضرت طلحہؓ، حضرت سعد اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہم پر سونے کی انگٹھیاں دیکھی ہیں۔

حضرت حمزہ بن ابی اسید اور حضرت زبیر بن منذر بن ابی اسید رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان دونوں نے ان کے ہاتھ سے سونے کی انگٹھی نکالی اور وہ بدری صحابی تھے۔ یہ دونوں حدیثیں امام

بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں نقل کی ہیں۔ ۱۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ کیا وجہ ہے میں آپ پر سونے کی انگوٹھی دیکھتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا اسے اس ذات نے بھی دیکھا ہے جو آپ سے بہتر تھے لیکن آپ نے اسے ناپسند نہ کیا۔ ۲۔

انہوں نے پوچھا کس نے؟ فرمایا: ”نبی اکرم ﷺ نے (دیکھا ہے) جہاں تک چاندی کی انگوٹھی کا تعلق ہے تو اسے بہت سے علماء نے جائز قرار دیا اور خود نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے اسے پہنا ہے۔ حضرت امام رافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ”الروضة میں“ اور دوسرے حضرات نے یہی بات فرمائی ہے اور ہمارے اصحاب نے اس کے جواز کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔

امام ابو داؤد نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے لوہے کی انگوٹھی پہننے والے شخص سے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تم پر جہنیوں کا زیور دیکھتا ہوں چنانچہ اس نے اس کو پھینک دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ نے فرمایا: چاندی کی انگوٹھی بناؤ اور وہ بھی ایک مشقال پوری نہ ہو۔

امام نسائی اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے اس حدیث کو نقل کیا اور فرمایا: یہ حدیث غریب ہے۔ امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے اسے اپنی مستندوں میں الغیاء نے ”الاحادیث المختارہ میں“ نقل کیا لیکن یہ صحیحین میں نہیں البتہ اس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں صرف عبد اللہ بن مسلم جو ابو طییبہ (کی کنیت ہے) معروف ہیں صحیحین کے راوی نہیں ہیں یہ مشہور محدث ہیں اور ابن حبان کا اس حدیث کی تصحیح کرنا اس کی قبولیت کی دلیل ہے اور کم از کم حسن کے درجہ میں تو ہے۔

نبی کی اصل تحریم ہے نیز چاندی کی اصل یہ ہے کہ یہ مردوں کے لئے حرام ہے البتہ اس قدر جائز ہے جس کی اجازت دی گئی پس جب اس میں ایک حد مقرر کر دی گئی تو اس پر ٹھہرنا ضروری ہوگا۔ اس کے علاوہ اپنی اصل پر رہے گی۔

ابن الرفعہ نے الکفایہ کے اس باب میں جہاں مکروہ لباس کا ذکر کیا ہے کہا ہے کہ اس کا وزن ایک مشقال سے کم ہونا مناسب ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا (آگے وہ حدیث ذکر کی جو چند سطور پہلے بیان ہوئی ہے) ”ینبغی“ (مناسب ہے) کا لفظ وجوب کے لئے بھی آتا ہے اور دوسرے معانی کے لئے بھی اور اسی پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ حدیث اسی حکم کے بیان کے لئے آئی ہے لہذا نبی کو کسی وجہ کے بغیر اس کی حقیقت سے پھیرا نہ جائے۔

ابن ملقن نے امام نووی کی منہاج کی شرح میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے انہوں نے نقدی کی زکوٰۃ کے سلسلے میں فرمایا: کہ ابو داؤد اور صحیح ابن حبان میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی اکرم ﷺ نے اس ۱۔ امام زرقانی فرماتے ہیں ہو سکتا ہے ان کو نبی کی حدیث نہ پہنچی ہو یا انہوں نے اس سے کراہت تخریجی مراد لی ہو (زرقانی ج ۵ ص ۳۲) لہذا اس

واقعہ سے جواز ثابت نہیں ہوتا۔ ۱۲ ہزار روپی

۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔

فخص کو فرمایا (آخر تک حدیث ہے) اس حدیث کو ایسے فروع کے طور پر ذکر کیا جن میں اصحاب کا کوئی اختلاف نہیں (یعنی کسی معین کی طرف نسبت نہیں کی) اور اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ مشقال بھی حرام ہے (اس سے کم چاندی ہونی چاہیے)۔

اذری (احمد بن حمدان بن احمد بن عبد الواحد ابو العباس شہاب الدین الاذری) کی ”القول“ میں ہے کہ ہمارے اصحاب نے انگوٹھی کی مقدار کا ذکر نہیں کیا شاید انہوں نے عرف کا اعتبار کیا ہو پس جو اس سے زیادہ ہو وہ ضرورت سے زائد (اسراف) ہے جس طرح انہوں نے عورت کی پازیب وغیرہ کے بارے میں کہا ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ حدیث کے مطابق مقدار مقرر ہے اور ان کے کلام میں ایسی بات نہیں ہے جو حدیث کے خلاف ہو یہ ان کے الفاظ ہیں اور وہ حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ (الاعلام ج ۱ ص ۱۱۹ الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۲۵ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۶۱ ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۱۱۵ فہرست التہذیب رقم الحدیث: ۲۳۱)

ابن عماد نے ”التعقیبات میں“ یہی راہ اختیار کی ہے ان کی عبارت اس طرح ہے۔
جب انگوٹھی پہننا جائز ہے تو اس کی شرط یہ ہے کہ مشقال تک نہ پہنچے حدیث کے مطابق یہی ہے۔
لیکن حافظ عراقی نے ”شرح ترمذی میں“ فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی اور پوری مشقال نہ ہو۔
کراہت تنزیہی پر محمول ہے پس مشقال کے وزن کو پہنچنا مکروہ ہے۔
انہوں نے فرمایا: ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ صاحب العالم کی روایت میں یوں ہے کہ اسے مشقال اور مشقال کی قیمت تک پورا نہ کرو۔

اور لؤلؤ کی روایت میں یہ اضافہ نہیں اور اس زائد عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات انگوٹھی نفیس ہونے کی وجہ سے مشقال کی قیمت کو پہنچ جاتی ہے اور یہ بھی نہیں داخل ہے۔
علامہ سراج عبادی رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا ہے کہ ایک مشقال تک پہنچنا جائز ہے البتہ اس سے زائد حرام ہے۔
لوہے کی انگوٹھی

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ الادب اور دیگر تصانیف میں ”اپنے طریق سے امام سائی نے اپنی سنن میں اور ابن حبان نے بھی حدیث نقل کی ہے اور ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا کہ ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور اس پر تانبے کی ایک انگوٹھی تھی۔ آپ نے فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں بتوں کی بو پاتا ہوں؟ پس اس نے اس کو پھینک دیا پھر ایک اور شخص آیا اس نے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی آپ نے فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں اس پر جہنمیوں کا لباس دیکھتا ہوں؟ اس نے بھی اسے پھینک دیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا شبہ کی جگہ صفر کا لفظ ہے اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح المہذب میں“ فرمایا: کہ صاحب الابانہ (الفورانی) نے لوہے یا تانبے کی انگوٹھی کو مکروہ لے حدیث میں شبہ کا لفظ آیا ہے اور یہ تانبے کی ایک قسم ہے جس سے بت بنائے جاتے تھے اس کا رنگ سونے کی طرح تھا ۲۱۱ مشابہہ ۲۱۱۔

قرار دیا ہے۔ صاحب البیان نے بھی ان کی اتباع کی اور فرمایا لو ہے یا سیسے کی انگٹھی بکروہ ہے ان کی ذیل حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ وانی روایت ہے (جو پہلے گزر چکی ہے)۔

صاحب التتمہ (التولی) نے فرمایا: کہ لو ہے یا سیسے کی انگٹھی بکروہ نہیں کیونکہ صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے جس نے اپنے آپ کو پیش کرنے والی خاتون کو مشکئی کا پیغام دیا 'فرمایا (مہر کے ذریعے) تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگٹھی ہو۔ وہ فرماتے ہیں: اگر اس میں کراہت ہوتی تو آپ اس کی اجازت نہ دیتے۔

سنن ابی داؤد میں جید سند کے ساتھ حضرت معقیب صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی انگٹھی لوہے کی تھی جس پر چاندی چڑھی ہوئی تھی۔

(وہ فرماتے ہیں:) ان دو حدیثوں کی وجہ سے مختار قول یہی ہے کہ بکروہ نہیں جس عورت نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اس سے متعلق حدیث میں شرح مسلم میں کلام کرتے ہوئے کہا گیا کہ اس حدیث میں لوہے کی انگٹھی کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

لیکن اس میں اسلاف کا اختلاف ہے جو قاضی (عیاض رحمہ اللہ) نے ذکر کیا ہے کہ اور ہمارے اصحاب نے اس کی کراہت کے سلسلے میں دو قول بیان کئے ہیں جن میں سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ بکروہ نہیں کیونکہ نبی والی حدیث ضعیف ہے۔

شاید امام نووی رحمہ اللہ نے اسے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مقابلے میں ضعیف کہا ہو اور یہ حدیث اس خاتون کے واقعہ سے متعلق ہے مطلقاً نہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس (نبی والی حدیث) کے کئی شواہد ہیں اگر وہ درجہ صحت تک ترقی نہ بھی کرے تو بھی درجہ حسن سے نیچے نہیں ہے۔

عقیق کی انگٹھی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عقیق کی انگٹھی پہنو اور دایاں ہاتھ زینت کے زیادہ لائق ہے۔ (تذویر الشریعہ ج ۱ ص ۳۵۶ نوامد المجموعہ رقم الحدیث: ۱۹۳۰ العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۲۰۵)

اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ عقیق پہنویہ فقر کو دور کرتا ہے۔ یعقوب بن ابراہیم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عقیق پہنویہ

مبارک ہے۔ (کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۵۶-۳۵۷ الملای المصنوعہ ج ۲ ص ۱۳۶ تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۵۸-۱۵۹ خزینۃ الشریعہ ج ۲ ص ۲۷۵ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۵۱ اسرار الرفیع رقم الحدیث: ۱۵۸-۱۵۹ نوامد المجموعہ رقم الحدیث: ۱۹۳۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۲۸۵) اور یعقوب (راوی) متروک ہیں ابو بکر بن شعیب نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے عقیق کی انگٹھی پہنی وہ ہمیشہ بھلائی دیکھے گا۔ یہ حدیث بھی ثابت نہیں۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۵۶ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۳ خزینۃ الشریعہ ج ۲ ص ۲۷۰-۲۷۱) اسی طرح اس سلسلے میں کئی دیگر احادیث وارد ہوتی ہیں لیکن جس طرح حافظ ابن رجب نے فرمایا یہ احادیث ثابت

نہیں ہیں۔

عقلمندی فرماتے ہیں: عقیق کی انگٹھی پہننے کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے کوئی بات ثابت نہیں۔ ابن فنجویہ نے اپنی کتاب ”الخواص“ میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ جو شخص زرد یا قوت کی انگٹھی پہنے وہ بطاعون سے محفوظ رہتا ہے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۸)

انگٹھی کا نگینہ

نبی اکرم ﷺ کی انگٹھی کے نگینے کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے چاندی کی انگٹھی بنوائی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔

”صحیح مسلم میں ہے کہ“ رسول اکرم ﷺ کی انگٹھی کا نگینہ حبشی (پتھر کا) تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ علماء فرماتے ہیں: اس سے حبشہ کا پتھر مراد ہے یعنی اس کا نگینہ سفید و سیاہ مہر یا عقیق کا تھا اور ان دونوں کی کانیں حبشہ اور یمن میں ہیں۔

اگر یہ بات صحیح ہو کہ وہ حبشی سے عقیق مراد لیتے تھے تو آپ کی انگٹھیاں ہوں گی ان میں سے ایک کا نگینہ عقیق کا اور دوسری کا چاندی کا ہوگا۔

امام نووی کی شرح مسلم میں نقل کیا گیا کہ کبھی آپ کی انگٹھی کا نگینہ بھی اسی کا ہوتا (یعنی چاندی کا) اور دوسری حدیث میں ہے کہ اس کا نگینہ عقیق سے تھا لیکن یہ بات مروی نہیں ہے کہ آپ نے مکمل عقیق کی انگٹھی پہنی ہو۔

انگٹھی کا نقش

رسول اکرم ﷺ کی انگٹھی کے نقش کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی ایک انگٹھی بنوائی جس میں ”محمد رسول اللہ“ کے الفاظ نقش تھے اور آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا: میں نے چاندی کی انگٹھی بنوائی ہے جس میں ”محمد رسول اللہ“ نقش کروایا ہے لہذا کوئی بھی اس کے مطابق نقش نہ کروائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۷۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۵۶ مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۳۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۱۹ سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۲۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۸۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی انگٹھی پر ”محمد رسول اللہ“ کندہ نہ کروائے۔ سنن نسائی میں ہے کہ آپ نے چاندی کی انگٹھی بنوائی جس کا نگینہ حبشی (پتھر کا) تھا اور اس کا نقش ”محمد رسول اللہ“ تھا۔ ”صحیح بخاری اور جامع ترمذی کی“ روایت میں ہے:

كان نقش الخاتم ثلاثة اسطر محمد
مطر و رسول مطر والله مطر
(آپ کی) انگٹھی کا نقش تین سطروں میں تھا ایک سطر
میں (اسم گرامی) ”محمد“ دوسری سطر میں لفظ ”رسول“ اور
تیسری سطر میں (اسم جلالت) ”اللہ“ تھا۔

”فتح الباری میں“ فرمایا:

ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے زائد کچھ نہ تھا اور اس کی ترتیب بھی یہی تھی لیکن اس کی ترتیب عام طریقے کے مطابق نہ تھی کیونکہ مہر لگانے کا تقاضا یہ ہے کہ جو حروف نقش کئے جائیں وہ الٹ ہوں تاکہ مہر صحیح لگے اور بعض شیوخ کا کہنا کہ اس

نقش کی کتابت اوپر سے بھی یعنی اسم جلالہ "اللہ" سب سے اوپر والی سطر میں اور اسم مبارک "محمد" سب سے چلی سطر میں تھا۔ تو میں نے کئی حدیث میں اس کی تصریح نہیں دیکھی بلکہ اسماء صلی کی روایت اس کے خلاف ہے انہوں نے فرمایا ایک سطر میں اسم رسالت "محمد" دوسری سطر میں لفظ "رسول" اور تیسری سطر میں اسم جلالہ "اللہ" تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنی انگلی داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے جب آپ کا وصال ہوا تو یہ انگلی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دائیں ہاتھ میں آگئی جب ان کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دائیں ہاتھ میں ہوگی پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے داہنے ہاتھ میں ہوگی پھر جس دن آپ کے گھر کا محاصرہ ہوا تو یہ الفاظ "لا الہ الا اللہ" میں بدل گئے۔

اس حدیث کو برکہ بن محمد حلبی نے روایت کیا جیسا کہ ابن رجب نے اپنی کتاب "الخوا تيم" میں نقل کیا پھر فرمایا: یہ روایت بہت زیادہ ساقط ہے کیونکہ برکہ کا ذکر جھوٹ کے ساتھ کیا جاتا ہے (یعنی جھوٹا ہے) اور اس میں ایسے الفاظ ہیں جو اس کے جھوٹا ہونے پر دلالت کرتے ہیں یعنی یوں کہنا کہ آپ کی شہادت کے دن "لا الہ الا اللہ" ہو گیا حالانکہ انگلی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت والے دن سے پہلے بیزار لیس میں گر گئی تھی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس کے بعد ایک مدت تک زندہ رہے اور آپ نے اس کی جگہ دوسری انگلی بنوائی جس کا نقش "محمد رسول اللہ" تھا کلمہ تو حید نہ تھا۔

زیادہ انگلیاں بنوانا

شیخ الاسلام الشرف المناوی رحمہ اللہ نے فرمایا: مطلقاً انگلی پہننے سے سنت پر عمل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ انگلی ادھار کے طور پر لی ہو یا کرایہ پر لیکن سنت کے زیادہ موافق یہی ہے کہ اپنی ملکیت ہو۔ (الاعلام ج ۸ ص ۱۶۷ شذرات الذہب ج ۷ ص ۳۱۲ ضومع الامع ج ۱ ص ۲۵۴ کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۶۳۵ حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۲۵۳)

اور ہمیشہ پہننا اور زیادہ انگلیاں بنوانا بھی جائز ہے لیکن زیادہ کے استعمال کے بارے میں امام رافعی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز نہیں۔

محبت طبری نے بھی یہی بات واضح طور پر لکھی ہے انہوں نے فرمایا نتیجہ یہ ہے کہ مرد کے لئے چاندی کی دو انگلیاں پہننا جائز نہیں چاہے ایک ہاتھ میں ہوں یا دونوں ہاتھوں میں۔

کیونکہ چاندی کا اس مقدار سے زیادہ استعمال حرام ہے جس کی اجازت دی گئی ہے اور احادیث میں بھی ایک ہی انگلی کا ذکر آیا ہے۔

لیکن خوارزمی نے "الکافی میں" ذکر کیا کہ ایک ہاتھ میں دو اور دوسرے میں ایک انگلی پہن سکتا ہے۔

البتہ دونوں ہاتھوں میں دو دو پہننے کو الصيد لانی نے فتاویٰ میں ناجائز کہا ہے۔

امام داری رحمہ اللہ نے "الاستدکار میں" فرمایا: کہ مرد کے لئے دو انگلیوں سے زائد پہننا مکروہ ہے تو ان کا اسے صرف مکروہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ حرام نہیں ہے جب یہ بات ثابت ہوگئی تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور محبت طبری کے کلام سے ظاہر ہے اگر ہم اس سے چشم پوشی بھی کریں تو صید لانی کے فتویٰ پر اعتماد کرتے ہیں۔

۱۔ شیخ الاسلام مناوی کا نام شرف الدین یحییٰ بن محمد ہے۔ آپ ۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور مصر میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) رہے۔ ۱۲ ہزاروی (زر قانی ج ۵ ص ۴)

دائیں اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا

انگوٹھی دائیں یا بائیں کسی بھی ہاتھ میں پہننا جائز ہے البتہ اس کی افہمیت میں اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ میں پہنی جائے حضرت امام احمد رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں۔ حضرت صالح کی روایت میں ہے کہ حضرت امام احمد نے فرمایا: بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا مجھے زیادہ پسند ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے ایک روایت میں ہے کہ آپ بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے امام شافعی رحمہ اللہ کا طریقہ بھی یہی تھا۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

كان خاتم النبي ﷺ في هذه وأشار
الي الخنصر في يده اليسرى.
نے بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

”سنن ابی داؤد میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ انگوٹھی اپنے بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ اسماعیل بن مسلم نے سلیطی (محمد بن احمد بن محمد ابن سلیطی (دادا کی طرف نسبت) صحیح تھے) سے روایت کیا فرماتے ہیں: چودہویں رات کا چاند چمک رہا تھا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا گویا میں آپ کے لٹن مبارک کی سلوٹوں کو دیکھ رہا ہوں یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ قطعی کپڑے کی طرح ہیں اور آپ کی انگوٹھی کی چمک کو بھی دیکھ رہا تھا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی۔

اسماعیل بن مسلم (راوی) کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ ابن مبارک نے اسے چھوڑا ہے اور کبھی اس سے روایت بھی کرتے ہیں بعض حفاظ نے ذکر کیا جیسا کہ حافظ ابن رجب نے فرمایا: کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی کے بارے میں عام صحابہ کرام اور تابعین سے مروی ہے۔

ایک گروہ نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کو ترجیح دی ہے حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے حضرت حماد بن سلمہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابن ابی رافع (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا کہ انہوں نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہوئی تھی میں نے اس سلسلے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور فرماتے تھے: کہ نبی اکرم ﷺ بھی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ اس حدیث کو امام احمد نسائی ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور فرمایا: کہ امام محمد یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں جو کچھ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے یہ ان تمام روایات میں سے سب سے زیادہ صحیح ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۶ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۴۷ مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۴ سنن نسائی ج ۸ ص ۱۷۵-۱۹۳ التجم الکبیر ج ۸ ص ۲۹۱ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۳ اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۱۲۹ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۹۱-۳۳۹۲ حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۰۳ العلل المتباہیہ ج ۲ ص ۲۰۵ اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۱۲۳-۱۲۵ شرح السنہ ج ۱۲ ص ۶۷-۶۸ تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۹۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۳۰۰-۱۷۳۰۲-۱۸۳۱۱)

شمال ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے یہ حدیث

عبداللہ بن میمون کی حالت کے باعث ضعیف ہے۔

اور حضرت عباد بن صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت جعفر بن محمد سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کے داہنے ہاتھ میں انگلی تھی عباد بن صہیب بھی متروک ہیں۔

امام بزار نے اپنی سند میں حضرت عبید بن قاسم سے انہوں نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ اپنے دائیں ہاتھ میں انگلی پہنتے تھے اور جب آپ کا وصال ہوا تو اس وقت انگلی آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی۔ یہ عبید (راوی) بہت جھوٹا شخص ہے۔

حافظ ابن رجب نے کہا کہ واضح الفاظ میں یہ بات مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا آخر معمول بائیں ہاتھ میں انگلی پہنتا تھا سلیمان بن محمد، حضرت عبداللہ بن عطاء سے وہ حضرت نافع سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ انگلی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے پھر آپ نے اسے بائیں ہاتھ کی طرف پھیر دیا۔ حضرت وکیع فرماتے ہیں: دائیں ہاتھ میں انگلی پہننا سنت نہیں ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے واضح الفاظ میں منقول ہے کہ آنحضرت شہادت اور درمیان والی انگلی میں انگلی پہنتا کر وہ ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے اس اور اس انگلی میں انگلی پہننے سے منع فرمایا آپ نے شہادت والی اور درمیان والی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۵، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۸۶، سنن نسائی ج ۸ ص ۷۷، مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۹-۱۵۳)

”المباب میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ انگلی پہنتے تھے اور بعض اوقات آپ باہر تشریف لاتے اور آپ کی انگلی میں ایک دھاگہ بندھا ہوا ہوتا جو کسی بات کی یادداشت کے لئے ہوتا۔ یہ بات ابن عدی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ جب آپ کسی حاجت کا ارادہ کرتے تو اپنی انگلی میں کوئی دھاگہ باندھ دیتے۔

ابویعلیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو کسی کام کے بھول جانے کا خطرہ ہوتا تو اسے یاد رکھنے کے لئے اپنی انگلی میں دھاگہ باندھتے تاکہ یاد رہے یہ احمد بن حسین شیرازی کے مجموعہ خلعیات میں سے چوتھا خلعیہ ہے (یعنی جزء ہے) لیکن اس میں سالم بن عبدالاعلیٰ ابو الفیض ہیں ابن حبان نے ان کو موضوع احادیث گم کرنے والا قرار دیا بلکہ ابوحاتم نے اس حدیث کی وجہ سے اسے تہمت زدہ قرار دیا۔

سلوار پہننا

سلوار کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ نے اسے پہنا ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے یقین کے ساتھ بیان کیا کہ آپ نے سلوار نہیں پہنی۔ اس پر حضرت امام نووی رحمہ اللہ کا جزم دلیل ہے وہ کتاب ”تہذیب الاسماء واللغات“ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ترجمہ (تذکرہ) میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے دور جاہلیت میں بھی اور

اسلام لانے کے بعد بھی سلوار نہیں پہنی البتہ شہادت کے دن پہنی ہے اور آپؐ نبی اکرم ﷺ کی اتباع پر بہت حریص تھے۔

لیکن ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی مسند میں ایک نہایت ہی ضعیف سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ایک دن میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ بازار میں داخل ہوا تو آپؐ کپڑا فروشوں کے پاس تشریف فرما ہوئے اور چار درہم میں سلوار کا کپڑا خریدا اور بازار والوں کا ایک وزن کرنے والا تھا۔ (درہم دو دینار کا وزن کرتا تھا) آپؐ نے فرمایا: وزن کرو اور جھٹکا ہوا کرو اس نے کہا میں نے یہ بات کسی سے نہیں سنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دین میں تیری سستی اور زیادتی کے لئے یہی بات کافی ہے کیا تو نے اپنے نبی کو بھی نہیں پہچانا؟

اس نے ترازو رکھ دیا اور نبی اکرم ﷺ کا دست مبارک چومنے کے لئے کود پڑا لیکن آپؐ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: یہ کام عجمی لوگ اپنے بادشاہوں سے کرتے ہیں اور میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ میں تم لوگوں میں سے ایک آدمی ہوں۔ چنانچہ اس نے جھٹکا ہوا وزن کیا اور آپؐ نے سلوار لے لی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اسے آپؐ سے اٹھانے لگا تو آپؐ نے فرمایا: کسی چیز کے مالک کو ہی زیادہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی چیز اٹھائے عمل کمزور ہونے کی وجہ سے اٹھانہ سکتا ہو تو اس کا مسلمان بھائی اس کی مدد کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ سلوار پہنیں گے؟ فرمایا: ہاں سفر و حضر اور دن و رات میں پہنوں گا کیونکہ مجھے ستر کا حکم دیا گیا ہے پس میں سلوار سے زیادہ ستر کے لئے لائق کسی چیز کو نہیں دیکھتا۔ (المسند رک ج ۲ ص ۱۴۱ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۴۱ اتحاف السادة المتقين ج ۶ ص ۳۷۱ تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۷۲ میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۲۸۶۶۰ فوائد المجموعہ رقم الحدیث: ۱۹۰)

اسی طرح ابن حبان نے ”الضعفاء میں“ حضرت ابو یعلیٰ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ طبرانی نے ”الاوسط میں“ دارقطنی نے ”الافراد میں“ اور عقیلی نے ”الضعفاء میں“ اسے نقل کیا اور اس کا مدار یوسف بن زیاد واسطی پر ہے۔

لیکن نبی اکرم ﷺ کا سلوار خریدنا ثابت ہے۔ لہذا ”الحدی میں ہے“ ظاہر ہے کہ آپؐ نے اسے پہننے کے لئے خریدا اور یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ نے سلوار پہنی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپؐ کے زمانے میں اور آپؐ کے حکم سے سلوار پہنتے تھے۔

حضرت ابو عبد اللہ الحجازی نے ”الشفاء کے حاشیہ میں“ فرمایا: کہ ”الحدی میں“ جو کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سلوار پہنی ہے تو علماء کرام فرماتے ہیں: یہ بات سبقت قلم کی وجہ سے لکھی گئی۔ واللہ اعلم

ابو سعید نیشاپوری نے اپنی کتاب ”شرف المصطفیٰ“ میں نبی اکرم ﷺ کی تجارت کے سلسلے میں یہ بات لکھی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (صحیح بخاری) میں ایک عنوان ”باب السراويل“ مقرر کیا اور اس میں احرام کے

۱۔ امام احمد اور سنن اربع نے حضرت سید بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: میں اور خرقۃ العبد مقام ہجر سے کپڑے کر مدینہ طیبہ آئے نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم منیٰ میں تھے آپؐ نے ہم سے سلوار کا بھاؤ لگایا تو ہم نے آپؐ پر بیچ دی آپؐ نے اس کی قیمت کا وزن کیا اور وزن کرنے والے سے فرمایا: جھٹکا ہوا وزن کرنا۔

لباس والی حدیث میں اس کا ذکر کیا کیونکہ ان کی شرط کے مطابق اس میں کوئی حدیث وارد نہیں (یعنی یہ فرمایا کہ کوئی آدمی قمیص سلوار وغیرہ نہ پہنے)۔

موزے پہننا

موزے پہننے کے حوالے سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نباشی (بادشاہ) نے نبی اکرم ﷺ کے لئے دو سیاہ رنگ کے سادہ موزے بطور تحفہ بھیجے پس آپ نے ان کو پہنا پھر وضو کیا تو ان پر مسح کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۰ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۲۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۵۴۹-۳۶۲۰ مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۲) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ حضرت وحیدہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں دو موزوں کا تحفہ پیش کیا تو آپ نے ان دونوں کو پہن لیا۔

اور اسرائیل نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے یوں نقل کیا کہ ایک جبہ بھی (تحفہ کے طور پر پیش کیا) آپ نے ان دونوں (موزوں) کو پہنا حتیٰ کہ وہ پھٹ گئے اور آپ کو معلوم نہ تھا کہ کیا وہ ذبح کئے ہوئے جانور کے چمڑے سے بنائے گئے یا غیر مذبوہ کے چمڑے سے؟ اسے طبرانی نے نقل کیا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۶۹)

نعلین مبارک پہننا

نعل اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے پاؤں کی حفاظت کی جائے یہ بات صاحب محکم نے فرمائی ہے۔ آپ کے نعلین شریف کے بارے میں صحیح بخاری میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

ان نعل النبی ﷺ کان لہما قبالان۔ کہ نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک تھے جن کے دو تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۳۳ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۵۷ سنن نسائی ج ۸ ص ۲۱۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۱۳-۳۶۱۵ اخلاق النبوۃ رقم الحدیث: ۱۳۶۰ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۴۴۱۳ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳۸ شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۰-۳۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۱)

قبالان ' قبال کا شنیہ ہے جو تے کی لگام کو قبال کہتے ہیں اور یہ دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے (یعنی جس طرح قینچی چیل کی تھ ہوتی ہے جو انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کے درمیان ہوتی ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی نعلین مبارک کے دو تھے جو ڈبل ڈبل تھے۔ اس کو امام ترمذی نے "الشماکل میں" روایت کیا۔ اسی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کی نعلین مبارک کے دو تھے تھے (نعلین تھیں)۔

حضرت عیسیٰ بن طہمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو جو تے دکھائے ان پر

بال نہیں تھے اور ان کے دو قسے تھے اس کے بعد حضرت ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ یہ دونوں نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۵۸)

حضرت عبید بن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ سستی جوئے پہنتے ہیں (رنگی ہوئی کھال جس پر بال نہ ہوں) انہوں نے فرمایا میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ایسا جوتا پہنتے تھے جس پر بال نہ ہوں اور اسی میں وضو بھی فرماتے ہیں پس میں بھی اسے پہننا پسند کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۵۱ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۰ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۱۰ مسند احمد ج ۲ ص ۲۶ ص ۱۱۰) حضرت عمرو بن حرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ایسے نعلین پہنے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ (رنگے ہوئے چمڑے سے بنے ہوئے جوتے)۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی کریم ﷺ دائیں طرف سے کام شروع کرنے کو پسند کرتے تھے جب تک ممکن ہو کنگھی کرنے، نعلین مبارک پہننے اور وضو کرنے میں (یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۱۳۹ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۷۹ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۵۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۱۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷۷ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۵۰ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳-۲۳۵-۲۷۷ سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۲ بحکم الصغیر ج ۱ ص ۲۵ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۱۱۰ شرح السنہ ج ۱ ص ۷۵ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۳۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۶۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک جوتا پہنے تو دائیں پاؤں سے آغاز کرے اور جب اتارے تو بائیں پاؤں سے شروع کرے تاکہ دایاں پاؤں پہننے میں پہلے اور اتارنے میں آخر میں ہو۔

اور رسول اکرم ﷺ کھڑے ہو کر جوتا پہننے سے منع فرماتے تھے۔ (جہاں بیٹھ کر پہننا ممکن نہ ہو وہاں کھڑے ہو کر بھی پہن سکتے ہیں۔ ۱۲ ہزاروی)

ابوالیسٰ بن عسا کرنے ایک جزء مفرد میں نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک کا نقشہ ذکر کیا میں نے اسے پڑھ کر اور سن کر دونوں طرح روایت کیا ہے اسی طرح ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن خلف سلمی جو ابن الحاج کے نام سے مشہور ہیں اور اندلس میں اہل مرہہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے اور دوسرے حضرات نے یہ نقشہ بنایا ہے اور میں یہاں اسے اس لئے نقل نہیں کرتا کہ یہ مشہور ہے اور اس کی لکیریں وغیرہ بنانا کسی ماہر کے بغیر مشکل ہے۔

نعلین پاک کی فضیلت اور اس کا نفع و برکت جس کا تجربہ کیا گیا اسی میں سے کچھ اسی طرح ہے۔ ابو جعفر احمد بن عبد المجید نے ذکر کیا اور وہاں ایک نیک شیخ تھے وہ فرماتے ہیں: میں نے یہ نقشہ مبارک بعض طلباء کے لئے بنایا تو وہ طالب علم ایک دن میرے پاس آیا اور کہنے لگا گذشتہ رات میں نے نعلین مبارک کی عجیب برکت دیکھی ہے میری بیوی سخت درد میں مبتلا ہو گئی قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتی میں نے نعلین پاک کا نقشہ اس کی درد والی جگہ پر رکھ دیا اور کہا: یا اللہ! اس نعل مبارک والے کی برکت دکھا دے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت شفاء عطا فرمائی۔

ابواسحاق کہتے ہیں ابوالقاسم بن محمد نے فرمایا: کہ اس کی برکت کا جو تجربہ کیا گیا اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بونٹ

اسے اپنے پاس برکت کے لئے رکھے یہ اس کے لئے باغیوں کی بغاوت اور دشمنوں کے غلبہ سے امان ہوگا نیز ہر سرکش شیطان اور حاسد آنکھ سے پناہ کا باعث بنے گا۔

اگر کوئی حاملہ عورت اسے اپنے داہنے ہاتھ میں پکڑے اور اس پر بچے کی پیدائش کا معاملہ سخت ہو گیا ہو تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے آسان ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ابوالحسن بن عسا کر رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے کیا اچھا فرمایا ہے:

يا منشدا في رسم ربيع خال	ومن اشدا لدوارس الاطلال
دع ندب آثار وذکر مائر	لا حبة بانوا وعصر خال
والقم لری الاثر الکريم فعبدا	ان لفت منه بلثم ذا الصمصال
البر له بقلوبنا الرلها	شغل الخلی بحب ذات الخال
قبل لك الاقبال نعلی اخمص	حل الهلال بهما محل قبال
الصق بهما قلبا یقلبه الهوی	وجلا علی الاوصاب والاولجال
صافح بهما خدا و عفر وجنة	فی تربها وجدا و فطرط فعال

”اے ویران کھنڈرات کی جستجو کرنے والے اور اے مٹے ہوئے ٹیلوں کو شعر سنانے والے گزرے ہوئے زمانے پھڑپھڑے ہوئے دوستوں کی باتوں اور کھنڈرات پر رونے کو چھوڑ اور (حضور ﷺ کے) عزت والے اثر کو بوسہ دو کیا ہی خوبی ہو اگر تو نعل شریف کے نقشہ کو بوسہ دے کر سعادت مندی حاصل کر یہ ایسا اثر ہے جو ہمارے دلوں پر ثبت ہے اور ان دلوں کا حال خوبصورت عورت کی محبت میں جتنا فارغ البال شخص جیسا ہے۔ تیرا اقبال بلند ہو اس قدم کی نعلین کو بوسہ دے جن میں تسمے کی جگہ ہلال نے لی اس نعل شریف کے ساتھ دل کو وابستہ کر وہ دل جسے محبت الٹ پلٹ کرے اور وہ بیماریوں اور مصائب سے خوفزدہ ہو نعل شریف کے ساتھ اپنے رخسار کو مس کر اور اس کی مٹی اپنے چہرے پر وجد اور مبالغہ کے ساتھ لگا۔“

سبیل حر جوی ثوی بجوانح فی الحب ما جنحت الی الابلال
”عنقریب گرفتار عشق کی آتش سوزاں شفاء پائے گی جو شفاء پانے والی نہ تھی۔“

یا شبه نعل المصطفیٰ روحی الفداء لمحلک الاسمی الشریف العال
”اے نبی پاک ﷺ کے نعل پاک کے نقش مبارک! میری جان تیرے مقام رفیع اور مرتبہ علیا پر قربان۔“

همت لمراک العیون وقد نای مرمی العیان بغیر ما اھمال
”آپ کی زیارت کے لئے آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور تحقیق آنسو بہائے بغیر آنسو پھینکنا ممکن نہیں۔“

وتذکرت عهد العقیق فتاثر شوقا عقیق المدمع الهطال
”اور انہوں (آنکھوں) نے عقیق کے زمانے کی یاد تازہ کر دی پس ان (آنکھوں) نے سرخ لہروں میں موسلا دھار بارش کا شوق بیدار کر دیا۔“

وصبت فواصلت الحنین الی الذی مازال بالی منه فی بلال
”وہ آنکھیں غم عشق میں مبتلا ہوئیں اور میرے شدت اشتیاق کو اس غم سے ملا دیا جو ہمیشہ سے میرے
دل میں ہے۔“

اذکر تنی قلما لها قدم العلا والجود والمعروف والافضال
”ان آنکھوں نے مجھے ایسے مبارک قدم یاد دلوائے جن کی عظمت سخاوت نیکی اور فضل قدیم ہے۔“

اذکر تنی من لم یزل ذکرى له یعتاد فی الایکار والاصال
”کیا تو نے مجھے وہ ہستی یاد دلوائی جس کا ذکر (درویش شریف) میری صبح و شام میں پیشگی سے داخل ہے۔“

ولها المفاسخر والمآثر فی الدنا والدین والاقوال والافعال
”دین و دنیا اور اقوال و افعال میں ان اقدام مبارک کے بے شمار فضائل اور خوبیاں ہیں۔“

لو ان محلی یعتدی لعلی لها لبلغت من لیل المنی آمال
”کاش کہ میرے رخسار (کی کھال) آپ کے نعل مبارک کا چڑا بنتی تو میں نیک خواہشات اور تمناؤں
کے حصول میں کامیاب ہو جاتا۔“

او ان اجفانی لو طء نعالها ارض سمت عزا بهذا الاء ذلال
”یا میری پلکیں آپ کے قدم مبارک کے نعل کے روندنے کیلئے زمین ہوتیں تو وہ (زمین) ذلت والی
ہونے کے باوجود معزز مشہور ہوتی۔“

اور ابوالحکم بن مرطل کا قول کتنا اچھا ہے اسے ابواسحاق بن الحاج نے ایک قصیدے میں ذکر کیا:

بوصف حبیبی طرز الشعر ناظمه و نمم خد الطرس بالنقش راقمه
”شاعر نے میرے محبوب ﷺ کے اوصاف میں شعروں کے موتی پروئے اور لکھنے والے نے مئے
ہوئے نشان کو نقش (نعل پاک) سے مزین کیا۔“

رؤف عطف اوسع الناس رحمة وجادت علیہم بالنوال غمامه
”وہ (میرے محبوب) لوگوں کے لئے مہربانی اور بخشش کرنے والے اور سب سے بڑھ کر رحیم ہیں اور
ان کے جوود سخا کے بادل لوگوں پر عطیات کی بارش برساتے ہیں۔“

له الحسن والاحسان فی کل مذهب فائره محبوبه ومعالمه
”ہر میدان میں ان کی عمدہ سیرت اور فیاضی عام ہے پس ان کی سنن اور طور طریقے لوگوں کو دل و جان
سے محبوب ہیں۔“

به ختم الله النبین کلهم وکل فعال صالح فهو خاتمه
”ان (محبوب ﷺ) کے ساتھ اللہ نے نبوت کو ختم فرمادیا اور ہر عمدہ خصلت ان پر ختم ہو گئی۔“

احب رسول الله جالوانه تقاسمه قومی کفتم قسانمه
”میں رسول اللہ ﷺ سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ اگر اس کو میری قوم پر تقسیم کیا جائے تو اس کے اجزاء

(اس قدر ہوں گے کہ ہر ایک کو کفایت کریں گے)۔

کان فوادى كلما مر ذكره من الورق خفاق اصيبت فوادمه
”جب بھی ان کا ذکر مبارک ہوتا ہے تو میرا دل ایسے بے چین ہو جاتا ہے جیسے لشکریوں کے ہاتھوں اجڑا ہوا مکان ہو۔“

اهيتم اذا هبت نواسم ارضه ومن لفوادی ان تهب نواسمه
”جب سرزمین حبیب سے باد مباتی ہے تو میں عشق میں چل جاتا ہوں اور جب باد مباتی ہے تو میرے دل کو کون تھامے؟“

فانشق مسكا طيا فكالما نوافجه جاءت به و لطانمه
”پس میں پاکیزہ خوشبو سونگھتا ہوں گویا کہ ان کی طرف سے مشک کے تانے یہ خوشبو لیے آئے ہیں۔“

ومما دعانى والدعوى كثيرة الى الشوق ان الشوق مما اكاتم
”اور اسی سے میں نے دعویٰ کیا کہ میں محبت کو چھپا سکتا ہوں حالانکہ محبت میں ایسے دعاوی زیادہ ہونے کے باوجود بے کار ہیں۔“

مثال لنعلی من احب هویتہ فها انا فی ہومی ولیلی الائمہ
”میں اپنے محبوب (ﷺ) کے نعلین پاک کے نقش کو از حد چاہتا ہوں اور یہی وہ نقش مبارک ہے جسے میں صبح و شام بوسے دیتا ہوں۔“

اجر علی راسی ووجہی اہمہ والئمہ طورا و طورا الازمہ
”میں اس نقش نعل پاک کو اپنے سر پر رکھتا ہوں اور اپنے چہرے کو اس کے ذریعے فرحت بخشتا ہوں اور میں اسے بار بار چومنے کو لازم گردانتا ہوں۔“

امثلہ فی رجل اکرم من مشی فبصرہ عینی وما انا حالمة
”میں ایسے قدم مبارک کا نقش بناتا ہوں جو تمام چلنے والوں میں سے افضل ہیں اور میں جاگتے ہوئے سر کی آنکھوں سے اس کی زیارت کرتا ہوں۔“

احرک خدی ثم احسب وقعه احلی وجنتی خطوا هناک یداومہ
”(جب میں اسے اپنے رخسار پر رکھ کر) اپنے رخسار کو حرکت دیتا ہوں تو اس کے گرنے کو اپنے رخساروں پر ایک قدم سمجھتا ہوں جو بار بار رکھا جاتا ہے۔“

ومن لی بوقع النعل فی حرو جنتی لماش علت فوق النجوم ہراجمہ
”اور نعل پاک گرنے کی وجہ سے میرے رخساروں (میں پیدا ہونے والی) حرارت میں چلنے والا کون ہے جس کے قدم ستاروں سے بھی بلند ہیں۔“

۱۔ مجھے محبت پر اس چیز نے براہیئت کیا کہ محبت ایسی چیز ہے جسے میں چھپا سکتا ہوں حالانکہ دعوے بہت ہوتے ہیں۔

ساجعلہ فوق السرائب عوذة لقلبی لعل القلب یسرد حاجمه
”میں اس نقش مبارک کو اپنے سینے پر دوبارہ رکھوں گا یہ امید کرتے ہوئے کہ میرے دل کا خوف دور ہو جائے۔“

واربطہ فوق الشورن تمیمة لجفنی لعل الجفن یرقا ساجمه
”میں اس نقش کو آنسوؤں کی رگوں کے اوپر پانی کا چشمہ بناؤں گا اور اپنی پلکوں کے لئے تعویذ تاکہ میری پلکوں کے بننے والے آنسو رک جائیں۔“

الاباسی مثال نعل محمد لبطاب لحاذیہ و قدس خادمہ
”ہمارے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش نعل مبارک پر میرا باپ فدا۔“

یسود ہلال الافق لو انہ ہوی یزاحمنا فی لثمہ و نزاحمہ
”آسمان کا چاند یہ چاہتا ہے کہ وہ اس نقش پر نوٹ پڑے اور وہ اس نقش کو بوسہ دینے میں ہم سے جھگڑے اور ہم اس سے جھگڑیں (یادہ بوسہ دیے میں ہم سے سبقت لے جانے کی سعی کرے)۔“

ومن ذاک الان حب نبیسا یقوم باجسام الخلیقة لازمہ
”یا (یہ اس لئے ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں) ہاں مگر ہمارے نبی ﷺ کی محبت جمیع مخلوقات پر لازم اور واجب ہے۔“

سلام علیہ کلما ہبت الدبا وغنت باغصان الاراک حمانمہ
”جب بھی صبا چلے اور پیلو کے درخت کی شاخوں میں ان کے کبوتران کی نعت پڑھیں (گنگنائیں) تو میری طرف سے بھی سلام (سلسل) ہوتا رہے۔“

اور ابو بکر احمد بن امام ابو محمد عبد اللہ بن حسین قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا:

ونعل خضعنا ہیۃ لبہانہا وانا متی نخضع لہا ابدانعلو
فضعہا علی اعلی المفارق انہا حقیقتہا تاج و صورتہا نعل
باخمص خیر الخلق حازت مزیۃ علی التاج حتی باہت المفرق الرجل
طریق الہدی عنہا استنارت لمصر وان بحار الجود من فیضہا حلوا
سلونا ولکن عن سواہا وانما نہیم بمغناہا الغریب وما نسلوا
فما شاقنا مذارقنا رسم عزہا حمیم ولا مال کریم ولا نسل
شفاء لذی سقم رجاء لبانس امان لذی خوف کذا یحسب الفضل

”اور (حضور ﷺ کی) نعل مبارک ہے جس کا ہم احترام بجالاتے ہیں، ہم اس کا جتنا احترام کرتے ہیں اتنے ہی سربلند ہوتے ہیں اسے (اپنے سر کی) مانگ پر رکھ اس کی حقیقت تاج ہے اور ظاہری صورت نعل ہے، کائنات کی سب سے بہتر شخصیت کے قدم کی برکت سے اس (نعل) نے تاج پر فضیلت حاصل کی حتیٰ کہ سر کی چوٹی کو دیگر اعضائے انسانی پر فخر حاصل ہوا دیدہ بینا رکھنے والے کے لیے ہدایت کی راہ نے نعل

پاک سے روشنی پائی اور سخاوت کے دریاؤں نے اس نعل کے فیض سے مٹھاس پائی، ہم اس نعل کی وطن سے دور منزل میں سرگرداں ہیں اور دل بھرتا نہیں اور اس کے ماسوا سے ہم بے نیاز ہیں، جب سے ہمیں اس (نعل) کی منزل کے کھنڈرات بھائے ہیں کسی گہرے دوست مال یار شتے کی محبت نہیں رہی! (یہ نعل) پیار کے لئے شفاء اور مایوس کے لئے امید کی کرن اور خوفزدہ کے لئے امان ہے۔ اس کی فضیلت اسی طرح سمجھی جاتی ہے۔

بچھونا مبارک

نبی اکرم ﷺ ضرورت کے مطابق بچھونا اختیار فرماتے اور اس کے علاوہ کوچھوڑ دیتے۔
”صحیح مسلم میں“ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

فراش للرجل وفراش لامرأته و
الثالث للضيف والرابع للشيطان.
ایک بستر مرد کے لئے دوسرا بستر اس کی بیوی کے لئے تیسرا مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کے لئے ہوتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۴۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۲، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۳۵، اتحاف السادة المتقين ج ۵ ص ۲۶۲، شرح السنن ج ۱ ص ۵۵)

علماء کرام فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ضرورت سے زائد ہوا سے اختیار کرنا تکبر، فخر اور دنیوی زینت کے طور پر ہوتا ہے اور جو اس صفت پر ہو وہ مذموم ہے اور ہر مذموم کام شیطان کی طرف منسوب ہوتا ہے کیونکہ وہ اس پر خوش ہوتا ہے اس کے بارے میں دوسو ذالہ اور اچھا قرار دیتا ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور جب ضرورت کے بغیر ہو تو اس پر شیطان رات گزارتا اور سوتا ہے جہاں تک مرد اور عورت کے لئے الگ الگ بستر کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ بعض اوقات بیماری وغیرہ کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک مستقل بستر کا محتاج ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کا بچھونا جس پر آپ آرام فرماتے تھے چڑے کا تھا جس میں (کھجور کی) چھال بھری ہوئی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸، مسند احمد ج ۶ ص ۷۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۱۱، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸، الشفاء ج ۱ ص ۱۴۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۰۷، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۱۰۔ ج ۳ ص ۲۰۱، شرح السنن ج ۱ ص ۵۲)

امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتی ہیں: کہ ایک انصاری عورت میرے پاس آئی اور اس نے نبی اکرم ﷺ کا بچھونا دیکھا کہ کپڑے کا ایک ٹکڑا دو ہرا کیا گیا تھا تو اس نے میرے پاس ایک بچھونا بھیجا جس نے شاعر نے نعل کی منزل اور اس کے کھنڈرات کا ذکر بطور استعارہ کیا ہے قدیم عرب شعراء اپنی محبوبہ کے گہر اور اجڑے ہوئے کھنڈرات سے بھی محبت کا اظہار کیا کرتے تھے شاعر نے نعل شریف سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے قدیم عرب شعراء کی اصطلاح بطور استعارہ استعمال کی ہے ورنہ نعل کا نہ تو گہر ہوتا ہے اور نہ اس گہر کے اجڑنے پر کھنڈر ہوتا ہے۔ مترجم

میں اون بھری ہوئی تھی۔ رسول اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے تو پوچھا عائشہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں انصاری عورت میرے پاس آئی اور اس نے آپ کا بچھونا دیکھا چنانچہ اس نے یہ بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اسے واپس کر دو اللہ کی قسم! اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلتے۔ (دلائل النبوة ج ۳ ص ۳۳۵، فتح الباری ج ۱ ص ۳۵۳، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۰۲، تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۰۲، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۵۵، اتحاف السادة المتعلمین ج ۷ ص ۱۳۱، اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۱۵۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۶۱۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ چٹائی پر آرام فرماتے تھے جب کھڑے ہوئے تو پہلو مبارک پر نشان تھا۔

طبرانی نے یہ حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ ایک کمرے میں تھے جو حمام کی طرح (گرم) تھا آپ چٹائی پر آرام فرماتے تھے اور آپ کے مبارک پہلو پر (کھجور کے پنوں کے) نشانات تھے میں رونے لگا آپ نے پوچھا اے عبداللہ! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ ریشم اور دیباچ پر بیٹھتے اور لیٹتے ہیں اور آپ اس چٹائی پر آرام فرما ہیں جس کا نشان آپ کے پہلو پر پڑا ہوا ہے آپ نے فرمایا: اے عبداللہ! مت رو بے شک ان کے لیے دنیا اور ہمارے لیے آخرت ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۰۱، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۲۶، اتحاف السادة المتعلمین ج ۷ ص ۱۰۸، اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۲۷۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں: کہ میں رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ ایک چٹائی پر آرام فرماتے تھے میں بیٹھ گیا نبی اکرم ﷺ پر تہبند کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا اور آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشانات پڑ گئے تھے میں نے دیکھا کہ تقریباً ایک صاع (چار کلو) جو ہیں اور ایک چیز (مشکیزہ) لٹک رہا ہے میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے تو نبی اکرم ﷺ نے پوچھا اے عمر! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! میں کیسے نہ ر دوں اس چٹائی نے آپ کے پہلو پر نشان ڈال دیا اور آپ کا خزانہ صرف یہ ہے جو میں دیکھ رہا ہوں ادھر کسریٰ اور قیصر کے پاس پھل اور نہریں ہیں آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور اس کے منتخب (بندے) ہیں اور آپ کا خزانہ صرف یہ ہے آپ نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ہمارے لئے آخرت اور ان کے لئے دنیا ہو۔

اس حدیث کو ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا اور امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور فرمایا یہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت عرفاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے اجازت طلب کی آپ ایک بالا خانے میں کھجور کی ایک چٹائی پر آرام فرماتے تھے اور جسم کا کچھ حصہ مٹی پر تھا سر کے نیچے ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور سر کی جانب ایک پرانا چڑا تھا کمرے کے ایک کونے میں درختِ سلم کے پتے تھے میں نے سلام کیا اور بیٹھ گیا میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ!) آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور منتخب (بندے) ہیں کسریٰ اور قیصر سونے کی چار پائیوں اور ریشمی بستروں پر ہیں آپ نے فرمایا: ان لوگوں کو یہ نعمتیں جلدی مل گئیں اور یہ ختم ہونے والی ہیں

اور ہم لوگوں کو پوچھتے ہیں آخرت میں ملیں گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی چار پائی بردی (زرکل کی طرح کا ایک پودا جس کے چھلکے کو قدیم مصری لکھنے کے کام لاتے تھے) سے بنی گئی تھی اور اس پر ایک سیاہ چادر تھی ہم نے اسے بردی پودے سے بنا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے تو نبی اکرم ﷺ اس پر آرام فرماتے آپ نے ان دونوں کو دیکھا تو اٹھ کر تشریف فرما ہوئے ان دونوں نے دیکھا تو چار پائی کے نشانات آپ کے پہلو پر تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے بچھونے اور چار پائی کی تختی سے آپ کو یہ اذیت پہنچ رہی ہے جو ہم دیکھتے ہیں جب کہ کسریٰ اور قیصر ریشمی بچھونوں پر ہیں آپ نے فرمایا: یہ بات نہ کہو کیونکہ کسریٰ اور قیصر کا بچھونا آگ میں ہوگا اور میرے بستر اور چار پائی کا انجام جنت ہے۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی بچھونے کو برا نہیں کہا اگر بچھونا بچھ گیا تو اس پر آرام فرما ہو گئے ورنہ زمین پر آرام فرمایا۔

آپ اپنے اوپر لحاف بھی لیتے تھے آپ فرماتے ہیں: حضرت جبریل علیہ السلام جب بھی میرے پاس اس وقت آئے جب میں تم میں سے کسی خاتون کے لحاف میں ہوتا تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہوتیں۔ (اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بیان فرمائی)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۷۸، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۷۹، سنن نسائی ج ۷ ص ۶۸)

تیسری نوع

نکاح کے سلسلے میں سیرت نبوی ۱

رسول اکرم ﷺ کا جماع نہایت مکمل ہوتا جس سے صحت حاصل ہوتی ہے۔ لذت اور نفس کا سرور پورا ہوتا ہے اور جن مقاصد کے لئے جماع جائز ہوا ہے وہ بھی حاصل ہوتے ہیں۔

مقاصد نکاح

جماع کے بنیادی طور پر تین مقاصد ہیں اور یہی مقاصد اصلہ ہیں نفس کی حفاظت اور نوع انسانی کا ہمیشہ رہنا یہاں تک کہ وہ کتنی پوری ہو جائے جسے اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں ظاہر کرنا ہے۔
فعل مطلوب کا حصول لذت کا حاصل ہونا اور نعمت سے نفع حاصل کرنا اور جنت میں یہی فائدہ حاصل ہوگا کیونکہ وہاں نہ تو نسل بڑھانے کا مسئلہ ہوگا نہ مادہ منویہ (انسانی پیٹھ میں) جمع ہوگا کہ اس سے فراغت حاصل کی جائے۔ ۲

۱۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۲، الشفا ج ۱ ص ۸۷)

۲۔ معنف علیہ السلام کے قلم سے تیسرا مقصد چھوٹ گیا صحیح یہ ہے جس طرح کہ زاد العاد میں ہے کہ دوسرا مقصد مادہ منویہ کو خارج کرنا ہے جسے روکنا بدن کے لئے نقصان دہ ہے اور تیسرا مقصد وہ ہے جو اوپر بیان ہوا۔ (زرقانی جلد ۵ ص ۵۶)

ماہر طبیب کا خیال ہے کہ جماع حفظانِ صحت کے اسباب میں سے ہے لیکن مادہ منویہ کو صرف طلبِ نسل کے لیے نکالنا چاہیے اور جو کچھ جمع ہے اسے نکال دیا جائے ورنہ جب مادہ منویہ زیادہ دیر تک جمع رہے گا تو بری بیماریاں پیدا ہوں گی مثلاً وسوسہ پاگل پن اور مرگی وغیرہ۔

اس لئے بعض اوقات جماع ان امراض سے صحت یابی کا سبب ہوتا ہے کیونکہ جب زیادہ دیر تک مادہ منویہ کو روک کر رکھا جائے تو خرابی پیدا ہوتی ہے اور یہ ایک زہریلی شکل اختیار کر کے بری بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔
محمد بن زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص زیادہ عرصہ تک جماع نہ کرے اس کے اعضاء کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے اور اس کے راستے بند ہو جاتے ہیں اور آلہ تناسل سکڑ جاتا ہے۔

(فرماتے ہیں:) میں نے ایک جماعت کو دیکھا جنہوں نے تنگدستی کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا تو ان کے بدن ٹھنڈے ہو گئے ان کی حرکات مشکل ہو گئیں وہ غمگین رہنے لگے حالانکہ اس کا کوئی سبب نہ تھا نیز ان کی شہوت اور نظام ہضم کمزور ہو گیا۔ زاد المعاد میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جماع کے فوائد

جماع کے منافع میں سے یہ ہے کہ آنکھیں جھکی رہتی ہیں، نفس کو رکاوٹ حاصل ہوتی ہے اور حرام سے بچنے کی طاقت حاصل ہوتی ہے اور یہی باتیں عورت کو بھی حاصل ہوتی ہیں پس یہ شخص دنیا اور آخرت میں اپنے آپ کو بھی نفع پہنچاتا ہے اور عورت کو بھی۔

اس کی کثرت پر فخر کرنا ہمیشہ سے عادت معروفہ رہی ہے اور اس کے حوالے سے ایک دوسرے کی تعریف کرنا گذشتہ دور سے سیرت چلی آ رہی ہے اس لئے نبی اکرم ﷺ اس کا خیال رکھتے اور فرماتے تھے:

حبب الی من دنیاکم النساء والطیب
وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ۔
مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزوں کی محبت دی گئی
عورتیں اور خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

(سنن نسائی ج ۷ ص ۶۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۸-۱۹۹، ۲۸۵، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۰، کشف الخفاء ج ۵ ص ۲۰۵، الدر المنثور ج ۲ ص ۱۰، الدر المنثور رقم الحدیث: ۷۱، الشفاء ج ۱ ص ۸۹، تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۳-ج ۱ ص ۵۶، اتحاف السادة المتقین ج ۳ ص ۲۲-ج ۹ ص ۵۵۲، المغنی ج ۲ ص ۳، الاسرار المفوہ ص ۶۷، تذکرۃ الموضوعات ص ۱۲۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۹۱۳)

یعنی اپنے رب سے مناجات میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔
امام احمد نے زہد کے ضمن میں یہ اضافہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
واصبر عن الطعام والشراب ولا
کھانے اور پینے سے صبر کرو اور عورتوں سے صبر نہ
اصبر عنہن۔ کرو۔

پس عورتوں سے محبت اور نکاح کرنا انسانی کمال سے ہے یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں جو دین حنیف کے پیروکاروں کے امام ہیں ان کے پاس حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہیں جو تمام جہان کی عورتوں سے زیادہ خوبصورت تھیں

انہوں نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے محبت کی اور ان کو ساتھ لے گئے۔

حضرت سعد بن ابراہیم نے حضرت عامر بن سعد سے انہوں نے اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام روزانہ ملک شام سے براق پر حضرت ہاجرہ کی ملاقات کے لئے آتے کیونکہ ان سے آپ کو محبت تھی اور آپ ان سے بہت کم ضرر کر سکتے تھے۔
حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ننانوے عورتیں تھیں تو آپ کو ایک عورت سے محبت ہو گئی چنانچہ آپ نے اس سے نکاح کیا تو یوں ایک سو کی تعداد مکمل ہو گئی۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام ایک رات میں نوے عورتوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔

”حب الی من دنیا کم“ والی حدیث

امام غزالی رحمہ اللہ کی احیاء علوم الدین میں تفسیر کشاف میں سورہ آل عمران کی تفسیر کے ضمن میں اور بہت سی کتب فقہ میں یہ حدیث آئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تمہاری دنیا سے تین چیزوں کی محبت مجھے دی گئی ہے۔“
یہ حضرات فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے تین کا لفظ فرمایا لیکن صرف دو باتوں کا ذکر کیا ایک خوشبو اور دوسری عورتیں۔ اسی سے شاعر کا قول ہے:

ان الاحامرة الثلاثة اهلکت مالی و کنت بہن قدما مولعا
الخمر والماء القراح واطلى بالزعفران فلا ازال مولعا
”تین سرخ چیزوں نے میرا مال ضائع کر دیا اور میں بہت پہلے سے شوق رکھنے والا ہوں شراب، خالص پانی اور زعفران ملتا ہوں پس میں ہمیشہ سے شوقین ہوں۔“

اسے ابن فورک نے ایک جزء مفرد (وہ کتاب جس میں صرف ایک موضوع پر گفتگو ہو) میں ذکر کیا اس کی توجیہ بھی کی اور اختصار سے کام لیا ان لوگوں کے نزدیک اسے ”طی“ کہا جاتا ہے (یعنی سب کا (اجمالاً) ذکر کر کے پھر بعض کو بیان کیا جائے اور باقی سے خاموشی اختیار کی جائے اور اس میں مشکلم کی کوئی غرض ہوتی ہے مثلاً سامع پر مخفی رکھنا وغیرہ)۔
زمخشری نے کہا:

كانت حنیفة اثلاثا مثلثهم من العیید وثلث من موالیہا
”بنو حنیفہ قبیلہ تین حصوں میں تقسیم ہیں ایک تہائی غلام ہیں اور دوسری تہائی ان کے مالک ہیں۔“

اور اس عمل کا فائدہ ان کے نزدیک اس چیز کی کثرت کی طرف اشارہ کرتا ہے (تاکہ جس کا جو جی چاہے وہ راستہ اختیار کرے)۔
۱۔ ایک روایت میں سفر کا اور ایک دوسری روایت میں ساتھ کا ذکر ہے ایک اور روایت میں ایک سو کا ذکر ہے (زرقاتی ج ۵ ص ۵۸) یاد رہے کہ انبیاء کرام کی شادیوں کا مقصد خواہشات کی تکمیل نہ تھا بلکہ اس میں دیگر کئی حکمتیں تھیں مثلاً زیادہ سے زیادہ خواتین کو نسبت کا اعزاز بخشنا وغیرہ۔ ۱۲ ہزار دی

۲۔ تیسری تہائی کا ذکر نہیں کیا بنو حنیفہ میں سے کسی سے پوچھا گیا تمہارا کس حصے سے تعلق ہے اس نے کہا جس کا ذکر نہیں ہوا انہوں نے کہا کہ نماز دنیا میں اطاعت کرنے والے کی طرف سے رب کی فرمانبرداری ہے اور یہ وقت اور عمل کے اعتبار سے دنیا ہے ورنہ نماز دنیوی چیز نہیں جبکہ عورتیں اور خوشبو یہ ایک اعتبار سے دنیا ہے لیکن جب مقصود آخرت ہو تو دنیا نہیں رہتی یہ بھی اخروی ہو جاتی ہے۔ (زرقاتی ج ۵ ص ۵۹)

لیکن ابن قیم وغیرہ نے کہا ہے کہ جو شخص یہ کلمات روایت کرتا ہے ”جب الی من دنیا کم ملاث“ تو اسے وہم ہو گیا نبی اکرم ﷺ نے تین کا لفظ ارشاد نہیں فرمایا اور نماز امور دنیا سے نہیں کس کی نسبت دنیا کی طرف کی جائے۔ ہاں نماز کی دنیا کی طرف نسبت صرف اس وجہ سے ہو سکتی ہے کہ دنیا اس کے لئے طرف ہے کیونکہ یہ اس میں واقع ہوتی ہے پس یہ محض مہادت ہے۔

شیخ الاسلام والحفاظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ”تاریخ الکشاف میں“ فرمایا: کہ لفظ ”ملاث“ (تین) اس حدیث کی کسی روایت میں نہیں بلکہ یہ ایسا اضافہ ہے جو معنی کو بگاڑ دیتا ہے۔ اسی طرح شیخ الاسلام الولی ابن العرانی نے اپنی امالی میں یوں کہا ہے یہ لفظ یعنی ”ملاث“ کتب حدیث میں کہیں بھی نہیں اور یہ معنی کو فاسد کرتا ہے کیونکہ نماز دنیوی امور سے نہیں ہے۔ زرکشی وغیرہ نے اس بات کو واضح طور پر بیان کیا جس طرح ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے المقاصد الحسنہ میں اسے بیان کر کے مؤکد کر دیا۔

لفظ ”حب“ میں غور و فکر

ابن حاج کی رحمہ اللہ نے ”المدخل میں“ فرمایا: نبی اکرم ﷺ کے قول ”حب“ میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پر غور کرو آپ نے ”احببت“ (مجھے پسند ہیں) نہیں فرمایا نیز فرمایا ”من دنیاکم“ (تمہاری دنیا سے) پس دنیا کی اضافت لوگوں کی طرف کی اپنی طرف نہیں فرمائی۔ یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کی محبت اپنے آقا (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ خاص تھی اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی۔

پس نبی اکرم ﷺ ظاہر میں بشر اور باطن میں ملکوت سے تعلق رکھتے تھے (نوری تھے) اور آپ پر جس قدر بشری تقاضے آتے تھے وہ امت کو مانوس کرنے اور ان کے لئے شریعت کے اظہار کے طور پر تھے۔ آپ ان چیزوں میں سے کسی کے محتاج نہیں تھے۔

کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نہیں دیکھتے فرمایا:
 قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ
 آپ فرما دیجئے میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (کہتا ہوں کہ) میں غیب (الانعام: ۵۰) جانتا ہوں اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔

تو آپ نے ”لکم“ فرمایا یہ نہیں فرمایا: کہ میں فرشتہ ہوں تو آپ نے اپنے فرشتہ ہونے کی نفی نہیں فرمائی بلکہ صحابہ کرام کی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا (کہ میں تم سے کہتا نہیں)۔

یعنی آپ ملکوتی صفات کے مالک تھے۔ ذاتی اعتبار سے فرشتہ نہ تھے کیونکہ آپ کی بشریت کے تقاضے وہی تھے جو کسی بشر کے لئے ہوتے ہیں۔

اسی لئے سید ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ نے آپ کی صفت میں فرمایا: کہ آپ بشر ہیں لیکن دوسرے لوگوں کی طرح نہیں

جس طرح یا قوت بھی پتھر ہے لیکن دوسرے پتھروں کی طرح نہیں۔ تو انہوں نے سمجھانے کے طور پر یہ بات فرمائی ہے۔
پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کا باطن عالم ملکوت سے تعلق رکھتا ہے اور جس کا باطن ایسا ہو وہ اپنے آپ پر کنٹرول رکھتا ہے۔

ایک اور حدیث

ایک روایت میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تمہاری دنیا سے میرے دل میں عورتوں اور خوشبو کو پسندیدہ قرار دیا گیا اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے“ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لئے دنیا سے تین چیزوں کو محبوب رکھا گیا:

النظر الی وجهک وجمع المال
للانفاق علیک والشومل بقربا تک
آپ کے چہرہ انور کی زیارت آپ پر خرچ کرنے کے لئے مال جمع کرنا اور آپ کی قربت کے ذریعے آپ تک رسائی حاصل کرنا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ:

حب الی من الدنیا الامر بالمعروف
والنہی عن المنکر والقیام بامر اللہ
دنیا سے مجھے تین باتوں کی محبت دی گئی نیکی کا حکم دینا برائی سے روکنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنا۔
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے دنیا سے تین باتوں کی محبت دی گئی ہے:
اشباع الجائع وادواء الظمان و
لباس کو لباس پہنانا۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے دنیا سے تین باتوں کی محبت دی گئی ہے:
الصوم فی الصیف و اقراء الضیف
گرمیوں میں روزہ رکھنا، مہمان کی مہمان نوازی کرنا اور آپ کے سامنے (دشمنان اسلام کو) تلوار سے مارنا۔
طبری نے کہا اسے الجہدی نے ذکر کیا اور وہی اس کے ذمہ دار ہیں۔

نکاح کے سلسلے میں آپ کی قوت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضلت علی الناس بأربع بالسماحة
والشجاعة وکثرة الجماع و شدة البطش
مجھے چار باتوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے سخاوت، شجاعت، زیادہ جماع اور سخت پکڑنا۔
(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۹ ج ۹ ص ۱۳ اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۹۷ انشاء ج ۱ ص ۹۱ اعلل المستاہب ج ۱ ص ۶۹ تاریخ بغداد ج ۸ ص ۷۰ تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۳۵-۳۲۰۷۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ رات کی ایک ساعت میں اپنی ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کی تعداد گیارہ تھی۔ راوی کہتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کو اس

کی طاقت تھی؟ انہوں نے فرمایا: ہم آپس میں باتیں کرتے تھے کہ آپ کو تمیں افراد کی قوت دی گئی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۸-۲۸۳-۵۰۶۸-۵۲۱۵ مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۱ شرح السنہ ج ۲ ص ۳۷ اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۲۳۲-۲۳۱ سنن نسائی ج ۱ ص ۱۳۳ الشفاء ج ۱ ص ۹۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۳۳۳)

یہ حدیث امام بخاری نے حضرت قتادہ کے طریق سے روایت کی ہے۔ حضرت ابن خزیمہ (محمد بن اسحاق بن خزیمہ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں حضرت معاذ بن ہشام متفرد ہیں اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

(الاعلام ج ۶ ص ۲۹ شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۶۲ طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۱۳۰ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۷ الوافی بالوفیات ج ۲ ص ۱۹۶)

حضرت سعید بن ابی عروبہ وغیرہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نوازواج مطہرات کا ذکر کیا۔ (الاعلام ج ۳ ص ۹۸ شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۳۹ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۷ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۰۲)

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حضرت سعید بن ابی عروبہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ ان دنوں آپ کی ازواج مطہرات نکاح میں۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں ان دنوں روایتوں کو یوں جمع کیا ہے کہ اسے دو حالتوں پر محمول کیا جائے لیکن ان کے اس قول میں وہم ہے کہ پہلا واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ شروع شروع میں مدینہ طیبہ تشریف لائے اس وقت آپ کے حرم پاک میں نواہیات المؤمنین تھیں اور دوسرا واقعہ آخری عمر کا ہے جب گیارہ ازواج مطہرات آپ کے نکاح میں تھیں۔

یہاں وہم کا مقام یہ ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کے نکاح میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے سوا کوئی خاتون نہ تھیں پھر مدینہ طیبہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں اس کے بعد حضرت ام سلمہ حضرت حفصہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہن سے چوتھے سال نکاح فرمایا۔

پھر پانچویں سال حضرت زینب بنت جحش سے چھٹے سال حضرت جویریہ سے پھر ساتویں سال حضرت صفیہ حضرت ام حبیبہ اور حضرت میمونہ (رضی اللہ عنہن) سے نکاح فرمایا۔

مشہور قول کے مطابق یہ تمام ازواج مطہرات ہجرت کے بعد آپ کے نکاح میں آئیں لیکن حضرت ہشام کی روایت کو اس پر محمول کیا جائے کہ حضرت ماریہ اور حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہما کو بھی ان کے ساتھ ملا کر تعلیم ان پر بیویوں کا لفظ بولا جائے۔

اگر کہا جائے کہ دوسری بیوی کی باری میں کسی بیوی سے وطی کرنا منع ہے اور باری مقرر کرنا اگرچہ آپ پر واجب نہ تھا لیکن آپ نے ان (ازواج مطہرات) کے دلوں کو خوش رکھنے کے لئے اس کو اپنے اوپر لازم کیا اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے آپ اس زوجہ مطہرہ سے اجازت لیتے ہوں جس کی باری ہوتی تھی یا یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ نے باری مقرر نہ کی تھی جیسے آپ کا سفر سے تشریف لانے کا دن یا وہ دن جب تمام باریاں پوری ہو جائیں۔ کیونکہ آپ اس کے بعد باری شروع فرماتے تھے یا یہ عمل آپ کی خصوصیات میں تھا اور عورتوں کے حوالے سے کئی باتیں آپ کے ساتھ خاص تھیں جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت طاؤس اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کو جماع میں چالیس آدمیوں کی طاقت دی گئی تھی۔ (الشفاء ج ۱ ص ۹۰ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۲)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ کو چالیس سے زائد افراد کی قوت دی گئی اور ان میں سے ہر ایک جنتی مرد ہے یہ روایت حارث بن ابی اسامہ سے مروی ہے۔

حضرت امام احمد اور امام نسائی نے نقل کیا اور حضرت امام حاکم نے حضرت زید بن ارقم کی اس حدیث کو صحیح قرار دیا انہوں نے مرفوعاً بیان کیا کہ جنت میں ہر شخص کو کھانے پینے، جماع اور شہوت کی قوت سو آدمیوں کی طاقت کے برابر دی جائے گی۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۷۱ سنن داری ج ۲ ص ۳۳۲ المعجم الکبیر ج ۵ ص ۱۹۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۰۸ المغنی ج ۳ ص ۵۲۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۲۹۰)

حضرت صفوان بن سلیم مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس ایک ہنڈیا لائے تو مجھے جماع کے سلسلے میں چالیس آدمیوں کی قوت دی گئی۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۷۶ کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۰۰ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۹۶-۳۱۸۹۷-۳۱۸۵۱)

زیادہ شادیوں کی حکمتیں

جب رسول اکرم ﷺ جماع پر زیادہ قوت رکھنے والوں میں سے تھے اور آپ کو زیادہ طاقت دی گئی تو آپ کے لئے آزاد عورتوں سے اس قدر تعدد حلال کی گئی جو دوسروں کیلئے حلال نہ تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

تزوجوا فان افضل هذه الامة اكثرها نکاح کرو اس امت کی سب سے افضل شخصیت (حضور علیہ السلام) کی ازواج مطہرات سب سے زیادہ تھیں۔

نبی اکرم ﷺ مراد ہیں اور اس امت کی قید اس لئے لگائی گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خارج کیا جائے کیونکہ آپ کی عورتیں سب سے زیادہ تھیں۔

طبرانی نے حضرت سعید بن جبیر اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا آپ نے فرمایا: نکاح کرو کیونکہ ہم میں سے سب سے بہتر شخص سب سے زیادہ بیویوں والے تھے۔

کہا گیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے سب سے بہتر آدمی وہ ہے جس کی بیویاں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہوں جب کہ دیگر فضائل میں وہ برابر ہوں۔

حافظ ابو الفضل عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ظاہر بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”بہترین“ سے نبی اکرم ﷺ مراد لئے ہیں اور امت سے خاص خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ اور گویا انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نکاح نہ کرنے کو ترجیح نہیں ہے کیونکہ یہ بات ترجیح رکھتی تو اس بات میں کوئی دوسرا نبی اکرم ﷺ پر ترجیح نہ رکھتا اور اس کے باوجود کہ آپ اللہ تعالیٰ سے باقی تمام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ ڈرنے والے اور زیادہ علم

رکھنے والے تھے آپ نے زیادہ شادیاں کیں جس کی مصلحت یہ تھی کہ ایسے احکام کی تبلیغ ہو جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے اور آپ کا معجزہ ظاہر ہو کیونکہ آپ کے پاس عام طور پر وہ چیز نہیں ہوتی تھی جس کے ذریعے قوت حاصل کی جاتی ہے اور اگر کوئی چیز پاتے تو عام طور پر دوسروں کو ترجیح دیتے اور اکثر مسلسل روزے رکھتے اس کے باوجود ایک ایک رات میں تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے اور قوت بدن کے بغیر اس بات کی طاقت نہیں ہوتی اور بدنی قوت کھانے پینے کی ان چیزوں کو استعمال کرنے سے حاصل ہوتی ہے جو طاقت دینے والی ہوں اور یہ چیزیں آپ کے پاس یا تو نادر ہوتی تھیں یا بالکل نہیں ہوتی تھیں۔

بعض علماء کرام نے فرمایا: جب آزاد آدمی کو لہجہ کی فضیلت کی وجہ سے غلام کے مقابلے میں زیادہ شادیوں کی اجازت ہے تو واجب ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کو امت پر فضیلت کے باعث امت کے لئے جائز تعداد سے بڑھ کر عورتوں سے نکاح کی اجازت ہو۔

اور وہ فرماتے ہیں: اس کے فوائد میں سے یہ بات بھی ہے کہ رسالت کے بوجھ کے ساتھ ساتھ ازواج مطہرات کے ساتھ زیادہ تکلیف برداشت کی جائے تاکہ آپ کی مشقت زیادہ ہو اور اجر بھی بہت زیادہ ملے۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ نکاح کرنا آپ کے لئے عبادت کی طرح تھا۔ نیز آپ کے باطنی محاسن لوگوں تک پہنچیں۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور اس وقت ان کے والد حضرت ابوسفیان آپ کے دشمن تھے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے باپ چچا اور خاوند کو قتل کیا گیا اگر وہ آپ کے باطنی احوال پر مطلع نہ ہوتیں کہ آپ تمام مخلوق میں سے زیادہ کامل ہیں تو بشری فطرت کے مطابق وہ آباؤ اجداد اور قرہی رشتہ داروں کی طرف مائل ہوتیں۔

پس زیادہ عورتوں کے حوالے سے آپ کے معجزات اور باطنی کمالات کا بیان ہے جس جس انداز میں لوگوں پر آپ کا کمال منکشف ہوا۔

نکاح کی ترغیب

نبی اکرم ﷺ نے نکاح کی ترغیب دی ہے امام ابو داؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تزوجوا الولود الودود فانی مکاتر بکم
زیادہ بچے جننے والی اور زیادہ محبت کرنے والی عورت
سے نکاح کرو میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں پر فخر
کروں گا۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
انکحوا فانی مکاتر بکم الامم۔
نکاح کرو بے شک میں تمہارے ذریعے دوسری
امتوں پر فخر کروں گا۔

اور یہ جو عام لوگوں کی زبان پر ہے کہ ”نکاح کرو نسل بڑھاؤ بے شک میں تمہارے ذریعے دوسری امتوں پر فخر کروں

کا اس کا بھی یہی معنی ہے لیکن مجھے ان الفاظ پر اطلاع نہیں۔ ۱۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۸۰ الخفاء ج ۱ ص ۸۷ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۵۳ تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۱۳ اتحاد السادة المتعلمین

ج ۵ ص ۲۸۶ المغنی ج ۲ ص ۲۲ تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۳۹۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۴۴۴۴)

اور جو شخص نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو نبی اکرم ﷺ نے اسے روزہ رکھنے کی راہ دکھائی ہے کیونکہ روزے کی کثرت

مادہ نکاح کو کم کر دیتا ہے اور قوی حرارت جو نکاح کا باعث ہے اسے کمزور کر دیتا ہے اور اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ نے

نوجوانوں کو خاص کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "یا معشر الشباب" (اے نوجوانوں کے گروہ) کیونکہ نکاح کی خواہش

جس قدر نوجوانوں میں ہوتی ہے دوسروں میں نہیں ہوتی اور تمہارے لئے ظاہر ہو چکا ہے کہ روزے کے مقابلے میں نکاح

کا اجر و ثواب زیادہ ہے کیونکہ پہلے روزے کا حکم نہیں بلکہ جب نکاح کی طاقت نہ ہو تو روزہ رکھنے کا حکم ہے اور اگر نکاح سے

مقصود نسل بڑھا کر امت محمدیہ میں اضافہ کرنا ہو تو بلاشبہ نکاح افضل ہے۔ (مجمع البخاری رقم الحدیث: ۵۰۶۵-۵۰۶۶ مجمع مسلم رقم

الحدیث: ۲۱۱ سنن نسائی ج ۳ ص ۱۶۹-۱۷۱ ج ۶ ص ۵۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۳۵ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۰۸۱ مسند احمد

ج ۱ ص ۳۸۷-۳۸۸ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۹۶ سنن داری ج ۲ ص ۱۳۲ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۱۵۰ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۳۹ مجمع

الزوائد ج ۳ ص ۲۵۲ اتحاد السادة المتعلمین ج ۵ ص ۲۸۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۰۸-۳۵۵۹۲)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بیویوں سے جماع کرتا ہوں حالانکہ مجھے ان کی ضرورت نہیں

ہوتی لیکن یہ امید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری پیٹھ سے ان لوگوں کو نکالے جن کے ذریعے قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ

دوسری امتوں پر فخر کریں۔ یہ قول ابن ابی جمرہ نے نقل کیا ہے۔

اور دیکھو ہمارے نبی ﷺ بالاتفاق سب سے زیادہ عبادت گزار تھے حالانکہ آپ کی جبلت و فطرت میں جماع کی

چاہت رکھی گئی تھی اور کسی طرح کوئی کام بھی آپ کی عبادت میں خلل انداز نہ ہوا کیونکہ نبی اکرم ﷺ یہ عمل جواز کے

طریقے پر کرتے تھے اور یہ بشریت کا انتہائی کمال ہے اس لئے کہ آپ فطری عمل کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع رکھتے تھے۔

ایک روایت میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا رهبانية في الاسلام.

اسلام میں رهبانیت نہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۶ کشف الخفاء ج ۲ ص ۵۲۸)

یعنی عورتوں کو چھوڑنے (نکاح نہ کرنے) کا حکم نہیں اگر اس عمل کو چھوڑنا افضل ہوتا تو ہمارے دین میں اس کی

اجازت ہوتی کیونکہ یہ تمام ادیان سے بہتر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میں ایک رات میں ایک سو عورتوں کے پاس جاتا ہوں۔

(مجمع البخاری رقم الحدیث: ۲۸۱۹-۳۳۳۳-۵۲۳۹-۶۷۶۰-۶۷۶۱-۶۷۶۲ مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۲۹-۲۷۵-۵۰۶)

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے کیونکہ آدمی ایک رات میں ایک سو عورتوں کے پاس جانے سے عاجز ہوتا ہے

۱۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "نساکھوا تناسلوا اباهی بکم الامم یوم القیامة" کے الفاظ نقل کئے ہیں اور فرمایا کہ یہ حدیث ابن مردویہ

نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً ضعیف سند کے ساتھ نقل کی ہے۔ (زر قانی ج ۵ ص ۶۳)

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کو اس طرح ظاہر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی اجازت دی پس یہ آپ کا معجزہ طاقت کا اظہار اور حکمت کا ظہور تھا تا کہ ان لوگوں کا رد ہو جائے جو ہر کام کو عادت سے مربوط کرتے ہیں (یعنی معجزات کے منکر ہیں) اور کہتے ہیں کہ فلاں کام ہو تو اس طرح ہو گا اور اس طرح کا بچہ اس طرح کے آدمی سے پیدا ہو گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی پیٹھ میں ایک سو آدمیوں کا پانی (مادہ منویہ) رکھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور ایک ہزار لونڈیاں تھیں لیکن اس سے سلیمان علیہ السلام کا ہمارے نبی کریم ﷺ پر افضل ہونا لازم نہیں آتا کہ آپ کو چالیس آدمیوں کی قوت دی گئی اور آپ کی ازواج مطہرات صرف دس تھیں۔

کیونکہ ہمارے نبی ﷺ کو جو مرتبہ افضلیت ملا ہے اس میں کوئی دوسرا آپ کا مساوی نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بادشاہی کی تمنا کی تو آپ کو بادشاہی دی گئی اور جماع میں یہ قوت عطا کی گئی تا کہ آپ کی بادشاہی بطور معجزہ ہر اعتبار سے مکمل ہو اور اس وجہ سے آپ ممتاز ہوں تو آپ کی بیویاں آپ کی بادشاہی کی جنس سے تھیں جو آپ کے بعد کسی کے لئے مناسب نہیں جس طرح کا آپ نے مطالبہ کیا۔

ہمارے آقا ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ نبوت کے ساتھ بادشاہت سے بھی موسوف ہوں لیکن آپ نے اس سے انکار کر دیا اور نبوت کے ساتھ بندگی کو اختیار کیا پس آپ کو اس انداز میں خصوصیت عطا کی گئی کیونکہ آپ نے فقر اور بندگی کو اختیار کیا اور جس بات کو آپ نے اختیار کیا یعنی فقر اور بندگی اس میں زائد وصف بطور معجزہ ملا چنانچہ آپ بھوک کی شدت اور مجاہدہ کی وجہ سے بطن اقدس پر پتھر باندھتے تھے لیکن جماع کے سلسلے میں اپنی حالت پر ہوتے اس میں کوئی کمی نہ آتی۔

حالانکہ دوسرے لوگ بھوک اور مشقت کی صورت میں کبھی بھی جماع پر قادر نہیں ہوتے تو یہ انتہا کو پہنچنے والا معجزہ ہے۔ یہ بات ”ہبہ النفوس میں“ ذکر کی گئی ہے۔

چوتھی نوع

آپ ﷺ کی نیند مبارک ۱

آرام کرنے کا انداز

نبی اکرم ﷺ رات کے پہلے حصے میں آرام فرماتے اور دوسرے نصف کے شروع میں بیدار ہو جاتے اور اٹھ کر مسواک کرتے اور وضو فرماتے آپ کی نیند حسب ضرورت ہوتی تھی اور آپ ضرورت کے مطابق نیند سے اپنے آپ کو روکتے نہیں تھے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ دائیں پہلو پر آرام فرماتے اور جب تک آنکھوں پر نیند غالب نہ ہوتی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے آپ اپنا بطن مبارک کھانے اور پانی سے بھرتے نہیں تھے۔

آپ دائیں پہلو پر اس لئے آرام فرماتے کہ آپ کو ہر کام میں دائیں طرف سے آغاز پسند تھا اور امت کی رہنمائی بھی مقصود تھی کیونکہ دائیں طرف سونا آسان ہے اس لئے کہ دل بائیں جانب لٹکا ہوا ہے پس جب آدمی بائیں پہلو پر سوتا ہے تو نیند سے بوجھل ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے آرام حاصل ہوتا ہے تو نیند کا بوجھ پڑتا ہے لیکن جب دائیں پہلو پر سوتے تو اضطراب رہتا ہے اور اس قلبی اضطراب کی وجہ سے نیند میں گم نہیں ہو جاتا دل اپنا ٹھکانہ تلاش کرتا ہے۔ حکماء کہتے ہیں بائیں پہلو پر زیادہ سونا اگر چہ (بظاہر) آسان ہے لیکن دل کو نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ اعضا کا میلان دل کی طرف ہوتا ہے اور اس میں مواد جمع ہوتا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء میں“ فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ دائیں پہلو پر اس لئے آرام کرتے تھے کہ اس سے نیند کم آتی ہے تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ آپ کا دل سوتا نہیں تھا اس لئے آپ کا دائیں پہلو پر اور بائیں پہلو پر سونا برابر تھا۔ پس یہ حکم آپ کے لئے ثابت ہے اور انہوں نے جو وجہ بیان کی ہے یہ اس شخص کے حق میں درست قرار پاتی ہے جس کا دل سوتا ہو اس وقت دائیں پہلو پر سونا اس بنیاد پر تھا کہ آپ کو دائیں طرف پسند تھی یا تعلیم دینا مقصود تھا۔ سب سے بری نیند پیٹھ کے بل سونا ہے البتہ سونے کے بغیر شخص آرام حاصل کرنے کے لئے یوں لیٹنے میں کوئی نقصان نہیں۔

”سنن ابن ماجہ میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ مسجد میں ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو چہرے کے بل لیٹا ہوا تھا تو آپ نے اسے پاؤں کے ساتھ ٹھوکر مار کر فرمایا کھڑے ہو جاؤ یا (فرمایا) بیٹھ جاؤ یہ جہنمی انداز کا سونا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۰۳۷، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۷۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۳۷۹)

نبی اکرم ﷺ کا بچھونا

رسول اکرم ﷺ بعض اوقات چڑے کے بچھونے پر آرام فرما ہوتے اور بعض اوقات فرش پر آرام کرتے کبھی چٹائی پر اور کبھی زمین پر آرام فرما ہوتے تھے اور آپ کا بچھونا چڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ کے ہاں ایک موٹا کھر دراخت بچھونا بھی تھا جس پر آرام فرماتے تھے۔

سونے سے پہلے دعا

نبی اکرم ﷺ بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنی ہتھیلی دائیں رخسار کے نیچے رکھتے اور یہ الفاظ پڑھتے: رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ. یا اللہ! جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا اس دن مجھے عذاب سے محفوظ رکھنا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۳۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۹۸-۳۳۹۹، مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۰-۲۹۸، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۸۲، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۲۳، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۳۳، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۲۱، تاریخ دمشق ج ۷ ص ۲۸۸) ایک روایت میں ہے ”یوم تجمع عبادک“ جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے۔

حضرت ابوقحادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ جب رات کے وقت کسی مقام پر اترتے تو دائیں پہلو پر آرام فرما ہو جاتے اور جب صبح سے کچھ

دیر پہلے اترتے تو اپنا بازو کھڑا کر کے سر انور کو تھیلی پر رکھتے۔ ۱۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۸-۳۰۹ السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۵۶ مشکل ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۹ اتحاف السادة المستعین ج ۳ ص ۳۳۱)

البدلیہ والنبایہ ج ۶ ص ۱۰۲ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۵۵۸ کنز العمال رقم الحدیث: (۱۸۱۵۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ جب آرام فرما ہوتے تو سانس لیتے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بستر پر تشریف لاتے تو یہ الفاظ پڑھتے:

يَا اللّٰهُ! تیرے نام پر میری موت اور زندگی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۱۳-۶۳۲۲-۶۳۲۵-۶۳۹۵ مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۵ الادب المفرد البخاری رقم الحدیث: ۱۳۱۰)

مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۳۸۳ تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۵۴-۲۴۲ (۲۴۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر ان میں سورۃ اخلاص، قل اعوذ برب

الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کے پھونک مارتے پھر ان دونوں ہاتھوں کو اپنے جسم اقدس پر پھیرتے سر انور سے اور

چہرے سے آغاز کرتے اور جسم کے اگلے حصے پر پھیرتے آپ تین مرتبہ اس طرح کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ جب بستر پر تشریف لاتے تو یوں کہتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ كَفَّنَا اللّٰهُ تَعَالٰی کے لئے حمد ہے جس نے ہمیں کھلایا اور

واوَنَا وَ كَفَّنَا مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِیْ۔ پلایا اور کفایت کی اور ٹھکانہ دیا اور کتنے ہی لوگ ہیں جن کے

لئے سامان کفایت اور ٹھکانہ نہیں۔

آپ کا دل نہیں سوتا تھا

نبی اکرم ﷺ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل نہیں سوتا تھا یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا سے روایت کی ہے جب انہوں نے عرض کی آپ وتر پڑھنے سے پہلے آرام فرما ہو رہے ہیں؟

رسول اکرم ﷺ کا قلب اقدس اس لئے سوتا نہیں تھا کہ جب دل میں حیات مضبوط ہو تو بدن کے سونے سے دل

نہیں سوتا۔

اور اس حالت کا کمال ہمارے نبی ﷺ اور ان لوگوں کو حاصل ہے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور اپنے

رسول ﷺ کی اتباع کے ذریعے زندہ رکھا ہوا ہے حضور علیہ السلام کو حاصل اس کمال سے اپنے نصیب کے مطابق ایک

جزء حاصل ہوتی ہے۔

پس جس کا دل بیدار ہو وہ بیدار بدن کی طرح ہے اور جس کا دل غافل ہو وہ سونے والے کی طرح ہے۔

بلند معارف اور حقائق والے ہمارے سردار علی ابن سیدی محمد و فارحہما اللہ نے اسی مذکورہ بالا بات کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ اس طرح جاگنے میں مدد ملتی ہے اور مقصود یہ ہوتا تھا کہ نیند لمبی نہ ہو جائے اور اس طرح فجر کی نماز رہ جائے گی اور یہ امت کی تعلیم کے لئے تھا

ورنہ آپ کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ آپ غفلت سے محفوظ تھے۔ ۱۲ ہزار روئی

عینسی تنام لكن قلبی واللہ ما ینام
ناظر الی وجہ الحبيب شاخص علی الدوام
وکیف ینام عاشق مسمی فی الحب مستہام
اتاہ فی المعنی مرسوم ان یمحی الرسوم
فلقال بالحبی القیوم یا سعد من یقوم

”میری آنکھ سوتی ہے لیکن جسم بخدا میرا دل نہیں سوتا اور وہ عاشق کیسے سوئے جو محبت میں گرفتار اور حیران ہے؟ وہ محبوب کے چہرے کی طرف دیکھتا ہے اور اس کی آنکھیں ہمیشہ کھلی رہتی ہیں اس کے پاس محبوب کی طرف سے لکھا ہوا آتا ہے کہ رسوں کو مٹا دیا جائے پس وہ زندہ اور قائم رکھنے والے کے لئے کھڑا ہوتا ہے اے خوش بخت! جو اس کے احکام بجالاتا ہے۔“

اس حدیث اور اس حدیث کو جس میں آیا کہ نبی اکرم ﷺ وادی میں صبح کی نماز کے بعد آرام فرما ہوئے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا اور گرمی ہو گئی۔

اور یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہتے ہوئے آپ کو بیدار کیا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۸-۳۳۸۸-۳۵۷۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱۲۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۲ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۱۸-۲۱۹ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۸۲ صحیح ابن خزیمرہ رقم الحدیث: ۹۸۷۰ دلائل النبوة رقم الحدیث: ۱۳۶۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۷۱۵) (ان دو حدیثوں کو) جمع کرنے کے سلسلے میں حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے دو جواب دیئے ہیں۔

ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ دل کو ان محسوسات کا ادراک ہوتا ہے جو اس سے متعلق ہوتے ہیں جس طرح بے وضو ہونا اور تکلیف کا پہنچنا وغیرہ لیکن جن باتوں کا تعلق آنکھ سے ہوتا ہے ان کا ادراک نہیں ہوتا کیونکہ آنکھ سو رہی ہے اور دل جاگتا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے دو حالتیں تھیں ایک حالت یہ کہ آپ کا دل سوتا نہیں تھا عام طور پر یہی حالت ہوتی تھی اور دوسری حالت میں قلب اقدس سو جاتا تھا اور یہ حالت باور تھی پس اس وقت یہ حالت پیش آئی یعنی جب آپ نماز سے سو گئے تو یہی صورت تھی۔ پہلا قول صحیح قابل اعتماد ہے اور دوسرا ضعیف ہے۔

”فتح الباری میں“ فرمایا: بات اسی طرح ہے لیکن یہ نہ کہا جائے کہ دل اگرچہ ان چیزوں کا ادراک نہیں کرتا جن کا ادراک دل سے ہوتا ہے جس طرح فجر کو دیکھنا لیکن جب بیداری کی حالت ہو اور طویل وقت گزر جائے تو اس کا ادراک ہوتا ہے کیونکہ طلوع فجر سے سورج کے گرم ہونے تک طویل وقت ہوتا ہے اور یہ اس پر پوشیدہ نہیں ہوتا جو کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔

کیونکہ ہم کہتے ہیں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت آپ کا قلب اقدس وحی میں مستغرق تھا اور اس سے لازم نہیں آتا کہ آپ کو سویا ہوا قرار دیا جائے جس طرح آپ بیداری کے عالم میں نزول وحی کے وقت مکمل طور پر ادھر متوجہ ہوتے تھے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے ہم چلتے رہے حتیٰ کہ جب رات کا آخری حصہ ہوا تو ہمیں خوب نیند آگئی اور سورج کی دھوپ سے ہم بیدار ہوئے سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے پھر فلاں پھر فلاں اور چوتھے نمبر پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے (تفصیلی واقعہ صحیح بخاری میں علامات النبوة کے باب میں ملاحظہ کیجئے)۔

(زرقانی ج ۵ ص ۷۷)

اور اس کی حکمت یہ تھی کہ عملاً شرعی حکم بیان کیا جائے کیونکہ اس طریقے سے حکم دل میں زیادہ جاگزیں ہوتا ہے جس طرح نماز سے آپ کے بھول جانے کا واقعہ ہے۔ (آپ نے دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا تھا)

ابن المنیر کا جواب بھی اس کے قریب قریب ہے وہ یہ کہ دل کو بیداری کی حالت میں سحو حاصل ہوتا ہے اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ شرعی حکم بیان ہو پس نیند کی حالت میں اس سے زیادہ یا کم از کم برابر ہوگا۔

ابن عربی نے ”القبس“ میں فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کسی بھی حالت میں ہوں نیند کی حالت ہو یا بیداری کی حق اور تحقیق کے ساتھ رابطہ ہوتا ہے اور ہر راستے میں فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں اگر بھول جائیں تو بھلانے کے ساتھ مضبوط مشغولیت ہوتی ہے اور اگر سو جائیں تو دل اور نفس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ جب آرام فرما ہوتے تو ہم آپ کو بیدار نہ کرتے حتیٰ کہ آپ خود بیدار ہوتے کیونکہ معلوم نہ ہوتا کہ آپ کس حالت میں ہیں؟ پس نیند سے آپ کا سو جانا یا بھول جانا آپ کے کسی دوسرے شغل کی وجہ سے ہوتا کسی آفت کا نتیجہ نہ ہوتا اور آپ کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف جانا جو اسی کی مثال ہے اس لئے تھا کہ سنت قرار پائے۔

اس اعتراض کے کچھ دوسرے جوابات بھی ہیں لیکن وہ ضعیف ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے ارشاد گرامی ”نیرا دل نہیں سوتا“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا وضو ٹوٹنے کی حالت پوشیدہ نہیں ہوتی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نیند میں اس قدر مستغرق نہ ہوتے کہ وضو ٹوٹ جائے یہ جواب پہلے جواب کے قریب ہے۔

ابن دقیق العید نے کہا گویا اس جواب کے قائل نے دل کی بیداری کو وضو ٹوٹنے کی حالت کے ادراک کے ساتھ خاص کیا اور یہ بات (عقل سے) بعید ہے اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی:

ان عینیں تنامان ولا ینام قلبی . بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۷-۲۰۱۳-۳۵۶۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۵ سنن نسائی ج ۳ ص ۲۳۳ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۹ مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۴ الشفاء ج ۱ ص ۸۶ التہجد ج ۵ ص ۲۰۸ ج ۶ ص ۳۹۲ شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۴ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۴۹ دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۷۱ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۶)

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس بات کا جواب تھا کہ کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جائیں گے اور اس کلام کا تعلق اس طہارت کے ٹوٹنے سے نہیں جس میں ان حضرات نے گفتگو کی ہے بلکہ یہ جواب وتر نماز کے معاملے سے متعلق ہے پس آپ کی بیداری کو دل کے وتر نماز کے لئے بیدار ہونے کے تعلق پر محمول کیا جائے گا۔ اور ان دونوں میں فرق ہے یعنی جس نے اطمینان قلبی کی حالت میں نیند کا آغاز کیا اور جس نے اس حالت میں نیند شروع کی کہ دل جاگتا ہے وہ فرماتے ہیں اس بنیاد پر کوئی تعارض اور اشکال نہیں ہوگا کیونکہ جب آپ سورج کے طلوع ہونے تک آرام فرما ہوتے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ آپ اس سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے مطمئن ہو کر سو گئے اور آپ کو اس شخص (حضرت بلال

رضی اللہ عنہ (پراعتقاد تھا جنہیں ہجر کی نگرانی پر مامور فرمایا تھا۔
 غلامہ یہ ہوا کہ ”ولا ینسام قلبی“ سے جو بیداری بھی جاتی ہے اس کی تخصیص وتر نماز کا وقت معنوی طور پر پانے
 سے متعلق ہے کیونکہ اس بیداری کا اس سے تعلق تھا اور اس دوسرے واقع میں آپ گہری نیند سو گئے اس کی تائید حضرت
 بلال رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے عرض کیا:

اخخذ بنفسی الذی اخذ بنفسک مجھے اسی چیز نے آلیا جو آپ پر طاری ہوئی۔
 اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس پر اعتراض نہیں
 فرمایا اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ گہری نیند سو گئے تھے۔
 اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ خصوصی سبب کا متقاضی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا اعتبار
 اس وقت ہوتا ہے جب اس پر کوئی قرینہ ہو اور سیاق و سباق اس کی طرف رہنمائی کرے اور یہاں یہی بات ہے۔
 ایک ضعیف جواب یہ بھی دیا گیا کہ آپ کا دل جاگتا تھا اور آپ کو وقت کے نکلنے کا علم ہو چکا تھا لیکن آپ نے شرعی
 مسئلہ بتانے کی خاطر صحابہ کرام کو آگاہ نہ فرمایا۔ واللہ اعلم

چوتھا مقصد

نبی اکرم ﷺ کے معجزات جو آپ کی نبوت کے ثبوت اور رسالت کی صداقت پر دلیل ہیں نیز آپ کے ساتھ مخصوص علامات اور عجیب و غریب کرامات وغیرہ کا بیان۔
اس مقصد میں دو فصلیں ہیں۔

فصل نمبر ۱

معجزات کا بیان ۱

معجزہ کی تعریف اور شرائط

اے محب نبی کریم و رسول عظیم ﷺ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور تجھے بھی رسول اکرم ﷺ کی سنت کے راستوں پر چلائے اور اپنی رحمت اور احسان کے ساتھ ہمیں رسول اکرم ﷺ کی محبت پر دنیا سے لے جائے۔
معجزہ ایک ایسا خلاف عادت کام ہوتا ہے جس کے ساتھ چیلنج متصل ہوتا ہے اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔

اسے معجزہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان اس کی مثل لانے سے عاجز ہوتا ہے پس اس کے لئے چند شرائط ہیں۔
(۱) یہ کام عام عادت کے خلاف ہو جس طرح چاند کا پھٹ جانا، انگلیوں کے درمیان سے پانی کا جاری ہو جانا، عصا کا سانپ بن جانا، چٹان سے اونٹنی کا نکلنا اور پہاڑ کا گر جانا۔

پس یہ کام عام عرف و عادت کے خلاف ظاہر ہو جس طرح ہر دن سورج نکلتا ہے۔
(۲) معجزہ کے ساتھ تحدی (چیلنج) ملا ہوا ہو یعنی منکرین کو مقابلے کا چیلنج کیا جائے۔
جو ہری نے کہا جب تم کسی کو کسی فعل کا چیلنج کرو اور غلبہ کے لئے اس سے جھگڑا کرو تو تم کہو گے ”حدیث فلاں“ میں نے فلاں کو تحدی کی یعنی چیلنج کیا۔ قاموس میں بھی اسی طرح ہے۔

الاساس میں ہے حدا یحدو وهو حادی الابل اور احتدی بها حدا جب اونٹ کے ساتھ گاتا ہے تو اس وقت یہ الفاظ کہے جاتے ہیں۔

اور جب اپنے معصروں کو گلوں سے جھگڑا کر کے غلبہ پانے کی کوشش کرے تو کہا جاتا ہے ”تحدی“ (چیلنج کیا)
اس کی اصل ”المجاذہ“ ہے جس میں دوحی خوان (اونٹوں کے ساتھ گانے والے) ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے
ہیں تو ہر ایک دوسرے کو چیلنج کرتا ہے یعنی اس کو حدی خوانی کی دعوت دیتا ہے (تو باب تفعیل باب استعمال کی جگہ استعمال
ہوا) جس طرح ”استوقاہ“ کی جگہ توقاہ استعمال ہوتا ہے یعنی طلب وفا کرنا۔

بعض قابل اعتماد حواشی میں ہے کہ ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے وقت ایک حدی خوان اونٹوں کی قطار کی دائیں
جانب کھڑا ہوتا اور دوسرا بائیں جانب اور وہ ”یستحدیہ“ اس سے حدی خوانی کا مطالبہ کرتا۔ پھر اس کے معنی میں وسعت آئی
حتیٰ کہ ہر مقابلہ بازی میں استعمال ہونے لگا۔

محققین کہتے ہیں تحدی رسالت کے دعویٰ کو کہا جاتا ہے۔

(۳) مجرہ کی تیسری شرط یہ ہے کہ چیلنج کرنے والا جو کچھ لایا ہے کوئی دوسرا اس کے مقابلے میں اس مجرے کی مثل نہ لا
سکے اس بات کو بعض نے یوں تعبیر کیا ہے کہ رسالت کے دعویٰ میں معارضہ کا خوف نہیں ہوتا۔
اور مقابلہ نہ کرنے کے سلسلے میں یہ بہترین تعبیر ہے کیونکہ عدم معارضہ سے اس کا رک جانا لازم نہیں آتا لہذا شرط یہ
ہے کہ وہ ممکن ہی نہ ہو۔

اور تحدی (چیلنج) کی قید سے جو چیز نکل گئی جو نبی کے چیلنج کے بغیر ہو اور وہ ولی کی کرامت ہے۔

اسی طرح دعویٰ نبوت کے ساتھ ملے ہونے کی قید سے وہ امور جو چیلنج سے پہلے خلاف عادت ظاہر ہوئے وہ بھی نکل
گئے جیسے نبی اکرم ﷺ پر بادلوں کا سایہ کرنا اور سینہ مبارک کا چاک ہونا اعلان رسالت سے پہلے ظاہر ہوئے اسی طرح
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتھروں میں گفتگو کرنا اور اس طرح کی دوسری باتیں جو عادت کے خلاف ہیں لیکن اعلان
رسالت سے پہلے ظاہر ہوئیں یہ معجزات نہیں بلکہ کرامات ہیں ان کا اولیاء کرام سے ظہور جائز ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام
اعلان نبوت سے پہلے اولیاء کرام سے کم درجہ میں نہیں ہوتے لہذا ان سے ان باتوں کا ظہور بھی جائز ہے اس وقت ان امور
کو ”ارہاس“ یعنی نبوت کی بنیاد کہتے ہیں جس طرح علامہ سید جرجانی نے شرح مواقف میں اور دوسرے حضرات نے بھی
ذکر کیا۔ جمہور ائمہ اصول کا یہی مذہب ہے۔

اعلان نبوت سے معجزے کے اتصال کی قید سے وہ خلاف عادت کام بھی نکل گیا جو چیلنج کے بعد ہو اور وہ اسے عرفی
اتصال سے نکال دے۔

جس طرح مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بعض فوت شدہ لوگوں نے کلمہ شہادت پڑھا اور اس
طرح کے دوسرے واقعات جو متواتر روایات سے ثابت ہیں۔

معارضہ سے امن کی قید سے وہ جادو خارج ہو گیا جو چیلنج سے ملا ہوا ہو کیونکہ اس کا مقابلہ اس کی مثل کے ساتھ ممکن ہے
یعنی جس کی طرف ان کو بھیجا گیا۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا جادو کسی چیز کو اور طبیعتوں کو بدل دیتا ہے؟ تو بعض لوگ اس کے قائل ہیں حتیٰ کہ
انہوں نے اس بات کو جائز قرار دیا کہ جادوگر انسان کو گدھے میں بدل دے۔

لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں: کہ کوئی شخص کسی عین چیز کو یا طبیعت کو بدلنے پر قادر نہیں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے

نبیوں کے لئے ایسا کرتا ہے کوئی جادوگر یا نیک آدمی کسی چیز کو بدل نہیں سکتا وہ کہتے ہیں اگر ہم جادوگر کے لئے وہ عمل جائز قرار دیں جو نبی کے لئے جائز ہے تو تمہارے نزدیک ان دونوں میں کیا فرق ہوگا؟

اگر تم قاضی ابوبکر باقلانی کے قول کی طرف مجبور ہو جاؤ جو انہوں نے نبی اور جادوگر کے درمیان فرق کے ضمن میں کہا کہ ”صرف تحدی“ یعنی چیلنج کے ذریعے فرق ہوگا تو یہ کئی وجہ سے باطل ہے پہلی بات یہ کہ تحدی (چیلنج) کی شرط ایسا قول ہے جس پر قرآن و سنت سے بھی قول دلیل نہیں خود قائل کی طرف سے بھی دلیل نہیں دی گئی اور اجماع بھی نہیں اور جو قول دلیل سے خالی ہو وہ باطل ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اکثر معجزات بلکہ اعم اور ابلغ معجزات چیلنج کے بغیر ہوئے تھے جس طرح کنکریوں کا بولنا، پانی کا (انگلیوں سے) ٹکنا، خشک تنے کا بولنا، ایک صاع (چار کلو) سے دو سو آدمیوں کو کھلا دینا، آنکھوں میں لعاب لگانا بکری کے بازوؤں کا بولنا، اونٹ کا شکایت کرنا اور اس طرح کھانے سے متعلق تمام معجزات۔

اور شاید آپ نے قرآن مجید اور تمنائے موت کے علاوہ کسی بات کے ساتھ چیلنج نہیں کیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں: اس قول پر افسوس ہے جس کے ذریعے صرف دو نشانیاں معجزہ کہلا سکتی ہیں اور باقی معجزات جو ٹھانٹیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ہیں ان کو چھوڑنا پڑے گا اور جس نے کہا کہ یہ امور معجزات یا نشانیاں نہیں ہیں تو وہ بدعت کے مقابلے میں کفر کے زیادہ قریب ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں: جب بھی ان میں سے کوئی نشانی آتی آپ فرماتے:

اشھد انی رسول اللہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۴۳۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸، دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۲۹، کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۴۲، الدر المنثور

ج ۱ ص ۲۷۳، دلائل النبوة رقم الحدیث: ۱۶۵)

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں خبر دی جو مشرکین میں زخمی ہوا پھر اس نے اس مسلمان کی موجودگی میں خودکشی کر لی جو اس کے پیچھے گیا تھا جب صحابہ کرام کے سامنے آپ کی اس خبر کی صداقت واضح ہوئی تو انہوں نے یہی شہادت دی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

تیسری وجہ: چیلنج کی شرط اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کے خلاف ہے:

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ

آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ

وَمَا يَشْعُرُكُمْ أَتَاهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

(الانعام: ۱۰۹)

نشانیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا معلوم کہ جب وہ نشانیاں آ جائیں تو وہ ایمان نہ لائیں؟

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ

كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ. (الاسراء: ۵۹)

اور ہمیں آیات بھیجنے سے کس چیز نے روکا مگر یہ کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلایا۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان معجزات کو جو انبیاء کرام علیہم السلام سے مطلوب تھے آیات کا نام دیا لیکن ان میں چیلنج وغیرہ کی شرط نہیں رکھی۔ تو صحیح بات یہ ہے کہ چیلنج کی شرط محض باطل ہے۔

یہ شیخ ابوامامہ بن نقاش کی تفسیر کا خلاصہ ہے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ چیلنج کے ملے ہونے کے لئے یہ شرط نہیں کہ اس کی مثل لایا جائے جو چیلنج (اور تحدی) کا حقیقی معنی ہے بلکہ چیلنج کے لئے صرف رسالت کا دعویٰ کافی ہے۔ واللہ اعلم

(۴) معجزہ کی چوتھی شرط یہ ہے کہ چیلنج کرنے والے کے دعویٰ کے مطابق واضح ہو۔ اگر رسالت کا مدعی کہے کہ میری نبوت کی نشانی یہ ہے کہ میرا ہاتھ کلام کرے گا یا یہ جانور بولے گا پس اس کا ہاتھ یا جانور اس کو جھٹلانے کے ساتھ کلام کرے اور کہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے اور یہ نبی نہیں ہے تو یہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس مدعی کے جھوٹ پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو کلام جاری کیا وہ اس کے دعویٰ کے موافق نہیں ہے جس طرح مروی ہے کہ مسیہ کذاب (اللہ تعالیٰ اس پر لعنت بھیجے) نے کنوئیں میں تھوک ڈالا کہ اس کا پانی زیادہ ہو جائے تو وہ پانی نیچے اتر گیا اور کنوئیں کا پانی چلا گیا۔

تو جب ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو معجزہ نہیں ہوگا۔

یہ نہ کہا جائے کہ جو کچھ تم نے کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس میں معجزات کی یہ چار شرائط پائی جائیں وہ کام صرف سچے لوگوں کے ہاتھوں پر ظاہر ہو سکتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ مسیح دجال کے ہاتھوں پر بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی جو مشہور ہیں اور احادیث صحیحہ میں (انکا ذکر) آیا ہے کیونکہ جو کچھ ذکر کیا گیا وہ اس کے بارے میں ہے جو رسالت کا دعویٰ کرے اور یہ اس کے بارے میں ہے جو ربوبیت کا دعویٰ کرے۔

اور اس بات پر عقلی دلیل قائم ہو چکی ہے کہ بعض مخلوق کی بعثت محال نہیں ہے تو یہ بات بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس مخلوق کی صداقت پر دلائل قائم کر دے جو اس سے شریعت اور ملت لے کر آئیں اور دلائل قطعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مسیح دجال اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے کیونکہ اس کی حالت بدلتی رہے گی اور اس کے علاوہ کئی اوصاف ہیں جو حادث ہونے پر دلالت کرتے ہیں جب کہ مخلوق کا رب ان سے پاک ہے ارشاد خداوندی ہے:

كَيْسَ كَيْمُؤَلِّهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ کوئی اس کی مثل نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

(الشوریٰ: ۱۱)

معجزہ یا نشانی؟

اگر تم کہو کہ ان ناموں میں سے کونسا نام انبیاء کرام علیہم السلام کے زیادہ لائق ہے لفظ معجزہ یا لفظ آیت یا لفظ دلیل؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بڑے بڑے ائمہ نے انبیاء کرام کے معجزات کو دلائل نبوت اور آیات نبوت کا نام دیا ہے اور قرآن مجید اور سنت میں بھی معجزہ کا لفظ نہیں آیا ان دونوں میں لفظ ”آیت“ ”البینہ“ اور ”البرہان“ کے الفاظ ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے:

لَكَدَ اَيْكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَبِّكَ۔ پس یہ دو برہان آپ کے رب کی طرف سے ہیں۔

(القصص: ۳۲)

اور لفظ آیات کئی مقام پر آیا ہے بلکہ وہ اس قدر زیادہ ہے کہ ہم یہاں اس کا تذکرہ نہیں کر سکتے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَيْتٌ مِّنَ الْأَنْعَامِ (الانعام: ۱۳۳)

اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے۔

اور فرمایا:

إِنَّا فَتَنَّا ذَٰلِكَ لِآيَاتِنَا (الرعد: ۳)

بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں۔

اور لفظ معجزہ کا اطلاق اس کے آیت ہونے پر اسی صورت میں دلالت کر سکتا ہے جب اس کی مراد واضح کی جائے اور شرائط کا ذکر کیا جائے۔ اکثر اہل کلام اسی عمل کو معجزہ کہتے ہیں جو فقط انبیاء کرام کے لئے ہو اور جو کام عادت کے خلاف اولیاء کرام کے لئے ثابت ہوا سے کرامت کہتے ہیں۔

اور پہلے بزرگ دونوں کو معجزہ کہتے تھے جس طرح امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے بخلاف اس کے جب نبی کی نبوت پر آیت (نشانی) اور برہان ہو تو وہ نبی کے ساتھ خاص ہے۔

بعض اوقات کرامات کو بھی آیات کہتے ہیں کیونکہ یہ اس ذات کی نبوت پر دلیل ہوتی ہیں جس کی پیروی یہ ولی کرتا ہے کیونکہ دلیل مدلول کو مستلزم ہوتی ہے اور اس کا ثبوت مدلول کے ثبوت کے بغیر نہیں ہوتا پس اس لئے یہ آیت اور برہان کہلاتی ہے۔

دلائل نبوت

جب تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی تو جان لو کہ ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کے دلائل بے شمار ہیں اور آپ کے معجزات بے شمار روایات سے ظاہر ہوتے ہیں۔

آپ کے دلائل نبوت میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ تورات، انجیل اور دیگر تمام کتب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئیں میں آپ کا ذکر اور نعت ہے آپ کا سر زمین عرب میں ظہور آپ کی ولادت مبارکہ اور بعثت سے کچھ دن پہلے کفار کی حکومتوں میں ایسے عجیب امور کا ظاہر ہونا جو ان کے کلمات کو کمزور کرنے والے اور عرب کی شان کی تائید کرنے والے ہیں اور ان کی شان کو بلند کرنے والے جس طرح ہاتھی کا واقعہ اور اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کو جو سزا دی، فارس کے آتھکدے کا بھجہ جانا، کسریٰ کے محل کے کنکروں کا گرنا، بحیرہ سادہ کے پانی کا خشک ہو جانا، مجوسیوں کے حاکم موبدان کا خواب اور جو کچھ اس نے غیبی آواز میں آپ کی نعت اور اوصاف کے بارے میں سنا اسی طرح جن بتوں کی پوجا کی جاتی تھی ان کا اوندھا ہو جانا اور منہ کے بل گرنا جب کہ ان کو اپنی جگہ سے ہٹانے والا بھی کوئی نہ تھا اور اس کے علاوہ جو علامات مروی ہیں اور مشہور احادیث میں جن عجائب کا ظہور آپ کی ولادت اور پرورش کے دوران اور بعد میں ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور نبی مبعوث فرمایا۔

اور نبی اکرم ﷺ کے پاس مال وغیرہ ایسی چیز نہیں تھی جس کی طرف دل مائل ہوتے ہیں اور اس کی طمع کی جاتی ہے نہ کوئی طاقت تھی جس سے لوگوں کو مغلوب کیا جاتا اور نہ ایسے معاون تھے جو آپ کی اس رائے پر جس کو آپ نے ظاہر کیا اور جس کی دعوت دی آپ کی تائید کرتے بلکہ وہ لوگ بتوں کی پوجا اور تہیروں (جن سے فال نکالتے تھے) کی تعظیم پر جمع تھے، دور جاہلیت کی غیرت اور قوم پرستی پر قائم تھے، ایک دوسرے سے دشمنی کرنا اور سرکشی اختیار کرنا نیز خون بہانا اور غارت

گری پر جمع تھے۔ الفیت دین کی وجہ سے وہ اکٹھے نہ تھے اور نہ ہی انجام پر نظر رکھتے ہوئے برے کاموں سے باز آتے انہیں عذاب کا خوف تھا نہ کسی ملامت کا پس نبی اکرم ﷺ نے ان کے دلوں میں باہمی محبت ڈال دی اور ان کو ایک بات پر اکٹھا کیا حتیٰ کہ آراء میں اتفاق پیدا ہوا ان کے دل باہم مددگار بن گئے اور وہ سب حضور علیہ السلام کی مدد اور آپ کے دفاع پر متفق ہو گئے انہوں نے اپنے شہر اور وطن سے ہجرت کی اور آپ کی محبت میں اپنی قوم اور قبیلوں کی مخالفت کی اور آپ کی مدد میں جسمانی اور روحانی طاقت خرچ کر دی اور آپ کے کلمہ طیبہ کو بلند کرنے کے لئے تلواروں کا سامنا کیا حالانکہ اس وقت نہ تو ان کے لئے دنیا وسیع کی گئی تھی اور نہ ہی ان کو مال دیا گیا کسی فوری عوض کو پانے کی امید بھی نہ تھی اور کسی قسم کا اقتدار اور دنیوی اعزاز بھی پیش نظر نہ تھا بلکہ نبی اکرم ﷺ تو مالداروں کو مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور بڑے بڑے معزز لوگوں کو لباس میں تواضع اختیار کرنے کا حکم دیتے تو کیا اس قسم کے کام کسی ایسے شخص کے لیے جمع ہو سکتے ہیں جس نے یہ راستہ اختیار کیا ہو کیا وہ عقل و تدبیر کی وجہ سے ایسا کر سکتا ہے؟

اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ایسا نہیں ہو سکتا آپ کے لئے امور مسخر کئے گئے جن میں کسی عقلمند کو شک نہیں ہے یہ تو حکم خداوندی تھا اور آسمانی معاملہ تھا جو غالب آیا اور وہ عام عادت کے خلاف تھا بشری طاقت وہاں تک پہنچنے سے عاجز ہے اس پر وہی ذات قادر ہے جو خلق و امر کی مالک ہے اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا رب ہے برکت والی ذات ہے۔

آپ کا امی ہونا

نبی اکرم ﷺ کے دلائل نبوت میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ آپ امی تھے آپ نہ تو اپنے دست مبارک سے لکھتے اور نہ پڑھتے تھے آپ کی ولادت امی لوگوں میں ہوئی اور آپ انہی لوگوں کے درمیان ایسے شہر میں پروان چڑھے جہاں گزشتہ لوگوں کی خبریں جاننے والا عالم نہیں تھا۔

اور آپ کسی عالم کے پاس جانے کے لئے سفر پر بھی تشریف نہیں لے گئے لیکن اس کے باوجود آپ نے ان لوگوں کو تورات و انجیل اور گزشتہ امتوں کی خبریں دیں حالانکہ ان کتب کے نشانات اور حروف مٹ چکے تھے ان کتب کو اختیار کرنے والے اور ان میں سے صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز کرنے والے لوگ بھی بہت کم تھے پھر آپ نے تمام مخالف ادیان والوں کے سامنے دلائل پیش کئے کہ اگر گفتگو کے ماہر اور مختلف قسم کے نقاد جمع ہوتے تو وہ آپ کے دلائل کو توڑ نہ سکتے۔

تو یہ اس بات پر بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین لے کر تشریف لائے۔

قرآن مجید

آپ کے دلائل نبوت میں سے ایک دلیل قرآن مجید ہے آپ نے قرآن مجید کے ذریعے چیلنج کیا اور ان کو اس کی ایک سورۃ کی مثل لانے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کیا اور اس کے مقابلے میں کچھ لانے سے عاجز آ گئے۔

بعض علماء نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ اہل عرب کے پاس جو کلام لائے اور وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہو گئے تو یہ آپ کی نبوت پر سب سے عجیب نشانی ہے اور یہ مردوں کو زندہ کرنے اور برص و جذام کے مریضوں کو تندرست کرنے سے بھی واضح دلالت رکھتی ہے کیونکہ آپ بلاغت و فصاحت والے لوگوں کے پاس ایسا کلام لائے جس کا معنی وہ سمجھتے تھے

تو ان کا عاجز ہونا اس شخص کے عاجز ہونے سے زیادہ تعجب خیز ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردہ زندہ کرتے ہوئے دیکھا تھا کیونکہ ان لوگوں کو اس کی اور برص و جذام کو ٹھیک کرنے کی طبع نہ تھی اور نہ ہی وہ اس کا علم رکھتے تھے جب کہ قریش فصیح کلام بلاغت اور خطابت سے تعلق رکھتے تھے تو ان کا اس سے عاجز آ جانا آپ کی رسالت پر علامت اور صحت نبوت کی دلیل تھا اور یہ قطعی حجت اور واضح دلیل ہے۔

ابو سلیمان الخطابی فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ اپنے زمانے کے عقلمند لوگوں میں سے تھے بلکہ آپ مطلقاً تمام مخلوق سے زیادہ عقلمند تھے اور آپ نے اپنے رب سے ملنے والے جس کلام کی خبر دی وہ اس کی مثل نہیں لاسکتے تھے۔ قرآن مجید نے ارشاد فرمایا:

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا۔ اور اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز ایسا نہیں کر سکو گے۔

(البقرہ: ۲۴)

پس اگر آپ کو یہ بات معلوم نہ ہوتی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو غیب کی باتوں کو بہت زیادہ جاننے والا ہے اور جو کچھ اس نے فرمایا ہے اس کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا تو آپ کی عقل آپ کو کبھی اجازت نہ دیتی کہ آپ کوئی بات قطعی طور پر کہیں کہ یہ نہیں ہوگا اور وہ ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں جو کچھ کہا جاسکتا ہے اس میں یہ بات نہایت اچھی نہایت عمدہ اور بہت زیادہ کامل و واضح ہے آپ نے مقابلہ کرنے سے پہلے ان کو بتا دیا کہ تم اس سے عاجز آ جاؤ گے اور مقابلہ کی غرض کو نہ پاسکو گے ان لوگوں کے سامنے یہ بات با آواز بلند فرمادی تو ان کے حمایتی بہت زیادہ ہونے اور ایک دوسرے کی مدد کے باوجود کسی کو بھی مقابلہ کرنے کی طاقت حاصل نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ جو علم و خبر والا ہے اس نے آپ کو بتا دیا اور آپ نے فرمایا:

قُلْ لَّيْسَ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَيَّ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ○ (الاسراء: ۸۸) ان میں سے بعض دوسرے بعض کی مدد کریں۔

پس ان کی بلند ہمتیں اور ان کے منکر نفوس خون بہانے اور حرم شریف کی بے حرمتی پر راضی ہو گئے۔ احادیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کا کچھ حصہ فصیح و بلیغ مشرکین کے سامنے پڑھا اور انہوں نے اس کے اعجاز کا اقرار کیا اس سلسلے میں کئی جملے ہیں۔

ان میں سے ایک حضرت محمد بن کعب سے مروی ہے فرماتے ہیں: مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک دن عتبہ بن ربیعہ نے کہا جب کہ وہ قریش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور نبی اکرم ﷺ تنہا مسجد میں تشریف فرما تھے (اس نے کہا) اے قریش کے گروہ! کیا میں اس شخص کے پاس جا کر اس پر کچھ باتیں پیش نہ کروں شاید وہ ہماری بعض باتیں قبول کر کے ہم سے دور رہے انہوں نے کہا ہاں ابوالولید! (تم بات کرو) عتبہ وہاں سے اٹھ کر نبی اکرم ﷺ کے پاس جا بیٹھا اس کے بعد حدیث میں ہے کہ اس نے آپ کو مال وغیرہ کی پیشکش کی جب وہ فارغ ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ابوالولید! تم فارغ ہو گئے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر مجھ سے سنو اس نے کہا آپ کہیں آپ نے پڑھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 حَمْدٌ ۝ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ یُکْتَبُ
 فَصِّلَتْ اٰیٰتُهُ فَرَاْنَا عَرَبِیًّا یَقُوْمُ یَعْلَمُوْنَ ۝
 اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
 یہ اتارا ہے بڑے رحم والے مہربان کا ایک کتاب
 ہے جس کی آیاتیں مفصل فرمائی گئی ہیں عربی قرآن عقل
 (السجدہ: ۱-۳) والوں کے لئے۔

رسول اکرم ﷺ پڑھتے رہے اور ولید بن کرخاموش رہا اور اپنا ہاتھ پیٹھ کے پیچھے ڈال کر ان کا سہارا لیا اور سنتا رہا۔
 نبی اکرم ﷺ آیت سجدہ تک پہنچے تو سجدہ کیا پھر فرمایا: اے ابو الولید! تم نے سنا؟ اس نے کہا ہاں میں نے سنا فرمایا یہ
 تمہارے لئے ہے۔

عتبہ اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا اللہ کی قسم! ابو الولید اس چہرے کے ساتھ
 نہیں جس کے ساتھ گیا تھا جب وہ ان کے پاس پہنچے کیا تو انہوں نے کہا اے ابو الولید تمہارے پیچھے کیا ہے؟ اللہ کی قسم! میں
 نے ایک ایسی بات سنی ہے جس کی مثل میں نے کبھی نہیں سنا اللہ تعالیٰ کی قسم وہ شعر بھی نہیں اور جادو بھی نہیں اور نہ ہی کہانت
 (نجوی کی بات) ہے اے قریش کے گروہ! میری بات مانو اور اس شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دو اللہ کی قسم! جو کچھ میں نے
 اس سے سنا ہے عنقریب اس کی ایک عظیم خبر ہوگی عتبہ نے کہا اس نے مجھے ایسے کلام کے ساتھ جواب دیا ہے جو جادو شعر یا
 کہانت نہیں ہے۔

اس نے پڑھا:

حَمْدٌ ۝ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ یُکْتَبُ
 فَصِّلَتْ اٰیٰتُهُ فَرَاْنَا عَرَبِیًّا یَقُوْمُ یَعْلَمُوْنَ ۝
 یہ اتارا ہے بڑے رحم والے مہربان کا ایک کتاب
 ہے جس کی آیاتیں مفصل فرمائی گئی ہیں عربی قرآن عقل
 (السجدہ: ۱-۳) والوں کے لئے۔

جب وہ ان الفاظ پر پہنچا:

فَکُلُّ اَنْتَرٰکُمْ صَاعِقَةٌ یَنْثَلُ صَاعِقَةٌ عَآدٍ وَ
 قَمُوْدٍ (السجدہ: ۱۳)

میں نے اس کے منہ کو بند کر دیا اور اسے رشتہ داری کی قسم دی کہ وہ رک جائے اور تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ جب کوئی
 بات کہتے ہیں تو جھوٹ نہیں بولتے پس مجھے ڈر ہے کہ تم پر کہیں عذاب نازل نہ ہو جائے۔

(دلائل النبوة ج ۲ ص ۲۰۳-۲۰۵ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۶۱ الدر المنثور ج ۵ ص ۳۵۸ مطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۲۸۵ اتحاف
 السادة المتعلمین ج ۷ ص ۱۹۷ دلائل النبوة ج ۱ ص ۶۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۳۲۸)
 اسے امام بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے اسلام کے سلسلے میں مروی ہے انہوں نے اپنے بھائی حضرت انیس رضی اللہ
 عنہ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے اپنے بھائی حضرت انیس رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی شاعر
 کے بارے میں نہیں سنا انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بارہ شعراء سے مقابلہ کیا جن میں سے ایک میں ہوں۔

حضرت انیس گئے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کی خبر لے کر آئے حضرت ابوذر

فرماتے ہیں: میں نے پوچھا لوگ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا وہ حضور علیہ السلام کو شاعر کاہن اور جادوگر کہتے ہیں لیکن میں نے کاہنوں کی باتیں سنی ہیں یہ (پیغام رسالت) ان کا قول نہیں ہے میں نے کئی قسم کے شعراء کو ان کا کلام سنایا لیکن وہ اس کے موافق بھی نہیں اور میرے بعد کسی کی زبان پر یہ بات نہیں آئی کہ یہ شعر ہے بے شک آپ سچے ہیں اور لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲۰، الشفاء ج ۱ ص ۱۶۶، دلائل النبوة ج ۲ ص ۲۰۹-۲۱۰، مسند احمد ج ۵ ص ۱۷۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ولید بن مغیرہ کے واقع میں بیان کیا اور وہ فصاحت میں قریش کا سردار تھا اس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ پڑھیں آپ نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ
بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔

اس نے کہا دوبارہ پڑھیں آپ نے دوبارہ پڑھا اس نے کہا اللہ کی قسم یہ نہایت شیریں اور حسن کا پیکر ہے اس کے اوپر والا حصہ پھلدار اور نچلا حصہ بہت زیادہ پانی ہے (اوپر والے حصے سے مراد الفاظ اور نچلے حصے سے مراد معانی ہیں) اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں پھر اپنی قوم سے کہنے لگا اللہ کی قسم! تم میں ایک شخص ہے وہ اشعار کا علم مجھ سے زیادہ رکھتا ہے اس کے رجز اور جنون کے اشعار کو نہیں جانتا۔

اللہ کی قسم اس کا قول اس (شاعرانہ کلام) کے مشابہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ جو کچھ کہتا وہ شیریں ہے اور اس پر حسن چڑھا ہوا ہے اس کا اعلیٰ پھلدار اور نچلا (اندرونی) بہت زیادہ پانی (سمندر) ہے بے شک وہ بلند ہوگا اور اس پر کوئی دوسرا کلام بلند نہیں ہو سکتا۔

اس کی دوسری خبر میں ہے کہ جب اس نے موسم حج میں قریش کو جمع کیا اور کہا عرب کے وفود ہمارے پاس آئیں گے لہذا کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیں اور ہم ایک دوسرے کو نہ جھگڑائیں انہوں نے کہا ہم کہیں گے یہ کاہن ہے اس نے کہا اللہ کی قسم یہ کلام بخوبی کا زمزمہ اور کج نہیں ہے انہوں نے کہا مجنون کہلائیں گے اس نے کہا وہ مجنون بھی نہیں اور نہ اس کی طرح جس کا گلا گھونٹا گیا اور نہ وہ جس کے دل میں دوسو ڈالے گئے۔

انہوں نے کہا ہم اسے شاعر کہیں گے اس نے کہا وہ شاعر بھی نہیں ہم شاعر سے متعلق تمام باتیں جانتے ہیں ہم اشعار کے رجز اس کی بحر (ہزج) طویل اور مختصر بحر وغیرہ سب کا علم رکھتے ہیں۔ وہ شاعر نہیں ہیں انہوں نے کہا ہم کہیں گے یہ جادوگر ہیں اس نے کہا یہ جادوگر بھی نہیں نہ جادو والی پھونک ہے اور نہ ہی گرہ انہوں نے کہا پھر کیا کہیں اس نے کہا تم ان باتوں میں سے کچھ نہ کہو لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ باطل ہے۔

۱۔ چنانچہ اس نے کہا تم یہی کہہ دینا کہ وہ جادوگر ہے اور لوگوں میں جدائی ڈالتا ہے چنانچہ وہ مکہ مکرمہ کے تمام راستوں میں بیٹھ گئے اور یہی پروپیگنڈہ کرنے لگے جس سے نبی اکرم ﷺ کا معاملہ پھیل گیا اور لوگوں کو آپ سے ملنے کا شوق پیدا ہوا۔ (زرقانی ج ۵ ص ۸۸)

ابو نعیم نے ابن اسحاق کے طریق سے نقل کیا فرماتے ہیں: مجھ سے اسحاق بن یسار نے بیان کیا انہوں نے بنو سلمہ کے ایک شخص سے روایت کیا انہوں نے فرمایا جب بنو سلمہ قبیلہ کے کچھ نوجوان اسلام لائے تو عمرو بن جموح نے اپنے بیٹے سے کہا تم نے اس شخص سے جو کلام سنا مجھے بھی سناؤ اس نے یہ کلمات پڑھ کر سنائے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنُ
الرَّحِیْمُ ۝ مَا لَیْكَ یَوْمَ النَّحْیِ ۝ اِنَّا كُنَّا نَعْبُدُ
وَاِنَّا كُنَّا نَسْتَعِیْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝
تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو
پالنے والا ہے نہایت مہربان رحمت والا ہے بدلے کے دن
کا مالک ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے
(الفاتحہ: ۱-۵) مدد چاہتے ہیں ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔

اس نے کہا یہ کس قدر اچھا اور حسین کلام ہے کیا اس کا تمام کلام ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا ابا جان! اس سے بھی اچھا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں: اگر یہ قرآن مجید کسی مصحف میں لکھ کر جنگل میں رکھ دیا جاتا اور کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ یہ کس نے وہاں رکھا ہے؟ تو عقل سلیم فیصلہ کرتی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس نے اتارا ہے اور انسان ایسا کلام بنانے پر قادر نہیں ہے تو جب یہ قرآن مجید ایسے شخص کے ذریعے آیا جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ سچا نیک اور متقی ہے تو اب کیا کیفیت ہوگی؟ انہوں نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور تمام مخلوق کو چیلنج کیا گیا کہ وہ اس کی ایک سورت کی مثل لے آئیں پس وہ عاجز رہ گئے تو اس صورت میں شک کی کیا گنجائش ہے؟

اعجاز قرآن کی وجوہ

اعجاز قرآن کی وجوہ بے شمار ہیں لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ علماء نے اس کے اعجاز کے سلسلے میں چھ وجوہ میں اختلاف کیا ہے۔

۱۔ اس کے اعجاز کی وجہ اس کا اختصار اور بلاغت ہے۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیْوَةٌ ۖ

تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔

(البقرہ: ۱۷۹)

ان دو کلموں میں جن کے حروف دس ہیں بہت سے معانی کو جمع کیا۔

ابو عبید نے بیان کیا کہ ایک اعرابی نے کسی شخص کو پڑھتے ہوئے سنا:

قَاصِدٌ یَّمَا تُؤْمَرُ (النجر: ۹۳)

آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا اس کو بیان کیجئے۔

وہ اعرابی سجدے میں پڑ گیا اور کہا میں نے اس کلام کی فصاحت کی وجہ سے سجدہ کیا اور ایک دوسرے شخص نے ایک

آدمی کو پڑھتے ہوئے سنا:

یَمْرُجُ اس سے ناامید ہوئے الگ جا کر سرگوشی

فَلَمَّا اسْتَبَا سَوَّاهُ خَلَصُوا

کرنے لگے۔

نَجِیًّا. (یوسف: ۸۰)

تو کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ مخلوق اس قسم کے کلام پر قادر نہیں۔ اصمعی نے نقل کیا کہ اس نے پانچ یا چھ سال کی لڑکی دیکھی اور وہ کہہ رہی تھی کہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام گناہوں کی بخشش طلب کرتی ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم کیوں بخشش مانگ رہی ہو حالانکہ ابھی تمہارے گناہ لکھے نہیں جاتے (تم چھوٹی بچی ہو) اس نے کہا:

استغفر اللہ لذنبی کلہ قلت انسانا بغير حله

مثل غزال ناعم في دله انتصف الليل ولم اصله

”میں اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام گناہوں کی بخشش مانگتی ہوں میں نے ایک انسان کو ناحق قتل کیا وہ ہرن کی

طرح بڑی عمدگی سے چلتا تھا آدھی رات ہو گئی اور میں نے نماز نہیں پڑھی۔“

(یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کر کے اپنے نفس کو ہلاک کیا اور آدھی رات گزر گئی لیکن تہجد کی نماز نہ پڑھ سکی) میں نے اس سے کہا اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے (بد دعا نہیں ہے) تو کس قدر فصیح ہے اس نے کہا کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس کلام کے بعد اس (میرے کلام) کو نصاحت شمار کرتے ہو۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَ اَوْحَيْنَا اِلٰى اِمَامٍ مُّوسٰى اَنْ اَرْضِعْهُ فَاِذَا

خَفِيَ عَلَيْهِ قَالَتْ فِی السَّيِّءِ وَلَا تَخَافِی وَلَا تَحْزَنِی

اِنَّا رَاٰکُمْ وَاِلَیْکَ وَجَعَلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝

(القصص: ۷) ان کو دریا میں ڈال دیں اور نہ خوف کھائیں اور نہ غمگین ہوں

بے شک ہم ان کو آپ کی طرف لوٹانے والے ہیں اور ان کو

رسولوں میں سے کرنے والے ہیں۔

تو اس آیت میں دو امر دو نہی دو خبریں اور دو بشارتیں جمع کر دیں۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے تو اچانک دیکھا کہ ایک شخص ان کے سر ہانے کھڑا ہے اور شہادت حق دے رہا ہے اس نے آپ کو بتایا کہ وہ رومی فوج کا جرنیل ہے اور ان لوگوں میں سے ہے جو عربی اور دوسرے کلام کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور اس نے مسلمان قیدیوں میں سے ایک سے سنا کہ وہ تمہاری کتاب میں سے ایک آیت پڑھ رہا ہے میں نے اس میں غور کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں دنیا اور آخرت کے احوال سے وہ باتیں جمع کر دیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتاری تھیں۔ اور وہ یہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يُّطِيعِ اَمْرًا وَرَسُولًا وَيَخْشَ

اللَّهَ وَيَتَّقْهُ. (النور: ۵۳)

مانے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے (وہی

لوگ کامیاب ہیں)۔

گمراہ لوگوں میں سے ایک جماعت نے جن کو بلاغت سے کچھ حصہ ملا تھا ارادہ کیا کہ وہ کوئی ایسی چیز گھڑیں جس کے ذریعے لوگوں کو دھوکہ دیں جب انہوں نے دیکھا کہ یہ کام بہت مشکل ہے (ستاروں تک ہاتھ پہنچانا ہے) تو چھوٹی چھوٹی سورتوں مثلاً سورہ کوثر، سورہ النصر وغیرہ کی طرف مائل ہوئے تاکہ جاہل لوگوں کو کم حروف والے کلام میں شبہ میں ڈالیں کیونکہ کلمات کو جوڑنے اور ملانے سے آدھی عاجز ہوتا ہے۔

اور اس قسم کا ارادہ کرنے والوں یعنی چھوٹی سورتوں سے تعلق قائم کرنے والوں میں سے ایک میلہ کذاب بھی تھا اس نے کہا: یا ضفدع نقی کم تنقین اعلاک فی السماء واسفلک فی الطین لا الماء تکدرین ولا شراب تمنعین۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا: اس کی اصل وہ نہیں جو قرآن کی ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔ اور جب میلہ کذاب ملعون نے ”والنازعات“ سورت سنی تو اس نے کہا: والزارعات زرعا والحاصات حصدا والذاریات قمحا والطاحنات طحنا والحاترات حفرا والنازعات ثردا واللاقمات لقما لقد فضلت علی اهل الوبر وما سبقکم اهل المدر۔

اور اس کے علاوہ بیہودہ کلام کیا جس کا کچھ حصہ مقصد ثانی میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

ایک اور نے کہا: الم تر کیف فعل ربک بالحبلی اخرج من بطنها نسمة تسعى من بین شرا سیف واحشی۔

کسی دوسرے نے کہا: الفیل والفیل وما ادراک ما الفیل له ذنب و ثیل و مشفر طویل وان ذلک من خلق ربنا لقلیل۔

اس کلام میں حروف کی قلت کے ساتھ ساتھ جو کمزوری ہے وہ کسی بے علم پر بھی غلطی نہیں چہ جائیکہ اہل علم پر غلطی ہو۔

۲۔ قرآن مجید کا اعجاز وہ وصف ہے جس کے ذریعے یہ کلام عرب کی جنس سے نکل گیا چاہے وہ نظم ونثر ہو خطاب و شعر ہو یا رجز و بچ ہو پس یہ ان میں سے کسی میں بھی داخل نہیں اور ان کے ساتھ مخلوط ہے اس کے باوجود کہ اس کے الفاظ اور حروف ان کے کلام کی جنس سے ہیں اور ان کی نظم ونثر میں مستعمل ہیں اس لئے ان کی عقلیں حیران رہ گئیں اور اپنے حسن کلام میں اس کی مثل کی طرف ان کو راہ نہ ملی پس اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید نے اپنی بدیع نظم کے ذریعے فصاحت میں دلوں کو کھٹکھٹایا اور بلاغت میں معانی تک اس کی رسائی نہایت عمدہ ہے پس یہ اللہ تعالیٰ کی واضح حجت روشن دلیل اور قاهر و باہر برہان ہے جو بد بخت اس کے مقابلہ کی کوشش کرتا ہے وہ اس طرح گرتا ہے جس طرح پروانہ چنگاری میں گرتا ہے اور جس طرح بد شکل بکری غضب ناک شیروں کے گرد جا گرتی ہے۔ اس کا مقابلہ کرنے والے متعدد لوگوں کے بارے میں منقول ہے کہ ان پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ اس عمل سے باز آ گئے جس طرح یحییٰ بن حکیم الغزال سے منقول ہے۔ یہ شخص اندلس میں اپنے زمانے کا مبلغ آدمی تھا اس نے قرآن مجید کے مقابلے کا ارادہ کیا اور سورہ اخلاص کو دیکھا کہ اس کی مثل کلام بنائے اور اس کے انداز پر کلام گھڑے تو وہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اسے توبہ کرنا پڑی۔ (الاعلام ج ۸ ص ۱۳۳)

ابن مقفع جو اپنے دور کا سب سے زیادہ فصیح شخص تھا اس نے قرآن مجید کے مقابلے میں کلام بنانے کی کوشش کی بلکہ تفصیلی کلام گھڑا اور اس کا نام سور (سورتیں) رکھا ایک دن وہ ایک بچے کے پاس سے گزر رہا تھا جو اپنے مدرسہ میں یہ آیت پڑھ رہا تھا:

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلُغِي مَاءَ كَيْ وَ يَأْمَأْءُ
أَفْلُحِي وَ غِيضَ الْمَاءِ وَ قُضِيَ الْأَمْرُ۔ (ہود: ۴۳)

اور کہا گیا اے زمین اپنا پانی نکل لے! اور اے آسمان

تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو گیا۔

یہ سن کر وہ واپس ہوا اور جو کچھ لکھا تھا اس کو مٹا دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کا مقابلہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ (الاعلام ج ۳ ص ۶۳۰، مجموع المسطوحات ص ۲۳۹، لسان البکر ان ج ۳ ص ۳۶۶)

سیدی محمد وقار رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے نبی اکرم ﷺ اور قرآن مجید کے بارے میں کیا اچھا کہا ہے:

لہ آية الفرقان في عين جمعه جوامع آيات بها اتضح الرشد
”ان کے ساتھ حق و باطل میں فرق کرنے والی ایسی نشانی ہے ہدایت کو واضح کرنے والی جامع آیات ہیں۔“

حديث نزيه عن حدوث منزه قديم صفات الذات ليس له ضد
”اس (قرآن) کی بات حدوث سے پاک ہے ذات کی صفات کے اعتبار سے قدیم ہے اور اس کی نظیر نہیں ہے۔“

بلاغ بليغ للبلاغة معجز له معجزات لا يعد لها عد
”بلیغ پیغام ہے اور بلاغت کو عاجز کرنے والا ہے اس کے معجزات ان گنت ہیں۔“

تحلت بروح الوحي حلة نسجه عقود اعتقاد لا يحل لها عقد
”اس کے لباس کی بناوٹ وحی کی روح سے آراستہ ہے عقیدے کے ایسے ہار ہیں جن کی گرہ کھولی نہیں جاتی۔“

وغاية ارباب البلاغة عجزهم لذيده وان كانوا هم الالسن اللد
”اور اس کے سامنے بلغاء انتہا ان کا عاجز ہونا ہے اگرچہ وہ زبان کے ماہر تھے۔“

لأفلاكهم بالافك اعياه غيبه تصدى وللاسماع عن غيبه صد
”ان کی گمراہی نے ان کے جھوٹ کو دور ماندہ و عاجز کر دیا اور کانوں کے لئے اس کی گمراہی سے رکاوٹ ہے۔“

قلبي الله اقوالا يهاجر هجرها هو انسا بها الورهاء والبهيم البلد
”اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے ناراض ہوتا ہے جن کی وجہ سے بے وقوف اور ناسمجھ ذلیل ہو کر وطن چھوڑ دیتے ہیں۔“

تلاها فضل الفحش في القبح وجهها وعن ربهها الالباب نزهاها الزهد
”اُسے تلاوت کیا تو فحش کلامی نے قبح میں اپنا چہرہ چھپا لیا اور غفلت مند لوگوں کو زہد نے شک سے دور کر دیا۔“

لقد فرق الفرقان شمل فريقه بجمع رسول الله واستعلن الرشد
”قرآن مجید نے رسول اکرم ﷺ کی جماعت کو فریق مخالف کی جماعت سے جدا کر دیا اور ہدایت کو ظاہر کر دیا۔“

اتی بالہدی صل علیہ الہہ ولم یلہ بالاہواء اذ جاءہ العجد

”آپ ہدایت لائے آپ کا معبود آپ پر رحمت نازل کرے اور آپ نے خواہشات کی پیروی نہ کی جب آپ کے پاس بزرگی آئی۔“

۳۔ قرآن مجید کے اعجاز کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کو پڑھنے والا اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا اور اسے سننے والا نفرت کا اظہار نہیں کرتا بلکہ اس کی تلاوت کی طرف کامل توجہ اس کی چاشنی کو مزید بڑھاتی ہے اور اس کا بکھراؤ اس کی محبت اور رونق کا باعث ہے یہ شاخ ہمیشہ ہری بھری رہتی ہے جبکہ اس کے علاوہ کلام اگرچہ حسن و بلاغت میں کتنے بڑے درجہ پر پہنچ جائے اس کا بار بار پڑھنا آدمی کو تھکا دیتا ہے اور جب اسے دوبارہ کہا جائے تو دشمنی پیدا ہوتی ہے اور ہماری کتاب (قرآن مجید) خلوتوں میں لذت کا باعث ہے اور مختلف مقامات پر اس کی تلاوت سے انس پیدا ہوتا ہے۔

قرآن مجید کے علاوہ کتب میں یہ بات نہیں ہے حتیٰ کہ ان کتابوں والے لوگوں نے مختلف راگ اور طریقے بنائے جن کے ذریعے وہ ان کتابوں کو پڑھنے پر سرور حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کا وصف یوں بیان فرمایا کہ یہ زیادہ پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا اس کے اسباقی عبرت ختم نہیں ہوتے اور اس کے عجائب فنا نہیں ہوتے یہ کتاب فیصلہ کرنے والی ہے بے مقصد کلام نہیں (غیر سنجیدہ نہیں) علماء کرام اس سے سیر نہیں ہوتے اور خواہشات اس کی لگام میں ہوں تو گمراہی نہیں آتی اس کے ساتھ زبانوں میں گڑبڑ نہیں ہوتی یہی وہ کتاب ہے کہ جب جنوں نے اسے سنا تو وہ یہ بات کہے بغیر نہ رہ سکے:

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ
فَأَتَيْنَاهُ۔ (الحج: ۱)

راہ دکھاتا ہے پس ہم اس پر ایمان لائے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۰۶، سنن داری ج ۲ ص ۲۳۱، الشفاء ج ۱ ص ۲۷)

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۴۔ قرآن مجید کی چوتھی وجہ اعجاز گزشتہ واقعات کی خبریں ہیں جن میں سے بعض کا ان لوگوں کو علم تھا اور بعض باتوں کو وہ نہیں جانتے تھے۔

جب انہوں نے ان واقعات کے بارے میں پوچھا تو ان کے صحیح ہونے کو جان لیا اور ان کا سچا ہونا متحقق ہو گیا۔ جس طرح اصحاب کہف کا واقعہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ ذو القرنین اور انبیاء کرام کے ان کی امتوں کے ساتھ واقعات اور پہلے زمانوں کے حالات وغیرہ۔

۵۔ قرآن مجید کے اعجاز کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس میں غیب کا علم اور مستقبل کے واقعات کی خبریں ہیں پس وہ اسی طرح واقع ہوتی ہیں جس طرح قرآن مجید نے کہا اور یوں اس کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔

جیسا کہ یہودیوں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ
عَالِمَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ

آپ فرما دیجئے اگر آخرت کا گھر تمہارے لئے خالص ہے دوسرے لوگوں کے لئے نہیں تو موت کی تمنا کرو

اگر تم سچے ہو۔

صَادِقِينَ ۝ (البقرہ: ۹۴)

پھر فرمایا:

وَلَنْ يَتَمَتَّعُوا أَبَدًا بِمَا قَلَعْتُمْ أَيْدِيَهُمْ۔
اور وہ اس کی تمنا ہرگز کبھی بھی نہیں کریں گے اور اس کی وجہ ان کے وہ اعمال ہیں جو انہوں نے آگے بھیجے۔ (البقرہ: ۹۵)

چنانچہ ان میں سے کسی نے بھی موت کی تمنا نہ کی۔

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش سے فرمایا:

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا۔ (البقرہ: ۲۳)
اور اگر تم قرآن مجید کی مثل نہ لاسکو اور ہرگز نہیں لاسکو گے (تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور تہ سوں گے)۔

تو قطعی اور یقینی طور پر بتایا کہ وہ ایسا نہیں کر سکیں گے اور وہ ایسا نہ کر سکے۔

وہ غیبی امور جو قرآن مجید نے بیان کئے ہیں ان میں سے بعض نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں واقع ہوئے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّا كُنَّا نَاكِبًا لِّكَ فَكُنَّا كُفَّيْنَا ۝ (الفتح: ۱)
بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی۔
(تو مکہ مکرمہ فتح ہوا اور یہ غیبی خبر خود آپ کے سامنے وقوع پذیر ہوئی) اور بعض خبریں ایک عرصہ دراز کے بعد ظاہر ہوئیں۔

جیسے فرمایا:

أَلَمْ غُلِبْتِ الْرُّومُ ۝ (الروم: ۱)

رومی مغلوب ہوئے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اگر بات وہی ہوتی جو علماء کرام نے ذکر کی ہے کہ غیب کی خبریں بھی اعجاز قرآن ہے تو وہ مستقبل میں رونما ہونے والے واقعہ کا مطالبہ کرتے (حالانکہ انہوں نے ایسا مطالبہ نہیں کیا) نیز غیب کی خبریں قرآن مجید کی بعض سورتوں میں آئی ہیں (پورے قرآن میں نہیں) اور ان سے مقابلے کے لیے غیر معین سورت پر اکتفا کیا گیا اور اگر یہ بات (اعجاز قرآن والی بات) صحیح ہوتی تو وہ ایسی چھوٹی سورت کا معارضہ کر لیتے جس میں غیب کی خبر نہ ہوتی۔

۶۔ قرآن پاک کے اعجاز کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ علوم کثیرہ کا جامع ہے کہ اہل عرب نے ان میں کلام نہیں کیا اور نہ ہی امتوں کے علماء میں سے کسی ایک نے ان علوم کا احاطہ کیا اسی طرح کوئی ایسی کتاب بھی مدون نہیں ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے پہلوں اور پچھلوں کی خبر (جہاد سے) پیچھے رہ جانے والوں کا حکم اطاعت گزاروں کا ثواب اور نافرمانوں کے عذاب کا ذکر کیا ہو۔

پس یہ وجہ ہیں جن میں سے ہر ایک اعجاز قرآن کا سبب صحیح ہے (اور خود معجزہ ہے)۔

اور جب قرآن مجید میں یہ سب باتیں جمع ہیں تو ان میں سے کوئی ایک بات معجزہ ہونے کے اعتبار سے دوسری کے مقابلے میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تو سب کو ملا کر اعجاز قرآن قرار دیا جائے گا۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ لِّنِّیْ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (اسراء: ۸۸) آپ فرمادیجئے اگر انسان اور جن (سب) جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے۔ تو نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی کوئی شخص قرآن مجید کی مثل لانے پر قادر نہیں ہوا اس کی نظم، تالیف، کلام کی مناس، معانی کی صحت اور اس میں پائی جانے والی مثالیں اور وہ باتیں جو قیامت کے دن اٹھنے پر دلالت کرتی ہیں نیز اس کی آیات ماضی اور مستقبل کی خبریں، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، ناحق خون بہانے سے رکنا، صلہ رحمی وغیرہ میں سے کسی بات کی مثل پیش نہیں کی جاسکتی۔ اور اس بات پر کوئی شخص کیسے قادر ہو سکتا ہے جب فصیح و بلیغ عربی خطباء اور عقلمند شعراء چاہے وہ قریش تھے یا دوسرے وہ اس کے مقابلے سے عاجز رہ گئے۔

اور وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے کی آپ کی چالیس سالہ زندگی سے آگاہ تھے اور وہ جانتے تھے کہ آپ نے حساب و کتاب، جادو، شعر گوئی وغیرہ کچھ بھی نہیں سیکھا تھا نہ آپ نے کوئی خبر یا درکھی اور کوئی بات نقل کی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی اور تفصیلی (احکام پر مبنی) کتاب عطا فرما کر آپ کو اغراض بخشا چنانچہ آپ نے اس کتاب کے ذریعے ان لوگوں کو دعوت دی اور ان کا مقابلہ کیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْنٰہُ عَلَیْکُمْ وَلَا اَذْرَاکُمْ بِہِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (یونس: ۱۶) تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا نہ وہ تم کو اس سے خبردار کرتا تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر گزار چکا ہوں تو کیا تمہیں عقل نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَا کُنْتُ تَسْلُوْا مِّنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتَابٍ وَّلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (احکابوت: ۳۸) اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔

دوسرے معجزات

قرآن مجید کے علاوہ آپ کے معجزات مثلاً آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کا نکلنا، آپ کی برکت سے کھانے کا زیادہ ہونا، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، پتھروں کا کلام کرنا وغیرہ میں سے بعض معجزات وہ ہیں جن کے ساتھ چیلنج واقع ہوا اور بعض معجزات صرف آپ کی صداقت پر دلالت تھی کوئی چیلنج نہ تھا۔

ان تمام کا مجموعہ اس بات کا قطعی فائدہ دیتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بہت سے خلاف عادت کام ظاہر ہوئے (یہ اسی طرح یقینی بات ہے) جس طرح حاتم طائی کی سخاوت اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شجاعت یقینی ہے۔

اگرچہ انفرادی طور پر یہ معجزات ظنی ہیں کیونکہ یہ اخبار آحاد سے ثابت ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ کے بہت سے معجزات مشہور ہیں اور کثیر التعداد لوگوں نے ان کو روایت کیا ہے اور جو لوگ احادیث کا علم رکھتے ہیں

۱۔ خبر واحدہ حدیث ہے جس کے راوی خبر مشہور اور خبر متواتر کی تعداد کو نہ پہنچیں۔

اور تاریخ و اخبار کا اہتمام کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ راویوں کی کثرت، قطعیت کو لازم کرتی ہے اگرچہ دوسروں کے نزدیک وہ اس مقام کو نہ پہنچے کیونکہ وہ اس کا اہتمام نہیں کرتے اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ان میں سے اکثر واقعات فکری قطعیت کا قاعدہ دیتے ہیں تو یہ بات بعید از عقل نہیں کیونکہ اس بات میں شک نہیں کہ ہر طبقہ میں احادیث کو روایت کرنے والوں نے ان احادیث کو روایت کیا لیکن یہ بات محفوظ نہیں کہ ان کے کسی ساتھی نے اس روایت کی مخالفت کی ہو اور نہ ہی انہوں نے انکار اور اعتراض کیا۔

پس ان میں سے جو لوگ خاموش رہے وہ بولنے والوں کی طرح تھے۔ کیونکہ اجتماعی طور پر وہ لوگ باطل سے غفلت سے محفوظ تھے اور اگر فرض کیا جائے کہ ان میں سے بعض کی طرف سے کسی راوی پر طعن یا انکار ہوا ہے تو وہ راوی کے صدق یا جھوٹ کی تہمت کے سلسلے میں توقف کی جہت سے ہے یا اس کے حافضہ اور یادداشت یا غلطی کے امکان کی وجہ سے ہے لیکن ان کی طرف سے روایت پر طعن نہیں پایا گیا جس طرح ان کی طرف سے دوسرے فنون مثلاً احکام (فقہ) اور قرأتوں میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ واللہ اعلم

معجزات کی عمومیت و انواع

جب تم نبی اکرم ﷺ کے معجزات اور واضح نشانیوں اور کرامات میں غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ معجزات علوی و سفلی، خاموش و ناطق، ساکن و متحرک، مانع اور مٹوس، سابق و لاحق، غائب و حاضر، باطن و ظاہر، فوری اور تاخیری سب اقسام کو شامل ہیں کہ اگر ان کو شمار کیا جائے تو بات طویل ہو جائے۔

جیسے شہاب ثاقب (ستاروں) سے شیطان کو مارنا اور اندھیرے میں شیطانوں کو کان لگا کر سننے سے منع کرنا پتھر اور درخت کا آپ کو سلام کرنا اور آپ کے سامنے آپ کی رسالت کی گواہی دینا۔

آپ کو ”یاسیدی“ کہہ کر پکارنا، خشک تھے کا رونا، آپ کی ہتھیلی سے وضو کے برتن اور دوسرے برتنوں میں پانی کا نکلنا، چاند کا دو ٹکڑے ہونا، اندھے پن سے بینائی لوٹنا، اونٹ اور بھیڑیے وغیرہ کا گفتگو کرنا اور وہ نور جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی سے آپ کے والد ماجد کی پیشانی تک منتقل ہو کر آیا۔

اسی طرح بے شمار معجزات ہیں جن کو حاصل کرنے والوں نے حاصل کیا اور نقل کرنے والوں کی زبانوں سے نقل ہو کر آتے رہے (وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ) اگر ہم ان کو شمار کرنے لگیں تو ان کے ذکر میں سیاہی ختم ہو جائے اور اگر پہلے اور پچھلے آپ کے مناقب کو اچھی طرح بیان کریں تو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو عطا فرمایا اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہو جائیں اور ان فضائل و مناقب کے سمندر میں غوطہ زن ہونے والا آپ کے بعض قابل فخر فضائل کا شمار بھی نہ کر سکے آپ کے تحنن کیلئے یہ شعر پڑھنا صحیح ہے:

وعلى تفنن واصفيه لنعته يغنى الزمان وفيه مالم يوصف

”آپ کے مختلف اوصاف بیان کرنے میں زمانہ ختم ہو جائے اور آپ کے اوصاف بیان نہ ہو سکیں۔“

اور یہ اشعار بھی پڑھنے کے لائق ہیں:

فما بلغت كف امرى متناولا من المجد الا والذى نال اطولا

ولا بلغ المهدون في القول مدحه ولو حذقوا الا الذي فيه افضل
 ”کسی آدمی کا ہاتھ بزرگی کے ایک حصے تک نہیں پہنچا مگر جس بزرگی کو حضور ﷺ نے پایا وہ بہت زیادہ
 ہے اور شاعری میں مہارت کے باوجود حد یہ عقیدت پیش کرنے والے آپ کی مدح کو نہیں پہنچ سکے مگر آپ کا
 وہی وصف بیان کر پائے جس میں آپ افضل ہیں۔“

(امام العارفين سیدی محمد وقار رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے انہوں نے کافی وشافی فرمایا:

ما شئت قل فيه فانت مصدق فالحب يقضي والمحاسن تشهد
 ”حضور ﷺ کے بارے میں جو تم چاہو کہو کیونکہ تم (آپ کے کمالات) کی تصدیق کرنے والے ہو
 محبت کا فیصلہ ہے اور محاسن کی گواہی ہے۔“

امام الادیب امام شرف الدین بوسیری رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

دع ما ادعته النصارى في نبهم واحكم بما شئت مدحا فيه واحتكم
 والسب الى ذاته ما شئت من شرف والسب الى قدره ما شئت من عظم
 فان فضل رسول الله ليس ما حد فيعرب عنه ناطق بقم
 ”نصاری نے اپنے نبی کے بارے میں جو دعویٰ کیا اسے چھوڑ دو (اور اس کے علاوہ) حضور ﷺ کی
 شان میں جو چاہے کہو۔ اور ان کی ذات کی طرف جو بزرگی چاہو منسوب کرو اور ان کی عظمت کی طرف جو
 بڑائی چاہو منسوب کرو اس لئے رسول اللہ کی افضلیت غیر محدود ہے اس کا احاطہ کسی زبان رکھنے والے کے
 بس میں نہیں۔“

مطلب یہ ہے کہ آپ کی تعریف کرنے والے اگرچہ انتھاؤں کی بلندیوں کو چھونے لگیں پھر بھی وہ حسب منشاء
 تعریف نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی کوئی حد نہیں۔

منقول ہے کہ حضرت شیخ عمر بن فارض سعدی رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا گیا تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے نبی
 اکرم ﷺ کی تعریف کیوں نہیں کی؟

تو انہوں نے فرمایا:

ارى كل مدح في النبي مقصرا وان بالغ المثنى عليه واكثر
 اذا السب النبي بالذي هو اهله عليه فما مقدار ما يمدح الوري
 ”نبی اکرم ﷺ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے اگرچہ تعریف کرنے والا خوب مبالغہ کرے یا زیادہ
 کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وہ تعریف فرمائی جو اس کے شایان شان ہے تو مخلوق کی تعریف کی مقدار
 کیا ہوگی؟“

شیخ بدیع الدین زارکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے متقدمین شعراء جیسے ابوتامام البھری اور ابن
 رومی وغیرہ نبی اکرم ﷺ کی تعریف کے درپے نہیں ہوئے اور ان کے نزدیک آپ کی تعریف تک پہنچنا مشکل ترین کام

ہے اس لئے کہ معافی آپ کے مرتبہ سے نچلے درجہ میں ہیں اور اوصاف کو آپ کے وصف تک رسائی نہیں اور آپ کے حق میں جس قدر آگے بڑھیں کوتاہی ہی کوتاہی ہے پس کسی بلیغ شخص پر (آپ کی تعریف میں) میدانِ نظم میں نکلنا تنگ ہو جاتا ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ جس قدر تعریفیں کسی شخص کی نسبت سے زائد فرض کرو گے وہ آپ کے حق میں سچی ہوگی حتیٰ کہ گویا شعراء نے آپ کی صفات پر اعتماد کیا اور آپ کی تعریفوں کا قصد کیا اور امام بوصیری رحمہ اللہ نے فرمایا: دع ما ادعے النصارى فى نبیہم۔ یعنی عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو معبود بنایا تو تم اس بات کو چھوڑ دو (باقی جو چاہے تعریف کرو یعنی شریعت کے خلاف نہ ہو)۔

نیشاپوری رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ عیسائیوں نے انجیل میں تعریف کی اور اس میں تھا: عیسیٰ نبی وانا ولدہ۔ حضرت عیسیٰ میرے نبی ہیں اور میں نے (حضرت مریم سے بغیر باپ کے) ان کی تخلیق فرمائی۔

تو انہوں نے نبی کو بنی بنا دیا یعنی باء کو پہلے کر دیا اور ولدہ میں لام کی تشدید (شد) ختم کر دی (تو معنی ہوا حضرت عیسیٰ میرے بیٹے ہیں اور وہ مجھ سے پیدا ہوئے) تو کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ اگر تم کہو کہ کیا کسی نے ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں بھی وہ دعویٰ کیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس جیسا دعویٰ کرنے لگے تھے جب انہوں نے عرض کیا کہ کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں کسی شخص کو حکم دیتا کہ وہ کسی انسان کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس عمل سے روک دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۳۰ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۵۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۳-۱۸۵۴ دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۹ مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۱ ج ۶ ص ۶۶۷ المسند رک ج ۲ ص ۱۸۷ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۶ الدر المنثور ج ۲ ص ۱۵۴ سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۹۱ انجم الکبریٰ ج ۵ ص ۲۳۷ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۱۰ کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۲۸ المغنی ج ۲ ص ۵۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۷۷۳-۳۳۷۷۶-۳۳۷۷۷-۳۳۷۷۸)

ابن ابی ہالہ کی روایت میں نبی اکرم ﷺ کے وصف کے سلسلے میں یوں آیا ہے: ولا یقبل الشناء الا من مکافی۔ اور آپ صرف اسی سے تعریف کو قبول کرتے جو آپ کی تعریف میں مبالغہ نہ کرتا۔

یعنی آپ کی تعریف میں حد سے نہ بڑھتا۔ ابن قتیبہ نے کہا اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شخص جس پر آپ کا کوئی احسان ہوتا تو وہ اس کا بدلہ دیتا۔

ابن انباری نے اسے غلط قرار دیتے ہوئے کہا کہ کوئی ایسا شخص نہیں جس پر حضور علیہ السلام کا انعام و اکرام نہ ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا پس آپ کی تعریف کرنا سب پر لازم ہے اور اس کے بغیر کسی کا اسلام مکمل نہیں ہوتا وہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ صرف اسی سے تعریف کو قبول فرماتے جس کی حقیقت اسلام سے آگاہ ہوتے۔

زمانے کے اعتبار سے معجزات کی تقسیم

جس طرح حضرت امام قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے معجزات اور واضح نشانیوں اور کرامات کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

- (۱) ماضی کے معجزات یعنی آپ کے وجود مسعود سے پہلے آپ کی بزرگی اور شرافت کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئے۔
- (۲) مستقبل میں واقع ہونے والے معجزات یعنی جب آپ اپنی قبر انور میں تشریف لے گئے۔
- (۳) وہ معجزات جو آپ کے ساتھ ساتھ رہے جب آپ والدہ ماجدہ کے بطن اطہر میں تھے اور جب آپ کی ولادت ہوئی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضیلت اور وہ مقام عطا فرمایا جہاں اخلاق جمع ہوتے ہیں۔

پہلی قسم

یعنی ماضی کے معجزات وہ ہیں جو آپ کے اس (بشری) وجود کے ظہور سے پہلے واقع ہوئے ان میں سے کچھ کا ذکر مقصد اول میں ہو چکا ہے جس طرح ہاتھی والا واقعہ وغیرہ۔

یہ واقعات آپ کی نبوت کی تائیس اور رسالت کی بنیاد تھے۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معجزات کا تائیس اور مقدمہ کے طور پر مقدم ہونا جائز ہے۔ وہ فرماتے ہیں اسی لئے سیرت نگار فرماتے ہیں کہ بادل آپ پر سایہ کرتے تھے یعنی نبوت سے پہلے سفر کے دوران ایسا ہوتا تھا۔

معزلہ (اہل سنت کے خلاف فرقہ) کہتا ہے کہ (اعلان) رسالت سے پہلے معجزہ کا پایا جانا جائز نہیں۔ اس مقصد (بیان) کے شروع میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جمہور ائمہ اصول اور دوسرے لوگوں کے نزدیک اس قسم کے واقعات جو دعویٰ نبوت سے پہلے ہوں ان کو معجزہ نہیں کہا جاتا بلکہ یہ رسالت کی تائیس اور رسول کی کرامت و اعزاز ہوتا ہے۔

دوسری قسم

یعنی وہ معجزات جو نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد وقوع پذیر ہوئے وہ بہت زیادہ ہیں کیونکہ ہر وقت آپ کی امت کے خاص لوگوں کے لئے خلاف عادت واقعات ہوتے ہیں جس کا سبب آپ کی ذات گرامی ہے اور وہ آپ کی قدر و منزلت کی عظمت پر دلالت ہیں اور یہ بے شمار ہیں جس طرح آپ کے وسیلہ سے مدد مانگنا وغیرہ یہ بات آخری مقصد میں آپ کی قبر انور کی زیارت کے بیان میں آئے گی۔

تیسری قسم

وہ معجزات جو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ ساتھ رہے یعنی ولادت مبارکہ سے وفات شریف تک۔ جیسا کہ وہ نور جو آپ کے ساتھ ظاہر ہوا حتیٰ کہ اس سے شام کے محلات اور بازار روشن ہو گئے اور بصری میں اونٹوں کی گردنیں دیکھی گئیں اور پرندے نے آپ کی والدہ ماجدہ کے دل کو چھوا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کی ولادت پر کوئی تکلیف

محسوس نہ کی اور آپ کو آفاق کا چکر لگوا دیا گیا نیز اس کے علاوہ معجزات بھی ہیں۔

نیز کفار کے مطالبہ پر آپ کا چاند کو چیر دینا جب دو درختوں کو بلایا تو وہ آ کر باہم مل گئے، تھوڑے سے زاد سفر ہے بہت بڑے لشکر کو کھانا کھلایا اور ایسا کئی جگہ ہوائی زخمتوں پر غلبہ پایا اور اس کے علاوہ بے شمار معجزات ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی اور آپ کو خلاف عادت امور کے ذریعے کرامت و عزت بخشی یہ آپ کی حجت کے قیام کے لئے تائید حجت کی طرف رہنمائی کی تمہید اور تمام امت میں آپ کی قیادت و سیادت کی تائید تھی۔

نیز آپ کے تشریف لے جانے کے بعد جو لوگ آئے ان میں سے جو غفلت سے باہر نکلے اس کو راہ راست پر رکھنے کا ایک ذریعہ ہے اگر ہم زیادہ تفصیل میں جائیں تو کتاب کا مقصود یعنی اختصار باقی نہیں رہے گا کیونکہ یہ بڑا وسیع میدان ہے اور مقصود کا حصول مشکل ہے لیکن میں مختصر طور پر بیان کروں گا اور اس دوران اہم جملوں کے ذریعے عظمت بیان کروں گا۔

معجزہ انشقاق قمر ۱۔

چاند کے پھٹ جانے والے معجزہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا:

يَا قُتَيْبَةُ السَّاعَةِ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القر: ۱) قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔

اس سے یہ واقعہ مراد ہے جس کی تائید اس ارشاد خداوندی سے ہوتی ہے جو اس کے بعد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ تَسَوَّأْنَا آتِئَةً مُّتَعَرِّضُونَ وَابْتُلُوا مُّسْتَمِرِّينَ (القر: ۲) کہتے ہیں یہ جادو ہے جو جاری ہے۔

ظاہر یہی ہے کہ اس ”انشق“ سے مراد چاند کا پھٹ جانا ہے کیونکہ قیامت کے دن کفلا یہ بات نہیں کہیں گے یعنی (سحر ستر کے الفاظ) پس جب واضح ہوا کہ ان کا قول دنیا میں ہے تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ چاند شق ہوا اور وہ نشانی جس کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ یہ جادو ہے اس سے یہی (چاند کا پھٹ جانا) مراد ہے اور یہ بات واضح الفاظ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گی۔

یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ چاند کا پھٹ جانا ہمارے نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں ہوا اور یہ تمام معجزات کی اصل ہے اور تمام تفسیریں اور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ معجزہ نبی اکرم ﷺ کے لئے وقوع پذیر ہوا۔ کیونکہ جب کفار قریش نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کی تصدیق نہ کی تو انہوں نے آپ سے ایسی نشانی کا مطالبہ کیا جو آپ کے صدق دعویٰ کی دلیل ہو تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عظیم نشانی عطا فرمائی کہ اس کی ایجاد انسان کے بس میں نہیں ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے جو تو حید خداوندی کا دعویٰ کیا اس میں آپ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک

رب ہے۔

اور وہ جن معبودوں کی پوجا کرتے ہیں وہ باطل ہیں وہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان اور عبادت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

خطابی کہتے ہیں چاند کا شق ہونا بہت بڑی نشانی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں سے کوئی معجزہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معجزہ آسمانوں کی دنیا میں ظاہر ہوا جو اس عالم کی طبیعتوں سے خارج ہیں جو عالم مختلف طبائع سے مرکب ہے اور یہ ان کاموں میں سے نہیں جن تک کسی حیلے کے ذریعے رسائی حاصل ہو سکے اس لئے اس کے ذریعے دلیل نبوت بہت ظاہر ہے۔

ابن عبد البر نے کہا یہ حدیث صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت سے مروی ہے اسی طرح بے شمار تابعین نے بھی اسے روایت کیا ہے پھر ایک جم غفیر نے ان سے نقل کی حتیٰ کہ ہم تک پہنچ گئی اور قرآن مجید کی آیت کریمہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

”مختصر ابن حبان کی“ شرح میں علامہ ابن سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ چاند کا شق ہونا تواتر سے ثابت ہے اور قرآن مجید میں اس کا ذکر واضح الفاظ میں ہے۔ ”صحیح بخاری و مسلم اور ان کے علاوہ“ کتب حدیث میں متعدد طرق سے حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت سلیمان سے وہ حضرت ابراہیم سے وہ حضرت ابو عمر اور وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں پھر فرمایا: کہ اس کے دیگر کئی مختلف طرق بھی ہیں کہ اس کے حدیث متواتر ہونے میں کوئی شک نہیں۔

صحیح روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے شق قمر کا معجزہ مروی ہے۔ ان صحابہ کرام میں حضرت انس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حذیفہ، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

حضرت انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اس واقعہ کے وقت موجود نہ تھے کیونکہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے ہوا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت چار پانچ سال کے تھے لیکن مدینہ طیبہ میں تھے جبکہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ممکن ہے خود اس واقعہ کا مشاہدہ کیا ہو۔ ”صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے نبی اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان کو کوئی نشانی دکھائیں تو آپ نے ان کو چاند دو ٹکڑے کر کے دکھایا حتیٰ کہ انہوں نے غار حراء کو چاند (کے دو ٹکڑوں) کے درمیان دیکھا (آدھا ایک طرف اور آدھا دوسری طرف تھا)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا ایک حصہ پہاڑ کے اوپر تھا جبکہ دوسرا اس سے نیچے آپ نے فرمایا گواہ رہو۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۶۳۶۔ ۳۸۶۹۔ ۳۸۷۰۔ ۳۸۶۳۔ ۳۸۶۵ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۸۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵، مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۷ دلائل النبوة ج ۲ ص ۳۲، الدر المنثور ج ۶ ص ۱۳۳، اتحاف السادة المتعلمین ج ۷ ص ۱۶۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۸۵۵، دلائل النبوة ج ۱ ص ۹۵)

تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۳۹ مجمع الکبیر ج ۱۰ ص ۹۳ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۸۵ مشکل لا تارج ص ۳۰۲-۳۰۳

”جامع ترمذی میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اس آیت کریمہ: اقتربت الساعة وانشق القمر ○ (القرآن: ۱) قیامت قریب ہوگئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا، کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا ایک ٹکڑا پہاڑ سے ذرا نیچے اور دوسرا پہاڑ کے اوپر تھا۔ آپ نے فرمایا گواہ ہو جاؤ۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ، حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑوں میں بٹ گیا ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر اور دوسرا اس پہاڑ پر تھا کفار نے کہا محمد ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا پھر انہوں نے خود کہا کہ اگر ہم پر جادو کیا ہے تو وہ سب لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تو کفار قریش نے کہا ابو کبشہ کے بیٹے (حضرت محمد ﷺ) کا جادو ہے۔ راوی فرماتے ہیں: انہوں نے کہا انتظار کرو سفر پر گئے ہوئے لوگ تمہارے لئے کیا خبر لاتے ہیں کیونکہ محمد ﷺ سب لوگوں پر جادو نہیں کر سکتے؟ فرماتے ہیں: جب مسافر لوگ آئے تو انہوں نے بھی ان کو اس واقعہ کی خبر دی۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے (فرماتے ہیں:) مکہ مکرمہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تو کفار مکہ نے کہا ابو کبشہ کے بیٹے نے تم پر جادو کر دیا ہے پس باہر سے آنے والے مسافروں سے پوچھو اگر انہوں نے بھی وہ کچھ دیکھا ہو جو تم نے دیکھا ہے تو یہ سچے ہیں اور اگر انہوں نے وہ کچھ نہیں دیکھا تو یہ جادو ہے پس انہوں نے آنے والے مسافروں سے پوچھا اور وہ ہر طرف سے آئے تھے تو انہوں نے کہا ہم نے دیکھا ہے۔

ابونعیم نے ”الدلائل میں“ ایک ضعیف حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ مشرکین نبی اکرم ﷺ کے پاس جمع ہوئے ان میں ولید بن مغیرہ، ابو جہل، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، نضر بن حارث اور ان جیسے دوسرے لوگ بھی تھے انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ سچے ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر دیں آپ نے اپنے رب سے سوال کیا تو چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مختصر الفاظ میں اس طرح آیا ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چاند شق ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اگرچہ اس واقعہ کا مشاہدہ نہیں کیا جیسا کہ پہلے گزر گیا لیکن اس کے بعض طرق میں اس طرح ہے کہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے لی ہے۔

”صحیح مسلم میں بواسطہ“ حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس لفظ کے ساتھ منقول ہے کہ ان لوگوں کو دوبار شق قمر دکھایا گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۶۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶ مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۷-۲۲۰)

اسی طرح ”مصنف عبد الرزاق میں“ حضرت معمر رضی اللہ عنہ سے دو مرتبہ کے الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم حضرت شعبہ کی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت پر متفق ہیں جس میں دو ٹکڑوں کا ذکر

ہے جس طرح امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے (اس میں ”فہرقتین“ کا لفظ ہے) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں (راء کی بجائے لام ہے یعنی) ”فلتقتین“ ہے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ”فالتقتین“ ہے (دو حصوں میں بٹ گیا)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت ابو نعیم نے ”الدلائل میں“ نقل کی ہے اس میں ہے ”فصار قمرین“ (دو چاند ہو گئے)۔

حافظ ابو الفضل العراقي کی نظم سیرت میں ہے ”وانشق مرتین بالاجماع“ (بالا اتفاق دو مرتبہ چاند شق ہوا)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے خیال میں ”بالاجماع“ کا تعلق ”انشق“ کے ساتھ ہے ”مورتین“ کے ساتھ نہیں کیونکہ میرے علم کے مطابق علمائے حدیث کے نزدیک حضور علیہ السلام کے زمانے میں چاند کا متعدد بار شق ہونا قطعی نہیں اور شاید ”مورتین“ (دو چاند) کہنے والوں کا مطلب ”فسرقتین“ (دو ٹکڑے) ہو مختلف روایات کو صرف اسی طرح جمع کیا جاسکتا ہے۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ہم اس وقت منیٰ میں تھے اور یہ قول حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس قول کے خلاف نہیں جس میں انہوں نے فرمایا: کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں ہوا۔ انہوں نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ نبی اکرم ﷺ اس رات مکہ مکرمہ میں تھے پس ان کی مراد یہ ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ اس وقت ہوا جب صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں تھے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ واللہ اعلم

معجزہ انشقاق قمر کے منکرین

بدعتیوں کی ایک جماعت نے اسی طرح اس معجزے کا انکار کیا جس طرح جمہور فلاسفہ اس کے منکر ہیں۔ ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ اجرام علویہ میں کھٹنے اور جڑ جانے کا انتظام نہیں اسی طرح وہ شب معراج میں آسمانوں کے دروازے کھٹنے کے بارے میں بھی کہتے ہیں اور اس کے علاوہ (دیگر) امور کے بارے میں بھی۔

ان لوگوں کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ کافر ہیں تو پہلے دین اسلام کے ثبوت پر مناظرہ کریں اگر یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچ جائے تو وہ ان دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہوں گے جو مسلمان ہیں لیکن انکار کرتے ہیں اور جب مسلمان ایک معجزہ کو تسلیم کرے اور دوسرے سے انکار کرے تو اس سے تناقض لازم آتا ہے اور پھر قرآن مجید میں جو قیامت کے دن اجرام سماویہ کے پھٹنے اور جڑنے کا ذکر ہے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو لازم ہوا کہ یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کے معجزہ کے طور پر واقع ہوا ہے۔

محققین نے بھی اس کا جواب دیا ہے ابو اسحاق الزجاج نے ”معانی القرآن میں“ فرمایا: کہ بعض بدعتی جو ملت اسلامیہ کے مخالفین کی حمایت کرتے ہیں انہوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا انکار کیا اور اس میں عقلی طور پر انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ چاند اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس طرح تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے جس طرح وہ اسے

قیامت کے دن بے روشن اور فنا کر دے گا۔
بعض بے دین کہتے ہیں اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو تواتر کے ساتھ نقل ہوتی اور اس کی معرفت میں تمام لوگ شریک ہوتے اہل مکہ کے ساتھ خاص نہ ہوتا کیونکہ یہ معجزہ محسوسات میں سے ہے اور مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے تو سب لوگ اس میں شریک ہوتے۔ حدیث غریب کو نقل کرنے کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں اسی طرح غیر معروف بات بھی نقل ہو سکتی ہے اگر اس کی کوئی اصل ہوتی تو علم ہیئت اور علم نجوم کی کتابوں میں اس کا ذکر ہوتا کیونکہ اس قسم کے عظیم الشان اور واضح واقعہ کے ترک پر وہ لوگ متفق نہیں ہو سکتے۔

خطابی وغیرہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ یہ واقعہ ان امور سے نکلا ہے جس کا انہوں نے ذکر کیا کیونکہ خاص لوگوں نے اس کا مطالبہ کیا پس یہ رات کے وقت وقوع پذیر ہوا اس لئے کہ چاند رات کو نظر آتا ہے اور رات کے وقت لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور گھروں میں ہوتے ہیں اور جو لوگ صحرا میں ہوں اگر وہ جاگتے بھی ہوں تو ممکن ہے وہ قصے کہانیوں میں مشغول ہوں۔

اور یہ بات (عقل سے) بعید ہے کہ وہ چاند کے مراکز کا ارادہ کریں اس کی طرف دیکھیں اور اس سے غافل نہ ہوں اور یہ بات جائز ہے کہ یہ معجزہ واقع ہوا اور اکثر لوگوں کو اس کا پتہ نہ چلا اسے تو صرف ان لوگوں نے دیکھا جنہوں نے اسے دیکھنے کی خواہش کی اور اس کے درپے ہوئے اور شاید یہ پلک جھپکنے کے برابر ہوا ہو اور اس وقت چاند کسی منزل میں ہو سکتا ہے کہ آفاق میں بعض کے لئے ظاہر ہو اور بعض کے لئے نہ ہو جس طرح کسی قوم کے لئے ظاہر ہوتا ہے اور کسی سے غائب اور جیسا کہ بعض علاقوں میں گرہن ہوتا ہے دوسرے علاقوں میں نہیں ہوتا۔

خطابی نے نبی اکرم ﷺ کے ان معجزات کے سلسلے میں عجیب اور عمدہ بات کہی ہے کہ جو حد تواتر کو اس طرح نہیں پہنچے کہ ان میں کوئی اختلاف نہ ہو جس طرح قرآن مجید میں کوئی اختلاف نہیں (انہوں نے کہا) ”ہر نبی کو معجزہ ملا جب وہ عام ہوا تو اس کے بعد اسے جھٹلانے والے عذاب میں مبتلا ہوئے جب کہ نبی اکرم ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے پس آپ کا وہ معجزہ جسے چیلنج کیا گیا وہ عقلی تھا تو وہ اس قوم سے مختص تھا جن میں سے آپ کو مبعوث کیا گیا کیونکہ ان کو زیادہ عقل اور زیادہ سمجھ عطا کی گئی اگر اس کا ادراک عام ہوتا تو جھٹلانے والوں کو عذاب دیا جاتا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو عذاب میں مبتلا کیا گیا۔

ابن عبد البر نے بھی اسی قسم کا جواب دیا ہے۔

تنبیہ

بعض واعظین اور قصہ گو لوگوں نے کہا کہ چاند نبی اکرم ﷺ کے گریبان میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا تو اس کی کوئی اصل نہیں جس طرح شیخ بدرالدین زرکشی نے اپنے شیخ عماد بن کثیر سے نقل کیا ہے۔

سورج کو لوٹانا ۱۔

سورج کو لوٹانے کے سلسلے میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ کا سر انور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود مبارک میں تھا اور انہوں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے علی! آپ نے نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں پڑھی، نبی اکرم ﷺ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

یا اللہ! یہ تیری اطاعت اور تیرے رسول ﷺ کی فرمانبرداری میں تھے پس ان پر سورج کو لوٹا دے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے دیکھا کہ سورج غروب ہوا پھر میں نے اسے غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتے ہوئے دیکھا اور پہاڑوں اور زمین پر دھوپ ہو گئی اور یہ خیبر کے قریب مقام صہبام پر ہوا۔ (الملائی المصنوع ج ۳ ص ۱۷۴ البدلیہ والنباہیہ ج ۶ ص ۸۰-۸۱-۸۵ تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۹۶، تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۷۹، مشکل لا تار ج ۲ ص ۹-ج ۳ ص ۳۸۸)

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”مشکل الحدیث میں“ نقل کیا جس طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء میں“ ذکر کیا اور فرمایا: کہ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ احمد بن صالح کہا کرتے تھے کہ کسی اہل علم کے لئے مناسب نہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو یاد نہ کرے کیونکہ یہ علامات نبوت سے ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا: کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اگر قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے ”الشفاء میں“ حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ سے دو سندوں سے نقل کیا ہے تو اب جوزی نے ”الموضوعات میں“ اسے ذکر کر کے کہا کہ یہ بلاشبہ موضوع ہے اور اس کی سند میں احمد بن داؤد ہے جو متروک الحدیث اور جھوٹا ہے جس طرح امام دارقطنی نے فرمایا اور ابن حبان نے کہا کہ یہ شخص حدیث گھڑتا ہے۔ ابن جوزی نے کہا کہ اس حدیث کو ابن شاہین نے ذکر کیا اور کہا کہ یہ حدیث باطل ہے اور یہ بھی کہا کہ اسے گھڑنے والے نے اس کی فضیلت کی صورت کو دیکھا لیکن اس کے غیر معینہ ہونے کی طرف توجہ نہیں کی کیونکہ سورج غروب ہو جانے سے عصر کی نماز قضاء ہو جاتی ہے اور اب وہ ادا کی شکل میں نہیں لوٹی۔

ابن تیمیہ نے رافضیوں کے رد میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں اس حدیث کو اس کی تمام سندوں کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اسے موضوع قرار دیا اور قاضی عیاض رحمہ اللہ پر تعجب کا اظہار کیا کہ انہوں نے اپنی جلالت شان اور علوم حدیث میں عظیم المرتبت ہوتے ہوئے بھی اس کی صحت کا وہم کرتے ہوئے خاموشی اختیار کی اسے ثابت مانتے ہوئے نقل کیا اور اس کے راویوں پر اعتماد کیا۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور ابن جوزی نے ان کی اتباع کرتے ہوئے اسے موضوعات میں شمار کیا۔

لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا اور ابن شاہین نے اسے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی روایت سے اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے نقل کیا۔

امام طبرانی نے اسے اپنی معجم کبیر میں سند حسن کے ساتھ نقل کیا جس طرح شیخ الاسلام ابن عراقی نے ”شرح التقریب میں“ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے مقام صہبا میں ظہر کی نماز پڑھی پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کسی کام کے لئے بھیجا وہ واپس آئے تو نبی اکرم ﷺ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے چنانچہ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں سر انور رکھا اور آرام فرما ہوئے انہوں نے آپ کو نہ جگایا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا چنانچہ حضور علیہ السلام نے دعا مانگی۔

”یا اللہ! تیرے بندہ علی المرتضیٰ نے اپنے آپ کو تیرے نبی ﷺ کے لئے روک رکھا تھا اس پر سورج کو لو نادمے۔“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پس سورج ظاہر ہو گیا حتیٰ کہ پہاڑوں اور زمین پر دھوپ ہو گئی، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے اور وضو کر کے عصر کی نماز پڑھی پھر سورج غروب ہو گیا اور یہ واقعہ مقام صہبا میں ہوا۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر غشی طاری ہو جاتی ایک دن آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں (سر رکھے ہوئے) تھے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی آپ نے پوچھا اے علی! عصر کی نماز پڑھ چکے ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ! نہیں پڑھی۔ پس آپ نے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو ان پر لوٹا دیا حتیٰ کہ انہوں نے نماز عصر پڑھی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے سورج کو غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتے دیکھا جب اسے لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ حضرت علی کرم اللہ نے نماز عصر پڑھی۔

امام طبرانی نے اس کو ”معجم اوسط میں“ بھی حسن سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج کو حکم دیا تو وہ دن کی ایک ساعت میں رک گیا۔

یونس بن بکیر نے ”زیادة المغازی میں“ حضرت محمد ابن اسحاق سے نقل کیا جو قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ جب نبی اکرم ﷺ کو معراج کرایا گیا اور آپ نے قافلے والوں اور ان کی نشانی کے بارے میں اپنی قوم کو بتایا تو انہوں نے پوچھا وہ کب آئے گا؟ فرمایا: ”بدھ کے دن“ جب وہ دن آیا تو قریش انتظار کرنے لگے دن نکلنے لگا اور وہ نہ آئے نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی تو آپ کے لئے دن میں ایک ساعت کا اضافہ کر دیا گیا اور سورج رک گیا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۲۸۲) لیکن یہ بات اس حدیث کے خلاف ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

سورج حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے علاوہ کسی پر نہیں روکا گیا یعنی جب وہ جمعہ کے دن قوم جباریں سے لڑ رہے تھے جب سورج نے پیٹھ پھیری تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں ہماری فراغت سے پہلے یہ غروب نہ ہو جائے اس طرح ہفتہ کا دن داخل ہو جائے گا تو اب ان سے لڑنا جائز نہ ہوگا چنانچہ آپ نے دعا فرمائی تو سورج آپ پر لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ آپ ان کے ساتھ لڑائی سے فارغ ہوئے۔ ۱۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کے خصائص سے ہے پس یہ اس

۱۔ یہ بات صحیح نہیں کیونکہ تین روایات حسن سند کے ساتھ پہلے مزرہکی ہیں (لہذا اسے غیر صحیح یا غیر حسن قرار دینا غلط ہے)۔

حدیث کے ضعف پر دلالت ہے جو ہم نے نقل کی کہ سورج واپس لوٹا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کی۔ احمد بن صالح مصری نے اسے صحیح قرار دیا لیکن یہ حدیث منکر ہے (ضعیف ہے) اور اس سلسلے میں صحیح اور حسن روایت نہیں ہے اور اس حدیث کو نقل کرنے کے اسباب زیادہ ہیں اور اسے نقل کرنے والی اہل بیت کی ایک خاتون ہیں جو مجہول ہیں ان کی حالت معلوم نہیں۔ ۱۔

دونوں قسم کی احادیث کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ میرے علاوہ صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لئے سورج کو روکا گیا اور کسی کے لئے نہیں روکا گیا۔

اسی طرح ہمارے نبی اکرم ﷺ کے لئے غزوہ خندق کے دن سورج کا رک جانا بھی ثابت ہے جب آپ کی نماز عصر رہ گئی پس سورج کا رک جانا ہمارے نبی ﷺ اور حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہوگا جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الاکمال میں“ نقل کیا اور امام طحاوی رحمہ اللہ کی ”مشکل الآثار کی“ طرف منسوب کیا امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح مسلم میں حل الفتناء کے باب میں“ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے احادیث الرافعی کی تخریج کے ضمن میں ”باب الاذان“ میں ذکر کیا اور مغلطای نے ”الزہر الباسم میں“ نقل کیا اور ان سب نے اس کو (کسی اعتراض کے بغیر) برقرار رکھا۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں یہ بات ثابت ہے کہ واقعہ خندق میں نبی اکرم ﷺ نے عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی تھی جیسا کہ غزوات کے بیان میں گزر چکا ہے۔ ۲۔
امام بغوی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بھی سورج کو روکا گیا تھا قرآن مجید میں ہے آپ نے فرمایا:

ردوہا علی . ۳۔ ان کو میری طرف واپس لاؤ۔

(تفسیر بغوی ج ۳ ص ۵۲ سورہ ص: ۳۳)

اس سلسلے میں ہم پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں سورج کا ذکر نہیں پس ”الاصناف الجیاد“ عمدہ گھوڑے مراد ہوں گے۔ واللہ اعلم

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس جگہ سورج کو روکنے کے سلسلے میں اختلاف ہے پس کہا گیا کہ وہ اپنی حالت

۱۔ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات بھی محل نظر ہے کیونکہ اس حدیث کو ایک جماعت نے متعدد طرق کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(زرقانی ج ۵ ص ۱۱۷)

۲۔ علامہ زرقانی (شرح زرقانی ج ۵ ص ۱۱۸) فرماتے ہیں: یہ کسی دوسرے دن کی بات ہوگی کیونکہ غزوہ خندق کئی دن رہا لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

۳۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے آپ ان کی طرف متوجہ تھے عصر کی نماز کا وقت چلا گیا تو اللہ تعالیٰ نے سورج واپس لوٹا دیا اور پھر آپ نے ان گھوڑوں کو ذبح کر دیا کہ ان کی وجہ سے نماز میں تاخیر ہوئی تھی۔ ۱۲ ہزاروی

پر چل رہا تھا کہ واپس لوٹا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ ٹھہرایا گیا فرمایا نہیں گیا ایک قول یہ ہے کہ اس کی حرکت و رفتار کمزور ہو گئی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ تمام باتیں نبوت کے معجزات سے ہیں۔

جمادات نے نبی اکرم ﷺ کا حکم مانا

یہ جو مروی ہے کہ جمادات نے آپ کا حکم مانا اور تسبیح کے ذریعے کلام کیا اور اس کے علاوہ امور جن پر احادیث گواہ ہیں تو ان میں سے ایک واقعہ کھانے اور کنکریوں کا آپ کی مبارک ہتھیلی میں تسبیح پڑھنا ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۳۸ دلائل النبوة ج ۶ ص ۶۴)

محمد بن یحییٰ الذہلی نے ”الزہریات میں“ نقل کیا، فرماتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے خبر دی وہ فرماتے ہیں: ہم سے حضرت شعیب نے حضرت زہری سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ حضرت زہری فرماتے ہیں: ولید بن سوید ان نے بنو سلیم کے ایک بوڑھے شخص کا ذکر کیا جس نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو ربذہ مقام پر پایا تھا وہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے آپ فرماتے ہیں:

میں ایک دن دوپہر کے وقت (سخت گرمی میں) نکلا تو معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ اپنے خانہ اقدس سے باہر تشریف لے گئے ہیں میں نے خادم سے آپ کے بارے میں پوچھا تو اس نے مجھے بتایا کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں ہیں میں آیا تو آپ تنہا بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے پاس کوئی دوسرا شخص نہ تھا میرا خیال ہے کہ اس وقت آپ حالت وحی میں تھے میں نے سلام پیش کیا تو آپ نے اس کا جواب دیا پھر فرمایا تمہیں کون لایا ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول (یعنی ان کی محبت کی وجہ سے آیا ہوں)۔

آپ نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا تو میں آپ کے پاس بیٹھ گیا نہ میں نے آپ سے کوئی سوال کیا اور نہ آپ نے مجھے کوئی جواب دیا میں تھوڑی دیر ہی ٹھہرا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تیز تیز چلتے ہوئے حاضر ہوئے اور سلام کیا نبی اکرم ﷺ نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا: کیسے آئے ہو؟ عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مجھے لائے ہیں (ان کی محبت میں آیا ہوں) آپ نے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا آپ نبی اکرم ﷺ کے مقابل اونچی جگہ بیٹھ گئے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے انہوں نے بھی اسی طرح کیا پھر حضور علیہ السلام نے ان سے وہی بات فرمائی تو وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے سات یا نو یا اس کے قریب کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں تو انہوں نے تسبیح پڑھی حتیٰ کہ ان کے رونے کی آواز آئی جس طرح کھجور کا خشک تنا (آپ کے فراق میں) رویا تھا۔ پھر وہ کنکریاں مجھے چھوڑ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دے دیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بھی کنکریوں نے تسبیح پڑھی پھر ان سے لے کر ان کو زمین پر رکھا تو ان کی آواز بند ہو گئی اور وہ کنکریاں بن گئیں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پکڑا دیں تو ان کی ہتھیلی میں بھی اسی طرح تسبیح پڑھی جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی میں تسبیح کرتی تھیں پھر ان سے لے کر زمین پر رکھا تو وہ خاموش ہو گئیں اس کے بعد آپ نے وہ کنکریاں حضرت عثمان غنی کو دے دیں تو انہوں

نے ان کی عقلی میں تسبیح پڑھی جس طرح حضرت ابو بکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی تھی پھر ان کو پکڑ کر زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔ (تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۸ الشفاء ج ۱ ص ۳۰۶)

حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کنکریوں کا تسبیح پڑھنا زبانوں پر مشہور ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے سات کنکریاں پکڑیں تو انہوں نے آپ کے دست مبارک میں تسبیح پڑھی حتیٰ کہ ان سے رونے کی آواز سنائی دی پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیں تو انہوں نے تسبیح کی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھیں تو وہ تسبیح کہنے لگیں پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیں تو انہوں نے تسبیح کہی۔

اس حدیث کو امام بزار نے اور امام طبرانی نے ”اوسط میں“ ذکر کیا ہے۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ جو لوگ وہاں مجلس میں موجود تھے انہوں نے کنکریوں کی تسبیح کو سنا پھر ہمیں عطا فرمائیں تو انہوں نے ہم میں سے کسی کے پاس تسبیح نہیں پڑھی۔

امام بیہقی نے ”الدلائل میں“ فرمایا: کہ صالح بن ابی الاضرہ نے اسی طرح روایت کیا لیکن وہ حافظ نہیں وہ حضرت زہری سے وہ سدید بن یزید سلمیٰ سے وہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۶۵)

اور جو محفوظ ہے وہ حضرت شعیب کی روایت ہے وہ حضرت ابو حمزہ سے اور وہ حضرت زہری سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ولید بن سدید نے ذکر کیا کہ بنو سلیم کا ایک شخص جو بوڑھا تھا (آگے وہی بات ہے)۔

کنکریوں کی تسبیح کے سلسلے میں حدیث کی یہی ایک سند ہے اور یہ ضعیف ہے لیکن یہ حدیث لوگوں میں مشہور ہے۔ حضرت سید محمد وفارحمہ اللہ نے کیا اچھی بات کہی ہے:

لسبحة ذاك الوجه قد سبح الحصى
ومن سح سحب الكف قد سبح الرعد
”اس نورانی چہرے کی وجہ سے کنکریوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی اور آپ کی عطاء کے بادلوں کی وجہ سے گرجنے کی“۔

ایک دوسرے شاعر نے کہا:

يا حذا الوثمن كفا قد سبحت وسطها الحصى
”کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اس ہاتھ کو بوسہ دیتا جس کے اندر کنکریوں نے تسبیح پڑھی ہے۔“

کھانے کی تسبیح

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ کھانا کھا رہے تھے اور ہم کھانے کی تسبیح سن رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۷ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۳۳ سنن داری رقم الحدیث: ۵۰ سند احمد ج ۱ ص ۳۶۰ الشفاء

ج ۱ ص ۳۰۶ التہذیب ج ۱ ص ۲۰۹ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۰۱)

حضرت جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ علیل ہو گئے تو حضرت جبریل علیہ السلام ایک تھال لے کر آئے جس میں انار اور انگور تھے آپ نے اس سے تناول فرمایا تو اس نے تسبیح کہی۔

(الشفاء ج ۱ ص ۳۰۷)

یہ روایت حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء میں“ نقل کی ہے اور ان سے ابو الفضل ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ”فتح الباری میں“ نقل فرمائی ہے۔

تسبیح ایسے الفاظ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی پر دلالت کرتے ہیں اور الفاظ حقیقتاً اس سے پائے جاتے ہیں جس کے ساتھ لفظ قائم ہوتا ہے اور جس کے ساتھ قائم نہ ہو وہاں مجازی طور پر پائے جاتے ہیں۔

پس کھانا، کنکری اور درخت اسی طرح ہیں اور یہ سب اسی اعتبار سے متکلم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کلام کی طاقت پیدا فرمائی۔ اور یہ خلاف عادت ہے (یعنی آپ ﷺ کا معجزہ ہے) اور صحابی کا یہ فرمانا کہ ہم تسبیح سن رہے تھے اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس تسبیح کو سننے اور سمجھنے کے ذریعے صحابہ کرام کو عزت و اکرام حاصل ہوا اور یہ نبی اکرم ﷺ کی برکت تھی۔

پتھر کا سلام کرنا ۱۔

نبی اکرم ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ پتھر نے آپ کو سلام کیا رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: انی لا عرف حجرا بمكة كان يسلم علی قبل ان ابعث انی لا عرفه الان۔ ۱۔ مکرمہ میں مجھے سلام کرتا تھا میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۸۳ سنن داری ج ۱ ص ۱۲ مسند احمد ج ۵ ص ۸۹-۹۵ الشفاء ج ۱ ص ۳۰۷ المعجم الکبیر ج ۲ ص ۲۵۷ المعجم الصغیر ج ۱ ص ۶۲ دلائل النبوة ج ۲ ص ۱۵۳ السيرة لابن هشام ج ۱ ص ۲۵۲-۲۵۳ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۵۷ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۸۵۳ اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۱۹۲ تاریخ دمشق ج ۲ ص ۸۲ دلائل النبوة رقم الحدیث: ۱۳۲ شرح السنہ ج ۱ ص ۲۸۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۰۰)

اس پتھر کے بارے میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ یہ حجر اسود ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ کوئی دوسرا پتھر تھا جو راستے میں تھا اور لوگ اس کو چھو کر برکت حاصل کرتے تھے اور کہتے تھے یہی وہ پتھر ہے جو نبی اکرم ﷺ کو سلام کرتا تھا جب آپ وہاں سے گزرتے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن رشید نے اپنے (چھ جلدوں پر مشتمل) سفر نامہ مسنی ”مل العیہ“ میں ذکر کیا جو ”شفاء الغرام فی تاریخ البلد الحرام“ سے نقل کیا گیا، علم الدین احمد بن ابوبکر بن خلیل فرماتے ہیں: مجھے میرے چچا حضرت سلیمان نے خبر دی

۱۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۶۹)

۲۔ یہ پتھر ”اصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ“ پڑھتا تھا۔ (زرقاتی ج ۵ ص ۱۳۲)

وہ فرماتے ہیں: مجھے محمد بن اسماعیل بن ابوالصیف نے خبر دی وہ فرماتے ہیں مجھے ابو حفص المیاشی نے خبر دی وہ فرماتے ہیں مجھے ہر اس شخص نے خبر دی جس سے مکہ مکرمہ میں میری ملاقات ہوئی کہ یہ (مذکورہ) پتھر وہی ہے جو نبی اکرم ﷺ سے کلام کرتا تھا۔ ۱۔

امام ترمذی داری اور حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور (امام حاکم نے) اسے صحیح قرار دیا وہ فرماتے ہیں میں مکہ مکرمہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ چلتا تھا ہم ایک طرف کوکل گئے تو جو درخت اور پتھر آپ کے سامنے آیا اس نے کہا۔ ”السلام علیک یا رسول اللہ“۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس رسالت (اللہ تعالیٰ کا پیغام) لے کر آئے تو میری حالت یہ ہو گئی کہ میں جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتا وہ ”السلام علیک یا رسول اللہ“ کہتا اس حدیث کو امام بزار اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔

(اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۱۹۲ دلائل النبوة ج ۱ ص ۶۹)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کسی پتھر یا درخت کے پاس سے نہ گزرتے مگر وہ آپ کو سجود کرتا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۳۰۷ دلائل النبوة ج ۶ ص ۶۹)

اسی سے ہے کہ دروازے کی چوکھٹ اور مکان کی دیواروں نے آپ کی دعا پر آمین کہا۔

حضرت ابوالسید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابوالفضل! کل صبح جب تک میں تم لوگوں کے پاس نہ آ جاؤں آپ اور آپ کے بیٹے اپنے گھر کا ارادہ نہ کریں مجھے تم لوگوں سے ایک کام ہے چنانچہ وہ لوگ خطر رہے حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ چاشت کے بعد تشریف لائے ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا السلام علیکم انہوں نے جواب دیا ”وعلیک السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ“۔

آپ نے پوچھا تم نے صبح کیسے کی؟ عرض کیا الحمد للہ! اچھی طرح کی آپ نے فرمایا: ایک دوسرے کے قریب ہو جاؤ چنانچہ وہ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے یہاں تک کہ آپ نے ان پر اپنی چادر ڈال دی اور عرض کیا اے میرے رب! یہ میرے چچا اور میرے باپ کی مثل ہیں اور یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں ان کو جہنم سے اس طرح پردے میں کر دے جس طرح میں نے ان کو اس چادر میں ڈھانپ دیا ہے۔ آپ کی اس دعا پر دروازے چوکھٹ اور گھر کی دیواروں نے تین بار آمین کہی۔ (المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۶۳ اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۱۹۳ تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۲۳۹ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۳۰)

اس حدیث کو امام بیہقی نے ”الدلائل میں“ اور ابن ماجہ نے بھی مختصر طور پر نقل کیا ہے۔

یہ بھی آپ کا معجزہ ہے کہ آپ نے پہاڑ سے اور پہاڑ نے آپ سے کلام کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ اور

۱۔ امام زرقانی فرماتے ہیں ابن رشد کے کلام میں یہ بھی ہے کہ یہ پتھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان کے مقابل دیوار میں تھا جو سوق

الملیل میں واقع تھی۔ (زرقانی ج ۵ ص ۱۲۳)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم جبل احد پر تشریف لے گئے تو پہاڑ پر لرزہ طاری ہو گیا نبی اکرم ﷺ نے اس پر اپنا پاؤں مارا اور فرمایا احد ٹھہر جا بے شک تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۸۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱-۸۲-۲۵۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۵۱، معجم الکبیر ج ۳ ص ۱۷۵، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۵۵، تاریخ الکبیر ج ۲ ص ۱۷۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۶۷۰-۳۶۱۱۷-۲۶۳۲۸، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۹۷)

ابن مسیر نے کہا اس میں حکمت یہ تھی کہ جب پہاڑ پر لرزہ طاری ہوا تو رسول اکرم ﷺ نے اس بات کو واضح کرنے کا ارادہ فرمایا کہ پہاڑ کی یہ حرکت اس جنس سے نہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے تھی جب انہوں نے کلام میں تبدیلی کی وہ غضب کے طور پر حرکت تھی اور یہ خوشی کے ساتھ پہاڑ کا جھومنا تھا اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے مقام نبوت، مقام صدیقیت اور مقام شہادت کو واضح الفاظ میں ذکر فرمایا جس سے خوشی حاصل ہوتی ہے، کپکپاہٹ نہیں پس پہاڑ اس کلام سے ٹھہر گیا۔

احد ایک پہاڑ ہے جو مدینہ طیبہ کے قریب ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا:
احد جبل یحبنا و نحبہ.
احد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی مراد میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ اس سے اہل مدینہ مراد ہیں۔ جس طرح ارشاد خداوندی ہے:
واسئل القریۃ.
یعنی بستی (یعنی بستی والوں سے) پوچھو۔
یہ بات خطاب نے کہی ہے اور امام بغوی نے فرمایا جسے منذری نے نقل کیا کہ اسے ظاہر پر جاری کرنا ہی زیادہ بہتر ہے اور جمادات کا انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے محبت کرنا ایسی بات نہیں جس کا انکار کیا جائے۔ اسی طرح جمادات عبادت گزار لوگوں سے بھی محبت کرتے ہیں۔

جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی جدائی پر کھجور کا تنارویا حتیٰ کہ صحابہ کرام نے اس کا رونا سنا اور اسے خاموش کرایا اور جیسا کہ وحی سے پہلے آپ کو پتھر سلام کرتا تھا لہذا اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ احد پہاڑ اور مدینہ طیبہ کے تمام اجزاء آپ سے محبت کرتے اور آپ کے فراق پر روتے تھے۔ حافظ منذری فرماتے ہیں امام بغوی کا یہ قول بہت عمدہ ہے۔
حضرت ثمامہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں کوہ ثبیر پر تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور میں بھی تھا کہ پہاڑ میں حرکت پیدا ہوئی حتیٰ کہ اس کے پتھر دامن کوہ میں گرنے لگے۔ آپ نے اس پر پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا اے ثبیر! ٹھہر جاؤ تم پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۳، سنن نسائی ج ۶ ص ۲۳۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۶۶۹-۳۳۰۹۹-۳۶۲۸۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم حراء کے اوپر تھے کہ چٹان میں حرکت پیدا ہوئی تو نبی

اکرم ﷺ نے فرمایا اے حراء! ٹھہر جا تجھ پر نبی یا صدیق یا شہید ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۵۹ سنن الکبریٰ ج ۶ ص ۱۶۷ سنن دارقطنی ج ۳ ص ۱۹۸ تاریخ الکبیر ج ۸ ص ۱۰۵ تہذیب تاریخ دمشق ج ۵ ص ۳۶۳ اتحاد السادة المتکین ج ۷ ص ۱۹۳ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۳۷۰)

ایک روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں اس حدیث کو ذکر کیا لیکن انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا اور ”اسکن“ (ٹھہر جا کی جگہ) ”لحدأ“ ہے (معنی وہی ہے)۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ہی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور فرمایا: کہ پہاڑ پر عشرہ مبشرہ! سب موجود تھے البتہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نہ تھے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا: ”اعمہا“ (اے پہاڑ ٹھہر جا)۔

(ابو الحسن علی بن الحسین الموصلی) الخلیفہ رحمہ اللہ نے ان سے اس کی مثل روایت کیا لیکن حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔ اسحاق بغدادی نے بھی اس میں جس میں بڑوں نے چھوٹوں سے اور باپوں نے اولاد سے روایت کیا اسے روایت کیا ہے (یعنی وہ کتاب جس میں بڑے چھوٹوں سے روایت کرتے ہیں)۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ومال حراء من تحته فرحابه لولا مقال ”اسکن“ تضعضح وانقضا
”اور آپ کے نیچے حراء خوشی کی وجہ سے جھکنے لگا اور اگر آپ ”ٹھہر جا“ کا لفظ نہ فرماتے تو وہ مگر جاتا اور اس کے آثار مٹ جاتے۔

حراء (جبل نور) اور مہر مکہ مکرمہ میں دو پہاڑ ہیں جو ایک دوسرے کے مد مقابل ہیں۔

روایات کا اختلاف اس وجہ سے ہے کہ یہ مختلف واقعات ہیں جو تکرار کے ساتھ وقوع پذیر ہوئے۔ طبری وغیرہ نے یہ بات کہی ہے۔

لیکن ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ احد پہاڑ ہی مراد ہے اور اگر ان کا مخرج ایک نہ ہوتا تو واقعات کا تعدد ہو سکتا تھا۔ پھر میرے لئے ظاہر ہوا اس میں حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اختلاف ہے میں نے حارث بن ابی اسامہ کی مسند میں حضرت روح بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے پایا وہ فرماتے ہیں: اس میں احد یا حراء کا ذکر شک کی وجہ سے ہے۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے لفظ حراء کے ساتھ نقل کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے دس صحابہ کرام کو جنت کی خوشخبری دی ان کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۶)

ابو یعلیٰ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے ”احد“ کے ذکر سے ہی روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے پس متعدد واقعات کا احتمال قوی ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسی روایت نقل کی ہے جو اس واقعہ کے تعدد کی تائید کرتی ہے اور انہوں نے ذکر کیا کہ آپ حرام پر تھے اور آپ کے ہمراہ مذکورہ بالا صحابہ کرام بھی تھے انہوں نے ان کے علاوہ کا بھی اضافہ کیا۔ جب قریش نے آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تو ثمیر پہاڑ نے کہا یا رسول اللہ اتر جائیے مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کو میرے اوپر شہید کر دیں تو اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دے گا حرام نے کہا یا رسول اللہ! مجھ پر تشریف لائیں۔

یہ بات (قاضی عیاض رحمہ اللہ نے) ”الشفاء میں“ ذکر کی ہے اور سیرت نبوی کے ضمن میں ہجرت کے سلسلے میں یہ حدیث مروی ہے کہ حرام پہاڑ ثمیر کے مقابل ہے اور دونوں کے درمیان وادی ہے آدی منیٰ کی طرف جائے تو ثمیر بائیں طرف ہے اور حرام ثمیر سے پہلے سورج کی شمالی جانب ہے۔

اور یہ واقعہ اس واقعہ کے علاوہ ہے جو ہجرت کے موقع پر غار ثور سے متعلق ہے اور یہی بات ظاہر ہے۔ واللہ اعلم امام سیبکی رحمہ اللہ ہجرت سے متعلق حدیث کے سلسلے میں فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ حدیث میں اس بات کا ذکر بھی ہے کہ جبل ثور نے بھی آپ کو آواز دی جب ثمیر پہاڑ نے کہا آپ اتر جائیے۔

درخت کا کلام کرنا

درخت کا آپ سے کلام کرنا سلام پیش کرنا آپ کی فرمانبرداری کرنا اور آپ کی رسالت کی شہادت دینا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۲۸ دلائل النبوة ج ۶ ص ۶۹)

امام بزار اور ابو نعیم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا آپ فرماتی ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب میری طرف وحی بھیجی گئی تو اس کے بعد میں جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتا وہ کہتا ”السلام علیک یا رسول اللہ“۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسفیان طلحہ بن نافع سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں: ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ غمگین بیٹھے ہوئے تھے اور خون میں لت پت تھے بعض اہل مکہ نے آپ کو مارا تھا حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا آپ کو کیا ہوا ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو کوئی نشانی دکھاؤں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! راوی فرماتے ہیں: حضرت جبریل علیہ السلام نے وادی کے چبھے ایک درخت کو دیکھا اور فرمایا: اس درخت کو بلائیے آپ نے بلایا تو وہ چلتا ہوا آیا حتیٰ کہ آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اسے حکم دیجئے کہ اپنی جگہ چلا جائے آپ نے حکم دیا تو وہ واپس اپنی جگہ چلا گیا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے کافی ہے مجھے کافی ہے۔

اس حدیث کو امام دارمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

(سنن داری ج ۱ ص ۱۳ اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۱۸۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۷۸)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھا پس ہم اس کے کسی کنارے کی طرف نکل کھڑے ہوئے تو جو پہاڑ اور درخت آپ کے سامنے آیا اس نے یوں کہا ”السلام علیک یا رسول اللہ“ (اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو)۔

حضرت امام حاکم رحمہ اللہ نے ”اپنی مستدرک میں“ جید سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: ہم ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ ایک اعرابی سامنے آیا جب وہ قریب پہنچا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے عرض کیا اپنے گھروالوں کی طرف جا رہا ہوں آپ نے فرمایا: تجھے بھلائی کی ضرورت ہے؟ اس نے کہا وہ کیا ہے؟ فرمایا: تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اس نے کہا جو کچھ آپ فرما رہے ہیں اس پر کوئی گواہ ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ درخت ہے پھر آپ نے اس کو بلایا وہ وادی کے کنارے پر تھا وہ زمین کو پھاڑتا ہوا آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا آپ نے اس سے تین مرتبہ گواہی طلب کی تو اس نے گواہی دی پھر اپنے اُگنے کی جگہ پر چلا گیا۔ امام داری نے بھی اس کی مثل روایت کیا ہے۔ (المجم الکبیر ج ۱۲ ص ۳۳۲ موارد المصلحان رقم الحدیث: ۲۱۱۰ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳ تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۵۵ الہدیۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۳۰)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ایک اعرابی نے نبی اکرم ﷺ سے نشانی کا سوال کیا تو آپ نے اس سے فرمایا: اس درخت سے کہو کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں راوی فرماتے ہیں: درخت دائیں بائیں جھکا پھر سامنے اور پیچھے کی طرف جھکا تو اس کی جڑیں کٹ گئیں اور وہ زمین کو پھاڑتا ہوا اس طرح آیا کہ اس کی جڑیں تیز تیز چل رہی تھیں حتیٰ کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا اور کہا ”السلام علیک یا رسول اللہ“۔

اعرابی نے کہا اسے حکم دیں کہ واپس اپنی جگہ چلا جائے چنانچہ وہ واپس چلا گیا اور اس کی جڑیں اسی جگہ جڑ گئیں اور وہ ٹھہر گیا اعرابی نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں آپ نے فرمایا: اگر میں کسی ایک کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

اس حدیث کو امام بزار رحمۃ اللہ نے نقل کیا اور ”شفاء شریف میں بھی“ اسے ذکر کیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے کہا میں کس بات کے ذریعے پہچان حاصل کروں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر میں اس درخت کی شاخ کو بلاؤں تو کیا تم گواہی دو گے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس نے کہا ”جی ہاں“ پس رسول اکرم ﷺ نے اس کو بلایا تو اس نے درخت سے اترنا شروع کر دیا حتیٰ کہ بارگاہ نبوی میں آگری پھر فرمایا: واپس چلی جا تو وہ لوٹ گئی پس اس اعرابی نے اسلام قبول کر لیا۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۲۶ المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۱۱۰ تاریخ

المکبیر ج ۳ ص ۳ اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۱۸۲)

حضرت یحییٰ بن مرۃ ثقفی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں: پھر ہم چلے حتیٰ کہ ایک منزل میں اترے تو نبی اکرم ﷺ آرام فرما ہو گئے پس ایک درخت زمین کو پھاڑتا ہوا آیا اور اس نے آپ کو ڈھانپ لیا پھر وہ اپنی جگہ لوٹ گیا جب آپ بیدار ہوئے تو آپ سے ذکر کیا گیا آپ نے فرمایا اس درخت نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھے سلام کرے پس اسے اجازت دی گئی۔ اس حدیث کو امام بغوی نے شرح السنہ میں نقل کیا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۳ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۶ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۲۲ اتحاف السادة المستقین ج ۷ ص ۱۹۳ دلائل النبوة

رقم الحدیث: ۱۳۹۰ البدیۃ والنہایہ ج ۶ ص ۱۳۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں: کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ چلے حتیٰ کہ ایک وسیع وادی میں اترے آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو میں آپ کے ساتھ پانی کا برتن لے کر گیا آپ نے دیکھا تو کوئی چیز نظر نہ آئی جس سے پردہ فرماتے تو وادی کے کنارے پر دو درخت دیکھے رسول اکرم ﷺ ان میں سے ایک کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ایک شاخ کو پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے میرے سامنے جھک جا تو وہ اس اونٹ کی طرح جھک گیا اور مطیع ہو گیا جس (اونٹ) کے ناک میں لکڑی ڈال کر مطیع بنایا جاتا ہے اور وہ اپنے قائد کے پیچھے چلتا ہے پھر دوسرے درخت کے ساتھ اسی طرح کیا حتیٰ کہ جب دونوں کے درمیان واسیے مقام پر تشریف لائے تو فرمایا اللہ تعالیٰ کے اذن سے میرے لئے جڑ جاؤ پس وہ جڑ گئے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳۰۱ سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۹۴ الشفاء ج ۱ ص ۲۹۹ دلائل النبوة ج ۶ ص ۸ دلائل النبوة رقم الحدیث: ۱۳۹۰ تمہید ابن عبد البر ج ۱ ص ۲۲۲ اتحاف السادة المستقین ج ۷ ص ۱۸۲ البدیۃ والنہایہ ج ۶ ص ۹۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۸۸۵)

اللہ تعالیٰ حضرت امام بوصیری رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے کیا خوب فرمایا:

جاءت لدعوتہ الاشجار ساجدة تمشی الیہ علی ساق بلا قدم

کانما سطرت سطر الما کتبت فروعها من بدیع الخط فی اللقم

”آپ کے بلانے پر درخت سجدہ ریز ہو کر حاضر ہوئے وہ ایسی پنڈلی پر چل کر آپ کے پاس آئے جس

کے پاؤں نہیں تھے۔ گویا ان درختوں کی شاخوں نے جن کو حضور علیہ السلام نے طلب کیا تھا اپنے راستے میں

خوش نما لکیریں پیدا کر دی تھیں۔“

یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ درخت (اطاعت و انقیاد کی) سیدھی سطریں لکھتے تھے۔ تو درختوں کے چلنے کے آثار کو کاتب

کی کتابت سے تشبیہ دی جیسے وہ منظوم سطروں میں معلوم نسبت پر رکھتا ہے۔

تو جب درخت آپ کے حکم کی تعمیل میں جلدی کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ جھکتے ہوئے آپ کے سامنے حاضر ہو جاتے ہیں

تو ہم پر زیادہ لازم ہے کہ ہم آپ کی دعوت اور ارشادات کی تعمیل میں جلدی کریں اللہ تعالیٰ آپ کے شرف کو مزید

بڑھائے۔

اور (سطور بالا میں مذکور حدیث میں) اعرابی کے قول پر غور کیجئے کہ اس نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ

کروں اس نے اس وقت یہ بات کہی جب درخت کو دیکھا کہ اس نے آپ کو سجدہ کیا تو اس نے آپ کو سجدہ کے زیادہ لائق سمجھا حتیٰ کہ آپ نے اس کو بتایا کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے پس ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ معبود برحق کے لئے سجدہ ریزی کو اپنے اوپر لازم کرے اور بندگی کی پنڈلی پر کھڑا ہو جائے۔ اگرچہ اس کے قدم نہ ہوں جس طرح درخت کھڑا ہوا۔

کھجور کے تنے کا رونا

اسی سے کھجور کے خشک تنے کا رونا (حنین) ہے جو آپ ﷺ کے شوق میں رویا تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۳۱ دلائل النبوة ج ۶ ص ۶۳)

لفظ ”حنین“ مصدر ہے جو قائل کی طرف مضاف ہے ”حنین المجزع“ (حنین مضاف اور جذع جو قائل ہے مضاف الیہ ہے) اس سے مراد شوق اور نبی اکرم ﷺ کی طرف اس کا متوجہ ہونا ہے اور جن احادیث میں ”صوت“ (آواز) کا ذکر ہے تو شاید اس سے شوق پر دلالت مراد ہو یعنی وہ آواز جو اس بات پر دلالت کرتی تھی کہ وہ نبی اکرم ﷺ کا شوق رکھتا ہے۔ ”المجزع“ جذوع النخل کا واحد ہے۔

تنے کا آپ کے شوق میں رونا اور آواز نکالنا متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعدد طرق سے مروی ہے جو اس واقعہ کی قطعیت پر دلالت ہے۔ علامہ تاج الدین ابن السبکی مختصر ابن حاجب کی شرح میں فرماتے ہیں میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ تنے کا آپ کے شوق میں رونا متواتر حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے بواسطہ حضرت نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو جناب کی روایت سے نقل کیا وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

ابن ماجہ اور ابو یعلیٰ موسلی وغیرہ نے حضرت حماد بن سلمہ کی روایت سے نقل کیا وہ حضرت ثابت سے اور وہ حضرت انس (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں اور اس کی سند مسلم کی شرط پر ہے۔

امام ترمذی نے اسے روایت کر کے صحیح قرار دیا اور ابو یعلیٰ ابن خزیمہ اور طبرانی نے بھی اسے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور فرمایا یہ مسلم کی شرط پر ہے اس سے لازم آتا ہے کہ انہوں نے اسے اسحاق بن عبد اللہ بن ابوطالب کی روایت سے نقل کیا اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

امام طبرانی نے اسے حضرت حسن سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

امام احمد نے ابن منیع اور طبرانی وغیرہ نے حضرت حماد بن ابی سلمہ سے انہوں نے حضرت عمار بن ابی عامر سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

امام احمد اور دارمی نے نیز ابو یعلیٰ اور ابن ماجہ وغیرہ نے طفیل بن ابی بن کعب سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا۔

امام دارمی نے حضرت ابو حازم کی حدیث سے نقل کیا وہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔
ابو محمد الجوهری نے عبد العزیز بن ابی رواد سے انہوں نے نافع سے اور انہوں نے حضرت تمیم دارمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ پھر انہوں (ابن السبکی رحمہ اللہ) نے فرمایا: میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ جو متعدد طرق میں نے شمار کئے ہیں ان کی وجہ سے تواتر ثابت ہوا بلکہ دوسرے کئی طرق بھی ہیں جن کو ایک محدث مسانید اور اجزاء (کتب حدیث کی اقسام ہیں) وغیرہ سے حاصل کر سکتا ہے اور میں نے جو کچھ پایا وہ سب ان میں سے کچھ کا ذکر کر دیا اور کئی مرتبہ ایک حدیث کسی قوم کے نزدیک متواتر ہوتی ہے لیکن دوسروں کے نزدیک متواتر نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”فتح الباری میں“ فرمایا: تنے کا رونا اور چاند کے دو ٹکڑے ہونا دونوں معجزے اس انداز میں منتقل ہوئے کہ یہ خبر مستفیض ہیں اور جو شخص حدیث کے طرق پر مطلع ہے وہ جانتا ہے کہ اس سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے لیکن جن کو حدیث میں کوئی مہارت نہیں وہ نہیں جانتے۔ واللہ اعلم

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تنے کا رونا ظاہری امور میں سے ہے جسے بعد والوں نے پہلوں سے نقل کیا۔

یہ بہت بڑی نشانی اور معجزہ ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب ”مناقب میں“ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہمارے نبی ﷺ کو عطا کیا ہے وہ کسی دوسرے نبی کو عطا نہیں کیا گیا آپ سے عرض کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ دیا گیا تو انہوں نے فرمایا حضرت محمد ﷺ کو خشک تنے کے رونے کی صورت میں معجزہ دیا گیا حتیٰ کہ اس کی آواز سنی گئی اور یہ اس سے بھی بڑا معجزہ ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خشک تنے کا رونا مشہور اور زبان زد عام ہے اور اس سے متعلق حدیث خبر متواتر ہے صحیح احادیث نقل کرنے والوں نے اسے نقل کیا اور دس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے نقل کیا۔

ان میں حضرت ابی بن کعب، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت سہل بن سعد، حضرت ابوسعید خدری، حضرت بریدہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے طفیل بن ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ کھجور کے ایک تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور اس وقت منہ کھجور سے بنائی گئی تھی اور آپ اسی تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے آپ کے ایک صحابی نے عرض کیا کیا آپ کے لئے منبر نہ بنالیں کہ جمعہ کے دن آپ اس پر کھڑے ہوں اور لوگ آپ کا خطبہ سنیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے تو تین درجوں والا منبر بنایا گیا اور یہی درجے اس پر تھے (بعد میں اضافہ ہوا) جب منبر بن گیا تو رسول اکرم ﷺ نے اسے ایسی جگہ رکھا جہاں اب ہے جب آپ نے خطبہ دینے کا آغاز کیا تو اسی خشک تنے کے پاس سے گزرے جس کے پاس پہلے خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے تو وہ گر کر پھٹ گیا پس رسول اکرم ﷺ اس تنے کی آواز سن کے اترے اور اس پر اپنا دست

مبارک پھیرا پھر منبر شریف پر تشریف لے گئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کئی طرق سے نقل کیا ان کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جمعہ المبارک کے دن نبی اکرم ﷺ ایک درخت یا کھجور (کے تنے) کے ساتھ کھڑے ہوئے انصار کی ایک عورت یا انصار کے ایک مرد نے عرض کیا کیا ہم آپ کے لئے منبر بنادیں؟ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو ٹھیک ہے چنانچہ انہوں نے آپ کے لئے منبر بنایا جب جمعہ المبارک کا دن ہوا تو آپ منبر پر تشریف لے گئے کھجور کا تناجی اٹھا پس حضور علیہ السلام اترے اور اسے اپنے ساتھ ملایا وہ اس بچے کی طرح رونے لگا جس کو تسلی دی جاتی ہے آپ نے فرمایا: یہ اس ذکر کی وجہ سے رو رہا ہے جو اس کے پاس ہوتا تھا اور یہ اسے سنتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۸۳-۳۵۸۴-۳۵۸۵ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۳ الشفا ج ۱ ص ۳۰۳ سنن داری ج ۱ ص ۱۵ دلائل النبوة ج ۲ ص ۵۵۶-۵۵۸) ایک روایت میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (ان دنوں) مسجد نبوی کی چھت کھجور کی شاخوں سے ڈالی گئی تھی نبی اکرم ﷺ ان میں سے ایک تنے کے پاس خطبہ دیتے تھے جب آپ کے لئے منبر بنایا گیا تو ہم نے اس تنے سے ایسی آواز سنی جیسی آواز دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکالتی ہے۔

حضرت ابوالزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ کچھ روایت کیا ہے وہ امام نسائی کے نزدیک "الکبریٰ میں" اس طرح ہے (امام نسائی کی السنن الکبریٰ مراد ہے اور آپ کی تصنیف السنن الصغریٰ وہ ہے جو صحاح ستہ میں سنن نسائی کے نام سے مشہور ہے)۔

اس کتاب میں ہے کہ وہ ستون اس اونٹنی کی طرح پریشان ہوا جس سے اس کا بچہ لے لیا جائے اور وہ اس کے فراق میں دکھ محسوس کر کے آواز نکالے۔

اس ستون (تنے) کو رسول اکرم ﷺ کی برکت کا شوق تھا اور وہ سب سے عقلمند آدمی کی طرح آپ کی جدائی پر افسوس کرتا تھا جبکہ عقل اور شوق میں رونا اس اعتبار سے زندگی کو چاہتا ہے اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں زندگی، عقل اور شوق پیدا فرمایا اسی لئے وہ رویا اور مشتاق ہوا۔

سوال: اگر کہا جائے کہ شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ کسی جگہ آواز کا پیدا ہونا زندگی اور عقل کی تخلیق کو نہیں چاہتا۔

جواب: بات یہی ہے اور ہم اس کے لئے زندگی کو لازم قرار نہیں دیتے لیکن حق کی طرف شوق معنوی اور عقلی ہوتا ہے طبعی اور حیوانی نہیں ہوتا۔ اور حضرت شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ معنوی ذکر اور کلام نفسی دونوں زندگی کو مستلزم ہیں جس طرح اس کے علم کو مستلزم ہیں اور ہم نے بیان کیا ہے کہ اس ستون میں یہ معانی پائے جاتے تھے اور حاضرین نے اس کی آواز کو رونا قرار دیا اور وہ اس بات کو سمجھ گئے کہ اسے ذکر خداوندی اور اللہ تعالیٰ کے محبوب (نبی اکرم ﷺ) کے لئے یقیناً ذکر خداوندی کی وجہ سے وہ ستون روتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ رسول اکرم ﷺ کی محبت بھی اس رونے کا باعث تھی۔ کیونکہ اللہ

تعالیٰ اس کو وہاں بھی ذکر سنانے پر قادر ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اس کے پاس کھڑا ہونے کا شوق ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ نے بھی اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا جس طرح غائب شخص (جب آتا ہے تو) اپنے گھر والوں اور اعزہ اقارب کو گلے لگاتا اور ان کے شوق کی گرمی اور نرم کو دور کرتا ہے۔

شاعر کو اللہ تعالیٰ جزا عطا فرمائے کیا خوب کہا ہے:

وحن الیہ الجذع شوقاً ورقه
لبادره ضما فقر لوقه
ورجع صوتا كالعشار مرددا
لكل امرئ من دهره ما تعودا

”اور ستون آپ کے شوق میں رویا اور اس نے حاملہ اونٹنی کی طرح آواز نکالی تو آپ نے اس کو گلے

لگانے میں جلدی کی تو اسی وقت اسے قرار آ گیا اور ہر شخص کی زمانے میں ایک عمارت ہوتی ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ابو یعلیٰ موصلی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے دن ایک ستون کے ساتھ پیٹھ لگا کر خطبہ دیتے: دو ستون مسجد میں کھڑا کیا گیا تھا ایک رومی آیا اور اس نے کہا کیا میں آپ کے لئے کوئی ایسی چیز نہ بنا دوں جس پر آپ بیٹھیں تو یوں گلے کہ آپ کھڑے ہیں پس اس نے آپ کے لئے منبر شریف بنایا جس کی دو سیڑھیاں تھیں اور تیسری پر آپ تشریف رکھتے تھے جب رسول اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو ستون نے مجھڑے کی طرح آواز نکالی حتیٰ کہ پوری مسجد میں ایک اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی وہ رسول اکرم ﷺ (کی جدائی پر آپ) کے لئے غمگین تھا رسول اکرم ﷺ منبر شریف سے اتر کر اس کے پاس تشریف لائے اور وہ رو رہا تھا جب آپ نے اسے گلے لگایا تو وہ خاموش ہو گیا پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اسے اپنے ساتھ نہ چھوڑتا تو یہ قیامت تک اللہ کے رسول ﷺ کے غم میں اسی حالت میں رہتا چنانچہ آپ کے حکم سے اسے دفن کر دیا گیا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۱۵، سنن دارمی ج ۱ ص ۱۹، مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۹-۲۴۰، المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۱۸۷، دلائل النبوة رقم

الحدیث: ۱۳۳، تاریخ الکبیر ج ۷ ص ۲۶، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۳۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۷۸۳-۳۲۰۸۳)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

اسی طرح امام ابن ماجہ اور امام احمد رحمہما اللہ نے اسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن ایک لکڑی سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے جب لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے فرمایا میرے لئے ایک منبر بناؤ آپ کا مقصد یہ تھا کہ سب کو سنا سکیں تو انہوں نے دو سیڑھیوں والا منبر بنایا (تیسری پر آپ تشریف رکھتے تھے) راوی فرماتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے اس لکڑی کو ماں کے لئے مضطرب بچے کی طرح روتے ہوئے سنا فرماتے ہیں وہ لکڑی مسلسل روتی رہی حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ منبر سے اترے اور اس کی طرف تشریف لے گئے اسے اپنے ساتھ ملایا تو وہ خاموش ہو گئی۔

ابوالقاسم رحمہ اللہ نے اسے روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا ہے کہ جب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس حدیث کو روایت کرتے تو رو پڑتے پھر فرماتے: اے اللہ کے بندو! رسول اکرم ﷺ کے شوق میں لکڑی روتی ہے کیونکہ آپ کو

اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا انعام حاصل ہے تو تم آپ کی ملاقات کا شوق رکھنے کا زیادہ حق رکھتے ہو۔
شاعر کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے کیا خوب کہا ہے:

والقسی حتی فی الجمادات حبہ فکانت لا هداء السلام له تهدي
ولفارق جذعا كان بخطب عنده فان ابن الام اذ تجد الفقد
يحن اليه الجذع يا قوم هكذا اما نحن اولى ان نحن له وجدا
اذا كان جذع لم يطق بعد ساعة فليس وفاء ان نطيق له بعدا

”آپ کی محبت تو جمادات میں بھی ڈال دی گئی ہے آپ کی خدمت میں جمادات کی طرف سے سلام کا ہدیہ پیش کرنے کے باعث لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی تھی آپ جس کھجور کی لکڑی کے ستون کے پاس وعظ فرماتے تھے جب اس سے کنارہ کش ہوئے تو وہ ستون یوں مچلا جیسے ماں بیٹے کے فراق میں مچلتی ہے اے قوم! کھجور کا تنا ان کے لئے یوں مچلتا ہے جبکہ ہم ان کے لئے محبت میں زیادہ مچلنے کا حق رکھتے ہیں۔ اگر کھجور کا تنا ایک گھڑی ان کی دوری برداشت نہ کر سکا تو یہ وفا شعار ہی نہیں کہ ہم ان کی دوری کو برداشت کریں۔“

حضرت بہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت صحیحین میں متعدد طرق سے مروی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت امام احمد رحمہ اللہ نے مسلم کی شرط پر سند کے ساتھ روایت کی اور اسے ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث عبد بن حمید نے نقل کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کی اور اس کے آخر میں ہے کہ اس ستون کو دنیا اور آخرت میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو اس نے آخرت کو اختیار کیا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ والی روایت امام دارمی نے نقل کی ہے اور اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس دیوار میں لوٹا دوں جس میں تم تھے تجھ سے تیری شاخیں اُگنے لگیں اور تیری تخلیق مکمل ہو اور تجھ میں نئے پتے اور پھل آئیں اور اگر چاہو تو تمہیں جنت میں گاڑ دوں کہ اللہ تعالیٰ کے ولی تیرا پھل کھائیں پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنا سر انور اس کے قریب کیا کہ اس کی بات سنیں تو اس نے کہا مجھے جنت میں لگا دیں پس مجھ سے اللہ تعالیٰ کے دوست کھائیں اور میں ایسی جگہ ہوں گا جہاں پرانا نہیں ہوں گا پس جو لوگ قریب تھے انہوں نے بھی اس کی بات سنی رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے ایسا ہی کیا پھر فرمایا اس نے باقی رہنے والے گھر کو خالی گھر پر ترجیح دی۔ (الشفاء ج ۱ ص ۳۰۴)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی روایت ابو نعیم نے ”الدلائل میں“ ذکر کی ہے اور واقعہ ایک ہی ہے لیکن الفاظ میں بظاہر راویوں کی طرف سے اختلاف ہے اور تحقیق کی روشنی میں سب کا رجوع ایک ہی معنی کی طرف ہے ہم زیادہ طویل ذکر کرنا نہیں چاہتے۔

حیوانات کا کلام کرنا

نبی اکرم ﷺ سے حیوانات نے کلام بھی کیا اور آپ کا حکم بھی مانا یہ آپ کے معجزات ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اونٹ نے آپ کو سجدہ کیا اور آپ سے شکایت کی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۴۱ دلائل النبوة ج ۶ ص ۲۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ انصار میں سے ایک گھروالوں کا ایک اونٹ تھا جس پر وہ پانی لاتے تھے وہ ان پر سخت ہو گیا اور اس نے ان کو سوار نہ ہونے دیا انصار نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارا ایک اونٹ ہے جس سے ہم کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں وہ ہم پر غالب آ گیا اور ہمیں قریب نہیں آنے دیتا۔ اور ہمارے باغ اور کھیتی خشک ہو گئی ہے نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: اٹھو چنانچہ وہ اٹھے اور آپ باغ میں داخل ہوئے اونٹ ایک کونے میں تھا آپ اس کی طرف چلے تو انصار نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو باؤ لے کتے کی طرح ہو گیا ہے ہمیں ڈرتے کہیں آپ پر حملہ نہ کر دے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے اس سے کوئی ڈر نہیں اونٹ نے آپ کو دیکھا تو آپ کی طرف متوجہ ہوا حتیٰ کہ آپ کے سامنے بندہ ریز ہو گیا رسول اکرم ﷺ نے اس کو پیشانی سے پکڑا تو وہ پہلے سے زیادہ مطیع ہو گیا حتیٰ کہ آپ نے اس کو کام میں لگا دیا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ جانور جسے عقل نہیں آپ کو سجدہ کرتا ہے اور ہم تو عقلمند ہیں پس ہم آپ کو سجدہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے اگر کسی شخص کے لیے جائز ہوتا کہ وہ کسی آدمی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ اس پر اس کا بہت بڑا حق ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴ الدر المنثور ج ۲ ص ۱۵۴ اتحاد السادة المتین ج ۲ ص ۲۰۶ ج ۵ ص ۲۰۳ الترغیب

والترہیب ج ۳ ص ۵۵ دلائل النبوة رقم الحدیث: ۱۳۷ تاریخ الکبیر ج ۹ ص ۲۸)

حضرت یعلیٰ بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ جا رہے تھے کہ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کے ذریعے کھیتوں کو پانی لگایا جاتا تھا اس نے آپ کو دیکھا تو آواز نکالی اور اپنی گردن کو نیچے رکھ دیا رسول اکرم ﷺ ٹھہر گئے اور فرمایا اس اونٹ کا رالک کون ہے؟ وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: اس کو مجھ پر بیچ دو اس نے کہا نہیں بلکہ یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کرتا ہوں لیکن یہ ایسے گھروالوں کا ہے جن کے پاس اس کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے آپ نے فرمایا: تم نے یہ بات تو ذکر کر دی لیکن وہ زیادہ کام اور کم چارے کی شکایت کرتا ہے پس اس سے اچھا سلوک کیا کرو۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس گزشتہ کی مثل ایک اور واقعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے لیکن اس کی

سند ضعیف ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے جید سند کے ساتھ ذکر کیا۔

اسی طرح امام طبرانی نے ایک اور واقعہ حضرت عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا

لیکن اس کی سند کمزور ہے اور امام احمد رحمہ اللہ نے بھی حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابن شاذلی

نے ”الدلائل میں“ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے

مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا تو مجھے ایک بات سرگوشی کرتے ہوئے بتائی جسے میں کسی سے بیان نہیں کرتا وہ فرماتے ہیں:

کہ نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے پردہ کرتے ہوئے کسی بلند ٹیلے یا کھجوروں کے جھنڈ کو زیادہ پسند کرتے تھے آپ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے تو وہاں اونٹ تھا اس نے آپ کو دیکھا تو رو پڑا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے رسول اکرم ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے کان کے پچھلے حصے پر دست مبارک پھیرا ایک روایت میں ہے کہ وہ ہنسکون ہو گیا پھر فرمایا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ تو انصار میں سے ایک نوجوان آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میرا اونٹ ہے آپ نے فرمایا: تم اس بے زبان جانور کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اس نے تجھے اس کا مالک بنایا یہ بھوک اور زیادہ کام کی شکایت کرتا ہے۔ المصانع میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اسے ابو داؤد نے حضرت موسیٰ بن اسماعیل سے اور انہوں نے حضرت مہدی بن میمون سے روایت کیا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۵۳۹، مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۵، السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۳، المستدرک ج ۲ ص ۱۰۰، اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۲۰۶، مجمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۱۲۲، تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۳۲۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۹۸۲)

اور اسی سے بکریوں کا آپ کو سجدہ کرنا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: کہ رسول اکرم ﷺ انصار کے ایک باغ میں تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور ایک انصاری بھی تھے باغ میں بکریاں تھیں جنہوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم ان بکریوں کے مقابلے میں زیادہ حق رکھتے ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۰)

اس حدیث کو ابو محمد عبد اللہ بن حامد الفقیہ نے کتاب ”دلائل النبوة“ میں ضعیف سند سے ذکر کیا ہے۔ اور حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء میں“ نقل کیا۔

انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور آپ پر ایمان لایا وہ خیبر کے کسی قلعہ پر تھا اور ان لوگوں کی بکریاں چرا رہا تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری بکریوں کا کیا ہوگا؟ فرمایا: چھوٹی چھوٹی کنکریاں ان کے منہ پر مارو عنقریب اللہ تعالیٰ تیری طرف سے ان کی امانت ان تک پہنچا دے گا اس نے اسی طرح کیا تو ہر بکری چل پڑی اور اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ گئی۔

(السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۳۳، المستدرک ج ۲ ص ۱۳۶، دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۲۱، اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۱۹۳، الشفاء ج ۱ ص ۳۱۱)

اسی سے بھیڑیے کا آپ سے کلام کرنا اور آپ کی رسالت کی شہادت دینا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۰، دلائل النبوة ج ۶ ص ۳۹-۴۱)

بھیڑیے کے کلام کے بارے میں واقع متعدد طرق سے حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے جدید سند کے ساتھ بیان کی ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

ایک بھیڑیے نے بکری پر حملہ کیا اور اس کو پکڑ لیا چرواہے نے اس کا پیچھا کر کے اسے چھڑا لیا۔ بھیڑیا اپنی دم کے اوپر بیٹھ کر کہنے لگا کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے تم مجھ سے رزق چھینتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجا ہے چرواہے نے کہا تعجب ہے ایک بھیڑیا اپنی دم پر پاؤں کھڑے کر کے بیٹھا ہے اور انسانوں کی طرح مجھ سے گفتگو کر رہا ہے بھیڑیے نے کہا کیا میں تجھے اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات نہ بتاؤں حضرت محمد ﷺ یثرب (مدینہ طیبہ) میں لوگوں کو گزشتہ زمانوں کی خبریں دیتے ہیں۔

چرواہے نے بکریوں کو ہانکا اور مدینہ طیبہ میں داخل ہو گیا اس نے ان کو شہر کے ایک کونے میں چھوڑا اور خود بارگاہ نبوی میں حاضر ہو گیا رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا تو نماز کے لئے آواز دی گئی کہ نماز کھڑی ہونے والی ہے پھر آپ باہر تشریف لائے اور اس دیہاتی (چرواہے) سے فرمایا (جو کچھ تم نے دیکھا ہے) ان کو بتاؤ چنانچہ اس نے صحابہ کرام کو پورا واقعہ سنایا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۸۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۱، اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۱۹۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ابو سعد مالینی اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو ابو نعیم نے ”دلائل النبوة میں“ ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت سعید بن منصور نے اپنی سنن میں نقل کیا اور فرمایا: ایک بھیڑیا آیا اور حضور علیہ السلام کے سامنے پاؤں کھڑا کر کے سرین کے بل بیٹھ گیا اور اپنی دم کو حرکت دینے لگا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا یہ بھیڑیا تمہارے پاس آیا ہے اور یہ تم سے مطالبہ کرتا ہے کہ تم اپنے مال میں سے کچھ اسے دو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم ایسا نہیں کریں گے ایک شخص نے پتھر اٹھا کر اسے مارا تو بھیڑیا چیخا ہوا پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ بھیڑیا ہے اور بھیڑیا بھی کیا چیز ہے؟

امام بغوی نے ”شرح السنہ میں“ نیز ابو نعیم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک بھیڑیا ایک چرواہے کے پاس آیا اور اس نے ایک بکری لے لی چرواہا اس کے پیچھے بھاگا حتیٰ کہ اس سے بکری چھین لی فرماتے ہیں: بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھا اور اپنی دم کو دونوں ٹانگوں کے درمیان کر لیا اور اس نے کہا میں نے ایک رزق کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا تھا پھر تم نے مجھ سے لے لیا اس شخص نے کہا اللہ کی قسم! میں نے آج کی طرح بھیڑیے کو کلام کرتے نہیں دیکھا بھیڑیے نے کہا اس سے بھی تعجب خیز وہ شخص ہے جو دو پتھر لی جگہوں کے درمیان کھجوروں کے باغات میں ان باتوں کی خبر دیتا ہے جو ہو چکی ہیں اور جو ہوں گی اور تم اس کی پیروی نہیں کرتے؟ راوی فرماتے ہیں: وہ شخص یہودی تھا وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور یہ واقعہ بتا کر مسلمان ہو گیا رسول اکرم ﷺ نے اس کی تصدیق کی پھر فرمایا: یہ قیامت کی نشانیاں ہیں عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ ایک شخص اپنے گھر سے باہر جائے گا پس وہ لوٹے گا تو اس کا جوتا اور لٹھی اس کو بتا دے گی کہ اس کے بعد اس کے گھر والوں نے کیا (عمل) کیا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے بعض طرق میں اس طرح ہے کہ بھیڑیے نے کہا تم مجھ سے زیادہ تعجب خیز ہو کہ تم اپنی بکریوں کے پاس کھڑے ہو اور تم نے اس نبی ﷺ کو

چھوڑ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی ایسا نبی نہیں بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قدر و منزلت ان سے زیادہ ہو۔
ان کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے اور اہل جنت آپ کے صحابہ کرام کو دیکھتے ہیں کہ وہ جہاد کرتے ہیں۔
تمہارے اور اس نبی کے درمیان صرف یہ ایک وادی ہے پس تو بھی اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ہو جا چڑوا ہے
نے کہا میری بکریوں کا نگران کون ہوگا؟ بھیڑیے نے کہا تمہاری واپسی تک میں ان کو چرواؤں گا پس اس نے اپنی بکریاں
بھیڑیے کے حوالے کیں اور چل پڑا۔

پھر اس کا قصہ اس کے اسلام لانے کا واقعہ اور اس کا حضور علیہ السلام کو جہاد کرتے ہوئے پانا سب کچھ ذکر کیا۔
رسول اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا اپنی بکریوں کے پاس چلے جاؤ ان کو پوری کی پوری پاؤ گے پس اس نے ان کو
اسی طرح پایا اور ان میں سے ایک بکری بھیڑیے کے لئے ذبح کی۔

ابن وہب نے اس کی مثل روایت کیا کہ حضرت ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ نے ایک بھیڑیے کو پایا جس
نے ایک ہرن کو پکڑنے کی کوشش کی ہرن حرم شریف میں داخل ہو گئی تو بھیڑیا واپس چلا گیا انہوں نے اس پر تعجب کیا
تو بھیڑیے نے کہا اس سے بھی تعجب خیز بات حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ کا معاملہ ہے جو مدینہ طیبہ میں ہیں وہ تمہیں
جنت کی طرف بلاتے ہیں اور تم ان کو جہنم کی طرف بلاتے ہو۔

ابوسفیان نے کہالات و عزائی کی قسم اگر تم نے مکہ مکرمہ میں یہ بات (یہ واقعہ ذکر کیا) تو وہاں فتنہ و فساد برپا ہو جائے
گا۔

معجزات کے سلسلے میں ہی گدھے والی حدیث ہے۔ جسے ابن عساکر نے ابو منظور (یا ابن منظور) سے روایت کیا
فرماتے ہیں: جب سرکارِ دو عالم ﷺ نے خیبر فتح کیا تو سیاہ رنگ کا گدھا پایا آپ نے اس گدھے سے بات چیت کی تو
اس نے بھی آپ سے بات کی رسول اکرم ﷺ نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا یزید بن شہاب اللہ تعالیٰ نے
میرے دادا کی نسل سے ساٹھ گدھے پیدا کئے جن میں سے ہر ایک پر نبی سوار ہوئے اور مجھے تو قحطی کہ آپ مجھ پر سواری
فرمائیں گے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۸)

اپنے دادا کی نسل سے صرف میں رہ گیا ہوں اور انبیاء کرام میں سے آپ کے علاوہ کوئی نہیں میں اس سے پہلے ایک
یہودی کی ملک تھا اور میں اسے جان بوجھ کر گرا دیتا تھا وہ مجھے پیٹ کر بھوکا رکھتا اور میری پیٹھ پر ضربیں لگاتا تھا۔
رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تم بے غفور ہو (یعنی تمہارا نام بے غفور ہے) رسول کریم ﷺ اسے ایک آدمی کے دروازے
پر بھیجتے پس وہ دروازے پر آ کر اسے اپنے سر کے ساتھ کھٹکھٹاتا جب گھر والا باہر آتا تو وہ سر کے ساتھ اشارہ کرتا کہ رسول
اکرم ﷺ کی بات مانو جب آپ کا وصال ہوا تو وہ ابو ہشیم بن تیہان کے کنوئیں پر آیا اور رسول اکرم ﷺ کے افسوس
میں اپنے آپ کو اس میں گرا دیا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۳۱۳)

ابو نعیم نے اس کی مثل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ذکر کی ہے لیکن اس حدیث میں طعن ہے
اور ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کے معجزات میں گدھے کے کلام سے بھی بڑے معجزات ہیں۔
 ان میں سے ایک (معجزہ) گوہ کا آپ سے کلام کرنا ہے اور یہ مشہور واقعہ ہے امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے بہت سی
 احادیث میں روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث غریب ضعیف ہے۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۳۶ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۶)
 (حافظ ابوالحاج جمال الدین یوسف بن الذکی عبد الرحمن حلبی متوفی ۷۴۲ھ) المزنی نے فرمایا یہ حدیث سند اور متن
 کے حوالے سے صحیح نہیں۔ (الاعلام ج ۸ ص ۲۳۶ الدرر الكامنة ج ۳ ص ۳۵۷ رقم الحدیث: ۱۲۶۱)
 حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے ”الشفاء میں“ نقل کیا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں تھے
 کہ بنو سلیم قبیلہ کا ایک اعرابی آیا جس نے ایک گوہ شکار کی تھی اس نے اسے اپنی آستین میں ڈال رکھا تھا تا کہ اسے اپنی منزل
 پہ لے جا کر بھونے اور کھائے جب صحابہ کرام کی جماعت کو دیکھا تو پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔
 اس نے اپنی آستین سے گوہ نکالی اور کہا مجھے لات وعزئی کی قسم میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب
 تک یہ گوہ آپ پر ایمان نہ لائے پھر اس نے اسے رسول اکرم ﷺ کے سامنے ڈال دیا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے گوہ!
 اس نے واضح الفاظ میں جواب دیا جسے تمام لوگوں نے سنا اس نے کہا میں حاضر ہوں اے ان لوگوں کی زینت! جو قیامت
 کے دن حاضر ہوں گے آپ نے فرمایا کس کی عبادت کی جاتی ہے؟ اس نے کہا اس ذات کی عبادت کی جاتی ہے جس کا
 آسمان میں عرش اور زمین میں حکومت، سمندر میں راستہ، جنت میں اس کی رحمت اور جہنم میں اس کا عذاب ہے۔
 آپ نے پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ تمام جہانوں کے رب کے رسول اور آخری نبی ہیں جس نے آپ
 کی تصدیق کی اس نے کامیابی حاصل کی اور جس نے آپ کو جھٹلایا وہ ناکام رہا پس اس اعرابی نے اسلام قبول کیا۔ یہ ایک
 طویل حدیث ہے لیکن اس پر طعن کیا گیا اور ایک قول کے مطابق یہ موضوع ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کے معجزات تو اس سے
 بھی زیادہ بلیغ ہیں اور اس میں شرعی اعتبار سے کوئی خرابی نہیں اور اس کو ائمہ حدیث نے روایت کیا زیادہ سے زیادہ یہ ضعیف
 ہو سکتی ہے، موضوع نہیں ہے۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۳۷ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۳ دلائل النبوة ج ۶ ص ۳۷۷ اتحاف السادة
 المستنیرین ج ۲ ص ۲۰۶ ج ۷ ص ۱۹۳ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۷ الشفاء ج ۱ ص ۳۰۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۳۶۳)
 آپ کے معجزات کے سلسلے میں ہرن والی حدیث بھی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۳ دلائل النبوة ج ۶ ص ۳۳)
 امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے کئی طرق سے نقل کیا، ائمہ کی ایک جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا لیکن اس کے بعض
 طرق دوسرے بعض طرق کو مضبوط کرتے ہیں۔

اسے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”شفاء شریف میں“ اور ابو نعیم رحمہ اللہ نے ”دلائل النبوة میں“ ایسی سند سے نقل کیا
 جس میں کچھ راوی مجہول ہیں وہ حبیب بن مہسن سے اور وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی
 ہیں اس دوران کہ نبی اکرم ﷺ زمین کے ایک صحرا میں تھے کہ کسی غیبی آواز دینے والے کی آواز تین مرتبہ آئی ”اے اللہ
 کے رسول!“ آپ نے ادھر توجہ فرمائی تو ایک ہرن تھی جو رسی سے بندھی ہوئی تھی اور ایک دیہاتی اپنی چادر میں زمین پر پڑا

ہو اسور ہاتھ آپ نے پوچھا تجھے کیا کام ہے؟ اس نے کہا اس شخص نے مجھے قید کر رکھا ہے اور اس پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں آپ مجھے کھول دیں میں ان کو دودھ پلا کر واپس آؤں گی آپ نے پوچھا تم واپس آؤ گی؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ مجھے ٹیکس وصول کرنے والے کی طرح عذاب دے اگر میں نہ آؤں (نا جائز ٹیکس لینے والے لوگ مراد ہیں) آپ نے اسے کھول دیا اور وہ چلی گئی اور پھر واپس آ گئی رسول اکرم ﷺ نے اس کو باندھ دیا اعرابی جاگ گیا اور کہا یا رسول اللہ! آپ کو کوئی کام ہو (تو بتائیے) آپ نے فرمایا اس ہرن کو کھول دے اس نے اسے کھول دیا تو وہ خوشی سے صحرا میں کودتی ہوئی چلی گئی وہ اچٹا پاؤں زمین پر مارتے ہوئے کہہ رہی تھی ”اشھد ان لا اله الا الله وانک رسول الله“ (میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اس کے رسول ہیں)۔

امام طبرانی نے بھی اس کی مثل حدیث ذکر کی ہے۔ حافظ منذری نے یہ بات ”الترغیب والترہیب“ کے زکوٰۃ کے باب میں ذکر کی ہے اور ہمارے شیخ حافظ ابوالخیر السخاوی نے حضرت ابن کثیر سے نقل کیا کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور جس نے اسے نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کیا اس نے جھوٹ کہا۔

پھر ہمارے شیخ نے فرمایا کہ متعدد احادیث جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں ان میں یہ واقعہ پایا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ نے مختصر ابن حجب کی احادیث کے ضمن میں اکسٹھویں مجلس میں اسے ذکر کیا اور مختصر ابن حجب کی شرح جو علامہ ابن سبکی نے لکھی ہے اس میں بھی یہ منقول ہے۔

اور کنکریوں کا تسبیح پڑھنا امام طبرانی اور ابن ابی عاصم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔ ہرن کا سلام کرنا ابو نعیم اصفہانی اور امام بیہقی نے ”دلائل النبوة میں“ ذکر کیا اور ہم ان دونوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ متواتر نہیں ہیں تو شاید دوسری باتوں (مثلاً قرآن مجید) کے نقل کرنے کی وجہ سے ان کی ضرورت نہ سمجھی ہو (کیونکہ قرآن مجید بھی حضور ﷺ کا معجزہ ہے) یا ہو سکتا ہے شروع میں یہ متواتر ہوں۔

اسی طرح گھریلو جانور بھی ہیں یعنی وہ حیوان جن سے الفت ہو جس طرح پرندہ اور بکری وغیرہ تو قاسم بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں ہماری ایک پالتو بکری تھی جب وہ حضور علیہ السلام کے پاس ہوتی تو خاموش رہتی نہ آتی نہ جاتی۔ اور جب آپ باہر تشریف لے جاتے تو وہ آنا جانا شروع کر دیتی قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا۔

پانی نکلنے کا معجزہ ۱۔

رسول اکرم ﷺ کا ایک معجزہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی کا نکلنا ہے اور یہ سب سے زیادہ معزز پانی تھا۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلنے کا واقعہ مختلف مقامات میں متعدد بار ہوا ہے اور یہ بات بہت سے طرق کے ساتھ مروی ہے جن کا جمع ہونا علم قطعی یعنی کا فائدہ دیتا ہے جو تواتر معنوی سے حاصل ہوتا ہے اور

اس قسم کا معجزہ ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی سے نہیں سنا گیا کیونکہ آپ کی مبارک ہڈیوں، پٹھوں، گوشت اور خون کے درمیان سے پانی نکلا۔

ابن عبدالبر نے (اسماعیل بن یحییٰ بن اسماعیل امام جلیل متوفی ۲۶۳ھ) مزی رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی کا نکلنا پتھر سے پانی کے نکلنے کے مقابلے میں زیادہ بلیغ (موثر) ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مبارک مارا تو اس سے چشمے پھوٹ نکلے تھے اور پتھر سے پانی کا نکلنا معروف بات ہے جب کہ گوشت اور خون سے پانی کے نکلنے میں یہ بات نہیں ہے۔

(الاعلام ج ۱ ص ۳۲۹، فیات الاعیان ج ۱ ص ۷۱، شذرات الذهب ج ۲ ص ۱۳۸-۱۳۹، کشف الظنون رقم الحدیث: ۳۰۰، مفتاح

السعادة ج ۲ ص ۱۵۸، فہرست ابن ندیم ج ۱ ص ۲۱۲، مرآۃ البیان ج ۲ ص ۱۷۷)

نبی اکرم ﷺ کا یہ معجزہ (پانی کا نکلنا) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے جن میں حضرت انس، حضرت جابر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت صحیحین میں منقول ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا اور لوگ وضو کے لئے پانی تلاش کر رہے تھے لیکن ان کو پانی نہیں ملتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کے پاس پانی لایا گیا تو آپ نے اپنا دست مبارک اس برتن میں رکھا اور صحابہ کرام کو وضو کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ ان میں سے آخری آدمی نے وضو کر لیا۔

”صحیح بخاری میں ہے کہ“ وہ اتنی افراد تھے اور انہی کے الفاظ ہیں کہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان اور کناروں سے پانی نکلنے لگا حتیٰ کہ سب لوگوں نے وضو کر لیا راوی فرماتے ہیں: ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم کتنے لوگ تھے؟ فرمایا ہم تین سو تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۹-۱۹۵-۲۰۰-۳۵۷۲-۳۵۷۳-۳۵۷۴-۳۵۷۵، صحیح مسلم ج ۳ ص

۸۴، الشفاء ج ۱ ص ۲۸۵، تمہید ج ۱ ص ۲۱۷)

کرمانی فرماتے ہیں: حدیث کے الفاظ ”حتیٰ کہ ان میں سے آخری نے وضو کر لیا“ ۱۔ میں ”حتیٰ“ تدریج کے لئے اور ”من“ بیان کے لئے ہے یعنی صحابہ کرام نے وضو کیا حتیٰ کہ ان لوگوں نے بھی جو ان کے آخر میں تھے اور یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ سب نے وضو کیا اور لفظ عند (یعنی عند آخر ہم میں) لفظ فی کے معنی میں ہے کیونکہ عند ظرفیت خاصہ کے لئے ہے لیکن مبالغہ کا تقاضا ہے کہ مطلق ظرفیت کے لئے ہو گیا کہ فرمایا کہ ”وہ لوگ جو ان کے آخر میں تھے“ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں من، الی کے معنی میں ہے اور یہ بھی ایک لغت ہے۔ لیکن کرمانی نے فرمایا یہ شاذ لغت ہے فرمایا پھر ”الی“ کا لفظ عند پر داخل نہیں ہوتا اور اس پر اور جو تہمی نے کہا اس پر لازم آتا ہے کہ خبر ہی داخل ہو لیکن جو کچھ کرمانی نے کہا ہے کہ الی، عند پر داخل نہیں ہوتا تو اس سے وہ بات لازم نہیں آتی جو ”من“ کے ”الی“ کے معنی میں ہونے سے لازم آتی ہے اور امام نووی رحمہ اللہ کی توجیہ کے مطابق ”عند“ کو زائد قرار دیا جاسکتا ہے۔

۱۔ عربی عبارت اس طرح ہے ”حتیٰ تو وضووا من عند آخرہم“ (ان سب نے وضو کیا)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو ابن شاپین نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں فرماتے ہیں۔

میں غزوہ تبوک میں رسول اکرم ﷺ کے پیچھے سوار تھا تو مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے جانور اور اونٹ پیاسے ہو گئے ہیں آپ نے فرمایا کیا کچھ بچا ہوا پانی ہے؟ تو ایک شخص مشکیزے میں کچھ پانی لایا آپ نے فرمایا پیالہ لاؤ پھر اس میں پانی ڈال کر اپنی پھیلی پانی میں رکھ دی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے جاری ہو گئے فرماتے ہیں ہم نے اپنے اونٹوں اور دوسرے جانوروں کو پانی پلایا اور جمع بھی کیا آپ نے فرمایا تمہیں کافی ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں کافی ہے اے اللہ کے نبی! پس آپ نے ہاتھ اٹھایا تو پانی بھی ختم ہو گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۹، الشفاء ج ۱ ص ۲۸۶، شرح السنہ ج ۳ ص ۱۶۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۱۰، اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۱۷۱، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۰۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں ہم قبا کی طرف گئے تو کسی گھر سے ایک چھوٹا پیالہ لایا گیا رسول اکرم ﷺ نے اس میں دست مبارک ڈالا تو پیالے میں نہ آسکا پس آپ نے چار انگلیاں ڈال دیں اور انگوٹھا داخل نہ کر سکے پھر قوم سے فرمایا میرے پاس پانی لاؤ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری آنکھوں نے دیکھا کہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی نکل رہا تھا صحابہ کرام مسلسل پیالے کی طرف آتے رہے حتیٰ کہ وہ سب سیراب ہو گئے۔ (دلائل النبوة ج ۳ ص ۱۲۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث صحیحین میں منقول ہے فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے ہو گئے اور نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک برتن تھا جس سے وضو کرتے تھے لوگوں نے آپ کی طرف جلدی کی آپ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پاس پانی نہیں کہ ہم وضو کریں اور ہمیں صرف وہی پانی ہے جو آپ کے سامنے ہے آپ نے برتن میں دست مبارک رکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں (کے پانی) کی طرح پانی جوش مار رہا تھا۔ پس ہم نے پیا اور وضو کیا۔ راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا تم کتنے لوگ تھے؟ انہوں نے فرمایا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو ہمیں کافی ہوتا اور ہم پندرہ سو تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۹، ۳۱۵۲، ۳۱۵۳، ۳۸۴۰، ۵۶۳۹، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۱۷۴، شرح السنہ ج ۱۳ ص ۲۹۱، مجمع الزوائد

ج ۵ ص ۲۶۸، اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۲۰۷، دلائل النبوة رقم الحدیث: ۱۴۳، اخلاق النبوة رقم الحدیث: ۱۵۳)

ولید بن عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ”صحیح مسلم میں غزوہ بواط کے ضمن میں“ طویل روایت ہے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے جابر! لوگوں کو آواز دو کہ وہ وضو کے لیے پانی لے لیں۔ (طویل حدیث ہے)

(اس میں یوں مذکور ہے) لکھے ہوئے مشکیزے کے منہ میں ایک قطرہ بھی نہ پایا وہ مشکیزہ حضور علیہ السلام کے پاس لایا گیا آپ نے اس پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا؟ اور مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے کیا پڑھا ہے؟ پھر فرمایا بڑے پیالے کے

لئے آواز دو میں نے لا کر آپ کے سامنے رکھ دیا (فرماتے ہیں) رسول اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک اس پیالے میں پھیلا دیا اور انگلیوں کو بھی الگ لگ کیا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس پر پانی ڈالا اور بسم اللہ پڑھی فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ابل رہا ہے پھر پیالے کا پانی جوش مارنے اور گھومنے لگا حتیٰ کہ وہ بھر گیا آپ نے صحابہ کرام کو پانی پینے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے سیر ہو کر پیا۔ میں نے کہا کیا کسی کی ضرورت باقی ہے؟ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک اٹھایا تو پیالہ ابھی بھی بھرا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۴۰۷۷ دلائل النبوة ج ۶ ص ۹۷ فتح الباری ج ۹ ص ۷۳ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۹۹ تحف السادة المستعین ج ۲ ص ۲۰۷ الشفاء ج ۱ ص ۲۸۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے بھی ”اپنی مسند میں“ نقل کیا جس کے الفاظ اس طرح ہیں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی تو آپ نے ایک بڑا پیالہ ملگوا دیا اور اس میں کچھ پانی ڈالا پھر آپ نے اس میں اپنا دست مبارک رکھ دیا اور فرمایا پانی پیو پس صحابہ کرام نے نوش کیا اور میں دیکھ رہا تھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے ابل رہے تھے۔

انہی کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی مبارک ہتھیلی برتن میں رکھی ”بسم اللہ“ پڑھی پھر فرمایا مکمل وضو کرو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس نے میری بیٹائی واپس لی ہے (آخری عمر میں آپ کی بیٹائی چلی گئی تھی) میں نے چشمے دیکھے اور یہ پانی کے چشمے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے نکل رہے تھے پس آپ نے اس وقت تک ہاتھ نہیں اٹھایا جب تک سب نے وضو نہ کر لیا۔

امام بیہقی نے ”دلائل النبوة میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی نقل کیا فرماتے ہیں ہم ایک سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ ہمیں پیاس لگ گئی ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پانی کے ایک برتن میں جو آپ کے سامنے تھا اپنا دست مبارک رکھا فرماتے ہیں آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اس طرح نکل رہا تھا گویا کہ چشمے ہوں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا نام لے کر لو پس ہم نے پیا تو وہ ہمیں کافی ہوا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو کافی ہوتا راوی کہتے ہیں میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کتنے لوگ تھے؟ انہوں نے فرمایا ہم پندرہ سو تھے۔

ابن شاہین نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہی روایت کیا آپ فرماتے ہیں ہمیں حدیبیہ میں پیاس لگی تو ہم بارگاہ نبوی میں فریاد لے کر حاضر ہوئے (آخر تک حدیث ذکر کی)۔

امام احمد رحمہ اللہ نے صحیح عنزی کے طریق سے نقل کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اس حدیث میں ہے کہ ایک شخص ایک برتن لے کر آیا جس میں کچھ پانی تھا اور صحابہ کرام کے پاس اس کے علاوہ پانی نہیں تھا رسول اکرم ﷺ نے اسے پیالے میں ڈالا پھر اس سے اچھی طرح وضو کیا پھر اس پیالے کو چھوڑ کر تشریف لے گئے تو صحابہ کرام نے پیالے پر ہجوم کر لیا آپ نے فرمایا اپنی اپنی جگہ بٹھرو چنانچہ آپ نے اپنی ہتھیلی پیالے میں ڈالی پھر فرمایا اچھی طرح وضو کرو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے جاری تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ”صحیح بخاری میں“ منقول

ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے اور ہمارے پاس پانی نہیں تھا آپ نے فرمایا تلاش کرو کسی کے پاس بچا ہوا پانی ہو چنانچہ پانی لایا گیا تو آپ نے اسے برتن میں ڈالا پھر اپنا دست مبارک اس میں ڈالا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلنے لگا۔

ظاہر بات تو یہ ہے کہ دیکھنے والا آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلتا دیکھتا تھا لیکن درحقیقت یہ برکت تھی جو اس پانی کو حاصل ہوئی اور وہ جوش مارنے لگا اور زیادہ ہو گیا۔ جب کہ آپ کا دست مبارک اس میں تھا اور دیکھنے والے کو پانی انگلیوں کے درمیان سے نکلتا ہوا نظر آتا تھا۔

امام قرطبی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پانی اس گوشت سے نکلتا تھا جو انگلیوں کے اندر تھا امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح مسلم میں“ اس بات کی تصریح کی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ میں نے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلتا ہوا دیکھا اس بات کی تائید کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے آپ کی انگلیوں سے پانی رستا ہوا دیکھا اور یہ صحیح ہے اور یہ دونوں باتیں آپ کا معجزہ ہیں۔

اور آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا اور پانی میں ہاتھ رکھنے کے بغیر یا برتن کے بغیر پانی نہیں نکالا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ادب ملحوظ تھا اس لئے کہ معدومات کو وجود میں لانا اور کسی اصل کے بغیر لانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر پانی طلب فرمایا انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم میرے پاس پانی نہیں آپ نے فرمایا کوئی مشکیزہ نہیں؟ پس وہ مشکیزہ لائے تو آپ نے اپنی پتیلی کو اس میں پھیلایا تو آپ کے دست مبارک کے نیچے چشمہ ابل پڑا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے پینے اور دوسرے حضرات وضو کرنے لگے۔

اس حدیث کو امام دارمی اور ابو نعیم نے روایت کیا اسی طرح امام طبرانی اور ابو نعیم نے ابو یعلیٰ انصاری کی حدیث بھی نقل کی ہے اور ابو نعیم نے قاسم بن عبد اللہ بن ابی رافع سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا۔

پانی کا پھوٹ نکلنا

رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے پانی کا پھوٹ نکلنا بھی آپ کا ایک معجزہ ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۰۳ دلائل النبوة ج ۵ ص ۲۳۶)

”صحیح مسلم میں“ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا انشاء اللہ کل تم تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے اور جب تک دن روشن نہ ہو جائے تم وہاں نہیں پہنچو گے پس جو آدمی وہاں پہنچے وہ پانی میں سے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے جب تک میں وہاں نہ آ جاؤں۔

فرماتے ہیں ہم وہاں پہنچ گئے اور دو آدمی پہلے پہنچ گئے تھے اور کنواں شمع کی طرح تھا اس سے تھوڑا تھوڑا پانی نکلتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا تم نے پانی کو ہاتھ لگایا ہے تو انہوں نے کہا جی ہاں تو آپ نے ان کو ڈانٹ ڈپٹ کی (وہ

منافق تھے اور انہوں نے آپ کے حکم کے خلاف کیا تھا) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ نے ان سے فرمایا پھر پانی سے چلو بھرا حتیٰ کہ کچھ پانی جمع ہو گیا پھر اس سے اپنا چہرہ انور اور ہاتھ دھوئے پھر اس میں ڈال دیا تو کنوئیں سے بہت زیادہ پانی جاری ہو گیا اور لوگوں نے اس سے پیا پھر آپ نے فرمایا اے معاذ! قریب ہے کہ تمہاری زندگی لمبی ہو تو تم یہاں باغ اور بستیاں دیکھو گے۔ اور یہ بھی آپ کا معجزہ تھا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰ اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۱۷۲ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۲ ج ۶ ص ۱۰۴ الشفاء ج ۱ ص ۲۸۸) قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء میں“ اسی کی مثل نقل کیا جو امام مالک نے ”موطائیں“ ذکر کیا اس میں یہ اضافہ ہے فرماتے ہیں ابن اسحاق کی حدیث میں ہے کہ پس پانی پھٹ گیا اور اس کی آواز بجلی کی طرح تھی۔

”صحیح بخاری میں“ غزوہ حدیبیہ کے ضمن میں حضرت مسور بن مخرمہ اور مردان بن حکم کی روایت سے ہے کہ وہ حدیبیہ کی دوسری جانب اترے وہاں پانی تھوڑا تھا اور لوگ تھوڑا تھوڑا کر کے لیتے تھے زیادہ دیر نہ گزری کہ پانی ختم ہو گیا اور صحابہ کرام نے بارگاہ نبوی میں پیاس کی شکایت کی آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور فرمایا کہ اس کو کنوئیں میں ڈال دو۔ پس اللہ کی قسم وہ مسلسل جوش مارتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے وہاں سے کوچ کیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۱-۲۷۳۲ الدر المنثور ج ۶ ص ۶۷ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۱۹ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۷۵) ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کلی کر کے وہ پانی حدیبیہ کے کنوئیں میں ڈال دیا تو وہ اسی طرح جوش مارنے لگا۔ ابوالاسود کے مغازی میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ڈول میں وضو کیا اور کلی کر کے پانی اسی میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ اسے کنوئیں میں ڈال دو پھر آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر اس کو کنوئیں میں ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو پانی جوش مارنے لگا حتیٰ کہ وہ چلو بھرنے لگے اور وہ اس کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے پس آپ نے دونوں باتوں کو جمع کیا وضو بھی کیا اور اس میں کلی بھی کی۔ واقعہ یہی ہے کہ اوس بن خولی کے طریق سے اسی طرح روایت کیا۔

یہ واقعہ اس پہلے واقعہ کے علاوہ ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ”مغازی میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی نکلنے لگا اور انہوں نے فرمایا کہ حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیاس لگی ہوئی تھی اور رسول اکرم ﷺ کے سامنے ایک برتن تھا آپ نے اس میں ہاتھ مبارک ڈالا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی جوش مار کر نکلنے لگا۔

ان دونوں قصوں میں اختلاف ہے اور ابن حبان نے ان کو اس طرح جمع کیا کہ مختلف اوقات میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو پانی نکلنے کے بارے میں ہے عصر کے وقت سے متعلق ہے جب نماز کا وقت ہوا اور حضور علیہ السلام نے وضو کا ارادہ فرمایا اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت اس سے عام امور کے ارادے سے متعلق ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی پھوٹ نکلا اور آپ کا دست مبارک برتن میں تھا تو ان سب نے وضو کیا اور پانی نوش فرمایا تو اس وقت آپ نے حکم دیا کہ برتن میں جو پانی باقی ہے اسے کنوئیں میں ڈال دیا

جائے پس اس سے کنویں کا پانی زیادہ ہو گیا۔

حضرت براء اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما کی حدیث جو امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیبیہ کے واقعہ کے حوالے سے نقل کی ہے اس وقت صحابہ کرام چودہ سوتھے اور اس کنویں سے پچاس بکریاں بھی سیراب نہیں ہوتی تھیں وہ فرماتے ہیں ہم نے تمام پانی نکال لیا اور اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا رسول اکرم ﷺ اس کے کنارے میں تشریف فرما ہوئے حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس میں سے ایک ڈول لایا گیا تو آپ نے اس میں لعاب ڈالا اور دعا مانگی حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دعا مانگی یا لعاب ڈالا تو اس کے پانی نے جوش مارا چنانچہ انہوں نے سیر ہو کر پیا اور سواری کے اونٹوں کو پلایا حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا کہ پھر آپ نے کلی کی اور دعا مانگی پھر اس میں ڈال دیا پھر فرمایا کچھ دیر کے لئے اس کو چھوڑ دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۵۱ الشام ج ۱ ص ۲۸۸)

صحیحین میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیاس کی شکایت کی پس آپ اترے اور قلاں کو بلایا جن کا نام ابورجام لیتے تھے اور ان کا نسب عوف تھا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا تم دونوں جا کر پانی تلاش کرو چنانچہ وہ دونوں تشریف لے گئے تو ان کی ملاقات ایک عورت سے ہوئی جس کے پاس پانی کے دو بڑے مشکیزے تھے وہ اسے نبی اکرم ﷺ کے پاس لے آئے اور اس کو اونٹ سے اتارنا نبی اکرم ﷺ نے برتن طلب فرمایا اور اس میں مشکیزوں کے منہ کھول دیئے اور پھر ان کے منہ بند کر دیئے اور نیچے سے پانی نکالنے کی جگہ کو کھول دیا اور صحابہ کرام میں اعلان کیا گیا کہ پانی پلاؤ اور پیو پس جس نے پلایا اس نے پلایا اور جس نے پیا اس نے پیا۔ وہ خاتون کھڑی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور اللہ کی قسم اس سے پانی نکالا گیا اور ہمیں یہی خیال ہو رہا تھا کہ یہ مشکیزہ پہلے سے زیادہ بھرا ہوا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اس عورت کے لئے جمع کرو پس انہوں نے اس کے لئے عجوبہ بھجوریں آٹا اور ستوج جمع کئے حتیٰ کہ اس کے لئے کھانا جمع ہو گیا تو اسے ایک کپڑے میں ڈال کر اس (عورت) کو اونٹ پر سوار کر دیا اور اس گھڑی کو اس کے آگے رکھ دیا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم جانتی ہو کہ ہم نے تمہارے پانی سے کچھ بھی کم نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہی ہمیں پلا یا وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس آئی اور کہنے لگی ایک تعجب خیز بات ہے دو آدمی مجھے ملے اور مجھے ایک شخص کے پاس لے گئے جس کو دین سے نکلنے والا کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم اس نے سب لوگوں پر جادو تو نہیں کیا وہ تو رسول برحق ہیں اس نے اپنی قوم سے کہا میرا خیال ہے کہ وہ لوگ تمہیں (کسی خوف سے نہیں بلکہ) قصد اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو کیا اسلام میں رغبت رکھتے ہو؟

۱۔ نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ سے لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے آج بھی اگر مسلمان اسلامی تعلیمات کا مظاہرہ کرے تو لوگ اسلام کی طرف راغب ہو سکتے ہیں افغانستان میں کچھ عیسائیوں کو عیسائیت کی تبلیغ کے جرم میں گرفتار کیا گیا اب جب ان کو رہائی ملی تو دو خواتین نے کہا ہم دوبارہ افغانستان جانا چاہتی ہیں یہ اس اخلاق کی بدولت جس کا مظاہرہ وہاں کی حکومت نے کیا۔ ۱۲ ہزار دی

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۳-۳۳۸-۳۵۷۱، مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۵، دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۷۸، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۱۹)

حضرت ابوقادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تم رات بھر چلو گے اور ان شاء اللہ صبح کے وقت پانی پر پہنچ جاؤ گے پس لوگ چلے اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

رسول اکرم ﷺ بھی چلتے رہے حتیٰ کہ رات روشن ہو گئی (دن قریب ہو گیا) آپ راستے سے ہٹ گئے پس سرانور رکھ دیا (لیٹ گئے) پھر فرمایا تم پر ہماری نماز کی حفاظت کرنا پس سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ بیدار ہوئے اور سورج ہماری پیشوں پر تھا پھر فرمایا سوار ہو جاؤ پس ہم سوار ہو کر چل پڑے حتیٰ کہ جب سورج بلند ہوا تو آپ اترے اور وضو کا برتن طلب کیا جو میرے پاس تھا اور اس میں تھوڑا سا پانی تھا اور اس سے وضو فرمایا اور اس میں کچھ پانی بچ گیا۔ آپ نے فرمایا ہمارے لئے اس برتن کی حفاظت کرنا عنقریب اس کے لئے ایک خبر ہوگی پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لئے اذان دی تو نبی اکرم ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد صبح کی نماز پڑھائی بعد ازاں آپ بھی سوار ہو گئے اور ہم بھی سوار ہو گئے۔

ہم دیگر صحابہ کرام تک اس وقت پہنچے جب دن اچھی طرح چڑھ آیا اور ہر چیز گرم ہو گئی اور وہ کہہ رہے تھے یا رسول اللہ! ہم ہلاک ہو گئے اور ہمیں پیاس لگی ہوئی ہے آپ نے فرمایا تم ہلاک نہیں ہو گے چنانچہ آپ نے وضو کا برتن طلب فرمایا اور اس میں سے پانی ڈالنے لگے حضرت ابوقادہ رضی اللہ عنہ ان کو پلاتے جاتے تھے زیادہ دیر نہ گزری کہ انہوں نے برتن میں پانی دیکھ لیا اور اس پر ہجوم کر دیا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اچھے طریقے سے لو تم سب سیر ہو جاؤ گے (راوی) فرماتے ہیں صحابہ کرام نے اسی طرح کیا نبی اکرم ﷺ ان پر ڈالتے اور پلاتے جاتے تھے حتیٰ کہ میرے اور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کوئی بھی باقی نہ رہا پھر ڈالا اور فرمایا پیو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب تک آپ نہیں پیئیں گے میں نہیں پیوں گا آپ نے فرمایا قوم کا ساقی ان کے آخر میں ہوتا ہے (آخر میں پیتا ہے) چنانچہ میں نے پیا اور آپ نے بھی نوش فرمایا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۱۱، مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۹، دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۸۴، تاریخ ابن عساکر ج ۷ ص ۳۸۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم

الحدیث: ۵۹۱۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۱۰۴۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں لوگ قحط کا شکار ہو گئے اس دوران کہ آپ محمد المبارک کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! نال ہلاک ہو گئے اور بچے بھوکے ہیں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور ہمیں آسمان میں بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے آپ نے ابھی ہاتھ نیچے نہیں کئے تھے کہ پہاڑوں کی طرح بادل پھیل گئے پھر آپ منبر سے اترے نہیں تھے کہ میں نے دیکھا بارش (کا پانی) آپ کی داڑھی مبارک پر اتر رہا ہے اس دن بھی دوسرے دن اور تیسرے دن بھی حتیٰ کہ دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔

پھر وہ اعرابی یا کوئی دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! عمارتیں گر گئیں اور مال ڈوب گئے ہمارے لئے

دعا کیجئے آپ نے وسیع مبارک اٹھائے اور دعا فرمائی:

یا اللہ! ہمارے ارد گرد بارش ہو ہم پر نہ ہو۔

اَللّٰهُمَّ حَوِّا لِّیْنَا لَا هَلٰکَیْنَا۔

آپ بادل کے جس کونے کی طرف اشارہ کرتے وہ ہوتا جاتا اور مدینہ طیبہ ایک وسیع گول گڑھے کی طرح ہو گیا (یعنی بادلوں نے مدینہ طیبہ کے کناروں کو گھیر لیا) اور وادی قنّاء ایک مہینے تک بہتی رہی اور مضافات سے جو بھی آیا اس نے حیر اور وسیع بارش کی خبر دی۔

ایک روایت میں ہے آپ نے یوں دعا مانگی:

یا اللہ! ہمارے ارد گرد پر ہم پر نہ ہو ٹیلوں اور چھوٹی

اَللّٰهُمَّ حَوِّا لِّیْنَا وَلَا عَلَیْنَا اَللّٰهُمَّ عَلٰی

اَلْاَکَامِ وَالظَّرَآءِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِیَّةِ وَمَنَاسِبِ الشَّجَرِ۔

جگہ پر ہو۔

(راوی فرماتے ہیں) بارش تھم گئی اور ہم باہر نکل کر دھوپ میں چلنے لگے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۱۳، صحیح مسلم ج ۸ ص ۹، سنن نسائی ج ۳ ص ۱۶۰-۱۶۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۶۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴)

اسنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۵۳، الدر المنثور ج ۶ ص ۲۸، الادب المفرد رقم الحدیث: ۶۱۱۳، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۱۲، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۳۶، دلائل النبوة

ج ۶ ص ۱۳۹، اتحاف السادة المتعلمین ج ۷ ص ۱۹۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۰۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۵۸۰-۲۳۵۸۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ ہمیں تنگی والے وقت کے بارے میں بتائیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم سب گرمی میں تبوک کی طرف نکلے ایک منزل پر اترے تو پیاس نے ستایا حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا ہماری سواریاں مرجائیں گی اور یہاں تک کہ ایک شخص دوسرے کو تلاش کرنے نکلتا تو وہ واپس نہ آتا حتیٰ کہ وہ گماں کرتا کہ عنقریب وہ ختم ہو جائے گا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک شخص اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھ (اوجھڑی) کو نچوڑ کر پیتا اور جوف چاتا اس کو جگر پر مل دیتا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ سے قبولیت دعا کا وعدہ فرمایا ہے آپ ہمارے لیے دعا کیجئے آپ نے فرمایا کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں چنانچہ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور اس وقت تک واپس نہ کئے جب تک آسمان پر بادل نہیں آگئے پس بارش برسی اور صحابہ کرام نے ان برتنوں کو بھرا جو ان کے پاس تھے پھر ہم چلے تو دیکھا کہ بارش نے لشکر سے تجاوز نہیں کیا تھا۔ (دلائل النبوة ج ۵ ص ۲۳۱، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۱۹۴، اسنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۵۷، موارد الفہم رقم الحدیث: ۱۷۰۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۳۵۸)

حافظ منذری نے کہا کہ اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”دلائل النبوة“ میں ذکر کیا۔

ان کے شیخ ابن بشران ثقہ (قابل اعتماد) ہیں، علیج بھی ثقہ ہیں اور ابن خزیمہ ائمہ حدیث میں سے ایک ہیں یونس راوی سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں استدلال کیا ابن وہب، عمرو بن حارث اور نافع بن جبر رحمہم اللہ سے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے استدلال کیا البتہ متنبہ میں گفتگو کی گئی (یعنی ضعیف لیکن سچا قرار دیا گیا)۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”الشفاء میں“ مختصر طور پر نقل کیا اور ابن اسحاق نے ”اپنی مغازی میں“ روایت کیا۔

”مصباح اللطاف کے“ مصنف نے حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ابوطالب نے کہا میں ”ذی الحجاز“ مقام پر اپنے بھتیجے یعنی نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھا تو مجھے پیاس لگی میں نے آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہوئے کہا میرے بھتیجے میں پیاسا ہوں میں نے ان سے یہ بات اس لئے کہی کہ میں وہاں وادی کے درمیان والے حصے (جس میں پانی نہ تھا) کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتا تھا آپ نے اپنی ٹانگوں کو موڑا پھر نیچے اترے اور فرمایا اے چچا! کیا تم پیاسے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں آپ نے اپنی ایڑی زمین پر لگائی تو وہاں پانی تھا آپ نے فرمایا اے چچا پیو پس میں نے پیا۔

ابن سعد اور ابن عساکر نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ (الشفاء ج ۱ ص ۲۹۰ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۱)

کھانے کا زیادہ ہونا

نبی اکرم ﷺ کی برکت اور دعا سے کھانے کا زیادہ ہونا بھی آپ کا معجزہ ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۰۴ دلائل النبوة ج ۶ ص ۸۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ غزوہ خندق کے ضمن میں فرماتے ہیں پس میں اپنی بیوی کی طرف لوٹا اور کہا کیا تیرے پاس کوئی چیز ہے؟ کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا ہے اس نے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک صاع (چار کلو) جو تھے اور ہمارے پاس بکری کا گھر میں پالا ہوا چھوٹا بچہ تھا پس میں نے اسے ذبح کیا اور میری بیوی (سہید بنت معوذ انصاریہ) نے جو پیسے حتیٰ کہ ہم نے ہنڈیا میں گوشت ڈالا پھر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سرگوشی کے انداز میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور ایک صاع جو پیسے ہیں آپ اور کچھ دیگر افراد تشریف لائیں۔ رسول اکرم ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا اے اہل خندق! حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دعوت کا اہتمام کیا لہذا تم سب جلدی کرو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہنڈیا کو (چولہے سے) نہ اتارنا اور آٹے کی روٹی نہ پکانا جب تک میں نہ آ جاؤں آنا آپ کے سامنے رکھا گیا تو آپ نے اس میں لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی پھر ہماری ہنڈیا کی طرف متوجہ ہوئے اس میں بھی لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی پھر فرمایا روٹی پکانے والی کو بلاؤ جو تمہارے ساتھ پکائے اور ہنڈیا میں سے سالن نکالنا اسے اتارنا نہیں ہے۔

وہ لوگ ایک ہزار تھے پس اللہ تعالیٰ کی قسم انہوں نے کھایا اور باقی چھوڑ کر واپس گئے اور ہماری ہنڈیا پہلے کی طرح جوش مار رہی تھی اور اس کی آواز آرہی تھی اور ہمارا آٹا جس کی روٹی پکائی گئی اسی طرح تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۱۰۳ صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۴۱۱ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۰۰ دلائل النبوة ج ۳ ص ۳۲۶ اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۱۶۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی آواز میں کمزوری محسوس کی ہے جس میں بھوک معلوم ہوتی ہے تمہارے پاس کچھ ہے انہوں نے فرمایا ”ہاں“ پھر جو کی چند روٹیاں نکالیں اس کے بعد دو پٹہ نکالا اس کے کچھ حصے سے روٹیوں کو لپیٹا اور اس کو میری بغل

کے نیچے دے کر باقی کپڑا میرے سر پر عمامہ کی طرح لپیٹ دیا پھر مجھے حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا میں گیا تو میں نے رسول اکرم ﷺ کو مسجد میں پایا آپ کے ساتھ کچھ دوسرے حضرات بھی تھے میں نے سلام عرض کیا تو آپ نے فرمایا تجھے حضرت ابوطالب نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا کھانے کے لئے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں رسول اکرم ﷺ نے حاضرین سے فرمایا اٹھو پس آپ چل پڑے اور میں ان کے آگے آگے چل رہا تھا حتیٰ کہ میں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو اطلاع کی حضرت ابوطالب نے فرمایا اے ام سلیم! رسول اکرم ﷺ، صحابہ کرام کے ہمراہ تشریف لارہے ہیں اور ہمارے پاس ان کو کھلانے کے لئے کچھ نہیں انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ (استقبال کے لئے) باہر نکلے اور آپ سے ملاقات کی۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے آپ نے فرمایا اے ام سلیم! تمہارے پاس جو کچھ ہے لے آؤ وہ وہی روٹی لے آئیں نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا تو روٹیوں کو توڑا گیا اور ام سلیم نے ایک کچی میں سے (کھی یا شہد) نچوڑا پھر نبی اکرم ﷺ نے اس پر کچھ پڑھا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اس کے بعد فرمایا دس آدمیوں کو بلاؤ ان کو بلایا گیا پس انہوں نے سیر ہو کر کھایا اور باہر نکل گئے پھر دس دس کو بلایا گیا چنانچہ سب نے سیر ہو کر کھایا اور یہ لوگ ستر یا اسی مرد تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۷۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۲، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۹، دلائل النبوة ج ۶ ص ۸۹، تمہید ج ۱ ص ۲۸۹، شرح السنہ ج ۱ ص ۳۰۱، دلائل النبوة رقم الحدیث: ۱۳۷، اتحاف السادة المتعلمین ج ۷ ص ۱۶۹، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۰۸)

یہاں مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو غزوہ خندق کے موقع پر فوجوں کے محاصرہ کے وقت نماز کے لئے تیار کی گئی تھی صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا دس آدمیوں کو بلاؤ پس وہ داخل ہوئے تو فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ چنانچہ انہوں نے کھایا اور اسی افراد نے کھانا کھایا اس کے بعد حضور علیہ السلام اور گھروالوں نے کھایا اور کھانا بچ بھی گیا۔

”صحیح بخاری کی“ ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا دس دس افراد کو میرے پاس بھیجو حتیٰ کہ چالیس افراد بٹھا رکھے پھر نبی اکرم ﷺ نے تناول فرمایا پس میں دیکھنے لگا کہ کیا اس میں کوئی چیز کم ہوئی ہے؟ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳)

یعقوب کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا آٹھ افراد کو میرے پاس بھیجئے رہو پس اسی طرح ہوتا رہا حتیٰ کہ اسی افراد آپ کے پاس داخل ہوئے پھر مجھے (حضرت انس رضی اللہ عنہ کو) میری ماں اور حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو بلایا تو ہم نے سیر ہو کر کھایا۔

تو یہ متعدد واقعات پر دلالت ہے ان میں سے اکثر روایات میں ہے کہ آپ نے ان کو دس دس کر کے بلایا صرف اس روایت میں آٹھ کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بات کہی ہے انہوں نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر اکیلے داخل ہوئے اور یہ بات عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی روایت میں واضح الفاظ میں بیان کی گئی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

جب رسول اکرم ﷺ دروازے تک پہنچے تو ان سے فرمایا تم بیٹھو اور آپ اندر تشریف لے گئے۔ یعقوب کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے حضرت انس

رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا کہ صرف آپ کو دعوت دیں ہمارے پاس اتنا کچھ نہیں جس سے یہ لوگ سیر ہو کر کھائیں جن کو میں دیکھ رہا ہوں۔

عمر بن عبد اللہ کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا صرف ایک روٹی ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عنقریب اللہ تعالیٰ اسے بابرکت بنادے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۷، المعجم الکبیر ج ۵ ص ۱۰۸، اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۱۶۹)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو دس دس کر کے بلایا کہ پیالہ (بڑا پیالہ) ایک تھا بڑی جماعت اس میں سے کھانے پر قادر نہ تھی اور پھر کھانا بھی کم تھا پس ان کو دس دس کی جماعت میں تقسیم کیا تا کہ وہ کھائیں اور بھڑنہ ہو۔

ازالہ شبہ

نبی اکرم ﷺ کا پوچھنا کہ تمہیں ابو طلحہ نے بھیجا ہے ان کا ہاں میں جواب دینا اور پھر فرمانا کہ کھانے کے لئے؟ حضرت انس کا ہاں میں جواب دینا اور اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کا حاضرین کو انھنے کا حکم دینا۔ ان تمام باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سمجھ گئے تھے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے گھر بلایا ہے اسی لئے آپ نے وہاں موجود حضرات سے فرمایا اٹھو جب کہ کلام کا آغاز بتاتا ہے کہ حضرت ام سلیم اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہما نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو روٹی دے کر بھیجا تھا۔

تو ان دونوں باتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ روٹی بھیجنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ یہ روٹی لے کر کھائیں جب حضرت انس رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور آپ کے گرد صحابہ کرام کو دیکھا تو حیا محسوس کیا اور سوچا کہ حضور علیہ السلام کو تنہا اپنے گھر دعوت دوں اس طرح آپ کو کھانا کھلانے کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۷۳۰)

اور یہ بھی احتمال ہے کہ بھیجنے والوں کی رائے یہی ہو اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی ہو کہ جب لوگوں کی کثرت دیکھیں تو صرف حضور علیہ السلام کو دعوت دیں انہیں ڈر تھا کہ شاید یہ کھانا سب کو پورا نہ ہو اور انہیں نبی اکرم ﷺ کے ایثار کا بھی علم تھا کہ آپ تنہا تناول نہیں فرماتے۔

یعقوب بن عبد اللہ بن ابی طلحہ رحمہم اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں یہ روایت ابو نعیم نے نقل کی اور اصل امام مسلم کے ہاں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا اے انس! جاؤ اور رسول اکرم ﷺ کے پاس کھڑے ہو جاؤ جب آپ کھڑے ہوں تو انتظار کرنا حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفرق ہو جائیں پھر آپ کے پیچھے جانا جب آپ دروازے کی چوکھٹ پر پہنچیں تو عرض کرنا میرے والد آپ کو بلارہے ہیں۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے حضرت انس کو بھیجا تھا کہ وہ صرف آپ کو دعوت دیں اور ہمارے پاس اتنے افراد کے لئے کھانا نہیں جن کو میں دیکھ رہا ہوں آپ نے فرمایا داخل ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے کھانے میں برکت ڈال دے گا۔

حضرت مبارک بن فضالہ رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کیا گھی ہے؟ حضرت ابو طلحہ رضی

اللہ عنہ نے عرض کیا کچی میں کچھ ہے پس وہ اسے لے کر حاضر ہوئے اب دونوں (حضور علیہ السلام اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ) نے اسے نچوڑا حتیٰ کہ کچھ نکل آیا پھر نبی اکرم ﷺ نے روٹی کو ہاتھ لگایا تو وہ پھول گئی آپ نے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھی آپ مسلسل اسی طرح کرتے رہے اور روٹی پھولتی رہی حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ برتن میں پھیل گئی۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۲ اتحاد السادة المستنیرین ج ۷ ص ۱۶۹ البدلیہ والتہامیہ ج ۶ ص ۱۱۲)

حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے فرماتے ہیں میں کچی لے کر حاضر ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کا ڈھکنا کھولا پھر یہ الفاظ کہے:

بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ اعْظِمْ فِيهَا
اللہ کے نام سے یا اللہ! اس میں بہت بڑی برکت
الْبَرَكَاتِ۔ ڈال دے۔

معلوم ہوا کہ صحیحین کی روایت میں جو ذکر آیا ہے کہ آپ نے اس پر وہ کچھ پڑھا جو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ پڑھیں تو اس سے یہی کلمات مراد ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو روایت امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کو پیٹ پر پٹی باندھے ہوئے دیکھا (تو آپ کی بھوک کا احساس ہوا)۔

حضرت ابو یعلیٰ نے حضرت محمد بن سیرین کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس کھانا نہیں تو انہوں نے ایک صاع کے بدلے مزدوری کی پھر یہ کھانا لائے۔

حضرت عمرو بن عبد اللہ بن ابی طلحہ کی روایت جو امام مسلم اور ابو یعلیٰ نے روایت کی ہے اس میں فرمایا کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو پیٹھ کے بل لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ الٹ پلٹ ہو رہے تھے۔

یعقوب بن عبد اللہ بن ابی طلحہ کی روایت جسے امام مسلم نے ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حاضر ہوا تو نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تشریف فرما تھے اور ان سے باتیں کر رہے تھے اور بطن اطہر پر کپڑے کی پٹی باندھ رکھی تھی میں نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ بھوک کی وجہ سے ایسا کیا ہے پس میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو اس بات کی خبر دی اور وہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمایا کوئی چیز ہے؟

حضرت محمد بن کعب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو کچھ روایت کیا اور اسے ابو نعیم نے نقل کیا اس میں اس طرح ہے کہ آپ فرماتے ہیں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزرا آپ اصحاب صفہ کو سورہ نساء پڑھا رہے تھے اور آپ نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے موقع پر صحابہ کرام کو بھوک نے ستایا تو

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان سے ان کا زائد کھانا منگوائیں پھر اس پر برکت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے چنانچہ آپ نے چڑے کا ایک دسترخوان منگوایا۔

اور بچھا دیا پھر ان سے ان کا زائد کھانا منگوایا تو کوئی شخص مٹھی بھر غلہ لا رہا تھا تو کوئی روٹی کا ٹکڑا، حتیٰ کہ جب دسترخوان پر کچھ چیز جمع ہو گئی تو رسول اکرم ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی پھر فرمایا اپنے اپنے برتن میں لے جاؤ چنانچہ وہ اپنے اپنے برتنوں میں لے گئے یہاں تک کہ لشکر میں کوئی ایسا برتن نہ تھا جو بھرا ہوا نہ ہو راوی فرماتے ہیں پس انہوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور کچھ بچ گیا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ جو شخص اس کلمہ شہادت کو یقین سے پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے اس کے لئے جنت سے کوئی رکاوٹ نہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۵، مسند احمد ج ۳ ص ۱۱، دلائل النبوة ج ۶ ص ۱۲۰، دلائل النبوة ابو نعیم رقم الحدیث: ۱۳۹، تفسیر قرطبی ج ۸ ص ۲۷۹، اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۱۷۰-۱۹۰، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۱۸، الشفاء ج ۱ ص ۲۹۳) (کلمہ طیبہ (ایمان) جنت میں لے جانے کا باعث ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ عمل بھی ضروری ہے ورنہ ممکن ہے پہلے جہنم میں جانا پڑے اور پھر جنت میں جانا ہو۔ ۱۲ ہزار روئی)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی تو میری والدہ حضرت ام سلیم نے کھجور، گھی اور پنیر کو ملا کر ایک حلوہ تیار کیا اور پھر ایک طسلیے میں ڈال کر فرمایا یہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ اور کہو میری ماں نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے اور وہ آپ کو سلام کہتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اسے رکھ دو اور فلاں فلاں کو میرے پاس بلاؤ آپ نے کچھ افراد کے نام لئے اور (فرمایا) ان کے علاوہ جو ملے اس کو بھی بلاؤ چنانچہ میں نے ان کو بھی جن کا آپ نے نام لیا اور ان کو بھی جن سے میری ملاقات ہوئی، بلایا میں واپس آیا تو گھر ان لوگوں سے بھرا ہوا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ تم کتنے لوگ تھے؟ انہوں نے فرمایا تقریباً تین سو افراد تھے۔

میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اس حلوے پر ہاتھ رکھ کر جو کچھ اللہ نے چاہا آپ نے پڑھا پھر دس دس افراد کو بلائے رہے جو اس میں سے کھاتے اور آپ ان سے فرماتے اللہ تعالیٰ کا نام لو اور ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پس انہوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور ایک ایک گروہ کر کے چلے گئے جب سب نے کھالیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اے انس اسے اٹھا دو پس میں نے اسے اٹھا لیا مجھے معلوم نہیں جب اسے کھا گیا تھا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا اٹھاتے وقت زیادہ تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۶۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳، تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳۳۲، اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۱۷۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت ام مالک رضی اللہ عنہا ایک کچی میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں گھی کا تحفہ بھیجا کرتی تھیں۔

ان کے بیٹے ان کے پاس آ کر سالن کا سوال کرتے اور ان لوگوں کے پاس کچھ نہ ہوتا تو وہ اس کچی کی طرف جانیں

جس میں حضور علیہ السلام کے لئے تحفہ بھیجتی تھیں تو اس میں بھی پاتیں تو جب تک انہوں نے اس کو نچوڑا نہیں اس میں ہمیشہ سالن (گھی) باقی رہا وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے پوچھا کیا تم نے اسے نچوڑا ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اگر اسے چھوڑ دیتیں تو ہمیشہ باقی رہتا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۰ دلائل النبوة ج ۶ ص ۱۱۳ اتحاف السادة المتعلمین ج ۷ ص ۷۰ البدلیہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۲۳ فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۳۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کھانا مانگنے لگا آپ نے اسے نصف و سق (تیس صاع یا ایک سو بیس کلو) عطا فرمائے تو وہ ان کی بیوی اور مہمان اس سے مسلسل کھاتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے اس کا ماپ کر لیا (تو وہ ختم ہو گئے) وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا آپ نے فرمایا اگر تم اس کا ماپ نہ کرتے تو ان سے کھاتے رہتے اور وہ تمہارے پاس باقی رہتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۷ دلائل النبوة ج ۶ ص ۱۱۳ المسند رک ج ۳ ص ۲۳۶ اتحاف السادة المتعلمین ج ۷ ص ۷۰ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۹۳۱ البدلیہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۲۳ فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۳۸)

کئی کو نچوڑنے کے بعد گھی کی برکت کے ذائل ہونے اور ماپ کرنے کے بعد جو کی برکت کے دور ہونے میں حکمت یہ تھی کہ ان کو نچوڑنا یا ماپ کرنا رزق کے حصول کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کے خلاف اور تدبیر نیز اپنی قوت کو اختیار کرنے پر مشتمل تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے اسرار اور اس کے فضل کا احاطہ کرنے میں تکلف کرتا تھا تو اس کے قائل کو اس کی سزا دی گئی۔ یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۹۳ البدلیہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۱۶)

حضرت ابو العلاء سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے اور صبح سے شام تک ایک پیالے سے کھاتے رہے دس آدمی (کھا کر) اٹھ جاتے اور دس آدمی بیٹھ جاتے پوچھا کیا وہ بڑھ جاتا تھا فرمایا تم کس بات پر تعجب کرتے ہو وہ وہاں سے بڑھتا تھا انہوں نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۵)

انہی سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک پیالہ لایا گیا جس میں گوشت تھا صحابہ کرام اس پر صبح سے شام تک باری باری تشریف لاتے رہے ایک جماعت اٹھ جاتی تو دوسرے بیٹھ جاتے ایک شخص نے حضرت سرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا یہ کھانا بڑھ جاتا تھا؟ فرمایا یہ وہاں سے بڑھتا تھا انہوں نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا (یعنی اللہ تعالیٰ اس میں برکت پیدا فرماتا تھا)۔

اس حدیث کو امام دارمی ابن ابی شیبہ ترمذی بیہقی اور امام حاکم نے روایت کیا اور ان سب نے اسے صحیح قرار دیا نیز ابو نعیم نے بھی روایت کیا۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے فرماتے ہیں کہ ہم ایک سو تیس آدمی نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے انہوں نے حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک صاع (غلے کا) آٹا گوندھا گیا اور بکری ذبح کر کے اس کے پیٹ کی سیاہی (جگر وغیرہ) کو بھونا گیا۔ اللہ کی قسم ہم ایک سو تیس افراد میں سے ہر ایک کے لئے اس سے ایک ٹکڑا کاٹا گیا

پھر اسے دو پیالوں میں ڈال گیا پس ہم سب نے کھایا اور دونوں پیالوں میں کچھ بچ بھی گیا تو میں نے اسے اونٹ پر رکھ لیا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۱۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۰ مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۷ ص ۱۹۸ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۱۵ دلائل النبوة

ج ۶ ص ۹۵ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۱۷ الشفاء ج ۱ ص ۲۹۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ اہل صفہ کو بلاؤں پس میں ان کے پیچھے گیا حتیٰ کہ ان سب کو جمع کیا ہمارے سامنے ایک پیالہ رکھا گیا تو ہم نے جس قدر چاہا کھایا اور فارغ ہو گئے جبکہ وہ اسی طرح تھا جیسا رکھا گیا تھا البتہ اس میں انگلیوں کے نشانات تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بنو عبد المطلب سے چالیس افراد کو جمع کیا ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو بکری کا آٹھ ماہ کا بچہ کھا جاتے اور بارہ صاع (اڑتالیس کلو) پانی پی جاتے تھے آپ نے ان لئے ایک کلو کھانا تیار کیا تو انہوں نے سیر ہو کر کھایا اور وہ پہلے کی طرح باقی رہ گیا پھر ایک لکڑی کا پیالہ طلب فرمایا تو انہوں نے اس میں سیر ہو کر پیا اور وہ (پانی) باقی رہ گیا گویا انہوں نے پیانی نہیں۔

آفت زدہ کو تندرست کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ

نبی اکرم ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ آپ آفت زدہ کو تندرست کر دیتے اور مردوں کو زندہ کرتے ان سے کلام کرتے نیز بچوں سے کلام اور ان کا آپ کی نبوت پر شہادت دینا بھی معجزہ ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۶۰ ۱۶۱ دلائل النبوة ج ۶ ص ۱۸-۵۰-۵۵)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”دلائل النبوة میں“ روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے کہا میں آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہ کر دیں آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر دکھاؤ چنانچہ اس نے آپ کو وہ قبر دکھائی آپ نے فرمایا اے فلاں لڑکی! اس نے کہا ”میں حاضر ہوں“ آپ نے فرمایا کیا تو واپس دنیا میں آنا چاہتی ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! میں واپس نہیں آنا چاہتی کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے ماں باپ سے بہتر پایا اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کو اچھا دیکھا ہے۔

طبری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ مقام حجون میں پریشانی کے عالم میں اترے اور وہاں جس قدر اللہ تعالیٰ نے چاہا ٹھہرے پھر خوشی خوشی واپس تشریف لائے اور فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا تو اس نے میری ماں کو زندہ کیا پس وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر ان کو لوٹا دیا۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم ﷺ کے والدین کو زندہ کرنے اور ان کا آپ پر ایمان لانے سے متعلق روایت بھی مروی ہے اسے امام سیکی نے اور اسی طرح الخطیب نے کتاب ”السابق واللاحق“ میں ذکر کیا لیکن امام

۱۔ رسول اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ اگرچہ مؤمنہ تھیں کیونکہ وہ اعلان نبوت سے پہلے انتقال فرما گئیں تھیں لیکن اس کے باوجود آپ کو مزید یہ اعزاز ملا کہ آپ کو دوبارہ زندہ کیا گیا اور آپ دولت ایمان سے مالا مال ہوئیں اللہ تعالیٰ نجد یوں وہابیوں کو ہدایت دے انہوں نے حضرت آمنہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی قبر انور پر بلند و زبر پھیرا اور اسے سمار کر دیا (العیاذ باللہ)۔ ۱۲ ہزاروی

سہیلی نے فرمایا اس کی سند میں کچھ راوی مبہول ہیں اور ابن کثیر نے کہا یہ حدیث بہت منکر ہے مقصد اول میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک انصاری نوجوان کا انتقال ہو گیا اور اس کی ماں ایک نابینا بوڑھی خاتون تھیں ہم نے اس کی جھینور و تکفین کی اور پھر اس کی ماں سے تعزیت کی اس نے پوچھا میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں اس نے کہا یا اللہ! اگر تیرے علم کے مطابق میں نے تیری طرف اور تیرے نبی کی طرف ہجرت کی ہے اور یہ امید تھی کہ تو ہر مشکل میں میری مدد کرے تو مجھے اس مصیبت میں جتنا نہ کر پس ہم وہاں سے نہیں ہٹے تھے کہ اس نوجوان نے اپنے چہرے سے پردہ ہٹایا تو اس نے اور ہم نے کھانا کھایا (اور وہ اس کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہا اور اس کی والدہ اس کی زندگی میں فوت ہوئی۔ زرقانی ج ۵ ص ۱۸۳)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن خارجه رضی اللہ عنہ انصار کے معززین میں سے تھے وہ ظہر اور عصر کے درمیان مدینہ طیبہ کے ایک راستے میں گزر رہے تھے کہ گر کر انتقال کر گئے انصار کو اس بات کی خبر ہوئی تو آئے اور اٹھا کر ان کو گھر لے گئے انہوں نے ان کو دو چھوٹی اور ایک بڑی چادر سے ڈھانپ دیا، گھر میں انصار کی عورتیں تھیں جو ان پر رونے لگیں اسی طرح کچھ مرد بھی رونے لگے تو وہ اسی حالت پر تھے حتیٰ کہ جب مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت ہوا تو کسی کہنے والے کی آواز سنی کہ خاموش رہو خاموش رہو۔

انہوں نے دیکھا کہ کپڑے کے نیچے سے آواز آ رہی ہے انہوں نے اس کے چہرے اور سینے سے کپڑا ہٹایا تو کوئی کہنے والا اس کی زبان سے کہہ رہا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نبی امی اور خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں یہ بات پہلی کتابوں میں بھی ہے پھر کہا یہ سچ ہے یہ سچ ہے۔ اس کے بعد کہا یہ اللہ کے رسول ہیں ”السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ ابن ابی الدنیاء نے اسے اپنی کتاب ”من عاش بعد الموت“ میں ذکر کیا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انصار میں ایک شخص کا انتقال ہو گیا جب اسے کفن دیا گیا اور لوگ اسے اٹھانے کے لئے آئے تو اس نے کلام کرتے ہوئے کہا ”محمد رسول اللہ“۔ اس حدیث کو ابو بکر بن ضحاک نے ذکر کیا ہے۔

ابو نعیم نے روایت نقل کی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک بکری ذبح کر کے پکائی اور ایک بڑے پیالے میں روٹی کے ٹکڑے ڈال کر اس پر شور با ڈالا اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں لے آئے پس صحابہ کرام نے اسے کھایا رسول اکرم ﷺ ان سے فرما رہے تھے کھاؤ لیکن ہڈی نہ توڑنا پھر آپ نے ہڈیاں جمع کر کے ان پر ہاتھ رکھا اور کچھ پڑھا تو بکری کان جھاڑتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ (السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۳۰۲)

حضرت معمر بن معقوب یمانی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کیا اور پھر مکہ مکرمہ کے ایک گھر میں داخل ہوا میں نے رسول اکرم ﷺ کو اس میں دیکھا اور ایک تعجب خیز بات دیکھی یمامہ کا ایک شخص ایک بچے کو لے کر حاضر ہوا جو اسی دن پیدا ہوا تھا رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے بچے! میں کون ہوں؟ اس نے کہا ”آپ اللہ

تعالیٰ کے رسول ہیں“ آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا کرے اس کے بعد اس بچے نے جوانی تک کوئی بات نہ کی اور ہم نے اس کا نام ”مبارک یمامہ“ رکھا۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۵۹ البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۶۷ اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۱۹۵ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۴۰۱)

حضرت فہد بن عطیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا جو جوانی کو پہنچ گیا تھا لیکن اس نے کبھی کلام نہ کیا آپ نے اس سے پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک عورت اپنے بچے کو لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرا یہ بچہ پاگل ہے اور اسے اس وقت دورہ پڑتا ہے جب ہم صبح اور شام کا کھانا کھاتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا تو اس نے تے کی اور اس کے پیٹ سے کتے کا سیاہ بچہ نکلا جو دوڑ گیا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۴-۲۶۸ سنن دارمی رقم الحدیث: ۳۰ دلائل النبوة ج ۶ ص ۱۸۶)

غزوہ احد کے دن حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں تیر لگا حتیٰ کہ وہ نکل کر آپ کے رخساروں پر آ گئی وہ اس آنکھ کو لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک بیوی ہے جس سے میں محبت کرتا ہوں مجھے ڈر ہے کہ اگر اس نے مجھے دیکھ لیا تو ناپسند کرے گی نبی اکرم ﷺ نے اس آنکھ کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اس کی جگہ پر دوبارہ رکھ دیا اور فرمایا اللہ کے نام سے (رکھتا ہوں) یا اللہ! ان کو حسن و جمال کا لباس عطا فرما پس وہ آنکھ دوسری آنکھ کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت تھی اور اس کی نظر بھی زیادہ تیز تھی اور جب دوسری آنکھ دکھتی تو یہ آنکھ دکھتی نہیں تھی۔ (دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۵۲ اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۱۸۷)

ان (صحابی) کی اولاد میں سے ایک شخص حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا:

ابونا الذی سالت علی الخدعینہ
فعدادت کما کانت لاول امرها
فما حسن ما عین و یا حسن ما خد
”ہمارے باپ وہ ہیں جن کی آنکھ لٹک کر رخسار پر آ گئی تھی پس حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دست مبارک سے واپس ہوئی جیسے بھی واپس ہوئی پس وہ آنکھ پہلے کی طرح ہو گئی تو وہ آنکھ کتنی حسین اور وہ رخسار کس قدر خوبصورت تھا؟“

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے قریب کیا اور اچھا انعام دیا۔

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت محمد بن ابی عثمان نے (حضرت عمار بن نصر سے اور انہوں نے) حضرت مالک بن انس سے انہوں نے حضرت محمد بن عبداللہ بن ابی صہبہ سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے حضرت ابوسعید سے انہوں نے اپنے بھائی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں غزوہ احد کے دن میری آنکھوں میں تیر لگا جس سے وہ میرے چہرے پر گر گئیں میں ان دونوں کو لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ

نے ان کو ان کی جگہ پر رکھ کر لعاب مبارک لگایا تو وہ دوبارہ روشن ہو گئیں۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی روایت میں حضرت عمار بن نصر منفرد ہیں اور وہ ثقہ ہیں۔ اور دارقطنی نے اسے حضرت ابراہیم حربی کے واسطے سے حضرت عمار بن نصر سے روایت کیا۔

امام طبرانی اور ابو نعیم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ میں احد کے دن اپنے چہرے کے ذریعے رسول اکرم ﷺ کے چہرہ انور کو تیروں سے بچاتا تھا تو آخر میں ایک تیر نے میری آنکھ کا ڈھیلا گرا دیا میں اسے ہاتھ میں لے کر رسول اکرم ﷺ کی طرف دوڑ پڑا جب آپ نے اسے میری ہتھیلی میں دیکھا تو آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو نکل پڑے آپ نے دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ قَصَادَةً كَمَا وَفَى وَجْهَ نَبِيِّكَ يَا اَللّٰهُ! حضرت قتادہ کو بچالے جس طرح انہوں نے
يُوجِّهِيْهَا فَاجْعَلْهَا اَحْسَنَ عَيْنِيْكَوَاجِدْهُمَا تیرے نبی کے چہرے کو اپنے چہرے کے ذریعے بچایا پس
نَظَرًا۔ (اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۱۸۷)
اس آنکھ کو دونوں آنکھوں میں سے زیادہ خوبصورت اور اس
کی نظر کو زیادہ تیز کر دے۔

”صحیح بخاری میں“ غزوہ خیبر کے سلسلے میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے آپ نے فرمایا ان کی طرف کسی کو بھیجو چنانچہ آپ حاضر ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا اور ان کے لئے دعا فرمائی پس وہ اس طرح ٹھیک ہوئے کہ گویا ان کی آنکھوں میں کوئی تکلیف نہ تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۱۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۰، مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۵، ج ۵ ص ۳۳۳، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۰۷، دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۰۵، تمہید ج ۲ ص ۲۱۸، المعجم الکبیر ج ۶ ص ۱۸۷، اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۱۸۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۱۱۹، ۳۶۳۹۳، ۳۶۳۹۶)

”طبرانی شریف میں“ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اکرم ﷺ نے خیبر کے دن مجھے جھنڈا دیا اس دن سے نہ تو میری آنکھ دکھی اور نہ سر میں درد ہوا۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت ایاس بن سلمہ کے طریق سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو میں آپ کو لے کر حاضر ہوا اور ان کی آنکھ میں تکلیف تھی پس آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا تو وہ ٹھیک ہو گئیں۔

امام حاکم کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں پس نبی اکرم ﷺ نے میرا سر اپنی گود میں رکھا پھر اپنی ہتھیلی میں لعاب ڈال کر اس کو میری آنکھ پر ملا۔ اور طبرانی کے نزدیک اس طرح ہے کہ اب تک میری آنکھ میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور رسول اکرم ﷺ نے میرے لئے دعا بھی فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اَذْهَبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْقَرَّ۔ یا اللہ! ان سے (نقصان دہ) گرمی سردی کو دور کر

فرماتے ہیں پس آج تک میری آنکھوں میں تکلیف نہیں ہوئی۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۷۰ مسند احمد ج ۱ ص ۹۹ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۳۵۲ فتح الباری ج ۷ ص ۶۰۶)
خیبر کے دن حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی میں ضرب لگنے سے زخم آگیا تو نبی اکرم ﷺ نے تین بار لعاب کے ساتھ پھونک ماری تو اس کے بعد ان کو کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۹۳ مسند احمد ج ۳ ص ۹۸)
حضرت فدیک رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں سفیدی تھی اور ان کو کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا اور وہ سانپ کے انڈے پر گر گئے تھے رسول اکرم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعاب کے ساتھ پھونک ماری تو (ان کی حالت یوں ہو گئی کہ) وہ اسی سال کی عمر میں سوئی میں دھاگہ ڈال لیتے تھے اور ان کی آنکھیں روشن ہو چکی تھیں۔

فصل نمبر ۳

رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے جن معجزات کے ساتھ آپ کو خاص کیا اور جن کرامات اور دلائل کے ذریعے آپ کو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقابلے میں زیادہ شرف عطا کیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۸۵)

نبی اکرم ﷺ کی فضیلت

اللہ تعالیٰ میرے اور تیرے دل کو روشن کر دے نیز میرے اور تیرے دل کو پاک کر دے جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو بعض امور کے ساتھ خاص کیا اور وہ باتیں آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں اور جس نبی کو جو کچھ دیا گیا ہمارے آقا ﷺ کو بھی اس کی مثل دیا گیا آپ کو جامع کلمات عطا کیے گئے اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے جب کہ دوسرے نبی اپنی نبوت کی حالت اور اپنے زمانہ رسالت میں ہی نبی ہوتے ہیں۔

تو جب سرکارِ دو عالم ﷺ کو یہ مقام عطا کیا گیا تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ کو تمام کامل اور مبعوث انسانوں (انبیاء کرام) سے بڑھ کر فضیلت عطا کی گئی۔

اللہ تعالیٰ امام شرف الدین بوسیری ادیب رحمہ اللہ پر رحم فرمائے انہوں نے کیا ہی اچھا کلام کہا ہے وہ فرماتے ہیں:

وکل ای اتی الرسل الکرام بها
فانہ شمس فضل ہم کو اکبھا
فانما اتصلت من نورہ بہم
یظہرن انوارہا للناس فی الظلم

”جس قدر معجزات انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں لائے درحقیقت وہ تمام آپ ہی کے نور سے ان کو

حاصل ہوئے کیونکہ آپ آفتاب کمال ہیں اور باقی انبیاء کرام حضور علیہ السلام کے مقابلے میں ستاروں کی

طرح ہیں جو علم و ہدایت کی روشنی کو جہالت کے اندھیرے میں لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں۔“

علامہ ابن مرزوق رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام میں سے ہر ایک جو معجزہ لے کر آیا وہ اسے نور محمدی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کے ذریعے حاصل ہوا اور ان کا یہ قول کتنا اچھا ہے۔

”فانما اتصلت من نورہ بہم“۔ یعنی نبی اکرم ﷺ کا نور ہمیشہ قائم رہا اور اس سے کچھ بھی کم نہ ہوا اور یہ آپ کے نور کا فیضان ہے یہ وہم نہ کیا جائے کہ آپ کا نور ان کو مل گیا اور آپ کے لئے کچھ بھی باقی نہ رہا۔

اور ہر نبی کا معجزہ رسول اکرم ﷺ کے نور سے حاصل ہوا کیونکہ آپ فضیلت کا سورج ہیں اور وہ اس سورج کے ستارے ہیں جو اس سورج کے انوار کو اندھیرے میں لوگوں کے لئے ظاہر کرتے ہیں پس ستارے خود بخود روشن نہیں ہوتے بلکہ وہ سورج سے مدد حاصل کرتے ہیں جب وہ غروب ہوتا ہے تو یہ اس کی روشنی کو ظاہر کرتے ہیں اس طرح آپ کے وجود مسعود سے پہلے انبیاء کرام آپ کی فضیلت کو ظاہر کرتے تھے پس انبیاء کرام کے ہاتھوں سے جو انوار ظاہر ہوئے وہ آپ کے نور کا فیض اور وسیع مدد ہے اور آپ کے نور میں بھی کوئی کمی نہیں آئی۔

سب سے پہلے آپ کا نور حضرت آدم علیہ السلام میں ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلیفہ بنایا اور نبی اکرم ﷺ کو جو جامع کلمات عطا کئے تھے ان کی جگہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے اور تمام اشیاء کے ناموں کے ذریعے وہ فرشتوں پر غالب آگئے جو فرشتے کہتے تھے:

اَلَّذِیْ جَعَلَ فِیْہَا مِنْ یُّفْسِدُ فِیْہَا وَ یُسْفِکُ
اَلَّذِیْ تُوِیَّاس (زمین) میں ان لوگوں کو پیدا کرتا ہے جو
اس میں فساد پھیلائیں گے اور خون بہائیں گے۔
(البقرہ: ۳۰)

پھر خلفاء کو زمین میں اتارا حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ کے جسمانی وجود مسعود کا وقت آ گیا تاکہ آپ کے مقام و مرتبہ کو ظاہر کیا جائے جب آپ تشریف لائے تو گویا آپ سورج ہیں جس کے نور میں تمام نور گم ہو گئے اور تمام انبیاء کرام کے معجزات آپ کے معجزات میں لپیٹ دیئے گئے تمام رسالتیں آپ کی صلب نبوت میں داخل ہو گئیں اور تمام نبوتیں آپ کی رسالت کے جھنڈے کے نیچے آ گئیں پس جس کو جو فضیلت دی گئی اس کی مثل رسول اکرم ﷺ کو بھی عطا کی گئی۔

دیگر انبیاء کرام کے ساتھ فضائل میں شرکت

حضرت آدم علیہ السلام کی یہ فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا تو ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کو یہ اعزاز عطا کیا کہ آپ کے سینہ مبارک کو کھول دیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے یہ کام کیا اور اس میں ایمان اور حکمت بھری اور یہ آپ کا خلق عظیم ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کی تخلیق فرمائی تو ہمارے آقا ﷺ کے خلق مبارک کی تخلیق خود فرمائی حالانکہ جیسا کہ گزر گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا مقصد نبی اکرم ﷺ کو آپ کی پشت مبارک سے پیدا کرنا تھا تو حضرت محمد ﷺ مقصود اور حضرت آدم علیہ السلام وسیلہ تھے اور مقصود کو وسیلہ پر سبقت (فضیلت) حاصل ہوتی ہے۔

اور جہاں تک حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے فرشتوں کے سجدہ کرنے کا تعلق ہے تو امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر (تفسیر کبیر) میں فرمایا کہ فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ

رسول اکرم ﷺ کا نوران کی پیشانی میں چمکتا تھا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

تجلت جل اللہ فی وجہ آدم فصلی لہ الاملاک حین تو سلوا

”اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کے چہرے (پیشانی) میں تجلی فرمائی تو

فرشتوں نے آپ کے وسیلہ سے ان کو سجدہ کیا (آپ کے نور کی وجہ سے)۔“

حضرت ابو عثمان الواعظی سے الفا کھانی نے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت امام اہل بن محمد رحمہ اللہ سے سنا وہ

فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا

أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں پس اے ایمان والو! تم بھی

(الاحزاب: ۵۶) ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

کے ذریعے آپ کو جو شرف عطا فرمایا وہ اس شرف سے زیادہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر حضرت

آدم علیہ السلام کو عطا فرمایا کیونکہ اس شرف میں (سجدہ کرنے میں) اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے ساتھ شریک ہونا جائز نہیں تو

اس اعزاز کی عطا جس میں اللہ تعالیٰ فرشتے اور مومنین شامل ہوں وہ اس اعزاز و اکرام سے زیادہ بلیغ ہے جو فرشتوں کے

ساتھ خاص ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو تمام چیزوں کے نام سکھائے گئے تو امام دیلمی نے مسند

الفرودس میں حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مثلت لی امتی فی الماء والطين و میرے لئے میری امت پانی اور گارے میں پیش کی

علمت الاسماء کلها کما علم الادم گئی اور مجھے تمام ناموں کا علم دیا گیا جیسا کہ حضرت آدم

الاسماء کلها۔ علیہ السلام کو تمام نام سکھائے گئے۔

(الدر المنثور ج ۳ ص ۳۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۵۸۸)

پس جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو تمام علوم حاصل ہوئے اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کو بھی تمام علوم بلکہ اس

سے زیادہ کا علم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان علوم کی ذاتوں کا بھی علم عطا کر کے آپ پر رحمت اور سلامتی نازل فرمائی

امام بوضیری رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

لک ذات العلوم من عالم الغیب ومنہا لادم الاسماء

”آپ کے لئے غیب جاننے والے کی طرف سے علوم کی ذات عطا ہوئی اور ان میں سے حضرت آدم

علیہ السلام کو ان کے ناموں کا علم دیا گیا۔“

اور اس میں شک نہیں کہ مسمیات (اشیاء) ناموں سے بلند مرتبہ رکھتی ہیں کیونکہ نام تو ان اشیاء کی پہچان کے لئے ہوتے ہیں پس ذاتی طور پر مقصود اشیاء ہی ہوتی ہیں ان کی طرف "ذات معلوم" کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا اور انہیں (نام) دوسروں کے لئے (اشیاء کے لئے) مقصود ہوتے ہیں لہذا وہ نچلے درجہ میں ہیں پس عالم کی فضیلت اس کی معلومات کی فضیلت کے مطابق ہوتی ہے (چونکہ حضور علیہ السلام کی معلومات اشیاء ہیں اور وہ ناموں سے افضل ہیں لہذا آپ کو آدم علیہ السلام کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے)۔

حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا. (مریم: ۵۷)

اور ہم نے ان کو بلند مقام عطا فرمایا۔

تو ہمارے آقا ﷺ کو معراج عطا کیا گیا اور ایسے مقام تک لے جایا گیا کہ وہاں تک کسی دوسرے کو رفعت عطا نہیں ہوئی۔

حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ہمراہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ڈوبنے سے بچایا اور زمین میں دھنسنے سے نجات دی تو ہمارے آقا ﷺ کو یہ اعزاز عطا فرمایا کہ آپ کی امت آسمانی عذاب سے ہلاک نہیں ہوگی۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ. اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب نہیں دے گا جب کہ

آپ ان میں موجود ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو پانی پر روک کر ان کو اعزاز بخشا تو حضرت محمد ﷺ کو اس سے بھی بڑا اعزاز عطا کیا ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ پانی کے کنارے پر تھے اور حضرت عکرمہ بن ابوجہل وہاں بیٹھ گئے کہنے لگے اگر آپ سچے ہیں تو اس پتھر کو بلائیں جو دوسری طرف ہے وہ تیرتا ہوا آئے اور غرق نہ ہوئی اکرم ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا تو وہ پتھر اپنی جگہ سے نکل کر تیرتا ہوا آپ کے سامنے آیا اور آپ کی رسالت کی شہادت دی نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے یہ کافی ہے؟

حضرت عکرمہ نے عرض کیا حتیٰ کہ اپنی جگہ چلا جائے۔ تو یہ بات دوسروں کے لئے نہیں دیکھی گئی اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (تفلیق التعلیق رقم الحدیث: ۱۹۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کی آگ ٹھنڈی اور سلامتی بن گئی تو ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کو اس کی مثل اعزاز اس طرح عطا کیا گیا کہ آپ سے لڑائی کی آگ کو ٹھنڈا کیا گیا۔

اور تمہارے لئے یہی بات کافی ہے کہ حضور علیہ السلام کی لڑائی کی آگ کے لئے تلواریں لکڑی اس کی گرمی ہلاکت اس کا سبب حسد اور مراد روح و جسم تھا (یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز عطا فرمایا اور دشمن کے مکر و فریب کو کمزور کیا)۔

ارشاد خداوندی ہے:

-(2)

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے اور آپ سے پردہ ہٹایا دیا گیا اور اگر آپ بھی دور دور سے (پردے کے پیچھے سے) خلیل ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح آپ بھی معذرت کر دیتے۔ اس سے اس بات پر تنبیہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی زیارت اور پردوں کے اٹھ جانے کا اعزاز بھی حاصل ہوا حتیٰ کہ آپ نے اپنی سر کی آنکھوں سے حق کو دیکھا جس طرح پانچویں مقصد میں اس پر بحث آئے گی۔ انشاء اللہ

خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو وہ مقام خلت بھی ملا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے مشہور ہے اور یوں ملا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ کا حصہ اس سے اعلیٰ ہے۔ اور یہ آپ کے اس قول سے ثابت ہوا جس میں انہوں نے فرمایا میں پردے کے باہر باہر سے خلیل تھا بلکہ آپ کے لئے پردہ ہٹ گیا اور آپ کو بارگاہ خداوندی کا قرب حاصل ہوا (یہاں مکان مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے)۔

تو دلیل و برہان کے ساتھ (ثابت) مقام مصطفیٰ یہ ہے (ﷺ) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ آپ نے زمین پر تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کی توحید کا اعلان کیا اور بتوں کو توڑ پھوڑ دیا تو ہمارے آقا ﷺ کو بھی یہ اعزاز حاصل ہوا کہ آپ نے ان کے مددگاروں کی موجودگی میں شاخ سے ان کو توڑا تو یہ ربانی قوت اور مادۃ الہیہ کے ساتھ توڑا کلباڑی کی بجائے سانسوں کے ذریعے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کیا کسی کدال کی مدد نہیں لی ایسا کلام بھی نہیں کیا جو دو معنوں کا احتمال رکھتا ہو اور حملہ کرنے کے لئے کوئی بہانہ نہیں تراشا بلکہ واضح الفاظ اور بلند آواز میں فرمایا:

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا
شک باطل مٹنے ہی کے لئے ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ الحرام کی تعمیر کا اعزاز عطا کیا گیا اور اس بات میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ بیت اللہ شریف جسم ہے اور اس کی روح حجر اسود ہے بلکہ وہ اس کے دل کا خاص حصہ ہے بلکہ حدیث شریف میں یوں آیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے اور یہ بات اس سے کہنا یہ ہے کہ اس کا بوسہ لیا جاتا ہے یا اسے چھوا جاتا ہے۔ جس طرح عہد و بیان کے وقت دائیں ہاتھ کو چھوا جاتا ہے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۷۲۹-۳۳۷۳۰)

اور یہ (حجر اسود) ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کو عطا کیا گیا کہ جب قریش نے بیت اللہ شریف کو گرانے کے بعد تعمیر کیا اور صرف حجر اسود رکھنا باقی رہ گیا تو انہوں نے فخر کی وجہ سے ایک دوسرے سے جھگڑا کیا پھر وہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہوا اسے فیصل تسلیم کریں گے۔

چنانچہ اتفاق ایسا ہوا کہ ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ پہلے داخل ہوئے تو انہوں نے کہا ”ہذا الامین“ (یہ امین ہیں) تو انہوں نے آپ کو اس سلسلے میں فیصل مقرر کیا آپ نے چادر بچھانے کا حکم دیا پھر اس میں حجر اسود کو رکھا اس کے بعد فرمایا کہ ہر قبیلہ ایک طرف کو پکڑ کر اٹھائے چنانچہ ان سب نے اٹھایا پھر ہمارے آقا ﷺ نے اسے اٹھا کر اس کے مقام پر رکھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام آپ کے لئے رکھا تا کہ رہتی دنیا تک آپ کی تعریف ہوتی رہے۔

(سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۰۸ البدلیۃ والنہایہ ج ۲ ص ۲۷۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عطا ہوا کہ آپ کا عصا سانپ میں بدل جاتا لیکن بولتا نہیں تھا تو ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کو کھجور کے خشک تنے (ستون) کے رونے کا معجزہ عطا کیا گیا اس کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اور دوسرے حضرات نے بھی لکھا ہے کہ جب ابو جہل نے آپ کو پتھر مارنے کا ارادہ کیا تو اس نے آپ کے دونوں کانڈھوں پر دو سانپ دیکھے پس وہ خوفزدہ ہو کر واپس چلا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوسرا معجزہ سفید ہاتھ کی صورت میں دیا گیا اور اس کی سفیدی آنکھوں کو ڈھانپ لیتی تھی تو ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ایک ایسا دائمی نور عطا کیا گیا جو آپ کے آباؤ اجداد کی پشتوں سے آپ کی ماؤں (دادیوں) کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا اور یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک جاری رہا اور نبی اکرم ﷺ نے حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو ایک نہایت تاریک رات میں ایک لالھی عطا فرمائی انہوں نے آپ کے ہمراہ عشاء کی نماز پڑھی تھی (پھر گھر جانے لگے تو یہ لالھی دے کر) فرمایا کہ یہ لالھی آپ کے آگے اور پیچھے دس دس گز تک روشنی دے گی پس جب تم اپنے گھر میں داخل ہو جاؤ گے تو اندھیرا دیکھو گے تو اسے مارتا یہاں تک کہ وہ چلا جائے وہ شیطان ہے پس وہ تشریف لے گئے اور لالھی نے ان کو روشنی دی حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور وہ سیاہی پائی اور اسے مارا تو وہ نکل گئی۔

امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا وہ فرماتے ہیں حضرت عباد بن بشر اور حضرت اسید بن حنظلہ رضی اللہ عنہما کسی کام کے لئے حضور علیہ السلام کے پاس موجود تھے حتیٰ کہ رات کا کچھ حصہ گزر گیا اور اس رات سخت اندھیرا تھا پھر وہ دونوں وہاں سے نکلے اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں عصا تھا پس ان دونوں کے لئے ایک عصا روشن ہو گیا اور وہ دونوں اس کی روشنی میں چلے حتیٰ کہ جب ان کا راستہ جدا ہوا تو ہر ایک اپنے اپنے عصا کی روشنی میں چلنے لگا حتیٰ کہ وہ اپنے اپنے مقام مقصود تک پہنچ گئے۔ امام بخاری نے اس کی مثل حدیث ”اپنی صحیح میں“ نقل کی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵-۳۶۳۹-۳۸۰۵)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ”اپنی تاریخ میں“ اور امام بیہقی نیز ابونعیم نے حضرت حمزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے پھر اندھیری رات میں الگ الگ ہو گئے تو میرے انگلی روشن ہو گئی حتیٰ کہ ان کی سواریاں اس کے پاس جمع ہو گئیں اور ان میں سے کوئی بھی ہلاک نہ ہوا اور بے شک میری انگلی روشن رہی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ بھی عطا ہوا کہ آپ کے لئے دریا پھٹ گیا اور ہمارے آقا ﷺ کو چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ ملا جیسا کہ گزر چکا ہے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تصرف زمین میں تھا اور ہمارے آقا ﷺ نے آسمانی دنیا میں تصرف فرمایا اور دونوں میں فرق واضح ہے۔ یہ بات ابن منیر نے کہی ہے۔

ابن حبیب نے ذکر کیا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک سمندر ہے جس کو مکفوف کہا جاتا ہے اس کے مقابلے میں زمین کا سمندر ایسا ہے جیسے سمندر کا ایک قطرہ ہو۔

ابن منیر کہتے ہیں اس بنیاد پر یہ سمندر ہمارے نبی ﷺ کے لئے پھنسا حتیٰ کہ آپ اس سے تجاوز کر گئے یعنی معراج شریف کی رات ایسا ہوا اور اس سمندر کا پھٹ جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریا کے پھٹنے سے بڑا معجزہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ ان کی دعا قبول ہوتی اور ہمارے نبی ﷺ کو یہ اعزاز بے شمار مرتبہ حاصل ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ آپ کے لئے پتھر سے پانی جاری ہوا جب کہ ہمارے سردار حضرت

محمد ﷺ کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی جاری ہوا اور یہ زیادہ بلیغ ہے کیونکہ پتھر زمین کی جنس سے ہے جس سے پانی نکلتا ہے اور عادتاً گوشت میں سے پانی نہیں نکلتا۔ اللہ تعالیٰ شاعر پر رحم فرمائے وہ کہتے ہیں:

وکل معجزة للرسول قد سلفت
وافی باعجب منها عند اظهار
فما العصاحیة تسعى باعجب من
شکوی البعیر ولا من مشی اشجار
ولا انفجار معین الماء من حجر
اشد من سلسل من کفه جار

”رسولوں کے جتنے معجزات گزر گئے ہیں یہ اظہار کے وقت ان سب سے زیادہ تعجب خیز ہیں (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا) سانپ جو اڑدھا کی صورت میں دوڑ رہا تھا وہ (حضور علیہ السلام کی خدمت میں) اونٹ کی شکایت اور درختوں کے چلنے سے زیادہ تعجب خیز نہیں ہے۔ اور اسی طرح پتھر سے پانی کا نکلتا آپ کی ہتھیلی سے جاری ہونے والے پانی کے مقابلے میں زیادہ تعجب میں ڈالنے والا نہیں ہے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل ہوا تو ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی معراج کی رات اور قرب خداوندی کے وقت یہ اعزاز ملا نیز نبی اکرم ﷺ کا مقام مناجات آسمانوں سے اوپر بلندی یا سدرۃ المنتہیٰ جہاں (تقدیر لکھنے والی) قلموں کے چلنے کی آواز آتی، نور کے پردوں اور رُفرف ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام مناجات طور سیناء ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کو زبان کی فصاحت عطا کی گئی تو ہمارے نبی ﷺ کو افضل محل اور ایسی جگہ فصاحت دی گئی جہاں جہالت نہیں بعض صحابہ کرام نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھتے آپ نے فرمایا مجھے فصاحت سے رکاوٹ کیوں ہوتی جب کہ قرآن میری زبان یعنی واضح عربی زبان میں نازل ہوا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۸۰)

حضرت ہارون علیہ السلام کی فصاحت کی انتہاء یہ تھی کہ وہ عبرانی زبان میں تھی اور عربی زبان اس کے مقابلے میں زیادہ فصیح ہے۔

کیا حضرت ہارون علیہ السلام کی فصاحت معجزہ تھا؟ تو ابن منیر نے کہا ظاہر یہ ہے کہ یہ معجزہ نہیں تھا البتہ فضیلت تھی۔ اور ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی نبی نے فصاحت کے ساتھ چیلنج نہیں کیا کیونکہ یہ خصوصیت کتاب عزیز کے علاوہ نہیں ہو سکتی۔

اور آپ کی فصاحت جو ان جامع کلمات میں ہے جن کا تعلق قرآن مجید سے نہیں بلکہ احادیث میں شمار ہوتے ہیں کیا ان کے مقابل لانے کا چیلنج ہوا تو آپ کے اس قول مبارک کہ:

اوتیت جوامع الکلم۔ مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے۔

سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اپنے خصائص کا ذکر فرمایا لیکن اس اعتبار سے کہ ان میں غیب کی خبریں بھی شامل ہیں ان کلمات کے معجزہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (مسلم رقم الحدیث: ۷۰۷۸، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۰، ۵۰۱ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۷۲، کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۳، اتحاف السادة المتعلمین ج ۷ ص ۱۱۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۶۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نصف حسن عطا ہوا تو ہمارے آقا ﷺ کو مکمل حسن عطا کیا گیا ان شاء اللہ اس بات کی

طرف اشارہ معراج شریف سے متعلق مقصد میں آئے گا اور میں نے آپ کی جو صفات ذکر کی ہیں جو شخص اس میں غور کرے اس کے لئے اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ جو بھی کسی قبیلے میں حسن کے ساتھ مشہور ہے ہمارے آقا ﷺ کو اس پر فضیلت حاصل ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر سکھائی گئی تو آپ سے تین خوابیں منقول ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے گیارہ ستاروں نیز سورج اور چاند کو دیکھا۔

دوسرا خواب دو قیدیوں سے متعلق تھا اور تیسرا خواب بادشاہ کا خواب تھا۔ اے اور ہمارے آقا ﷺ نے بے شمار خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی جو آدمی احادیث و آثار میں غور و فکر کرے گا تو عجیب سے عجیب تر باتیں پائے گا اور اس میں سے کچھ عنقریب آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ آپ کے ہاتھ میں لوبا نرم ہو جاتا تھا تو ہمارے آقا ﷺ کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ ایک خشک ٹہنی آپ کے دست مبارک میں سرسبز اور نرم ہو گئی اور آپ نے حضرت ام مہدی کی بکری کو ہاتھ لگایا جو خارش زدہ تھی تو وہ ٹھیک ہو کر دودھ دینے لگی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں سے کلام کرنے اور شیطانوں نیز ہوا کو ان کے لئے مسخر کرنے کے اعتبار سے معجزہ عطا ہوا اور ایسی بادشاہی عطا ہوئی جو ان کے بعد کسی کو نہیں دی گئی تو ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس کی مثل بلکہ اس سے زائد عطا کی گئی۔

جہاں تک پرندوں اور وحشی جانوروں سے گفتگو کا تعلق ہے تو ہمارے نبی کریم ﷺ سے پتھروں نے کلام کیا اور کنکریوں نے آپ کی ہتھیلی میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی حالانکہ وہ جمادات ہیں اور زہری ہوئی بکری کے بازوؤں نے آپ سے گفتگو کی جیسا کہ غزوہ خیبر کے بیان میں گزر چکا ہے۔

اسی طرح آپ سے ہرن نے کلام کیا اور اونٹ نے شکایت کی جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک پرندے کو اس کے بچے کی وجہ سے پریشان کیا گیا تو وہ آپ کے سر پر اڑتا اور کلام کرتا تھا آپ نے فرمایا اس پرندے کو اس کے بچے کی وجہ سے کس نے ستایا ہے؟ ایک صاحب نے کہا میں نے ایسا کیا ہے آپ نے فرمایا اس کے بچے کو لوٹا دو۔

یہ واقعہ امام رازی نے ذکر کیا اور امام ابو داؤد نے ان الفاظ میں نقل کیا راوی فرماتے ہیں: ہم ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک لالی (پرندہ) دیکھی جس کے ساتھ اس کے دو بچے بھی تھے ہم نے اس کے بچوں کو پکڑ لیا لالی آ کر بچھنے لگی (پریشانی میں زمین لے بادشاہ کے دو غلام تھے ایک کے ذمہ پانی اور دوسرے کے ذمہ کھانے کا انتظام تھا ان دونوں نے خواب دیکھا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی تعبیر بتائی اور بادشاہ نے ایک خواب دیکھا کہ سات گائے جو موٹی تھیں سات دلی گایوں کو کھا رہی تھیں اور گندم کی سات ہالیں سبز اور سات خشک ہیں تو آپ نے اس کی تعبیر بیان فرمائی کہ سات سال خوشحالی ہوگی اور پھر سات سال قحط ہوگا۔ ۱۲ ہزاروی

پر لوٹ پوٹ ہونے لگی۔ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو فرمایا اسے کس نے اس کے بچوں کی وجہ سے ستایا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۷۵، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۱۸، دلائل النبوة ج ۶ ص ۳۳، المسند رک ج ۳ ص ۲۳۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۵۳۳، البدلیہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۵۸، نصب الراية ج ۳ ص ۲۰۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۷۳۶)

اور بھیڑیے کا آپ سے کلام کرنا مشہور واقعہ ہے (پہلے گزر چکا ہے) اور ہوا جو ایک مہینے کی مسافت صبح کے وقت اور ایک مہینے کی مسافت شام کے وقت طے کرتی، حضرت سلیمان علیہ السلام زمین کے جس کنارے پر جانے کا ارادہ کرتے، وہ آپ کو بلے کر جاتی تو ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو براق عطا کیا گیا جو ہوا سے بھی زیادہ تیز اور چپکنے والی بجلی سے بھی زیادہ تھا اس نے ایک ساعت میں آپ کو زمین سے اٹھا کر عرش تک پہنچا دیا اور اس کی کم از کم مسافت سات ہزار سال کی تھی اور یہ آسمانوں کی مسافت تھی اور وہ جو مستوی تک اور رفرف تک مسافت ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر ہوتی تاکہ آپ کو زمین کے مختلف کناروں تک لے جائے اور ہمارے نبی ﷺ کے لئے زمین کو لپیٹ دیا گیا یعنی جمع کیا گیا حتیٰ کہ آپ نے اس کے بشرقوں اور مغربوں کو دیکھا تو جو زمین کی طرف دوڑے اس میں اور جس کے لئے زمین دوڑے اس میں فرق واضح ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ بھی اعزاز تھا کہ آپ کے لئے شیطان کو مسخر کیا گیا تو ایک روایت میں ہے کہ شیطانوں کا باپ ابلیس نبی اکرم ﷺ کے سامنے آیا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر قدرت دی تو آپ نے اسے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ (باندھنا چاہا)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۱۰-۱۲۱۰-۳۲۸۳-۳۳۲۳-۳۸۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۸، شرح السنہ ج ۳ ص ۲۶۹، اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۲۸۶، دلائل النبوة ج ۷ ص ۹۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۸، المغنی ج ۳ ص ۳۶، البدلیہ والنہایہ ج ۸ ص ۵۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۵۶)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اعزازات سے بہتر اعزاز جو آپ کو عطا کیا گیا وہ جنوں کا نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانا ہے پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے خدمت لی اور نبی اکرم ﷺ نے ان سے اسلام کا مطالبہ کیا اور جنوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شمار کیا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ. اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنوں میں سے ان کے لشکر کو جمع کیا گیا۔

اور اس سے بہتر فرشتوں کو جن میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی شامل ہیں رسول اکرم ﷺ کے لشکروں میں شمار کیا گیا کہ انہوں نے جہاد بھی کیا اور آپ کے لشکروں میں اضافہ کا باعث بھی بنے۔

۱۔ ”صحیح بخاری میں ہے“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ شیطان میرے سامنے آیا تو مجھے سخت کوفت ہوئی کہ وہ میری نماز توڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر طاقت دی پس میں نے اسے دور کر دیا اور میں نے ارادہ کیا کہ اسے ستون سے باندھ دوں حتیٰ کہ صبح ہو جائے اور صحابہ کرام اسے دیکھیں لیکن مجھے خیال آیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایسی بادشاہی کا سوال کیا تھا جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو (تو چھوڑ دیا) پس وہ ذلیل ہو کر چلا گیا۔ (زر قانی ج ۵ ص ۲۰۰)

اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں پرندوں کو شمار کیا گیا تو اس سے زیادہ تعجب خیز بات غار ثور کی کبوتری اور ایک ساعت میں اس کے اپنے لئے گھونسلا بنانا اور دشمن کے ہتھالے میں آپ کی حمایت کرنا تھا اور لشکر کی زیادتی سے مقصود بھی حمایت اور مدد ہی ہے اور یہ مقصود ایک چھوٹی سی چیز کے ساتھ بہت بڑی چیز سے (حفاظت کے طور پر) حاصل ہوا (کبوتری چھوٹی اور دشمن بڑا تھا)۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہی عطا کی گئی تو ہمارے آقا ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ آپ نبی بادشاہ بننا چاہتے ہیں یا نبی بندہ؟ تو آپ نے نبوت کے ساتھ بندگی کو اختیار کیا۔

اللہ تعالیٰ شاعر کو جزائے خیر عطا کرے جس نے کہا:

یا خیر عبد علی کل الملوک ولی۔ اے وہ بہترین انسان جس نے بندگی اختیار کر کے

تمام بادشاہوں پر ولایت حاصل کر لی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا گیا کہ آپ مادر زاد اندھے اور کوڑھ کے مریض کو درست کر دیتے تھے اور مردوں کو زندہ کرتے تو ہمارے آقا ﷺ کو یہ معجزہ عطا کیا گیا کہ آپ نے باہر نکلی ہوئی آنکھ واپس اس کی جگہ رکھ دی پس وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی۔

امام بیہقی کی کتاب ”دلائل النبوة“ میں اس شخص کا واقعہ مذکور ہے جس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہ کر دیں میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا اس حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس لڑکی کی قبر پر تشریف لائے اور فرمایا اے فلاں لڑکی! تو اس نے کہا بلیک وسعدیک یا رسول اللہ! یہ حدیث گزر چکی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاذ بن عفرہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو برص کی بیماری تھی اس نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے اپنا عصا مبارک اس پر پھیرا پس اللہ تعالیٰ اس کی برص والی بیماری کو لے گیا۔ یہ بات امام رازی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے نیز آپ کی ہتھیلی میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی پھر نے آپ کو سلام کیا آپ کے فراق میں ستون رویا اور یہ مردوں کے کلام کرنے سے زیادہ مبلغ ہے کیونکہ یہ چیزیں اس جنس سے ہیں جو کلام نہیں کرتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ بھی عطا ہوا کہ لوگ جو کچھ اپنے گھروں میں چھپاتے تھے آپ ان کو جان لیتے تھے۔ اور ہمارے آقا ﷺ کو اس انداز کے بے شمار واقعات پر مبنی معجزہ دیا گیا ان شاء اللہ عنقریب کافی وشافی بحث آئے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ اعزاز ہے کہ آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تو ہمارے نبی ﷺ کو معراج کی رات یہ اعزاز عطا ہوا بلکہ آپ کے درجات میں مزید ترقی ہوئی اور مناجات کی سماعت نیز مشاہدات کے ساتھ بارگاہ قدس کی حاضری بھی نصیب ہوئی۔

رسول اکرم ﷺ کی مزید خصوصیات

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو بعض خصوصیات کریمہ کے ساتھ خاص فرمایا جو دوسرے کبھی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اعطیت خمساً لم يعطهن احد قبلى
كان كل نبى بعث الى قومه خاصة وبعث
الى كل احمر واسود واحلت لى الغنائم
ولم تحل لاحد قبلى وجعلت لى
الارض مسجداً وطهوراً فايما رجل من
امتى ادر كنه الصلاة فليصل حيث كان
ونصرت بالرعب مسيرة شهر واعطيت
الشفاعة.

مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا
نہیں ہوئیں ہر نبی ایک خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا
اور میں ہر سرخ و سیاہ کی طرف مبعوث ہوا میرے لئے مال
غنیمت حلال ہوا جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا
میرے لئے تمام زمین کو سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے
(قیام کرنے) کا ذریعہ بنایا گیا پس میری امت کا جو شخص
نماز (کا وقت) پائے تو وہ جہاں بھی ہو نماز پڑھے ایک مہینے
کی مسافت سے رعب سے میری مدد کی گئی اور مجھے شفاعت
عطا کی گئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵-۳۳۸-۳۳۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳ سنن نسائی ج ۱ ص ۲۱۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۴ ج ۵
ص ۱۲۸ سنن دارمی ج ۲ ص ۲۲۳ سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۱۲ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۳۵ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۵۹ الدر المنثور ج ۵
ص ۲۳۷ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۴۷ اتحاف السادة المتقين ج ۱ ص ۲۳۷ حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۱۶ البدیۃ والنہایہ ج ۳
ص ۲۹۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۳۰-۳۲۰۶۲-۳۲۰۶۵)

ایک اور روایت میں ہے:

وبعثت الى الناس كافة.
اور مجھے تمام لوگوں کے لئے کفایت کرنے والا (نبی)
بنا کر بھیجا گیا۔

امام بخاری نے نماز کے بیان میں حضرت محمد بن سنان رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ اضافہ کیا:
(یعنی) انبیاء کرام میں سے (کسی کو یہ باتیں عطا
نہیں کی گئیں)۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح ہے:
اعطيت خمساً لم يعطهن نبى قبلى
ولا اقوله فخراً.

اسی میں ہے آپ نے فرمایا:
واعطيت الشفاعة لاخترتها لامتى
فهى لمن لا يشرك بالله شيئاً.

مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو
عطا نہیں کی گئیں اور میں یہ بات بطور فخر نہیں کہتا۔

اور مجھے شفاعت عطا کی گئی اور میں نے اسے اپنی
امت کے لئے اختیار کیا پس یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو
اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

ابن کثیر کے مطابق اس کی سند عمدہ ہے۔

اس حدیث سے آپ کے خصائص گوان پانچ باتوں میں محدود کرنا مراد نہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فصلت علی الانبیاء بست اعطیت
جوامع الکلم ونصرت بالرعب وجعلت
لی الارض طهوراً ومسجداً وارسلت
الی الخلق كافة وختم بی النبیون۔
مجھے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ باتوں کے
ذریعے فضیلت دی گئی ہے مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے
رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی زمین کو میرے لئے پاک
کرنے والی اور جائے سجدہ بنایا گیا مجھے تمام مخلوق کی طرف
رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم کیا
گیا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۱۲، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۳۲، دلائل النبوة ج ۵ ص ۲۷۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۳۸، الدر المنثور ج ۳ ص ۲۰۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۳۲)
تو اس حدیث میں شفاعت کے علاوہ باقی ان چار باتوں کا بھی ذکر ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں
مذکور ہیں اور خصلتوں کا اضافہ بھی ہے ایک یہ کہ مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے اور دوسری یہ کہ مجھے آخری نبی بنایا گیا تو
حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت اور اس روایت کو ملانے سے سات باتیں حاصل ہوئیں۔
امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

فضلنا علی الناس بثلاث جعلت
صفوفنا کصفوف الملئکة۔
ہمیں لوگوں پر تین باتوں کے ساتھ فضیلت دی گئی
ہماری صفوں کو فرشتوں کی صفوں کی طرح بنایا گیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۱۳، الدر المنثور ج ۵ ص ۲۹۳، تمہید ج ۵ ص ۲۲۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۳۶، تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۲۱۳، مشکل لا جارج ص ۳۵۰، فتح الباری ج ۱ ص ۵۷۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۱۲، ۳۲۰۷۵)
زمین کی خصلت (اس کا مسجد اور طہارت کا باعث ہونا) بھی ذکر کیا جیسا کہ گزر گیا راوی فرماتے ہیں ایک اور
خصلت کا بھی ذکر فرمایا۔

اور یہ خصلت مبہم ہے حضرت ابن خزیمہ اور امام نسائی رحمہما اللہ نے اسے بیان کیا اور یہ اس طرح ہے کہ مجھے سورۃ بقرہ
کے آخر سے یہ آیات عرش کے نیچے خزانے سے عطا کی گئیں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی امت سے
بوجھ اتارا گیا اور وہ بوجھ نہیں لادا گیا جس کی انہیں طاقت نہیں نیز خطا اور نسیان (بھولنے) کو اٹھایا گیا۔
پس یہ سات خصلتیں ہو گئیں۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ مجھے چار باتیں عطا کی گئیں جو مجھ
سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں مجھے زمین کی چابیاں عطا کی گئیں میرا نام احمد (ﷺ) رکھا گیا میری امت کو سب سے

بہتر امت بنایا گیا۔ نیز مٹی کی خصلت بھی ذکر کی۔

تو اس طرح یہ کل بارہ خصلتیں ہو گئیں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۸، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۸۵، فتح الباری ج ۱ ص ۵۷۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۶۷)

امام بزار رحمہ اللہ نے ایک اور سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضلت علی الانبیاء، غفر لی ما تقدم
من ذنبی وما تاخر، وجعلت امتی خیر
الامم، واعطیت الکونین، وان صاحبکم
لصاحب لواء الحمد یوم القیامة، تحتہ
آدم فمن دولہ۔

مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی میرے
تمام پہلے اور پچھلے خلاف اولیٰ کام بخش دیئے گئے، میری
امت کو تمام امتوں سے بہتر بنایا گیا، مجھے حوض کوثر عطا کیا
گیا اور بے شک تمہارے صاحب (حضور علیہ السلام)
قیامت کے دن حمد کے جھنڈے والے ہوں گے جس کے
نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ (سب) ہوں
گے اور وہ دو باتیں بھی ذکر کیں جو پہلے ذکر ہو چکی ہیں۔

امام بزار رحمہ اللہ ہی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضلت علی الانبیاء بخصلتین: کان
شیطاننی کافراً فاعاننی اللہ علیہ فاسلم
مجھے (دیگر) انبیاء کرام پر دو باتوں کی وجہ سے
فضیلت دی گئی میرا (ساتھی) شیطان کافر تھا پس اللہ تعالیٰ
نے اس پر میری مدد کی تو وہ مسلمان ہو گیا۔

راوی فرماتے ہیں میں دوسری بات بھول گیا۔
تو اس طرح یہ سترہ خصلتیں بن جاتی ہیں اور جو آدمی تلاش کرے تو ممکن ہے اس سے زیادہ بھی پائی جائیں۔
حضرت ابوسعید نیشاپوری رحمہ اللہ نے کتاب ”شرف المصطفیٰ (ﷺ)“ میں لکھا ہے کہ جو خصائص نبی اکرم
ﷺ کو خصوصی طور پر عطا کئے گئے وہ ساٹھ ہیں تو اس بات کو ان روایات کے ساتھ یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ شاید پہلے
آپ بعض امور منصفہ پر مطلع ہوئے ہوں اس کے بعد باقی پر اطلاع ہوئی۔
اور جو لوگ مفہوم عدد کو حجت نہیں سمجھتے وہ اس اشکال کو سرے سے ہی دور کر دیتے ہیں اور بعض علماء نے ذکر کیا کہ
رسول اکرم ﷺ کو تین ہزار معجزات اور خصوصیات عطا کی گئیں۔

علم بالخصائص کے فائدہ میں اختلاف

نبی اکرم ﷺ کے خصائص سے متعلق علم میں اختلاف ہے۔ شافعی مسلک کے صمیری نے کہا کہ ابوعلی بن خیران
نے ان میں کلام کرنے سے منع فرمایا کیونکہ یہ بات ہو چکی ہے لہذا اب اس میں کلام کا کیا فائدہ ہے اور امام الحرمین نے
فرمایا کہ محققین کہتے ہیں خصائص سے متعلق مسائل میں اختلاف کا ذکر بے مقصد اور بے فائدہ ہے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی

ایسا فوری حکم متعلق نہیں جس کی حاجت ہو اختلاف تو وہاں جاری ہوتا ہے جہاں حکم کا اجر ضروری ہو کیونکہ یہاں قیاس کی مجال نہیں اور خصوصی احکام کے سلسلے میں نصوص کی اتباع کی جاتی ہے اور جس میں نص نہ ہو اس میں اختلاف کسی فائدے کے بغیر غیب کی باتیں کرنا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ”الروضۃ“ اور ”التہذیب میں“ یہ دونوں کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ تمام اصحاب شافعی نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ صحیح بات ہے کیونکہ اس سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہ اصحاب شافعی کا کلام ہے اور بہتر بات یہ ہے کہ اس بات کے جواز کا عقیدہ رکھا جائے بلکہ مستحب سمجھا جائے اگر واجب کہا جائے تو بھی بعید از عقل نہیں کیونکہ بعض اوقات ایک جاہل شخص بعض خصائص کو حدیث میں ثابت دیکھتا ہے تو اصل تعمیل حکم کے تحت اس پر عمل کرتا ہے پس اس کی پہچان کے لئے بیان واجب ہوتا کہ وہ عمل نہ کرے پس اس سے اہم فائدہ کیا ہو سکتا ہے البتہ جو لوگ خصائص کے سلسلے میں بے مقصد چھان بین کرتے ہیں وہ تھوڑے ہیں اور فقہ کے ابواب اس قسم کی باتوں سے خالی نہیں کیونکہ مقصد تربیت دلائل کی معرفت اور کسی بات کی تحقیق ہے۔

خصائص نبوی کے مراجع

میں نے نبی اکرم ﷺ کے ان خصائص کو جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف عطا فرمایا اور جن فضائل کے ذریعے آپ کو مکرم و محترم بنایا کتب علماء میں تلاش کیا جس طرح ابن سبع کی کتاب ”الخصائص“ امام نووی کی ”خصائص الروضۃ“ حجازی کی ”المختصر“ ابن ملقن کی ”شرح حاوی“ شیخ الاسلام زکریا انصاری کی ”شرح السجہ“ شیخ قطب الدین الخیضری کی ”اللفظ المکرم فی خصائص النبی“ وغیرہ اور میں نے معجزات کی فصل میں اس سے بہت فائدہ حاصل کیا اور فتح الباری کے مطالعہ کے دوران بھی میں نے اسے دیکھا اسی طرح امام نووی کی شرح مسلم اور عراقی کی ”تقریب الاسانید“ وغیرہ جن کا ذکر طویل ہے تو ان سب کتب سے مجھے کچھ نہ کچھ حاصل ہوا کئی ائمہ نے ان خصائص کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلی قسم: واجب خصائص

نبی اکرم ﷺ کی کچھ خصوصیات واجب ہیں اور اس میں حکمت یہ ہے کہ آپ کو قرب خداوندی زیادہ سے زیادہ حاصل ہو کیونکہ تقرب حاصل کرنے والے محض فرائض کی ادائیگی سے اس کے قریب نہیں ہو سکتے (اگرچہ قرب خداوندی کے حصول کے لئے فرائض کی ادائیگی نہایت ضروری ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو بعض واجبات کے ساتھ خاص کیا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آپ ان لوگوں کے مقابلے میں ان واجبات کو زیادہ قائم کر سکتے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس کی وجہ آپ کو زیادہ سے زیادہ اجر عطا کرنا مقصود ہے۔

پس ایک مذہب کے مطابق آپ پر چاشت کی نماز فرض کی گئی لیکن صحیح حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول اس طرح ہے:

ما زابت رسول اللہ ﷺ یسبح میں نے نبی اکرم ﷺ کو چاشت کے وقت نماز سبحة الضحیٰ پڑھتے نہیں دیکھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۱۷، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷-۸۱، مسند احمد ج ۶ ص ۸۵-۲۳۸) یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس نماز کے وجوب کا قول ضعیف ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

اس پر مزید گفتگو ان شاء اللہ مقصد عبادات کے ضمن میں چاشت کی نماز سے متعلق ذکر میں آئے گی۔ اور کیا آپ پر چاشت کی کم از کم دو رکعتیں یا زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات نماز واجب تھی یا کمال کے قریب تھی (یعنی چار رکعات تھیں)؟

تو حجازی کہتے ہیں اس سلسلے میں کوئی بات منقول نہیں لیکن مسند امام احمد میں ہے آپ نے فرمایا: امرت برکعتی الضحیٰ ولم تو مروا مجھے چاشت کی دو رکعتوں کا حکم دیا گیا اور تمہیں اس بات کا حکم نہیں دیا گیا۔ بہما۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۲-۳۱۷، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۲۳۳۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۸۶) ان امور میں سے نماز وتر اور فجر کی دو رکعتیں بھی ہیں جیسا کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے ”المسند رک“ میں اور دوسرے حضرات نے بھی نقل کیا۔ امام احمد اور طبرانی کے الفاظ اس طرح ہیں: ثلاث علی فريضة وهن لكم تطوع الوتر مجھ پر تین کام فرض ہیں جب کہ یہ باتیں تمہارے لئے نفل ہیں وتر فجر کی دو رکعتیں (سننیں) اور چاشت کی دو رکعتا الفجر ورکعتا الضحیٰ۔ رکعتیں۔

(أخبر ج ۹ ص ۲۳۲، إعلل المستأب ج ۱ ص ۲۵۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۵۳۰) اور ان میں سے بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کا سواری پر وتر پڑھنا ثابت ہے اگر یہ نماز واجب ہوتی تو سواری پر پڑھنا جائز نہ ہوتا۔

نوٹ: حنفی فقہ کے مطابق وتر نماز است پر بھی واجب ہے جس پر کتب فقہ میں دلائل مذکور ہیں۔ ۱۲ ہزاروی اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ آپ کا سواری پر نماز پڑھنا بھی آپ کی خصوصیات میں سے ہے جیسا کہ آپ سے مخصوص مباح امور کے بارے میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن اس کا جواب دیا گیا کہ یہ بات دلیل کی محتاج ہے اور آپ پر کتنی رکعات وتر واجب تھیں؟ تو حجازی کہتے ہیں میں نے اس سلسلے میں کوئی روایت نہیں دیکھی۔

نماز تہجد کی فرضیت بھی آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنْ الْكَيْلِ فَتَهَجِّدْ بِهٖ نَائِلَةً لَّكَ
اور آپ رات کو تہجد پڑھیں یہ آپ پر ایک زائد فرض

ہے۔

یعنی دیگر فرض نمازوں سے زائد فرض ہے یا یہ کہ آپ کے لئے فضیلت کا باعث ہے کیونکہ اس کا وجوب آپ کے

ساتھ خاص ہے۔

اس بات کو امام رافعی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا اور امام نووی رحمہ اللہ نے جمہور سے نقل کیا پھر فرمایا کہ شیخ ابو حامد رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس بات کو صراحتاً ذکر کیا کہ آپ کے حق میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا جس طرح دوسروں کے حق میں منسوخ ہوا۔

خصوصیات نبویہ میں سے ایک خصوصیت جو واجب ہے، مسواک ہے اس پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا جو حضرت امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن ابی حنظلہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ کو ہر نماز کے لئے وضو کا حکم دیا گیا چاہے آپ کا وضو ہوتا یا نہ جب یہ بات آپ کے لئے مشقت کا باعث ہوئی تو آپ کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیا گیا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۸۸۱ سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۸ المسند رک ج ۱ ص ۱۵۶) اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق راوی ہے اور اس نے عنہ (عن فلاں عن فلاں) کے طور پر حدیث کو روایت کیا اور وہ مدلس ہے (راوی کو چھوڑتا ہے)۔

اور جن لوگوں کے نزدیک آپ پر مسواک کرنا واجب نہیں تھی ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام جب بھی میرے سامنے آئے انہوں نے مجھے مسواک کے بارے میں کہا حتیٰ کہ مجھے ڈر ہوا کہ وہ مجھ پر اور میری امت پر فرض نہ ہو جائے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۹۰ مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۳ المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۳۹ الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۳ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۸۶) امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی سند میں حضرت واثلہ بن اثفق رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے مسواک کا حکم دیا گیا حتیٰ کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں مجھ پر فرض نہ ہو جائے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۹۰ بیع الجوامع رقم الحدیث: ۴۴۲۳-۴۴۳۰-۴۴۳۶ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۹۸ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۶۶) اس حدیث کی سند حسن ہے اور خصائص صحیح دلیل سے ثابت ہوتے ہیں یہ بات ”شرح تقریب اسانید“ میں کہی گئی ہے۔ انہی واجب خصائل میں سے ایک قربانی کرنا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (الکوثر: ۲)

پس آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں اور قربانی

کریں۔

امام دارقطنی اور امام حاکم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے

فرمایا:

ثلاث هن على فرائض و هن لكم
تطوع السحر والوتر و ركعتا الفجر.
تین باتیں ایسی ہیں جو مجھ پر فرض اور تمہارے لئے
نفل ہیں قربانی، وتر اور صبح کی دو رکعتیں۔

اسی طرح مشورہ کرنا بھی آپ پر لازم تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:

و شاورهم فی الامر.
آپ معاملات میں ان سے مشورہ کیا کریں۔

اس آیت کے ظاہر سے وجوب معلوم ہوتا ہے بعض نے کہا مستحب ہے تاکہ صحابہ کرام حقے دل آپ کی طرف مائل

رہیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی رائے معلوم کریں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”معرفۃ السنن والایثار“ میں امام شافعی رحمہ اللہ
سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں آپ پر مشورہ کرنا واجب نہ تھا جس طرح حجازی وغیرہ نے کہا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مشورہ کرنے کا حکم کیوں دیا اس معنی میں اختلاف ہے حالانکہ آپ عقل کامل اور
صائب رائے کے مالک تھے آپ پر مسلسل وحی آ رہی تھی اور امت پر آپ کی اطاعت واجب تھی بعض حضرات نے فرمایا
کہ یہ آیت معنوی اعتبار سے خاص ہے اگرچہ لفظاً عام ہے یعنی ان امور میں ان سے مشورہ کیجئے جن میں آپ سے اللہ
تعالیٰ کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت: و شاورهم فی بعض
الامور بعض امور میں ان سے مشورہ کریں۔ دلالت کرتی ہے۔

کلبی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن سے مقابلے اور جہاد کے موقع پر دشمن کے مکرو فریب کی صورت میں
ان کی رہنمائی فرمائیں۔

حضرت قتادہ اور حضرت مقاتل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ عرب کے معززین سے جب کسی کام میں باہم مشورہ نہ لیا
جاتا تو یہ بات ان کے لئے باعث مشقت ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان سے مشورہ کرنے کا حکم دیا اور یہ
بات ان کے لئے زیادہ شفقت اور ان کی قلبی خوشی کا باعث ہوتی اور دل میں کسی قسم کا ملال نہ رہتا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ حضور علیہ السلام کو ان کی حاجت نہیں لیکن اس بات کا ارادہ فرمایا
کہ آپ کے بعد یہ عمل سنت کی صورت اختیار کرے۔

حضرت قاضی ابویعلیٰ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جن امور میں مشورہ کا حکم دیا گیا ان کے بارے میں دو قول ہیں ان
میں سے ایک خاص دنیوی امور کے بارے میں ہے اور دوسرا دین و دنیا دونوں سے متعلق ہے اور یہی زیادہ صحیح بات ہے۔
یہ بات المعانی بن زکریا نے اپنی تفسیر میں کہی ہے۔

دینی معاملات میں مشورہ کی حکمت یہ ہے کہ احکام کی علتوں اور اجتہاد کے طریقے پر آگاہی ہو۔

ابن عدی نے نیز امام بیہقی نے ”شعب الایمان میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے وہ
فرماتے ہیں جب آیت کریمہ ”و شاورهم فی الامر“ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اما ان الله ورسوله لغنيان عنها
ولكن جعلها الله رحمة لامتي.
سنو! بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بے نیاز ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی امت کے لئے رحمت بنایا ہے۔ (الدرالمشور ج ۲ ص ۹۰)

حضرت حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً نقل کیا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:
ان الله امرني بمداواة الناس كما
امرني باقامة الفرائض.
بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں کی دلجوئی کا اسی طرح حکم دیا جس طرح فرائض قائم کرنے کا حکم دیا۔

(الدرالمشور ج ۲ ص ۹۰، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۷۱۳، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۲۸، لسان المیزان ج ۲ ص ۹۳، میزان الاعتدال رقم

الحدیث: ۱۲۰۵)

اور ان واجب خصوصیات میں سے ایک بات دشمن سے لڑنا ہے اگرچہ ان کی تعداد زیادہ ہو۔
ان امور میں سے برائی کو بدلنا بھی ہے جب ان کو دیکھیں۔ کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خوف کی وجہ سے
آپ سے یہ فریضہ ساقط نہیں ہوگا جبکہ دوسروں کا معاملہ الگ ہے۔
ان امور میں سے ایک اس مسلمان کے قرض کی ادائیگی ہے جو تنگ دستی کی حالت میں فوت ہو۔ صحیح مسلم میں ہے
آپ نے فرمایا:

انا اولی بالمومنین من انفسهم فمن توفي
وعليه دين فعلي قضاؤه ومن ترك مالا
فله ورثته.
میں مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب
ہوں پس جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر قرض ہو تو وہ قرض
میرے ذمہ ہے اور جو آدمی مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے
وارثوں کا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۹۸-۲۲۹۸-۲۳۹۹-۲۴۸۱-۵۳۷۱-۶۷۶۳-۶۷۶۳، جامع ترمذی رقم الحدیث:

۱۰۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۳۱۵، سنن نسائی ج ۳ ص ۶۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۵۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰، سنن الکبریٰ ج ۶

ص ۲۰۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۹۱۳، الدرالمشور ج ۵ ص ۱۸۲، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۶۰۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۳۰۸)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ادائیگی آپ پر واجب تھی اور یہ بھی کہا گیا کہ محض مستحب تھی تو ہمارے
اصحاب (شافعی مسلک والوں) اور دوسروں کے درمیان یہ اختلاف ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں حدیث کا معنی یہ ہے کہ
آپ نے فرمایا میں تم میں سے ہر ایک کے معاملات کو قائم کرنے والا ہوں وہ زندہ ہو یا فوت ہو جائے میں دونوں حالتوں
میں اس کا ولی ہوں اگر اس پر قرض ہو تو میں اپنی طرف سے ادا کروں گا اگر وہ ادائیگی کے لئے کچھ نہ چھوڑے اور اگر اس
کے پاس مال ہو تو وہ اس کے وارثوں کا ہے میں اس سے کچھ نہیں لوں گا۔ اور اگر وہ محتاج اولاد چھوڑ کر جائے جن کے ضائع
ہونے کا خوف ہو تو وہ میرے پاس آئیں ان کا نفقہ اور ضروریات میرے ذمہ ہیں۔

رعایا کی ضرورتوں سے متعلق مال سے (یعنی بیت المال سے) قرض کی ادائیگی امام پر واجب ہونے کے سلسلے میں

دو قول ہیں۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص قرض لے اور وہ مرنے تک تنگدست رہے اس کا قرض بیت المال سے ادا نہ کیا جائے اور اگر اس نے تاخیر کر کے ظلم کیا تو اس میں احتمال ہے اور زیادہ بہتر ادا نہ کرنا ہے۔

اسی سلسلے میں آپ کا ازواج مطہرات کو آپ سے علیحدگی اختیار کرنے کا اختیار دینا اور ان کے آپ کو اختیار کرنے کے بعد ان کو روکنا لینا بھی ایک قول کے مطابق ضروری ہے نیز یہ کہ آپ شادی نہ کریں اور ان کو تبدیل نہ کریں تاکہ ان کا بدلہ دیا جائے پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا تاکہ آپ کا ان پر احسان رہے ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُمْ تُؤَدُّنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنْتُمْهَا (الاحزاب: ۲۸)
اے نبی! آپ اپنی ازواج مطہرات سے فرما دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہوں (تو آؤ میں تمہیں سامان دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں)۔

آپ نے ان کو اختیار دیا تو اس سلسلے میں یوں اختلاف ہے کہ اگر وہ دنیا کو اختیار کریں تو آپ ان کو چھوڑ دیں اور اگر آخرت کو اختیار کریں تو آپ ان کو روک لیں لیکن ان کو طلاق کا اختیار نہیں دیا یہ حضرت حسن اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو طلاق لینے یا حضور علیہ السلام کے پاس ٹھہرنے کا اختیار دیا یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت مجاہد، امام شعبی اور حضرت مقاتل رحمہم اللہ کا قول ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو اختیار کیوں دیا؟ تو اس سلسلے میں کئی اقوال ہیں۔
۱۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیوی بادشاہی اور اخروی نعمتوں کے درمیان اختیار دیا تو آپ نے آخرت کو اختیار کیا اور بارگاہ خداوندی میں دعا کی:

اللهم احسنى مسكينا وامتنى مسكينا يا الله! تو مجھے مسکین زندہ رکھنا اور اسی حالت میں مسکینی واحشرنی فی زمرة المساکین۔
پر موت دینا اور مجھے مساکین کی جماعت میں اٹھانا۔

جب آپ نے اس بات کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ازواج مطہرات کو اختیار دیں تاکہ آپ کے اختیار کی مثل ہو جائے یہ بات ابو القاسم النمری نے نقل کی ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے درمیان آپ کے حوالے سے باہم غیرت واقع ہوگی۔

۳۔ آپ کی ازواج مطہرات نے آپ سے اس چیز کا مطالبہ کیا جو (بظاہر) آپ کے بس میں نہ تھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے نقش و نگار والے پردے کا مطالبہ کیا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے یمنی جوڑے کا سوال کیا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دھاری دار کپڑے یعنی یمنی چادر کا مطالبہ کیا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حولی کپڑا مانگا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ ہر ایک نے ایک ایک چیز کا مطالبہ کیا۔ یہ بات نقاش نے نقل کی ہے۔

۱۔ زیادہ اعتماد اس پر ہے کہ واجب نہیں مگر حضرات کے نزدیک حاکموں پر واجب ہے جب وہ فوت ہونے سے پہلے ادائیگی سے عاجز ہو جائے اور گناہ کے کاموں کے لئے قرض نہ لیا ہو یا لیکن توبہ کر لی۔

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ ایک دن تمام ازواجِ مطہرات جمع ہوئیں اور انہوں نے کہا ہم زیورات کا مطالبہ کرتی ہیں جو عورتیں مانگا کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ تنخیر نازل فرمائی۔ یہ بات بھی نقاش نے نقل کی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی مدد کی اور آپ پر قرظہ اور نصیر کو فسخ کیا تو آپ کی ازواجِ مطہرات نے خیال کیا کہ یہودیوں کی نفیس چیزیں اور ذخیرے آپ کے لئے مختص ہوتے ہیں چنانچہ وہ آپ کے گرد بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ! کسریٰ اور قیصر کی بیٹیاں زیورات اور قیمتی جوڑوں میں ملبوس رہیں اور ہمارے فاقہ اور تنگی کے حالات آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اس سے آپ کے دل کو دکھ پہنچا کہ وہ آپ کے وسعتِ حال کا مطالبہ کر رہی ہیں اور یہ کہ ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو بادشاہ اور بڑے بڑے لوگ اپنی بیویوں سے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جو کچھ ان کے معاملے میں نازل ہوا وہ ان پر پڑھیں۔ تاکہ ان میں سے کسی ایک آہٹ پر اس مہر کے سلسلے میں جسے آپ نے سخت زندگی کے سلسلے میں اختیار کیا احسان نہ ہو۔

پھر جب ازواجِ مطہرات نے آپ کو اختیار کر لیا اور آپ کے ساتھ صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس صبر کے بدلے میں دو اعزاز عطا کئے ایک یہ کہ ان کو ان کے حق کی تعظیم اور حرمت کی تاکید کے حوالے سے مومنوں کی مائیں بنادیا اور تمام عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ اس سلسلے میں ارشاد فرمایا:

لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ. (الاحزاب: ۳۲)

تم دوسری عورتوں میں سے کسی ایک کی طرح نہیں ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر ان کو طلاق دینا حرام قرار دیا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِّنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ
بِهِنَّ مِّنْ أَزْوَاجٍ. (الاحزاب: ۵۲)

ان ازواج کو بدلنا جائز ہے۔

پس ان کی طلاق کا حرام ہونا دائمی تھا البتہ ان پر کسی سے شادی کرنے کی حرمت منسوخ ہو گئی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نبی اکرم ﷺ کے وصال سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے عورتوں کو حلال کر دیا یعنی وہ جن سے نکاح کرنا آپ کے لئے حرام کیا گیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ ان کی حرمت کی ناخ یہ آیت کریمہ ہے:

إِنَّا أَخْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ. (الاحزاب: ۵۰)

بے شک ہم نے آپ کے لئے آپ کی ازواج کو حلال کیا۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ ”الروضۃ میں“ فرماتے ہیں جب ازواجِ مطہرات کو اختیار دیا تو انہوں نے آپ کو اختیار

کیا ان کے اس اچھے عمل کا بدلہ ان کو جنت کی صورت میں دیا گیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُمُ أَجْرًا
بے شک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے بہت بڑا اجر تیار کیا۔

عَظِيمًا

نبی اکرم ﷺ پر واجب کیا گیا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کو اختیار دیں کہ ان کو چھوڑا جائے یا روکا جائے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اتنی تعداد میں ان کا اکٹھا ہونا ان کے دلوں میں غیرت پیدا کر رہا تھا جو سب سے بڑی تکلیف تھی اور یہ اپنے دل میں نفرت پیدا کرنے اور اعتقاد کو کمزور کرنے کا باعث بن سکتی تھی اسی طرح ان پر صبر اور فقر کو لازم کرنا بھی ایذا کا باعث تھا۔

پس جب اختیار کی لگام ان کے ہاتھ میں دے دی تو ضرر نہ رہا تو آپ کا منصب عالی اس سے پاک رکھا گیا اور آپ سے کہا گیا ”آپ اپنی ازواج مطہرات سے فرمادیں“ (یعنی اختیار دے دیں جیسا کہ گزر چکا ہے)۔
آپ پر یہ بھی لازم تھا کہ جس نفل عبادت کو شروع کریں پورا کریں ۱۔ یہ بات اور اس کی اصل ”الروضہ“ میں نقل کی گئی اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات ضعیف ہے۔

بعض اصحاب شافعی نے اس پر یوں تفریع ذکر کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر یہ بات حرام تھی کہ جب آپ زرہ پہن لیں تو جب تک دشمن کا مقابلہ اور اس سے لڑائی نہ کریں اسے نہ اتاریں یہ بات ”تہذیب الاسماء اللغات“ میں ذکر کی گئی ہے۔

ان واجب امور میں سے ایک یہ ہے کہ آپ پر فرض نماز کی ادائیگی کسی غلطی کے بغیر واجب تھی۔ (یعنی خشوع و خضوع لازم تھا) یہ بات ماوردی نے کہی ہے۔ عراقی نے ”شرح المہذب میں“ کہا کہ آپ فرائض میں نقص سے معصوم تھے۔ اور اس غلطی سے مراد وہ بات ہے جو نماز کو باطل نہیں کرتی (جیسا کہ خشوع وغیرہ)۔
بعض حضرات نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر یہ بات بھی واجب تھی کہ جب کسی تعجب خیز بات کو دیکھیں تو فرمائیں:
لبیک ان العیش عیش الاخرة۔ میں حاضر ہوں اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۸ احواف السادة المتقين ج ۳ ص ۳۳۹ الزہد رقم الحدیث: ۲۸، تلخیص الحمیر ج ۲ ص ۲۳۰، معنی ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۴۰۷)

پھر فرمایا کہ یہ آپ سے سب سے اچھی حالت میں بھی صادر ہوا اور وہ عرفات میں حج کا موقعہ تھا اور سب سے سخت حالت میں بھی اور وہ خندق کا دن تھا۔

جو امور آپ پر خصوصی طور پر واجب تھے ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ حالت وحی میں آپ کو دنیا سے منقطع کر دیا جاتا لیکن اس کے باوجود آپ سے روزہ نماز اور باقی تمام احکام ساقط نہ ہوتے جس طرح یہ بات ”زوائد الروضہ“ میں ابن قاص اور قتال سے روایت کی گئی اور ابن سبع نے بھی اسے اسی طرح ذکر کیا۔

ان امور میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ کے قلب مبارک پر کوئی پردہ آ جاتا تو آپ ستر مرتبہ بخشش مانگتے۔
یہ بات ابن القاص نے ذکر کی اور ابن الملقن نے اسے ”الخصائص میں“ نقل کیا جب کہ امام مسلم اور امام ابوداؤد رحمہما ۱۔ احناف کے نزدیک نفل عبادت شروع کرنے سے لازم ہو جاتی ہے اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اللہ نے اسے حضرت اغر مرنی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا:

انه لیغان علی قلبی وانی لا استغفر الله
بے شک میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے تو میں ایک
دن میں ستر مرتبہ اللہ تعالیٰ کی بخشش مانگتا ہوں۔
فی الیوم مائة مرة .

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱ مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۱ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۸۰ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۵۲
اتحاف السادة المستعین ج ۵ ص ۵۷ الدر المنثور ج ۶ ص ۶۳ تاریخ الکبیر ج ۲ ص ۲۳ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۳۲۳ کنز العمال رقم
الحدیث: ۲۰۷)

یہ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں اور سنن ابوداؤد میں ”فی کل یوم“ (ہر روز) کے الفاظ ہیں۔

حضرت شیخ ولی الدین عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ پر مرتب ہے اور استغفار کا سبب
پردہ ہے اور اس پر سنن نسائی کی روایت جو ”عمل الیوم واللیلۃ میں“ ذکر کی گئی کہ الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:
انه لیغان علی قلبی حتی استغفر الله
بے شک میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے حتیٰ کہ میں
دن میں ایک سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں۔
کل یوم مائة مرة .

ان ہی کی ایک روایت میں ”فاستغفر الله“ (پس میں اللہ تعالیٰ کی بخشش طلب کرتا ہوں) اور حدیث کے بعض الفاظ
دوسرے بعض کی تفسیر کرتے ہیں اور لفظی اعتبار سے یہ احتمال بھی ہے کہ دوسرا جملہ مستقل کلام ہو اور پہلے جملہ کے ساتھ اس
کا کوئی تعلق نہ ہو پس حضور علیہ السلام نے خبر دی کہ میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے نیز میں دن میں ایک سو مرتبہ استغفار کرتا
ہوں (یعنی دونوں باتیں الگ الگ ہیں)۔

حضرت ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جس ”غین“ (لیغان میں جو غین ہے) کا ذکر ہے یہ وہ چیز
ہے جو دل کو ڈھانپ دیتی ہے اور اس کی اصل ”غین السماء“ ہے یعنی بادل کا چھا جانا۔
دوسرے حضرات فرماتے ہیں ”غین“ سے مراد یہ ہے کہ دل پر چھانے کے باوجود اس کو کلی طور پر ڈھانپتا نہیں جس
طرح پتلے قسم کے بادل جو ہوا میں ہوتے ہیں وہ سورج کی روشنی کو نہیں روکتے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پردے سے اس
بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کو جو امور سونے گئے ہیں مثلاً بشری تقاضے امت کے معاملات اور دوست
دشمن سے متعلق امور کی انجام دہی مصلحت نفس رسالت کی ذمہ داریوں اور امانت کی ادائیگی وغیرہ کی وجہ سے آپ کا قلب
مبارک اللہ تعالیٰ کے دائمی ذکر اور اس کے مشاہدہ سے غافل ہو جاتا ہے اور کچھ کی آتی ہے تو یہی پردہ ہے اور ان تمام امور
کی انجام دہی میں بھی آپ اپنے رب کی اطاعت اور عبادت میں ہوتے ہیں۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا مقام و مرتبہ تمام مخلوق سے بڑا ہے اور آپ کی معرفت سب سے زیادہ مکمل ہے
اور جب آپ کا دل اور ارادہ خالصۃ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور آپ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو دونوں
حالتوں میں سے یہ حالت ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے تو آپ نے جب اس حالت میں کی دیکھی اور دوسری طرف مشغولیت کی

وجہ سے اس مقام رفیع سے اپنے آپ کو نیچے دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کیا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کی سب سے بہترین توجیہ یہی ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے اور جو مفہوم ہم نے بیان کیا اکبر لوگ اسی کی طرف مائل اور اسی کے گرد گھومتے ہیں۔

پس تم اس سے کوئی مجازی معنی نہ لو ہم نے اس شخص کے لئے جس پر اس کا معنی پوشیدہ تھا، یہ مفہوم قریب کر دیا اور فائدہ حاصل کرنے والے کے لئے اس کو واضح کر دیا اور توجیہ اس بات پر مبنی ہے کہ تبلیغ کے علاوہ آپ کے تعلق باللہ میں کچھ کمی یا بھول وغیرہ ہو سکتی ہے۔

لیکن اس پر اعتراض کیا گیا کہ حضور علیہ السلام کی طرف اس بات کی نسبت پسندیدہ نہیں کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ فرشتوں کو آپ پر فضیلت حاصل ہو اس لئے کہ وہ شیخ اور مشاہدہ میں کوتاہی نہیں کرتے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **لست النبی ولكن النبی** میں بھولتا نہیں بلکہ بھلایا جاتا ہوں۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث ۲۰، صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۳۵، الشفاء ج ۲ ص ۱۳۰، تمہید ج ۵ ص ۲۰۶، ج ۶ ص ۳۹۲) پس یہ بات کوتاہی میں شمار نہیں ہوتی بلکہ حکمت مقصودہ کی بنیاد پر ایسا ہوتا ہے تاکہ اس کے ساتھ حکم شرعی ثابت کیا جائے پس اس بات پر محمول کرنا جس کو علت قرار دیا زیادہ مناسب ہے یعنی آپ بشری تقاضوں، امت کے معاملات اور دیگر امور میں مشغول ہوتے اور یہ سب امور نبوت کی ذمہ داریوں کا حصہ ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ”فہین“ (پردہ) حدیث نفس کی وجہ سے دل پر طاری ہوتا ہے۔ حافظ شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام رافعی نے ”اپنی امالی میں“ اسی بات کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ ان کے والد اس بات کو صحیح قرار دیتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک ایسی حالت تھی کہ اس میں آپ اپنی امت کے احوال پر مطلع ہو کر ان کے لئے بخشش کی دعا مانگتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ سکون و اطمینان تھا جو آپ کے قلب اقدس پر طاری ہوتا تو آپ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی عطا پر شکر ادا کرتے ہوئے مغفرت طلب کرتے۔

شیخ الاسلام ابن عراقی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ جملہ حالیہ ہے نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر دی کہ آپ کے دل پر پردہ چھا جاتا حالانکہ آپ دن میں ایک سو بار بخشش مانگتے تھے اور یہ حال مقدرہ ہے کیونکہ استغفار کے وقت یہ پردہ موجود نہیں ہوتا تھا بلکہ جب استغفار ہوتا تو یہ پردہ زائل ہو جاتا۔

وہ فرماتے ہیں جب دونوں جملوں کا باہم تعلق ہو اور دوسرا جملہ پہلے کا مسبب بنے (یعنی پہلا جملہ سبب ہو) تو اس بات کا احتمال ہے کہ یہ پردہ دل کو امور دنیا سے ڈھانپ دیتا ہو اور دل اور امور دنیا کے درمیان حجاب واقع ہوتا ہے اور اس وقت دل مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہو کہ آپ بطور شکر استغفار کریں اور بندگی کو اختیار کریں۔

وہ فرماتے ہیں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم بھی یہی ہے یعنی ”شفاء“ میں جو کچھ آپ نے فرمایا

کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ پردہ خشت کی حالت میں ہو اور اس کی بڑائی کا اظہار جودل کو ڈھانپ لے پس آپ اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی خاطر طلب مغفرت فرماتے اور بندگی کو ہمیشہ کے لئے اختیار کر لیتے۔

شیخ ابن عراقی کہتے ہیں میرے نزدیک یہ عمدہ کام ہے اور دوسرا جملہ پہلے جملہ کا مسبب ہے یہ مطلب نہیں کہ آپ استغفار کے ذریعے پردے کو دور کرنے کی کوشش کرتے بلکہ معنی یہ ہے کہ یہ پردہ ایک قابل تعریف ہے یہی استغفار کا سبب ہے اور اسی پر استغفار مرتب ہوتا ہے۔

یہ قول تمام اقوال سے زیادہ پاکیزہ اور اچھا ہے کیونکہ اس صورت میں غین (یعنی پردہ) وصف محمود ہوگا اور اسی کی وجہ سے آپ استغفار فرماتے تھے جبکہ پہلے معنی کے اعتبار سے اس پردے کو دور کرنے کے لئے استغفار کے ذریعے کوشش فرماتے ہیں اور اسی معنی کے اعتبار سے اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔

اہل لغت کے نزدیک ”غین“ ”غشاء“ کے معنی میں ہے (یعنی پردہ) پس ہم اس پردے پر محمول کریں گے جو نبی اکرم ﷺ کے شایان شان ہے اور یہ ایسا پردہ ہے جودل کو دنیوی امور سے دور کرتا اور ڈھانپ لیتا ہے خصوصاً جب کہ یہ پردہ ایک قابل تعریف امر ہو اور وہ استغفار ہے اور یہ اچھا کام (استغفار) اچھے کام (اچھے پردے) سے وجود میں آتا ہے۔

شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”لطائف الحسن میں“ ذکر کیا کہ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ سے اس حدیث ”انہ لیسان قلبی“ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اے مبارک! یہ انوار کا پردہ ہے اغیار کا پردہ نہیں۔

دوسری قسم: وہ باتیں جو صرف آپ پر حرام تھیں

ان میں سے ایک زکوٰۃ لینے کی حرمت ہے اسی طرح صحیح مشہور نصوص کے مطابق صدقہ آپ پر حرام تھا۔

آپ نے فرمایا:

بے شک ہم صدقہ نہیں کھاتے۔

انا لا ناکل الصدقة.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۹۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱، سنن نسائی ج ۱ ص ۸۹، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۹، اتحاف السادة المتقین

ج ۶ ص ۲۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۵۲۳-۱۶۵۲۰)

اور جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ آپ کے لئے صدقہ مباح تھا وہ کہتے ہیں کہ آپ کے صدقہ نہ کھانے سے اس کا حرام ہونا لازم نہیں آتا ہو سکتا ہے آپ نے محض بچنے کے لئے نہ کھایا ہو اور وہ مباح ہو۔ اور یہ ظاہر حدیث کے خلاف ہے۔

شیخ الاسلام ابن عراقی نے ”شرح التقریب میں“ فرمایا:

”جو بھی صورت ہے آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ نے صدقہ نہیں کھایا چاہے اس سے بچنا آپ پر واجب

تھایا ویسے پرہیز فرماتے تھے۔

اس کی حکمت یہ تھی کہ آپ کے منصب شریف کو لوگوں کے مالوں کی میل سے بچایا جائے۔
 آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کی آل پر بھی زکوٰۃ حرام ہے اور اصح قول کے مطابق آپ کی آل زکوٰۃ کی وصولی پر عامل بھی نہیں بن سکتی اسی طرح نذر اور کفارات کا مال بھی ان کو دینا حرام ہے البتہ اصح قول کے مطابق ان کو نفلی صدقہ دیا جاسکتا ہے اس میں مالکی فقہ والوں کا اختلاف ہے اور ہمارے (شافعیوں) کے نزدیک اس (نفلی) صدقہ کے آل بیت کے لئے حلال ہونے پر دلیل موجود ہے۔
 ان امور میں سے ایک بات یہ ہے کہ جس چیز کی بوجہ بھی نہ ہو اس کا کھانا نبی اکرم ﷺ پر حرام تھا جیسے لبسن اور پیاز۔
 کیونکہ آپ کے پاس فرشتوں اور وحی کا آنا ہر وقت متوقع ہوتا تھا۔
 اسی طرح آپ کے لئے تکیہ لگا کر کھانا بھی منع تھا جب کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں آپ پر حرام نہیں بلکہ مکروہ تھیں۔
 امام سیبلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تکیہ لگا کر کھانا دوسرے لوگوں کے لئے بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ تکبر کرنے والوں کا عمل ہے اور اس پر مزید گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔
 اسی طرح کتابت اور شعر کوئی بھی آپ پر حرام تھی اور رمت کا یہ قول ان لوگوں کے نزدیک ہے جو کہتے ہیں کہ آپ اچھی طرح شعر کہہ سکتے تھے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ یہ دونوں کام نہیں کرتے تھے (یعنی آپ کو سکھائے نہیں گئے تھے)۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كُنْتُمْ تَنَلُّوْا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ لَا تَخْطُئُوْنَ
 بِمِثْلِهِ نِكْتٌ (الحکبوت: ۲۸)
 اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُ
 اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھائے اور وہ آپ کے لئے مناسب بھی نہیں۔

یعنی یہ آپ کی طبیعت و فطرت کے خلاف تھے اور آپ کے لئے مناسب بھی نہیں تھے۔
 اس بات کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ آپ کا ان دونوں تک پہنچنا حرام تھا اور کیا شعر گوئی نہ کرنا آپ کے ساتھ خاص تھا یا دیگر انبیاء کرام کے لئے بھی یہی حکم تھا؟
 تو بعض حضرات نے کہا کہ یہ عام ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُ
 اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے۔

اس میں خصوصیت کا کوئی نکتہ ظاہر نہیں ہوتا نیز صلح حدیبیہ کے ذکر میں بحث گزر چکی ہے کہ کیا حضور علیہ السلام اچھی طرح لکھ

سکتے تھے یا نہیں؟

ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب آپ زرہ پہن لیں تو جب تک لڑائی نہ لڑیں یا اللہ تعالیٰ آپ کے اور آپ کے دشمن کے درمیان کوئی فیصلہ نہ کر دے تو پھر زرہ کا اتارنا حرام تھا۔
کوئی چیز کثرت سے حاصل کرنے کے لئے احسان کرنا بھی آپ پر حرام کیا گیا یہ بات امام رافعی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ
اور اس لئے احسان نہ کریں کہ زیادہ حاصل ہو۔

یعنی کوئی چیز اس لئے نہ دیں کہ آپ کو اس سے زیادہ دیا جائے بلکہ اپنے رب کی رضا کے لئے عطا فرمائیں اور اسی کی رضا کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہترین ادب سکھایا۔ اکثر مفسرین نے یہ بات فرمائی ہے۔ حضرت ضحاک اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور امت میں سے کسی پر لازم نہیں ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیوی بدلہ حاصل کرنے کے لئے کوئی چیز نہ دیں یعنی اپنے رب کے لئے عطا فرمائیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عمل کا اللہ تعالیٰ پر احسان نہ رکھیں اس طرح آپ کثیر طلب کریں گے اور کہا گیا کہ نبوت کا احسان امت پر نہ رکھیں کہ ان سے اجرت اور دنیوی معاوضہ لیں۔
لوگوں کو جو چیز نفع اندوزی کے لئے دی گئی اس کی طرف نگاہیں نہ بڑھائیں۔ ارشاد خداوندی ہے:
وَلَا تَمُنَّ بِعَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ
اور جس چیز کے ساتھ ہم نے نفع دیا اس کی طرف نگاہیں نہ بڑھائیں۔

یعنی اس کو اچھا سمجھ کر اور یہ کہ آپ کے لئے بھی اس کی مثل ہو۔

أَزْوَاجًا تَنْهَهُمُ
جوڑے ان میں سے (ایک جیسی چیزیں)۔

یعنی جو کچھ کفار کو دیا گیا اس قسم کی چیزیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان سے کچھ ایسی اقسام جن کا ان سے تعلق ہے کیونکہ جو کچھ آپ کو دیا گیا ہے اس کے مقابلے میں یہ سب کچھ حقیر ہے کیونکہ آپ کے پاس وہ ایسا کمال ہے جو ذاتی طور پر مطلوب ہے اور دائمی لذتوں کی طرف جاتا ہے۔

ان امور میں سے ایک آنکھ کے ساتھ اشارہ کرنا ہے جو آپ پر حرام ہے یعنی کسی کو قتل کرنے یا مارنے کا جواز اشارے سے بتانا جب کہ ظاہری حالت اس کے خلاف ہو جیسا کہ آپ نے ایک شخص کے قتل کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا آپ نے ہمیں اس کو قتل کرنے کے لئے اشارہ کیوں نہیں کیا؟ تو آپ نے فرمایا کسی نبی کے لئے آنکھ سے اشارہ کرنا مناسب نہیں۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۳، المسند رک ج ۳ ص ۳۵، دلائل النبوة ج ۵ ص ۶۰، الدر المنثور ج ۳ ص ۳۰۳، السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۲۰۷)

م ۲۰۷، تمہید ج ۶ ص ۶۷، مشکلا ج ۲ ص ۲۲۶، فتح الباری ج ۱ ص ۱۱، تفسیر طبری ج ۱ ص ۳۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۱۸۷)

جب کہ دوسروں کے لئے یہ بات حرام نہیں جب کہ کسی ممنوع کام کے لئے اشارہ نہ ہو یہ بات امام رافعی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے جسے جازبی نے ”مختصر الروضہ میں“ نقل کیا ہے۔

ان امور میں سے ایک بات ان خواتین سے نکاح کرنا ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی یہ دو قولوں میں سے ایک ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ
الَّتِي آتَيْتَ أَجُورَهُنَّ.
اے نبی ﷺ! بے شک ہم نے آپ کے لئے آپ
کی ان ازواج مطہرات کو حلال قرار دیا جن کا مہر آپ نے
عطا کیا۔

”اجوز“ سے مہر مراد ہے اور مہر کو اجر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرمگاہ کی اجرت ہے اور حلال ہونے کے لئے فوری ادائیگی (اتیت ماضی کا صیغہ ہے) کی قید اس لئے نہیں کہ اس (ادائیگی) کے بغیر عورت حلال نہیں ہوتی بلکہ اس میں افضل صورت کو ترجیح دی ہے (یعنی فوری ادائیگی بہتر ہے) جس طرح لونڈی کے حلال ہونے کا ذکر کرتے ہوئے اس کے لئے قیدی ہونے کا وصف بیان کیا (حالانکہ یہ ضروری نہیں) ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ
وَبَنَاتٍ عَمَّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ
خَالَاتِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ.
اور جو لونڈیاں آپ کی ملک میں ہوں ان لونڈیوں
سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور غنیمت عطا فرمائی ہیں اور
آپ کی چچا زاد اور پھوپھی زاد ماموں زاد اور خالہ زاد۔

قبیلہ بنو زہرہ کی خواتین مراد ہیں:

وَاللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ.
اور وہ عورتیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی
(یعنی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی)۔

اگرچہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک ہی وقت میں ہجرت نہیں کی۔

اس آیت کا ظاہر بتاتا ہے کہ عورتوں کا آپ کے لئے حلال ہونے کے لئے ہجرت شرط ہے اور ان میں سے جن عورتوں نے ہجرت نہیں کی ان سے آپ کا نکاح جائز نہیں۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے نکاح کا پیغام دیا تو میں نے کسی وجہ سے معذرت کر لی چنانچہ آپ نے میرا عذر قبول کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (مندرجہ بالا) اتاری۔

پس میں آپ کے لئے حلال نہیں تھی کیونکہ میں نے آپ کے ساتھ ہجرت نہیں کی۔ میں آزاد عورتوں سے تھی۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۱۳)

بعض مفسرین سے منقول ہے کہ حلت کے لئے ہجرت کی شرط منسوخ ہے لیکن انہوں نے ناسخ (آیت) ذکر نہیں کی۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کے نکاح میں آنے سے امتراض نہیں کرتی لیکن میں پسند نہیں کرتی کہ میں

نکاح کروں اور میرے بچے چھوٹے چھوٹے ہوں۔ ایک روایت میں ہے آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے اپنے کانوں اور آنکھوں

سے زیادہ محبوب ہیں اور خاندان کا حق بہت بڑا ہے مجھے ڈر ہے کہ خاندان کا حق ضائع نہ کر دوں۔ (زرقاتی ج ۵ ص ۲۲۲)

حضرت مالدی سے دو قول (منقول) ہیں ایک یہ کہ نبی اکرم ﷺ کے عقد نکاح میں آنے کے لئے ہر عورت کا مہاجرہ ہونا شرط ہے وہ اجنبی ہوتی یا رشتہ دار اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شرط آپ کی چچا زاد اور پھوپھی زاد وغیرہ جن کا ذکر ہو چکا ہے سے متعلق ہے۔ اجنبی (غیر رشتہ دار) خواتین کے لئے ہجرت کی شرط نہیں ہے انہی سے یہ بھی مروی ہے کہ مہاجرات سے مسلمان عورتیں مراد ہیں۔

جو عورت آپ کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے اس کو روکنا آپ پر حرام تھا۔
کتابیہ عورت سے نکاح بھی آپ پر حرام تھا کیونکہ آپ کی ازواج مطہرات مؤمنوں کی مائیں اور آخرت میں آپ کی ازواج ہوں گی اور آپ کے ساتھ جنت میں اسی درجہ میں رہیں گی (جہاں آپ ہوں گے)۔
نیز یہ کہ آپ کی شان اس سے بلند و بالا ہے کہ آپ اپنا مادہ منویہ کسی کافرہ عورت کے رحم میں رکھیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں اگر آپ کسی کتابیہ عورت سے نکاح کرتے تو آپ کے اعزاز کی وجہ سے اسے اسلام کی طرف ہدایت دی جاتی۔

مسلمان لونڈی سے نکاح کرنا بھی آپ پر حرام تھا اور اگر لونڈی سے آپ کا نکاح فرض کیا جائے تو آپ کی اس سے ہونے والی اولاد آزاد ہوتی اور غلامی کے نہ پائے جانے کی وجہ سے آپ پر اس کی فضیلت لازم نہ ہوتی یہ بات قاضی حسین نے کہی ہے۔

ابو عاصم کہتے ہیں (یہ قیمت) لازم ہوتی۔ یہ بات حجازی نے نقل کی ہے اور اس وقت ہے آپ کے حق میں (لونڈی سے نکاح کے لئے) گناہ کا خوف اور آزاد عورت سے نکاح کی مالی طاقت نہ ہونے کی شرط نہ ہوتی۔
جہاں تک لونڈی بنانے کا تعلق ہے تو زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ کے لئے یہ عمل حلال تھا کیونکہ آپ نے اپنی لونڈی ریحانہ سے ان کے اسلام لانے سے پہلے نفع اٹھایا۔ اس بنیاد پر سوال یہ ہے کہ کیا حضور علیہ السلام پر یہ بات لازم تھی کہ وہ اسے اختیار دیتے کہ وہ اسلام لائے اور آپ اسے اپنے پاس روک لیں یا وہ اپنے دین پر قائم رہے تو آپ اس کو جدا کر دیں؟ تو اس میں دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ آپ پر لازم تھا کہ اسے اختیار دیتے تاکہ وہ آخرت میں آپ کی ازواج مطہرات میں سے ہوتی اور دوسرا قول یہ ہے کہ واجب نہیں تھا کیونکہ جب آپ نے ریحانہ پر اسلام پیش کیا تو اس نے انکار کر دیا لیکن اس کے باوجود وہ آپ کی ملک میں رہی اور آپ اس سے نفع اٹھاتے رہے اور بعد میں اس نے اسلام قبول کیا۔
ان امور میں سے ایک بات یہ تھی کہ جب آپ کی قوم سے اذان سنیں تو ان پر حملہ کرنا حرام تھا۔ جس طرح ابن سبغ نے ”الخصائص میں“ ذکر کیا۔

تیسری قسم: وہ خصائص جو مباح ہیں

نبی اکرم ﷺ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ حالت جنابت میں مسجد میں ٹھہر سکتے تھے۔ یہ بات صاحب الخصائص نے کہی ہے (ابن قاص مراد ہیں) لیکن ابن قفال نے اسے تسلیم نہیں کیا۔
امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو کچھ ”الخصائص میں“ کہا گیا اس پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس روایت

سے استدلال کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اے علی میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لئے اس مسجد میں جنبی ہونا جائز نہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۲۷ سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۶۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۰۸۹، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷۴، تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۹۵، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۳۵۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۸۸۵-۳۳۰۵۲)

اس حدیث پر اعتراض کیا گیا کہ عطیہ راوی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے اس کا جواب یوں دیا گیا کہ امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا اس لئے جو بات اس کے حسن کی مقتاضی ہے اس کے ساتھ اسے تقویت حاصل ہوگی لیکن جب اس بات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ شریک ہیں تو آپ کی خصوصیت نہ ہوئی۔

امام الحرمین وغیرہ نے صاحب التلخیص کے اس قول کو غلط قرار دیا ہے اور یہ بات بھی جان لیں کہ نبی اکرم ﷺ نے کئی بڑے بڑے مباح اور جائز کام چھوڑ دیئے اگرچہ آپ کے لئے جائز تھے۔
آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ چت لینے سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا اور عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو کے ٹوٹنے کے بارے میں دو قول ہیں۔ (نوٹ: خفی فقہ کے مطابق عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا مذکورہ بالا قول امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ ۱۲ ہزاروی)

پہلے قول والوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اور اس طرح کی دیگر روایات سے استدلال کیا ہے آپ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنی بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہ فرماتے۔ (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۰۴، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۳۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۲۳، تاریخ ابن عساکر ج ۵ ص ۱۶۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۷۱۲۲) امام نسائی نے بھی اسے روایت کیا اور امام ابو داؤد فرماتے ہیں یہ مرسل حدیث ہے ابراہیم تمیمی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع حاصل نہیں اور امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا اس باب سے اس حدیث سے زیادہ اچھی حدیث نہیں اگرچہ مرسل ہے۔

آپ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ کے لئے عصر کے بعد نماز جائز تھی آپ کی ظہر کے بعد والی دو رکعتیں فوت ہو گئیں تو آپ نے ان کو عصر کے بعد قضا کیا پھر ان کو ہمیشہ پڑھتے رہے۔ یہ بات حجازی نے ذکر کی ہے اور وتر نماز واجب ہونے کے باوجود آپ اسے سواری پر پڑھتے تھے اور آپ کے لئے ایسا کرنا جائز تھا۔
"شرح المہذب میں" یہ بات اس طرح ذکر کی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے لئے یہ کام (وتر پڑھنا) سواری پر جائز تھا۔ اور عابدانہ نماز جنازہ بھی آپ کی خصوصیات میں سے ہے یہ حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ کا مسلک ہے۔ باوجود قوت شہوت کے آپ کے لئے روزے کی حالت میں بوسہ لینا جائز تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے آپ فرماتی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ روزے کی حالت میں بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے تھے اور آپ اپنے نفس پر تم لوگوں سے

زیادہ کنٹرول کرنے والے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۲۷-۱۹۲۸ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۳۸۴ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۷۲۸-۷۲۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۵ مسند احمد ج ۶ ص ۳۲-۳۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۸۳-۱۶۸۵ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۱۹۹ شرح السنہ ج ۶ ص ۲۷۵ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۶۱ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۰۸۳-۲۳۳۰۳)

حضرت ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکتا ہو اس کے لئے یہ عمل جائز ہے لیکن جو آدمی حرام میں واقع ہونے (جماع کرنے) سے بے خوف نہ ہو اس کے لئے جائز نہیں۔

وہ فرماتے ہیں امام نسائی نے حضرت حماد کی روایت سے نقل کیا کہ حضرت اسود فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا روزہ دار اپنی بیوی کے ساتھ لیٹ سکتا ہے؟ فرمایا نہیں میں نے عرض کیا کیا رسول اکرم ﷺ روزے کی حالت میں ایسا نہیں کرتے تھے؟ فرمایا نبی اکرم ﷺ اپنے نفس پر تم سب سے زیادہ کنٹرول کرنے والے تھے۔

فرماتے ہیں اس حدیث کا ظاہر بتاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بات نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے یہ بات امام قرطبی نے فرمائی اور فرمایا کہ یہ امام المؤمنین کا اجتہاد ہے امام مالک رحمہ اللہ نے ”موطائیں“ جو روایت نقل کی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام المؤمنین کے نزدیک نہ تو یہ عمل آپ پر حرام تھا اور نہ ہی آپ کی خصوصیت۔

حدیث اس طرح ہے کہ حضرت عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھیں کہ ان کے خاوند حضرت عبداللہ بن عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم داخل ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا کہ تمہیں اپنی زوجہ کے قریب جانے اس سے ہنسنے کھیلنے اور اس کا بوسہ لینے سے کس چیز نے روکا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کیا میں روزے کی حالت میں بوسہ لوں؟ فرمایا ہاں۔ (موطایاں امام مالک رقم الحدیث: ۱۶)

نبی اکرم ﷺ کے لئے وصال کے روزے رکھنا بھی جائز تھا جیسا کہ آگے آئے گا۔ امام الحرمین نے فرمایا یہ عمل آپ کے حق میں عبادت تھا۔

آپ کی خصوصیت تھی کہ اگر آپ کو کھانے پینے کی حاجت ہوتی تو ان چیزوں کے مالک سے لے سکتے تھے اور اس پر لازم تھا کہ آپ کو دیتا اگرچہ وہ ان چیزوں کا محتاج ہوتا اور اپنی زندگی کو آپ کی زندگی پر قربان کر دیتا۔ ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِیْ اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔

نبی اکرم ﷺ مومنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں۔

اگر کوئی ظالم آپ کا قصد کرتا تو وہاں موجود لوگوں پر واجب تھا کہ آپ کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے جیسا کہ اُحد کے دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کیا۔ (واقعہ پہلے گزر چکا ہے)

چونکہ نبی اکرم ﷺ معصوم تھے اسی لئے انہیں عورتوں کی طرف آپ کا دیکھنا جائز تھا اور آپ کے علاوہ لوگوں کا حکم چوتھی قسم میں آئے گا۔ اسی طرح آپ کا ان عورتوں کے ساتھ علیحدگی میں ہونا بھی جائز تھا۔

۱۔ نبی اکرم ﷺ کو یہ اختیار حاصل تھا لیکن آپ نے کبھی اسے استعمال نہیں کیا بلکہ بڑے بڑے مباح کاموں سے دور رہے بلکہ آپ دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔ (ذرقانی ج ۵ ص ۲۲۸)

”فتح الباری میں“ فرمایا کہ مضبوط دلائل کے ساتھ جو کچھ ہمارے سامنے واضح ہوا ہے وہ یہ ہے کہ انجمنی عورتوں کے ساتھ آپ کی علیحدگی آپ کے خصائص میں سے ہے اسی طرح ان کی طرف دیکھنا بھی اس پر حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کا واقعہ دلالت کرتا ہے کہ آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور وہاں آرام فرما ہوئے اور وہ آپ کے سر کی صفائی کرنے لگیں حالانکہ آپ کے اور ان کے درمیان محرمیت اور زوجیت نہیں تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۸۸-۲۷۸۹-۲۷۹۰-۲۷۹۱-۲۷۹۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۱ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۳۵ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۹ سنن نسائی ج ۶ ص ۳۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰)

ان امور میں سے ایک بات یہ تھی کہ آپ چار خواتین سے زیادہ کے ساتھ نکاح کر سکتے تھے دیگر انبیاء کرام کے لئے بھی یہی حکم تھا اور ہمارے آقا ﷺ کے لئے نو سے زیادہ خواتین کے ساتھ نکاح کے جواز میں اختلاف ہے۔

کوئی خاتون اپنے آپ کو بطور بہہ آپ کی خدمت میں پیش کر کے آپ سے نکاح کر سکتی تھیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَأَمْرًا مِّنْهُ أَنْ تَهْبِثَ نَفْسُهَا لَلنَّبِيِّ

اور کوئی عورت اگر اپنے نفس کو نبی کریم ﷺ کے لئے بہہ کرے۔

جہاں تک رسول اکرم ﷺ کا تعلق ہے تو آپ کی طرف سے لفظ نکاح یا لفظ تزویج ضروری تھا ”اصل الروضہ“ میں اس کو زیادہ صحیح قرار دیا گیا ہے۔

امام رافعی نے شیخ ابو حامد سے اس قول کی ترجیح نقل کی ہے کیونکہ قرآن مجید کا ظاہر یہی بتاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ

اگر نبی ﷺ ارادہ کریں کہ اس سے نکاح کریں یہ آپ کے لئے خالص ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ ”وامرأة مؤمنة“ کے بارے میں فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو خبر دے دی کہ ہر وہ عورت جو اپنے نفس کو آپ کے لئے بہہ کرے وہ آپ کے لئے حلال ہے اگر ایسا ہو جائے تو وہ مہر نہیں مانگ سکتی اسی لئے نکرہ لایا گیا۔

اس سلسلے میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے اور جو اس کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ چار خواتین ہیں حضرت میمونہ بنت حارث، زینب بنت خزیمہ، انصاریہ ام شریک بنت جابر اور خولہ بنت حکیم (انہوں نے اپنے آپ کو پیش کیا)۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اُن (فتح کے ساتھ) پڑھا گیا ہے یعنی یہ کہ بہہ کرے یا اس مدت میں جب بہہ کرے جیسے تم کہتے ہیں:

اجلس ما دام زيد جالسا۔ بیٹھو جب تک زيد بیٹھا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا

اگر نبی اکرم ﷺ اس سے نکاح کا ارادہ فرمائیں۔

تو یہ حلت کے استحباب کی پہلی شرط کے لئے شرط ہے کیونکہ یہ قبول کی جگہ ہے۔

فرماتے ہیں خطاب کے صیغے سے غائب کی طرف عدول کر کے ”النبي“ کا لفظ تکرار کے ساتھ فرمایا پھر خطاب کی

طرف رجوع کرتے ہوئے فرمایا:

خَالِصَةً لِّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ۔ یہ حکم آپ کے لئے خالص ہے مؤمنوں کے لئے نہیں۔

یہ اس بات کی خبر ہے کہ یہ بات آپ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ آپ کو شرف نبوت حاصل ہے اور اس بات کو نکاح کیا کہ اس وجہ سے آپ کرامت کے مستحق ہیں۔

معانی (بن زکریا بن یحییٰ بن حمید حافظ مقرر رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ ”خالصہ“ میں تین قول ہیں۔

ایک یہ کہ کوئی عورت جب اپنے نفس کو آپ کے لئے بہہ کر دے تو آپ پر مہر لازم نہیں ہوگا جب کہ دیگر مؤمنوں کا یہ حکم نہیں یہ بات حضرت انس بن مالک اور ابن مسیب رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہے۔

دوسری بات یہ کہ آپ اس سے ولی اور گواہوں کے بغیر نکاح کریں اور یہ بھی آپ کے ساتھ خاص ہے۔

اور تیسری بات یہ کہ آپ اس سے لفظ بہہ کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں دوسرے مؤمنوں کو یہ بات حاصل نہیں۔

انہوں نے فرمایا کہ یہ بات امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ہے جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دوسرے لوگ بھی لفظ بہہ کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے لئے مہر کے بغیر نکاح کرنا بھی جائز تھا یعنی ابتدائے نکاح ہو یا انتہا مہر کے بغیر نکاح کر سکتے تھے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اگر کوئی خاتون اپنے آپ کو آپ کی خدمت میں بہہ کرے تو آپ پر اس کا مہر لازم نہیں ہوگا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کوئی عورت اپنے نفس کو آپ کی خدمت میں بطور بہہ پیش کر دے پس آپ اس سے مہر کے بغیر نکاح کرتے تو آپ کے لئے یہ عمل جائز تھا اور اس کے بعد جماع کرنے کی صورت میں بھی آپ پر مہر واجب نہ تھا نہ کسی اور وجہ سے واجب ہوتا۔

جب کہ دوسرے لوگوں کا معاملہ یہ نہیں کیونکہ کوئی نکاح مہر سے خالی نہیں ہوتا چاہے مہر مقرر کیا ہو یا مہر مثل ہو۔

اسی طرح آپ کے لئے حالت احرام میں بھی نکاح کرنا جائز تھا امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں فرمایا۔

ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والے) فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے جائز تھا کہ حالت احرام میں نکاح کریں اور یہ آپ کی خصوصیت ہے امت کے لئے جائز نہیں وہ فرماتے ہیں ہمارے اصحاب کے نزدیک دو قولوں میں سے یہ زیادہ صحیح ہے (احناف کے نزدیک حالت احرام میں نکاح جائز ہے)۔

آپ کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ کے لئے کسی عورت سے اس کی مرضی کے بغیر نکاح کرنا جائز تھا اگر آپ کسی عورت میں رغبت رکھتے اور وہ کسی کے نکاح میں نہ ہوتی تو اس پر لازم تھا کہ آپ کی فرمانبرداری کرتی۔ اور کسی دوسرے پر اسے نکاح کا پیغام دینا حرام تھا اور اگر وہ کسی کے نکاح میں ہوتی تو اس پر لازم تھا کہ وہ پہلے طلاق دے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا شاید اس میں راز یہ تھا کہ اس خاوند کے ایمان کا امتحان لیا جائے کہ وہ اپنی بیوی سے دستبردار ہوتا ہے یا نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ
من نفسه واهله وولده والناس اجمعین میں اس کے نزدیک اس کی جان اس کے اہل اولاد اور سب
لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤ۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۶ سنن داری ج ۲ ص ۳۰۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳-۱۵ سنن نسائی ج ۸
ص ۱۱۴ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۷ الدر المنثور ج ۳ ص ۲۲۳ المسند رک ج ۲ ص ۲۸۶ اتحاف السائقین ج ۹ ص ۵۴۷ مشکل
الاثر رقم الحدیث: ۷۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۷۰-۹۲-۹۳)

اور اس واقعہ پر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا واقعہ دلالت کرتا ہے جو آپ کی پھوپھی امیہ بنت عبد
المطلب کی صاحبزادی تھیں۔ قرآن مجید میں فرمایا:
وَلَا تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ.

اور جب آپ اس سے فرما رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ
نے انعام فرمایا۔

یعنی اسے نعمت اسلام عطا کی اور یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔

وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ.

یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آزاد کر دیا اور وہ حضرت زید بن حارثہ کلبی رضی اللہ عنہ تھے دور جاہلیت میں وہ قید کر دیئے
گئے تو نبی اکرم ﷺ بعثت سے پہلے ان کے مالک ہوئے اور آپ نے ان کو آزاد کر کے متبنی (منہ بولا بیٹا) بنا لیا آپ نے
ان کے لئے حضرت زینب کا رشتہ مانگا تو انہوں نے اور ان کے بھائی حضرت عبد اللہ (رضی اللہ عنہما) نے انکار کر دیا پھر
جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ.

کسی مؤمن مرد و عورت کے لئے مناسب نہیں (کہ
جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ فرمائیں تو انہیں
اختیار ہو)۔

تو وہ دونوں راضی ہو گئے۔

اور دور جاہلیت میں نیز اسلام کے ابتدائی دور میں جب کوئی شخص کسی کے بیٹے کو متبنی بناتا تو لوگ اسی کی نسبت سے
پکارتے اور وہ وراثت میں حصہ دار ہوتا اور اس کی بیوی اس شخص پر حرام ہوتی۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے کو منسوخ کرتے ہوئے فرمایا:

أَدْعُوهُمْ إِلَى بَنَاتِهِمْ.

اس واقعہ سے قولاً وفعلاً یہ حکم ثابت ہوا پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ عنقریب
حضرت زینب کو طلاق دیں گے اور آپ ان سے شادی کریں گے اور حضرت زید کے دل میں ان سے نفرت ڈال دی تو
انہوں نے حضرت زینب کو چھوڑنے کا ارادہ کیا چنانچہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اپنی بیوی
کو چھوڑنا چاہتا ہوں آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ کیا تو نے اس میں کوئی شک والی بات دیکھی ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ!

اللہ کی قسم میں نے تو ان میں بھلائی ہی بھلائی دیکھی ہے لیکن وہ مجھے اپنے شرف جتاتی ہیں (کیونکہ وہ عربی قریشی ہیں اور میں غلام ہوں) اور مجھے زبان سے اذیت پہنچاتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (جسے قرآن مجید نے یوں نقل کیا):

آمَنِيكَ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ.

اپنی بیوی کو اپنے پاس روک رکھو اور اللہ تعالیٰ سے

ڈرو۔

یعنی اس کے معاملے میں (اللہ تعالیٰ سے ڈرو) اور اس کو نقصان پہنچانے اور کسی علت کی بنیاد پر طلاق نہ دو۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْنَدٌ مِّنْهَا وَطَرًا.

پس جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان سے اپنا

کام پورا کر لیا۔

اور ان کے لئے ان سے کوئی حاجت نہ رہی اور انہوں نے ان کو طلاق دے دی پھر ان کی عدت پوری ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب کو نبی اکرم ﷺ کے نکاح میں دے دیا۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

زَوْجَنَا كَهَا.

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت زینب سے نکاح کا حکم دیا کسی عقد کے بغیر ان کی بیوی بنا دیا اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا باقی تمام ازواج مطہرات سے کہا کرتی تھیں کہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے کر کے دیا اور تمہارا نکاح تمہارے ولیوں نے کیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اس نکاح میں سفیر تھے اور اس میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لئے بہت بڑی آزمائش اور ان کی ایمانی قوت پر واضح شہادت تھی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا تو اس کی علت یوں بیان فرمائی:

لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ.

تاکہ مؤمنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ ہو۔

جب وہ ان کو جدا کر دیں (طلاق دے دیں) اور یہ عورتیں اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں داخل نہیں ہیں:

وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ.

اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں (تم پر حرام ہیں)۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی:

وَتُعْطِي لِي نَفْسِيكَ.

اور آپ اپنے دل میں چھپاتے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ عنقریب حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کو طلاق دیں گے اور آپ ان سے نکاح کریں گے تو اتنی بات پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو متاب فرمایا حالانکہ یہ بات آپ کے لئے جائز تھی کہ آپ نے ان سے

فرمایا:

اَمْسِكْ هَلْبِكَ رَوْحَكَ۔ آپ اپنی بیوی کو اپنے پاس روک رکھیں۔

حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ عنقریب وہ ان کو طلاق دیں گے یہ بات حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور محققین مفسرین کا یہی قول ہے جس طرح حضرت زہری، بکر بن علاء اور قاضی ابوبکر بن عربی وغیرہ رحمہم اللہ۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَتَخْشَى النَّاسَ۔ اور آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ منافق، بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کی بری خبر زیادہ پھیلانے سے ڈرتے ہیں جب کہ آپ حرکات و سکنات میں گمناہوں سے معصوم ہیں بعض مفسرین نے یہاں ایسا کلام کیا ہے جو منصب نبوت کے لائق نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِيْ نَفْسِكَ مَا لِلَّهِ مُبْدِيهِ۔ اور آپ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور جس بات کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے اس کو دل میں پوشیدہ رکھیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہے یا نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے یہ بات فرمائی کہ انہوں نے دل میں حضرت زینب کی طرف میلان کو چھپایا اور ان سے اغراض کو ظاہر کیا جب ان کو وہم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ ان کو اپنی بیوی بنانا چاہتے ہیں۔

جاء اللہ محمود و محشری نے کہا کہ انسان کتنے ہی مباح کاموں سے بچتا ہے اور اس بات سے حیا کرتا ہے لوگ اس پر مطلع ہوں پس انسان کے دل میں عورت وغیرہ کے حوالے سے خواہشات رکھنا عقل اور شریعت کے مطابق بری بات نہیں ہے۔ اور مباح چیز کو شرعی طریقے کے مطابق حاصل کرنا بھی قبیح نہیں ہے۔

اور یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دینے اور ان سے نکاح کرنے کی خواہش تھی جب کہ حضرت زید کو ان کے چھوڑنے کے لئے بھی نہیں فرمایا اور اہل عرب کے نزدیک یہ بات ناپسندیدہ نہیں تھی کہ کوئی شخص اپنے دوست کے لئے اپنی بیوی سے دستبردار ہو جائے اور اس دستبرداری کے بعد وہ عورت دوسرے آدمی سے نکاح کرے تو اسے بھی برا نہیں سمجھتے تھے۔

مہاجرین صحابہ کرام جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو انصار نے ان کو ہر چیز میں حصہ دار بنایا حتیٰ کہ اگر کسی کی دو بیویاں تھیں تو ایک سے دستبردار ہو کر مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دی۔

پس جب کوئی کام تمام جہات سے جائز ہو تو اس میں کسی اعتبار سے خرابی نہیں ہوتی۔ ۱۔

اسی طرح آپ کے لئے جائز تھا کہ ولی اور گواہوں کے بغیر نکاح کریں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ ہمارے اصحاب کے نزدیک مشہور اور صحیح بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ولی اور گواہوں کے بغیر نکاح صحیح تھا۔ کیونکہ آپ کے حق میں اس بات کی حاجت نہیں تھی اور یہ بات حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے علاوہ میں ہے آپ کا معاملہ تو خود قرآن میں مذکور ہے۔

۱۔ لہذا اہل سنت و جماعت کے معمولات مثلاً میلاد شریف منانا، گیارہویں شریف اور عرس وغیرہ ہیں اگر کوئی قباحت نہ ہو تو ان کا مجموعہ ایسے

اعمال ہیں جوئی نفسہ جائز ہیں پھر مجموعہ کیسے ناجائز ہو جائے گا۔ ۱۲ ہزاروی

علماء کرام فرماتے ہیں ولی کی ضرورت کفو کی حفاظت کے لئے ہے اور نبی اکرم ﷺ تمام کفوؤں سے بلند و بالا ہیں۔ اور گواہوں کا اعتبار انکار سے بچنے کے لئے ہوتا ہے اور آپ انکار نہیں فرماتے تھے اور عورت انکار کرے تو اس کی پرواہ نہ کی جائے بلکہ عراقی نے ”شرح مہذب میں“ فرمایا کہ اس انکار کی وجہ سے وہ نبی اکرم ﷺ کی تکذیب کر کے کافر ہو جاتی۔

نبی اکرم ﷺ کو اختیار تھا کہ آپ کسی خاتون کی شادی اس کی اجازت اور اس کے ولی کی اجازت کے بغیر کر دیں اور اپنی صاحبزادیوں کے علاوہ بھی چھوٹی بچیوں پر جبر کر کے ان کا نکاح کر سکتے تھے آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا نکاح کر دیا حالانکہ ان کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ موجود تھے پس آپ باپ سے بھی مقدم ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دیا تو آپ ان کے پاس اس طرح تشریف لے گئے کہ خود نکاح نہیں کیا اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر اکتفا فرمایا۔ ”الروضۃ میں“ اس کی تعبیر یوں کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جائز کرنے سے وہ آپ کے لئے جائز ہو گئی تھیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی لونڈی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر قرار دیا۔ اس بات کے مفہوم میں اختلاف ہے کہا گیا کہ آپ نے ان کو اس شرط پر آزاد کیا کہ آپ ان سے نکاح کریں پس آپ کے لئے حضرت صفیہ پر قیمت واجب تھی اور وہ معلوم تھی پس اسی کے بدلے میں نکاح کیا۔ اور اس کی تائید حضرت عبدالعزیز بن صہیب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی قید میں آئیں تو آپ نے ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا حضرت ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ان کا مہر کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا ان کا اپنا نفس مہر تھا پس آپ نے ان کو آزاد کر دیا۔ امام بخاری نے ”المغازی میں“ اس طرح نقل کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۲۰۱)

حضرت حماد حضرت ثابت حضرت عبدالعزیز سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا۔ حضرت عبدالعزیز نے حضرت ثابت سے پوچھا اے ابو محمد! کیا آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ ان کا مہر کیا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا ان کے نفس کو ہی ان کا مہر قرار دیا تو حضرت ثابت نے تبسم فرمایا۔

تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ محض آزادی کو ان کا مہر قرار دیا گیا تھا اور پہلی تاویل میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کے اور قواعد کے درمیان کوئی فرق نہیں حتیٰ کہ قیمت مجہول بھی ہوتی تو بھی صحیح تھا۔

پس مذکورہ شرط کے ساتھ عقد نکاح کے صحیح ہونے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے ماننے والوں کے لئے دلیل ہے۔ (اگرچہ یہ ضعیف ہے اور اس کے باوجود مہر مثل واجب ہوتا ہے) دوسرے حضرات کہتے ہیں ”بلکہ نفس آزادی کو مہر قرار دیا لیکن یہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔ ماوردی نے اس بات کو مضبوط قول قرار دیا۔

دوسرے حضرات نے کہا کہ: اعتنقھا و تزوجھا۔ آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا۔ کا معنی یہ ہے کہ آزاد کیا پھر ان سے نکاح کیا پس جب ان کے لئے مہر کے بارے میں معلوم نہ تھا تو کہا کہ ان کی آزادی کو ہی مہر قرار دیا

یعنی میری معلومات کے مطابق الگ مہر نہیں دیا لیکن مطلق نفی نہیں کی اسی وجہ سے ابو الطیب الطمری (شافعی) ابن مراہط مالکی اور ان کے تبعین نے کہا کہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے انہوں نے اپنے گمان کے مطابق یہ بات فرمائی اور یہ مرفوعہ حدیث نہیں ہے لیکن امام طبرانی کی روایت اور ابو الشیخ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے آزاد کیا اور میری آزادی کو ہی میرا مہر مقرر کیا اور یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے موافق ہے اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ یہ بات حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے خیال کے مطابق کہی ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اس شرط پر ان کو آزاد کیا ہو کہ آپ ان سے مہر کے بغیر نکاح کریں گے پس ان پر اس شرط کو پورا کرنا لازم تھا اور یہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت ہے دوسروں کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے ان کو کسی عوض کے بغیر آزاد کیا ہو اور اس وقت مہر ادا کئے بغیر نکاح کیا ہو لیکن مستقبل میں مہر کی ادائیگی کی نفی نہیں ہے۔

ابن صلاح نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ آزادی مہر کی جگہ آگئی اگرچہ وہاں مہر نہ تھا وہ فرماتے ہیں یہ اسی طرح ہے جس طرح کہتے ہیں:

الجوع زاد من لا زاد له۔ بھوک اس شخص کا زادراہ ہے جس کے پاس زادراہ

نہیں ہے۔

اور یہ تاویل تمام تاویلات کی نسبت زیادہ صحیح ہے اور لفظ حدیث کے زیادہ قریب ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ”الروضۃ“ میں ان کی اتباع کی ہے۔

اور جن لوگوں نے اس کو قطعی طور پر نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ان میں حضرت یحییٰ بن اسلم بھی ہیں جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں امام مزنی نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے اسی طرح نقل کیا ہے اور فرمایا خصوصیت کا مقام یہ ہے کہ آپ نے ان کو کسی شرط کے بغیر آزاد کیا اور مہر نیز گواہوں کے بغیر ان سے نکاح کیا دوسرے لوگوں کو یہ اختیار نہیں ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح مسلم میں“ فرمایا صحیح بات وہ ہے جسے معتقین نے اختیار کیا ہے کہ آپ نے ان کو کسی عوض اور شرط کے بغیر اپنی طرف سے احسان کرتے ہوئے آزاد کیا پھر ان کی مرضی سے مہر کے بغیر ان سے نکاح کیا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یہ بات حافظ ابن حجر نے فرمائی ہے۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو بھی صرف تین طلاقیں کا حق تھا اور اگر آپ بھی صرف تین طلاقیں کے مالک تھے تو کیا مطلقہ خاتون حلالہ کے بغیر آپ کے لئے حلال ہو جاتی تھیں اور کہا گیا کہ وہ آپ کے لئے کبھی حلال نہیں ہو سکتی تھیں۔ ۱

۱۔ کیونکہ تین طلاقیں کے بعد حلالہ ہوتا ہے اور جو خاتون آپ کے عقد نکاح میں آگئی وہ کسی دوسرے کے نکاح میں نہیں جاسکتی۔

ازواج مطہرات کا نفقہ آپ پر واجب تھا یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں دو قول ہیں حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ واجب تھا۔

اہل علم کے کئی گروہ فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر کرنا نبی اکرم ﷺ پر واجب نہ تھا شافعی مسلک کے الا مطحری نے اسے صحیح قرار دیا جب ان کے (شوافع کے) اور اکثر لوگوں کے نزدیک اس کا واجب ہونا مشہور ہے۔ اور کیا آپ کسی خاتون اور اس کی خالہ یا اس کی پھوپھی کو جمع کر سکتے تھے کسی عورت کو اس کی بہن بیٹی یا ماں کے ساتھ نہیں۔ تو علماء کرام نے فرمایا اس سلسلے میں دو قول نقل کئے ہیں (ایک جواز کا دوسرا عدم جواز کا)۔

انہوں نے فرمایا کہ ان خصائص کا غالب حصہ اس بات کی طرف لوٹتا ہے کہ آپ کے حق میں نکاح اسی طرح تھا جس طرح ہمارے حق میں لوٹتی بنانا۔ (یعنی دو باہم محرم عورتوں کو اگر بیک وقت لوٹتی بنایا جاسکتا ہے تو آپ کے لئے ان کو نکاح میں لانا بھی صحیح ہوگا ورنہ نہیں) (زرقاتی ج ۵ ص ۲۳۹)

نبی اکرم ﷺ کے لئے جائز تھا کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس مال میں سے لوٹتی وغیرہ جو کچھ چاہیں لے لیں۔ آپ کے لئے مکہ مکرمہ میں لڑائی لڑنا اور قتل کرنا بھی جائز تھا اور احرام کے بغیر داخل ہونا بھی۔ یہ بات القاص نے ذکر کی ہے۔

اور ان حضرات نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جیسے صحاح ستہ کے مصنفین نے نقل کیا آپ فرماتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود تھا (لوہے کی ٹوپی تھی) تو آپ کا سر انور ڈھانپا ہوا تھا جبکہ محرم پر سر کا ننگا رکھنا واجب ہوتا ہے نیز حضرت جابرؓ حضرت زہریؓ اور حضرت مالک رضی اللہ عنہم نے بھی واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ آپ محرم نہیں تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۴۶-۳۰۳۳-۳۲۸۶-۵۸۰۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۵۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۵ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۹۳ سنن نسائی ج ۵ ص ۲۰۱ سنن دارمی رقم الحدیث: ۸۸ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۸۰۵ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۲۳۷ مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۹-۱۶۳-۱۸۰-۲۳۲-۲۳۰ شرح السنہ ج ۱ ص ۳۹۹ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۹) ابن دقیق العید نے کہا کہ سر کو ڈھانپنے کی وجہ کوئی عذر بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن شیخ ولی الدین ابن عراقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی تصریح وغیرہ اس احتمال کو رد کرتی ہے۔ اور یہ استدلال مشہور اختلاف کی جگہ میں نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کو لڑائی کا خدشہ تھا اور آپ اس کے لئے تیار تھے۔

اور جو اس حالت میں ہو تو ہمارے نزدیک (شافعی مسلک والوں کے نزدیک) وہ احرام کے بغیر داخل ہو سکتا ہے ہمارے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ ہی ہمیں کسی اور سے اختلاف معلوم ہے۔

لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح المہذب میں“ اس پر اعتراض کیا ہے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ۱۔ کیونکہ ان کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے دن داخل ہوئے تو آپ کے سر انور پر سیاہ عمامہ تھا اور آپ احرام سے نہیں تھے۔ (زرقاتی ج ۵ ص ۲۳۹)

مکہ مکرمہ بطور صلح فتح ہوا جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بطور غلبہ فتح ہوا تو اس وقت کوئی خوف نہ تھا۔ پھر اس بات کا جواب یوں دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوسفیان سے مصالحت کر لی تھی لیکن آپ اہل مکہ کی خلاف ورزی سے بے خوف نہیں تھے پس آپ صلح کے طور پر داخل ہوئے لیکن آپ لڑائی کے لئے تیار تھے اگر وہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے۔

اور میں نے فتح مکہ کے سلسلے میں مباحث مقصد اول میں فتح مکہ کے بیان میں ذکر کر دی ہیں۔ پھر دوسرے لوگوں کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ خوف زدہ نہ ہو تو ہمارے اصحاب فرماتے ہیں اگر وہ بار بار داخل نہ ہو تو اس پر احرام کے واجب ہونے میں دو قول ہیں ان میں سے اکثر کے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ واجب نہیں ہے بعض حضرات نے اسے قطعی حکم قرار دیا ہے اور اگر بار بار داخل ہوتا ہو جیسے لکڑیاں لانے والے لوگ یا دوسرے اس قسم کے لوگ ہیں تو ان کے بارے میں اختلاف ہے لیکن زیادہ مناسب بات یہی ہے کہ ان پر احرام واجب نہیں ہے۔ حنبلیوں کے نزدیک خوف زدہ اور ضرورت مند لوگوں کے علاوہ لوگوں پر احرام واجب ہے۔ مالکی حضرات کے نزدیک بھی بار بار حاجت کے لئے آنے والوں کے علاوہ لوگوں پر واجب ہے۔ حنفی فقہا نے مطلقاً واجب قرار دیا البتہ جو لوگ میقات کے اندر ہوں ان پر (احرام کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہونا) واجب نہیں اور یہ بات لکھی گئی ہے کہ شافعی مسلک کے مطابق مطلقاً واجب نہیں اور باقی تین مذاہب میں ان لوگوں کے علاوہ جن کی استسنا کی گئی ہے باقی سب پر واجب ہے۔

آپ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کریں اس میں کوئی اختلاف نہیں نیز اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بھی فیصلہ کر سکتے تھے اسی طرح اپنی ذات اور اپنی اولاد کے حق میں گواہی بھی دے سکتے تھے۔ نیز آپ کے لئے غصے کی حالت میں فتویٰ دینا یا فیصلہ کرنا بھی مکروہ نہ تھا جس طرح امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے۔ آپ نے حرہ (مقام) کے پانی کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا۔ جبکہ اس سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مخالف نے آپ کو غصہ دلا دیا تھا۔ (معجم البلدان ج ۳ ص ۲۳۴، معجم ماہ استجمام ج ۳ ص ۷۹) اس خصوصیت کی وجہ یہ تھی کہ آپ معصوم ہونے کی وجہ سے غصے کی حالت میں بھی وہی بات فرماتے تھے جز رضا کی حالت میں فرماتے۔

آپ کی خصوصیت تھی کہ جس کے لئے چاہیں ”صلوٰۃ“ کے ساتھ دعا مانگیں۔ (جیسے آپ نے دعا مانگی اللھم صل علی آل ابی اہی اولہی) لیکن ہم صلوٰۃ کا لفظ صرف نبی یا فرشتے کے لئے بول سکتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ امن دینے کے بعد لڑائی کریں اور جس پر چاہیں کسی سبب کے بغیر لعنت بھیجیں اس کے باوجود آپ اس عمل سے دور رہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی گالی اور لعنت کو اس شخص کے لئے قریب خداوندی کا ذریعہ بنایا جس کو گالی دی یا جس پر لعنت

بھیجی۔ ۱۔ (مرشد الحارث ص ۱۲۵)

یہ بات ابن القاص نے کہی ہے اور محدثین نے اس پر ان کا رد کیا یہ بات حجازی نے ”مختصر الروضہ میں“ امام رافعی سے نقل کی ہے۔

((نوٹ) جب واضح حدیث جو حاشیہ میں نقل کی ہے موجود ہے تو پھر اس رد کی کوئی وجہ نہیں لیکن ہو سکتا ہے اس کی کوئی اور وجہ ہو بہر حال صحیح بخاری و مسلم میں مذکورہ حدیث کی بنیاد پر یہ بات درست ہے۔ ۱۲ ہزاروی۔)

اور نبی اکرم ﷺ زمین کو فتح کرنے سے پہلے اسے تقسیم کر دیتے تھے یہ آپ کی خصوصیت تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام زمین کا مالک بنایا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے ان لوگوں کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا ہے جو حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی اولاد کی راہ میں اس زمین کے سلسلے میں رکاوٹ بنے جو حضور علیہ السلام نے ان کے لئے تقسیم فرمائی تھی۔

اور انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ تو جنت کی زمین عطا فرماتے تھے پس دنیا کی زمین کا تقسیم کرنا اولیٰ ہے۔ (اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سے جنت عطا فرماتے تھے لہذا اس پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں)۔

چوتھی قسم: فضائل میں خصوصیات

اس قسم میں ان خصوصیات کا ذکر ہے جو آپ کے فضائل و کرامات سے متعلق ہیں۔

آپ کی تخلیق و ولادت سے متعلق

آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کی تخلیق تمام انبیاء کرام سے پہلے ہوئی۔ جس طرح کتاب کے شروع میں بیان ہوا اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۶۱، مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۰۔ ج ۳ ص ۳۳، صحیح مسلم ص ۲۰۰، سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۶۱، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۶، فتح الباری ج ۱ ص ۲۰۵، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۷۳۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۲۲۳، شرح السنہ ج ۵ ص ۸، تخیص الحیدر ج ۳ ص ۱۳۶)

سب سے پہلے آپ ہی سے وعدہ لیا گیا جیسا کہ گذر چکا ہے۔

یہ بھی خصوصیت ہے کہ سب سے پہلے ”الست بربکم“ کے جواب میں آپ نے ہی ”بلی“ (ہاں) کہا تھا۔ یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ”امالی“ (جس میں املاء ہوتی ہے) کی ایک جزء میں بیان کی ہے۔

آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور تمام مخلوق کو آپ کے لئے پیدا کیا گیا۔

(الموضوعات ص ۵۲، کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۳۲)

اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم گرامی عرش پر تمام آسمانوں پر جنتوں اور جو کچھ ان میں ہے سب پر لکھا یہ حدیث ابن عساکر

۱۔ ”صحیح بخاری و مسلم میں ہے“ نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگی۔ یا اللہ! میں تجھ سے ایک وعدہ لیتا ہوں تو ہرگز اس کے خلاف نہ کرنا میں ایک انسان ہوں پس جس مسلمان کو مجھ سے اذیت پہنچے یا میں اسے برا بھلا کہوں یا اسے کوڑے ماروں یا اس پر لعنت بھیجوں تو تو اسے اس کے لئے نماز، زکوٰۃ اور اپنے قرب کا ذریعہ بنادے کہ وہ قیامت کے دن اس کے ذریعے تیرا قرب حاصل کرے۔

نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

آپ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء کرام سے وعدہ لیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ
اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس رسول ﷺ تشریف لائیں جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہیں جو تمہارے پاس ہے تو آپ پر ضرور ضرور ایمان لانا اور ضرور ضرور آپ کی مدد کرنا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اللہ تعالیٰ نے ان سے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں وعدہ لیا کہ اگر آپ اس نبی کی زندگی میں مبعوث ہوں تو وہ ضرور ضرور آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں اور انبیاء کرام نے یہ وعدہ اپنی اپنی قوم سے لیا۔
آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ پہلی کتب میں آپ کی بشارت دی گئی ہے جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ان باتوں میں ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے (آپ کی ذات والا صفات تک) آپ کے نسب میں کوئی اخلاقی کمزوری نہیں ہے۔
ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ولادت کے موقع پر بتوں نے اپنے سر جھکا لئے۔
نبی اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ اس مسئلہ پر کتاب کے شروع میں بحث ہو چکی ہے۔

آپ کی ولادت ہوئی تو پاک صاف تھے کوئی گندگی وغیرہ نہ تھی۔
آپ کے خصائص میں ہے کہ آپ پیدا ہوئے تو زمین پر سجدہ کرتے ہوئے پیدا ہوئے اور آپ نے انگلی مبارک اس طرح اٹھائی ہوئی تھی جس طرح کوئی عاجزی کرنے والا اٹھاتا ہے۔ اسے ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

اور آپ کی والدہ نے اپنے جسم اطہر سے ایک نور نکلتے ہوئے دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے انبیاء کرام علیہم السلام کی مائیں اسی طرح دیکھتی ہیں۔ اسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا۔
فرشتے آپ کا جھولا جھلاتے تھے جس طرح ابن سبع نے ”الخصائص میں“ ذکر کیا ہے۔

آپ بچھوڑے میں ہوتے تو چاند آپ سے گفتگو کرتا اور آپ کے اشارے کے مطابق جھک جاتا۔ یہ بات ابن طغریک نے ”الطوق المحفوم میں“ اور دوسروں نے بھی ذکر کی ہے اور آپ نے بچپن میں کلام کیا یہ بات واقدی اور ابن سبع نے ذکر کی ہے۔

گرمی میں بادل آپ پر سایہ کرتے تھے یہ بات ابو نعیم اور بیہقی نے نقل کی ہے۔ درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک جاتا جب آپ اس کی طرف تشریف لے جاتے۔

ایک خصوصیت آپ کے سینہ مبارک کا چاک ہونا ہے امام مسلم وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے۔ ابتدائے وحی کے موقع پر حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو تین بار اپنے ساتھ دبا یا (تاکہ دوسری طرف توجہ نہ رہے) بعض حضرات نے اسے آپ کے خصائص میں شمار کیا ہے جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کیا اور فرمایا کہ کسی دوسرے نبی کے بارے میں منقول نہیں ہے کہ وحی کی ابتدا میں ان کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہو۔

قرآن مجید میں آپ کے ایک ایک عضو کا ذکر

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کے ایک ایک عضو کا ذکر فرمایا۔ قلب مبارک کا یوں ذکر کیا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ۖ (النجم: ۱۱)

دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔

نیز فرمایا:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ. (الشراء: ۱۹)

اسے روح الامین لے کر اترا۔

زبان اقدس کا ذکر یوں فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ (النجم: ۳)

اور وہ بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔

نیز فرمایا:

لَوْنًا يَسْرَوْنَ ۚ فَمَا يَسْأَلُكَ (المریم: ۹۷)

تو ہم نے یہ قرآن تمہاری زبان میں آسان فرمایا۔

مبارک آنکھوں کا ذکر اس طرح ہوا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۖ (النجم: ۱۷)

آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

چہرہ انور کا ذکر یوں فرمایا:

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ.

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ

(البقرہ: ۱۳۳) کرتا۔

آپ کے دست مبارک اور گردن مبارک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ.

اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ۔

(الاسراء: ۲۹)

پینٹہ مبارک اور سینہ مطہرہ کا ذکر یوں ہوا:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۖ وَوَضَعْنَا عَنُقَكَ

کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا اور تم پر سے تمہارا

وَزَدَكَ ۖ أَلَيْسَ أَتَقَضَّى ظَهْرَكَ ۖ (الم نشرح: ۳۱)

بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پینٹھ توڑی تھی۔

آپ کا اسم مبارک اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی ”المحمود“ سے مشتق کیا گیا اور اس پر امام بخاری کی وہ روایت جو انہوں نے علی بن زید کے طریق سے ”اپنی تاریخ صغیر میں“ نقل کی ہے دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طالب کہا کرتے تھے:

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اسْمِهِ لِيَجْلُوهُ فَذُو الْعَرْشِ مُحَمَّدٌ وَهَذَا مُحَمَّدٌ

”اللہ تعالیٰ نے اپنے نام مبارک سے حضور علیہ السلام کا اسم گرامی مشتق کیا پس عرش والا محمود اور یہ محمد

ہیں (متفق)۔“

یہ شعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مشہور ہے آپ کا اسم گرامی ”محمد ﷺ“ رکھا گیا اور آپ سے پہلے کسی کا نام محمد نہ تھا امام احمد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ کی روایت سے نقل کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

مجھے چار ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی تھیں تو آپ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا میرا نام احمد رکھا گیا۔

بعض صفات میں آپ کی خصوصیات

ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ بھوک کی حالت میں رات گزارتے تو کھانا کھاتے ہوئے صبح کرتے آپ کا رب آپ کو جنت سے کھاتا اور پلاتا تھا ”عبادات کے مقصد“ میں آپ کے روزے کے ضمن میں یہ بحث آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آپ جیسے آگے دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے بھی دیکھتے تھے۔

اور آپ رات کو اور اندھیرے میں اس طرح دیکھتے جس طرح دن کے وقت اور روشنی میں دیکھتے تھے۔

(دلائل النبوة ج ۶ ص ۵۵ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۷۲ العلل المتباہیہ ج ۱ ص ۱۶۸)

آپ کا لعاب مبارک نمکین پانی کو میٹھا کر دیتا تھا۔ اور یہ لعاب مبارک دودھ پینے والے بچے کو (دودھ کی جگہ) کفایت کرتا تھا۔

آپ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب آپ کسی پتھر پر چلتے تو اس میں آپ کے قدموں کے نشانات پڑ جاتے جیسا کہ پہلوں اور پچھلوں سب کی زبانوں میں مشہور ہے اور شعراء نے اپنے منظوم کلام میں اور بلغاء نے نثر میں اس کا ذکر کیا ہے اور پھر اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مبارک قدم کا نشان پتھر پر موجود ہے جس کا قرآن مجید نے یوں ذکر کیا ہے:

فَبِذَلِكَ آيَاتِ بَيِّنَاتٍ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ۔ اس (اللہ کے گھر) میں واضح نشانیاں ہیں اور حضرت

(آل عمران: ۹۷) ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔

تو اترے ثابت ہے کہ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں اسی سلسلے میں ابو طالب نے کہا:

وَمَوْطِئُ إِبْرَاهِيمَ فِي الصَّخْرِ رَطْبَةٌ عَلَى قَدَمَيْهِ حَالِيًا غَيْرَ نَاعِلٍ

”پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات تازہ ہیں آپ نعلین کے بغیر ننگے پاؤں کھڑے تھے۔“

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر چھ یا سات ضربیں لگائیں جب آپ غسل کرنے لگے تو وہ آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا اور وہ نشانات موجود ہیں اس لئے کہ پہلے انبیاء و رسل کو جن جن معجزات کے ساتھ خاص کیا گیا اس قسم کے معجزات ہمارے نبی ﷺ کو عطا ہوئے جیسا کہ علماء کرام نے بیان کیا ہے۔

اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کے خچر کے قدموں کے نشان مدینہ طیبہ کی ایک مسجد میں موجود ہیں حتیٰ کہ اس مسجد کو اسی نام سے یعنی مسجد بخلہ (خچر والی مسجد) کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ بات آپ کے فیض کی وجہ سے جو اس میں جاری ہوا تا کہ یہ نشانی زیادہ قوی ہو اور اس بات پر زیادہ دلیل ہو کہ جو معجزہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا اس سے اعلیٰ طریقے پر آپ کو عطا ہوا۔

بلکہ حضرت زبیر بن بکار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جسے المسجد الشیرازی نے ”المغانم المطاہہ میں“ خچر کے نشان اور اس مسجد کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ اس مسجد کے غریبی حصے میں نشان ہے گویا یہ ایک نرم و ملائم نشان ہے اور کہا جاتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس پر تکیہ لگایا اور کہنی مبارک رکھی اور ایک دوسرے پتھر پر آپ کی انگلیوں کے نشانات ہیں اور لوگ ان دونوں سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت سید نور الدین سمہوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”وفاء الوفا“ میں یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ میں اس سلسلے میں کسی اصل پر مطلع نہیں ہوا البتہ ابن النجار نے ان مساجد کے بارے میں جو مدینہ طیبہ میں غیر آباد ہو گئیں یوں کہا ہے۔
دو مسجدیں جنت البقیع کے پاس ہیں ان میں سے ایک کو مسجد اجابہ کہا جاتا ہے اور دوسری مسجد بخلہ کے نام سے معروف ہے اس میں ایک ستون ہے اور وہ مسجد غیر آباد ہے اس کے گرد بلند پتھر ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے خچر کے پاؤں کا نشان ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی بغل مبارک میں بال نہیں تھے۔ یہ بات امام قرطبی نے کہی ہے اور وہ سفیدی تھی جس کا رنگ بدلتا نہیں تھا جس طرح طبری نے ذکر کیا اور اسے آپ کے خصائص میں شمار کیا۔ شافعی مسلک کے بعض حضرات نے بھی اسے ذکر کیا ہے۔

جس کی بنیاد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ طلب بارش کے سلسلے میں ہاتھ اٹھاتے حتیٰ کہ آپ کی مبارک بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔

شیخ جمال الدین الاسنوی نے ”المہمات میں“ لکھا ہے کہ بغلوں کی سفیدی آپ کے خصائص میں سے ہے۔
(الاعلام ج ۳ ص ۳۴۴ شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۲۲ الدرر الکامنہ ج ۲ ص ۳۵۴ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۱۱ بغیۃ الوعاة رقم

الحديث: ۳۰۴)

”شرح تقریب الاسانید میں“ فرمایا کہ آپ کی خصوصیت ہونے کے دعویٰ میں نظر ہے کیونکہ یہ بات کسی طریقے سے

ثابت نہیں بلکہ معتبر کتابوں میں ایسی کوئی بات وارد نہیں ہوئی اور نہ اس کو احتمال سے ثابت نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ یا دوسرے حضرات کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی بغلوں میں بال نہیں تھے اور جب بال اکھڑے جائیں تو وہ جگہ سفید رہ جاتی ہے۔ اگرچہ وہاں بالوں کے آثار باقی رہتے ہیں اسی لئے حضرت عبداللہ بن اقرم الخزاعی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سجدہ کرتے تو میں آپ کی بغلوں میں سفیدی دیکھتا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کر کے حسن قرار دیا نیز امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۳۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۸۱ مسند احمد ج ۳ ص ۳۵)

(ابو عبید احمد بن محمد) اھر وی نے ”الغریبین میں“ اور ابن اثیر نے ”الانھایہ میں“ فرمایا کہ اس سے وہ سفیدی مراد ہے جو خالص نہیں (عفرۃ کالغظ ہے جس کا معنی ایسی سفیدی ہے) جس کا رنگ زمین کے ظاہر کی طرح ہے۔

(الاعلام ج ۱ ص ۲۱۰ فیات الامیاء ج ۱ ص ۲۸-۳۳ شذرات الذهب ج ۳ ص ۱۶۱ معجم الادباء ج ۱ ص ۶۳۰ بغیۃ الوعاة رقم الحدیث: ۱۶۱ کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۲۰۶ مرآۃ البیان ج ۳ ص ۳)

تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بالوں کے نشانات نے اس جگہ کو سرخی مائل سفید رنگ کی طرح کر دیا اور اگر وہ جگہ بالوں سے خالی ہوتی تو یہ رنگ نہ ہو۔

ہاں یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی بغلوں سے ناپسندیدہ بو نہیں آتی تھی بلکہ وہ پاک تھیں اور اچھی خوشبو آتی تھی جس طرح صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ ۱۔

رسول کریم ﷺ کی آواز اور سماعت اس قدر تیز تھی کہ کسی دوسرے کی آواز وہاں تک نہ پہنچتی جہاں آپ کی آواز پہنچتی اور نہ ہی وہ وہاں سے سن سکتا جہاں سے آپ سنتے تھے۔

آپ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل جاگتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے کبھی جمائی نہیں لی۔ ابن ابی شیبہ نے اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں یزید بن اہم کی مرسل روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کسی نبی نے کبھی بھی جمائی نہیں لی اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جمائی شیطانی عمل ہے۔

رسول اکرم ﷺ کو اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو کبھی احتلام نہیں ہوا۔ اور آپ کا پسینہ کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

جب آپ کسی لمبے آدمی کے ساتھ چلتے تو اس سے طویل القامت معلوم ہوتے اور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا (یعنی) آپ کا سایہ نہ سورج میں دیکھا گیا اور نہ چاندنی میں۔

اور اس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب بارگاہ خداوندی میں یہ سوال کیا کہ وہ آپ کے تمام اعضاء اور جہات کو نور بنادے تو اس کے آخر میں یوں عرض کیا:

وَأَجْعَلْنِي نُورًا۔ اور مجھے سراپا نور بنادے۔

۱۔ حضرت بزار روایت کرتے ہیں ایک شخص نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے معاف فرمایا تو آپ کی بغلوں کا پسینہ مجھ پر گرا جو کستوری کی طرح خوشبودار تھا۔ (زر قانی ج ۵ ص ۲۳۸)

رسول اکرم ﷺ کے کپڑوں پر کبھی بھی نہیں بیٹھی یہ بات امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔
اور نہ کبھی مجھرنے آپ کا خون مبارک چوسا جس طرح حجازی وغیرہ نے نقل کیا ہے اسی طرح جوڑوں نے آپ کو
اذیت نہ دی (یعنی آپ کے کپڑوں اور بالوں میں جوئیں نہیں ہوتی تھیں)۔
ابن سبع نے ”الشفاء میں“ اور السبکی نے ”اعذب المساور میں“ یہ بات لکھی ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۵۰)

بعثت کے وقت آسمان کی حفاظت

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب آپ مبعوث ہوئے تو کائناتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور چوری چھپے
باتیں سننے سے آسمان کی حفاظت ہو گئی اور شہاب ثاقب ستاروں سے شیطانوں کو مارا جاتا ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شیطانوں کو آسمانوں سے رکاوٹ نہیں تھی وہ وہاں داخل ہو کر وہاں
سے خبریں لاتے اور کائناتوں کو ہتاتے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ ہوئی تو ان کو تین آسمانوں پر روکا گیا اور
جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی تو ان کو تمام آسمانوں سے روک دیا گیا۔
پس جو شیطان بھی کان لگا کر بات سننا چاہتا ہے شہاب ستارے کے ذریعے اس کو مارا جاتا ہے اور یہ آگ کا شعلہ
ہے وہ خطا نہیں کرتا بلکہ ان (شیطانوں) میں سے بعض کو ہلاک کر دیتا ہے کچھ کے چہرے جل جاتے ہیں اور بعض کی عقل یا
کوئی عضو خراب ہو جاتا ہے جو خشکی میں لوگوں کو گمراہ کرتا ہے (اسے غیلان کہتے ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جب
تمہیں غیلان گمراہ کرے تو اذان دو)۔ (زر قانی ج ۵ ص ۲۵۰)
اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے ظاہر نہ تھی اور نہ ہی آپ کے زمانے سے پہلے کسی نے اس کا ذکر کیا ہے۔
یہ بات آپ کی نبوت کے آغاز میں ظاہر ہوئی اور یہ نبوت کی بنیاد تھی۔
حضرت معمر فرماتے ہیں میں نے حضرت زہری سے پوچھا کیا جاہلیت کے دور میں شیطان کو ستاروں کے ذریعے مارا
جاتا تھا؟ انہوں نے فرمایا ہاں میں نے کہا کیا آپ نے یہ قول سنا ہے:
وانا کنا نقعد منها مقاعد للسمع۔ اور یہ کہ ہم پہلے آسمان میں سننے کے لیے کچھ موقعوں
پر بیٹھا کرتے تھے۔

(اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ان کو مارا نہیں جاتا تھا)۔

تو انہوں نے فرمایا جب نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو ان کے معاملے میں سختی کر دی گئی۔
ابن قتیبہ نے کہا کہ آپ کی بعثت سے پہلے بھی ان کو مارا جاتا تھا لیکن سخت حفاظت آپ کی بعثت کے بعد ہوئی ہے۔
یہ بھی کہا گیا کہ ستارے ٹوٹتے اور شیطانوں کو مارتے پھر اپنی جگہ چلے جاتے یہ بات امام بغوی نے ذکر کی ہے۔

معراج کے خصائص

ان امور میں سے ایک یہ ہے کہ معراج کی رات آپ کے پاس براق لایا گیا جس پر زین پڑی ہوئی تھی اور اسے لگام
ڈالی ہوئی تھی کہا گیا کہ دیگر انبیاء کرام براق پر سوار ہوتے تو اس کی پیٹھنگی ہوتی تھی۔

نیز آپ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی اور بلند مقام تک لے جایا گیا نیز آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں، معراج میں آپ کی حفاظت فرمائی حتیٰ کہ آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی انبیاء کرام کو آپ کے لئے حاضر کیا گیا تو آپ نے امام بن کران کو اور فرشتوں کو نماز پڑھائی علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت اور جہنم پر مطلع فرمایا۔ یہ بات امام بیہقی کی طرف منسوب ہے۔

آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا جس طرح معراج کے بیان میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۹۵ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۰۷، دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۶۶)

اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے کلام اور رویت کو جمع کیا اور بلند مقام پر آپ سے کلام فرمایا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کلام فرمایا۔

یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے کہ جب آپ چلتے تو فرشتے آپ کے پیچھے پیچھے چلتے اور آپ کے ساتھ مل کر لڑتے جس طرح غزوہ بدر اور غزوہ حنین کے بیان میں ذکر ہوا۔

نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ ہم پر واجب ہے کہ آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا O درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (الاحزاب: ۵۶)

اور یہ بات منقول نہیں ہے کہ پہلی امتوں پر اپنے نبیوں کی بارگاہ میں یہ درود پیش کرنا واجب ہو۔

قرآن مجید سے متعلق خصائص

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کو قرآن مجید دیا گیا اور آپ اُمّی تھے آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھا نہیں تھا اور نہ ہی درس و تدریس میں مشغول رہے۔

ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی کتاب (قرآن مجید) تبدیلی اور تحریف سے محفوظ ہے حتیٰ کہ بے شمار ملحدوں اور مذہب تعطیل والوں خصوصاً قراقطہ نے قرآن مجید کی محکم آیات کو بدلنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کے نور میں سے کچھ بھی بجھانے پر قادر نہ ہو سکے اور نہ ہی اس کا کوئی کلمہ بدل سکے بلکہ اس کے کسی حرف میں مسلمانوں کو شک میں بھی نہ ڈال سکے۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ۔ اس کے آگے اور پیچھے سے باطل اس کے قریب نہیں

آ سکتا۔

المعطلہ ایک بے دین فرقہ ہے جس نے اپنے آپ کو قل کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے یہ لوگ صانع کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ قراقطہ بھی ایک بے دین جماعت ہے جو فرقہ نامی شخص یا ایک قول کے مطابق حمان بن قرقطہ کی طرف منسوب ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے زر قانی ج ۵ ص ۲۵۳)۔ ۱۲ ہزاروی

اور آپ کی کتاب ان تمام باتوں کی جامع ہے جو پہلی کتب میں ہیں اس میں گزشتہ زمانوں اور پہلی امتوں کی خبریں بھی ہیں اور احکام شرع بھی۔ اور یہ باتیں صرف اہل کتاب کا کوئی عالم ہی جان سکتا ہے جس نے اس کو سیکھنے میں زندگی صرف کر دی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک سیکھنے والوں کے لئے اسے آسان اور حفظ کرنے والوں کے قریب کر دیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
 ہم نے یاد کرنے کے لئے قرآن مجید کو آسان کر دیا۔
 جب کہ دوسری کسی امت کا ایک آدمی بھی اپنی کتاب کو یاد نہیں کر سکتا زیادہ لوگوں کے بارے میں کیسے اس بات کا تصور ہو
 سکتا ہے اور زمانہ گزر چکا ہے جب کہ قرآن مجید بچوں کو تھوڑی سی مدت میں یاد ہو جاتا ہے۔

یہ بھی آپ کی خصوصیت میں سے ہے کہ قرآن مجید سات قرأتوں میں نازل ہوا تاکہ ہمارے لئے آسانی، شرف، رحمت اور ہماری فضیلت کے لئے خصوصیت ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳۱۹-۴۹۹۲-۵۰۳۱-۶۹۳۶-۷۵۵۰ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۳-۲۷۲-۲۷۳ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۲ ج ۵ ص ۱۱۴-۳۹۱ سنن نسائی ج ۲ ص ۱۳۹ رقم الحدیث: ۳۷۷ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۷۵۰ المعجم الکبیر ج ۳ ص ۱۸۵ الدر المنثور ج ۲ ص ۷۷ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۳۵۳۳ کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۳۱ المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۳۳۸۹ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۳۸۰ اکمال ج ۲ ص ۶۷۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۰۸۳-۳۰۹۳-۳۰۹۵)

ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس (قرآن مجید) کی حفاظت کا ذمہ لیا پس فرمایا:
 اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ۝
 بے شک ہم نے ذکر (قرآن مجید) اتارا اور بے شک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یعنی ہر قسم کی تبدیلی زیادتی اور نقصان سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کی مثال قرآن مجید کی یہ صفت بھی بیان ہوئی:
لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ
باطل اس کے قریب نہیں آ سکتا نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے۔

اور فرمایا: وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا۔
اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔

سوال: یہ آیت قرآن مجید میں اختلاف کی نفی کرتی ہے اور حدیث شریف:
انزل القرآن علی سبعة احرف.
قرآن مجید سات قرأتوں (لغات) پر اتارا گیا۔
جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اختلاف کو ثابت کر رہی ہے۔

جواب: اس کا جواب بھری نے شاطیہ کی پہلی شرح میں یوں دیا ہے کہ جو چیز ثابت ہے وہ اختلاف تغایر ہے (ایک دوسرے کا غیر ہونا) اور نفی اختلاف تناقض کی ہے (یعنی ایسا اختلاف نہیں کہ آیات ایک دوسرے کو غلط قرار دیتی ہوں) لہذا دونوں کی بنیاد مختلف ہے۔

سوال: صحابہ کرام قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کرنے میں کیوں مشغول ہوئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اور جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرمائے اس کے بارے میں کوئی خوف نہیں؟

جواب: جیسا کہ امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسے جمع کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی حفاظت کے اسباب میں سے تھا اللہ تعالیٰ نے جب اس کی حفاظت کا ارادہ کیا تو ان کو اس طرف متوجہ کر دیا۔

وہ فرماتے ہیں ہمارے اصحاب نے فرمایا اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کی آیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا اور حفاظت یہی ہوتی کہ یہ ہر تبدیلی سے محفوظ ہو ورنہ زیادتی سے محفوظ نہ ہوگا اور اگر صحابہ کرام کے بارے میں یہ گمان کرنا جائز ہو کہ انہوں نے زیادتی کی ہے تو ان کے بارے میں یہ گمان کرنا بھی صحیح ہوگا کہ انہوں نے اس میں سے کچھ کم بھی کیا ہوگا اور اس طرح قرآن مجید حجت نہیں رہے گا۔ ۱۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت کا کیا طریقہ ہے تو بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کی حفاظت اس طرح کی گئی کہ اس کو معجزہ قرار دیا گیا جو انسانی کلام سے مختلف ہے اور مخلوق کو اس میں زیادتی اور کمی سے عاجز کر دیتا ہے اس لئے کہ اگر وہ اس میں کوئی زیادتی یا کمی کر سکتے تو قرآنی عبارت میں تبدیلی لازم آتی ہے اور ہر عقلمند پر واضح ہو جاتا کہ یہ قرآن مجید سے نہیں ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس کے باطل یا فاسد کرنے سے عاجز کر دیا بلکہ ایک جماعت کو مقرر کر دیا کہ وہ اس کو یاد کریں اور آخر دم تک لوگوں کے درمیان پڑھیں پڑھائیں۔

کچھ دوسرے حضرات نے کہا کہ حفظ سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے ایک حرف یا ایک نقطہ کو بھی تبدیل کرنے کے درپے ہو تو دنیا والے اس سے کہتے ہیں یہ جھوٹ ہے۔

حتیٰ کہ اسٹاذ جس سے بچے ڈرتے ہیں اگر اتفاقاً (غیر ارادی طور پر) اس سے کسی حرف میں تبدیلی ہو جائے تو تمام بچے بول پڑتے ہیں اے اسٹاذ! کیا تم سے غلطی ہو گئی ہے؟ صحیح اس طرح ہے۔

یہ اعزاز کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہے کیونکہ ہر کتاب میں تحریف اور تبدیلی داخل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رکھا ہے جب کہ ملحدین، یہودی اور عیسائی اس کو باطل و فاسد کرنے پر متفق ہیں اور بھرپور کوشش کر رہے ہیں اور اب تک (مصنف علیہ الرحمہ کے زمانے تک) آٹھ سو اٹھانوے سال ہو چکے ہیں لیکن الحمد للہ باریہ قرآن مجید بہت زیادہ محفوظ ہے۔

قرآن مجید کو آیت الکرسی کی خصوصیت عطا کی گئی اور سورتیں جو مفصل ہیں، مثانی ہیں اور سبع طوال ہیں۔ اس کتاب میں موجود ہیں جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں (حضور علیہ السلام نے فرمایا):

اعطیت خواتیم البقرة من کنوز

مجھے سورۃ بقرہ کی آخری آیات عرش کے خزانوں سے دی گئی ہیں۔

العرش۔

۱۔ یہ بات تب درست ہو سکتی ہے کہ جب اسے سورت کا جزء مانا جائے حالانکہ احناف کا عقیدہ یہ ہے کہ بسم اللہ دوسورتوں کے درمیان فصل کے لئے ہے سورت کا جزء نہیں کہ صحابہ کرام پر یہ الزام عائد ہو۔ ۱۲ ہزاروی

آپ نے فرمایا مجھے اس کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کسی دوسرے نبی کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوئی اور مجھے تورات کی جگہ مثانی (سورۃ فاتحہ جو بار بار پڑھی جاتی ہے) عطا ہوئی اور انجیل کی جگہ ایک ایک سو آیات والی سورتیں (المعین) اور زبور کی جگہ الحوامیم (وہ سورتیں جن کے شروع میں حم ہے) دی گئی اور مجھے مفصل کے ساتھ فضیلت دی گئی۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَلِيّٰتِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ

اور بے شک ہم نے آپ کو سب سے مثانی (سورۃ فاتحہ) اور عظیم الشان قرآن مجید عطا کیا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ام القرآن ہی السبع المثانی والقرآن العظیم۔

سورۃ فاتحہ ہی سب سے مثانی اور قرآن عظیم ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۷۰۴، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۳)

(یعنی پورے قرآن کا خلاصہ یا نچوڑ ہے)۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ اس کو مثانی کیوں کہا گیا ہے تو حضرت حسن بصری، حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ سورت نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے پس یہ ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے اور کہا گیا کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم ہے اس کا نصف اللہ تعالیٰ کی ثناء اور نصف بندے کی دعا ہے جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

يقول الله تعالى قسمت الصلوة بيني وبين عبدی نصفين۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا کر دیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۲۱، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۹۲۵۲، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۷۳، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۷۔ ص ۳۰۰، اتحاف السادة المتعلمین ج ۳ ص ۱۵۰، تمہید ج ۲ ص ۲۳۰، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۶۷)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ طیبہ میں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کو اس امت کے لئے مستثنیٰ کیا اور جمع رکھا کسی دوسری امت کو نہیں دیا اس لئے اسے مثانی کہتے ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے مثانی سے سب سے طویل (سات طویل سورتیں) مراد ہیں جن میں سے پہلی سورت 'سورۃ فاتحہ' ہے اور آخری سورت سورۃ انفال اور اس کے ساتھ سورۃ توبہ ہے بعض حضرات نے سورۃ انفال کی جگہ سورۃ یونس کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سب سے طویل کو سب سے مثانی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ فرائض، حدود، امثال، خبریں اور عبرت پر مبنی واقعات ان سورتوں میں ہیں۔

حضرت طاؤس فرماتے ہیں پورے کا پورا قرآن مثانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا
مُقْتَنًى. (الامر: ۲۳)

اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اول سے

آخر تک ایک سی ہے۔

تو قرآن مجید کو مثانی فرمایا کیونکہ اس میں واقعات بار بار بیان ہوئے۔

خزانوں کی چابیاں عطا ہوئیں

رسول اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۳۳-۳۵۹۶-۳۰۳۲-۳۰۸۵-۶۵۹۰)

بعض حضرات نے فرمایا اس سے مراد عالم کی تمام اجناس کی چابیاں ہیں تا کہ آپ ان کو اس کے مطابق عطا کریں جو وہ اپنی ذات کے لئے طلب کریں پس مخلوق کا رزق جو ظاہر ہوتا ہے تو اسم الہی حضرت محمد ﷺ کے ذریعے ہی عطا کرتا ہے جن کے پاس چابیاں ہیں جس طرح غیب کی چابیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں پس اس کے سوا کوئی بھی (اس کے بتائے بغیر) غیب کی بات نہیں جانتا۔ اور اس سید کریم ﷺ کو خزانوں کی چابیاں دے کر خزانوں کی تقسیم آپ کے ساتھ خاص کر دی۔ لہذا جس کو جو ملتا ہے آپ کے ہاتھوں سے ملتا ہے۔ ۱۔

جامع کلمات کا اعزاز

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو جامع کلمات کا وصف عطا کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوئے اور کلمات (یا کلم) کلمہ کی جمع ہے (اور جب اللہ تعالیٰ کے کلمات غیر محدود ہیں تو) اس کا ایک کلمہ بھی کئی کلمات ہیں تو جب آپ کو جامع الکلم کا علم دیا گیا تو قرآن مجید کا معجزہ عطا کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ترجمانی کرتا ہے تو اس کے ترجمہ میں بھی اعجاز واقع ہوا کیونکہ جو معانی، مواد سے خالی ہوں ان میں اعجاز کا تصور نہیں ہوتا۔ اعجاز یہ ہے کہ ان معانی کا کلمات کے ساتھ ربط ہو۔ جو کلام حروف کی ترکیب سے قائم ہے اور وہ حق تعالیٰ کی زبان، سماعت اور بصارت ہے۔

بعثت عمومی

نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کو تمام لوگوں کی طرف عمومی طور پر بھیجا گیا (اور اس سلسلے میں "کافہ" کا لفظ فرمایا) اور یہ لفظ بعض کے نزدیک کھفہ سے بنا ہے جس کا معنی ملانا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَوْصَ رِکْھًا

کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے والی نہ کیا؟

کہ زمین زندہ لوگوں کو اپنی پیٹھ سے اور مرنے والوں کو اپنے اندر سے ملاتی ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی شریعت تمام لوگوں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے پس جو بھی آپ کے بارے میں سنتا ہے اس پر لازم ہے کہ آپ پر ایمان لائے اور جب جنوں نے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو انہوں نے کہا:

۱۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "انما انا قاسم واللہ يعطی" میں تو قاسم ہوں اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ربیلوی رحمہ اللہ نے فرمایا لا اور ب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا۔ نبی ہے کوین میں نعت رسول اللہ کی۔

یا قَوْمَنَا اٰجِبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِہ . اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے والے کی

بات کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔

تو آپ کی شریعت نے جنوں اور انسانوں کو ملا دیا اور آپ کی رحمت جس کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا سب کو شامل ہے۔
ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا

کر بھیجا۔

پس جس آدمی تک آپ کی رحمت نہ پہنچے تو اس میں خود اس کا اپنا قصور ہے کیونکہ یہ تو قبول کرنے والے پر ہے۔ پس
آپ کی رحمت سورج کی روشنی کی طرح ہے جس کی شعاعیں زمین کو فائدہ پہنچاتی ہیں پس جو شخص اس سے ہٹ کر کسی
پردے یا دیوار کے سائے میں ہو وہ سورج کی روشنی کے پھیلاؤ کو قبول نہیں کر سکتا لیکن سورج نے تو اسے منع نہیں کیا۔

سوال: حضرت نوح علیہ السلام طوفان کے بعد اہل زمین کی طرف مبعوث ہوئے اور کوئی شخص بھی آپ پر ایمان لائے
بغیر نہ رہا اور آپ ان کی طرف بھیجے گئے تھے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات سے مروی ہے:

كان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعث
الہی کل احمر و اسود۔ ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں
ہر سرخ و سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۰۰ مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۰ ج ۵ ص ۱۶۲ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۹ الدر المنثور ج ۵ ص ۲۳۰ طبقات ابن سعد

ج ۱ ص ۱۵۰)

اور ایک روایت میں ہے ”الہی الناس كافة“ تمام لوگوں کی طرف کفایت کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۴ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۳۳ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۹ التلخیص ج ۱ ص ۱۲۳ طبقات ابن سعد ج ۱

ص ۱۵۰ الدر المنثور ج ۵ ص ۲۳۷ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۱۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۰۴)

جواب: ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کیلئے جو عموم تھا ان کی اصل بعثت میں نہیں
تھا بلکہ وہ تو اس طوفانی حادثہ کی وجہ سے اتفاق ہو گیا یعنی سب لوگوں کے ہلاک ہونے کے بعد باقی موجود پر انحصار ہوا لیکن
ہمارے نبی ﷺ کی رسالت کا عموم اصل بعثت سے ہے لہذا اس وصف میں بھی آپ کا اختصاص ثابت ہوا۔

صحیح حدیث شفاعت کے سلسلے میں جو کچھ ثابت ہے کہ میدان محشر والے حضرت نوح علیہ السلام سے کہیں گے کہ وہ
زمین پر پہلے رسول ہیں تو اس سے رسالت کا عموم مراد نہیں بلکہ رسالت کی اولیت مراد ہے اور اگر عموم کا مراد ہونا فرض کیا
جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جو متعدد آیات میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی
طرف بھیجا اور یہ بات ذکر نہیں فرمائی کہ ان کے علاوہ کی طرف نہیں بھیجا۔

بعض حضرات نے حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے عموم پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے تمام اہل
زمین کے خلاف دعا کی تو کشتی والوں کے علاوہ لوگ ہلاک ہو گئے اگر آپ کی بعثت سب کی طرف نہ ہوتی تو وہ ہلاک نہ
ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا۔ اور ہم ہلاک کرنے والے نہیں حتیٰ کہ رسول کو بھیجیں۔
تو ثابت ہوا کہ آپ سب سے پہلے رسول ہیں۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں کوئی دوسرا نبی بھی بھیجا گیا ہو لیکن حضرت نوح علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ نے اپنی قوم اور دوسروں (سب) کے خلاف دعا فرمائی۔

(اس جواب کا) جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ جواب اچھا ہے لیکن یہ بات منقول نہیں ہوئی کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں آپ کے علاوہ بھی کوئی نبی بھیجا گیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہمارے آقا ﷺ کی خصوصیت کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی شریعت باقی رہے گی۔

بعض یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ صرف عرب والوں کی طرف مبعوث ہوئے تو یہ بات باطل ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ یہودی اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سچے رسول ہیں جو عرب کی طرف بھیجے گئے ہیں پس یہ بات لازم ہے کہ آپ کا ہر قول سچا ہو اور تو اتر سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ تمام لوگوں کی طرف رسول ہیں اب اگر وہ اس قول میں آپ کو جھٹلاتے ہیں تو تناقض لازم آتا ہے۔ صاحب معالم (معالم السنن شرح ابوداؤد کے مصنف خطابی) نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۷۶)

رعب کے ذریعے مدد

خصائص محمدیہ میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی اور مہینے سے مراد اتنی مدت ہے کہ چاند فلک محیط کے درجات کو طے کر لے اور آپ کا رعب زیادہ تیزی سے سفر طے کرنے والا ہے کیونکہ وہ دشمنوں کے دلوں تک پہنچتا تھا پس آپ کا رعب ایسے دشمن تک پہنچتا جو مقصود ہوتا تا کہ نیک بخت اور بد بخت میں امتیاز ہو جائے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے علاوہ کسی کو یہ اعزاز حاصل نہ تھا کہ اتنی مدت میں رعب کے ذریعے اس کی مدد کی گئی ہو اور نہ اس سے زیادہ مدت میں البتہ کم مدت کی نفی نہیں۔

لیکن حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

وَنَصَرْتُ عَلَى الْعَدُوِّ بِالرَّعْبِ وَلَوْ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ مَسِيرَةُ شَهْرٍ۔ اور دشمن پر رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے اگرچہ میرے اور اس کے درمیان ایک مہینے کی مسافت ہو۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۲ فتح الباری ج ۱ ص ۵۷۶ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۹ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۷۳)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مطلق اختصاص ہے۔ اور مہینے کو انتہا اس لئے قرار دیا گیا کہ آپ کے شہر مبارک اور آپ کے دشمنوں کے شہروں کے درمیان ایک مہینے سے زیادہ مدت کی مسافت نہ تھی۔ اور آپ کو یہ خصوصیت مطلقاً حاصل تھی۔

حتیٰ کہ اگر آپ لشکر کے بغیر تنہا بھی ہوتے (تو بھی یہ مدت حاصل ہوتی) کیا آپ کے بعد آپ کی امت کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے تو اس میں احتمال ہے۔

غنیمتوں کا حلال ہونا

ان خصوصیات میں سے ایک خصوصیت آپ کے لئے مال غنیمت کا حلال ہونا ہے اور آپ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں تھا۔

پہلے لوگوں کی دو تیس تھیں ان میں سے بعض کو جہاد کی اجازت ہی نہ تھی پس ان کے لئے مال غنیمت بھی نہ تھا اور بعض کو اجازت دی گئی لیکن جب ان کو مال غنیمت کا مال حاصل ہوتا تو ان کے لئے اسے کھانا جائز نہ تھا بلکہ آگ آ کر اسے جلا دیتی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۲۳-۵۱۵۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۸)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنی امت کی خواہش کے مطابق عطا ہوا کیونکہ انسانی نفس اس سے لطف اندوز ہوتا ہے کیونکہ مال غنیمت ان کو قہر و غلبہ کی بنیاد پر حاصل ہوا تو وہ نہیں چاہتے کہ انہوں نے جو شدت اور تھکاوٹ برداشت کی ہے اس کے مقابلے میں ملنے والے مال غنیمت سے لطف اندوز نہ ہو سکیں۔

زمین کو مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا

آپ کو حاصل ہونے والی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے زمین کو سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے (تیمم کرنے) کا ذریعہ بنایا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵-۳۳۸-۳۱۳۲، مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۶، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۹، مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۰۳)

اس سے سجدہ گاہ مراد ہے یعنی سجدہ کرنا زمین کے کسی ایک حصے کے ساتھ خاص نہیں اور ممکن ہے مجازاً وہ جگہ مراد ہو جو نماز کے لئے بنائی گئی اور یہ مجاز تشبیہ ہو کیونکہ جب تمام زمین پر نماز جائز ہے تو وہ مسجد کی طرح ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ میرے لئے زمین کو مسجد اور باعہ طہارت بنایا گیا جب کہ دوسروں کے لئے صرف مسجد بنائی گئی ہے وہ اس سے طہارت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سفر کرتے اور جہاں نماز کا وقت ہو جاتا اسی جگہ پڑھ لیتے۔ یہ بات ابن التین نے اور ان سے پہلے الداودی نے کہا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کے لئے صرف اسی جگہ نماز جائز تھی جس کے پاک ہونے کا ان کو یقین ہوتا جبکہ اس امت کے لئے تمام زمین کو مباح قرار دیا ہاں جس جگہ نجاست کا یقین ہو وہ مستثنیٰ ہے۔

زیادہ ظاہر بات وہ ہے جو خطابی نے کہی ہے وہ فرماتے ہیں پہلی امتوں کے لئے مخصوص جگہوں مثلاً ان کی عبادت گاہوں میں نماز پڑھنا جائز تھا اس کی تائید حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کان من قبلی انما کانوا یصلون فی

مجھ سے پہلے لوگ صرف اپنی عبادت گاہوں میں نماز

پڑھتے تھے۔

کناسہم۔

تو اختلاف کے مقام پر یہ نص فیصلہ کن ہے لہذا آپ کی خصوصیت ثابت ہو گئی اور اس کی تائید امام بزار رحمہ اللہ کی

امام زرقاتی فرماتے ہیں احتمال کی اصل حضرت امام احمد کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میری امت کے سامنے ایک مینے کی

مسافت آگے دوڑتا ہے بعض حضرات نے فرمایا زیادہ مشہور یہ ہے کہ ان کو وہ حصہ عطا کیا گیا۔ (زرقاتی ج ۵ ص ۲۶۳)

نقل کردہ اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی طرح ہے کہ آپ نے فرمایا:

ولم یکن من الانبیاء احد یصلی حتی یبلغ
 اور کوئی نبی بھی اس وقت تک نماز نہ پڑھتا جب تک
 محراب تک نہ پہنچ جائیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۷۶)

معجزہ قرآن کا باقی رہنا

آپ کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کا معجزہ قیامت تک باقی ہے جبکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات اپنے وقت پر ختم ہو گئے اور اب صرف ان کی خبر باقی ہے اور قرآن مجید ہمیشہ کے لئے حجت قاہرہ کے طور پر باقی رہے گا اور اس کا مقابلہ مشکل ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے معجزات تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات سے زیادہ ہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ کے معجزات زیادہ ہیں اور یہ قرآن پاک مکمل طور پر معجزہ ہے اور بعض محققین کے نزدیک اس کا سب سے کم اعجاز سورہ کوثر یا اس کے برابر کوئی آیت ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس کی ہر آیت وہ جس کیفیت میں ہوں معجزہ ہے اور دوسرے حضرات اس طرف گئے کہ اس کا ہر جملہ معجزہ ہے چاہے وہ ایک کلمہ ہو یا دو کلمے ہوں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا حق بات وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ
 اس کی مثل کوئی ایک سورت لے آؤ۔

اور ”إِنَّا آَعَطَيْنَاكَ الْكُتُوبَ“ کے گیارہ کلمات ہیں تو اس کی نسبت سے قرآن مجید سات ہزار اجزاء سے زیادہ اجزاء پر مشتمل ہے پس ان میں سے ہر ایک ذاتی طور پر معجزہ ہے۔

پھر جیسا کہ پہلے گزر گیا اس کے اعجاز کی دو صورتیں ہیں ایک اس کی بلاغت اور دوسری اس کے الفاظ کا طریقہ ہر جز میں دو معجزے ہوئے تو اس طرح کتنی دو گنا ہو گئی پھر اس میں اعجاز کی کئی دوسری صورتیں ہیں کہ غیب کی خبریں ہیں پس ایک ایک سورت میں غیب کی کئی خبریں اور ہر خبر ذاتی طور پر معجزہ ہے اس طرح یہ کتنی پھر کئی گنا ہو گئی۔

پھر اعجاز کی دوسری کئی وجوہ جو ہم نے ذکر کی ہیں وہ اسے کئی گنا بڑھا دیتی ہیں پس اس کے معجزات کا شمار نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کے دلائل کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔ (الشفاء ج ۱ ص ۲۵۸)

چاند کا شق ہونا وغیرہ

آپ کی خصوصیت میں سے چاند کا دو ٹکڑے ہونا اور پتھر کا آپ کو سلام کرنا بھی ہے اسی طرح خشک ستون کا رونا اور انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا اور اس قسم کا معجزہ کسی دوسرے نبی کے لئے ثابت نہیں ہے جس طرح ابن عبد السلام وغیرہ نے ذکر کیا اور یہ مباحث گزر چکی ہیں۔

ختم نبوت اور تائید شریعت

سرکارِ دو عالم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ تمام انبیاء و رسل کے آخر میں تشریف لائے آپ نے فرمایا:

میری مثال اور مجھ سے پہلے آنے والے انبیاء کرام کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک نہایت اچھا مکان بنایا لیکن اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس کے ارد گرد چکر لگاتے ہیں اور اس پر تعجب کرتے اور کہتے ہیں یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی پس وہ اینٹ میں ہوں اور میں سب سے آخری نبی ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۳-۳۵۳۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳ مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۱ دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۶۵-۳۶۶)

السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۵

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ قیامت تک آپ کی شریعت کی تائید ہوتی رہے گی اور یہ شریعت تمام انبیاء کرام کی شریعتوں کے لئے ناسخ ہے اور آپ کی اتباع کرنے والے سب سے زیادہ ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا۔

پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۸۱-۳۹۸۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹ مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۲ ج ۲ ص ۳۳۱ السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۴ دلائل النبوة ج ۷ ص ۱۲۹ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۴۶ الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۲۳۳ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۸۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۱۲-۳۱۹۱۳)

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگر سابقہ انبیاء کرام آپ کا زمانہ پاتے تو ان پر آپ کی اتباع واجب ہوتی جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جنوں کے رسول ﷺ

آپ کے خصائص میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ کو جنوں کی طرف بھی مبعوث کیا گیا اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور اس پر کتاب و سنت اور اجماع سے دلیل پائی جاتی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

لَيَكُونَنَّ لِلْعَالَمِينَ نَبِيًّا

ہوں۔

اور مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں (مذکورہ عالمین میں) جن بھی شامل ہیں اور وہ اس کے الفاظ کے موصول ہیں لہذا کسی دلیل کے بغیر ان کو نکالا نہیں جاسکتا۔

اگر کہا جائے کہ اس سے فرشتے خارج ہیں پس (جنوں کو نکالنے میں) کوئی حرج نہیں کیونکہ عام مخصوص بعض جمہور علماء اور اصولیوں کے نزدیک حجت ہے اور اگر عموماً مخصوصہ سے استدلال باطل ہو گیا تو اکثر دلائل سے استدلال باطل ہو جائے گا۔ اور ارشادِ خداوندی ہے:

أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ

اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کا حکم مانو۔

آجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ

توان میں سے بعض کو قبول کرنے کا مشورہ دیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان کو دعوت دینے والے ہیں اور یہی آپ کی ان کی طرف بعثت کا مفہوم ہے۔ اس کے علاوہ آیات بھی ہیں۔

جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
 فضلت علی الانبیاء بست۔ مجھے (دوسرے) انبیاء کرام ﷺ پر چھ باتوں میں
 فضیلت دی گئی ہے۔

پس آپ نے ان میں سے ایک بات یہ ذکر فرمائی کہ ”ارسلت الی الخلق كافة“ مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۲، دلائل النبوة ج ۵ ص ۲۷۲، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۹، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۳۲، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۲۸، شرح السنہ ج ۳ ص ۱۹۸، فتح الباری ج ۵ ص ۵۷۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۳۲)

تو یہ رسالت انسانوں اور جنوں کو شامل ہے اور صرف انسان مراد لینا تخصیص بلا دلیل ہے جو جائز نہیں اور اس میں کلام اس طرح ہے جس طرح قرآن مجید کی آیت میں کلام ہے۔
 سوال: ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا
 آپ فرمادیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف
 اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ
 اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے کفایت کرنے
 والا (رسول) بنا کر بھیجا ہے۔

یہ آیت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت انسانوں کے ساتھ خاص ہے اور اس کے علاوہ کا احتمال ظاہر سے پھر جاتا ہے۔

جواب: یہ بات ”الدقاق“ کے مذہب کے مطابق ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ لقب کا مفہوم حجت ہے اور ”الناس“ بھی لقب کے قبیل سے ہے کیونکہ وہ مسئلہ جس کو اصول میں ”مفہوم اللقب“ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ لقب کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام خاص نام اور تمام جنسوں کے نام اسی طرح ہیں جب تک صفت نہ ہوں اور ”الناس“ اسم جنس ہے صفت نہیں پس اس کا کوئی مفہوم نہیں۔

پس اس آیت میں کوئی ایسا اصل (قانون) نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ انسانوں کے علاوہ کی طرف رسول نہیں ہیں البتہ الدقاق کے مذہب پر ہو سکتا ہے۔

بلکہ اس کے مذہب پر بھی اس مفہوم کے ساتھ استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ دقاق کا یہ قول بھی وہاں ہوتا ہے جہاں اس اسم کی تخصیص میں اس کے علاوہ کوئی غرض ظاہر نہ ہو۔ اور جہاں غرض ظاہر ہو وہاں مفہوم کا قول نہیں کیا جاتا بلکہ تخصیص کو اس غرض پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

اور اس آیت میں غرض یہ ہے کہ رسالت تمام انسانوں کو شامل ہے اور ان میں سے بعض کے ساتھ خاص نہیں ہے پس ان کے غیر سے رسالت کی نفی نہیں ہوگی نہ تو دقاق کے مذہب پر اور نہ کسی اور کے مذہب کے مطابق۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ خطاب صرف انسانوں کو ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دیکھنا زیادہ تر انسانوں کے لئے واقع ہوا اور خطاب بھی انہی کو ہوا پس آیت کا مقصود انسانوں کو خطاب کرنا اور ان میں رسالت کا عموم ہے ان کے غیر سے نفی مقصود نہیں ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جب ہم کہیں کہ لفظ ”الناس“ جنوں کو شامل نہیں اور اگر ہم کہیں کہ اس میں جن بھی شامل ہیں تو بات واضح ہے اور اس میں اختلاف ”الناس“ کے اشتقاق میں اختلاف پر مبنی ہے کہ آیا وہ ”النوس“ سے مشتق ہے جس کا معنی حرکت ہے یا ”انس“ سے مشتق ہے جو وحشت کی ضد ہے۔

اگر ہم پہلا قول کریں تو دونوں فریقوں (انسانوں اور جنوں) پر اس کا اطلاق ہوگا لیکن اس کا استعمال انسانوں کے لئے زیادہ ہوتا ہے جہاں بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اس سے اولاد آدم علیہ السلام مراد ہوتی ہے۔ اور اگر ہم اسے ”انس“ سے مشتق مانیں تو جنوں کو شامل نہیں ہوگا کیونکہ ہم جنوں کو نہ تو دیکھتے ہیں اور نہ ہی ان سے مانوس ہوتے ہیں۔

پس آیت میں جنوں کی شمولیت یا تو ممتنع ہوگی یا قلیل ہوگی لہذا اس پر محمول نہیں کیا جاسکتا اس سے اس استدلال کی کمزوری واضح ہوگئی لیکن یہ بات اس کے خلاف پر دلیل نہیں۔

ضحاک اور ان کی اتباع کرنے والوں نے کہا کہ جنوں کا رسول انہی میں سے ہوتا ہے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

يَا مَعْشَرَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ
مِّنكُمْ

تم میں سے رسول نہیں آئے۔

آیت کا ظاہر یہی ہے لیکن ضحاک یا ان کے علاوہ کسی نے یہ بات اس ملت کے حوالے سے نہیں کہی اس بات کا اختلاف پہلی ملتوں کے حوالے سے ہے۔

جہاں تک اس ملت کا تعلق ہے تو ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی ان سب کی طرف اور ان کے علاوہ کی طرف مبعوث ہوئے اور ضحاک سے کسی نے یہ بات نقل نہیں کی کہ جنوں کے رسول مطلقاً ان ہی میں سے ہیں اور نہ ان کی طرف ایسی بات منسوب ہو سکتی ہے جو اجماع کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں اکثر نے کہا ہے کہ رسول صرف انسانوں میں سے ہوتے ہیں اور کوئی جن بھی رسول نہیں ہوا لیکن جب انسان اور جن خطاب میں جمع ہوئے (مندرجہ بالا آیت میں) تو یہ بات صحیح ہوگئی اس کی مثال یہ ارشاد خداوندی ہے:

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ○

ان دونوں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں۔

حالانکہ وہ نمکین پانی سے نکلتے ہیں بیٹھے سے نہیں (اسی طرح رسول صرف انسانوں میں سے ہوئے لیکن خطاب میں جنوں کو بھی شامل فرمایا)۔

یہ بھی کہا گیا کہ جنوں کے رسول وہ ہیں جو انسانی رسولوں کے نمائندے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں کیونکہ

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْ اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝

وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے تاکہ ان کو ڈرائیں۔

یہ بات بعض علماء نے کہی ہے۔

کیا نبی اکرم ﷺ فرشتوں کے بھی رسول ہیں؟

رسول اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ (ایک قول کے مطابق) آپ کو فرشتوں کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجا گیا امام سبکی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ

قرآن مجید نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈر

لِيَكُوْنُ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ (الفرقان: ۱)

سنانے والا ہو۔

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہاں بندے سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے اسے عالم کہا جاتا ہے پس یہ تمام مکلفین کو شامل ہے وہ جن ہوں یا انسان یا فرشتے۔ اور اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو کہتے ہیں کہ آپ بعض کی طرف رسول تھے اور بعض کی طرف نہیں تھے کیونکہ لفظ العالمین تمام مخلوقات کو شامل ہے پس آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ تمام مخلوق کے لئے رسول ہیں۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اس عموم سے فرشتے خارج ہیں اگر ان سے کہا جائے کہ اس پر دلیل پیش کرو تو وہ اس سے عاجز ہوں گے کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ فرشتوں میں سے بعض وہ ہوں جن کو نبی اکرم ﷺ نے شب معراج یا اس کے علاوہ ڈرایا ہو لیکن آپ کے ان کو ڈرانے یا ان کی طرف کسی خاص بات میں رسول ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ تمام شریعت کے ساتھ آپ ان کے رسول ہوں۔

اور جب ہم کہتے ہیں کہ فرشتے آسمانی جنوں میں سے مؤمن ہیں اور اس کے ساتھ اس قول کو بھی ملایا جائے کہ آپ کی رسالت جنوں کو بھی شامل ہے۔

جس پر اجماع ہے تو اس سے آپ کی رسالت ان سب کو شامل ہوگی لیکن فرشتوں کو جن قرار دینا شاذ ہے (غیر معتبر

ہے)۔

جمہور کے نزدیک قرآن مجید کی آیت میں ”العالمین“ کا لفظ ایسا عام ہے جو جنوں اور انسانوں کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ حدیث شریف ”و ارسلت الی الخلق كافة“ میں مخلوق سے یہ دونوں مراد لئے گئے ہیں۔ یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کی ہے (اور پہلے گزر چکی ہے)۔

حلیسی نے اور امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ کے چوتھے باب میں ”واضح طور پر فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کو فرشتوں کی طرف نہیں بھیجا گیا اور پندرہویں باب میں ہے کہ ان کا آپ کی شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی تفسیر (تفسیر کبیر) میں اور ”البرہان النفسی“ میں آیت قرآنی کی تفسیر میں

اجماع نقل کیا گیا کہ آپ فرشتوں کی طرف رسول نہیں تھے جس طرح علامہ جلال الدین محلی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

(الاعلام ج ۵ ص ۳۳۳ شذرات الذہب ج ۷ ص ۳۰۳ الضوء الملاح ج ۷ ص ۳۹)

نفسی کی عبارت اس طرح ہے پھر انہوں نے کہا کہ یہ آیت چند احکام پر دلالت کرتی ہے۔

۱۔ ارشاد خداوندی ”لَيَكُونَنَّ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا“ تمام مکلفین کو شامل ہے وہ جن ہوں یا انسان یا فرشتے، لیکن ہمارا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ فرشتوں کی طرف رسول نہیں بلکہ انسانوں اور جنوں دونوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی عبارت بھی یہی ہے۔

کمال الدین بن ابی شریف نے جلال الدین محلی رحمہ اللہ کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ امام بیہقی نے یہ بات حلیمی سے نقل کی ہے اور فرمایا یہ حلیمی کے کلام کا معنی ہے۔

اور ان کے اس قول میں اس سے برأت کا اشارہ ہے اور اگر اس طرف اشارہ نہ ہو تو بھی انہوں نے واضح الفاظ میں نہیں فرمایا کہ ان کے نزدیک یہ پسندیدہ بات ہے۔

جہاں تک حلیمی کا تعلق ہے تو اگرچہ وہ اہل سنت میں سے ہیں لیکن فرشتوں کو انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دینے میں وہ معتزلہ کی موافقت کرتے ہیں اور ان سے فرشتوں کی افضلیت کا جو قول منقول ہوا تو اس کی بنیاد بھی یہی ہو سکتی ہے۔ اور امام رازی اور نسفی کے حوالے سے اس بات پر جو اجماع نقل کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرشتوں کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تو امام رازی کی تفسیر کے بعض نسخوں میں اجمعنا (ہم نے اجماع کیا) کی بجائے ”لکننا بینا“ کے الفاظ ہیں کہ ”اجمعنا“ کا لفظ اجماع امت پر واضح دلیل نہیں ہے کیونکہ اس قسم کی عبارت دو مخالف مناظرہ کرنے والوں کے اتفاق پر بولی جاتی ہے بلکہ اگر وہ تصریح کرتے تو ان کو منع کر دیا جاتا۔

کیونکہ امام نسفی رحمہ اللہ نے ”لَيَكُونَنَّ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا“ کے بارے میں فرمایا کہ تمام مفسرین نے اپنی تفاسیر میں جنوں اور انسانوں کا ذکر کیا اور بعض نے فرشتوں کا ذکر بھی کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام رازی اور نسفی کی تفسیر پر کہ انہوں نے اجماع نقل کیا اعتماد کرنا علمائے نقل کے نزدیک حجت نہیں ہے کیونکہ اجماع کا نقل کرنا ائمہ اور حفاظ امت سے ہے جیسا کہ ابن منذر اور ابن عبد البر رحمہما اللہ۔ نیز ان سے اوپر درجہ کے لوگ جس طرح ان مذاہب کے ائمہ جن مذاہب کی اتباع کی جاتی ہے اور جو ان سے ملحق ہیں کہ ان کا دائرہ اطلاع حفظ اور یادداشت علمائے نقل کے نزدیک اس قدر مشہور ہے کہ اس میں زیادہ کلام کی گنجائش نہیں ہے اور اس مسئلہ کے لائق بات یہ ہے کہ اس میں غور و خوض سے توقف کیا جائے یعنی دونوں طرف سے کوئی قطعی بات نہ کہی جائے۔

تمام جہانوں کے لئے رحمت

رسول اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر

(الانبیاء: ۷۱) بھیجا۔

حضرت سمرقندی فرماتے ہیں: یعنی جنوں اور انسانوں کے لئے، یہ بھی کہا گیا کہ تمام مخلوق کے لئے، آپ مومنوں

کے لئے ہدایت کے ساتھ اور منافقوں کو گمراہی سے امان کے ساتھ رحمت ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہر نیک و بد کے لئے رحمت ہیں کیونکہ جس نبی کو بھی جھٹلایا گیا اسے اللہ تعالیٰ نے اس کے جھوٹ کی وجہ سے ہلاک کر دیا جب کہ آپ کی تکذیب کو اس شخص کی موت یا قیامت تک مؤخر کر دیا گیا لیکن جو شخص آپ کی تصدیق کرے اس کے لئے دنیا اور آخرت میں رحمت ہے پس آپ کی ذات والا صفات حدیث شریف کے مطابق تمام مؤمنوں اور کافروں کے لئے رحمت ہے۔ ۱۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ . اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب نہیں دے گا جب تک

(الانفال: ۳۳) آپ ان میں موجود ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انما انا رحمة مہداة . بے شک میں رحمت ہوں جو بطور تحفہ عطا کی گئی۔

چھٹے مقدمہ میں اس پر مزید گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ

اسلوب خطاب کے ساتھ تکریم

رسول اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے ناموں سے خطاب کیا پس فرمایا: (یا ادم) اے آدم اے نوح اے ابراہیم اے داؤد اے زکریا اے یحییٰ اور اے عیسیٰ علیہم السلام۔

لیکن نبی اکرم ﷺ کو یوں خطاب فرمایا:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ (اے رسول) اے نبی اے مزل اور اے مدثر۔

آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ امت پر آپ کو نام سے پکارنا حرام کر دیا گیا ارشاد خداوندی ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ رَسُولِ اکرم ﷺ کی پکار کو آپس میں ایک دوسرے

بَعْضُكُمْ بَعْضًا . (النور: ۶۳) کی پکار کی طرح نہ بناؤ۔

یعنی آپ کو نام لے کر اس طرح نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہوند آواز بلند کرو نہ محروں کے باہر سے آواز دو بلکہ یوں کہو یا رسول اللہ! یا نبی اللہ وقار کا خیال رکھو تو وضع اختیار کرو اور آواز پست رکھو کہا گیا کہ جب رسول اکرم ﷺ تمہیں بلائیں تو اس کو اس طرح نہ سمجھو جس طرح ایک دوسرے کو بلا تے ہو کہ اس میں منہ پھیر لو یا جواب دینے میں سستی کر دو تب بھی جائز ہے (بلکہ یہاں فوری طور پر حاضر ہونے کا حکم ہے)۔

نبی کریم ﷺ کو بلند آواز سے پکارنا بھی ناجائز ہے۔

۱۔ حضرت ابو بکر بن طاہر نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو نہ صرف رحمت کے ساتھ ذہن دی ہے پس آپ کو اور آپ کی تمام عادات و فضائل نیز آپ کی موت و حیات کو رحمت بنایا جیسا کہ خود آپ نے فرمایا کہ میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر رحمت کا ارادہ فرماتا تو اس کے نبی کی روح قبض کر لیتا ہے پس اسے ان کے لئے آگے جا کر ان کے دخول جنت کا سامان کرنے والا بناتا ہے۔ (ذرقانی ج ۵ ص ۲۷۶)

ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ
صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا
تَشْعُرُونَ (الحجرات: ۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی اکرم ﷺ کی
آواز سے بلند نہ کرو اور نہ آپ کو چلا کر پکارو جس طرح ایک
دوسرے کو چلا کر پکارتے ہو کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو
جائیں اور تمہیں پتہ ہی نہ چلے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی:

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ
نازل ہوا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے اسی طرح گفتگو کرتے جس طرح دو بہر از آپس میں
سرگوشی سے بات کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۰۶)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات نہ سن سکتے تھے حتیٰ کہ ان سے دوبارہ
پوچھتے کیونکہ وہ بہت ہلکی آواز میں گفتگو کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۵)
حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سن نہیں سکتے تھے ان کی آواز اونچی تھی جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ حضور علیہ
السلام سے دور رہنے لگے۔

آپ نے ان کو نہ پایا تو بلالیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اور میری آواز اونچی
ہے پس مجھے ڈر ہوا کہ کہیں میرے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم ایسے نہیں ہو کہ تم بھلائی کے ساتھ
زندہ رہو گے اور بھلائی کے ساتھ تمہارا وصال ہوگا اور تم جنتیوں میں سے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸۳۶ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۶۳۹۱ معجم الکبیر ج ۲ ص ۶۱ دلائل النبوة ج ۶ ص ۳۰۳ السنن الکبریٰ ج ۲
ص ۲۳۳ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۲۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۳۲۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم جنتی آدمی کو دیکھتے تھے کہ وہ ہمارے درمیان چل رہا ہے اور جب جنگ
یمامہ میں مسلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں میں کچھ کمزوری دیکھی اور ایک گروہ
بھاگ گیا تو وہ لڑتے رہے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔

رسول اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارنا منع تھا ارشاد خداوندی ہے:
إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنَ الْحُجُرَاتِ
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (الحجرات: ۵)

بے شک وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے باہر سے
پکارتے ہیں ان میں سے اکثر سمجھ نہیں سکتے۔

کیونکہ عقل کا تقاضا ہے کہ حسن ادب اور جاہ و شہمت کا خیال رکھے:
وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ
خَيْرًا لَهُمْ (الحجرات: ۵)

اور اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ ان کی طرف نکلتے تو
ان کے لئے بہتر ہوتا۔

یعنی اس جلدی کی نسبت صبر بہتر ہوتا کیونکہ اس میں ادب کا لحاظ ہے اور رسول اکرم ﷺ کی تعظیم ہوتی اور وہ تعریف اور

ثواب کے مستحق ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے محبت اور غلت (خلیل ہونا) دونوں کو جمع کیا اس کی مزید تحقیق ساتویں مقدمہ میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔
اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت بھی عطا فرمائی کہ آپ کی رسالت زندگی، شہر اور زمانے کی قسم کھائی جس طرح چھٹے مقدمہ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے ساتھ وحی کے تمام طریقوں سے کلام فرمایا جس طرح ابن عبد السلام نے نقل کیا اور اس کی تحقیق مقصد اول میں بحث کے بیان میں گزر چکی ہے۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام کا اترنا

آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام آپ پر اترے اور وہ آپ سے پہلے کسی نبی پر نہیں اترے تھے امام طبرانی نے یہ بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے عموماً فرماتے ہیں۔
میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا مجھ پر آسمان سے ایک فرشتہ اتر ا جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر نہیں اترتا اور نہ میرے بعد کسی پر اترے گا اور وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام نے کہا میں آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس بطور رسول (نمائندہ) آیا ہوں اس نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کو خبر دوں کہ اگر آپ چاہیں تو نبوت کے ساتھ بندگی کو اختیار کریں اور اگر چاہیں تو نبی بادشاہ ہو جائیں میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انہوں نے مجھے تو اضع اختیار کرنے کا اشارہ کیا اگر میں کہہ دیتا کہ میں نبی بادشاہ بننا چاہتا ہوں تو پہاڑ میرے ساتھ سونا بن کے چلتے۔

(المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۲۸ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۹ حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۵۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۲۷)

اولاد آدم کے سردار

آپ کے خصائص میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں یہ بات امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القيامة۔ میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے یوں نقل کیا ہے آپ نے فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القيامة لا فخر و میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور اس

بسیدی لواء الحمد ولا فخر۔ پر مجھے فخر نہیں اور حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور اس پر

مجھے فخر نہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۸-۳۶۱۵ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳ مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱ ج ۳ ص ۲۱۲ الشفاء ج ۱ ص ۲۰۷ شرح النہ

ج ۳ ص ۲۰۴: اتحاد السادة المتقين ج ۹ ص ۲۲۵: مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۶۱-۵۷۶۲: تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۶۲: الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۴۲: کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۸۱-۳۲۰۳۲-۳۹۰۵۲: البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۶۰-ج ۲ ص ۲۴۰
 آپ نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے جس فضل اور سیادت سے آپ کو اعزاز بخشا ہے اس سے (امت کو) آگاہ کر دیں نیز اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بیان بھی ہو جائے اور امت کو اس لئے بھی بتایا کہ وہ آپ کے مقام و مرتبہ پر ایمان لائیں اسی لئے اس کے ساتھ فرمایا مجھے اس پر فخر نہیں۔ یعنی یہ فضیلت جو مجھے حاصل ہوئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اعزاز ہے میں نے اسے ذاتی طور پر حاصل نہیں کیا اور نہ میری ذاتی قوت کی وجہ سے مجھے یہ اعزاز ملا ہے پس مجھے اس پر فخر کرنے کا حق نہیں ہے۔

خلافِ اولیٰ باتوں کی مغفرت

آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ کی اگلی پچھلی تمام خلافِ اولیٰ باتوں کو بخش دیا۔ ارشاد خداوندی ہے:
 لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (التغ: ۲)
 تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خلافِ اولیٰ باتوں کو بخش دے۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں۔
 نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت کی خبر دی اور پہلے کسی نبی کے بارے میں ایسی بات منقول نہیں ہے اور اس پر قیامت کے دن ان کا ”نفسی نفسی“ کہنا دلیل ہے۔
 حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت فتح میں کوئی دوسرا آپ کے ساتھ شریک نہیں۔
 امام ابو یعلیٰ طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو تمام آسمان والوں اور انبیاء کرام پر فضیلت دی ہے آپ سے پوچھا گیا آسمان والوں پر آپ کی فضیلت کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان والوں سے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِثْلُ دُونِهِ فَلَذَلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ. (الانبیاء: ۲۹)
 اور ان میں سے جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے۔

اور نبی اکرم ﷺ سے فرمایا:

۱۔ انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اس سے علماء اہل سنت نے یہاں آپ کے گناہ مراد نہیں لیے بلکہ امت کے گناہ مراد ہیں یا خلافِ اولیٰ باتوں کی بخشش مراد ہے۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے یوں ترجمہ کیا ”تا کہ اللہ اتہارے سب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے“ اور حضرت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ نے یوں ترجمہ کیا ”تا کہ اللہ آپ کے لئے معاف کر دے آپ کے اگلے پچھلے (بظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام (جو آپ کے کمال قرب کی وجہ سے محض صورتِ ذنب ہیں حقیقتاً حسنات الابرار سے افضل ہیں)“۔ ۲۔ اہزاروی

۲۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) انبیاء کرام علیہم السلام کو گناہوں کی وجہ سے خوف ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کے غضب و جلال کی وجہ سے ایسا کہیں گے ورنہ انبیاء کرام گناہوں سے محفوظ ہیں۔ ۳۔ اہزاروی

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيُخْرِجَ لَكَ اللَّهُ مَا
تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (التح: ۲۰۱)
تو آپ کے لئے برأت لکھ دی گئی۔

انہوں نے پوچھا انبیاء کرام علیہم السلام پر آپ کی فضیلت کس طرح ہے؟
فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا يَلْسَنُ قَوْلِهِ
(ابراہیم: ۴۰)
اور ہم نے ہر رسول کو ان کی قوم کی زبان کے ساتھ
بھیجا۔

اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرمایا:
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا نَكَاةً لِلنَّاسِ. (سباہ: ۲۸)
اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے کفایت کرنیوالا
رسول بنا کر بھیجا۔

پس آپ کو انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث فرمایا۔

سب مخلوق سے زیادہ معزز

آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے زیادہ معزز و محترم ہیں پس آپ تمام
رسولوں سے اور تمام مقرب فرشتوں سے افضل ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو امام مسلم نے نقل کی ہے اس میں آپ نے فرمایا:
مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ
کسی بندے کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کہے میں
(حضور علیہ السلام) حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے
بن متی۔

بہتر ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۳۰-۳۶۳۱ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۷۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۹-۳۶۷۰ مسند احمد
ج ۲ ص ۲۰۵ دلائل النبوة ج ۵ ص ۲۹۳ الشفاء ج ۱ ص ۲۲۶ شرح السنہ ج ۳ ص ۲۰۵ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۱۰ مشکل لا تار
ج ۱ ص ۴۴)

اس کا جواب چھٹے مقصد میں آئے گا ان شاء اللہ۔

ان خصائل میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے قرین (ہمزاد) نے اسلام قبول کیا (یا آپ کا مطیع ہو گیا) یہ حدیث
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام مسلم نے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام بزار نے نقل کی ہے۔
آپ کی فضیلت و خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ سے خطا واقع نہیں ہوتی تھی جس طرح حضرت ابن ابی ہریرہ (ابن
ابو ہریرہ) اور ماوردی نے نقل کیا اور ایک جماعت نے کہا آپ سے نسیان بھی واقع نہیں ہوتا تھا یہ بات امام نووی رحمہ اللہ
نے ”شرح مسلم میں“ بیان کی ہے۔

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے تو ضیع کے طور پر یہ بات فرمائی ورنہ آپ کی فضیلت واضح ہے۔ ۱۲ ہزار رو

آپ کی خصوصیت ہے کہ قبر میں آپ کے بارے میں سوال ہوتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قبر کی آزمائش یہ ہے کہ میری ذات کے ساتھ تمہاری آزمائش ہوگی اور میرے بارے میں سوال ہوگا پس جب آدمی کو بٹھایا جائے گا تو کہا جائے گا یہ شخصیت تم میں تھیں کون ہیں؟ تو وہ کہے گا ”محمد رسول اللہ“ اس حدیث کو امام احمد اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے نقل کیا۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۳۹ الدر المنثور ج ۳ ص ۸۳ اتحاف السادة المستعین ج ۱ ص ۱۰۸ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۶۴)

امہات المؤمنین سے نکاح کا حرام ہونا

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا حرام ہوا۔
ارشاد خداوندی ہے:

وَأَزْوَاجَهُ أُمَّهَاتُهُمْ
اور نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ان (مسلمانوں) کی
مائیں ہیں۔

یعنی ماؤں کی طرح حرام ہیں اور آپ کے بعد آپ کے احترام اور خصوصیت کی بنیاد پر ان سے نکاح کرنا حرام ہے نیز وہ آخرت میں آپ کی بیویاں ہوں گی۔ اور یہ ان کے بارے میں ہے جنہوں نے اپنے آپ کو اختیار نہیں کیا۔ (جب آپ کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ آپ کے پاس رہیں یا علیحدہ ہو جائیں تو) ان میں سے جس نے دنیا کو اختیار کیا ان کے دوسری جگہ نکاح کرنے کے بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اختلاف ہے اور دوسرا یہ کہ قطعی طور پر جائز تھا یہ بات امام الحرمین (عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف بن محمد متوفی ۳۷۸ھ) اور امام غزالی رحمہما اللہ نے اختیار کی ہے۔

(الاعلام ج ۳ ص ۱۶۰ فیات الایمان ج ۱ ص ۲۸۷ شذرات الذہب ج ۳ ص ۳۵۸ طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۲۳۹ مفتاح السعاده

ج ۱ ص ۲۳۲ کشف الظنون رقم الحدیث: ۶۸-۷۰-۲۳۲)

لیکن جواز ازواج مطہرات آپ کے وصال کے وقت موجود تھیں وہ دوسروں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئیں۔
البتہ ان کو دیکھنے میں دو قول ہیں زیادہ مشہور یہ ہے کہ ناجائز ہے اور ان کے احترام اطاعت اور نکاح کے حرام ہونے کے سلسلے میں وہ ماں کی طرح ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے ساتھ علیحدگی میں بیٹھنا یا نفقہ دینا یا وراثت کے حوالے سے مائیں ہیں۔ اور یہ بات ان کے غیر کے لئے نہیں ہے پس ان کی بیٹیوں کو مومنوں کی بیٹیں کہا جاتا زیادہ صحیح قول یہی ہے۔
ایک قول یہ ہے کہ ازواج مطہرات سے نکاح کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ قبر انور میں زندہ ہیں اسی لئے ماوردی نے نقل کیا کہ ان پر عدت و وفات واجب نہیں تھی اور وہ خاتون جسے زندگی میں چھوڑ دیا مثلاً وہ عورت جس نے آپ سے پناہ مانگی تھی اور وہ جس کے پہلو میں آپ نے سفیدی دیکھی ان خواتین کے بارے میں کئی قول ہیں ایک یہ کہ وہ بھی حرام ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے اور ”الروضہ میں“ اس کو صحیح قرار دیا کیونکہ آیت عام ہے اور بعد سے مراد آپ کے وصال کا بعد مراد نہیں بلکہ نکاح کے بعد ان کا حرام ہونا مراد ہے۔ بعض نے کہا یہ خواتین حرام نہیں ہیں۔

تیسرا قول جسے امام الحرمین اور امام رافعی نے ”الصغیر میں“ صحیح قرار دیا ہے یہ ہے کہ جن سے آپ کا قرب ہوا صرف

وہی حرام ہیں کیونکہ حضرت اہل بیت رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس خاتون سے نکاح کیا جس نے پناہ مانگی تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے سنگسار کرنے کا ارادہ کیا تو آپ کو بتایا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے وطی نہیں کی تو آپ رک گئے۔ اور جس لونڈی کو وطی کے بعد آپ نے جدا کر دیا اس کے بارے میں کئی قول ہیں تیسرا قول یہ ہے کہ وہ بھی حرام ہے اگر وہ آپ کے وصال تک رہی ہو تو اس سے بھی نکاح حرام ہے جس طرح حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اور اگر آپ نے اپنی زندگی میں اسے بچ دیا تو حرام نہیں ہے۔

آپ کے نام کا وسیلہ

ابن عبد السلام نے آپ کی یہ خصوصیت بھی شمار کی ہے کہ آپ کے نام سے اللہ تعالیٰ پر قسم کھانا جائز ہے اور دوسروں کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ ابن عبد السلام نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ یہ بات آپ کے ساتھ خاص ہو کیونکہ آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں اور کسی دوسرے نبی فرشتے اور ولی کے نام سے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ آپ کے درجہ میں نہیں ہیں اور یہ بات آپ کے درجہ اور مرتبہ کی بلندی کی وجہ سے آپ کی خصوصیت ہونی چاہیے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۸۵، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۸، المستدرک ج ۱ ص ۳۱۳، مشکوٰۃ

المصابیح رقم الحدیث: ۱۶۸۱۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۲۰)

کیا امہات المؤمنین کے باپردہ جسم کو دیکھنا بھی حرام ہے؟

رسول اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات کو چادر کے اندر (لپٹے ہوئے کی صورت میں) بھی دیکھنا جائز نہیں اسی طرح گواہی دینے یا کسی دوسرے مقصد کے لئے ان کے چہروں اور ہاتھوں کا نکلا ہونا بھی جائز نہ تھا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

ازواج مطہرات جس بات کے ساتھ خاص ہیں اس کا پردہ بھی فرض ہے پس بلا اختلاف ان پر چہرے اور ہتھیلیوں کو ڈھانچنا بھی ضروری تھا اور شہادت یا کسی دوسرے موقع پر ان اعضاء کو نکلا کرنا جائز نہ تھا اسی طرح جسم کا نکلا کرنا بھی جائز نہ تھا چاہے گھر میں ہوں البتہ قضائے حاجت وغیرہ کا حکم الگ ہے۔

پھر قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”موطأ کی“ اس حدیث سے استدلال کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو عورتیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو پردے میں لے کر گئیں تاکہ آپ کا وجود کسی کو نظر نہ آئے اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے لئے ان کے جنازے کی چار پائی پر ایک قبہ سا بنایا گیا تاکہ ان کا وجود پردے میں رہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں اس دعویٰ پر دلیل نہیں جو پردے کی فرضیت کے سلسلے میں کیا گیا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد امہات المؤمنین حج کرتیں اور طواف کرتی تھیں اور صحابہ کرام نیز ان کے بعد کے لوگ ان سے احادیث روایت کرتے تو ان کے بدن ڈھانپے ہوتے تھے شخصیات پردہ میں نہیں ہوتی تھیں۔

امہات المؤمنین کے علاوہ کسی عورت کی طرف دیکھنے کا کیا حکم ہے تو ”الروضہ میں ہے اور“ اس کی اصل اکثر حضرات سے منقول ہے کہ آزاد عورت جو بڑی اور اجنبی ہو اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف دیکھنا جائز ہے اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو مکروہ ہے۔

شیخین یعنی امام رافعی اور امام نووی رحمہ اللہ کے کلام کی قوت اس بات کی ترجیح کا تقاضا کرتی ہے اور ”المہمات میں“ اس کو صحیح قرار دیا گیا کیونکہ امام رافعی نے تصریح کی ہے کہ اکثر حضرات کا یہی قول ہے۔

لیکن ابن عراقی نے نقل کیا کہ ان کے شیخ البلقینی نے فرمایا ترجیح دلیل کی قوت سے ہوتی ہے اور فتویٰ اس پر ہے جو ”منہاج“ میں ہے اور ”الدریب میں بھی“ اسی پر اعتماد کیا ”الشرح الصغیر کے“ کلام کی قوت اس کی ترجیح کا تقاضا کرتی ہے اور اس کی علت یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورتوں کو سفر میں جانے سے منع کیا جائے اور ”الروضہ میں“ نقل کیا گیا کہ اس کی اصل یہ اتفاق ہے اور انہوں نے اسی کو برقرار رکھا۔

اس کا معارضہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے اس قول سے کیا گیا جو انہوں نے علماء کرام سے مطلقاً نقل کیا ہے کہ عورت پر لازم نہیں کہ وہ راستے میں چہرے کو ڈھانپے اور یہی سنت ہے اور مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں۔

ان سے امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں نقل کرتے ہوئے اسے برقرار رکھا شیخ نعم الدین ابن قاضی عجلون نے ”صحیح المنہاج میں“ یہ بات فرمائی ہے۔ واللہ اعلم

نبی اکرم ﷺ کے حق میں نکاح مطلق عبادت تھا جس طرح حضرت سکی رحمہ اللہ نے فرمایا جب کہ دوسروں کے حق میں یہ عبادت نہیں بلکہ محض جائز ہے اور عبادت اس کو لاحق ہوتی ہے۔

آپ کی صاحبزادیوں سے متعلق خصائص

ان خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

ان ابنی هذا سید۔
آپ کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ ہر نسب اور سبب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا لیکن آپ کا سبب اور نسب باقی رہے گا آپ نے فرمایا:

كل سبب و نسب ينقطع يوم القيامة الا
سببی و نسبی۔
ہر سبب اور نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا مگر
میرا سبب اور نسب باقی رہے گا۔

(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۶ المسد رک ج ۳ ص ۱۴۲ السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۱۱۴ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۳ الدر المنثور ج ۵ ص ۱۵ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۷۱ تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۰۳ تاریخ بغداد ج ۶ ص ۱۸۲ تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۳۸۹ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۸۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۱۳)

نسب ولادت کے ساتھ اور سبب نکاح کے ساتھ ہوتا ہے۔
کہا گیا ہے کہ آپ کی امت قیامت کے دن آپ کی نسبت سے نفع اندوز ہوگی جب کہ دوسروں کی امت کو یہ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

آپ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے منبر شریف پر سنا آپ فرما رہے تھے بنو ہاشم بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کر دیں لیکن میں ان کو اجازت نہیں دوں گا۔ پھر میں ان کو اجازت نہیں دوں گا۔ پھر میں ان کو اجازت نہیں دوں گا۔ میری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو بات اسے پسند نہیں وہ مجھے بھی پسند نہیں اور جس بات سے اسے اذیت پہنچتی ہے اس سے مجھے بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۳۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۷۱ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۶۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۸ مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۸ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۸۸ حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۳۲۵ شرح السنن ج ۱ ص ۱۵۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۲۱۳)

انہی سے مروی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے ابو جہل کی بیٹی کو منگنی کا پیغام دیا اور حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ان کے پاس تھیں جب انہوں نے یہ بات سنی تو وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا آپ کی قوم باتیں کرتی ہے کہ آپ کو اپنی بیٹیوں کی وجہ سے غصہ نہیں آتا اور یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں جو ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت مسور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے سنا کہ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اما بعد: میں نے (اپنی بیٹی) ابوالعاص بن ربیع کے نکاح میں دی تو انہوں نے مجھ سے جو بات کی سچ کہا اور بیشک حضرت فاطمہ بنت محمد میرا ٹکڑا ہے اور میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اسے کسی آزمائش میں ڈالیں اور اللہ کی قسم! رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے پاس کبھی بھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ فرماتے ہیں پھر آپ نے خطبہ چھوڑ دیا۔

(صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۹۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۶۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۶ السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۰۸) ابو جہل کی بیٹی کا نام جویریہ تھا وہ اسلام لائیں اور بیعت کی اور حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے اور ان کے بعد ابان بن سعید رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ہوا۔

امام ابوداؤد نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر حرام کر دیا کہ وہ حضرت خاتون جنت کی زندگی میں ان پر کسی دوسری عورت کو نکاح میں لائیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ
فَانْتَهُوا۔

اور جس بات کا رسول ﷺ تمہیں حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس بات سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

شیخ ابوعلی السنی (حسین بن شعیب بن محمد السنی متوفی ۴۲۷ھ) (الاعلام ج ۲ ص ۲۳۹ فیات الاعیان ج ۱ ص ۱۳۵ کشف الظنون رقم الحدیث: ۱۶۳۵-۳۷۹) رحمہ اللہ نے ”شرح الخیص میں“ ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی صابروں پر نکاح کرنا حرام تھا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ بات حضرت خاتون جنت کے ساتھ خاص ہو کیوں کہ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس سے آپ کو اذیت پہنچتی ہے اور آپ کو اذیت پہنچانا بالاتفاق حرام ہے۔ اور اس میں اس کی اذیت کو حرام قرار دیا جس کی اذیت نبی اکرم ﷺ کی اذیت کا باعث ہے کیونکہ آپ کو اذیت پہنچانے کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے وہ تھوڑی ہو یا زیادہ۔

اور آپ نے واضح طور پر فرمایا کہ جو بات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اذیت کا باعث ہے اس سے آپ کو اذیت ہوتی ہے پس حضرت خاتون جنت کے حق میں جو کچھ بھی واقع ہو گا وہ آپ کی اذیت کا باعث ہو گا تو اس سے رسول اکرم ﷺ کو اذیت پہنچتی تھی اور اس پر یہ حدیث صحیح شاہد ہے۔

سوال: حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس بات کو خاض کرنے پر اعتراض ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام پر غیرت دین کے حوالے سے فتنہ میں پڑنے کا خوف ہے اور اس کے باوجود آپ نے زیادہ ازواج کو اختیار کیا اور ان سے غیرت پائی جاتی تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے ان کے حق میں اس بات کا خیال نہ رکھا جس طرح حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے بارے میں اس بات کا خیال فرمایا۔

جواب: حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو اس وقت کوئی ایسی شخصیت حاصل نہ تھی جن کا سہارا لیتیں اور ان سے مانوس ہو کر وحشت کا ازالہ کرتیں نہ ماں تھی نہ کوئی بہن۔

جب کہ امہات المؤمنین کا یہ معاملہ نہیں تھا کیونکہ ہر ایک کو ایسی شخصیات حاصل تھیں جن سے مانوس ہو سکتی تھیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بات یہ کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات تھیں اور آپ کی وجہ سے ان کے دلوں کو خوشی اور خوش طبعی حاصل ہوتی اور دلوں کی ڈھارس بندھتی تھی کیونکہ ان میں سے ہر ایک آپ کے حسن اخلاق وغیرہ پر راضی تھیں کہ اگر کسی قسم کی غیرت کا مسئلہ پیدا ہوتا تو فوراً زائل ہو جاتا۔

محراب نبوی میں اجتہاد نہیں

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے جس محراب شریف میں نماز پڑھی ہے اس کے بارے میں اجتہاد نہیں ہو سکتا کہ شاید یہ دائیں طرف ہو یا بائیں طرف۔

شیخ الاسلام ابو زرہ عراقی نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا ہے جو نبی اکرم ﷺ کے محراب شریف کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھتا بلکہ کہتا ہے کہ میں اجتہاد کروں گا اور پھر نماز پڑھوں گا کہ اگر وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے ایسا کرتا ہے کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں تھا تو پھر وہ مرتد ہو گیا اور اگر وہ تاویل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اب یہ محراب اس صورت میں نہیں جس طرح آپ کے زمانے میں تھا بلکہ اس سے بدل گیا ہے اور اسی وجہ سے میں اجتہاد کرتا ہوں تو اس صورت میں اس کو مرتد نہیں کہا جائے گا اگرچہ اس کی تاویل صحیح نہ ہو۔

آپ کو خواب میں دیکھنا حق ہے

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً آپ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان آپ کی صورت میں نہیں آ سکتا۔

”صحیح مسلم کی روایت میں ہے“ آپ نے فرمایا:

من رانی فی المنام فسیرانی فی البقطة او لکانما رانی فی البقطة لا
جس نے مجھے خواب میں دیکھا عنقریب وہ مجھے
بیداری کی حالت میں دیکھے گا یا (فرمایا) گویا اس نے مجھے

یتمثل الشیطان ہی۔

بیداری میں دیکھا (کیونکہ) شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۹۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۲۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷-۱۳، مسند احمد ج ۵ ص ۳۰۶، المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۲۹۷، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۸۲، شرح السنہ ج ۱۲ ص ۲۲۷، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۶۶۱، تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۸۲) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسامعی کے نزدیک یوں ہے:

فقد رانی فی البقطة۔ پس اس نے مجھے بیداری میں دیکھا۔

یہ لفظ ”فسیرانی“ کی جگہ ہیں ابن ماجہ کے نزدیک بھی اسی طرح ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت ابوقناد۔ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

من رانی فقد رای الحق۔ جس نے مجھے دیکھا تحقیق اس نے حق دیکھا (یا حق کو

دیکھا)۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

من رانی فی المنام فقد رانی فانه لا ینبغی للشیطان ان یتمثل فی صورتی۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا ہے پس اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ میری صورت اختیار کرے۔

ایک روایت میں ہے:

من رانی فی المنام فقد رانی فانه لا ینبغی للشیطان ان یتشبه ہی۔ جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان کے لئے مناسب نہیں کہ میری مشابہت اختیار کرے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فان الشیطان لا یتکوننی۔ بے شک شیطان میری طرح نہیں ہو سکتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۹۷، مسند احمد ج ۳ ص ۵۵، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۸۱، دلائل النبوة ج ۷ ص ۳۵، شہل ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۰، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۶۱۰)

یعنی ”لا یتکون کوئی“ میرے ہونے کی طرح نہیں ہو سکتا تو یہاں لفظ ”کون“ مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ یا ضمیر کو فعل سے ملا دیا گیا۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابوقنادہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے:

لا یتراء ی ہی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۹۵) شیطان میری شکل میں نہیں آ سکتا۔

یتراء ی بروزن معاطی ہے یعنی اسے طاقت نہیں کہ وہ میری صورت اختیار کرے یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ

اختیار دیا ہے کہ وہ جو شکل چاہے اختیار کرے لیکن وہ نبی اکرم ﷺ کی صورت اختیار کرنے پر قادر نہیں ہے۔ ایک جماعت اسی طرف گئی ہے وہ کہتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے والا نبی اکرم ﷺ کو اسی صورت میں دیکھے جس پر آپ تھے لیکن بعض حضرات نے اس بات کو تنگ کر دیا اور فرمایا کہ اس صورت میں دیکھے ضروری ہے جس پر آپ کا وصال ہوا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے سفید بالوں کا اعتبار بھی کیا جو بیس کی تعداد کو نہیں پہنچتے تھے۔

حضرت حماد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت محمد ابن سیرین کے سامنے جو کوئی شخص بیان کرتا کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی ہے تو آپ فرماتے جو کچھ تم نے دیکھا ہے اسے بیان کرو اگر وہ ان اوصاف کا ذکر کرتا جن کو آپ نہیں پہچانتے تھے تو آپ فرماتے تم نے زیارت نہیں کی اس کی سند صحیح ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت عاصم بن کلیب رحمہ اللہ کے طریق سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد نے بیان کیا اور فرمایا میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے آپ نے فرمایا میرے سامنے بیان کرو فرماتے ہیں میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مشابہت بیان کی تو انہوں نے فرمایا تم نے آپ کی زیارت کی ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔

لیکن جو حدیث ابن ابی عاصم نے دوسرے طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من رانی فقد رانی فانی اری فی کل
صورة. (فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۷۴)

اس حدیث کی سند میں ابن توامہ راوی اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے اور جس نے روایت کیا اس نے اختلاط کے بعد سن کر روایت کیا۔

قاضی ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ کو آپ کی معلوم صفات کے ساتھ دیکھنا حقیقتاً ادراک ہے اور غیر صفت پر دیکھنا آپ کی مثالی صورت کو دیکھنا ہے کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ زمین انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو تبدیل نہیں کرتی۔ پس آپ کی ذات پاک کا ادراک حقیقی ادراک ہوگا اور صفات کا ادراک مثال کا ادراک ہوگا۔

بعض قدیرہ (تقدیر کے منکر لوگوں) نے الگ راستہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی کوئی حقیقت نہیں۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۷۵)

حضرت ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”فسیر رانی“ کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اس نے دیکھا اس کی تفسیر عنقریب دیکھے گا کیونکہ یہ حق ہے اور غیب ہے اور ”فکانما رانی“ تشبیہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ مجھے بیداری کی حالت میں دیکھے تو اس نے جو کچھ خواب میں دیکھا ہے یہ اس کے مطابق ہوگا۔ پس پہلا حق اور حقیقت ہوگا اور دوسرا (دیکھنا) حق اور تمثیل ہوگی۔

وہ فرماتے ہیں: یہ سب باتیں اس وقت ہیں جب صورت معروضہ پر دیکھے اگر وہ آپ کی صفت کے خلاف دیکھے تو یہ امثال ہیں اگر آپ کو اپنی طرف متوجہ دیکھے تو دیکھنے والے کے لئے بہتر ہے اور اس کے برعکس دیکھے تو معاملہ بھی برعکس ہو

گا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بھی احتمال ہے کہ ”فقد رانی“ یا ”فقد رای الحق“ سے مراد یہ ہو کہ جو شخص آپ کو آپ کی صورت معروضہ کے مطابق دیکھے جو آپ کی حیات طیبہ میں تھی تو اس کا دیکھنا حق ہے اور جو شخص کسی دوسری صورت میں دیکھے تو اس میں تاویل ہوگی۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا یہ ضعیف بات ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس نے حقیقتاً دیکھا ہے چاہے معروف صفت پر دیکھا یا اس کے علاوہ۔

اور ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے لئے قاضی عیاض رحمہ اللہ کے کلام سے اس کے منافی بات ظاہر نہیں ہوئی بلکہ ان کے قول سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ دونوں صورتوں میں آپ کو حقیقتاً دیکھ رہا ہے لیکن پہلی صورت میں کسی تعبیر کی حاجت نہ ہوگی جب کہ دوسری صورت میں تعبیر کی ضرورت ہوگی۔ بعض حضرات نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص آپ کو دیکھے گا وہ آپ کو اصل صورت پر ہی دیکھے گا۔

(فتح الباری ج ۱۲ ص ۴۷۵)

اور جس نے کہا کہ آپ کو آپ کی معلوم صورت پر ہی دیکھا جاسکتا ہے تو اس کے نزدیک کسی دوسری صفت پر دیکھنا محض خیالات ہیں۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ خواب میں آپ کی زیارت اس حالت میں ہوتی ہے جو دنیوی حالت کے خلاف ہے اور اگر شیطان آپ کی صورت مبارکہ کی مثل بن سکتا تو یہ اس عموم کے خلاف ہوتا جس میں آپ نے فرمایا کہ شیطان میری شکل میں نہیں آ سکتا پس زیادہ بہتر یہی ہے کہ ہم آپ کی زیارت کو اسی طرح آپ سے کچھ دیکھنے کو یا جو کچھ آپ کی طرف منسوب ہو اس کو پاکیزہ قرار دیں کیونکہ حرمت میں یہی زیادہ پہنچنے والی بات ہے، عصمت کے زیادہ لائق یہی ہے کہ جس طرح عالم بیداری میں آپ شیطان سے محفوظ تھے۔

پس اس حدیث کی صحیح تاویل یہ ہے کہ آپ کا مقصود یہ تھا کہ آپ کو کسی حالت میں دیکھنا باطل یا خیالات نہیں بلکہ یہ حق ہے اگر آپ کو دوسری صورت میں دیکھا جائے تب بھی اس صورت کا تصور یوں ہو کہ وہ شیطان کی طرف سے نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یہ قاضی ابوبکر طیب وغیرہ کا قول ہے۔

اور آپ کا ارشاد گرامی ”فقد رای الحق“ اس کی تائید کرتا ہے ”قرطبی نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

ابن بطلال نے کہا کہ ”فسیرانی فی الیقظة“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تصدیق عالم بیداری میں ہو جائے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ یہ حق ہے اور صحیح ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ آخرت میں زیارت کرے گا کیونکہ قیامت کے دن تمام امت کو زیارت نصیب ہوگی چاہے وہ خواب میں آپ کو دیکھے یا نہ۔

ماذری نے کہا اگر یہ بات صحیح ثابت ہو کہ آپ نے فرمایا ”گو یا اس نے مجھے بیداری میں دیکھا“ تو اس کا معنی ظاہر ہے۔ اور اگر یہ بات صحیح ثابت ہو کہ ”عنقریب وہ بیداری میں مجھے دیکھے گا“ تو اس بات کا احتمال ہے کہ آپ کے زمانے کے وہ لوگ مراد ہوں گے جنہوں نے آپ کی طرف ہجرت نہیں کی کیونکہ جب اس نے آپ کو خواب میں دیکھا تو یہ اس

بات کی علامت ہے کہ وہ عنقریب آپ کو بیداری کی حالت میں بھی دیکھے گا اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس خواب کی تعبیر، تقریب، بیداری میں دیکھے گا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس احتمال پر کہ اس کا خواب میں زیارت کرنا اس صفت پر ہو جس کے ساتھ آپ معروف اور موصوف ہیں یہ قیامت کے دن اس کے اکرام و احترام کا سبب ہے کہ اسے خصوصی طور پر قریب ہو کر زیارت نصیب ہوگی۔ یا اسے آپ کی شفاعت نصیب ہوگی اور اس کا درجہ بلند ہوگا اور اس طرح کی خصوصیات حاصل ہوں گی وہ فرماتے ہیں یہ بات بھی بعید از عقل نہیں کہ بعض گناہ گاروں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زیارت سے ایک مدت تک روک دے۔

ابن ابی جرہ نے اسے ایک اور بات پر محمول کیا پس انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یا کسی اور سے نقل کیا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو بیدار ہونے کے بعد اس حدیث کے بارے میں متفکر ہوئے چنانچہ وہ ایک ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے اور شاید وہ ان کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تھیں پس انہوں نے حضور علیہ السلام کا آئینہ ان کو دکھایا تو انہوں نے اس میں نبی اکرم ﷺ کی صورت مبارکہ دیکھی اپنی صورت نظر نہ آئی۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”فقد رانی“ کا معنی یہ نہیں کہ اس نے میرا جسم اور میرا بدن دیکھا بلکہ اس نے ایک مثال دیکھی کہ وہ مثال ایک آلہ بن گئی جس کے ذریعے وہ اس معنی کی ادائیگی کر سکتا ہے جو میرے نفس میں اس تک ہے۔ اسی طرح ”فسیرانی فی البقظۃ“ سے بھی میرے جسم اور بدن کو دیکھنا مراد نہیں۔

وہ فرماتے ہیں آلہ بعض اوقات حقیقی اور کبھی خیالی ہوتا ہے اور نفس اس خیالی مثال کا غیر ہوتا ہے پس اس نے جو صورت دیکھی وہ نبی اکرم ﷺ کی روح مبارکہ یا بدن اقدس نہیں بلکہ مثال دیکھی۔

وہ فرماتے ہیں جو شخص خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتا ہے اس کا مسئلہ بھی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شکل و صورت سے پاک ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت بندے تک محسوس مثال سے پہنچتی ہے وہ نور ہوا یا کچھ اور۔

اور یہ مثال اس کے حق میں پہچان کا واسطہ ہوتی ہے پس دیکھنے والا کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھا جس طرح دوسروں کے بارے میں کہتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنے بعض فتاویٰ میں یہ بھی فرمایا کہ جس نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا اس نے آپ کی اس شخصیت مبارکہ کو نہیں دیکھا جو روضۃ النور کے اندر مدینہ طیبہ میں ہے بلکہ آپ کی مثال کو دیکھا۔ پھر فرمایا یہ مثال آپ کی روح کی مثال ہے جو صورت اور شکل سے منزہ ہے۔

طیبی کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے مجھے خواب میں کسی بھی صورت میں دیکھا اس کے لئے خوشخبری ہے اور اس کو جان لینا چاہیے کہ اس نے واقعی مجھے دیکھا ہے یعنی یہ دیکھنا سچ ہے جھوٹ نہیں ہے۔

اسی طرح آپ کے ارشاد گرامی ”فقد رانی“ کا مفہوم ہے پس جب شرط اور جزا اکٹھے ہوں تو کمال کی انتہا پر دلالت ہوتی ہے یعنی اس نے مجھے اس طرح دیکھا کہ اس کے بعد کچھ نہیں۔

ان جوابات کا خلاصہ یہ ہے۔

کہ یہ تشبیہ اور تمثیل کے طور پر ہے اور اس پر ”فکانما رانی فی البقطة“ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حقیقتاً بیداری میں بھی دیکھے گا تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ بات آپ کے زمانے والوں کے ساتھ خاص ہے یعنی وہ لوگ جو آپ کی زیارت کرنے سے پہلے آپ پر ایمان لائے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنے شیشے میں آپ کو دیکھے گا اگر اس کے لئے ممکن ہو ہمارے شیخ المشائخ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات پر محمول کرنا بہت دور کی بات ہے (عقل کے خلاف ہے) پانچواں جواب یہ ہے کہ اسے قیامت کے دن مزید خصوصیت کے ساتھ آپ کی زیارت ہوگی مطلق دیکھنا مراد نہیں کیونکہ اس طرح تو وہ بھی زیارت کرے گا جس نے آپ کو خواب میں نہیں دیکھا۔

اور درست بات یہ ہے کہ اس میں عموم ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے یعنی دیکھنے والا جس حالت پر بھی دیکھے بشرطیکہ آپ کی حقیقی صورت ہو وہ جس وقت کی صورت مبارکہ ہو آپ کی جوانی، ادھیڑ عمر یا بڑھاپا یا آخری عمر کچھ بھی ہو اور بعض اوقات اس کی تعبیر دیکھنے والے سے متعلق ہوتی ہے۔ جس طرح خوابوں کی تعبیر کے علماء نے فرمایا کہ جو شخص آپ کو بڑھاپے میں دیکھے وہ انتہائی سلامتی میں ہوگا اور جو آپ کو جوانی کے عالم میں دیکھے وہ بہت لڑنے والا ہوگا۔

حضرت ابوسعید احمد بن محمد بن نصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے کسی نبی کو ان کی حالت و ہیئت میں دیکھا تو یہ اس دیکھنے والے کی اصلاح، مرتبے اور دشمن پر کامیابی کی دلیل ہے اور جس نے کسی بدلی ہوئی حالت میں دیکھا مثلاً کچھ غصے کی حالت ہے تو یہ دیکھنے والے کی بری حالت پر دلالت ہے۔

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے آپ کو اچھی حالت میں دیکھا تو یہ دیکھنے والے کی دین میں اچھی رائے پر دلالت ہے اور اگر کسی عضو میں نقص دیکھا تو دیکھنے والے میں دین کے حوالے سے خرابی پر دلالت ہے۔ وہ فرماتے ہیں یہی بات حق ہے اور اس کا تجربہ اسی انداز پر ہو چکا ہے۔

پس آپ کی زیارت سے یہ عظیم فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کو اپنی حالت کا پتہ چل جاتا ہے کہ اس میں کوئی خلل تو نہیں؟ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نورانی ہیں جس طرح صیقل کیا ہوا صاف شفاف آئینہ ہوتا ہے دیکھنے والا شیشے میں اپنا حسن یا اس کے علاوہ جو کچھ ہے اسے دیکھتا ہے جب کہ اس آئینہ میں کوئی نقص نہیں ہوتا۔ (اسی طرح نبی اکرم ﷺ تو سراپا حسن اور کمال ہیں دیکھنے والا اپنی حالت دیکھتا ہے)۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھنے والے کا حال ہے کہ جو موافق ہو وہ حق ہے اور جو اس کے خلاف ہو تو دیکھنے والے کی سماعت میں خلل ہوتا ہے پس آپ کی ذات کریمہ کو دیکھنا حق ہے خلل دیکھنے والے کے سننے یا دیکھنے میں ہوتا ہے اور یہ بات اس کا غیر ہے جو تو نے اس سلسلے میں سنی ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا: کہ آپ کو دیکھنا آنکھ سے دیکھنا نہیں ہے بلکہ وہ بصیرت (دل) سے دیکھنا ہے اور یہ صرف دیکھنے والے تک محدود نہیں بلکہ مشرق سے مغرب تک اور زمین سے عرش تک سب دیکھتے ہیں جس طرح شیشے کے سامنے کوئی صورت ہو تو وہ صورت شیشے میں منتقل نہیں ہوتی اور دیکھنے والے کی آنکھ تمام کائنات کے سامنے ہے جیسے شیشہ سامنے

ہوتا ہے۔

اور آپ کو دیکھنے میں یہ اختلاف کہ بعض نے آپ کو بڑھا پے اور بعض نے جوانی کے عالم میں دیکھا کسی نے مسکرائے ہوئے اور کسی نے روتے ہوئے دیکھا تو یہ دیکھنے والوں کی حالت کے مطابق ہے جس طرح ایک صورت مختلف آئینوں میں دیکھتے ہوئے اختلاف معلوم ہوتا ہے بڑے شیشے میں چہرہ بڑا نظر آتا ہے اور چھوٹے شیشے میں چھوٹا دکھائی دیتا ہے آئینہ ٹیڑھا ہو تو چہرہ ٹیڑھا اور لمبا ہو تو لمبا نظر آتا ہے۔ پس دکھانے والے (آئینے) کا اختلاف ہی اصل اختلاف ہے دیکھنے والے کے چہرے کا فرق نہیں ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کو دیکھنے والوں کا معاملہ ہے آپ کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کے احوال مختلف ہیں پس جس نے آپ کو تبسم کی حالت میں دیکھا تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ دیکھنے والا آپ کی سنت پر عمل کرتا ہے۔

حضرت شیخ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں سوال کرنے والی جماعت کو یوں جواب دیا کہ یہ ایک دوسرے سے دور فطروں سے ایک چیز کو دیکھنے کی صورت ہے باوجودیکہ آپ کو دیکھنا حق ہے کیونکہ آپ چراغ ہیں اور اس عالم میں سورج کا نور ہیں اور آپ کے نور کی مثال تمام عالمین میں ہے اور جس طرح سورج کو مشرق و مغرب میں رہنے والے تمام لوگ ایک وقت میں اور مختلف صفات کے ساتھ دیکھتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ کا بھی یہی معاملہ ہے شاعر نے کیا خوب کہا:

کالبدر من ای النواحی جنتہ یهدی الی عینیک نوراً ثاقباً
”آپ چاند کی طرح ہیں تم جس جہت سے اس کے پاس آؤ وہ تمہاری آنکھوں کو چمکتا ہوا نور عطا کرے گا۔“

بیداری کے عالم میں آپ کی زیارت

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو بیداری کی حالت میں دیکھنے کے بارے میں ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ کسی صحابی یا بعد کے کسی فرد کی طرف سے ہم تک یہ بات نہیں پہنچی۔

حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا غم کتنا سخت تھا حتیٰ کہ وہ آپ کے وصال کے چھ مہینے بعد اسی کے عالم میں انتقال کر گئیں اور ان کا خانہ اقدس آپ کی قبر شریف سے متصل تھا لیکن ان سے منقول نہیں ہے کہ اس مدت میں ان کو آپ کی زیارت ہوئی ہو۔

بعض اولیاء کرام سے ان کے ذاتی واقعات منقول ہیں جس طرح البارزی کی کتاب ”توثیق عری الایمان“ میں اور ابو محمد عبد اللہ بن جریر رحمہ اللہ کی کتاب ”مہجۃ الفوس“ میں اور عقیف یافعی رحمہ اللہ کی ”روض الریاحین“ کتاب میں اور ان کی دیگر تصنیفات میں نیز شیخ صفی الدین بن ابوالمنصور کے رسالہ میں ہے۔

ابن ابی جریر کی عبارت یہ ہے کہ سلف و خلف میں آج تک ایک ایک جہت سے اس حدیث کی تصدیق منقول ہوتی رہی ہے کہ ”جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب بیداری کی حالت میں مجھے دیکھے گا“ تو جن لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا انہوں نے اس کے بعد بیداری کی حالت میں دیکھا اور ان باتوں کے بارے میں آپ سے پوچھا جن

کے بارے میں ان کو تشریح تھی تو آپ نے ان کو ان مسائل کے بارے میں بتایا اور ایسے طریقے پر بتایا کہ ان کے سامنے معاملہ کھل گیا تو وہ معاملہ کسی کی زیادتی کے بغیر اسی طرح ہوا۔

پھر فرمایا کہ اس بات کا منکر دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو وہ اولیاء کرام کی کرامات کی تصدیق کرتا ہے یا نہیں۔ اگر منکر کرامات ہے تو اس کے ساتھ بحث نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اس چیز کا منکر ہے جو واضح دلائل کے ساتھ سنت سے ثابت ہے اور اگر پہلی بات ہے (یعنی کرامات کو مانتا ہے) تو یہ بھی اس کی کرامت ہے کیونکہ اولیاء کرام کے لئے خلافِ عادت اور اورینجی کے تمام جہانوں میں متعدد واقعات منکشف ہوتے ہیں اور اس کی تصدیق بھی پائی جاتی ہے۔

شیخ ابن ابی انصور نے اپنے رسالے میں فرمایا ”اور کہا جاتا ہے کہ شیخ ابوالعباس قسطلانی رحمہ اللہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا اے احمد (قسطلانی) اللہ تعالیٰ نے تیری مدد کی ہے۔“

حضرت شیخ ابوالسعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مصر میں اپنے شیخ ابوالعباس اور دیگر بزرگوں کی زیارت کرتا تھا پس جب میں ادھر سے منقطع ہو کر مشغول ہو گیا اور مجھ پر (دروازے) کھل گئے تو اب میرے شیخ صرف نبی اکرم ﷺ تھے اور آپ ہر نماز کے بعد مجھ سے مصافحہ فرماتے تھے۔

شیخ ابوالعباس الحراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

میں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اولیاء کرام کے لئے منشور لکھنے کا حکم دے رہے تھے۔ فرماتے ہیں آپ نے (آپ کے حکم سے) میرے بھائی محمد رحمہ اللہ کے لئے بھی منشور لکھوایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ میرے بھائی کی طرح میرے لئے نہیں لکھتے؟ آپ نے فرمایا تم ”فمہار“ بننا چاہتے ہو اور یہ لفظ اندلس کی لغت میں ہے جس کا معنی راستہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کا کوئی اور مقام ہے۔

جتہ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ نے ”المعتمد من الضلال میں“ لکھا کہ وہ (اربابِ قلوب) بیداری کی حالت میں فرشتوں اور ارواحِ انبیاء کو دیکھتے ہیں ان کی آواز سنتے اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

اور میں نے ”المنہج فی مناقب السادة الوفاة میں“ جو سیدی علی بن سیدی محمد وفا رحمہ اللہ کی کتاب ہے (لکھا ہوا) دیکھا کہ انہوں نے اپنا ایک مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جب پانچ سال کا بچہ تھا تو ایک شخص سے قرآن پڑھ رہا تھا اور ان کا نام شیخ یعقوب تھا۔

ایک دن میں ان کے پاس آیا تو ایک آدمی کو دیکھا جو سورۃ الفصحی پڑھ رہا تھا اور اس کے پاس اس کا ایک دوست تھا اور وہ اپنے جیڑوں کو ٹیڑھا کر رہا تھا جب کہ اس کا دوست تعجب کرتے ہوئے ہنس رہا تھا۔ پس میں نے نبی اکرم ﷺ کو بیداری کی حالت میں دیکھا اور یہ خواب نہیں تھا آپ پر سفید سوتی قمیص تھی پھر میں نے وہ قمیص اپنے اوپر دیکھی تو آپ نے مجھ سے فرمایا پڑھو میں نے آپ کے سامنے سورۃ الفصحی اور سورۃ ”الم نشرح“ پڑھی پھر آپ مجھ سے غائب ہو گئے جب میں اکیس سال کا ہوا تو میں نے وہاں صبح کی نماز کے لئے تکبیر تحریر کی تو نبی اکرم ﷺ کو اپنے سامنے دیکھا آپ نے مجھ سے معاف کیا اور فرمایا:

اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کیجئے۔

وَ اَتَا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

(النہی: ۱۰)

تو اس وقت سے مجھے آپ کی زبان مبارک دی گئی (یعنی میں بہت جامع کثیر المعانی کلام کرتا ہوں)۔

شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے ”لطائف المنن میں“ حضرت شیخ ابوالعباس المرسی سے نقل کیا کہ وہ سترہ رمضان المبارک کو جمعہ المبارک کی رات قبر وان میں حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ کے ساتھ تھے اور ان کے ساتھ جامع مسجد میں گئے (پورا واقعہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں)۔

میں نے رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی اور آپ فرما رہے تھے اے علی! اپنے کپڑوں کو میل سے پاک رکھو تم پر ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کی مدد اترے گی۔ تو ہو سکتا ہے یہ خواب کی بات ہو۔

اسی طرح شیخ قطب الدین القسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مدینہ طیبہ میں حضرت ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن یوسف قرطبی کے پاس پڑھتا تھا ایک دن ان کی علیحدگی میں ان کے پاس آیا اور اس وقت میں نو عمر تھا وہ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا تمہیں کس نے یہ طریقہ سکھایا ہے؟ گویا انہوں نے میرے اس آنے کو پسند نہ فرمایا فرماتے ہیں میں واپس چلا گیا لیکن میں آزرہ خاطر تھا میں مسجد میں داخل ہوا اور رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف کے پاس بیٹھ گیا میں اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ میرے شیخ تشریف لائے اور فرمایا اٹھو تیرے لئے ایسی شخصیت نے سفارش کی ہے جس کو رو نہیں کیا جاسکتا (اور وہ حضور علیہ السلام تھے)۔

اسی قسم کا واقعہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ نے ”عوارف المعارف میں“ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں میں نے شادی نہ کی حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا شادی کرلو۔ حضرت سید نور الدین الایبکی جو سید عقیف الدین کے والد ہیں ان سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے دوران قبر انور کے اندر سے سلام کا جواب سنا کہ آپ نے فرمایا ”اے میرے بیٹے وعلیک السلام“۔

حضرت بدر حسن بن اہل نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے حوالے سے فرمایا کہ اولیاء کرام کے لئے یہ اعزاز تو اتر کے ساتھ ثابت ہے اور اس سے یقین مضبوط ہوا اور شک دور ہو گیا اور جس واقع کے بارے میں ان بزرگوں کی خبریں تو اتر سے ثابت ہوں اس میں کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہتا لیکن ان پر بعض اوقات ایسی حالت طاری ہوتی ہے جو احاطہ تحریر میں نہیں آسکتی اس بنیاد پر یہ روایت محسوس نہیں ہوتی اور آنکھیں بند ہوتی ہیں اور اس سلسلے میں ان کے مراتب مختلف ہیں اور اس سلسلے میں راویوں سے بہت غلطی ہوئی اور بہت کم صحیح متصل روایت ایسے شخص سے ملے گی جس پر اعتماد کیا جاسکے اور جس پر اعتماد نہیں ہوتا بعض اوقات اس کو جھوٹا قرار دیا جاتا ہے بعض اوقات وہ خواب میں یا احساس کے بغیر دیکھتا ہے اور اس کو بیداری خیال کرتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات وہ نور اور خیال کو رسول ﷺ کی ذات خیال کرتا ہے اور بعض اوقات شیطان اس پر غلط ملط کر دیتا ہے لہذا اس بات میں احتیاط واجب ہے۔

خلاصہ کلام

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کو سر کی آنکھوں سے بیداری کی حالت میں دیکھنے کو عقل صحیح قرار نہیں دیتی کیونکہ اس سے آپ کا قبر انور سے باہر نکلنا بازاروں میں چلنا لوگوں سے مخاطب ہونا اور لوگوں کا آپ سے مخاطب ہونا نیز قبر شریف کا آپ کے جسم اقدس سے خالی ہونا لازم آتا ہے اور اس طرح آپ کے جسم اقدس سے کچھ بھی قبر میں باقی نہ

رہے گا اور یوں محض قبر کی زیارت ہوگی اور غائب کو سلام ہوگا۔
یہ بات امام قرطبی نے اس شخص کے رد میں کہی ہے جو کہتا ہے کہ آپ کو خواب میں دیکھنے والا حقیقت کو دیکھتا ہے
پھر اسی طرح بیداری میں بھی آپ کو حقیقت دیکھتا ہے۔
انہوں نے فرمایا یہ جہالت کی باتیں ہیں جس آدمی کے پاس تھوڑی سی عقل بھی ہو وہ اس قسم کی بات نہیں کرتا اور اس
میں سے کسی بات کا التزام کرنے والے کی عقل میں خلل ہے۔
قاضی ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا بعض صالحین نے الگ راہ اختیار کرتے ہوئے یہ گمان کیا کہ یہ زیارت حقیقتاً
سر کی آنکھوں سے ہوتی ہے اور ”فتح الباری میں“ ابن ابی جرہ کا کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا یہ بہت مشکل بات ہے اور اگر
اس کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو یہ لوگ صحابی بن جائیں اور قیامت تک آپ کی صحبت باقی رہے۔
شیخ مسلم اور مسلمہ طائفہ کے شیخ نے فرمایا:

فمن يدعى في هذه الدار انه يرى المصطفى حقا فقد فاه مشتطا

ولكن بين النوم واليقظة الصي يباشر هذا الامر مرتبة وسطا

”یعنی نوع انسان میں سے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ صحیح معنی میں کریم ﷺ کو دیکھتا ہے تو اس نے مبالغہ کیا“

لیکن ان کی زیارت تو نیند اور بیداری کے درمیان ہوتی ہے۔“

تو قاضی ابوبکر بن عربی نے اس قول کو کہ خواب میں سر کی آنکھوں سے زیارت ہوتی ہے زیادتی اور حماقت قرار دیا
پھر وہ بات نقل کی جو بعض متکلمین کی طرف منسوب ہے یعنی دل کی آنکھوں سے زیارت ہوتی ہے اور یہ ایک قسم کا مجاز
ہے۔

پس خواص جو ارباب قلوب ہیں اور مراقبہ نیز خوف کی حالت میں رہتے ہیں ان کے لئے یہ بات مستنع نہیں ہے کہ ان
کے لئے جو کرامات واقع ہوتی ہیں وہ ان سے سکون حاصل نہیں کرتے چہ جائیکہ کہ کسی ضرورت کے بغیر اسے جان کیا
جائے حالانکہ وہ لوگ ایسی باتوں سے چمٹکارا پانے کی کوشش کرتے تھے جو ان کی حالت کو میلا گردیں اور وہ دنیا اور دنیا
والوں سے اعراض کرتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے اہل و مال سے نکل جائیں۔

اور وہ نبی اکرم ﷺ کو دیکھتے تھے جس طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے دل میں نبی اکرم ﷺ کی
مثالی صورت آئی اور وہ باطنی عالم میں آپ سے ہمکلامی کا تصور کرتے تھے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ کسی قسم کا
اضطراب نہ ہو بلکہ قرار ہو اگر اضطراب وغیرہ ہو تو شیطانی عمل ہے اور یہ بات ان کے بلند منصب میں خرابی کا باعث نہیں
کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے۔

علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ نے ”جمع الجوامع میں“ لکھا اور ان سے پہلے دوسرے حضرات نے لکھا ہے کہ الھام
جست نہیں ہے کیونکہ جو لوگ معصوم نہیں ہیں ان کے دلوں پر اعتقاد نہیں کیا جاسکتا پس اس وقت جن لوگوں نے یہ کہا کہ جو کچھ
دیکھا جاتا ہے وہ مثال ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اس کو اس معنی پر محمول کرنا منع نہیں بلکہ جن لوگوں نے اس معنی پر
محمول کیا ہے تو انہوں نے مناسب راہ اختیار کی ہے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی اس کے قریب ہے آپ نے فرمایا:

میں نے جنت اور دوزخ کو دیکھا۔

انسی رايت الجنة والنار۔ ۱

اور یہ کہنا بعید از عقل ہے کہ اس دیکھنے سے علم مراد ہے۔

حضرت شیخ ابو العباس مری رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر رسول اکرم ﷺ میری نگاہوں سے پلک جھپکنے کے برابر بھی اوجھل ہوں تو میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہ کروں۔ ۲

اس بنیاد پر ”عنقریب وہ مجھے بیداری کی حالت میں دیکھے گا“ کا مطلب یہ ہے کہ میرے مشاہدہ کا تصور کرے گا اور اپنے آپ کو میرے ساتھ حاضر سمجھے گا کہ وہ آپ کی سنت اور آداب سے باہر نہیں جائے گا بلکہ آپ کے راستے اور شریعت و طریقت پر چلے گا۔ نبی اکرم ﷺ کا احسان کے حوالے سے یہ ارشاد گرامی اسی مفہوم کو واضح کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان تعبد الله كانك تراه۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔

۱۔ ۲۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰-۷۷۷۷ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵-۷۸ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۶۹۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۰ سنن نسائی رقم الحدیث: ۵-۶۰ مسند احمد ج ۱ ص ۲۷-ج ۳ ص ۱۰۷-۲۸۵ ج ۵ ص ۳) اور ”من رانی“ (جس نے مجھے دیکھا) کے عموم کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس سے ذہ تمام لوگ مراد ہیں جن کو توفیق دی گئی اور بعض قابل اعتماد حضرات کا یہ قول اسی بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جس نے مجھے اس طرح دیکھا کہ وہ حرمت کی تعظیم کرنے والا اور میرے مشاہدہ کا شوق رکھنے والا ہے وہ اپنے محبوب کو دیکھ لے گا اور ہر مطلوب کو پائے گا۔

شارح مصابیح کا یہ قول اس بات کے قریب ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ ”یا وہ آپ کو دنیا میں حالت ذوق اور جسمانی آلائش سے پاک ہونے کی صورت میں دیکھے گا۔ جس طرح بعض صالحین سے منقول ہے کہ انہوں نے حالت ذوق و شوق میں آپ کی زیارت کی۔“

الاحدل نے حضرت شیخ ابو العباس مری رحمہ اللہ کی حکایت کے بعد فرمایا کہ یہ مجاز ہے جوشیوخ کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ مراد یہ ہے کہ وہ آپ سے غفلت اور نسیان کے پردے میں نہیں ہوتے کیونکہ وہ ہمیشہ مراقبہ میں رہتے اور اعمال و اقوال کو سامنے رکھتے ہیں اور یہ بات منقول نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی روح ملک سے وہ پلک جھپکنے کے برابر پردے میں نہ رہے ہوں کیونکہ یہ بات محال ہے۔ واللہ اعلم

رسول اکرم ﷺ کا اسم گرامی اپنانا

نبی اکرم ﷺ کا ایک اختصاص یہ ہے کہ جس بچے کا نام آپ کے مبارک نام پر رکھا جائے وہ بابرکت ہوتا ہے۔ اور یہ اسم گرامی اسے دنیا اور آخرت میں نفع دیتا ہے۔

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”ما من شیء لم اکن رانیہ الا رانیہ فی مقامی هذا حتی الجنة والنار“ کوئی ایسی چیز نہیں جس کو میں نے پہلے نہ دیکھا مگر میں نے اس مقام پر اس کو دیکھ لیا حتیٰ کہ جنت اور جہنم کو بھی۔ اسی حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے صلوٰۃ الکسوف میں نقل کیا۔ (زرقاتی ج ۵ ص ۳۰۰)

۲۔ ان کی مراد یہ ہے کہ میں کامل مؤمن نہیں رہوں گا کیوں کہ یہ جناب میری کوتاہی پر دلالت کرتا ہے۔ (زرقاتی ج ۵ ص ۳۰۰)

ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ دو ہندوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا پھر ان کو جنت میں لے جانے کا حکم ہو گا وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہم جنت کے مستحق کیسے ہو گئے جب کہ ہم نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کی وجہ سے تو ہمیں جنت کی صورت میں بدلہ دے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ میں نے اپنے نفس پر قسم کھائی ہے کہ میں اس شخص کو جہنم میں داخل نہیں کروں گا جس کا نام احمد یا محمد ہوگا۔ (الموضوعات ج ۱ ص ۱۵۷ تنزیل الشریعہ ج ۱ ص ۱۷۳ الملالی المصنوع ج ۱ ص ۵۵)

ابو نعیم نے عبید بن شریط رحمہ اللہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَعِزَّتِي وَجَلَالِي لَا عَذْبَتَ أَحَدًا تَسْمِيَّيَ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں کسی ایسے شخص کو جہنم میں عذاب نہیں دوں گا جس کا نام آپ کے نام پر رکھا گیا ہو۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو دسترخوان بچھایا جائے پس اس پر وہ آدمی آئے جس کا نام احمد یا محمد ہو مگر اللہ تعالیٰ اس گھر کو ہر دن میں دو مرتبہ پاک کرتا ہے۔ یہ حدیث ابو منصور دیلمی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے۔ اور کسی شخص کے لئے آپ کی کنیت ”ابوالقاسم“ اپنانا جائز نہیں ہے اس کا نام محمد ہو یا نہ؟ ان میں سے بعض نے (اسم گرامی اور کنیت کو) جمع کرنا جائز قرار نہیں دیا البتہ الگ الگ اپنانے کو جائز قرار دیا اور یہ بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کئی مذاہب ہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ مطلقاً منع کرتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ نے جائز قرار دیا اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس کا نام محمد نہ ہو اس کے لئے یہ کنیت جائز ہے اور جنہوں نے مطلقاً جائز قرار دیا انہوں نے ممانعت کو آپ کی حیات طیبہ سے خاص کیا ہے اور یہی بات زیادہ قریب ہے۔

حدیث شریف پڑھنے سے متعلق خصائص

رسول اکرم ﷺ کی حدیث شریف پڑھنے کے لئے غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے نیز اس وقت آواز بلند نہ کی جائے بلکہ پست آواز رکھے جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں گفتگو کے وقت حکم تھا کیونکہ جو کلام آپ سے منقول ہے آپ کے وصال کے بعد اس کا مقام و مرتبہ اسی طرح ہے جیسے آپ کی زبان مبارک سے سننے والے الفاظ کا ہے نیز حدیث شریف کسی بلند مقام پر پڑھی جائے۔

حضرت مطرف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب لوگ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوتے تو ایک لونڈی ان لوگوں کے پاس آ کر کہتی حضرت شیخ تم سے پوچھتے ہیں کہ تم حدیث پڑھنا (یا سننا) چاہتے ہو یا مسائل معلوم کرنا چاہتے ہو؟ اگر وہ کہتے ہیں کہ ہم مسائل جاننا چاہتے ہیں تو آپ اسی وقت ان کے پاس تشریف لاتے اور اگر وہ کہتے ہیں کہ حدیث شریف سننا چاہتے ہیں تو آپ غسل خانے میں تشریف لے جاتے، غسل فرماتے، خوشبو لگاتے نئے کپڑے پہنتے، عمامہ شریف باندھتے اور اوپر چادر لیتے اور آپ کے لئے کوئی بلند چیز (کرسی وغیرہ) بچھائی جاتی پس آپ تشریف لاتے اور ۱۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو پس وہ اس کا نام محمد رکھے وہ میری محبت میں اور میرے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے ایسا کرے تو وہ اور اس کا بچہ جنت میں جائیں گے۔

اس پر بیٹھتے اور آپ پر خشوع طاری ہوتا اور اگر بتیاں مسلسل جلائی جاتیں حتیٰ کہ آپ حدیث رسول ﷺ سے فارغ ہو جاتے اور اس مسند پر صرف حدیث شریف بیان کرتے وقت تشریف فرما ہوتے۔

حضرت ابن ابی اور یس رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ کی حدیث کی تعظیم کروں اور جس قدر ممکن ہو طہارت کی حالت میں بیان کروں اور کہا جاتا ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے یہ طریقہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے لیا تھا۔

حضرت قتادہ حضرت مالک اور ایک جماعت (رحمہم اللہ) نے وضو کے بغیر حدیث شریف بیان کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ حضرت اعمش رحمہ اللہ با وضو نہ ہوتے تو تیمم کر لیتے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی حرمت و تعظیم اور توقیر آپ کے وصال کے بعد آپ کے ذکر کے وقت اور آپ کی حدیث سننے اور سنانے کے وقت نیز آپ کے اسم گرامی اور سیرت طیبہ کا ذکر کرتے وقت اسی طرح ہے جس طرح آپ کی زندگی میں تھی۔

آپ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کی حدیث شریف والے کے لئے مکروہ ہے کہ کسی کے لئے اٹھے۔ حضرت ابن حجاج رحمہ اللہ نے ”المدخل میں“ اس کی وجہ یوں بیان فرمایا کہ اس طرح نبی اکرم ﷺ کے احترام میں کمی آتی ہے اور گویا اس بات کی پرواہ نہیں کی جاتی کہ کسی دوسرے کے لئے آپ کی حدیث کو منقطع کیا جائے پس کھڑا ہونا کیسے جائز ہوگا پہلے بزرگ نہ تو حدیث شریف کو ترک کرتے اور نہ حرکت کرتے اگر چہ ان کے بدنوں میں کوئی تکلیف پہنچے وہ اس مشقت کو برداشت کر لیتے تھے جو ان پر نازل ہوتی کیونکہ وہ اس وقت نبی اکرم ﷺ کی حدیث کا احترام کرتے تھے۔

اس سلسلے میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا واقعہ تمہارے لئے کافی ہے کہ آپ کو بچھونے سترہ مرتبہ ڈنگ مارا لیکن آپ نے حرکت نہ کی اور آپ نے نبی اکرم ﷺ کی حدیث شریف کی عظمت کے پیش نظر کہ کسی مصیبت کی خاطر جو ان کو پہنچے وہ حدیث شریف پڑھتے ہوئے کیسے حرکت کریں؟ آپ نے اس کے ڈسنے کو برداشت کر لیا حالانکہ آپ کے لئے حرکت کا عذر پایا جاتا تھا تو کسی کے آنے پر کھڑا ہونا اور حرکت کرنا کیسے جائز ہوگا کیوں کہ یہاں ضرورت بھی نہیں بلکہ ایک بدعت ہے خصوصاً جب اس میں عام غیر مناسب گفتگو بھی شامل ہو۔

یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کی حدیث شریف پڑھنے والوں کے چہرے تر و تازہ ہوتے ہیں اور ان کو حفاظ حدیث کا لقب دیا جاتا ہے نیز دیگر علماء کے درمیان وہ مؤمنوں کے امیر کہلاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی مجلس سے متعلق خصائص

آپ کے خصائص میں سے ہے کہ جو شخص ایک لحظہ کے لئے بھی آپ کے ساتھ رہے اس کے لئے صحابیت ثابت ہو جاتی ہے۔ جب کوئی شخص کسی صحابی کے ساتھ طویل عرصہ تک نہ رہے وہ تابعی نہیں ہو سکتا۔ اہل اصول کے نزدیک یہی بابت صحیح ہے۔ اور فرق یہ ہے کہ آپ کو نبوت کا عظیم منصب اور نور حاصل ہے پس آپ کی نگاہ کسی سخت اعرابی پر پڑ جاتی تو وہ حکمت بھری گفتگو کرنے لگتا۔

ان خصائص میں سے ہے کہ آپ کے تمام صحابہ کرام عادل تھے (فاسق نہ تھے) کتاب و سنت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے پس ان کی عدالت کے بارے میں کوئی بحث نہیں کی جاتی ہے جس طرح دوسرے راویوں کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وہاں موجود حضرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا۔ اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی (بہترین) امت بنایا۔

یعنی عدل والے بنایا۔ اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَسْبُوا أَصْحَابِي فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ انْفَقَ أَحَدُكُمْ مِثْلَ أَحَدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مَدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ۔ میرے صحابہ کرام کو گالی نہ دو پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی ایک احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان (صحابہ کرام) میں سے کسی ایک کے ایک سیر بلکہ نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۵۸ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۶۱ المسند رک رقم الحدیث: ۴۷۸-۴۷۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۱ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۷۵ الدر المنثور ج ۶ ص ۱۷۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۶۳)

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرَ النَّاسِ قُرْنِي ثُمَّ الدِّينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الْبَهْرَيْنِ لَوْ كُنَّا فِي زَمَانِهِ لَكُنَّا مِنْهُمْ۔ بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۵۲۲۱-۳۸۵۹ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۵۲-۳۶۵۱-۶۳۲۹ مسند احمد ج ۱ ص ۳۲۳-۳۲۸ سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۲۲ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۹ ص ۲۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۷۶-۱۷۷ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۷۶۷ موارد الطمان رقم الحدیث: ۲۲۸۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۶۵-۳۳۳۶۹)

بے شمار آیات اور احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عادل ہونے کا تقاضا کرتی ہیں۔

اسی لئے قابل اعتماد لوگوں (اہل سنت و جماعت) کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان میں سے جو کسی فتنہ میں مبتلا ہوئے اور جو نہیں ہوئے عدل میں سب برابر ہیں کیونکہ ان کے بارے میں حسن ظن واجب ہے اور جو کچھ ہو وہ اجتہاد پر محمول ہے اور اس بات کو دیکھا جائے کہ ان لوگوں نے نبی اکرم کے احکام کی تعمیل کی، ممالک فتح کئے، نبی اکرم ﷺ کی نیابت میں کتاب و سنت کی تبلیغ کی اور لوگوں کی رہنمائی کی وہ نمازوں اور زکوٰۃ اور طرح طرح کی عبادات کے پابند تھے پھر شجاعت، تقویٰ، کرم اور اخلاق حمیدہ کا سہرا ان کے سروں پر سجا اور یہ باتیں پہلی امتوں میں نہیں تھیں اور نہ بعد والے لوگوں کو حاصل ہوئیں اور یہ سب کچھ نگاہ مصطفیٰ ﷺ کا فیض (اور صدقہ) ہے۔

اہل سنت کے نزدیک سب سے افضل صحابی حضرت ابو بکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں اس پر اجماع ہے اور جمہور کے نزدیک ان کے بعد حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما ہیں۔ مزید تفصیل ساتویں مقدمہ میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

رسول اکرم ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونا چاہیے جب نماز میں ہو

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ نمازی نماز میں آپ کو مخاطب کر کے ”السلام علیک ایہا النبی“ کہتا ہے جب کہ کسی دوسرے کو مخاطب نہیں کر سکتا۔

یہ خصوصیت بھی ہے کہ کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور آپ اسے بلائیں تو اس پر واجب ہے کہ وہ حاضر ہو اس پر حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہما کی حدیث دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے بلایا میں حاضر نہ ہوا۔ اس میں یہ ہے کہ بعد میں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا:

اَسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ۔ (الانفال: ۲۴)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب وہ تمہیں اس بات کی طرف بلائیں جو تمہاری زندگی کا باعث ہے۔

تو آپ کے حکم پر حاضر ہونا فرض ہے اور اسے ترک کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے۔ ۱۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۷۹۶-۳۷۹۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۵۸ سنن نسائی ج ۲ ص ۱۳۹ المسند رک ج ۱ ص ۵۵۸ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۶۸ ج ۲ ص ۶۲۳ الدر المنثور ج ۱ ص ۲۴۳ مشکل لا جارج ص ۳۶۷ ج ۲ ص ۷۷۷ موضح ادبام الجمع والمفرق ج ۱ ص ۲۱۹)

سوال: تو کیا اس صورت میں نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

جواب: ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) اور دوسرے حضرات نے واضح طور پر فرمایا کہ اس شخص کی نماز نہیں ٹوٹتی اور اس میں بحث ہے ہو سکتا ہے آپ کو جواب دینا مطلقاً واجب ہو جائے مخاطب نماز پڑھ رہا ہو یا نہ لیکن جہاں تک نماز سے خارج ہونے یا نہ ہونے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے نماز کے ٹوٹنے کا لزوم ثابت ہوتا ہو۔ پس اس کا بھی احتمال ہے کہ اس کا حاضر ہونا واجب ہے اگرچہ وہ نماز سے خارج ہوتا ہو بعض شافعی حضرات اسی طرف گئے ہیں۔ (احناف کا بھی یہی مذہب ہے کہ نماز نہیں ٹوٹتی۔ ۱۲ ہزاروی)۔ ۲۔

آپ پر جھوٹ باندھنا

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ پر جھوٹ باندھنا دوسروں پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے (بڑا جرم ہے) پس جو شخص آپ پر جھوٹ باندھے اس کی روایت کبھی بھی قبول نہ ہوگی اگرچہ تو بہ کرے محدثین کی ایک جماعت نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

۱۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے حضور علیہ السلام نے انہیں پکارا انہوں نے جلدی جلدی نماز مکمل کر کے سلام عرض کیا حضور علیہ السلام نے فرمایا تمہیں جواب دینے سے کیا بات مانع ہوئی عرض کیا حضور! میں نماز میں تھا آپ نے فرمایا قرآن میں یہ نہ پایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ عرض کیا بے شک آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ (خرائن العرقان حاشیہ ترجمہ کنز الایمان الانفال: ۲۴)

۲۔ قاضی ثناء اللہ مظہری رحمہ اللہ حنفی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونے سے نماز نہیں ٹوٹتی وہ فرماتے ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی امر کے لئے بلائیں جس میں تاخیر نہیں ہو سکتی تو نمازی نماز توڑ کر جائے لیکن پہلی بات زیادہ ظاہر ہے کیونکہ نماز کو توڑنا ہر ایسے دینی کام کے لئے جائز ہے جس میں تاخیر سے اس کے فوت ہونے کا ذرہ جیسا کہ اندھے کانویں میں گرنا وغیرہ۔ (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۴۶)

حضرت عبدالرزاق فرماتے ہیں ہمیں حضرت معمر نے ایک شخص سے روایت کرتے ہوئے خبر دی وہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے جھوٹی بات منسوب کی تو آپ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور فرمایا جاؤ اور اگر اس کو پاؤ تو قتل کر دو۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۷۷) اسی لئے حضرت امام الحرمین نے اپنے والد سے روایت کیا کہ جو شخص جان بوجھ کر رسول اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

لیکن کسی امام نے ان کی موافقت نہیں کی اور حق یہ ہے کہ یہ بہت بری بات اور گناہ کبیرہ ہے لیکن کافر نہیں ہوگا جب تک اس کام کو حلال نہ جانے۔ حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اصل مسئلہ میں مجھے ان سے کوئی دلیل نہیں ملی اور ہو سکتا ہے انہوں نے سختی اور تنبیہ کے طور پر کہا ہو اور سخت جھڑک مقصود ہوتا کہ کوئی شخص حضور علیہ السلام کے حوالے سے جھوٹی بات نہ کہے کیونکہ اس کی بے شمار خرابیاں ہیں۔

کیونکہ اس سے ایک راستہ کھل جاتا ہے جو قیامت تک جاری رہے گا جب کہ دوسروں کے خلاف جھوٹ باندھنا یا جھوٹی گواہی دینا زیادہ فساد کا باعث نہیں۔

پھر فرمایا یہ بات جو ان ائمہ نے ذکر کی ہے ضعیف اور قواعد شرعیہ کے خلاف ہے اور مختار قطعی بات یہ ہے کہ ایسے شخص کی توبہ صحیح ہے اور اس کے بعد جب شرائط معروفہ کے ساتھ اس کی توبہ صحیح ہو جائے تو اس کی روایت قبول ہوگی۔ فرمایا یہ بات قواعد شرعیہ کے مطابق جاری ہوتی ہے اور علماء کرام کا اجماع ہے کہ جب کوئی کافر اسلام قبول کر لے تو اس کی روایت صحیح ہوتی ہے اسی طرح اس کی شہادت کی قبولیت پر بھی اجماع ہے اور اس سلسلے میں شہادت و روایت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

ہمارے شیخ فرماتے ہیں ممکن ہے یوں کہا جائے کہ جب کوئی جھوٹی حدیث گھڑے اور وہ اس سے منقول ہو کر مدون ہو جائے تو یہ گناہ اس سے جدا نہیں ہوگا بلکہ اس پر ہمیشہ جاری رہے گا کیونکہ جس نے برا عمل جاری کیا اس پر اس (جاری کرنے) کا گناہ بھی ہوتا ہے اور قیامت تک جو بھی اس پر عمل کرے گا ان کا گناہ بھی اس پر ہوگا اور اس وقت توبہ مستعد رہے اگرچہ محض اس کا نام پایا جائے۔

گناہوں اور جنون سے عصمت

آپ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ تمام صغیرہ کبیرہ جان بوجھ کر یا بھول کر سب گناہوں سے معصوم تھے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی یہی معاملہ ہے۔

ایک بات یہ ہے کہ آپ پر جنون کا وارد ہونا جائز نہیں کیونکہ یہ ایک عیب ہے اسی طرح آپ طویل عرصہ تک بیہوشی سے بھی پاک تھے۔ یہ بات شیخ ابو حامد نے ”اپنی تعلیق میں“ ذکر کی اور بلقینی نے ”الروضہ کے“ حواشی میں اس پر اعتماد کیا اور باقی انبیاء کرام کا بھی یہی معاملہ ہے۔

اور امام سبکی رحمہ اللہ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ انبیاء کرام کی بیہوشی دوسروں کی بیہوشی سے مختلف تھی اور یہ حواس ظاہرہ پر غلبہ کرتی ہے دل پر نہیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان کی آنکھیں جوتی تھیں دل نہیں سوتے تھے۔ پس جب ان کے دل محفوظ ہو گئے اور وہ نیند سے بچائے گئے جو بیہوشی سے ہلکی ہے تو بیہوشی سے ان کا معصوم ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔

حضرت امام سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں انبیاء کرام کا ناپینا ہونا بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ ایک نقص ہے اور کوئی نبی کبھی ناپینا نہیں ہوا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا گیا کہ آپ ناپینا تھے تو یہ بات ثابت نہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر پردہ آگیا تھا جو زائل ہو گیا۔

امام رازی رحمہ اللہ نے ارشاد خداوندی ”وایضت عیناہ من الحزن فہو کظیم (یوسف: ۸۳) اور آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور آپ اندر ہی اندر غصہ کھا رہے تھے (غمگین تھے)۔“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب آپ نے کہا: یا اصفیٰ علیٰ یوسف۔ ہائے یوسف پر افسوس۔ تو آپ پر رونے کا غلبہ ہو گیا اور جب رونا زیادہ ہو جائے تو آنکھوں میں پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور اس پانی کی سفیدی کی وجہ سے آنکھیں سفید معلوم ہوتی ہیں۔

لہذا آنکھوں کی سفیدی سے رونے کا غلبہ مراد ہوگا اور اس قول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ زیادہ رونے کی صورت میں غم کی تاثیر ہوتی ہے اندھے پن میں نہیں پس جب سفیدی کو رونے کی زیادتی پر محمول کریں تو یہ اچھی تعلیل ہے اور اگر اندھے پن پر محمول کریں تو اچھی تعلیل نہیں لہذا جو کچھ ہم نے ذکر کیا وہ زیادہ بہتر ہے۔

پھر فرمایا اس سلسلے میں اختلاف ہے بعض حضرات نے کہا کہ آپ کی بیٹائی بالکل چلی گئی تھی پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی وقت بیٹائی عطا فرمادی اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ زیادہ رونے اور غم کی وجہ سے بیٹائی کمزور ہو گئی تھی کہ آپ کو کم نظر آتا تھا پس جب انہوں نے (حضرت یوسف علیہ السلام کی) قمیص آپ کے چہرے پر ڈالی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے زندہ ہونے کی خوشخبری دی تو آپ بہت خوش ہوئے اور سینہ کھل گیا اور غم دور ہو گیا پس اس وقت آپ کی بیٹائی میں قوت آگئی اور نقصان زائل ہو گیا۔

نبی اکرم ﷺ کی توہین کرنے والے کا حکم

آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جو شخص آپ کو گالی دے یا توہین کرے اسے قتل کیا جائے۔ لیکن اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ اسے اسی وقت قتل کیا جائے یا توبہ کا موقع دیا جائے اور کیا توبہ واجب ہے یا نہ؟ مالکی مذہب کے مطابق اسے بطور حد قتل کیا جائے بطور مرتد نہیں اور اگر وہ دعویٰ کرے کہ یہ حرکت اس سے بھول کر یا غلطی سے ہوئی ہے تو اس کی توبہ اور عذر قبول نہ کیا جائے ان کے شیخ علامہ خلیل کی عبارت ان کی مختصر (کتاب) میں یوں ہے۔

”جو شخص کسی نبی یا فرشتے کو گالی دے یا توہین کرے یا لعنت بھیجے یا عیب لگائے یا الزام لگائے یا ان کے حق کو معمولی سمجھے یا کسی صفت کو بدلے یا ان کی ذات یا دین یا خصلت میں کوئی نقص نکالے یا ان کے مرتبہ، علم، زہد و تقویٰ وغیرہ کو کم کرنے کی کوشش کرے یا وہ بات نبی کی طرف منسوب کرے جو ان کے شایان شان نہیں یا ان کے بارے میں بطور مذمت ایسی بات کہے جو ان کے منصب کے لائق نہیں یا اس سے کہا جائے رسول اکرم ﷺ کے حق سے تو وہ لعنت بھیجے اور کہے میں نے بھوکا ارادہ کیا تھا تو ایسے شخص کو بطور حد (مزا) قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے مگر یہ کہ کافر مسلمان ہو جائے۔“

۱۔ کافر جب حالت کفر میں اس قسم کے کلمات کہے اور پھر اسلام قبول کرے تو اس کو قتل نہ کیا جائے کیونکہ اسلام پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور مسلمان ہو کر جو توہین کرتا ہے وہ زمینق ہے اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور کافر پہلے کفر تھا اور اب اسلام معتبر ہے۔ (زرقاتی ج ۵ ص ۳۱۶)

توہین کرنے والے کے بارے میں اگرچہ یہ بات ظاہر ہو کہ اس نے جہالت یا نشہ یا کثرت کلام کی وجہ سے مذمت کا ارادہ نہیں کیا (کیونکہ توہین رسالت کی وجہ سے جو کفر لازم آتا ہے اس میں کوئی عذر قبول نہیں ہوتا۔

(زر قانی ج ۵ ص ۳۱۶) (مختصر علامہ غلیل ص ۲۸۳)

یہ بات قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء میں“ اور دوسروں نے بھی ذکر کی ہے اور انہوں نے کتاب اللہ صلیب رسول ﷺ اور جماع سے استدلال کیا ہے: (الشفاء ج ۲ ص ۲۱۳)

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

إِنِّي اللَّيْمُنُ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا
بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی اور ان کے لئے ذلت والا عذاب تیار کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ملعون کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور اسے سخت عذاب کا مستحق قرار دیا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں لعنت کا مستحق وہ شخص ہوتا ہے جو کافر ہو جائے اور کافر کا حکم یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

اور اذیت سے شر خفیف مراد ہے جب زیادہ ہو تو وہ ضرر کہلاتی ہے خطابي وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں اذیت کا اطلاق مجاز کے طریقے پر ہے کیونکہ اس کی ذات کے حوالے سے حقیقی معنی مصدر ہے اور اس سلسلے میں حدیث قدسی شاہد ہے۔

ارشاد خداوندی ہے (جسے حدیث کے طور پر بیان کیا گیا):

يَا عِبَادِيَ انْكُمْ لَنْ تَبْلُغُوا ضَرِي
اے میرے بندو! تم ہرگز مجھے نقصان پہنچانے تک
لَعَنُورُوسِي. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۵)

جب کہ رسول اکرم ﷺ کو اذیت پہنچتی ہے پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حق میں اذیت کفر ہے جس پر نبیآیت شاہد ہے کیونکہ ذلت والا عذاب کفار کے لئے ہی ہوتا ہے اسی طرح دردناک عذاب بھی۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ اِيَّااللّٰهَ وَاِيَّايَهٗ وَرَسُوْلِيْ كُنْتُمْ
تَسْتَهْزِءُوْنَ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَ اَقَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ
آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے رسول (ﷺ) سے مذاق کرتے ہو بہانے نہ بناؤ
اِيْمَانِكُمْ. تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ہو۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل تفسیر نے فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اپنے قول کی وجہ سے کافر ہو گئے۔

جہاں تک سنت سے استدلال کا تعلق ہے تو امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من لنا باہن الاشرف اور دوسری حدیث میں ”من لکعب بن الاشرف“ کون ہماری طرف سے کعب بن اشرف کو قتل کرے گا؟

فقد استعلن لعداوتنا و هجائنا۔ اس نے ہماری دشمنی اور مذمت کو ظاہر کیا۔
اور ایک روایت میں ہے:

فانه يوذى الله و رسوله۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۱۰-۳۰۳۱-۳۰۳۲-۳۰۳۷-۳۵۶۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۹ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۶۸-۱ سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۰-ج ۹ ص ۸۱ دلائل النبوة ج ۳ ص ۱۹۵-۱۹۹ المسند رک ج ۳ ص ۳۳۳ مشکل لا خارج ص ۶۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۸۶۸)

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کا قتل اس کی غفلت میں اعلان کے بغیر جائز قرار دیا جب کہ دوسرے مشرکین کا یہ حکم نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے آپ کو اذیت پہنچائی پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس کا قتل شرک کی وجہ سے نہیں بلکہ حضور علیہ السلام کو اذیت پہنچانے کی وجہ سے تھا۔

حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب فتح مکہ کا دن ہوا تو رسول اکرم ﷺ نے چار آدمیوں کے علاوہ سب کو امان دے دی حضرت مصعب نے ان کا ذکر کیا اور پھر فرمایا ابن ابی سرح، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس چھپ گیا جب نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے لے کر آئے اور حضور علیہ السلام کے پاس کھڑا کر دیا اور پھر عرض کیا اے اللہ کے نبی! عبد اللہ بن سرح کی بیعت لیں آپ نے سر انور اٹھایا اور اس کو تین بار دیکھا اور ہر بار انکار کیا پھر تین بار کے بعد بیعت لے لی پھر صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم میں کوئی سمجھدار آدمی نہ تھا جو اس کی طرف اٹھتا جب میں نے بیعت کرنے سے ہاتھ روکا تھا اور وہ اسے قتل کر دیتا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں آپ کا ارادہ معلوم نہ ہو سکا آپ نے اشارہ کیوں نہ فرمایا؟ آپ نے فرمایا کسی نبی کے لئے جائز نہیں کہ وہ آنکھ کا اشارہ کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۶۸۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۴۹۱ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۶۸)
اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عبد اللہ بن خطل کو قتل کرنے کا حکم دیا کیونکہ ابن خطل آپ کے خلاف اشعار کہتا تھا اور اپنی گانے والی دونوں بیویوں کو حکم دیتا کہ وہ ان اشعار کو پڑھیں اسی طرح آپ نے اس کی لونڈیوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جنہوں نے آپ کو اذیت پہنچائی اور جنہوں نے آپ کی گستاخی کی۔ نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا حق بھی تھا اور آپ کو اختیار بھی دیا گیا تھا آپ نے قتل کرنا پسند کیا کیونکہ ہمیں ان لوگوں کی معافی کی اطلاع نہیں ہے اور امت کے لئے جائز نہیں کہ آپ کے بعد آپ کے اس حق کو

۱۔ ان میں سے ایک کو قتل کر دیا گیا اور دوسری مسلمان ہو گئی تھی۔ (ذرقانی ج ۵ ص ۳۱۸)

جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا۔ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص آپ کی توہین کرتا یا برا بھلا کہتا ہے اسے قتل کر دیا جائے، ابن منذر نے کہا عام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو گالی دینے والے شخص کو قتل کر دیا جائے یہ بات امام مالک بن انس، حضرت لیث، حضرت امام احمد اور حضرت اسحاق رحمہم اللہ نے فرمائی، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

حضرت خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں کسی ایسے مسلمان کو نہیں جانتا جس نے ایسے شخص کے قتل میں اختلاف کیا ہو جبکہ وہ (گستاخی سے پہلے) مسلمان ہو۔

حضرت محمد بن سحون رحمہ اللہ فرماتے ہیں علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو گالی گلوچ کرنے والا گستاخی کرنے والا کافر ہے اور اسے عذاب کی وعید بھی ہے اور امت کے نزدیک اس کو قتل کرنے کا حکم ہے اور جو آدمی اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔

جہوہ ائمہ کے نزدیک اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں اور مرتد سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر توبہ لے لے تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیا جائے۔

اس سے توبہ کا مطالبہ کرنے کے بارے میں دو قول ہیں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ واجب ہے کیونکہ اسلام کی وجہ سے وہ قابل احترام تھا اور اسے شبہ ہو گیا جس کا ازالہ ضروری ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ اس کے خون کی ضمان نہیں۔
اگر ہم پہلے والے قول کو تسلیم کریں تو اس سے فوری طور تو بہکا مطالبہ کیا جائے دوسروں کی طرح مہلت نہ دی جائے۔
صحیح حدیث میں ہے:

جو شخص انعام دین بدل لے اسے قتل کر دو۔

من بدل دينه فاقتلوه.

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۲۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۵۸، سنن نسائی ج ۷ ص ۱۰۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۳۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۵۱، مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۷-۲۱۸، ج ۵ ص ۲۳۱، السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۹۵، المستدرک ج ۳ ص ۵۳۸، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۳۰، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۱۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۳۹، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۹۴۱۳، نصب الراية ج ۳ ص ۲۰۷، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۶۱، تمهید ج ۵ ص ۳۰۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۸۷-۳۹۱)

اور ایک قول کے مطابق اسے تین دن مہلت دی جائے اگر توبہ نہ کرے اور اپنے موقف پر ڈٹ جائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ وہ مرد ہو یا عورت اور اگر اسلام قبول کرے تو اس کا اسلام صحیح ہوگا اور اس کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو مسلمان اللہ تعالیٰ کو یا کسی نبی کو گالی دے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو جھٹلایا اور یہ مرتد ہوتا ہے اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر توبہ کرے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے اور جس نے

بھی عہد کیا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ یا کسی نبی علیہ السلام کو گالی دیتا ہے اس کا عہد ٹوٹ گیا اسے قتل کر دو۔

مالکیہ کے دلائل کا جواب

ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ

کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

پس اس آیت میں صرف یہ بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو ایذا پہنچانے والا کافر ہے اسے توبہ اور اسلام کے بعد قتل کرنے کے بارے میں اس آیت میں کوئی دلالت نہیں۔

ابن نخل کو قتل کیا گیا اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا گیا کیونکہ وہ کافر تھا اور بہت زیادہ اذیت پہنچاتا تھا نیز اس میں قتل کے کئی اسباب پائے جاتے تھے اور اذیت پہنچانا اس کی عادت بن چکی تھی پس کسی دوسرے کو اس پر قیاس نہ کیا جائے جو گستاخی کرے اور ہم اسے کافر قرار دیں پھر وہ توبہ کر کے اسلام کی طرف رجوع کر لے پس فرق واضح ہے۔ اسی طرح اس کی دونوں لونڈیوں کو بھی قتل کیا گیا کیونکہ گستاخی کر کے اذیت پہنچانا ان کا وطیرہ بن گیا تھا اور وہ کافر بھی تھیں۔

حضرت امام بزار رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ عقبہ بن ابی معیط نے آواز دی اے قریش کی جماعت! کیا وجہ ہے کہ مجھے تمہارے درمیان باندھ کر قتل کیا جا رہا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تمہارے کفر اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر افتراء باندھنے کی وجہ سے (قتل کیا جا رہا ہے) پس آپ نے اس کے قتل میں دو سبب ذکر فرمائے اور یہ انتہائی واضح بات ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۸۹ الشفا ج ۳ ص ۳۸۹)

خطابی وغیرہ کا یہ قول کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے گستاخ رسول کے قتل میں اختلاف کیا ہو جبکہ پہلے وہ مسلمان ہو تو یہ توبہ نہ کرنے کے ساتھ مقید ہے۔

اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس شخص کا واقعہ بیان کیا جس نے نبی اکرم ﷺ کو جھٹلایا اور آپ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ اسے قتل کر دیں۔

تو اس مقام پر یہ واقعہ غرض کا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ جھوٹ ہے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ پھیلانا ہے خصوصاً جب کہ وہ کافر ہو لہذا وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ لڑنے والوں میں سے ہوا اور زمین میں فساد کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے پس اسے قتل کرنا ضروری ہے ورنہ محض اس کا جھوٹ قتل کا باعث نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ عظمہ عورت (عصماء بنت ہریرہ) نے نبی اکرم ﷺ کے خلاف اشعار کہے تو آپ نے فرمایا میرے لئے کون اس کو قتل کرے گا اس کی قوم میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں اسے قتل کروں گا پس وہ اٹھا اور اسے قتل کر دیا نبی اکرم ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا:

اس میں دو بکریاں ایک دوسری کو سینک نہیں مارتیں۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۹۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۳۹۱)

یعنی اس میں وعدہ خلافی اور جھگڑا جاری نہیں ہوتا تو اس قسم کے واقعات واضح ہیں کہ وہ لوگ کافر تھے بہت زیادہ تو جن کرتے تھے اور نبی اکرم ﷺ نے خبر دی کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کے بعد صرف اسلام ہی کسی شخص کو محفوظ رکھ سکتا تو

ان میں سے ہر ایک کا خون مباح تھا مگر ان میں سے جس کو اللہ تعالیٰ اسلام کے ذریعے بچا لے۔
 (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳؛ دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۰۶؛ سنن سعید بن منصور رقم الحدیث: ۲۳۷۴؛ خصائص علی للنسائی رقم الحدیث: ۱۳۰؛ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۸۷؛ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۸؛ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۵-۳۰۱۳۰)
 استدلال کے مقام پر وہی بات نفع بخش ہے جو اس مسلمان کے بارے میں ہو جو توہین رسول کی وجہ سے مرتد ہو گیا
 پس توبہ کر کے اسلام کی طرف لوٹ آیا ہو پس نزاع اسی بات میں اور اسی طرح کے حوالے سے استدلال ہونا چاہیے۔
 اور کافر اصلی جس تک نبی اکرم ﷺ کی دعوت پہنچی اور اس نے اسے قبول نہ کیا بلکہ اپنے ہاتھ اور زبان کے ساتھ
 آپ کے مقابلے میں لڑائی کی تو اس میں شک نہیں کہ اس کا خون بہانا مباح ہے خصوصاً وہ کافرہ عورت جو اسلام پر عیب
 لگاتی تھی اور نبی اکرم ﷺ کو اذیت پہنچاتی بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتی تھی تو اس میں قتل کے کئی اسباب جمع
 ہوئے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جن گستاخوں کو قتل کرنے
 کا حکم دیا تھا وہ کفار کے بارے میں منقول ہے اور یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے کسی مسلمان کو گستاخی کی وجہ سے قتل کیا ہو
 وہ کفر اور عناد رکھنے والے لوگ تھے اور اگر یہ بات منقول بھی ہو تو اس سزا کا بطور حد ہونا متعین نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے اسے کفر
 کی وجہ سے قتل کیا ہو۔ اور ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا
 دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸)
 اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ
 شریک ٹھہرایا جائے (کفر کیا جائے) اور بخش دیتا ہے اس
 کے علاوہ جو جس کے لئے چاہے۔

تو ہمیں بتایا کہ شرک کے علاوہ کے لئے بخشش کا امکان ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذَّنُوبَ جَمِيعًا (الزمر: ۵۳)
 بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔
 اگر کہا جائے کہ یہ بات انسان کے اپنے نفس پر ظلم کرنے اور حقوق اللہ سے متعلق ہے، حقوق العباد کے حوالے سے
 نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں چشم پوشی ہوتی ہے لیکن بندوں کے حقوق میں یہ گنجائش نہیں ہے اور یہ بات نبی اکرم
 ﷺ کے حق سے متعلق ہے اور ہمیں اس سزا کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ اس سلسلے میں ہمیں اجازت نہیں جبکہ نبی
 اکرم ﷺ خود ایسا کر سکتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر کوئی نص ہونی چاہیے مثلاً آپ نے فرمایا ہو کہ جس نے مجھے گالی دی اس کو قتل کر دو اور
 اس کی توبہ قبول نہ کرو اور نہ ہی اس گستاخی سے اس کا رجوع قبول کرو اگر ایسی بات منقول ہے تو ہم اس کی اتباع کریں گے
 نوٹ: شرک کی معافی نہ ہونے کا تعلق مرنے کے بعد سے ہے کہ کوئی شخص شرک پر مارجائے تو اس کی معافی نہیں اگر مرنے سے پہلے توبہ کر
 لے تو معافی ہو جائے گی اور اس پر ہر قسم کا کفر شاہد ہے۔ ۱۲ ہزار دی

پھر مناسب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے حقوق کو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ملایا جائے پس جس طرح اللہ تعالیٰ کے حقوق کی

بنیاد چشم پوشی پر ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے حقوق کا معاملہ بھی ہے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہیں۔
رسول اکرم ﷺ کا دفاع واجب ہے

آپ کے خصائص میں اس بات کو بھی شمار کیا گیا کہ جب کوئی شخص آپ پر ظلم کا ارادہ کرے تو جو لوگ وہاں موجود ہوں وہ آپ پر اپنی جان فحاش کر دیں یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے ”زیادۃ الروضہ میں“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے نقل کی ہے۔

اختیارات مصطفیٰ ﷺ

آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آپ جس کے لئے چاہتے جو حکم چاہتے اس کے ساتھ خاص کر دیتے۔
 جس طرح حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔ امام ابو داؤد نے حضرت عمارہ بن خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی اکرم ﷺ کے صحابی تھے۔

(الاعلام ج ۲ ص ۳۰۵ الاصابہ ج ۲ ص ۱۱۱)

وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا آپ نے اسے اپنے پیچھے بلایا تاکہ وہ آپ سے گھوڑے کی قیمت وصول کرے نبی اکرم ﷺ تیز تیز چل رہے تھے اور اعرابی کو دیر ہو گئی کچھ لوگوں نے اسے روک کر گھوڑے کی قیمت لگانا شروع کر دی اور ان کو معلوم نہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ گھوڑا خریدا ہے حتیٰ کہ انہوں نے اس کو زیادہ قیمت بتائی۔ دیہاتی کہنے لگا آپ کوئی گواہ لائیں جو اس بات کی گواہی دے کہ یہ گھوڑا میں نے آپ پر بیچا ہے مسلمانوں میں سے جو بھی آتا اسے کہتا تمہارے لئے ہلاکت نبی اکرم ﷺ حق بات کے سوا کچھ نہیں فرماتے حتیٰ کہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے اعرابی کے رجوع کے بارے میں سنا تو فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا نبی کریم ﷺ پر فروخت کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو

۱۔ یعنی وہ صفات جو نبی اکرم ﷺ کے لائق ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ”کتان حلقہ القرآن“ (نبی اکرم ﷺ کا خلق قرآن ہے)۔ لیکن وہ دلائل شریعہ جو اس عقلی دلیل کے خلاف ہیں نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اس (معانی) کو منع کرتے ہیں (مطلب یہ کہ حضور علیہ السلام کے حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے آپ کے گستاخ کو معاف نہیں کیا جاسکتا) سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک شخص نے آپ سے بدسلوکی کی تھی تو آپ نے اس کو واپس کر دیا میں نے عرض کیا اے خلیفہ رسول! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں کیونکہ اس نے آپ کو اذیت پہنچائی ہے آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ یہ بات صرف رسول اکرم ﷺ کے لئے ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے جو عامل کوفہ پر مقرر تھے انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی گستاخی کرنے والے شخص کو قتل کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کی طرف لکھا کسی شخص کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کو قتل کرنا جائز نہیں البتہ جو شخص حضور علیہ السلام کو گالی دے اس کا خون حلال ہو جاتا ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا انبیاء کرام پر الزام تراشی کرنے والے کی سزا حدود کی طرح نہیں (بلکہ قتل ہے)۔ (زرقاتی ج ۵ ص ۲۲۲)

آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے وہ آیت حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس پائی۔ ۱۔ جن کی گواہی کو رسول اکرم ﷺ نے دو گواہوں کے برابر قرار دیا تھا۔

حضرت حارث بن ابی اسامہ اپنی مسند میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دیہاتی سے گھوڑا خریدا تو اس نے (بعد میں) انکار کر دیا۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو فرمایا: اے اعرابی! میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا نبی اکرم ﷺ پر بیچا ہے دیہاتی نے کہا جب حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دے دی ہے تو آپ قیمت دے دیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے خزیمہ! ہم نے تمہیں گواہ نہیں بنایا تھا آپ کیسے گواہی دے رہے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا میں نے آسمان کی خبر پر آپ کی تصدیق کی ہے تو اس اعرابی کی خبر پر کیسے تصدیق نہ کروں؟ چنانچہ رسول اکرم ﷺ فرمانے لگے ان کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے برابر ہے پس اسلام میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے برابر ہو۔

حضرت خطابی فرماتے ہیں کئی لوگوں نے اسے اپنے محل پر محمول نہیں کیا اور بعض اہل بدعت ہر اس آدمی کی شہادت کو جائز سمجھتے ہیں جو ان کے نزدیک سچائی کے ساتھ معروف ہو کہ وہ ہر دعویٰ پر گواہی دے سکتا ہے حالانکہ حدیث کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اعرابی کے خلاف فیصلہ اپنے علم کی بنیاد پر دیا اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو تاکید کے طور پر اور دشمن پر غلبہ کے طور پر رکھا پس اس کے علاوہ دوسرے مقدموں میں دو گواہوں کی گواہی سے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو نوحہ کی اجازت دی۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے ان سے

روایت کیا وہ فرماتی ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا عَلِيّ اَنْ لَا يُشْرِكَ بِاللهِ شَيْئًا (الممتحنہ: ۱۲)

وہ آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔

وَلَا يَغْوِيَنَّكَ فِيْهِ مَعْرُوفٌ اور نیکی کے کاموں میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں

گی۔

وہ فرماتی ہیں ان کاموں میں نوحہ (پہینا) بھی تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں گھروالوں نے دور جاہلیت میں میری مدد کی تھی۔ اب میرے لئے ضروری ہے کہ میں ان کی مدد کروں تو آپ نے ان کے لئے نوحہ کی اجازت دے دی۔

(اللسان ج ۶ ص ۲۶۲)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اس بات پر محمول ہے کہ آپ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو خاص اس گھرانے والوں کے لئے نوحہ کی اجازت دی اور صاحب شریعت کے لئے جائز ہے کہ عمومی حکم میں سے کسی کو خاص کر دے۔

۱۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے ”رَجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهُ عَلَيْهِ“۔ علماء کرام فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت لکھی ہوئی نہیں تھی

لیکن یہ حضرت خزیمہ اور دوسرے حضرات کے پاس محفوظ تھی کیونکہ قرآن مجید کا ثبوت تواتر کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی بیان کرنے والوں کی

طرح۔ اتنی زیادہ ہو کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو)۔ (ذرقانی ج ۵ ص ۳۳۳)

ان امور میں سے ایک یہ ہے آپ نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو سوگ چھوڑنے کی اجازت دی۔ ابن سعد نے حضرت اسماء بنت عمیس سے نقل کیا کہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا تین دن زینت چھوڑ دو پھر جو چاہے کرو (حالانکہ بیوہ کے لئے چار ماہ دس دن کا حکم ہے)۔

(اللسان ج ۶ ص ۳۱۸، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۷۱، سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۲۸، تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۸۱)

اسی طرح آپ نے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کے لئے بھینٹ کے ایسے بچے کی قربانی جائز قرار دی جس کی عمر ایک سال سے کم تھی۔ (اللسان ج ۹ ص ۴۳۲) امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے دن ہمیں خطبہ دیا تو فرمایا:

من صلی صلاتنا و نسک نسکنا فقد
اصاب السنة ومن نسک قبل الصلاة فتلک
طریقہ پر قربانی کی اس نے سنت کو پالیا اور جس نے نماز
(نماز عید) سے پہلے قربانی کی تو یہ محض گوشت والی بکری ہے۔
شاة لحم۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے نماز کیلئے آنے سے پہلے قربانی کر دی ہے اور میرا خیال تھا کہ آج کھانے اور پینے کا دن ہے پس میں نے جلدی کی اور خود بھی کھایا اور گھر والوں نیز بڑوسیوں کو بھی کھلایا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تو ایک گوشت والی بکری ہوئی انہوں نے عرض کیا میرے پاس بکری کا ایک بچہ ہے جو ایک سال سے کم عمر کا ہے لیکن وہ اس گوشت والی بکری سے بہتر ہے کیا میرے لئے وہ کفایت کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور تمہارے بعد کسی کے لئے ہرگز کفایت نہیں کرے گا۔ نیا میں نوں کے نیچے زیر ہے اور یاء غیر مشدد ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۰، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۷۱، مسند ابی یوسف رقم الحدیث: ۹۵۵)

اس حدیث میں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کی تخصیص ہے کہ بکری کا سال سے کم عمر کا بچہ ان کے لئے بطور قربانی جائز ہے لیکن متعدد احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابو بردہ کے علاوہ کے لئے بھی جائز ہے امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا ”تمہارے بعد کسی اور کے لئے اجازت نہیں ہے“۔ امام بیہقی فرماتے ہیں اگر یہ الفاظ محفوظ ہیں تو یہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے لئے رخصت ہوگی جس طرح حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو اجازت عطا فرمائی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان دونوں کو جمع کرنا محل نظر ہے کیونکہ دونوں صیغہ عموم کے ساتھ ہیں ان میں سے جس کے لئے پہلے حکم ہوگا دوسرے کے لئے نفی کا تقاضا کرے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے کی خصوصیت دوسرے کے لئے خصوصیت کے ثبوت سے منسوخ ہوگئی ہو اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کیونکہ سیاق حدیث میں غیر کے لئے منع کے استمرار کی تصریح نہیں ہے۔ بعض کے کلام میں یوں ہے کہ جن لوگوں کے لئے اجازت ثابت ہے وہ چار یا پانچ ہیں اور جمع کرنے میں کوئی مشکل نہیں۔

لیکن اس سلسلے میں جو احادیث آئی ہیں ان میں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے واقع میں نفی کی تصریح ہے اور امام بیہقی کے نزدیک حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے واقع میں نفی کی تصریح کی گئی ہے۔

اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے تو ابوداؤد نے حدیث نقل کی جسے ابن حبان نے صحیح قرار دیا۔
حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مجھے بکری کا پانچ ماہ کا بچہ دیا اور فرمایا اس کی قربانی کرو میں نے عرض کیا یہ تو ایک سال سے کم عمر کا ہے کیا میں اس کی قربانی کروں؟ آپ نے فرمایا تم اس کی قربانی کرو۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۷۹۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۱۸، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۳۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳۲، السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۲۷۰، المعجم الکبیر ج ۵ ص ۲۷۸، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۳۵۶)
طبرانی نے ”اوسط میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بکری کا چھ ماہ سے کم عمر کا بچہ دیا اور ان کو قربانی کرنے کا حکم دیا۔
امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔
تو اس میں اور حضرت ابو بردہ اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ ابتدا کی بات ہو پھر یہ بات پکی ہو گئی کہ بکری کا سال سے کم عمر کا بچہ قربانی کے لئے جائز نہیں اور اس میں حضرت ابو بردہ اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہما کو اجازت دے دی۔

اور اگر حضرت ابو بردہ اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کو جمع کرنا مشکل ہے تو حضرت ابو بردہ کی حدیث مخرج کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے (صحیح بخاری و مسلم کی حدیث ہے)۔ اگرچہ امام بیہقی کے نزدیک حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مخرج بھی صحیح ہے۔

اختیارات مصطفیٰ ﷺ کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ نے ایک شخص کا نکاح قرآن مجید کے علم کو مہر قرار دیتے ہوئے کر دیا ایک جماعت نے یہ حدیث نقل کی ہے اور اس سلسلے میں سعید بن منصور نے مرسل حدیث حضرت نعمان ازدی سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک عورت کا نکاح قرآن مجید کی ایک سورت پر کر دیا اور فرمایا تمہارے بعد کسی اور کے لئے یہ مہر نہیں ہوگا۔ ۱۔

رسول اکرم ﷺ کی بیماری وصال اور قبر شریف سے متعلق خصائص

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کو بخاری حرارت دواؤں کی حرارت کے برابر ہوتی تھی کیونکہ آپ کے لئے دو گنا اجر تھا۔

یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی بیماری کے دوران تین مرتبہ بھیجے گئے تاکہ آپ کا حال پوچھیں۔

آپ کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کی نماز جنازہ امام کے بغیر صحابہ کرام نے گروہوں کی صورت میں عام معروف طریقہ کے بغیر پڑھی۔ امام بیہقی ابن سعد اور ان کے علاوہ حضرات نے یہ بات ذکر کی ہے اور تین دن دفن کے بغیر آپ کو چھوڑا گیا جیسا کہ آگے آگے اور آپ کے لئے قبر شریف میں ایک کبیل بچھایا گیا جب کہ ہمارے حق میں یہ دونوں کام ۱۔ احناف کے نزدیک مہر کی رقم کم از کم دس درہم ضروری ہے اور اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا وہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے۔ ۲۔ ہزاروی

مکروہ ہیں نیز آپ کے وصال کے بعد زمین میں اندھیرا چھا گیا۔
 آپ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کا جسم اقدس پرانا نہیں ہوگا دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی یہی معاملہ ہے یہ حدیث امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔
 آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کی وراثت نہیں تھی کہا گیا ہے کہ جو کچھ تھا وہ آپ کی ملک میں باقی رہا اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ صدقہ قرار دیا۔ الرویانی نے اسے یقینی قرار دیا پھر دوسری باتیں بیان کی گئیں کہ کیا وہ آپ کے وارثوں کے لئے وقف ہو گیا؟ اور اگر وقف ہوا تو وقف کرنے والے آپ خود تھے؟ اس سلسلے میں دو باتیں ہیں۔
 امام نووی رحمہ اللہ نے ”زیادات الروضة میں“ فرمایا: درست بات یہ ہے کہ آپ کی ملک زائل ہو گئی اور آپ نے جو کچھ چھوڑا وہ مسلمانوں پر صدقہ ہے وراثہ کے لئے مختص نہیں۔
 ”شرح صغیر میں“ فرمایا ”مشہور یہ ہے کہ صدقہ ہے۔“

امام رافعی رحمہ اللہ نے مال کی تقسیم کے سلسلے میں ذکر کیا کہ اس کا پانچواں حصہ (خمس) نبی اکرم ﷺ کے لئے تھا آپ اسے اپنی ضروریات پر خرچ کرتے تھے اور نہ آپ نے اس کو اپنی ملک بنایا اور نہ آپ کے وارثوں کی طرف منتقل ہوا۔ اور خصائص کے باب میں فرمایا کہ آپ اس کے مالک تھے۔ تو ان دونوں باتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ خرچ کرنے کی جہت میں دو صورتیں تھیں مملوکہ اور غیر مملوکہ اور اختلاف صرف ایک بات میں ہے۔
 اس بنیاد پر آپ کے لئے جائز تھا کہ تمام مال فقراء کو دینے کی وصیت فرماتے اور یہ وصیت آپ کے وصال کے بعد جاری ہوئی جب کہ دوسرے لوگ اس طرح نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی وصیت صرف تہائی حصہ مال میں جاری ہوتی ہے۔ اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت بھی جاری نہیں ہوتی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام نسائی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
 انا معاشر الانبیاء لا نورث۔ ہم انبیاء کرام کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۵-۲۸-۱۶۲-۱۷۱-۱۹۱-۱۹۲-۲۱۳ طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۳۹-۲۴۰ تہذیب ج ۸ ص ۱۷۵)

اور ارشاد خداوندی ہے:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا تَوَيْتُ
 (یا اللہ) میرے لئے اپنی طرف سے کوئی وارث بنا
 (مریم: ۶) دے جو میرا وارث بنے۔

تو یہاں نبوت اور علم کی وراثت مراد ہے۔

حیات النبی ﷺ

آپ کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ آپ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں۔ اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔
 آپ کے اکرام و احترام میں فرشتے اذان و اقامت کہتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”الانبیاء احياء فی قبورهم یتصلون انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں“ اور سنن نسائی میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں شب اسراء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرا جو سرخ نیلے کے پاس ہے تو وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ (ذرقانی ج ۵ ص ۳۲۲)

دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے اسی لئے کہا گیا کہ آپ کی ازواج مطہرات پر عدت لازم نہ تھی۔
ابن زبالہ (محمد بن حسن بن زبالہ مخزومی) اور ابن نجار نے کہا کہ واقعہ حرہ (جب یزیدی لشکر نے مدینہ طیبہ پر ہلہ بولا) کے موقعہ پر تین دن تک (مسجد نبوی میں) اذان نہ ہوئی اور لوگ باہر چلے گئے، حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ مسجد میں تھے وہ فرماتے ہیں مجھے تنہائی سے وحشت ہوئی تو میں قبر انور کے قریب ہو گیا جب ظہر کا وقت ہوا تو میں نے قبر انور سے اذان سنی اور ظہر کی نماز پڑھی پھر یہ اذان اور تکبیر ہر نماز کے وقت قبر انور سے آتی تھی کہ تین راتیں گزر گئیں اور لوگ واپس آ گئے، موزن بھی واپس لوٹے تو میں نے ان کی اذان اسی طرح سنی جس طرح نبی اکرم ﷺ کی قبر انور سے سنی تھی۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام حج کرتے اور تلبیہ (لبیک اللہم لبیک آ خر تک) کہتے ہیں۔
سوال: انبیاء کرام کس طرح نماز پڑھتے، حج کرتے اور تلبیہ کہتے ہیں جب کہ وہ انتقال کر کے دوسرے گھر منتقل ہو گئے اور وہ عمل کا گھر نہیں ہے؟

جواب: وہ شہداء کی طرح ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں اور شہداء زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے پس ان کا حج کرنا اور نماز پڑھنا کوئی بعید بات نہیں یا ہم کہتے ہیں کہ ان کے اعمال کے بڑھ جانے اور اجر کے اضافے کے حوالے سے برزخ پر دنیا کا حکم لگایا جاتا ہے اور آخرت میں اعمال کی تکلیف منقطع ہوتی ہے اور تکلیف کے بغیر محض لذت حاصل کرنے کے لئے اعمال پائے جاتے ہیں اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ وہ تسبیح پڑھتے اور قرآن مجید کی قرأت کرتے ہیں اور اسی سے نبی اکرم ﷺ کا شفاعت کے وقت سجدہ کرنا بھی ہے۔

”التلخیص کے“ مصنف (ابن القاص) نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کا مال آپ کے فقہ اور ملک میں قائم ہے اور انہوں نے اسے آپ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔

امام الحرمین نے ان سے نقل کیا کہ جو کچھ آپ نے چھوڑا وہ اسی حالت میں رہا جس پر آپ کی حیات طیبہ میں تھا پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی سے آپ کے گھر والوں اور خدام پر خرچ کرتے تھے۔

اور وہ سمجھتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کی ملک ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اور یہ بات احکام دنیا میں ان کی حیات کا تقاضا کرتی ہے اور ان کی حیات شہداء کی حیات سے بڑھ کر ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ملک زائل ہو گئی اور آپ کا ترکہ تمام مسلمانوں پر صدقہ ہے آپ کے ورثاء کے ساتھ خاص نہیں۔

سوال: قرآن مجید تو آپ کی موت کی گواہی دیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ○

بے شک آپ فوت ہونے والے ہیں اور وہ بھی فوت ہونے والے ہیں۔

اور آپ نے خود فرمایا:

بے شک میں ایسا شخص ہوں جس کی روح قبض ہو

انسی امرؤ مقبوض۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۱۲۶ مسند المجرور رقم الحدیث: ۷۶) کی۔

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فان محمد اقل مات۔

بے شک حضرت محمد ﷺ فوت ہو گئے۔

اور اس کے اطلاق پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

جواب: شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ موت جاری رہنے والی نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ کو موت کے بعد زندہ کر دیا گیا۔

ورنہ دوسری زندگی اخروی زندگی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شہداء کی زندگی سے یہ اعلیٰ اور اکمل ہے اور یہ روح کے لئے ثابت ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں اور یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم پرانے نہیں ہوتے اور روح کا جسم کی طرف لوٹنا صحیح حدیث ہیں۔

تمام فوت شدہ لوگوں کے لئے ثابت ہے چہ جائیکہ شہداء کے لئے اور پھر انبیاء کرام کے لئے ثابت نہ ہو دیکھنا تو یہ ہے کہ وہ بدن میں برقرار رہتی ہے یا نہیں اور کیا بدن اس کے ساتھ دنیوی زندگی کی طرح زندہ ہوتا ہے یا اس کے بغیر زندہ ہوتا ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ چاہے ہوتی ہے تو روح کا زندگی کے لئے لازم ہونا ایک امر عادی ہے عقلی نہیں پس عقل نے روح کے بغیر زندگی کو جائز قرار دیا پس اگر اس کے بارے میں صحیح قول سنا جائے تو اس کی اتباع کرنی چاہیے علماء کی ایک جماعت نے یہ بات ذکر کی ہے۔

اور اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا دلالت کرتا ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کا تقاضا کرتی ہے اسی طرح وہ صفات جو معراج کی رات انبیاء کرام علیہ السلام کے سلسلے میں مذکور ہیں یہ تمام صفات جسموں کا تقاضا کرتی ہیں۔ اور اس زندگی کے حقیقی زندگی ہونے سے لازم نہیں آتا کہ دنیا کی طرح اب بھی ان کے جسم ساتھ ہوں اور کھانے پینے کی حاجت ہو جو جسم کی صفات میں سے ہیں اور ہم ان کا مشاہدہ کرتے ہیں بلکہ اس کے لئے دوسرا حکم ہے اور عقل ان حضرات کے لئے حقیقی زندگی کے ثبوت سے نہیں روکتی۔

اور اور اک جیسے جاننا اور سننا وغیرہ کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان لوگوں بلکہ تمام فوت شدہ کے لئے ثابت ہیں۔ شیخ زین الدین المرغنی نے اسی طرح ذکر کیا اور فرمایا کہ اس کا وجود بہت اہم ہے اور رغبت رکھنے والے اسی کی طرف راغب ہیں۔

امت کا سلام آپ تک پہنچتا ہے

آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کی قبر انور پر ایک فرشہ مقرر ہے جو آپ کو درود شریف پڑھنے والوں کا درود شریف پہنچاتا ہے یہ بات امام احمد نسائی اور حاکم رحمہم اللہ نے روایت کی اور امام حاکم نے ان الفاظ کے ساتھ اسے صحیح قرار دیا:

ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني
عن امتي السلام۔
ہیں وہ میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۲۳ مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۱ سنن دارمی ج ۲ ص ۳۱۷ المسند رک ج ۲ ص ۳۲۱ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۷۱ مجمع

چوتھے مقدمہ کے مشمولات

الزوائد ج ۹ ص ۳۳ شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۱۱۶ التزیب والتریب ج ۲ ص ۳۹۸ الخفی ج ۲ ص ۱۷۲ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۳۳-۲۲۶۷ احوال السادة المتکین ج ۳ ص ۳۱۹-۳۵۷ الشفاء ج ۲ ص ۱۸۳ الملای والمصنوع ج ۳ ص ۱۳۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۴۷۷ اصحابی نے حضرت عمارہ سے اس طرح نقل کیا:

ان لله ملكا اعطاه الله سميع العباد كلهم
لما من احد يصلي على الا ابلغنيها
الله تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام
بندوں کی قوت سماعت عطا کی ہے پس جو شخص بھی مجھ پر
درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچاتا ہے۔

(الملای والمصنوع ج ۱ ص ۱۳۷ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۹۳۸ میزان الاحتمال ص ۸۲۹ المیزان ج ۲ ص ۳۹۹)
امت کے اعمال نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں اور آپ ان کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں
ابن مبارک رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کوئی دن ایسا نہیں جب نبی اکرم
ﷺ پر اپنی امت کے اعمال صبح و شام پیش نہ کئے جاتے ہوں پس آپ ان کو ان کی پیشانیوں اور اعمال سے پہچانتے ہیں۔

منبر نبوی حوض پر

آپ کے خصال میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کا منبر شریف آپ کے حوض پر ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا
ہے۔
اور ایک روایت میں ہے:

و منبری علی سرعة من سرعت الجنة. میرا منبر جنت کے باغات میں ہے ایک باغ پر

ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۰۲-۵۰۰ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۹۵-۱۸۸۸-۶۵۸۸ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۱۵ سنن نسائی
ج ۲ ص ۵۲ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۶ السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۳۷ مصنف مہد الرزاق رقم الحدیث: ۵۲۳۳ مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۲۹۰ مجمع
الزوائد ج ۳ ص ۸ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۹۵ تمہید ج ۲ ص ۲۸۵ مشکل الآثار ج ۳ ص ۶۹ غل الحدیث: ۸۸۵-۲۶۹۳ کنز العمال رقم
الحدیث: ۳۳۸۳۵-۳۳۹۳۳)

”الترعة“ وہ باغ ہے جو اونچی جگہ پر ہو جب میدان میں ہو تو اس کو ”روضہ“ کہتے ہیں اور علماء کا اس بات میں
اختلاف نہیں ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور یہ حق محسوس موجود ہے کیونکہ قدرت اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے اس
میں معجز نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ نے جن غیبی باتوں کی خبر دی ہے ان پر ایمان واجب ہے۔

روضہ شریف (ریاض الجنۃ)

رسول اکرم ﷺ کا یہ اعزاز ہے کہ آپ کے منبر شریف اور قبر انور کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ
ہے (جسے ریاض الجنۃ کہا جاتا ہے) امام بنہری نے اس کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ فرمایا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میرے گھر (حجرہ مبارکہ) اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں
میں سے ایک باغ ہے (جسے ریاض الجنۃ کہتے ہیں) اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ (صحیح بخاری)

ما بین بیتى و منبرى روضة من رياض الجنة۔
میرے حجرہ مبارکہ اور میرے منبر کے درمیان جنت کا ایک باغ ہے۔

اس میں حقیقت اور مجاز دونوں کا احتمال ہو سکتا ہے۔
حقیقت اس طرح کہ نبی اکرم ﷺ نے جس روضہ کی خبر دی ہے وہ جنت سے کاٹ کر یہاں لایا گیا ہو جس طرح حجر اسود جنت میں سے لایا گیا ہے۔ اسی طرح نخل اور فرات جنت سے ہیں۔ ۲
(سنن نسائی ج ۵ ص ۲۲۶ مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۷ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۹۵ المنی ج ۱ ص ۲۳۲ اتحاد السادة المستعین ج ۳ ص ۲۷۶ کشف الخفاء ج ۱ ص ۳۱۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۷۲۶)

اسی طرح ہندوستانی پھل اس پتے سے ہیں جس پر حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترے تھے۔
تو حکمت الہیہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس دنیا میں جنت کے پانیوں، جنت کی مٹی، پتھر اور پھلوں میں سے ہو یہ بہت بڑے حکیم کی حکمت ہے۔

مجازی صورت یہ ہے کہ مسبب کا نام سبب پر بولا جائے کہ اس جگہ نماز اور عبادت کا التزام حصول جنت کا سبب ہے ابن ابی جرہ فرماتے ہیں بعض لوگوں نے جو یہ فرمایا ”تا کہ اس میں عبادات، عبادت گزار کے جنت کے باغ میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے“ اس کا یہی مطلب ہے لیکن یہ محل نظر ہے کیونکہ اس معنی کے اعتبار سے اس جگہ کی کوئی خصوصیت نہیں ابن ابی جرہ کی کتاب ”بہجۃ النفوس“ میں منقول ہے کہ یہ مبارک جگہ (ریاض الجنۃ) اسی طرح جنت سے منتقل ہوا پس یہ جنت سے ہے یعنی اس کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

وہ فرماتے ہیں زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ دونوں قولوں کو جمع کیا کہ یہ حصہ زمین جنت سے منتقل بھی ہوا اور اس جگہ عمل سے بندہ جنت کے باغ میں جاسکتا ہے اس پر مزید گفتگو آگے آخری مقدمہ میں زیلہ ت نبوی کے ضمن میں آئے گی۔

انشاء اللہ تعالیٰ

سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کا کھلنا

آپ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کی قبر انور کھلے گی۔

”مسلم شریف کی“ روایت میں ہے:

انا اول من تنشق عنه الارض۔ میں وہ ہوں جس کے لئے سب سے پہلے زمین شق ہوگی۔

اور سب سے پہلے صورت کی آواز سے آفاقہ بھی آپ ہی کو ہوگا۔ آپ نے فرمایا:

انا اول من یرفع راسہ بعد النفخة فاذا (قیامت کے دن) صور پھونکنے کے بعد سب سے

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”الحجر الاسود من الجنة“ (حجر اسود جنت سے ہے)۔ (سنن نسائی)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سیمان، جہان، فرات اور نخل یہ سب جنت کی نہروں میں سے ہیں۔ صحیح مسلم

السا بموسى اخذ بقائمة من قوائم العرش پہلے میں اپنے سر کو اٹھاؤں گا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام فلا ادری افاق قبلى ام جوزى بصعقة الطور جنت کے پایوں میں ایک پائے کو پکڑے کھڑے ہوں گے پس مجھے معلوم نہیں کہ مجھ سے پہلے ان کو ہوش آیا یا ان کو گرج کا بدلہ دیا گیا جو طور پر واقع تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۱۱-۳۳۰۸-۳۳۰۸-۳۳۰۸-۳۳۰۸-۳۳۰۸-۳۳۰۸-۳۳۰۸-۳۳۰۸-۳۳۰۸)

تو ظاہر بات یہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے بتانے کے بغیر علم نہ تھا پس آپ نے اپنے نفس کریمہ کے بارے میں خبر دی کہ سب سے پہلے آپ ہی کی قبر کھلی گی۔

سب سے پہلے نیل صراط سے بھی آپ ہی گزریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۰۶۰) امام بخاری نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے اور قیامت کے دن آپ ستر ہزار فرشتوں کے جلوس کے ساتھ میدان محشر کی طرف تشریف لائیں گے جس طرح حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں۔ ہر صبح جو طلوع ہوتی ہے ستر ہزار فرشتے نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں جب شام ہوتی ہے تو یہ چلے جاتے ہیں اور ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں حتیٰ کہ جب آپ کی قبر انور شق ہوگی تو آپ ستر ہزار فرشتوں کے ہمراہ تشریف لائیں گے اور وہ آپ کی تعظیم کر رہے ہوں گے۔ ابن نجار نے یہ روایت ”تاریخ المدینہ میں“ نقل کی ہے۔

اور آپ براق پر سوار ہونے کی حالت میں میدان محشر کی طرف جائیں گے حافظ سلفی نے اسے روایت کیا جیسا کہ طبری نے ذکر کیا ہے۔ اور آپ کو میدان محشر میں بہترین جوڑا پہنایا جائے گا یہ روایت امام بیہقی نے اس طرح نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے ایسا جوتی جوڑا پہنایا جائے گا کہ کوئی انسان اس کی قیمت نہیں لگا سکتا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳ دلائل النبوة ج ۵ ص ۳۷۹)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ قیامت کے دن لوگ جمع ہوں گے میں اور میرے امتی ایک نیلے پر ہوں گے اور میرا رب مجھے سبز جوڑا پہنائے گا۔ یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔

(مشکل لا خارج ص ۳۳۹ الشفاء ج ۱ ص ۴۱۹)

ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ آپ نے فرمایا دوسرے لوگ ایک نیلے پر (الگ) جمع ہوں گے اور میرے امتی ایک (الگ) نیلے پر جمع ہوں گے۔

طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کی امت لوگوں سے اوپر نیلے پر ہوں گے اور آپ عرش کی دائیں جانب کھڑے ہوں گے۔ اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا اور اس میں اس طرح ہے کہ وہاں آپ کے علاوہ کوئی بھی کھڑا نہ ہوگا اور پہلے اور پچھلے آپ پر رشک کریں گے۔ آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو مقام محمود عطا کیا جائے گا حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مقام محمود کا مطلب آپ کا عرش (تخت) پر بیٹھنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اس سے کرسی مراد لیتے ہیں۔
یہ دونوں باتیں امام بغوی نے ذکر کی ہیں۔ مقام محمود کے حوالے سے زیادہ تفصیل اس کے بعد آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو شفاعت عظمیٰ عطا کی جائے گی کہ قیامت کے دن جب لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس جانے کے بعد آپ کے پاس حاضر ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے (اور وہ پسینہ میں شرابور حساب و کتاب کے منتظر ہوں گے) تو آپ کی شفاعت سے فیصلہ ہوگا۔
آپ کی شفاعت سے بے شمار لوگ حساب و کتاب کے بغیر جنت میں جائیں گے اور آپ کی شفاعت سے جنت میں لوگوں کے درجات بلند ہوں گے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے ان (مندرجہ بالا) امور کو نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت قرار دیا اور خود ان احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے مزید تفصیل ان شاء اللہ آخری مقصد میں بیان ہوگی اور اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے۔
نبی اکرم ﷺ کو یہ مقام اور خصوصیت بھی حاصل ہے کہ قیامت کے دن لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) آپ کے پاس ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ وہ سب اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

سب سے پہلے جنت کا دروازہ بھی آپ ہی کھٹکھٹائیں گے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے البخاری ابن قفل کی روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا اکثر الناس تبعاً يوم القيامة وانا اول قیامت کے دن میری اتباع کرنے والوں کی
من يقرع باب الجنة. اکثریت ہوگی اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ بھی میں ہی
کھٹکھٹاؤں گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۳۰۰ سنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۲ اتحاد السادة المتقين ج ۱ ص ۱۰۷ سند ابو عوانہ ج ۱ ص ۱۰۹ شرح السنن ج ۱ ص ۱۶۶ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۵۰۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۷۷)
”صحیح مسلم میں ہی“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اتى باب الجنة يوم القيامة فاستفتح قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آ کر
فيقول الخازن بك امرت لا افتح لا احد دروازہ کھلواؤں گا تو خازن (فرشتہ) کہے گا مجھے آپ کے
بارے میں حکم دیا گیا اور یہ کہ میں آپ سے پہلے کسی کے
لئے نہ کھولوں۔

طبرانی نے کچھ اضافہ کے ساتھ نقل کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خازن کھڑا ہوگا اور کہے گا آپ سے پہلے میں کسی کے لئے نہیں کھولوں گا اور آپ کے بعد کسی کے لئے کھڑا نہیں ہوں گا۔

تو یہ نبی اکرم ﷺ کی ایک اور خصوصیت ہے وہ یہ کہ جنت کا دربان فرشتہ خازن نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی کے لئے کھڑا نہیں ہوگا تو آپ کے لئے اس کے کھڑا ہونے میں آپ کی مزید فضیلت ہے اور آپ کے بعد بھی کسی کے لئے

کھڑا نہیں ہوگا بلکہ جنت کے فرشتے آپ کی خدمت میں کھڑے ہوں گے اور آپ ان کے لئے بادشاہ کی طرح ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے بندہ خاص اور رسول ﷺ کی خدمت میں کھڑا کیا حتیٰ کہ اس نے چل کر دروازہ کھولا۔
 آپ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی ہے کہ سب سے پہلے جنت میں آپ داخل ہوں گے آپ نے فرمایا:
 وانا اول من یمرک حلق الجنة فیفتح
 اللہ لی فیہ جنتیہا ومعی فقراء المومنین ولا
 کرے گا اور میرے ساتھ فقراء مومن ہوں گے اور اس پر
 مجھے فخر نہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۶ سنن داری رقم الحدیث: ۸۰ مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۲ ج ۳ ص ۱۴۴)
 آپ کے خصائص میں کوثر بھی شامل ہے اور یہ جنت میں ایک نہر ہے جو اس کے حوض سے موتیوں اور یاقوت پر
 جاری ہوتی ہے اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے۔
 آپ کو مقام وسیلہ بھی عطا کیا گیا جو جنت میں اعلیٰ درجہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی امت کی خصوصیات

شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ

نبی اکرم ﷺ کی امت کو خصوصیات عطا کی گئیں اور اس کا شرف اور عزت بڑھائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جب کائنات کو انتہائی یقین پر پیدا فرمایا اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے مبارک جسم کو کسی شک کے بغیر ظاہر فرمایا اور آپ کی امت جو انسانوں سے تعلق رکھتی ہے (ورنہ آپ تمام مخلوق کے لئے رسول ہیں) پر اس کی عنایت ظاہر ہوئی جس کا سبب نبی اکرم ﷺ کا ان میں ظہور و حضور تھا اگرچہ انسان اور جن سب آپ کی امت ہیں لیکن انسانوں کو خصوصی وصف حاصل ہے تو ان کو بہترین امت بنایا جسے لوگوں کے (فائدے کے) لئے پیدا کیا گیا۔
 ان کو انبیاء کرام کا وارث بنایا اور احکام کے نفاذ کے لئے ان کو اجتہادی صلاحیت عطا کی پس وہ اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

پس جو نبی بھی اس امت کے زمانے میں داخل ہوگا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا اس کے داخل ہونے کو فرض کیا گیا جیسے حضرت خضر علیہ السلام تو وہ اس امت میں نبی اکرم ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرے گا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام (آسمان سے) اتریں گے تو ہمارے نبی ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے چاہے انہیں الھام ہو یا روح محمدی پر مطلع ہوں یا جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو آپ کی امت کے لئے جو شریعت دی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے آپ سے حاصل کریں گے اور حرام و حلال کے سلسلے میں وہی فیصلہ کریں گے جو نبی

اکرم ﷺ کرتے تھے اور وہ اس شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے جو ان کی رسالت کے دوران ان کو عطا ہوئی پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے تابع ہیں۔

حضرت حکیم ترمذی نے اپنی کتاب ”مستم الاولیاء“ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے ان سے ”عقلاء مغرب کے“ مصنف (شیخ محی الدین بن عربی الطائانی اندلسی) نے اور اسی طرح شیخ سعد الدین تفتازانی نے ”شرح عقائد نسفی میں“ نقل کیا اور اس بات کو صحیح قرار دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو نماز پڑھائیں گے اور ان کی امامت کریں گے اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ان کی اقتدا کریں گے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے افضل ہیں پس آپ امامت کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ ۱۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۱۷۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ امت محمدیہ میں خلیفہ ہوں گے لیکن آپ رسول اور معزز و محترم نبی ہیں جیسا کہ پہلے تھے ایسا نہیں جس طرح بعض حضرات نے گمان کیا کہ آپ حضور علیہ السلام کے ایک امتی کی حیثیت میں آئیں گے ہاں اس اعتبار سے وہ اس امت کا ایک فرد ہیں کہ وہ ہمارے نبی ﷺ اور آپ کی شریعت مطہرہ کی پیروی کریں گے۔ سوال: صحیح مسلم میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لیوشکن ان یمنزل فیکم ابن مریم حکما
مقسطاً فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یضع
عنقریب تم میں ابن مریم علیہ السلام اتریں گے جو
انصاف کرنے والے حاکم ہوں گے وہ صلیب کو توڑیں گے
خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ اٹھادیں گے۔
الحجزیة۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۲۲-۲۲۲۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۲ مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۸ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۲ ج ۹ ص ۱۸۰ مشکل لا تارج من ۷۷ ال درالمشور ج ۲ ص ۲۲۲ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۱۳۰ مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۰۴)

اس معنی میں یہ قول صحیح ہے کہ آپ جزیہ قبول نہیں کریں اور اسلام کے سوا کوئی بات قبول نہیں کریں یا قتل کر دیں گے۔ اور یہ بات ہماری آج کی شریعت کے خلاف ہے کیونکہ اہل کتاب جب جزیہ دیں تو اسے قبول کرنا واجب ہے اور اسے نہ تو قتل کرنا جائز ہے اور نہ اسلام پر مجبور کرنا۔ جب صورت حال یہ ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فیصلہ شریعت محمدیہ کے مطابق کیسے ہوا؟

جواب: اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلہ کرنے والے کی حیثیت سے تشریف لائیں گے اور مستقل رسالت کے ساتھ نبی بن کر نہیں آئیں گے اور ایسی شریعت جو ناسخ ہو وہ لے کر نہیں آئیں گے بلکہ اس امت کے حکام میں سے ایک حاکم ہوں گے۔

۱۔ امام زرقاتی رحمہ اللہ نے صحیح بخاری و مسلم کی ایک ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا اس مضمون کی دیگر کئی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امامت فرائض امام مہدی انجام دیں گے تو امام زرقاتی نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ شروع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام مہدی کی اقتدا کریں گے تاکہ معلوم ہو کہ وہ ہمارے نبی ﷺ کے تابع اور آپ کی شریعت پر عمل کرنے والے ہیں پھر امام مہدی ان کی اقتدا کریں گے کیونکہ قاعدہ یہی ہے کہ مفضل افضل کی اقتدا کرتا ہے۔ (زرقاتی ج ۵ ص ۳۳۸)

جہاں تک جزیہ اور اس کے متعلقات کا تعلق ہے تو یہ ایسا حکم نہیں جو قیامت تک جاری رہے بلکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے پہلے کے دور سے مقید ہے اور ہمارے آقا علیہ السلام نے اس کے منسوخ ہونے کی خبر دی ہے اور اس کے تاسخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ اس کے تاسخ اور بیان کرنے والے خود سرکار دوعالم ﷺ ہیں پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس وقت جزیہ کی قبولیت سے رک جانا ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شریعت ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے کے وقت جزیہ قبول نہ کرنے کے حوالے سے حکم شریعت کی تبدیلی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ابن بطلال نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ ہم نے جزیہ اس لئے قبول کیا کہ ہمیں مال کی ضرورت تھی۔ لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو ان کو مال کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ ان دنوں مال کی فراوانی ہوگی حتیٰ کہ اسے کوئی بھی قبول نہیں کرے گا اس لئے آپ قتل یا اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک پر ایمان کے علاوہ کچھ بھی قبول نہیں کریں گے۔

شیخ ولی الدین ابن عراقی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ سے جزیہ کا قبول کرنا اس شبہ کی بنیاد پر ہے کہ ان کے پاس تورات اور انجیل ہے اور ان کے خیال میں ان کا قدیم شریعت سے تعلق ہے پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو ان کو دیکھ کر ان لوگوں کا شبہ زائل ہو جائے گا پس ان کے شبہ کے ختم ہونے اور معاملہ واضح ہونے کی وجہ سے وہ بت پرستوں کی طرح ہو جائیں گے کہ بس ان سے ان (بت پرستوں) والا معاملہ کیا جائے گا کہ ان سے صرف اسلام قبول ہوگا کیونکہ (شرکین پر جزیہ نہیں ہے)۔

اور علت کے زوال سے حکم زائل ہو جاتا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ مناسب توجیہ ہے میں نے اس پر اعتراض کرنے والا کوئی نہیں دیکھا اور ابن بطلال کی توجیہ سے یہ بہتر ہے۔

حضرت مخضر علیہ السلام کی نبوت اور اس کے باقی رہنے کے قائلین بھی اسی طرح کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی اس ملت کے تابع ہیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا معاملہ بھی اسی طرح ہے جیسا کہ ابو عبد اللہ قرطبی نے اس بات کو صحیح قرار دیا کہ وہ بھی زندہ ہیں۔ اور رسولوں میں سے کوئی ایسا نبی نہیں جو کتاب والا ہو اور اس کی اتباع کی جائے یہ اعزاز صرف ہمارے نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے اور یہ بات امت محمدیہ کے شرف و اکرام کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے شرف کو زیادہ کرے۔

تم بہترین امت ہو

اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے جس نے ہمیں اس رحمت کے ساتھ خاص کیا اور ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی اور بے شمار فضائل کے ذریعے ہم پر احسان فرمایا اور اپنی کتاب عزیز میں ہمیں عظمت عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

تم بہترین امت ہو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ

۱۔ مطلب یہ ہے کہ وہ صرف قتل کرنے کا حکم دیں گے جزیہ لینے کا حکم نہیں دیں گے مجازاً حکم قتل کو عدم قبولیت سے تعبیر کیا گیا۔

اس میں لفظ ”مکنتم“ پر غور کیجئے یعنی لوح محفوظ میں تمہیں بہترین امت لکھ دیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تم بہترین امت ہو۔

بس اس امت کے ہر فرد کو چاہیے کہ پاکیزہ اخلاق اپنائے تاکہ اس کے لئے وہ پسندیدہ اوصاف ثابت ہو جائیں جو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عطا کئے گئے اور وہ بھلائی کی باتوں کا اہل ہو جائے۔
حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم بہترین امت ہو لیکن جب ان شرائط پر اتر دو جو اس کے ساتھ مذکور ہیں یعنی نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

یہ بھی کہا گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت بہترین امت ہے کیونکہ اس امت میں مسلمان زیادہ ہیں اور اس امت میں نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا زیادہ پایا جاتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے۔ جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
خیر الناس قرنی ثم الذین یلونہم ثم
جوان سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ جوان سے ملے ہوئے ہیں (یعنی تبع تابعین)۔

اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس امت کے پہلے لوگ بعد والوں سے بہتر ہیں۔ اور امت کے بڑے بڑے علماء کا یہی موقف ہے۔

فضیلت صحابہ

جن لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اگرچہ زندگی میں ایک مرتبہ ہی ہو وہ بعد میں آنے والے تمام لوگوں سے افضل ہیں اور کوئی عمل صحابیت کی فضیلت کے برابر نہیں ہو سکتا یہ جمہور کا مذہب ہے۔
ابو عمر بن عبد البر اس طرف گئے ہیں کہ صحابہ کرام کے بعد بھی کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو صحابہ کرام میں موجود بعض لوگوں سے افضل ہوں گے اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ”خیر الناس قرنی“ اپنے عموم پر نہیں کیونکہ ایک صدی (یا زمانے) میں فاضل اور مفضول اکٹھے ہوتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں منافق بھی تھے جو ایمان کا اظہار کرتے تھے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب بھی تھے جن میں سے بعض پر حدود نافذ ہوئیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

طوبی لمن رآنی و امن بی و طوبی سبع
مرات لمن لم یرنی و امن بی .
اس شخص کے لئے مبارک ہو جس نے مجھے دیکھا اور
مجھ پر ایمان لایا اور اس شخص کے لئے سات بار مبارک ہو

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۳ الاسناد کارج ص ۲۳۶) جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔

”مسند ابی داؤد طیالسی میں“ حضرت محمد بن ابوحمید سے روایت نقل کی گئی ہے وہ حضرت زید بن اسلم سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا میں نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو آپ نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ مخلوق میں سے کن لوگوں کا ایمان افضل ہے؟ میں نے عرض کیا فرشتوں کا ایمان افضل

ہے آپ نے فرمایا ان کا حق ہے لیکن ان کے علاوہ کے بارے میں سوال ہے ہم نے عرض کیا انبیاء کرام علیہم السلام کا ایمان فرمایا ان کا حق ہے لیکن ان کے علاوہ کے بارے میں بتائیں پھر خود ہی فرمایا مخلوق میں سے افضل ایمان ان لوگوں کا ہے جو (ابھی) مردوں کی بیٹھوں میں ہیں (یعنی پیدا نہیں ہوئے) وہ مجھ پر ایمان لائیں گے لیکن انہوں نے مجھے دیکھا نہیں وہ لوگ ایمان کے اعتبار سے تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ (الضعفاء ج ۳ ص ۲۳۸ الاسد کارج ص ۲۳۸)

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو انہوں نے حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت لکھ کر بھیجیں تاکہ میں اس پر عمل کروں حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا اگر آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت پر عمل کریں گے تو آپ ان سے افضل ہو جائیں گے کیونکہ آپ کا زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ والا زمانہ نہیں ہے اور نہ آپ (کی رعایا) کے لوگ ان کے زمانے کے لوگوں جیسے ہیں۔

راوی فرماتے ہیں انہوں نے اپنے زمانے کے فقہاء کو لکھا تو ان سب نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے قول کی طرح جواب دیا۔ حضرت ابو عمر (بن عبد البر) لکھتے ہیں یہ احادیث اپنے طرق کے تو اتر اور حسن کے ساتھ اس بات کو چاہتی ہیں کہ اس امت کے پہلے اور پچھلے لوگ عمل میں برابر ہیں البتہ بدر اور حدیبیہ والوں کا مقام زیادہ ہے اور جو شخص اس باب میں غور و فکر کرے گا اس کے لئے صحیح بات واضح ہو جائے گی۔

ابوداؤد و طیالسی کی حدیث جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کی سند ضعیف ہے لیکن امام احمد داری اور طبرانی نے حضرت ابو عبیدہ (بن جراح) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم سے بھی کوئی شخص بہتر ہوگا؟ ہم آپ پر ایمان لائے اور ہم نے آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا؟ آپ نے فرمایا ایک قوم ہوگی وہ لوگ تمہارے بعد آئیں گے اور مجھ پر ایمان رکھیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور اسے امام حاکم نے صحیح قرار دیا۔ (المستدرک ج ۳ ص ۱۷۵ مشکل لا تارج ص ۳۳۵ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۵)

اور حق وہی بات ہے جس پر جمہور ہیں کہ صحابی ہونے کی فضیلت کا مقابلہ کوئی عمل نہیں کر سکتا کیونکہ ان لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی۔

صحابہ کرام کی دوسروں پر فضیلت کے دلائل بے شمار ہیں ہم ان کے ذکر کے ساتھ بات کو لمبا کرنا نہیں چاہتے باقی گفتگو ساتویں مقدمہ میں فضائل صحابہ کے ضمن میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو کچھ ایسی خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو ان سے پہلے کسی امت کو نہیں دی گئیں اور ان خصوصیات کے ذریعے ان کی فضیلت کو ظاہر کیا اس بات پر احادیث و آثار ناظر ہیں۔

ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب تورات نازل ہوئی اور انہوں نے اسے پڑھا تو اس میں اس امت کا ذکر پایا عرض کیا اے میرے رب! میں اپنی تختیوں میں (جن پر تورات لکھی ہوئی تھی) ایک امت کا ذکر پاتا ہوں وہ آخری بھی ہیں اور پہلے

بھی ان کو میری امت بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ؑ کی امت ہے انہوں نے عرض کیا اے میرے رب میں نے تختیوں میں ایک امت کا ذکر پایا ان کی کتاب ان کے سینوں میں ہے لیکن وہ اسے ظاہری طور پر پڑھیں گے ان کو میری امت بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ؑ کی امت ہے عرض کیا اے میرے رب! میں تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں جو مال نے (جو مال مسلمانوں کو کفار سے لڑائی کے بغیر حاصل ہو) کھائیں گے پس اس امت کو میری امت بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ؑ کی امت ہے انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! میں تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں جو صدقہ اپنے پیٹوں میں ڈالیں گے (یعنی نفلی صدقہ خود بھی کھائیں گے اور ان کے گھر والے بھی کھائیں گے واجب صدقہ نہ امیر کھا سکتا ہے نہ صدقہ کرنے والا) ان کو اس پر اجر ملے گا ان لوگوں کو میری امت بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ؑ کی امت ہے عرض کیا اے میرے رب! میں تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جب ان میں سے کوئی شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے گا تو عمل سے پہلے ہی ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر وہ عمل کرے تو اس کو دس نیکیاں (مزید) ملیں گے یا اللہ! ان لوگوں کو میری امت بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ؑ کی امت ہے عرض کیا اے میرے رب! میں (تورات کی) تختیوں میں ایک امت کا ذکر پاتا ہوں کہ جب ان میں سے کوئی برائی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے تو گناہ نہ لکھا جائے گا اور اگر عمل کرے تو صرف ایک گناہ لکھا جائے گا پس اس کو میری امت بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ؑ کی امت ہے عرض کیا اے میرے رب میں نے تختیوں میں ایک امت کا ذکر پایا جن کو پہلا اور پچھلا سب علم دیا جائے گا پس وہ مسیح و جال کو قتل کریں گے اس امت کو میری امت بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت احمد ؑ کی امت ہے۔

اس پر انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! پس مجھے حضرت احمد ؑ کی امت میں سے کر دے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو خصلتیں عطا کی گئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ
بِرِسَالَتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ
الشَّاكِرِينَ ۝
اے موسیٰ علیہ السلام! میں نے آپ کو اپنے پیغامات اور کلام کے ساتھ لوگوں پر منتخب کر لیا پس جو کچھ میں آپ کو دوں اس کو مضبوطی سے اختیار کریں اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! میں راضی ہوں۔ (دلائل النبوة ج ۱ ص ۱۴۱ الدر المنثور ج ۳ ص ۱۲۳)
ابن طغر بک نے ”المنطق المفہوم میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! کیا تمام امتوں میں سے کوئی امت میری امت سے زیادہ معزز ہے ان پر بادلوں کا سایہ کیا گیا اور ان پر من اور سلوئی اتارا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! کیا آپ نہیں جانتے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کی امت تمام امتوں سے اس طرح افضل ہے جیسے مجھے تمام مخلوق پر فضیلت حاصل ہے انہوں نے عرض کیا یا اللہ! مجھے وہ امت دکھا دے فرمایا آپ اس امت کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ میں آپ کو ان کا سلام سناتا ہوں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آواز دی تو سب نے ایک ہی آواز میں کہا ”لبيك اللهم لبيك“ (حاضر ہیں یا اللہ! ہم حاضر ہیں) اس وقت وہ اپنے باپوں کی بیٹیوں اور ماؤں کے بیٹوں میں تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”تم پر میری رحمت ہوگی اور میری رحمت میرے غضب سے سبقت کرگئی اور میرا معاف کرنا میرے عذاب سے سبقت کر گیا میں تمہاری بات تمہارے سوال کرنے سے پہلے قبول کروں گا پس جو شخص مجھ سے اس طرح ملاقات کرے کہ وہ میری توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی شہادت دیتا ہو میں اس کے گناہ بخش دوں گا“۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۹۵۹)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پس اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسان کرنے کا ارادہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا. اور نہ تم طور کے کنارے تھے جب ہم نے ندا (القصص: ۲۶) فرمائی۔

یعنی جب ہم نے آپ کی امت کو پکارا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کا کلام سنایا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کیا لیکن اس میں یہ اضافہ ہے ”حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت کی آواز کتنی خوبصورت ہے ایک مرتبہ پھر مجھے سنا دے“۔ حضرت ابو نعیم رحمہ اللہ کی ”الحلیہ“ میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کو بتائیے کہ جو شخص مجھ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ وہ حضرت احمد ﷺ کا منکر ہوگا میں اس کو جہنم میں داخل کروں گا۔ انہوں نے پوچھا اے میرے رب احمد کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو میرے نزدیک ان سے زیادہ معزز ہو میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پہلے ان کا نام اس کے ساتھ ملا کر عرش پر لکھا جب تک وہ اور ان کی امت جنت میں داخل نہ ہو جائیں باقی تمام مخلوق پر جنت حرام رہے گی۔ انہوں نے عرض کیا ان کی امت کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ بہت تعریف کر لے والے ہیں وہ (پہاڑوں وغیرہ پر) اترتے چڑھتے اور ہر حالت میں تعریف کریں گے وہ اپنی کمر کو ازار بند سے باندھیں گے اور وضو کریں گے دن کو روزہ رکھیں گے اور رات کو عبادت کریں گے میں ان سے تھوڑا سا عمل بھی قبول کروں گا اور کلمہ شہادت کے ذریعے جنت میں داخل کروں گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! مجھے اس امت کا نبی بنادے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا نبی ان ہی میں سے ہوگا۔

عرض کیا مجھے اس امت میں سے کر دے فرمایا میں نے آگے اور پیچھے کر دیا (یعنی آپ پہلے آئے اور وہ بعد میں آئیں گے) لیکن میں جنت میں تم دونوں کو اکٹھا کر دوں گا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۳)

حضرت وہب بن منہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعبا علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں ایک ایسا نبی بھیجوں گا جس کے ذریعے بہرے کا نوں بندہ لوں اور اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا ان کی جائے ولادت مکہ مکرمہ مقام ہجرت مدینہ طیبہ اور حکومت شام میں ہوگی میرا وہ بندہ متوکل (مجھ پر بھروسہ کرنے والا) مصطفیٰ بلند

مقام 'محبوب' منتخب اور مختار ہوگا۔ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا بلکہ معاف کر دے گا اور درگزر کرے گا اور بخش دے گا وہ مؤمنوں پر مہربان ہوگا وہ بھاری جانور کے لئے اور بیوہ عورت کی گود میں یتیم بچے کے لئے بھی روئے گا وہ سخت مزاج بدکلام اور بازاروں میں شور و شغب کرنے والا نہیں ہوگا برائی کا لباس پہنے گا اور نہ بدکلام ہوگا اور اگر وہ چراغ کے پاس سے گزرے تو اس کے سکون کی وجہ سے چراغ نہیں بجھے گا اور اگر طویل بالیں پر چلے تو اس کے قدموں کے نیچے سے آواز نہیں آئے گی میں اسے خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجوں گا۔ یہاں تک کہ فرمایا میں ان کی امت کو بہترین امت بناؤں گا جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی یعنی ان کو نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے میری توحید بیان کریں گے مجھ پر ایمان لائیں گے جو کچھ میرے رسول علیہم السلام لے کر آئے ان کی تصدیق کریں گے اور وہ (عبادات کے اوقات کے لئے) سورج اور چاند کا خیال رکھیں گے۔ ان دلوں چہروں اور روحوں کے لئے مبارک باد ہے جو میرے لئے خاص ہوئے میں ان کو صبح، گیسیر، تحمید اور توحید (سبحان اللہ، الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ) کا الہام کروں گا (ان کے دلوں میں ڈالوں گا) کہ وہ اپنی مساجد، مجالس، بستر و اور ہر ٹھکانے پر پڑھیں وہ اپنی مساجد میں اس طرح صفیں بنائیں گے جس طرح فرشتے میرے عرش کے گرد صفت بستہ ہیں وہ میرے دوست اور میرے (دین کے) مددگار ہیں۔ میں ان کے ذریعے اپنے دشمنوں سے انتقام لوں گا جو بت پرست ہیں وہ میرے لئے کھڑے بیٹھے رکوع اور سجود کی حالت میں نماز پڑھیں گے وہ میری رضا کی خاطر اپنے گھروں اور مالوں کو چھوڑ کر جہاد کے لئے نکل جائیں گے اور صفیں باندھیں میری راہ میں لڑیں گے۔

ان کی کتاب کے ذریعے پہلی کتب کو ان کی شریعت کے ذریعے پہلی شریعتوں کو اور ان کے دین کے ذریعے پہلے ادیان کو منسوخ کروں گا۔

پس جوان کو پائے اور ان کی کتاب پر ایمان نہ لائے اور نہ ان کے دین اور شریعت میں داخل ہو تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں وہ مجھ سے دور ہے میں ان کو تمام امتوں سے افضل امت بناؤں گا ان کو درمیانی (بہترین) امت بنا کر لوگوں پر گواہ بناؤں گا جب ان کو غصہ آئے گا تو لا الہ الا اللہ پڑھیں گے اور جھگڑیں تو سبحان اللہ کہیں گے وہ اپنے چہروں اور اعضاء کو پاک کریں گے، کپڑوں کو نصف جسم تک باندھیں گے اور ہر اونچی جگہ اور پستی میں لا الہ الا اللہ پڑھیں گے۔

ان کی قربانی، خون (جانور کو ذبح کرنے) کی صورت میں ہوگی ان کی کتاب ان کے سینے میں ہوگی رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور دن کو (دشمن کے مقابلے میں) شیر ہوں گے جوان کا ساتھ دے گا اور ان کے دین اور شریعت پر ہوگا اس کے لئے مبارک باد ہے اور یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں عطا کروں اور میں بہت فضل والا ہوں اس حدیث کو ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ جس نبی کے معجزات زیادہ ظاہر ہوں اس کی امت کا ثواب کم ہوتا ہے امام سبکی فرماتے ہیں یہ بات مستثنیٰ ہے کیونکہ اس امت کے نبی کے معجزات زیادہ ظاہر اور امت کا ثواب تمام امتوں سے زیادہ ہے۔

مال غنیمت کا حلال ہونا

اس امت کے خصائص میں سے ہے کہ اس کے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا جب کہ پہلی امتوں کے لئے حلال نہ تھا۔ اور ان کے لئے تمام زمین کو سجدہ گاہ بنادیا گیا جب کہ پہلی امتیں اپنی مخصوص عبادت گاہوں میں نماز پڑھ سکتی تھیں نیز اس امت کے لئے مٹی کو پاک کرنے والا بنایا گیا یعنی اس سے حتم کیا جاسکتا ہے۔

اور ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں یوں آیا ہے:

وجعلت الارض کلھا لى ولا متى مسجد او طهورا. (مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۸) مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت یوں نقل کی ہے:

وجعلت لنا الارض کلھا مسجدا و جعلت تربتها طهورا اذا لم نجد الماء مٹی کو طہارت کا ذریعہ بنایا گیا جب ہم پانی نہ پائیں۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰ شرح السنہ ج ۲ ص ۱۱۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۴ ج ۱ ص ۳۳۵)

نماز سے متعلق خصائص

اس امت کے خصائص میں سے ایک خصوصیت وضو ہے۔ پہلی امتوں کے لئے وضو نہیں تھا صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے تھا یہ بات اگلی نے ذکر کی ہے اور انہوں نے صحیح بخاری کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔
نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان امتی يدعون يوم القيامة غرا محجلين من آثار الوضوء. قیامت کے دن میری امت کو بلایا جائے گا تو ان کے اعضاء وضو سے چمک رہے ہوں گے۔

(اتحاف السادة المستمعين ج ۲ ص ۳۶۱ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۲۷۷ الترغیب ج ۱ ص ۱۴۹ مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۹۰)
”لیکن فتح الباری میں فرمایا“ یہ بات محل نظر ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت سارہ علیہم السلام کے اس واقعہ میں ثابت ہے کہ جس میں بادشاہ نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام آپ کے حوالے کیں کہ جب بادشاہ نے آپ کے قرب کا ارادہ کیا تو آپ کھڑی ہو گئیں اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگیں اور جرجرجا رہیں کہ اس نے اٹھ کر وضو کیا نماز پڑھی اور پھر بچے سے کلام کیا۔

تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس امت کی خصوصیت وضو کی وجہ سے اعضاء کا چمکنا ہے محض وضو نہیں۔

اور ”صحیح مسلم کی“ ایک روایت میں اس بات کو صراحتاً بیان کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ت مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لکم سیماء لیست لاحد غیرکم. یہ تمہارے ساتھ خاص ہے تمہارے غیر کے لئے

نہیں ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶-۳۷ اتحاف السادة المتقين ج ۱ ص ۵۰۲ تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۱۰۷)

یعنی اس وضو کا علامت ہونا اور ”تحت حیل“ (چمک) کی انتہا یہ ہے کہ وہ بازوؤں اور پنڈلیوں کو گھیر لے اور ”غرة“ سر کے اگلے حصے کو دھونا اور گردن کو چہرے سمیت دھونا۔

ان خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ پانچ نمازوں کا مجموعہ کسی دوسری امت کو نہیں دیا اور وہ اس امت کے ساتھ خاص ہے امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت عبید اللہ بن محمد بن عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے فجر کے وقت دو رکعتیں نماز پڑھی تو یہ صبح کی نماز ہو گئی حضرت اسحاق علیہ السلام کا فدیہ ظہر کے وقت دیا گیا۔ ۱

تو (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) چار رکعات پڑھیں تو اس طرح ظہر کی نماز بن گئی حضرت عزیر علیہ السلام کو جب اٹھایا گیا تو عصر کا وقت تھا پوچھا گیا کتنا عرصہ ظہر ہے فرمایا ایک دن جب سورج کو دیکھا تو فرمایا یا دن کا کچھ حصہ پس آپ نے چار رکعات ادا کیں تو یہ عصر کی نماز ہو گئی۔ ۲ حضرت داؤد علیہ السلام کی بخشش مغرب کے وقت ہوئی تو آپ چار رکعتیں پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو تھک جانے کی وجہ سے وہ تیسری رکعت پر بیٹھ گئے تو اس طرح مغرب کی تین رکعات ہو گئیں اور عشاء کی نماز ہمارے آقا ﷺ نے پڑھی۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے ”اپنی سنن (سنن داؤد) میں“ ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے ”اپنی مصنف میں“ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”اپنی سنن (سنن الکبریٰ) میں“ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک رات نبی اکرم ﷺ نے عشاء کی نماز مؤخر کی حتیٰ کہ گمان کرنے والے نے گمان کیا کہ آپ نے نماز پڑھ لی ہے پھر آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا اس نماز کو اندھیرے میں پڑھو (تاخیر سے پڑھو) بے شک تمہیں اس نماز کے ذریعے تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے اور تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۲۱۱ مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۷ سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۵۱ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۳۸ الدراکثور ج ۱ ص ۳۰۰ ج ۲ ص ۶۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۹۴۷۷)

اس امت کے خصائص میں سے اذان اور اقامت بھی ہے۔ ۳ نیز بسم اللہ پڑھنا بھی اس امت کی خصوصیت ہے۔ شیخ شہاب الدین حلبي نخوی نے اپنی تفسیر میں بعض حضرات سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ”بسم اللہ“ ہم

۱ امام زرقانی فرماتے ہیں یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح اللہ مانتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ذبح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں (زرقانی ج ۵ ص ۳۶۹) حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ ذبح کی یادگار منیٰ ہے اور حجاج کرام وہاں جانوروں کو ذبح کرنے ہیں جب کہ منیٰ کا تعلق حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہے حضرت اسحاق علیہ السلام سے نہیں۔ ۱۲ ہزاروی

۲ امام زرقانی فرماتے ہیں کہ امام ہاشمی کی شرح مسند میں ہے کہ عصر کا وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مقرر ہوا۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۶۹)

۳ کیونکہ حدیث شریف کے مطابق جب مسلمانوں کو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ نماز کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کی خاطر کیا طریقہ اختیار کیا جائے تو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو خواب میں اذان سکھائی گئی حضرت آدم علیہ السلام جب ہندوستان میں اترے اور وحشت محسوس کی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اتر کر اذان دی تو یہ بات اس خصوصیت کی خلاف نہیں کیونکہ نماز کے لئے اذان و اقامت کی مشروعیت اس امت کی خصوصیت ہے (وہ اذان نماز کے لئے نہیں تھی)۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۷۰)

سے پہلے کسی امت پر نازل نہیں کی البتہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام پر نازل ہوئی تو یہ اس امت کی خصوصیت ہے۔ ۱۔
آمین کہنا بھی اس امت کی خصوصیت ہے حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا آپ فرماتی ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس تھی کہ ایک یہودی نے اندر آنے کی اجازت مانگی (اس کے بعد انہوں نے پوری حدیث ذکر کرتے ہوئے فرمایا) کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ لوگ ہم پر باقی کسی چیز میں اتنا حسد نہیں کرتے جس قدر حجۃ المبارک کے حوالے سے حسد کرتے ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہدایت دی اور یہ اس سے بھٹکے رہے۔ ۲۔
نیز امام کے پیچھے آمین کہنے کے اعتبار سے زیادہ حسد کرتے ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۳۲۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے ہم اسے ان الفاظ کے ساتھ صرف اسی سند سے جانتے ہیں لیکن بعض حضرات نے آمین کے سلسلے میں حسن روایت کے ساتھ متابعت کی ہے۔ ابن ماجہ نے اسے روایت کیا اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا وہ دونوں حضرت سہیل بن ابی صالح سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے باپ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔
یہودیوں نے ہم پر کسی چیز میں اتنا حسد نہیں کیا جتنا حسد سلام اور آمین کہنے پر کرتے ہیں۔

(تمہید ج ۷ ص ۱۵، معنف عبدالرزاق ص ۲۶۳۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۵۲۷۶)

رکوع کے ساتھ اختصاص بھی اس امت کو حاصل ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم نے سب سے پہلے جس نماز میں رکوع کیا وہ عصر کی نماز تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔

اس حدیث سے استدلال کی صورت یہ ہے کہ اس سے پہلے نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی اور پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے آپ رات کو قیام کرتے تھے تو اس سے پہلے کی نماز رکوع کے بغیر ہوتی تھی کیونکہ سابقہ امتوں کی نماز بھی رکوع سے خالی تھی یہ بات بعض علماء نے فرمائی ہے (امام جلال الدین سیوطی کی طرف اشارہ ہے)۔ (ذرقانی ج ۵ ص ۳۷۷)
اور مفسرین کی ایک جماعت نے "واركعوا مع الراکعین" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ رکوع کی مشروعیت اس امت کے ساتھ خاص ہے اور بنی اسرائیل کی نماز میں رکوع نہیں تھا اسی لئے ان کو نبی کریم ﷺ کی امت کے ساتھ رکوع کرنے کا حکم دیا۔

لیکن یہ بات اس آیت سے ٹکراتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي
مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝ (آل عمران: ۴۳)
اے مریم! علیہا السلام اپنے رب کے لئے باادب ہو
جاؤ اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

۱۔ یعنی قرآن مجید میں اس کا نزول برائے تلاوت اس امت کے ساتھ خاص ہے لہذا حضرت سلیمان علیہ السلام پر اس کا نزول اور حضرت آدم علیہ السلام کا اسے پڑھنا اس خصوصیت کے خلاف نہیں۔ (ذرقانی ج ۵ ص ۳۷۷)

۲۔ یہود و نصاریٰ کو عبادت کے لیے ایک خاص دن اختیار کرنے کی اجازت دی گئی تو انہوں نے ہفتہ اور اتوار اختیار کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو ایسا فرمایا تو انہوں نے جمعہ کا دن عطا فرمایا۔ ۱۲ ہزاروی

ان کو نماز باجماعت کا حکم دیا گیا اور ارکان نماز کا ذکر بھی کیا گیا تاکہ ان پر محافظت اچھی طرح ہو۔
 علماء کرام فرماتے ہیں رکوع سے سجدہ کو مقدم کرنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ان کی شریعت میں اسی طرح تھا یا اس بات کی
 طرف اشارہ ہے کہ واد (مطلق جمع کے لئے ہے) ترتیب کو نہیں چاہتی۔
 یہ بھی کہا گیا کہ قنوت (افتنی) سے مراد دائمی اطاعت ہے جس طرح فرمایا:
 أَفَنُ هُوَ قَانَتْ أَنَاءَ اللَّيْلِ مَسْجِدًا وَقَائِمًا۔ کیا وہ جو رات کی گھڑیوں میں سجدے اور قیام کی
 (الزمر: ۹) حالت میں مسلسل کھڑا رہتا ہے۔

اور سجدہ سے نماز مراد ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَأَذِّبْ بَارَ السُّجُودِ۔ (ق: ۴۰) اور نمازوں کے بعد

نماز میں صف بندی بھی اس امت کی خصوصیات میں شامل ہے جس طرح فرشتے صف بستہ ہیں یہ حدیث امام مسلم رحمہ
 اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کی ہے۔
 ملاقات کے وقت سلام کرنا بھی اس امت کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث
 گزر چکی ہے۔

جمعۃ المبارک

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ کی خصوصیات میں سے ایک بات جمعۃ المبارک ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:
 ہم پچھلے ہیں قیامت کے دن سے سب سے آگے ہوں گے البتہ ان کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی پھر یہ دن جو اللہ
 تعالیٰ نے ان پر فرض کیا تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی لہذا لوگ
 اس میں ہم سے پیچھے ہیں یہودی کل (ہفتہ کے دن) کو اور عیسائی پرسوں (اتوار کے دن)۔
 (مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۹-۵۰۳ سنن دارقطنی ج ۲ ص ۳۱ سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۹۸ دلائل النبوة ج ۵ ص ۵۷۵ اتحاف السادة المتعلمین
 ج ۳ ص ۲۱۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۷۵-۳۳۵۱۷)

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اسے جمعہ کے دن قبولیت کی ساعت عطا کی گئی اس ساعت کی تعیین میں
 اختلاف ہے اور تمیز سے زائد اقوال ہیں جو میں (مصنف) نے "لوامع الانوار فی الادعیۃ والاذکار میں" درج
 کئے ہیں۔

ماہ رمضان سے متعلق خصائص

اس سلسلے میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان (لوگوں) کی طرف نظر
 فرماتا ہے اور وہ جس کی طرف نظر فرمائے اسے کبھی عذاب نہیں دے گا اس مہینے میں جنت کو سنوارا جاتا ہے اور روزہ دار
 کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے زیادہ مہکتی ہے۔ ہر رات مسلمانوں کے لئے فرشتے بخشش مانگتے ہیں
 حتیٰ کہ عید الفطر آجائے جب آخری رات آتی ہے تو ان سب کو بخش دیا جاتا ہے یہ بات امام بیہقی نے ایسی سند کے ساتھ
 ذکر کی ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

اعطیت امتی فی شہر رمضان خمسالم میری امت کو رمضان کے مہینے میں پانچ باتیں عطا
يعطهن نسی قبلی۔ ہوئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔

(الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۹۲ الدر المنثور ج ۱ ص ۱۸۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۷۰۹)
اور ان (مسلمانوں) کے لئے مچھلیاں بخشش طلب کرتی ہیں یہاں تک کہ روزے رکھنا چھوڑ دیں (ماورے رمضان ختم ہو
جائے) اس حدیث کو امام بزار نے نقل کیا۔

اور سرکش شیطان بند کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ حدیث امام احمد اور امام بزار رحمہما اللہ نے نقل کی ہے۔
ایک خصوصیت سحری کھانا اور افطار میں جلدی کرنا ہے یہ حدیث امام بخاری اور مسلم نے نقل کی ہے۔
اور طلوع فجر تک رات میں کھانا پینا جائز قرار دیا گیا جب کہ پہلی امتوں پر سو جانے کے بعد یہ کام حرام تھے۔ اسلام
کے شروع میں بھی اسی طرح تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

ان خاصہ امت میں سے ایک لیلۃ القدر ہے جس طرح امام نووی رحمہ اللہ نے ”شرح المکھذب میں“ فرمایا ہے۔
اور کیا رمضان المبارک کے روزے اس امت کے خاصہ میں سے ہیں یا نہیں؟ تو اگر ہم قرآن مجید کی آیت
کریمہ:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ
تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں
پر فرض کئے گئے۔

میں لفظ ”کما“ کو دیکھیں جس میں کاف تشبیہ کے لئے ہے اگر اس کو حقیقت پر محمول کریں تو ہم سے پہلے لوگوں پر بھی
رمضان کے روزے فرض ہوں گے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ رمضان شریف کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم
سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کئے تھے۔ اس کی سند مجبول ہے۔ اور اگر ہم کہیں کہ مطلق روزے مراد ہیں ان کی تعداد اور وقت
مراد نہیں ہے تو تشبیہ مطلق روزوں میں ہوگی اور یہ جمہور کا قول ہے۔

مصیبت کے وقت ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ“ پڑھنا

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصیبت کے وقت یہ ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ“ پڑھتے ہیں۔ حضرت
سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس امت کو مصیبت کے وقت وہ چیز دی گئی کہ پہلے انبیاء کرام کو اس کی مثل نہیں دی
گئی اور وہ ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ“ ہے اگر یہ کلمات انبیاء کرام علیہم السلام کو دیئے جاتے تو حضرت یعقوب علیہ
السلام کو دیئے جاتے جب آپ نے فرمایا:

يَا اَسْفَى عَلَى يُوسُفَ۔

ہائے حضرت یوسف علیہ السلام (کے جانے) پر
افسوس۔

آسانی کا ہونا اور حرج کا اٹھ جانا

اس امت کو ایک خصوصیت یہ حاصل ہوئی کہ ان سے وہ بوجھ اٹھائے گئے جو پہلی امتوں پر رکھے گئے تھے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ. (الاعراف: ۱۵۷)

یعنی ان کو جن مشکل کاموں کا مکلف بنایا گیا تھا ان میں آسانی کر دے جس طرح جان بوجھ کر اور غلطی سے دونوں طرح قتل کرنے کی صورت میں قصاص واجب تھا۔ ۱۔

اور جس عضو سے خطا سرزد ہوتی اسے کاٹ دیا جاتا اور نجاست کی جگہ کو بھی (دھونے کی بجائے) کاٹ دیا جاتا۔ ۲۔

اور توبہ کے لئے قتل کرنا ضروری تھا۔ ۳۔

اور بنی اسرائیل میں کوئی شخص گناہ کرتا تو صبح اس کے دروازے پر لکھا ہوتا کہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ تمہاری آنکھیں نکال لی جائیں تو اس کی آنکھیں نکال دی جاتیں۔ ”اصر“ وہ بوجھ جو اٹھانے والے کو حرکت سے روک دے یعنی بہت بھاری ہو۔

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بہت سے کام حلال کر دیئے جو پہلے لوگوں پر حرام تھے اور ان پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ. اور اس نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں (الحج: ۷۸) رکھی۔

مقصد یہ کہ تمہیں ایسے کاموں کا مکلف نہیں بنایا جن کی ادائیگی تمہارے لئے مشکل ہو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ (شرعی احکام کی ادائیگی سے) کوئی رکاوٹ یا عذر نہیں ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے یعنی جو شخص کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا وہ بیٹھ کر پڑھے اور سفر میں روزہ چھوڑنا جائز قرار دیا اور نماز میں قصر کا حکم دیا (چار کی بجائے دو پڑھے)۔

اور کہا گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے نکلنے کا راستہ بنایا ہے اور ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھول دیا اور حقوق خداوندی میں کفارے رکھے جب کہ حقوق العباد میں تاوان اور دیت وغیرہ رکھی۔ یہ بات امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۱۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل پر جو بوجھ اور سختیاں تھیں یہ حرج ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اٹھا دیا۔

۱۔ ”صحیح بخاری میں ہے کہ بنی اسرائیل میں قصاص ہی تھا دیت نہیں تھی چاہے قتل ہو یا زخم۔

۲۔ ”صحیح بخاری میں ہے کہ بنی اسرائیل میں (جب کسی کے کمزوروں کو) پیشاب لگ جاتا ہے تو اس کو کاٹ دیتا۔

۳۔ ارشاد خداوندی ہے: ”لَقُتُوهُوَ إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ فَأَمَرُوا النَّفْسَ الْكَافِرَةَ“ (پس اپنے پیدا کرنے والے کے ہاں توبہ کرو تو اپنے نفسوں کو قتل کرو) یعنی بے گناہ مجرم کو قتل کرے۔ (البقرہ:)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں اس امت کو تین باتیں ایسی دی گئی ہیں جو صرف انبیاء کرام علیہم السلام کو دی گئی تھیں ان کو لوگوں پر گواہ بنایا، ان پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی گئی اور فرمایا تم دعا مانگو میں تمہارے لئے قبول کروں گا۔

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے غلطی اور بھول جانے کے سبب سرزد ہونے والے گناہ کا مواخذہ اٹھادیا اسی طرح جس کام پر ان کو مجبور کیا جائے یا ان کے دل میں جو وسوسے پیدا ہوں ان پر بھی کوئی گرفت نہیں ہو گی۔

جب کہ بنی اسرائیل کا حال یہ تھا کہ جب وہ احکام خداوندی میں سے کسی بات کو بھول جاتے یا ان سے خطا ہو جاتی تو ان پر فوری طور پر عذاب آتا تھا یعنی گناہ کے مطابق کوئی کھانا یا مشروب حرام ہو جاتا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الله وضع عن امتي الخطأ والنسيان
وما استكروا عليه.
اور جس بات پر ان کو مجبور کیا جائے اسے اٹھادیا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳۵، نصب الراية ج ۲ ص ۶۲، کشف الخفاء ج ۱ ص ۵۲۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۶۰)

اسلام اس امت کے ساتھ مخصوص ہے

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اسلام ان کے ساتھ مخصوص وصف ہے اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی دوسرا ان کے ساتھ شریک نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

هُوَ سَعَاكُمْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا.
اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس کتاب (الحج: ۷۸) میں بھی۔

اور ارشاد فرمایا:

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا. (المائدہ: ۳)

اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

اگر یہ اس امت کے ساتھ خاص نہ ہوتا تو اس کے ذریعے ان پر احسان جتانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ان کے لئے بطور دین اسلام کو پسند کرنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان کا نام مسلمان رکھنا ان کے غیر کے اسلام کے ساتھ موصوف ہونے کی نفی نہیں کرتا اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ فضائل جو دوسروں کو عطا فرمائے اس امت پر انعام فرمانے کی خبر دی ہے۔

کہا گیا کہ اسلام کا لفظ اس امت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی بولا گیا ہے کیونکہ یہ لفظ تمام ادیان حق کا لغوی اور شرعی نام ہے جس طرح ابن صلاح نے اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت نقل کی آپ نے فرمایا:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ان باتوں سے درگزر فرمایا جو ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہیں جب تک وہ ان کو زبان پر نہ لائیں یا ان پر عمل نہ کریں۔ (صحیح بخاری)

پس ہرگز نہ مرنے کا حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ○

(البقرہ: ۳۲)

اور ارشاد خداوندی ہے:

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ○

(الذاریات: ۳۶) نہیں پایا۔

اور اس کے علاوہ بھی دلائل ہیں۔

نیز اسلام کے مقابلے میں ایمان زیادہ خاص ہے جس طرح بہت سے علماء کا مذہب ہے اور وہ اس امت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرام علیہم السلام کا اقرار کرتے ہوئے شریعت میں داخل ہوتا ہے وہ ایمان کی صفت سے موصوف ہوتا ہے جس طرح امام راغب نے فرمایا ہے۔

شریعت امت محمدیہ کا کامل ہونا

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کی شریعت پہلی تمام شریعتوں سے زیادہ کامل ہے اور اس بات کی وضاحت بیان کی محتاج نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو دیکھئے آپ کی شریعت میں جلال اور قہر تھا تو ان کو اپنی جانیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا ان پر چربی اور پنچے والے جانور نیز کئی پاکیزہ چیزیں حرام کی گئیں۔ ان پر مال غنیمت بھی حرام کیا گیا ان کو عذاب دینے میں جلدی کی گئی اور ان پر وہ بوجھ رکھے گئے جو دوسروں پر نہیں رکھے گئے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بہت بڑی ہیبت اور وقار والے تھے اللہ تعالیٰ کے لئے سخت غصے میں آنے والے اور گرفت کرنے والے تھے آپ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو پکڑتے تو کوئی شخص آپ کی طرف دیکھ نہیں سکتا تھا۔ جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیکر جمال تھے اور ان کی شریعت، فضل و احسان کی شریعت تھی آپ لڑائی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی آپ کی شریعت میں جہاد تھا۔ نصاریٰ کے دین میں لڑائی حرام تھی اور وہ لڑائی کی وجہ سے گناہ گار ہو جاتے تھے کیونکہ انجیل میں ہے۔ جو تمہارے دائیں رخسار پر تھپڑ مارے تم بائیں رخسار اس کے آگے کر دو اور جو تم سے کسی کپڑے میں جھگڑا کرے تو اپنی چادر اسے دے دو اور جو تمہیں ایک میل تک لے جانا چاہے تم اس کے ساتھ دو میل تک چلو۔ (متی ۵: ۳۹-۴۱)

اس قسم کے دوسرے احکام ہیں ان کی شریعت میں کوئی مشقت، بوجھ اور بیڑیاں نہیں تھیں۔

لیکن یہ رہبانیت (عمل میں اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا اور دنیا سے قطع تعلق ہو جانا) عیسائیوں نے خود اختیار کی ان پر فرض نہیں کی گئی تھی۔

لیکن ہمارے نبی اکرم ﷺ مظہر کمال تھے آپ اس قوت، عدل، دین کے معاملے میں سختی اور نرمی، مہربانی اور رحمت کے جامع تھے پس آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے کامل آپ کی امت تمام امتوں سے زیادہ کامل اور آپ کے احوال و مقامات تمام احوال و مقامات سے اکمل ہیں۔ اسی لئے آپ کی شریعت میں عدل و انصاف واجب اور فضل و کرم مستحب اور پسندیدہ ہے سختی کے مقام پر سختی اور نرمی کے موقع پر نرمی، جہاں تلوار کی ضرورت ہو وہاں تلوار اور حسن سلوک کے مقام پر حسن سلوک ہے آپ ظلم کا ذکر کر کے اسے حرام قرار دیتے تھے اور انصاف کا ذکر کرتے ہوئے اس کا حکم دیتے ہیں بلکہ بعض

اوقات فضل و کرم کی دعوت دیتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

جَزَاءُ مَسِيئَةٍ مَّسِيئَةٍ وَقُلْتُهَا. (الشوری: ۴۰)

برائی کا بدلہ برائی سے اس کی مثل ہے۔

یہ عدل ہے اور فرمایا:

لَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ.

پس جس نے معاف کیا اور اصلاح کی پس اس کا اجر

(الشوری: ۴۰) اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔

تو یہ فضل ہے اور فرمایا:

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ○ (الشوری: ۴۰)

بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ ظلم کو حرام کرنا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلَنْ عَاقِبَتُمْ لَعَالِيُوا يَمْثِلُ مَا عُوِفْتُمْ بِهِ.

اور اگر تم سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف

(النحل: ۱۲۶) پہنچائی۔

تو یہ عدل کو واجب کرنا اور ظلم کو حرام کرنا ہے۔ اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلَكِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلضَّالِّينَ.

اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر

(النحل: ۱۲۶) ہے۔

اس سے فضل و احسان کی دعوت دی گئی۔

جس طرح اس امت پر بعض کام اس امت کی حفاظت و حمایت کے لئے حرام کئے گئے اسی طرح تمام خبیث اور نقصان دینے والی اشیاء بھی حرام کی گئیں اور ہر پاک اور نفع بخش چیز کو جائز قرار دیا گیا پس اس کا (کسی چیز کو) حرام قرار دینا رحمت کے تحت ہے اور پہلے لوگوں پر جو کچھ حرام کیا گیا وہ ان کے لئے سزا تھی جس طرح پہلے اشارہ کیا گیا۔

اس امت کی ان چیزوں کی طرف رہنمائی کی گئی جن چیزوں سے پہلے لوگ بھٹکے ہوئے تھے ان کو تمام امتوں سے بہتر قرار دیا گیا اور لوگوں کے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا نیز جو خوبیاں دوسروں کو متفرق طور پر دی گئیں اس امت میں جمع کر دی گئیں جس طرح اس امت کے نبی ﷺ میں وہ تمام محاسن جمع کر دیئے گئے جو پہلے انبیاء کرام میں متفرق طور پر تھے ان کی کتاب (قرآن مجید) میں وہ تمام خوبیاں مکمل کر دی گئیں جن کو پہلی کتب میں متفرق طور پر رکھا گیا تھا۔ اور یہی حال آپ کی شریعت مطہرہ کا ہے۔

پس یہ امت ہی مجتبیٰ (منتخب) ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ

اس نے تمہیں چن لیا اور تم پر تمہارے دین میں کوئی

تنگی نہیں رکھی۔

حجۃ. (الحج: ۱۸)

ان کو لوگوں (پہلی امتوں) پر گواہ بنایا اور اس سلسلے میں ان کو رسولوں کی جگہ رکھا گیا جو اپنی امتوں پر گواہ ہوں گے۔ ابن قیم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس امت کا اجتماع اور اجماع کی فضیلت

اس امت کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ امام احمد نے ”اپنی مسند میں“ امام طبرانی نے ”الکبیر میں“ اور ابن ابی خيثمه نے ”اپنی تاریخ میں“ حضرت ابو بصیر غفاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو تو اس نے (میری دعا قبول کر کے) مجھے یہ اعزاز عطا فرمایا۔ (کشف الخفاء ج ۲ ص ۲۸۸ الاسرار المرفوعہ رقم الحدیث: ۸۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۷۹۰۳)

ابن ابی عامر اور طبرانی نے اسے حضرت ابو نائل اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تین چیزوں سے پناہ دی۔ ۱۔ اور ان میں یہ بھی ذکر فرمایا کہ تم گمراہی پر جمع نہیں ہو گے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کا متن مشہور ہے اس کی اسناد اور شواہد مرفوع ہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت زیادہ ہیں۔

ایک فضیلت یہ ہے کہ اس امت کا اجماع حجت اور اختلاف رحمت ہے جب کہ پہلے لوگوں کا اختلاف عذاب تھا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”المدخل میں“ حضرت سلیمان ابن ابی کریمہ سے انہوں نے جویر سے انہوں نے ضحاک سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

واختلاف اصحابی لکم رحمة۔ اور میرے صحابہ کرام کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔

(کشف الخفاء ج ۱ ص ۶۸ المغنی عن حمل الاسناد ج ۱ ص ۲۸ تاریخ دمشق ج ۶ ص ۲۸۵)

جویر نہایت ضعیف راوی ہے اور حضرت ضحاک کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت منقطع ہے۔

اور یہ حدیث جس طرح کہ حضرت شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا لوگوں کی زبانوں پر مشہور حدیث ہے اور ابن حجب نے اسے ”المختصر میں“ قیاس کی بحث میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

اختلاف امتی رحمة للناس۔ میری امت کا اختلاف لوگوں کے لئے رحمت ہے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ اس کے بارے میں سوال زیادہ ہوا اور بہت سے ائمہ نے خیال کیا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے لیکن خطابی نے غریب الحدیث میں ضمنتاً ذکر کیا اور فرمایا کہ اس حدیث پر دو آدمیوں نے اعتراض کیا ایک وہ جو پاگل ہو اور دوسرا وہ جو دین سے بکل گیا اور یہ اسحاق موصلی اور عمرو بن بحر جاحظ ہے ان دونوں نے کہا اگر امت کا اختلاف رحمت ہے تو اتفاق عذاب ہوگا۔ ۲

۱۔ ایک بات یہ کہ تمہارے نبی ﷺ تمہارے خلاف دعا (بددعا) نہیں کریں گے جس سے تم سب ہلاک ہو جاؤ اور اہل باطل اہل حق پر غالب نہیں آئیں گے (اور تیسری بات یہی کہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی)۔ (زرقانی ج ۵ ص ۳۸۹)

۲۔ کیونکہ امت کا احکام میں اختلاف وسعت اور گنجائش کا پیش خیمہ ہے اسی لئے امت کے لئے اجتہاد کی اجازت ہے عقائد میں اختلاف مراد نہیں۔ امام زرقانی فرماتے ہیں حق بات جس پر اہل سنت و جماعت ہیں۔ یہ ہے کہ یہ حدیث احکام میں اختلاف سے متعلق ہے۔

(زرقانی ج ۵ ص ۳۸۹، ۳۹۰)

فرماتے ہیں پھر خطابی ان لوگوں کے رد میں مشغول ہوئے اور اس حدیث کی نسبت میں ان کی کوئی تصریح نہیں پائی گئی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان کے نزدیک اس کی کوئی اصل ہے۔

حضرت لیث بن سعد کی حدیث جو یحییٰ بن سعید سے مروی ہے اس میں ہے کہ اہل علم وسعت والے ہیں اور فتنہ باز ہمیشہ اختلاف کریں گے یہ حلال کہے گا تو وہ حرام کہے گا لیکن ایک دوسرے کو الزام نہیں دیں گے اس بات کی طرف ہمارے شیخ نے ”المقاصد الحسنہ میں“ اشارہ کیا ہے۔

طاعون شہادت ہے

اس امت کا ایک اختصاص یہ ہے کہ ان کے لئے طاعون شہادت اور رحمت کا باعث ہے جبکہ پہلی امتوں پر عذاب تھا اس حدیث کو امام احمد نے اور امام طبرانی نے ”الکبیر میں“ ابو عسیب کی روایت سے نقل کیا جو حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام ہیں اور امام احمد کی روایت کے راوی ثقہ ہیں اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

الطاعون شهادة لامتی و رحمة لهم و طاعون میری امت کے لئے شہادت (کا باعث) و رحمت ہلی الکاملین۔ اور ان کے لئے رحمت ہے اور کافروں پر عذاب ہے۔

(سنن داری ج ۲ ص ۲۰۷، تحف السادة المتقين ج ۶ ص ۳۹۲، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۳۲، تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۸۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۳۳۷)

اچھی شہادت جنت میں دخول کا باعث ہے

اس امت کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ جب ان میں سے دو آدمی کسی شخص کی بھلائی کی شہادت دیں تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ ۱۔ جب کہ پہلی امتوں کو یہ اعزاز ایک سو آدمیوں کی شہادت پر ملتا تھا۔ عمل کم اور ثواب زیادہ

اس امت کو حاصل ہونے والی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کا عمل کم اور اجر زیادہ ہے اور عمریں بھی کم ہیں لیکن اول و آخر کا علم دیا گیا اور یہ آخری امت ہے اس لئے پہلی امتوں کی خرابیاں اور شرمندگی ان کے سامنے ظاہر ہوئی لیکن یہ کسی امت کے سامنے شرمندہ نہیں ہیں۔

اسناد کی خصوصیت

ان خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کو سند کا اعزاز دیا گیا اور یہ ایک عمدہ خصوصیت ہے جو اس امت کے خصائص میں سے ہے اور مؤکدہ سنتوں میں منت بالخیر ہے۔

اور ہم نے حضرت ابوالعباس الدغولی کی سند سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت محمد بن جاتم بن مظفر سے سنا وہ

۱۔ امام احمد بخاری اور نسائی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) جس مسلمان آدمی کے لئے

چار آدمی گواہی دیں اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا عرض کیا تمہارا اور ”تمین؟“ فرمایا تمہیں بھی عرض کیا گیا اور ”دو“ فرمایا دو بھی اس سے مقصود اچھے الفاظ میں تعریف کرنا ہے۔

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عزت اور شرف سند کے ذریعے (بھی) عطا فرمایا اور اس سے پہلے کسی امت کے لئے وہ قدیم ہو یا جدید سند (موصول) نہ تھی ان کے ہاتھوں میں کتابیں تھیں اور انہوں نے اپنی کتابوں میں اپنی خبروں کو ملا دیا پس ان کے نزدیک اس بات کی تمیز نہیں تھی کہ تورات اور انجیل میں کیا اتر اور انہوں نے غیر ثقہ لوگوں سے لے کر جو خبریں شامل کی ہیں وہ کون سی ہیں۔

اور یہ امت شریفہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے ذریعے ان کے شرف کو اور زیادہ کرے، حدیث شریف کو ان لوگوں سے لیتے ہیں جو اپنے زمانے میں صدق اور امانت میں معروف ہوتے ہیں اور وہ اپنی مثل لوگوں سے لیتے ہیں حتیٰ کہ ان کی خبریں انتہا کو پہنچ جاتی ہیں۔

پھر وہ اس پر بہت زیادہ بحث کرتے ہیں حتیٰ کہ جو زیادہ یادداشت والا ہے اس کو پہچان لیتے ہیں پھر اس سے کم درجے والا اور اسی طرح زیادہ یاد رکھنے والے لوگ اسی ترتیب سے، نیز جس کو زیادہ صحبت حاصل ہوئی وہ مقدم ہوتا پھر وہ جس کو کم حاضری نصیب ہوئی پھر وہ میں وجوہ سے یا اس سے زیادہ طرق سے بھی حدیث لکھتے ہیں حتیٰ کہ اس کو غلطی اور لغزش سے ممتاز کر دیتے ہیں اس کے حروف کو ضبط میں لاتے اور اسے خوب شمار کرتے ہیں تو اس امت پر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے پس ہم اس نعمت اور دوسری نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

ابو حاتم رازی (محمد بن ادريس رازی متوفی ۲۷۷ھ) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا کسی امت میں ایسے امین لوگ نہیں رہے جو رسل عظام کے آچار اور ارشادات کو محفوظ رکھتے ہوں یہ اعزاز صرف اس امت کو حاصل ہے۔ (الاعلام ج ۶ ص ۲۷، تہذیب الجذیب ج ۹ ص ۳۱، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۲، مفتاح السعادة ج ۲ ص ۱۶۹)

اس امت کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کو نسب کی معرفت اور فصیح کلام (کا ملکہ) دیا گیا۔ ابو بکر محمد بن احمد (بغدادی) فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تین ایسی باتوں کے ساتھ خاص کیا جو ان سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں اسناد، معرفت، انساب اور کلام میں فصاحت۔

یہ بات حضرت ابو علی جیانی (حسین بن محمد اندلسی متوفی ۳۹۸ھ) سے بھی مروی ہے۔

(الاعلام ج ۲ ص ۲۵۵، نایات الایمان ج ۱ ص ۱۵۸)

ایک خصوصیت جو اس امت کو عطا کی گئی یہ ہے کہ یہ کتب تصنیف کرتے ہیں۔ یہ بات بعض علماء نے ذکر کی ہے اور ان میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے۔

اس امت میں ابدال کا وجود

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اقطاب، اوتاد، نجباء اور ابدال پائے جاتے ہیں۔ ۱۔

۱۔ صوفیاء کی اصطلاح میں قلب ایک باطنی طیفہ اور اپنے زمانے کا سردار ہوتا ہے چونکہ اس میں تمام مقامات و احوال منع ہوتے ہیں اس لئے اس کو قلب کہا جاتا ہے۔

اوتاد ہر زمانے میں چار ہوتے ہیں وہ انسانوں کے لئے اس طرح ہوتے ہیں جس طرح زمین کے لئے پہاڑ ہیں جو زمین کو ٹھہرائے رکھتے ہیں (وہ میخ یا کیل کو کہا جاتا ہے)۔ نجباء ستر ہیں اور ان کا درجہ نقباء سے اوپر اور ابدال سے کم ہوتا ہے۔ ابدال بدل کی جمع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک فوت ہو جائے تو اس کی جگہ دوسرا آتا ہے (تو یہ تمام صوفیاء کی اصطلاحات اور ان کے مقامات ہیں)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ابدال چالیس مزد اور چالیس عورتیں ہیں جب ایک مرد انتقال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو لے آتا ہے اور جب کوئی عورت فوت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسری عورت کو لے آتا ہے۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۷۶، اتحاف السادة المستعین ج ۸ ص ۳۸۵، کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۵۹۷) یہ حدیث (حسن بن ابی طالب بن محمد بن حسن) خلال نے اپنی تصنیف ”کرامات الاولیاء“ میں نقل کی ہے۔

(الامام بن ۲ ص ۲۱۳، تاریخ بلد اودکشف اللہ عنہ ص ۲۶)

امام طبرانی نے ”الاوسط میں“ ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے چالیس آدمیوں سے خالی نہیں ہوتی ان لوگوں کے وسیلے سے بارش برسی ہے اور ان کے صدقہ سے لوگوں کی مدد کی جاتی ہے ان میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو لے آتا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۳، اتحاف السادة المستعین ج ۸ ص ۳۸۵، الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۳۲۳، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۶۰۳)

ابن عدی نے ”اپنی کامل (الکامل لابن عدی) میں“ ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا کہ ابدال چالیس ہیں بائیس شام میں اور اٹھارہ عراق میں ہیں جب ان میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو لے آتا ہے پس جب اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا تو ان سب کی روح قبض ہو جائے گی پس اس وقت قیامت قائم ہوگی۔

(مجمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۲۰۸۲، اتحاف السادة المستعین ج ۸ ص ۳۸۵، کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۶۳۶۰۹)

اسی طرح امام احمد نے ”مسند میں“ اور الحلال نے بھی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ اس امت میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح کے تین افراد ہیں گے جب ان میں سے ایک فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو لے آئے گا۔ (اتحاف السادة المستعین ج ۸ ص ۹۸۶)

طبرانی الکبیر فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی وجہ سے زمین قائم رہے گی ان کی ذریعے بارش برے گی اور ان کے وسیلے سے لوگوں کی مدد کی جائے گی۔

ابو نعیم نے ”الحلیہ میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا وہ فرماتے ہیں (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا)۔ میری امت کے پسندیدہ لوگ (خیار) ہر صدی میں پانچ سو ہوں گے اور ابدال چالیس ہوں گے نہ پانچ سو میں کمی ہوگی اور نہ چار سو سے کم ہوں گے جب ان میں سے کوئی ایک فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو بدل دے گا اور یہ سب زمین میں ہوں گے۔ (اتحاف السادة المستعین ج ۶ ص ۲۹۳، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۵۹۱)

”حلیہ میں ہی“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ میری امت میں چالیس ایسے آدمی ہمیشہ رہیں گے جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے مطابق ہوں گے ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ زمین والوں کی مصیبتیں دور کرے گا اور ان کو ابدال کہا جائے گا ان کو یہ مقام نماز روزے اور صدقہ کی وجہ سے نہیں ملے گا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! ان کو یہ مقام کس وجہ سے ملے گا؟ فرمایا سخاوت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۳)

(اتحاف السادة المستعین ج ۸ ص ۳۸۶، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۰، کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۶۱۳، ۳۳۶۱۲) حضرت معروف کرخی (معروف بن فیروز کرخی متوفی ۲۰۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص روزانہ یہ کلمات پڑھے:

(الاعلام ج ۷ ص ۲۶۹، فیات الاعیان ج ۲ ص ۱۰۴، مفتاح الصنوع ج ۲ ص ۱۷۹، تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۹۹)

اللَّهُمَّ ارْحَمْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ. یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت پر رحم فرما۔

تو اللہ تعالیٰ اسے ابدال میں لکھ دے گا۔

یہ بات ”الحلیہ میں“ ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ جو شخص ہر دن دس مرتبہ یوں کہے:

اللَّهُمَّ اصْلِحْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ اللَّهُمَّ فَرِّجْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ اللَّهُمَّ ارْحَمْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ. یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت کی اصلاح فرما
یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت کی مشکلات دور کر دے
یا اللہ! حضرت محمد ﷺ کی امت پر رحم فرما۔

تو یہ شخص ابدال میں لکھا جائے گا۔ (الحلیہ الاولیاء ج ۸ ص ۳۶۶)

دوسرے حضرات سے ابدال کے بارے میں مروی ہے کہ ان کی اولاد نہیں۔ ایک مرفوع مفصل (نبی اکرم ﷺ سے مروی وہ حدیث جس کی سند کے درمیان سے دوراوی چھوٹ جائیں) حدیث میں ہے کہ میری امت کے ابدال کی علامت یہ ہے کہ وہ کسی چیز پر کبھی بھی لعنت نہیں بھیجتے۔

حضرت یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابدال، علم والے ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر علم حدیث والا ابدال نہیں تو کون ابدال ہیں؟ ”تاریخ بغداد میں“ الخطیب نے حضرت کتانی (عبد العزیز بن احمد بن محمد بن علی التیمی متوفی ۳۶۶ھ) سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں نقباء تین سو ہیں، نجباء ستر، ابدال چالیس، اخبار سات، الحمد چار اور غوث ایک ہے۔

(الاعلام ج ۳ ص ۱۳، شذرات الذهب ج ۳ ص ۳۳۵)

نقباء کا ٹھکانہ مغرب میں، نجباء کا مصر میں اور ابدال کا شام میں ہے، اخبار زمین میں سیاحت کرتے ہیں، عمد زمین کے کونوں میں ہوتے ہیں اور غوث کا مسکن مکہ مکرمہ ہے۔

پس جب تمام لوگوں کو کسی معاملہ کی حاجت پیش آتی ہے تو اس سلسلے میں نقباء بارگاہ خداوندی میں گزر گزرا کر دعا کرتے ہیں پھر نجباء پھر ابدال پھر اخبار اور پھر عمد اگر ان کی دعا قبول ہو جائے تو ٹھیک در نہ غوث گزر گزرا کر دعا مانگتا ہے۔ ۱۔ اور اس وقت تک سوال مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کی دعا قبول نہ ہو۔

اخروی زندگی سے متعلق خصائص

اس امت کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ یہ اپنی قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوتے ہیں اور گناہوں کے بغیر نکلیں گے جب مؤمن ان کے لئے دعا مانگتے ہیں تو ان کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ امام طبرانی نے ”الوسط میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

میری امت مرحومہ ہے یہ اپنی قبروں میں گناہوں سمیت داخل ہوتے ہیں اور قبروں سے نکلتے ہیں تو ان پر کوئی گناہ

۱۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن کی دعا رو نہیں ہوتی تو یہ حدیث اس کے خلاف نہیں ہے جب کہ یہ ابدال وغیرہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کو ”مستجاب الدعوات“ بنایا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا قبول ضرور ہوتی ہے لیکن اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں کبھی دنیا میں حاجت پوری ہوتی ہے کبھی قیامت کے لئے ذخیرہ ہو جاتی ہے کبھی مؤخر ہوتی ہے۔ (زرقاتی ج ۵ ص ۴۰۱)

نہیں ہوتا کیونکہ مؤمنین ان کے لئے بخشش کی دعا مانگتے ہیں تو گناہ مٹ جاتے ہیں۔

(المعبر ج ۳ ص ۲۳۳ کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۲۹ اتحاف السادة المتقين ج ۹ ص ۷۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۵۳-۳۷۹۰۶) ایک خصوصیت یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ امت تمام امتوں سے پہلے زمین سے نکلے گی۔ ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا آپ نے فرمایا:

وانا اول من تنشق الارض عني وعن امتي
میں وہ پہلا شخص ہوں کہ میرے لئے اور میری امت کے لئے زمین پھٹے گی اور میں یہ بات بطور یقین کہتا ہوں۔

اس امت کا ایک اختصاص یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کو پکارا جائے گا تو وضو کے آثار سے ان کے اعضاء سفید چمکتے ہوں گے۔ جس طرح گھوڑے کا پہرہ اور پاؤں سفید ہوتے ہیں اور اس سے حسن و جمال میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح مسلمانوں کا حسن دوبالا ہوگا۔

تو نبی اکرم ﷺ نے اس نور کو جو قیامت کے دن اعضاء وضو میں ہوگا چمک اور سفیدی کے ساتھ تشبیہ دی تاکہ معلوم ہو کہ انسانی اعضاء میں یہ سفیدی زینت کا باعث ہوگی۔ بدنما نہیں ہوگی مطلب یہ ہے کہ جب ان کو لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا تو اس وصف کے ساتھ بلایا جائے گا۔ یاد وہ اس صفت پر ہوں گے۔

امت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ میدان محشر میں یہ لوگ بلند جگہ پر ہوں گے۔ ابن جریر اور ابن مردودہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

میں اور میری امت نیلے پردوسروں لوگوں سے بلند ہوں گے ہر آدمی چاہے گا کہ وہ ہم میں سے ہو اور جس نبی کو ان کی قوم نے جھٹلایا ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچایا ہے۔ ابن مردودہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا و امتی علی تل.
میری اور میری امت ایک نیلے پر ہوں گے۔ اس امت کی خصوصیات میں یہ خصوصیت بھی شامل ہے کہ ان کی نشانی ان کے چہروں پر بجدوں کے اثرات ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

يَسْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ.
ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے بجدوں کے (الفح: ۲۹) نشان سے۔

اور کیا یہ نشانی دنیا میں ہوگی یا آخر میں؟ تو اس میں دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ نشانی دنیا میں ہوگی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابن ابی طلحہ کی روایت میں فرماتے ہیں:

السمت الحسن.
یہ سکون و وقار ہے۔

حضرت مجاہد کی روایت میں ہے کہ یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ نشانی نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی وقار ہے 'نشانی سے خشوع مراد ہے ایک قول یہ ہے کہ شب بیداری کی وجہ سے ان کے چہرے زرد ہوں گے پس تم ان کو بیمار سمجھو گے لیکن وہ بیمار نہیں ہوں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نشانی آخرت میں ہوگی کہ ان کے چہروں کے وہ حصے جو سجدے میں استعمال ہوتے ہیں قیامت کے دن بہت زیادہ سفید ہوں گے اور اس سے معلوم ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں سجدہ کیا۔
العوفی (عطیہ بن سعد بن حنالاہ) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور حضرت شہر بن حوشب سے روایت کیا کہ ان کے چہروں کے مقامات سجدہ چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔

(الاعلام ج ۳ ص ۸۷، تہذیب المعانی ج ۴ ص ۲۹۹)

عطاء خراسانی (عطاء بن ابی مسلم خراسانی) فرماتے ہیں اس آیت میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو پانچ نمازیں پابندی سے پڑھتے ہیں۔ (الاعلام ج ۴ ص ۲۳۵، شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۹۲)
امت مسلمہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کے نامہ ہائے اعمال ان کے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۹، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۳)

ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کا نور ان کے سامنے چل رہا ہوگا یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کو اس عمل کا ثواب بھی ملتا ہے جو وہ خود کرتے ہیں اور جو ان کے لئے کیا جاتا ہے اس کا ثواب بھی ان کو دیا جاتا ہے جبکہ پہلے لوگوں کے لئے صرف ان کا عمل ہی کارآمد ہوتا تھا۔

سوال: ارشاد خداوندی ہے:

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ
(النجم: ۳۹) کمایا۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو صرف اس کے اپنے اعمال کا ثواب ملتا ہے دوسرے اپنے اعمال کا ایصال ثواب نہیں کر سکتے۔

جواب: اس سوال کے کئی جواب ہیں۔

۱۔ یہ آیت منسوخ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے منسوخ ہونے کا ذکر فرمایا اور اس کی ناسخ یہ آیت کریمہ ہے:
وَالْبَعْثُ لَهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی
ہم نے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیا۔

تو چھوٹے بچے کو باپ کے میزان میں کر دیا اور اللہ تعالیٰ باپ کی سفارش اولاد کے حق میں اور اولاد کی سفارش باپ کے حق میں قبول فرمائے گا۔ اس کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

۲۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں قیامت کے دن دوسری امتوں کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا اور ان کی پہچان اس طرح ہوگی کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے ان کے چہروں پر موجود نشانی سے پہچانوں گا جو خود کے اثرات ہوں گے اور ان کو اس طرح پہچانوں گا کہ ان کے نور ان کے آگے چل رہے ہوں گے۔

اَبَاءُكُمْ وَ اَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ
تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے
کہ ان میں کون تمہارے نفع کے زیادہ قریب ہے۔

۲۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کافروں کے ساتھ خاص ہے جب کہ مسلمان کو دوسروں کے عمل سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔
امام قرطبی فرماتے ہیں اس قول پر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں اور مومن تک دوسروں کے نیک اعمال کا ثواب پہنچتا ہے۔
صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ وَ عَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ
جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس
کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۳، سنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۵۵، سنن دارقطنی ج ۲ ص ۱۹۵، تعلیق التعلیق رقم الحدیث: ۶۹۷، تمہید
ج ۹ ص ۲۸، نصب الراية ج ۲ ص ۳۶۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۸۲۱)
اور جس نے دوسرے کی طرف سے حج کیا ان سے فرمایا:

حَجٌّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حَجٌّ شَبْرَمَةٍ
اپنی طرف سے حج کرو پھر حضرت شبرمہ کی طرف
سے حج کرو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۸۱۱، تمہید ج ۹ ص ۱۳۸، المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۳۳، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۸۲)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی طرف سے اعتکاف
بیشین اور ان کی طرف سے غلام آزاد کیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے تو کیا میں اس کی طرف
سے صدقہ کروں آپ نے فرمایا ہاں (صدقہ کرو) پوچھا کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا پانی پلانا۔ ۱
(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۸۳، سنن نسائی ج ۶ ص ۲۵۲-۲۵۵، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۵-۲۷۶، سنن الکبریٰ ج ۳
ص ۱۸۵، المسند رک ج ۱ ص ۳۱۳، الدر المنثور ج ۳ ص ۹۰، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۷۳)

”موطا میں ہے“ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کی
داوی (حضرت عبداللہ کی داوی) سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ انہوں نے مسجد قباء تک پیدل جانے کی منت مانی
اور اسے پورا نہ کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ وہ ان کی طرف سے چل کر جائیں ۲ (اور ان
کی نذر پوری کریں)۔

۱۔ چونکہ مدینہ طیبہ میں پانی کی اشد ضرورت تھی اس لئے حضور علیہ السلام نے اسے افضل صدقہ قرار دیا، آج ایصالِ ثواب، محافل میلاد اور محافل
نعت کے حوالے سے زرخیر خرچ کیا جاتا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کا مصروف صحیح نہیں اہل سنت کے دینی مدارس اپنی کتب کی اشاعت اور
اس طرح کے اہم کاموں پر روپیہ پیسہ خرچ کر کے فوت شدہ مسلمانوں کی ارواح کو تسکین پہنچانے کی ضرورت ہے۔ ۱۲ ہزار روپی
۲۔ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان تمام واقعات میں اس بات پر دلالت ہے کہ ایک انسان کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔

(زرقانی ج ۵ ص ۴۰۵)

مفسرین میں سے بعض نے کہا کہ اس آیت میں انسان سے مراد ابو جہل ہے بعض نے کہا عقبہ بن ابی معیط مراد ہے بعض نے ولید بن مغیرہ مراد لیا ہے اور کسی مفسر نے کہا کہ ہم سے پہلے کی شریعتوں کے بارے میں خبر دی گئی ہے اور ہماری شریعت میں اس بات پر دلالت موجود ہے کہ انسان کو اپنی کوشش بھی فائدہ دیتی ہے اور دوسروں کے عمل سے بھی اسے فائدہ پہنچتا ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں انسان بھلائی کے لئے کوششیں کرتا ہے اور اچھی مجالس اختیار کرتا ہے تو اچھے دوست مل جاتے ہیں اب وہ ان سے محبت کرتا اور اچھا سلوک کرتا تو اس کے مرنے کے بعد اس کی کوشش کی وجہ سے ان کا ثواب اسے بھی ملتا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں انسان سے زندہ مراد ہے فوت شدہ نہیں، بعض نے کہا کہ آیت میں دوسروں کے عمل سے انسان کو پہنچنے والے نفع کی نفی نہیں بلکہ اس بات کی نفی ہے کہ وہ دوسرے کے عمل کا مالک نہیں بن سکتا اور دونوں باتوں میں فرق ہے۔ زمخشری نے اس آیت کے ضمن میں کہا کہ اگر تم کہو کہ کیا میت کی طرف سے صدقہ اور حج کی احادیث صحیح ہیں تو میں کہوں گا کہ اس کے دو جواب ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ اگر دوسرے کا عمل اسے صرف اپنے عمل کی بنیاد پر نفع دیتا ہو یعنی وہ مؤمن تصدیق کرنے والا ہو تو دوسرے کی کوشش گویا اس کی ذاتی کوشش ہے کیونکہ یہ اس کے تابع اور قائم مقام ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ دوسرے کا عمل اس صورت میں نفع نہیں دیتا جب اس (دوسرے) نے اپنے لئے عمل کیا ہو لیکن جب اس نے اس کے لئے نیت کی ہو تو وہ شرعی طور پر اس کا نائب اور اس کے قائم مقام وکیل ہے۔

اور صحیح جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ:

وَإِنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝

اور انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے کوشش کی۔

(النجم: ۳۹)

عام ہے لیکن اس میں وہ امور خاص ہیں جن کا ذکر جوابات کی صورت میں ہو چکا ہے۔

تلاوت کا ایصال ثواب

اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا قرآن مجید کی قرأت کا ثواب میت تک پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو اکثر حضرات انکار کی طرف مائل ہیں امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے مذہب سے یہی بات مشہور ہے اور حنفیوں کی ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے۔

لیکن اکثر شافعی اور حنفی فرماتے ہیں کہ یہ ثواب پہنچتا ہے امام احمد رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں پہلے انہوں نے فرمایا تھا کہ قبر پر قرآن مجید پڑھنا بدعت ہے بلکہ امام احمد رحمہ اللہ سے یوں منقول ہے کہ صدقہ نماز حج اعتکاف اور تلاوت و ذکر وغیرہ سب کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

شیخ شمس الدین قطان عسقلانی رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا کہ تلاوت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہو یا کوئی اجنبی جس طرح صدقہ دعا اور استغفار کا ثواب بالاتفاق پہنچتا ہے۔

قاضی حسین نے فتویٰ دیا کہ قبر کے سرہانے قرآن مجید پڑھانے کے لئے کسی کو اجرت پر حاصل کرنا بھی جائز ہے جس طرح اذان اور تعلیم قرآن کے لئے کسی کو تنخواہ پر حاصل کیا جاتا ہے۔

لیکن امام رافعی رحمہ اللہ نے فرمایا اور امام نووی رحمہ اللہ نے ان کی اتباع کی کہ اجارہ کی صورت میں نفع کا اجرت پر حاصل کرنے والے (مستاجر) کی طرف لوٹنا شرط ہے تو اس سے نفع اس مستاجر یا اس کی میت کی طرف لوٹنا واجب ہے لیکن مستاجر کو فائدہ نہ ہوگا جب کوئی دوسرا اس کے لئے پڑھے اور مشہور یہ ہے کہ میت کو محض تلاوت کا ثواب نہیں پہنچتا (جب تک دعائے کی جائے) پس اجرت پر حاصل کرنے والے کو اس صورت پر اتارنے کی ضرورت ہے کہ میت کو تلاوت کا ثواب پہنچے۔ تو اس سلسلے میں انہوں نے دو طریقے ذکر کئے ہیں۔

۱۔ تلاوت کے بعد میت کے لئے دعا کی جائے کیونکہ دعا اس تک پہنچتی ہے اور تلاوت کے بعد دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہے اور اس میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔

۲۔ دوسرا طریقہ شیخ عبدالکریم شالوسی (متوفی ۱۳۶۵ھ) نے ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں اگر تلاوت کرنے والا یہ نیت کرے کہ اس تلاوت کا ثواب میت کو پہنچے تو وہ نہیں پہنچے گا لیکن تلاوت کرنے کے بعد اس کا ثواب میت کو ایصال کرے تو یہ اس اجر کے میت کے لئے ہونے کی دعا ہے پس میت کو فائدہ پہنچے گا۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے ”زیادات الروضہ میں“ فرمایا کہ قاضی حسین کے کلام کا ظاہر بتاتا ہے کہ اجارہ مطلقاً صحیح ہے اور یہی مختار ہے کیونکہ تلاوت کا مقام برکت کی جگہ ہے اور رحمت نازل ہوتی ہے اور یہی مقصود ہے جس سے میت کو نفع حاصل ہوتا ہے۔

امام رافعی نے اور ان کی اتباع میں امام نووی رحمہ اللہ نے وصیت کے باب میں فرمایا کہ میت کے سرہانے قرآن مجید کی تلاوت کا جو طریقہ جاری ہے ہم نے ”باب الاجارہ“ میں دو طریقے ذکر کئے ہیں کہ میت تک فائدہ کس طرح پہنچتا ہے؟

اور قاضی ابوالطیب نے ایک تیسرا طریقہ بھی ذکر کیا ہے وہ یہ کہ میت زندہ حاضر کی طرح ہے پس جب تلاوت کرنے والا اسے ثواب کا تحفہ بھیجتا ہے تو اس کے لئے رحمت اور برکت پہنچنے کی امید کی جاسکتی ہے۔

اور شیخ عبدالکریم شالوسی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب تلاوت سے میت کو ثواب پہنچانے کی نیت کرے تو یہ ثواب نہیں پہنچے گا کیونکہ ثواب حاصل ہونے سے پہلے ایصال ہوا اور تلاوت بدنی عبادت ہے جو غیر کی طرف سے نفع نہیں دیتی۔ اور اگر تلاوت کرنے کے بعد حاصل ہونے والے ثواب کو میت کے لئے ایصال کرے تو اس کو فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ ثواب دوسرے کے لئے ایصال ہوا اور میت کو دوسرے کی دعا سے فائدہ پہنچتا ہے۔

لیکن مطلق یہ کہنا کہ دعا میت کو نفع پہنچاتی ہے اس پر بعض حضرات نے اعتراض کیا کہ یہ قبولیت پر موقوف ہے۔ اور ممکن ہے یوں کہا جائے کہ میت کے لئے کی جانے والی دعا قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہے جس طرح علماء کرام نے فرمایا اور یہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت و فضل پر اعتماد ہے۔

امام رافعی اور ان کی اتباع میں امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ (میت کے لئے) صدقہ اور دعا میں وارث اور اجنبی

برابر ہیں امام شافعی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ صدقہ کرنے والے کو بھی ثواب عطا کرے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ صدقہ کرنے والے کو چاہیے کہ وہ صدقہ کرتے وقت اپنے ماں باپ (کے ایصال ثواب) کی نیت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی ثواب پہنچاتا ہے اور اس کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔ ”صاحب العدة“ فرماتے ہیں اگر اپنی زندگی میں کوئی کنواں وغیرہ کھودے یا درخت لگائے یا قرآن مجید وقف کرے یا اس کے مرنے کے بعد کوئی دوسرا یہ کام کرے تو میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

امام رافعی اور امام نووی رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب یہ کام زندہ آدمی کرے تو یہ صدقات جاریہ ہیں ان کا ثواب میت کو پہنچتا ہے جس طرح حدیث شریف میں ہے۔ ۱۔

اور قرآن مجید وقف کرنے کے ساتھ حکم خاص نہیں بلکہ ہر وقف کا ثواب ملتا ہے اس قیاس سے معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا صدقہ ہے لیکن ”التحذیب میں ہے کہ“ دوسرے کی طرف سے قربانی اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتی اسی طرح میت کی طرف سے بھی اس کی وصیت کے بغیر جائز نہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے یا کسی دوسرے صحابی سے مروی ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی طرف سے قربانی کرتے تھے۔ حضرت ابو محمد بن اسحاق سراج رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ستر قربانیاں دی ہیں۔ لیکن تلاوت کا ثواب بارگاہ نبوی میں پیش کرنے سے متعلق کوئی حدیث یا قول صحابی معلوم نہیں اور ایک جماعت نے اس کا انکار کیا جن میں شیخ برہان الدین بن فرکاح بھی شامل ہیں کیونکہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک نے ایسا نہیں کیا۔

لیکن ابن قیم نے ”الروح میں“ کہا کہ متاخرین فقہاء میں سے بعض نے اس کو مستحب قرار دیا اور بعض نے بدعت کہا ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی امت کا کوئی بھی شخص نیکی کرے آپ کو اس کا ثواب ملتا ہے اور عمل کرنے والے کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کا کوئی امتی نیک عمل کرے تو اس کی اصل نبی کریم ﷺ ہیں۔ ”تحقیق النصرۃ میں“ فرمایا کہ مسلمانوں کی تمام نیکیاں اور اعمال صالحہ ہمارے نبی ﷺ کے نامہ عمل میں باقی ہیں اور ان کے اصل ثواب سے اس قدر بڑھ کر ثواب ملتا ہے جس کا شمار اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے کیونکہ ہر ہدایت پانے والے اور عمل کرنے والے کو قیامت تک اجر ملتا رہے گا اور اس کی مثل اجر اس کے شیخ اور اس شیخ کے شیخ کو دو گنا تیسرے شیخ کو چار گنا اور چھوٹے شیخ کو آٹھ گنا ملے گا اسی طرح ہر مرتبہ میں بڑھتا جائے گا اور ان تمام کے اجر کے مطابق حضور علیہ السلام کو ملے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے بزرگوں کو بعد والوں پر فضیلت حاصل ہے اگر نبی اکرم ﷺ کے بعد دس مراتب فرض کئے جائیں تو آپ کے لئے ایک ہزار چوبیس بار کا اجر ہوگا اور اگر دسویں سے گیارہواں ہدایت حاصل کرے تو نبی اکرم ﷺ کا ثواب دو ہزار اڑتالیس ہو جائے گا اسی طرح جب بھی ایک بڑھے گا تو پہلے والا دو گنا ہو جائے گا جس طرح بعض محققین

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مومن کو اس کے مرنے کے بعد جو کچھ اس کے عمل اور نیکیوں سے پہنچتا ہے وہ علم ہے جو اس نے پھیلایا نیک اولاد ہے جو چھوڑ گیا قرآن مجید جو وقف کیا مسجد بنائی اللہ تعالیٰ کے راستے میں کوئی گھر بنایا نہر جاری کی یا اپنے مال سے صحت اور زندگی میں صدقہ کیا

تو مرنے کے بعد اس کا ثواب ملتا ہے۔ (زرقاتی ج ۵ ص ۳۰۸)

نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شاعر یعنی سیدی محمد وفارحمہ اللہ کو جزا عطا فرمائے:

فلا حسن الا من محاسن حسنه ولا محسن الا له حسناته
 ”ہر حسن رسول اکرم ﷺ کے محاسن کا فیض ہے اور ہر نیکی کرنے والے کی نیکی کا ثواب رسول اکرم ﷺ کو ملتا ہے۔“

نبی اکرم ﷺ کے بارے میں معلوم ہے کہ عزت و شرف کے تمام مراتب میں آپ کو کمال حاصل ہے اس کے باوجود آپ کے درجات کی بلندیوں کے لئے جو دعا کی جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہی ہے گویا دعا کرنے والا اس بات کو سامنے رکھتا ہے کہ اس کے معلم کو اس کے ثواب کے برابر ملتا ہے حتیٰ کہ پہلے معلم یعنی حضور علیہ السلام کو اس تمام ثواب کے برابر ملتا ہے۔

کعبۃ اللہ کی زیارت کے وقت جو کہا جاتا ہے کہ یا اللہ اس گھر کے شرف میں اضافہ فرما اور اس کی عظمت کو بڑھا دے تو اس دعا کا فائدہ دعا کرنے والے کو ہوتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں درود شریف کا ہدیہ پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاں آپ کے شرف کو زیادہ فرمائے تو اس دعا کا فائدہ درود شریف پڑھنے والے کو ہوتا ہے یہ بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی۔

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ امت جنت میں تمام امتوں سے پہلے جائے گی۔ امام طبرانی نے ”الاوسط میں“ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حرمت الجنة على الانبياء حتى ادخلوها و
 حرمت على الامم حتى تدخلوها امثي
 جب تک میں داخل نہ ہو جاؤں انبیاء کرام پر جنت۔
 حرام رہے گی اور تمام امتوں پر جنت حرام رہے گی جب
 تک میری امت داخل نہ ہو جائے۔

(تذکرۃ الموضوعات رقم الحدیث: ۲۱۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۴۹)

اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سے ستر ہزار افراد حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے۔

طبرانی نے نیز امام بیہقی نے ”شعب الایمان میں“ نقل کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ میری امت سے ستر ہزار کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کرے گا اور میں نے اس میں اضافہ کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار دیئے۔

(اتحاف السادة المتقين ج ۱۰ ص ۵۶۷، المعجم الکبیر ج ۷ ص ۱۲۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۱۰۳-۳۲۱۰۶)

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اس امت کو وہ خصوصیات حاصل ہیں جو کسی دوسری امت کو حاصل نہیں اور یہ نبی اکرم ﷺ کی عزت و شرف کی وجہ سے ہے۔ اس امت کی فضیلت اور خصائص کی تفصیل کے لئے ایک پوری کتاب بلکہ کئی کتب درکار ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

پانچواں مقصد

اسراء و معراج

نبی اکرم ﷺ کی معراج اور اسراء کی خصوصیات کے ساتھ تخصیص اور مکالمہ مشاہدہ اور بڑی بڑی نشانیوں کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں قرب کے ذریعے آپ کو عطا کیا گیا اعزاز اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر عمومی لطف و کرم۔

بہت بڑی نشانی

جان لو! اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں سعادتوں کی معراجوں میں ترقی عطا فرمائے اور اس کے ذریعے ہمیں کرامات کی جنتوں میں اپنا وصل عطا فرمائے کہ اسراء اور معراج کا واقعہ تمام معجزات میں زیادہ مشہور و واضح دلائل میں زیادہ ظاہر اور قطعی دلائل میں زیادہ مضبوط ہے سب سے زیادہ گچی خبر اور سب سے بڑی نشانی ہے نیز نبی اکرم ﷺ کے عموم کرامات کے ساتھ تخصیص پر سب سے زیادہ مکمل دلائلوں میں سے ہے۔

نقاط اختلاف کی حد بندی

علماء کرام کا اسراء کے بارے میں اختلاف ہے۔

کہ کیا یہ ایک ہی رات میں ایک اسراء تھا؟ کیا یہ بیداری کی حالت میں ہوا یا خواب میں؟ یا یہ دو اسراء تھے جو دو الگ الگ راتوں میں ہوئے ایک مرتبہ روح اور بدن کے ساتھ جاگتے ہوئے اور دوسری مرتبہ نیند کی حالت میں۔

یا یہ صرف روح اور جسم کے ساتھ ہی تھا؟ جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ہوا پھر مسجد اقصیٰ سے عرش تک کا معراج خواب میں ہوا یا یہ چار اسراء تھے؟

اختلاف کا مناقشہ (تفصیل)

جو لوگ خواب میں معراج کے قائل ہیں (اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کا خواب وحی ہوتا ہے) ان کی دلیل یہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي آرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً
لِّلنَّاسِ. (بنی اسرائیل: ۶۱)

اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھایا ہم نے اسے لوگوں کے لئے آزمائش بنایا۔

کیونکہ ”رؤیا“ خواب میں دیکھنے کا مصدر ہے اور آنکھوں سے دیکھنے کے لئے ”رؤیت“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

ابن مالک، حریری اور دوسروں نے اس بات کا انکار کیا جس طرح شیخ بدرالدین زرکشی نے بیان کیا کہ آنکھوں سے دیکھنے کے لئے بھی رویا کا لفظ استعمال ہوتا ہے انہوں نے متنبی کے اس قول کو غلط قرار دیا:

ورویاک احلی فی العیون من الغمض۔
اور تجھے دیکھنا آنکھوں میں غیند سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔

اس کا جواب دیا گیا کہ رات کو واقع ہونے اور جلد پورا ہو جانے کی وجہ سے رویا کہا گیا گویا خواب تھا اور رویا اور رؤیت کا ایک ہی معنی ہے جس طرح قربیٰ اور قربت ایک ہی ہیں۔

اس بات پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس آیت سے متعلق قول دلالت کرتا ہے جیسا کہ ”صحیح بخاری میں ہے کہ“ انہوں نے فرمایا:

ہی رویا عین اریہا صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ۔ یہ آنکھ سے دیکھنا تھا جو اس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا جس رات آپ کو سیر کرائی گئی۔

حضرت سعید بن منصور نے حضرت سفیان سے روایت کرتے ہوئے حدیث کے آخر میں یہ اضافہ فرمایا:

ولیس رویا منام۔ اور یہ خواب میں دیکھنا نہیں تھا۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ کیا دیکھا؟

حضرت سعید بن منصور ہی سے حضرت ابو مالک کے طریق سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ ہے جو بیت المقدس کے راستے میں آپ کو دکھایا گیا۔

تو یہ ان دلائل میں سے ہے جب سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ لفظ رویا حالت بیداری میں آنکھ سے دیکھنے پر بولا جاتا ہے۔ اور یہ ان لوگوں کا رد ہے جنہوں نے متنبی کے قول کو غلط قرار دیا۔

پھر اس آیت کے حوالے سے مفسرین کا اختلاف بھی ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ رویا ہے جس کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے معراج کی رات آپ کو دکھایا۔ حضرت امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رؤیت کی تفسیر لفظ رویا کے ساتھ کی گئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حدیبیہ کے سال کا رویا (دیکھنا) مراد ہے جب آپ نے دیکھا کہ آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو مشرکین نے آپ کو روکا اس سے لوگ آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ واقعہ بدر کو دیکھنا مراد ہے۔

ابن القتیب نے اپنے شیخ ابو العباس القرطبی سے آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔

(الاعلام ج ۱ ص ۱۸۶، فتح الطیب ج ۲ ص ۶۳۳)

صحیح یہ ہے کہ یہ بیداری کی حالت میں آنکھ سے دیکھنا ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر میں امام قرطبی احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی مالکی ہیں فقیہ محدث ہیں اور اسکندریہ میں اترے تھے۔ ۵۷۸ھ میں ولادت ہوئی آپ نے ”المعجم فی شرح مسلم“ تصنیف کی اور صحیح بخاری و مسلم کی تفسیریں ۶۵۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

مشرکین کے مرکز کرنے کے مقامات بتائے۔ تو جو کچھ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کو دکھایا انہوں نے آپ کو دکھایا کہ کون کا فرمر کس جگہ گرے گا؟

قریش نے ایک دوسرے سے سنا تو مذاق کرنے لگے جو لوگ واقعہ معراج کو خواب میں دیکھنا سمجھتے ہیں ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ما فقدت جسده الشريف . میں نے آپ کے جسم مبارک کو گم نہیں پایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات مشاہدہ کی بنیاد پر نہیں فرمائی کیونکہ ان دنوں وہ آپ کی زوجہ نہیں تھیں اور نہ ہی آپ ان لوگوں کی عمر کو پہنچی تھیں جو بات کو یاد رکھتے ہیں یا اسراء (معراج) کی تاریخ میں اختلاف کی صورت میں ابھی تک ان کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی۔

علامہ تفتازانی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے جسم کو روح سے جدا نہیں پایا بلکہ آپ کا جسم اقدس روح کے ساتھ تھا اور معراج شریف جسم اور روح کے مجموعہ کو ہوا۔

جو لوگ جسمانی معراج کے اس طرح قائل ہیں کہ بیت المقدس تک جسم کے ساتھ اور آسمان تک روح کے ساتھ معراج ہوا ان کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى . وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندہ خاص کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک رات کے تھوڑے سے حصے میں (الاسراء: 1) سیر کرائی۔

تو مسجد اقصیٰ کو اسراء کی انتہا قرار دیا جو تعجب خیز واقعہ ہے اسے اپنی قدرت کے ذکر کے ساتھ بیان کیا، نبی اکرم ﷺ کے شرف کے ساتھ آپ کی تعریف کی اور اسراء کے ذریعے جو اعزاز عطا فرمایا اس کو ظاہر کیا۔ یہ حضرات فرماتے ہیں اگر مسجد اقصیٰ سے اوپر کا اسراء بھی جسم کے ساتھ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر بھی فرماتا تا کہ تعریف اچھی طرح ہوتی۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ مسجد اقصیٰ تک کا ذکر قریش کے سوال کی بنیاد پر تھا کہ انہوں نے بیت المقدس کی جو صفت مشاہدہ کی اور اسے پہچانا اس کے ذریعے ان کا امتحان لینا مقصود تھا۔ اور انہیں معلوم تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے کبھی اس طرف سفر نہیں کیا۔

پس آپ نے ان کے علم کے مطابق ان باتوں کا جواب دیا جو آپ نے دیکھی تھیں اور ان کے خلاف جہت قائم ہوئی اور واقعہ اس طرح ہوا اسی لئے انہوں نے آپ سے اس چیز کا سوال نہیں کیا جو کچھ آپ نے آسمان میں دیکھا کیونکہ انہیں آسمان کی معلومات نہ تھیں۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کا اسراء (معراج) دو مرتبہ ہوا ایک بار خواب میں اور دوسری مرتبہ بیداری کی حالت میں۔

امام سیبکی رحمہ اللہ نے اس مذہب کی تصحیح اپنے شیخ قاضی ابوبکر ابن عربی سے نقل کی ہے اور خواب میں معراج ایک

تمہید اور دوسرے معراج کے لئے آسانی پیدا کرنا تھا۔ جس طرح نبوت کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی تاکہ آپ پر نبوت کا معاملہ آسان ہو جائے کیونکہ نبوت ایک عظیم کام ہے جس سے انسانی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے معراج کے معاملے کو خواب کے ذریعے آپ پر آسان کر دیا کیونکہ اس کی ہولناکی عظیم تھی پس بیداری کے عالم میں معراج اسی پہلے والے معراج پر واقع ہوا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندہ پر نری اور ان کے لئے آسانی تھی۔

اس قول کے بعض قائلین نے اس بات کو جائز قرار دیا کہ ہو سکتا ہے کہ خواب کا واقعہ بعثت سے پہلے کا ہو جس طرح حضرت شریک رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں فرمایا:

وذلك قبل ان يوحى اليه. اور یہ واقعہ آپ پر وحی کے نزول سے پہلے کا ہے۔

ان حضرات نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو بھی اپنی تائید میں پیش کیا جس میں آپ نے فرمایا:

نبی اکرم ﷺ کی وحی کا آغاز نیند کی حالت میں سچے خوابوں کے ذریعے ہوا آپ جو خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی پھوٹنے کی طرح سامنے آتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲-۲۵۳، مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۳-۱۵۴)

اس پر بحث ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

جن حضرات نے فرمایا کہ حالت بیداری میں چار مرتبہ اسراء (معراج) ہوا انہوں نے متعدد روایات سے استدلال کیا جو معراج کے بارے میں ہیں کچھ باتیں کسی ایک روایت میں ہیں تو کچھ دوسری میں ایک بات بعض روایات میں نہیں ہے تو دوسری روایات میں مذکور ہے۔

اس موقف کا جواب یہ ہے کہ یہ بات متعدد بار معراج پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ بعض راوی کسی بات کو اس کے معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیتے ہیں یا وہ اسے بھول جاتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص ہر اس روایت کو جو دوسری کے خلاف ہے الگ معراج قرار دیتا ہے اور یوں وہ متعدد معراج ثابت کرتا ہے تو اس کی بات نہایت عجیب اور بعید از عقل ہے اور وہ اس طرف بھاگتا ہے جو بھاگنے کی جگہ نہیں ہے اور اس کو مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ بات اسلاف سے منقول نہیں اور اگر یہ بات ہوتی تو خود نبی کریم ﷺ اپنی امت کو اس کی خبر دیتے اور یہ تکرار اور کثرت منقول ہوتی۔

حضرت عمر بن قاسم، حضرت حصین بن عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں اور یہ روایت امام ترمذی اور امام نسائی رحمہما اللہ نے نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کو سیر کرائی گئی تو آپ کسی نبی کے پاس سے گزرتے تو ان کے ساتھ ایک آدمی ہوتا۔

پس اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو اس میں ان لوگوں کے موقف کی قوت ہے جو متعدد بار معراج کے قائل ہیں اور مدینہ طیبہ میں جو معراج ہوا وہ مکہ مکرمہ والے معراج کے علاوہ ہے۔

”فتح الباری میں فرمایا کہ“ اس مسئلہ میں جو بات قابل تحریر ہے وہ یہ ہے کہ جو معراج مدینہ طیبہ میں ہوا اس میں وہ امور واقع نہیں ہوئے جو مکہ مکرمہ والے معراج میں ہوئے مثلاً آسمانوں کے دروازے کھلوانا، آسمان میں انبیاء کرام سے

ایک ایک کر کے ملاقات کرنا ان سے گفتگو کرنا اور فرضیت نماز سے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کرنا اور تحفیف نماز کا مطالبہ کرنا اور دوسرے امور جو اس سے متعلق ہیں ان امور کے علاوہ بہت سی باتیں ہیں جو دوبارہ ہوئیں ان میں سے بعض مکہ مکرمہ میں اور بعض ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ملاحظہ فرمائیں اور بڑے بڑے امور خواب میں دیکھے۔ واللہ اعلم بعض عارفین فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کو چونتیس مرتبہ معراج ہوا ان میں سے ایک معراج جسمانی تھا اور باقی معراج روحانی تھے جو خواب کی حالت میں ہوئے۔

جمہور کی رائے

حق یہ ہے کہ واقعہ معراج ایک ہی ہے اور آپ کو یہ معراج بیداری کے عالم میں روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوا۔ محدثین فقہاء اور متکلمین میں سے جمہور علماء کا یہی موقف ہے اور صحیح روایات کا ظاہر یہی بات ہے اور اس سے پھرنا مناسب نہیں کیونکہ عقلی طور پر اس سے پھرنے کی کوئی دلیل نہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل تحقیق نے فرمایا کہ قرآن وحدیث اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی روح اور جسم دونوں کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔ قرآن مجید اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا

وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے (خاص) بندے کو

(بنی اسرائیل: ۱) رات کے تھوڑے سے حصے میں سیر کرائی۔

دلیل کی تقریر یہ ہے کہ لفظ ”عبد“ جسم اور روح (کے مجموعہ) کا نام ہے پس لازم ہوا کہ اسراء جسم اور روح دونوں کو حاصل ہوا اور اس معنی پر یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى عَبْدًا إِذَا صَلَّى ۚ

کیا آپ نے اس کو دیکھا جو بندے کو منع کرتا ہے

(العلق: ۹) جب وہ نماز پڑھتا ہے؟

اس میں شک نہیں کہ اس جگہ روح اور جسم کا مجموعہ مراد ہے۔

سورہ جن میں ارشاد خداوندی ہے:

وَأَنذَرْنَا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ (جن: ۱۹)

اور جب اللہ کا بندہ کھڑا ہو کر اسے پکارتا ہے۔

یہاں بھی ”عبد“ سے روح اور جسم کا مجموعہ مراد ہے۔

نیز جمہور نے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے بھی استدلال کیا ہے آپ نے فرمایا:

مجھے سیر کرائی گئی۔

اسری بسی۔

اور افعال میں اصل یہ ہے کہ ان کو بیداری پر محمول کیا جائے حتیٰ کہ کوئی دلیل اس کے خلاف پر دلالت کرے نیز اگر یہ واقعہ خواب میں ہوتا تو اس میں کمزور (ایمان والے) لوگوں کے لئے آزمائش نہ ہوتی اور نہ کندہ بن لوگ اس کو عقل سے بعید سمجھتے۔ علاوہ ازیں جانور ارواح کو نہیں اٹھاتے وہ تو جسموں کو اٹھاتے ہیں اور متواتر روایات سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو براق پر سیر کرائی گئی۔

رات کے وقت معراج کرانے کی حکمت

سوال: رات کے وقت معراج کرانے کی کیا حکمت تھی؟

جواب: رات کو معراج کے لئے خاص کرنے میں حکمت یہ ہے کہ آپ مقام محبت کے ساتھ خاص تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حبیب اور خلیل بنایا اور رات کا وقت محبت کے لئے زیادہ خاص ہے کیونکہ وہ اس میں جمع ہوتے ہیں اور محبوب کی ملاقات رات کے وقت تحقق ہوتی ہے۔

ابن مزیر نے کہا کہ شاید معراج کا واقعہ رات کے ساتھ خاص کرنے میں حکمت یہ تھی کہ ایمان بالغیب میں اضافہ ہو اور کافروں کی آزمائش بڑھ جائے کیونکہ رات کا حال دن کے مقابلے میں زیادہ مخفی ہوتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں اگر دن کو معراج ہوتا تو غیب پر ایمان کے حوالے سے مؤمن کی فضیلت ضائع ہوتی اور بد بخت لوگوں کے لئے آزمائش اور فتنہ کا وقوع نہ ہوتا۔ اہل اشارات کے طریقے پر اس میں ایک اور حکمت بھی ہے جسے علامہ ابن مرزوق نے نقل کیا وہ یہ کہ کہا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے رات کی نشانی کو منادیا اور دن کی نشانی کو دیکھنے والی بنایا تو رات کا دل ٹوٹ گیا تو رات کے وقت حضرت محمد ﷺ کو سیر کرا کے اس کی کوپورا کیا۔

یہ بھی کہا گیا کہ دن نے رات پر سورج کے حوالے سے فخر کا اظہار کیا تو اس سے کہا گیا فخر نہ کرا اگر دنیا کا سورج تجھ میں چمکتا ہے تو عنقریب وجود کا سورج آسمان کی طرف معراج کرے گا۔

اور کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ سراج (چراغ) ہیں اور چراغ رات کو روشن کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

قلت یا سیدی تؤثر اللیل علی بهجة النهار المنیر

قال لا استطیع تغییر رسمی هکذا الرسم فی طلوع البدور

انما زرت فی الظلام لکیما یشرق اللیل من اشعة نوری

”میں نے کہا اے میرے سردار آپ دن کی روشنی اور چمک پر رات کو ترجیح دیتے ہیں تو انہوں نے کہا

میں اپنی رسم کو بدل نہیں سکتا چاندوں کے طلوع میں رسم یہی ہے۔

میں اندھیرے میں ملاقات کرتا ہوں تاکہ میرے نور کی شعاعوں سے رات چمک اٹھے۔“

شب معراج اور شب قدر

سوال: شب معراج اور شب قدر میں سے کونسی رات افضل ہے؟

جواب: شیخ ابوامامہ بن نقاش فرماتے ہیں کہ معراج کی رات نبی اکرم ﷺ کے لئے افضل ہے اور لیلۃ القدر امت کے حق میں افضل ہے کیونکہ ان کے لئے گزشتہ زمانوں کے لوگوں کے اسی سالہ عمل سے اس رات کا عمل بہتر ہے اور شب معراج میں عمل کی فضیلت کے سلسلے میں کوئی صحیح یا ضعیف روایت وارد نہیں ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اسے اپنے صحابہ کرام کے لئے معین نہیں فرمایا اور نہ صحابہ کرام سے کسی صحیح سند کے ساتھ اسی کی تعین ثابت ہے اور اب تک بلکہ قیامت تک اس سلسلے میں کوئی صحیح بات ثابت نہیں اگر کوئی شخص اس سلسلے میں کوئی بات کہتا ہے تو وہ اپنی طرف سے کہتا ہے اس

لئے اس ضمن میں اقوال میں تصادم ہے اور اس میں (عبادت کی فضیلت کے حوالے سے) کوئی بات ثابت نہیں اگر اس کے ساتھ امت کا نفع متعلق ہوتا اگرچہ ایک ذرے کے برابر ہی ہوتا تو ان کے نبی ﷺ ان کے لئے بیان کرتے۔ ۱۔

اسراء آپ کے ساتھ خاص ہے

سوال: کیا نبی اکرم ﷺ کے علاوہ بھی کسی کے لئے اسراء (معراج) واقع ہوا ہے؟
جواب: عارف عبدالعزیز المحمد وی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ جسم کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں حاضری صرف ہمارے نبی ﷺ کو حاصل ہوئی ہے۔

آیت اسراء کی تفسیر

اللہ تعالیٰ نے ”اسری بعبدہ“ (اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو سیر کرائی) فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ سفر پر لے جانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تاکہ معلوم ہو کہ اسراء اللہ تعالیٰ کا ایک تحفہ اور عنایت ہے جو اس صورت میں آپ کو ملا کہ اس سے پہلے آپ کے قلب مبارک میں اس کا تصور اور خیال تک بھی نہیں آیا تھا۔
پھر ”بعبدہ“ میں ”عبدہ“ پر وضاحت کی باء داخل فرمائی تاکہ یہ فائدہ حاصل ہو کہ نبی اکرم ﷺ کی اس سیر میں اللہ تعالیٰ اپنی عنایات، مہربانیوں اور رعایت کے ذریعے آپ کے ساتھ تھا اس پر نبی کریم ﷺ کا یہ قول دلالت کرتا ہے آپ فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفْرِ یا اللہ! سفر میں تو ہی ساتھی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۵۹۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۶، ج ۵ ص ۸۳، المسند رک ج ۲ ص ۹۹، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۵۲، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۴۹، موارد الطمان رقم الحدیث: ۲۳۵۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۶۱۶-۱۷۶۳۶)

اور ارشاد خداوندی:

هُوَ الَّذِیْ یُسِّرُ لَکُمُ الْبَرَّ وَالْبَحْرَ
وہی ذات ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں چلاتی
(الیونس: ۲۲) ہے۔

اور فرمایا:

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔ (الاسراء: ۱)
وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے خاص بندے کو سیر کرائی۔

دونوں آیتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو خصوصی مصاحبت عطا فرمائی عام مخلوق کو نہیں (کیونکہ بعبدہ میں باء مصاحبت کی ہے دوسری آیت میں نہیں ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے اس سیر کے ساتھ لفظ سبحان ذکر فرمایا تاکہ کسی وہم کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے لئے جسم اور تشبیہ ثابت کرنے والوں کے دلوں سے یہ غلط خیال نکل جائے کہ وہ کسی جہت حد اور مکان میں ہے۔

۱۔ جب شب معراج کو نبی اکرم ﷺ کے سفر مبارک کی نسبت سے فضیلت حاصل ہے تو اس رات میں عبادت کی فضیلت میں کیا شک، رہ سکتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

اسی لئے فرمایا:

تاکہ ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں۔

لَتُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا: (الاسراء: ۱)

یعنی وہ عجیب و غریب نشانیاں جو اس رات آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔
گویا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ کو یہ سیر اس لئے کرائی کہ اپنی نشانیاں دکھاؤں یہ بات نہیں کہ میری طرف سیر تھی کیونکہ میں تو کسی مکان میں محدود نہیں ہوں اور تمام مکانات کی نسبت میری طرف ایک جیسی ہے۔
پس کس طرح میں نے ان کو اپنی طرف سیر کرائی حالانکہ میں ان کے ساتھ ہوں اور وہ جہاں بھی ہوں میں ان کے ساتھ ہوں۔

شاعر کو اللہ تعالیٰ جزاء عطا فرمائے کیا خوب کہا ہے:

سبحان من امرى اليه بعدد	سبحان من امرى اليه بعدد
كحضوره فى غيبه وكسكره	كحضوره فى غيبه وكسكره
ويرى الذى عنه تكون سره	ويرى الذى عنه تكون سره
ويريه ما ابدى له من جوده	ويريه ما ابدى له من جوده
سبحانه من سيد ومهيمن	سبحانه من سيد ومهيمن

”وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے خاص بندے کو اپنی طرف سیر کرائی تاکہ ان کو اپنی وہ نشانیاں دکھائے جن کو دوسروں سے پوشیدہ رکھا اس کا غائب ہونا حاضر ہونے کی طرح، صحو میں سکر اور اثبات میں محو ہے۔ اور وہ اس کی پوشیدہ صفت اور غیبت کو دیکھیں اور آپ کو اپنا وہ وجود دکھائے جو آپ کے وجود مسعود کے باعث فرمایا اور وہ سردار محافل اپنی ذات و صفات میں پاک ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے (”اسری“ کو) لیللا کے ساتھ مؤکد کیا حالانکہ اسراء عربی زبان میں رات کی سیر کو ہی کہتے ہیں دن کے سفر کو نہیں کہتے تو اس تاکید کی وجہ یہ بھی کہ اعتراض اٹھ جائے حتیٰ کہ کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ یہ صرف روحانی سیر تھی اور اس شخص کا خیال بھی زائل ہو جائے جس کے نزدیک بعض اوقات دن کی سیر کو بھی اسراء کہتے ہیں قرآن مجید اگر چہ لغت عرب میں نازل ہوا لیکن اس کے ذریعے تمام لوگوں کو خطاب کیا گیا وہ عربی زبان والے ہوں یا نہ۔

امام بیضاوی نے کشف کی اتباع میں فرمایا کہ ”لیللا“ کو نگرہ لانے کا فائدہ اسراء کی مدت کی قلت بتانا ہے اسی لئے ایک قرأت میں ”من اللیل“ ہے (یعنی رات کے بعض حصہ) جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ.

(الاسراء: ۷۹) نماز ہے۔

کسی حالت کے وارد ہونے پر توجہ ادھر مبذول ہو جائے تو یہ سکر ہے پھر اس غیب ہونے والی حالت سے احساس کی طرف رجوع کرنا محو ہے عام عادت والے احکام کا مقام اثبات اور ان اوصاف کا اٹھ جانا محو ہے۔ ۱۲ ہزار دی

القطب نے کشاف پر اپنے حاشیہ میں اس کا تعاقب کیا جیسا کہ الشفاء کے حاشیہ میں ہے۔

مراحل معراج

شب اسراء نبی اکرم ﷺ کو دس معراج ہوئے سات معراج آسمانوں تک آٹھواں سدرۃ المنتہی تک نواں مستویٰ تک یعنی اس مقام تک جہاں تقدیروں کے قلموں کے چلنے کی آوازیں آتی ہیں۔

اور دسواں معراج عرش رفرف دیدار خداوندی بلا واسطہ خطاب اور کشف حقیقی تک۔

اور نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد جو وقت مدینہ طیبہ میں گزارا اس کے سالوں کو معراج شریف سے ایک لطیف مناسبت ہے اسی لئے ہجرت کے یہ سال آپ کے وصال پر مکمل ہوئے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات دار فنا سے دار بقا کی طرف انتقال اور آپ کی روح کریمہ کا سچائی کے مقام سچے وعدے وسیلہ جو بلند مرتبہ ہے تک عروج ہوا جس طرح اسراء کے معراج اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کی بارگاہ مقدسہ میں حاضری پر مکمل ہوئے۔

اسراء سے متعلق تصانیف

امام ذہبی رحمہ اللہ نے بتایا کہ حافظ عبد الغنی نے اسراء سے متعلق تمام احادیث کو دو جلدوں میں جمع کیا ہے لیکن تلاش کے باوجود مجھے یہ کتاب نہ مل سکی۔

شیخ ابواسحاق (ابراہیم) نعمانی رحمہ اللہ نے اسراء اور معراج سے متعلق ایک جامع کتاب لکھی ہے جس میں دقائق و حقائق کا زیادہ بیان ہے اور میں اس مقصد شریف کو لکھتے وقت اس کتاب پر مطلع نہ ہو سکا۔

اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام والحفاظ شہاب ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ پر رحم فرمائے انہوں نے اپنی کتاب ”فتح الباری“ میں حدیث اسراء وغیرہ کے متفرق طرق کو جمع کر دیا ہے اس کے ساتھ ساتھ دقیق فقہی مباحث اور معانی الفاظ کے اسرار کو بھی کھول دیا ہے۔ اور جو شخص بھی نبوی عطیات اور محمدی مناقب کے سلسلے میں کوئی کتاب تصنیف کرتا ہے وہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے باغ ”الشفاء“ سے معارف لطائف چنے اور مشکلات کی بیماریوں سے شفاء حاصل کرتے ہیں جو علاج بیماری سے نجات دے شفاء شریف کو نظر انداز نہیں کر سکتا اور نہ اس سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۷۶)

اللہ تعالیٰ ان پر اور اس امت کے تمام علماء پر اپنی رحمت و رضا کا فیضان فرمائے اور ہمیں ان کے ساتھ اپنی جنت کے درمیان میں ٹھکانہ دے۔

حدیث اسراء کے راوی

حدیث اسراء (حدیث معراج کے راوی) یہ جلیل القدر صحابی و صحابیات ہیں۔

حضرت انس، حضرت ابی بن کعب، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت بریدہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت شداد بن اوس، حضرت صہیب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عمر بن خطاب، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت ابوامامہ، حضرت ابویوب،

۱۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ بات کل نظر ہے کیونکہ تکمیل اس وقت قلت بیان کرنے کے لئے آتی ہے جب وہ چیز قلت و کثرت کو قبول کرے اور رات قلت و کثرت کو قبول نہیں کرتی۔ (زرقاتی ج ۶ ص ۱۲)

حضرت ابوہریرہؓ حضرت ابوذرؓ حضرت ابوسعید خدریؓ حضرت ابوسفیان بن حربؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت عائشہؓ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ حضرت ام ہانیؓ حضرت ام سلمہؓ اور ان کے علاوہ حضرات رضی اللہ عنہم۔

حافظ ابن کثیر کی تفسیر میں جو کچھ ہے وہ کافی وشافی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث معراج پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور زندیق بے دینوں نے اس سے اعراض کیا۔ ارشاد

خداوندی ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفَئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (الصف: ۸)

وہ (کفار) چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نور اپنے منہوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے چاہے کافر برامانیں۔

حدیث اسراء اور امام بخاری رحمہ اللہ

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ حضرت انس بن مالک سے اور وہ حضرت مالک بن صعصعہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے اس رات کا واقعہ بیان کیا جس رات آپ کو سیر کرائی گئی آپ نے فرمایا۔

”اس دوران کہ میں حطیم میں آرام کر رہا تھا بعض اوقات حطیم کی بجائے حجر کا لفظ فرمایا۔ میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک آنے والا آیا پس اس نے یہاں سے یہاں تک شق کیا (چیرا پھاڑا) راوی فرماتے ہیں حضرت جبارود رضی اللہ عنہ میرے پہلو میں تھے میں نے ان سے پوچھا اس سے آپ کی مراد کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا سینے کی ہنسی سے اس کے بالوں تک۔

پھر میرا دل نکالا اس کے بعد سونے کا ایک تھال لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا پس میرے دل کو دھویا گیا پھر اس میں ایمان و حکمت بھر کر دو ہارہ اپنی جگہ رکھ دیا گیا اس کے بعد ایک ہانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا اور وہ سفید رنگ کا تھا۔ حضرت جبارود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابو حمزہ! وہ براق تھا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ہاں“ وہ اپنے پاؤں وہاں رکھتا تھا جہاں نگاہ پہنچتی ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں میں اس پر سوار ہوا پس حضرت جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے حتیٰ کہ آسمان دنیا پر آگئے تو دروازہ کھلوا یا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں کہا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ فرمایا ہاں کہا گیا ان کو خوش آمدید وہ کیا اچھا آنا آئے پس دروازہ کھولا میں وہاں پہنچا تو اس میں حضرت آدم علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں انہیں سلام کریں پس میں نے سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا نیک بیٹے اور نیک نبی کا آنا مبارک ہو۔ پھر مجھے اوپر لے گئے حتیٰ کہ دوسرے آسمان پر آئے تو اسے کھلوا یا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں کہا گیا کہ ان کی طرف بھیجا نیا تھا جواب دیا ہاں کہا گیا ان کا آنا مبارک ہو۔ کیا اچھا آنا ہے پس ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا پس جب میں اندر پہنچا تو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تھے اور وہ دونوں آپس میں خالد زاد ہیں حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں ان دونوں کو سلام کریں میں نے ایک ایک کو سلام کیا تو ان دونوں نے فرمایا نیک بھائی اور نیک

نبی کا آنا مبارک ہو۔

پھر مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے گئے اور دروازہ کھولنے کو کہا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں کہا گیا ان کی طرف پیغام بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں کہا گیا خوش آمدید اچھا آنا آئے پس دروازہ کھولا اور آپ اندر تشریف لے گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں ان کو سلام کہجئے آپ فرماتے ہیں میں نے ان کو سلام کیا پس انہوں نے جواب دیا پھر فرمایا اچھے بھائی اور اچھے نبی کا آنا مبارک ہو۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے اوپر لے گئے حتیٰ کہ چوتھے آسمان پر پہنچا دیا دروازہ کھولنے کو کہا تو پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں کہا گیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں کہا گیا ان کو خوش آمدید اچھا آنا ہوا۔

پس دروازہ کھولا میں اندر داخل ہوا تو وہاں حضرت اور یس علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ حضرت اور یس علیہ السلام ہیں ان کو سلام کریں میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا پھر فرمایا اچھے بھائی اور اچھے نبی کا آنا مبارک ہو۔ پھر وہ مجھے اوپر لے گئے حتیٰ کہ پانچویں آسمان پر پہنچے تو دروازہ کھلوا دیا پوچھا گیا کون ہے؟ جواب دیا جبریل ہوں کہا گیا؟ آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ پوچھا گیا کیا ان کو بلایا گیا؟ فرمایا ہاں کہا گیا ان کو خوش آمدید پس اچھا آنا ہوا۔

آپ فرماتے ہیں جب میں اندر داخل ہوا تو حضرت ہارون علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ حضرت ہارون علیہ السلام ہیں انہیں سلام کہجئے میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا پھر فرمایا صالح بھائی اور صالح نبی کا آنا مبارک ہو۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے چھٹے آسمان پر لے گئے اور دروازہ کھولنے کو کہا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کی طرف کسی کو بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں کہا ان کا آنا مبارک ہو کیا اچھا آنا ہے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں ان کو سلام کریں میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا پھر فرمایا نیک بھائی اور صالح نبی کا آنا مبارک ہو جب میں آگے چلا تو وہ رو پڑے ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں روئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں روتا ہوں کہ میرے بعد ایک نوجوان کو مبعوث کیا گیا کہ میری امت کے مقابلے میں اس کی امت کے لوگ جنت میں زیادہ جائیں گے۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان پر لے گئے انہوں نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا میں جبریل ہوں پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا ہاں انہوں نے فرمایا ان کا آنا مبارک ہو کیا اچھا آنا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام

نے فرمایا یہ آپ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے آپ فرماتے ہیں میں نے سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا ایک بیٹے اور صالح نبی کا آنا مبارک ہو۔

پھر بیت المعمور کو میری طرف اٹھایا گیا اس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر میرے پاس شراب کا ایک برتن دودھ کا ایک برتن اور شہد کا ایک برتن لایا گیا تو میں نے دودھ کو پسند کیا حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔

پھر مجھ پر ہر دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں میں واپس آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا انہوں نے پوچھا آپ کو کس بات کا حکم دیا گیا؟ میں نے کہا ہر دن پچاس نمازیں پڑھنے کا حکم ہوا ہے انہوں نے کہا آپ کی امت یومیہ پچاس نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی اللہ کی قسم میں اس سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور میں نے بنی اسرائیل کا تجربہ کیا ہے پس آپ اپنے رب کے پاس جائیں اور اپنے رب سے اپنی امت کے لئے تخفیف کا سوال کریں میں واپس ہوا تو دس نمازیں مجھ سے اٹھالی گئیں۔

پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف واپس آیا تو انہوں نے پہلے کی طرح کہا چنانچہ دس نمازیں مزید اٹھالی گئیں پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ کر آیا تو انہوں نے وہی بات کہی میں واپس ہوا تو دس نمازیں اٹھادی گئیں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی میں واپس گیا تو مجھے روزانہ دس نمازیں پڑھنے کے لئے کہا گیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی چنانچہ میں واپس لوٹ گیا تو مجھے روزانہ پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا آپ کو کیا حکم ملا؟ میں نے کہا روزانہ پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ کی امت روزانہ پانچ نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی مجھے لوگوں کا تجربہ ہے اور میں نے انہیں کافی آزمایا (اور مشقت اٹھائی) پس آپ واپس جائیں اور اپنی امت کے لئے تخفیف کا سوال کریں آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اس قدر سوال کیا کہ اب مجھے حیا آتی ہے میں راضی ہوں اور تسلیم کرتا ہوں آپ فرماتے ہیں جب میں آگے بڑھا تو ایک آواز دینے والے نے مجھے آواز دی آپ نے اپنا فرض پورا کیا اور اپنے بندوں کے لئے آسانی پیدا کی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۸، تہذیب ج ۸ ص ۳۸، شرح النجاشی ج ۳ ص ۳۷، الدر المنثور ج ۳ ص ۱۴۰، دلائل النبوة ج ۲ ص ۳۷۷، المستنعم ج ۳ ص ۲۶، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۱۳)

کچھ دوسری ہدایات

”صحیح بخاری کی“ ایک اور روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

پس میرے سینے کو کھولا پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا پھر سونے کا ایک تھال لائے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا چنانچہ اس کو میرے سینے میں ڈال کر بند کر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹)

حضرت شریک کی روایت میں ہے۔ فحشا بہ صدرہ و لغادیدہ پس اس سے آپ کا سینہ اور حلق کی رگیں بھر گئیں ”لغادیدہ“ میں لام پر زبر ہے غین نقطہ والی ہے یعنی حلق کی رگیں ”النحایہ میں ہے کہ“ یہ ”لغودودہ“ کی جمع ہے اور

یہ گوشت ہے جو تالو کے پاس ابھرا ہوا ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷)
 حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں شک کیا گیا جس میں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ بعض اوقات فرماتے ہیں کہ میں حجر میں تھا۔ جس طرح حضرت امام احمد نے حضرت عفان سے روایت کیا اس کے الفاظ یہ ہیں اس دوران کہ میں حطیم میں تھا اور بعض اوقات حضرت قتادہ حجر کا ذکر کرتے تھے اور یہاں حطیم سے حجر مراد ہے۔
 امام بخاری رحمہ اللہ نے ”بدء الخلق“ (عنوان) کے تحت ابتدا میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں (کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا):

بينما انا عند البيت . اس دوران کہ میں بیت اللہ شریف کے پاس تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۷)

ان الفاظ میں عموم ہے (کیونکہ یہ حطیم حجر اور بیت اللہ شریف سب پر مشتمل ہیں)۔
 امام زہری نے حضرت انس سے اور انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا:
 فخرج سقف بطني وانا بمكة . میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور میں مکہ مکرمہ میں تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۹۰)

واقدی نے اپنی اسناد سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو شعب ابی طالب سے سیر کرائی گئی۔
 حضرت امام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت جو طبرانی نے نقل کی اس میں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت ان کے گھر میں تھے (فرماتی ہیں) میں نے رات کے وقت آپ کو نہ پایا تو (پوچھنے پر) آپ نے فرمایا بے شک حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے۔

روایات کو جمع کرنا

ان تمام اقوال کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے (جیسا کہ فتح الباری میں ہے) کہ آپ رات کے وقت حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے اور ان کا گھر شعب ابی طالب کے پاس تھا چنانچہ گھر کی چھت کھل گئی۔ اس گھر کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف اس لئے کی گئی کہ آپ وہاں رہائش پذیر تھے پس وہاں سے فرشتہ اتر اور آپ کو گھر سے مسجد کی طرف لے گیا آپ وہاں لیٹے ہوئے تھے اور آپ پر اونگھ کا اثر تھا پھر فرشتہ آپ کو مسجد سے باہر لایا اور براق پر سوار کر دیا۔

امام عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن اسحاق نے حضرت حسن رحمہ اللہ کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور علیہ السلام کے پاس آئے آپ کو مسجد کی طرف لے گئے اور براق پر سوار کر دیا یہ روایت روایات کو اس انداز میں جمع کرنے کی تائید کرتی ہے۔

مکان کی چھت کھلنے میں حکمت

سوال: اگر کہا جائے کہ بیت اللہ شریف کی چھت کیوں کھلی اور وہاں سے فرشتہ کیوں اتر ا وہ دروازے سے کیوں داخل نہیں ہوا حالانکہ ارشاد خداوندی ہے:

والتوا البيوت من ابوابها. اور گھر میں ان کے دروازوں سے آؤ۔
جواب: اس میں حکمت یہ تھی کہ آسمان سے فرشتہ یکبارگی اترے اور اس چھت کے علاوہ کسی چیز پر نہ چڑھے اور یہ فوری طور پر روانگی اور کسی مہلت کے بغیر طلب میں مباخذہ اور تنبیہ تھی اور اس میں نبی اکرم ﷺ کا اعزاز بھی تھا۔
جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اس کے برخلاف تھا اور ان کی کرامت ایک مقررہ وقت میں شرف ہمسکامی میں تھی۔
جب کہ ہمارے نبی کریم ﷺ سے انتظار کی تکلیف کو اٹھایا گیا جس طرح آپ سے عذر پیش کرنے کی تکلیف اٹھائی گئی۔ ۱۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے آقا ﷺ کا مقام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے اس طرح ہے جس طرح مقام مراد مقام مرید کے مقابلے میں ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے مکان کی چھت کا کھولنا آپ کے سینہ اقدس کو کھولنے کی تمہید کے طور پر ہو پس فرشتے نے آپ کو دکھایا کہ آپ کے لئے چھت کو کھولا گیا پھر فوری طور پر چھت باہم مل گئی تو عنقریب پیش آنے والے واقعہ (سینہ مبارکہ کے چاک ہونے) کی کیفیت بتانا مقصود تھا اور ایسی مثال کے ساتھ معاملہ آپ کے قریب کیا جسے آپ نے اپنے گھر میں مشاہدہ کیا یہ آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور صبر کی تلقین تھی۔

حدیث کے بعض نقاط کی وضاحت

حدیث شریف میں ہے کہ آپ لیٹے ہوئے تھے اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نیند اور بیداری کے درمیان والی حالت میں تھے۔
تو یہ ابتدائی حالت پر محمول ہے جب آپ کو مسجد کے دروازے کی طرف لایا گیا اور براق پر سوار کیا گیا تو آپ مسلسل جاگنے کی حالت میں رہے۔

اور حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ کہ ”جب میں بیدار ہوا“ اگر ہم کہیں کہ متعدد واقعات ہیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں ورنہ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ جب مجھے اس حالت سے افاقہ ہوا جس میں میرا دل مشغول تھا اور وہ عالم ملکوت کا مشاہدہ تھا تو میں عالم ذہن کی طرف لوٹا پس اس سے مراد ملکیت سے بشریت کی طرف لوٹنا ہے۔
اور آپ کا فرمانا کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا تو یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ کے پاس تین افراد آئے اور ابھی آپ کی طرف وحی نہیں ہوئی تھی اور آپ مسجد حرام میں آرام فرما تھے ان میں سے پہلے نے کہا یہ کون ہیں؟ درمیان والے نے کہا یہ ان لوگوں میں سے بہترین ہیں ان میں سے آخری نے کہا ان میں سے بہترین انسان کو لے لو اور یہ واقعہ اسی رات کا ہے جو ہم نے ذکر کیا آپ نے ان کو نہ دیکھا حتیٰ کہ وہ دوسری رات آپ کے پاس آئے کہ آپ کا دل دیکھ رہا تھا اور آنکھیں سو رہی تھیں البتہ دل سویا ہوا نہیں تھا۔

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین راتوں کا وعدہ کیا گیا یعنی ان کے ختم ہونے پر اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کرنے کا ان کو ذوالقعدہ کا مہینہ روزہ رکھنے کا حکم دیا جب مہینہ مکمل ہوا تو آپ نے اپنے منہ کی بو کو اچھانہ سمجھتے ہوئے مسواک فرمائی تو اس وجہ سے ان کو مزید دس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا تو اس موقع پر ان کو عذر پیش کرنا پڑا جب کہ حضور ﷺ کو انتہائی زحمت ہوئی نہ نہ رکنی۔ (زر قانی ج ۶ ص ۲۱)

اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے پس انہوں نے آپ سے کلام نہ کیا حتیٰ کہ آپ کو اٹھایا۔

خطابی نے اس بات کا انکار کیا کہ یہ واقعہ وحی سے پہلے کا ہے اسی طرح قاضی عیاض اور امام نووی رحمہما اللہ نے بھی انکار کیا حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے کہ یہ وہم ہیں جن کا علماء کرام نے انکار کیا ہے۔

ان میں سے ایک یہ کہ ”یہ واقعہ وحی سے پہلے کا ہے“ یہ غلط ہے اور اس پر اتفاق نہیں ہے علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ نماز کی فرضیت شب معراج ہوئی ہے پس یہ وحی سے پہلے کیسے ہو سکتا ہے؟
ان لوگوں نے وضاحت کی ہے کہ اس میں حضرت شریک رضی اللہ عنہ مقرر ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تفرّد کا دعویٰ محل نظر ہے کیونکہ حضرت کثیر بن خنیس رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کی ہے جیسا کہ سعید بن یحییٰ بن سعید اموی نے ”کتاب المغازی میں“ اپنے طریق سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ (فرشتوں کے) دو مرتبہ آنے کے درمیان تعیین نہیں ہے پس اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ دوسری مرتبہ آنا وحی کے بعد تھا اور اس وقت اسراء اور معراج واقع ہوا۔ پس جب دونوں مرتبہ آنے کے درمیان ایک مدت ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ مدت ایک رات ہے یا کئی راتیں یا کئی سال۔

اس سے حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں پایا جانے والا اشکال دور ہو گیا اور اس بات پر اتفاق ہوا کہ اسراء (معراج) بیداری کے عالم میں بعثت کے بعد اور ہجرت سے پہلے ہوا اور حضرت خطابی اور دوسرے حضرات کا اس کو برا قرار دینا ساقط ہو گیا کہ حضرت شریک رضی اللہ عنہ نے اپنے اس دعویٰ میں اجماع کی مخالفت کی ہے کہ معراج بعثت سے پہلے ہوا۔ سب سے زیادہ قوی بات جس سے استدلال کیا جاسکتا ہے یہ ہے کہ معراج بعثت کے بعد ہوا حدیث شریف میں ”نفسہ“ کا لفظ ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے آسمان کے دربان سے کہا جب اس نے پوچھا کیا بھیجا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا ہاں یہ اس بات میں ظاہر ہے کہ معراج کا واقعہ بعثت کے بعد ہوا۔

طبرانی نے حضرت میمون بن سیاہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام آئے اور انہوں نے کہا ان میں سے کون؟ اور قریش کعبہ شریف کے گرد سوئے ہوئے تھے انہوں (حضرت جبریل علیہ السلام) نے کہا کہ ہمیں ان کے سردار کے بارے میں حکم دیا گیا ہے پھر وہ دونوں چلے گئے پھر آپ کے پاس حاضر ہوئے تو تین تھے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے کسی کہنے والے سے سنا وہ کہہ رہا تھا ان دونوں کے درمیان تین میں سے ایک ہے پس میرے پاس آیا اور مجھے لے گیا اور دو مردوں سے حضرت حمزہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ان دونوں کے درمیان آرام فرماتے تھے۔

”فقد“ قاف اور دال مشددہ کے ساتھ ہے اس کا معنی لمبائی میں چیرنا ہے۔

”من ثغرة“ ثناء پر پیش اور نین ساکن ہے۔

”الی شعرة“ شین کے نیچے زیر ہے یعنی زیر ناف بال۔

”صحیح مسلم کی“ ایک روایت میں ہے کہ طعن مبارک کے نیچے تک۔

”صحیح بخاری کی“ روایت میں پیٹ کی کھال تک۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت جو امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے سینہ مبارک سے حلق مبارک تک کے درمیان کا حصہ شق کیا۔

معراج سے پہلے شق صدر

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء میں“ اسراء کی رات سینہ مبارک کے شق ہونے کا انکار کیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ آپ کی بعثت سے پہلے، بچپن میں اس وقت پیش آیا جب آپ بنو سعد میں (حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس) تھے لیکن اس کا انکار نہیں ہو سکتا جیسا کہ حافظ ابو الفضل عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ متواتر روایات سے ثابت ہے کہ بعثت کے وقت بھی آپ کا سینہ مبارک شق کیا گیا جیسا کہ ابو نعیم نے ”الدلائل میں“ نقل کیا اور ہر بار شق میں الگ حکمت تھی۔

پہلی بار شق صدر کی حکمت

آپ کے قلب مبارک میں جو زائد حصہ تھا اس کو نکالنے کے لئے شق صدر ہوا جس طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا خون کا ایک ٹکڑا نکالا اور فرمایا یہ آپ کے جسم میں شیطان کا حصہ تھا اور یہ بچپن کی بات ہے پس آپ شیطان سے محفوظ ہو کر نہایت کامل حالت میں پروان چڑھے اور شاید یہ شق صدر آپ کے قرین (ہمزاد) کے اسلام کا سبب تھا جیسا کہ امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔^۱ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس شیطان کے حصے کی طرف اشارہ ہو جو اس کے خلاف تھا جیسے عفریت شیطان کہ وہ آپ کی نماز میں خلل ڈالنا چاہتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر قدرت عطا کی۔

دوسری بار شق صدر کی حکمت

بعثت کے وقت شق صدر کی حکمت یہ تھی کہ آپ کو زیادہ اعزاز عطا کیا جائے اور جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے اسے قوی دل کے ساتھ پاکیزگی کے نہایت کامل حال کے ساتھ قبول کریں۔

تیسری بار شق صدر کی حکمت

آسمانوں کی طرف عروج کا ارادہ کرتے وقت آپ کے شق صدر کی وجہ یہ تھی کہ آپ ملائعہ اعلیٰ (بلند مرتبہ فرشتوں) تک جانے کے لیے تیار ہو جائیں بلند و بالا مقام پر قائم رہیں اور اسماء حسنیٰ کی تجلیات کے لئے قوت حاصل ہو۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایسی تیاری نہیں ہوئی کیونکہ آپ کو یدار خداوندی نہیں ہوا اور جن تجلیات کے سامنے پہاڑ نہ ٹھہر سکا ان کے سامنے کوئی انسان کیسے ٹھہر سکتا ہے؟

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس دھونے میں حکمت تیسری مرتبہ دھونے کے ذریعے کمال حاصل کرنا ہو جس طرح شریعت میں (تین بار اعضاء وضو کو دھونا) ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام پر دو خصلتوں میں فضیلت دی گئی یہ شیطان کا فرقا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد کی چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا راوی فرماتے ہیں وہ میری بات میں بھول گیا ہوں۔

پھر یہ تمام امور مثلاً شق صدر دل کا باہر نکالنا وغیرہ امور جو عادت کے خلاف امور ہیں ان کو ماننا ضروری ہے ان کو حقیقت سے نہیں پھیرنا چاہیے (یعنی حقیقی مفہوم مراد لیا جائے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کوئی بات محال نہیں ہے۔ حضرت عارف ابن ابی حجرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ کوئی ممکن کام اللہ تعالیٰ کی قدرت کو عاجز نہیں کر سکتا اور یہ کسی چیز کے عدم اور وجود پر موقوف نہیں اور نہ ہی یہ عادت کے ساتھ مربوط ہے (بلکہ عام عادت کے خلاف بھی اللہ تعالیٰ ظاہر کر سکتا ہے) البتہ جہاں اس کی قدرت چاہے وہاں ایسا ہوتا ہے کیونکہ عادت تو یہ ہے اور یہ بات معروف ہے کہ جب کسی انسان کا پیٹ چاک کیا جائے اور دل زخمی ہو جائے تو وہ مر جاتا ہے زندہ نہیں رہتا اور نبی اکرم ﷺ کا بطن اطہر چاک ہوا حتیٰ کہ قلب اقدس نکال کر دھویا گیا۔

اسی طرح بچپن میں آپ کا پیٹ مبارک چاک کیا گیا قلب اقدس شق کیا گیا اور اس سے شیطان کا (ٹھیس پہنچانے والا) حصہ نکال دیا گیا اور یہ بات معلوم ہے کہ جب زخم دل تک پہنچ جائے تو وہ شخص مر جاتا ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کا بطن اقدس دومرتبہ چاک ہوا اس کے باوجود آپ کو تکلیف نہیں ہوئی اور نہ وصال ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ عادت کے مطابق جو کچھ ہوتا ہے مثلاً موت کا واقع ہونا وہ آپ پر اثر انداز نہ ہو پس اس قانون اور عادت کو (یہاں) باطل کر دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا لیکن آگ نے آپ کو جلایا نہیں بلکہ وہ آپ پر ٹھنڈک اور سلامتی بن گئی۔

شق صدر پر صبر

نبی اکرم ﷺ کے شق صدر سے آپ کو مزید اعزاز یوں حاصل ہوا کہ آپ نے اس پر صبر فرمایا اور یہ اسی قسم کی فضیلت ہے جو حضرت اسماعیل ذبیح علیہ السلام کو حاصل ہوئی کہ آپ نے ذبح کے مقدمات مثلاً باندھا جانا اور پیشانی کے بل لٹایا جانا نیز آپ کے مبارک گلے پر چھری کا پھیرنا وغیرہ امور پر آپ نے صبر کیا ارشاد خداوندی ہے:

مَسْجِدِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے صبر پر یہ اعزاز عطا کیا کہ آپ کی تعریف ہمیشہ کے لئے جاری کر دی۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کا شق صدر پر صبر کرنا بہت مشکل اور عظیم تھا کیونکہ وہ مقدمات تھے اور یہ نتیجہ تھا وہ محض پیش کرنا تھا یہ حقیقت تھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا حلق مبارک قتل گاہ تھی اور آپ کو صرف صورت قتل پیش آئی قتل کا عمل نہیں ہوا جب کہ ہمارے نبی ﷺ کا شق صدر پھر قلب اقدس کا نکالنا پھر اسے شق کرنا پھر اسی طرح مختلف عمل بار بار کا ذبح ہونا ہے لیکن آپ کی زندگی کے باقی رہنے سے قانون پر عمل رک گیا پس یہ آزمائش حضرت ذبیح اللہ کی آزمائش سے زیادہ بڑی تھی۔

سوال: صبر تو تب ہوتا جب وہاں مشقت ہوتی لیکن جب آپ کی زندگی کو باقی رکھنے کے حوالے سے عادت کے خلاف عمل ہوا تو تکالیف اور مشقت کے برداشت کرنے میں بھی عادت بدل گئی۔

جواب: شق صدر والی حدیث میں آیا ہے کہ آپ آگے بڑھے اور آپ کا رنگ زرد ہو گیا (منفتح اللون کے الفاظ ہیں یا

ممتنع اللون کے) اس کا معنی یہ ہے کہ میاں لا رنگ ہو گیا اور یہ فوت ہونے والوں کے رنگ کے مشابہ ہے پس یہ آپ کے مشقت برداشت کرنے پر بلکہ انتہائی مشقت پر دلالت ہے۔

ابن جوزی نے جو کہا ہے کہ آپ کا شق صدر ہوا لیکن آپ کسی مشقت میں مبتلا نہ ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس شخص کی طرح صبر کیا جو مشقت کو خیال میں نہیں لاتا۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی یہ آزمائش عمر کے اعتبار سے بھی تھی کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے دودھ چھوڑنے کے بعد فوری طور پر یہ واقعہ ہوا نیز آزمائش کا ایک پہلو یہ تھا کہ آپ اپنی والدہ ماجدہ سے الگ تھے اور باپ کی طرف سے یتیم تھے۔ آپ کو بچوں میں سے لے جایا گیا اور وہ عمل (شق صدر والا) ہوتا کہ مستقبل میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ آپ کے لئے آسان ہو جائے اور صبر پر آپ کو بہت بڑی عزت حاصل ہو اس لئے جب آپ کو زخمی کیا گیا اور آپ کے سامنے کے دانت مبارک شہید ہوئے تو آپ نے (بدلہ لینے کی بجائے) یوں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یا اللہ! میری قوم کو بخش دے بے شک یہ قوم علم نہیں رکھتی۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۴۱، مشکل لا تار ج ۳ ص ۱۸۹، المغنی ج ۱ ص ۳۱۳، ج ۳ ص ۶۸-۶۸۳، الدر المنثور ج ۳ ص ۹۵، المعجم الکبیر ج ۶ ص ۱۳۶، اتحاف السادة المتعلمین ج ۵ ص ۵۴، ج ۷ ص ۹۳، الشفاء ج ۱ ص ۱۰۵، دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۱۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۸۸۳-۳۵۵۶۳)

اللہ تعالیٰ آپ کے شرف کو مزید بڑھائے۔

سونے کے تھال میں دھونا

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”پھر میرے پاس سونے کا ایک تھال لایا گیا“ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دھونے کے برتنوں میں یہ زیادہ مشہور تھا۔

سوال: نبی اکرم ﷺ کی شریعت میں سونے کا استعمال حرام ہے تو یہاں سونے کا تھال کیسے استعمال کیا گیا؟
جواب: عارف ابن ابی جرہ نے جواب دیا کہ سونے کا استعمال اس دنیا میں نفع حاصل کرنے کے اعتبار سے حرام ہے جب کہ آخرت میں یہ خالص مومنوں کے لئے ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

هو لهم في الدنيا وهو لنا في الآخرة۔ یہ (سونا) ان (کفار) کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں صرف ہمارے لئے ہے۔

وہ فرماتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ یہ تھال نبی اکرم ﷺ نے استعمال نہیں فرمایا بلکہ آپ کے علاوہ (یعنی فرشتے) اسے لائے اور اس میں جو کچھ تھا انہوں نے ہی اسے استعمال کر کے آپ کے قلب مبارک میں رکھا پس اس مبارک تھال کو لانا اور اس کا سونے کا ہونا مقام کی بلندی پر دلالت کرتا ہے پس دلیل کے ساتھ تعارض دور ہو گیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ صرف اتنا کافی نہیں کہ اسے استعمال کرنے والی مخلوق وہ تھی جن پر یہ حرام نہیں یعنی وہ فرشتے تھے اس لئے کہ اگر آپ پر سونا حرام تھا تو اس بات سے اپنے آپ کو بچاتے کہ کوئی

دوسرے آپ کے جسم سے متعلق امور میں استعمال کرے۔

یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ اس کے استعمال کی حرمت احوال دنیا کے ساتھ مخصوص ہے اور اس رات جو کچھ ہوا اس میں احوال غیب کا غلبہ تھا پس اسے احوال آخرت سے ملایا جائے گا۔

یا ہو سکتا ہے اس شریعت میں سونے کی حرمت سے پہلے کی بات ہو یہاں چند مناسبات ظاہر ہوتی ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ وہ جنت کے برتنوں میں سے ہے۔

۲۔ اسے نہ آگ کھا سکتی ہے اور نہ مٹی میں گھتا سکتا ہے۔

۳۔ اس کو زنگ نہیں لگتا۔

۴۔ یہ (سونا) تمام جواہر میں سے زیادہ وزنی (قیمتی) ہے پس آپ کے قلب اقدس کے مناسب تھا کیونکہ یہ ان برتنوں میں سے ہے جن کا احوال جنت سے تعلق ہے سونے کو بھی آگ اور مٹی نہیں کھاتی اور زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھانا بھی اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے دلوں کو زنگ نہیں لگتا اور آپ کا قلب مبارک تمام دلوں سے بھاری ہے اور ایک اور مناسبت بھی ہے اور وہ اس میں وحی کا بوجھ ہے۔

میں کہتا ہوں حضرت امام ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ قول کہ شاید یہ بات اس شریعت میں سونے کے حرام قرار دیئے جانے سے پہلے کی ہو۔

تو امام ابن حجر نے اپنی کتاب ”فتح الباری“ میں بیان نماز کے آغاز میں واضح کیا کہ مدینہ طیبہ میں سونے کی حرمت کا حکم آیا۔

امام سیبلی اور ابن دحیہ نے فرمایا کہ اگر لفظ ”ذہب“ (سونا) کو دیکھا جائے تو آپ سے ناپاکی کو دور کرنے کے اعتبار سے یہ زیادہ مناسب ہے اور اس لئے بھی کہ آپ اپنے رب کی طرف جارہے تھے اور ”ذہب“ کا معنی ہے ”وہ گیا“ اور اگر اس کے معنی کو دیکھا جائے تو اس کی چمک اور صفائی کی وجہ سے مناسبت ہے (کیونکہ وحی کا بھی یہی حال ہے)۔

کیا معانی کا مجسم ہونا جائز ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تھا ”حکمت و ایمان سے بھرا ہوا تھا“ تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس تھاں میں کوئی چیز رکھی گئی تھی جس کے ذریعے ایمان و حکمت کا کمال حاصل ہوا پس اس کو مجازی طور پر ایمان و حکمت قرار دیا گیا۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ قول اپنی حقیقت پر ہوا اور معانی کا مجسم ہونا جائز ہو جس طرح سورہ بقرہ قیامت کے دن سائبان کی طرح اور موت مینڈھے کی صورت میں ہوگی اسی طرح اعمال کا وزن کرنا اور دوسرے احوال غیب ہیں۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا شاید یہ مثال دینے کے طور پر ہو کیونکہ معانی کی تمثیل اکثر واقع ہوتی ہے جیسا کہ جنت اور جہنم کو دیوار پر نبی اکرم ﷺ کے سامنے رکھا گیا اور اس کا فائدہ معنوی چیز کو محسوس کے ساتھ واضح کرنا ہے۔

عارف ابن ابی حمزہ فرماتے ہیں اس میں اس بات پر دلیل پائی جاتی ہے کہ ایمان و حکمت جو اہر محسوسات میں سے ہیں معانی نہیں ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے تھاں کے بارے میں فرمایا کہ آپ کے پاس وہ ایمان و حکمت سے بھرا ہوا لایا

گیا اور خطاب اسی چیز سے متعلق ہوتا ہے جو سمجھ میں آئے اور معروف ہو اور معانی کے جسم نہیں ہوتے کہ ان سے کوئی چیز بھر جائے برتن تو جسم والی چیز اور جواہر سے بھرتے ہیں اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اس بات کی وضاحت ہے کہ متکلمین کا یہ قول صحیح نہیں کہ حکمت و ایمان عرض ہیں۔ ۱۔

حدیث اور متکلمین کے قول کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ مخلوقات میں سے وہ چیزیں جن کا حواس اور اک نہیں کر سکتے اور نہ کسی نبی نے ان کی حقیقت کی خبر دی ہو ان کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکتے اور نہ وہ ثابت ہیں یہ محض غلط ظن ہے کیونکہ اہل عقل جن کو تائید خداوندی سے توفیق حاصل ہے وہ اس بات پر متفق ہیں کہ عقل کی ایک حد ہے جہاں وہ ٹھہر جاتی ہے اور اس سے آگے نہیں بڑھتی اور نہ اس کی طاقت رکھتی ہے۔

تو متکلمین نے اس قسم کے مسائل میں ان اعراض کو پیش نظر رکھا جو ان کے سامنے ظاہر ہوئے اور ان کا ان جواہر سے تعلق ہے جن کے بارے میں شارع علیہ السلام نے حدیث میں ذکر فرمایا اور عقل کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ وہ اس حقیقت تک پہنچ سکے جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے خبر دی تو ان دونوں کو جمع کرتے ہوئے یوں کہا جائے گا کہ جو کچھ متکلمین نے کہا وہ بھی حق ہے کیونکہ وہ جواہر سے صادر ہوتا ہے اور یہ بات عقل میں آتی ہے اور حقیقت وہ ہے جو حدیث میں ذکر کی گئی۔

اس کی کئی مثالیں ہیں جو متکلمین اور آثار نبوت کے درمیان پائی جاتی ہیں ان تمام مثالوں کو اسی طریقے پر جمع کرنا چاہیے جو ہم نے ذکر کیا یا اس جیسا کوئی طریقہ ہو۔

پھر انہوں نے (ابن ابی جرہ) موت کی مثال چت کبرے مینڈھے کے ساتھ دی پھر اذکار اور تلاوت کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ یہاں (دنیا میں) ظاہر ہوتا ہے وہ معانی ہیں اور قیامت کے دن وہ جواہر اور محسوسات کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور میزان میں جواہر کا وزن ہی ہوگا۔

انہوں نے فرمایا اس میں صوفیاء اصحاب المعاملات ۲ اور اہل تحقیق کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ وہ اپنے دلوں کو اور اپنے بھائیوں کے دلوں کو اسی طرح اپنے ایمان اور اپنے بھائیوں کے ایمان کو اپنی بصیرتوں کے آنکھوں سے جواہر محسوسات کی طرح دیکھتے ہیں۔

ان میں سے بعض اپنے ایمان کو چراغ کی طرح دیکھتے ہیں بعض شمع کی طرح دیکھتے ہیں بعض مشعل کی صورت میں دیکھتے ہیں اور وہ سب سے زیادہ قوی ہے وہ کہتے ہیں کوئی شخص اس وقت تک اہل تحقیق نہیں ہو سکتا جب تک بصیرت کی آنکھ سے اپنے دل کو نہ دیکھے جیسا کہ وہ اپنی ظاہری آنکھ سے اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہے۔ اور وہ ایمان کی کمی زیادتی کو پہچانتا ہے۔

۱۔ جو چیز خود قائم ہوا سے جوہر کہتے ہیں اور جو کسی دوسرے کے ساتھ مل کر قائم ہو جیسے رنگ، علم وغیرہ وہ عرض ہے۔ ۱۲ ہزاروی

۲۔ نفس انسانی کی جب باطن یعنی روح کی طرف توجہ ہو تو تمام حجاب دور ہو جاتے ہیں اسے معاملہ کہتے ہیں اور یہ دس معاملات ہیں۔ رعایت، مراقبہ، حرمت، اخلاص، تہذیب، استقامت، توکل، تفویض، وثوق، (لغہ) اور تسلیم۔ ان منازل کو معاملات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بغیر بندے کا اپنے رب سے معاملہ درست نہیں ہو سکتا۔ ۱۲ ہزاروی (زرقاتی ج ۲ ص ۲۹)

شق صدر کی حکمت

سوال: آپ کے شق صدر اور پھر اس میں ایمان و حکمت کو بھرنے میں کیا حکمت تھی اللہ تعالیٰ اس عمل کے بغیر ایمان و حکمت ڈال دیتا؟

جواب: عارف ابن ابی جرہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایمان و حکمت کی کثرت عطا کی اور اس سے قوت تصدیق مضبوط ہو گئی اور وطن اقدس اور قلب مبارک کو شق کر کے بتایا گیا کہ ہلاکت کے تمام مروجہ طریقوں سے آپ بے خوف ہو گئے پس آپ کو ایمان کی قوت تین طریقوں سے حاصل ہوئی، تصدیق کی قوت، مشاہدہ کی قوت اور تمام ہلاکت خیز طریقوں سے بے خوف ہونا پس اس طرح نبی اکرم ﷺ کے لئے قوت ایمان اور اللہ تعالیٰ کے غیر سے نہ ڈرنے کا وہ کمال حاصل ہو گیا جو مقصود تھا۔

اور اس بات کی طرف ہم نے اشارہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ حال اور قال دونوں اعتبار سے لوگوں سے زیادہ بہادر، مضبوط اور اعلیٰ تھے عالم بالا میں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے خبر دی کہ جب وہ آپ کے ساتھ اپنے مقام (سدرۃ المنتہی) پر پہنچے تو عرض کیا اب آپ ہیں اور آپ کا رب ہے یہ میرا مقام ہے میں اس سے آگے نہیں جاسکتا پس آپ نے (اس قوت کی بنیاد پر) بلا جھک اپنے آپ کو مقام نور میں داخل کر دیا اور بارگاہ خداوندی میں اس طرح حاضر ہوئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ (النجم: ۱۷) آ نکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔
اور اس دنیا میں آپ کی مضبوطی کا عالم یہ تھا کہ گھسان کی لڑائی ہوتی تو آپ اپنی نچر کو دشمن کے سینے میں پہنچا دیتے وہ مسلح ہوتے اور آپ فرماتے:

انا ابن عبد المطلب انا النبی لا کذب۔ میں عبد المطلب کا بیٹا (پوتا ہوں) میں جھوٹا نبی نہیں ہوں۔

پھر آپ کے قلب مقدس کی تطہیر اور اس میں ایمان و حکمت کو ڈالنا اہل سنت و جماعت کے اس عقیدے کی طرف اشارہ ہے کہ عقل اور دوسرے اسباب اور اکات جیسے نظر و فکر کا مرکز دل ہے دماغ نہیں جب کہ معتزلہ اور فلاسفر کا اس میں اختلاف ہے۔

قلب اقدس کو آب زمزم سے دھونے میں حکمت کے سلسلے میں کہا گیا کہ آب زمزم دل کو مضبوط کرتا اور سکون بخشتا ہے۔

حافظ زین عراقی نے کہا کہ معراج کی رات نبی اکرم ﷺ کے قلب اقدس کو آب زمزم سے اس لئے دھویا گیا کہ آپ کو ملکوت (عالم غیب) کو دیکھنے کی قوت حاصل ہو۔

اور شیخ الاسلام اہلبقینی نے نبی اکرم ﷺ کے قلب اقدس کو آب زمزم سے دھوئے جانے سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ آب زمزم کوثر سے افضل ہے وہ فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا قلب مکرم سب سے افضل پانی سے دھویا گیا۔ عارف ابن ابی جرہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”ہیجۃ النفوس“ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا

ہے۔

کیا قلب اقدس دھویا گیا یا سینہ مبارکہ؟

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی ”فغسل صدی“ (میرا سینہ دھویا گیا) سے بظاہر قلب اقدس مراد ہے جس طرح دوسری روایت میں ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہر روایت کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے اور دونوں کو جمع کرتے ہوئے کہا جائے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ سینہ مبارکہ کے دھوئے جانے کی خبر دی اور دل کا ذکر بالکل نہیں کیا۔ اور دوسری بار دل کے دھونے کی خبر دی اور سینہ مبارکہ کا ذکر بالکل نہیں کیا پس دونوں کو بیک وقت دھویا گیا تاکہ اس مقدس مقام کی پاکیزگی میں مبالغہ ہو۔

اور اس میں شک نہیں کہ یہ محل شریف (قلب اقدس اور سینہ مبارکہ) پہلے بھی پاک اور خوب پاک تھا اور جو بھلائی اس میں ڈالی جائے اس کو قبول کرنے والا تھا پہلی مرتبہ جب آپ کا بچپن تھا اسے دھویا گیا اور اس سے شیطانی حصے کو دور کیا گیا اور یہ آپ کی عظمت کا اظہار اور جو کچھ آپ کے دل میں ڈالا جا رہا تھا اس کیلئے اسے تیار کرنا تھا اور یہی حکمت دوسرے مقامات میں جاری ہے مثلاً ایک آدمی پاک صاف ہے لیکن وہ وضو کرتا ہے کیونکہ اس کے حق میں وضو اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے اور اس سے مناجات کی تیاری کے لئے ہے اسی لئے یہاں آپ کا بطن اقدس دھویا گیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ مَّعَظَمَ شَعَائِرِ اللَّهِ فَلَانَهَا مِنْ تَقْوَى
الْقُلُوبِ۔
اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے اس کا
دل متقی ہے۔

پس نبی اکرم ﷺ کے قلب اقدس کا دھونا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم میں سے ہے اور امت کو عملی اشارہ دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کریں جس طرح بطور قول یہ بات بتائی۔

براق اور معراج

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

پھر میرے پاس ایک چار پایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا اور اس کا رنگ سفید تھا وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں نگاہ پہنچتی ہے پس مجھے اس پر سوار کیا گیا اور حضرت جبریل امین علیہ السلام مجھے لے کر چلے حتیٰ کہ آسمان دنیا تک پہنچے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک اور روایت میں جو نماز کے بیان سے ہے اس طرح ہے کہ پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف لے گئے۔

اس حدیث کا ظاہر بتاتا ہے کہ آپ آسمان تک براق پر ہی رہے تو عارف ابن ابی جرہ نے فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوا میں چلتے تھے حالانکہ عادتاً آدمی ہوا میں نہیں چلتا خصوصاً جب کہ چار پائے پر سوار ہو لیکن جب قدرت کا یہی منشاء ہو تو ایسا ہو جاتا ہے تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین کو پھیلایا کہ وہ اس پر چلتے ہیں اسی طرح وہ ہوا میں بھی چلتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت عادت جاریہ کے ساتھ مربوط (یعنی اس کی پابند)

نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے ان بد بختوں کے بارے میں پوچھا گیا جو قیامت کے دن اپنے چہروں کے بل چلیں گے۔ تو آپ نے فرمایا جو ذات ان کو قدموں پر چلا سکتی ہے وہ قیامت کے دن ان کو چہروں کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔

(اتحاف السادة المتقين ج ۱۰ ص ۳۵۶)

بعض حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ معراج اس رات کے علاوہ ہوا جس رات بیت المقدس تک سیر کرائی گئی کیونکہ اس حدیث میں بیت المقدس کی طرف سیر کرانے کا ذکر نہیں ہے۔

لیکن اس روایت کے علاوہ احادیث میں براق پر معراج کا ذکر نہیں ہے بلکہ معراج یعنی سیرِ صحریٰ کے ذریعے اوپر لے جایا گیا جیسا کہ ابن اسحاق اور بیہقی رحمہما اللہ نے واضح طور پر بیان کیا اور ان شاء اللہ عنقریب اس کا ذکر ہوگا۔

ممکن ہے یوں کہا جائے کہ یہاں راوی نے مختصر بیان کیا ہو اور لفظ ”ثم“ جو تراخی کو چاہتا ہے وہ اس بات کے منافی نہیں کہ اسراء ان دو باتوں کے درمیان واقع ہوا یعنی مسجد حرام سے چلنے اور آسمانوں کی طرف عروج کے درمیان۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض راویوں نے ایک بات ذکر کی جو دوسروں نے ذکر نہیں کی اور حضرت ثابت بنانی نے حدیث کو یاد کیا اور امام مسلم رحمہ اللہ نے ان کی روایت یوں نقل کی کہ نبی اکرم ﷺ بیت المقدس میں تشریف لائے وہاں نماز پڑھی پھر آپ کو آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ عنقریب یہ بحث آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حالتِ سواری میں اسراء کی حکمت

کہا گیا ہے کہ سواری کی حالت میں سیر کرائی گئی حالانکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے زمین کو پیٹ سکتا تھا تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ اس طریقے سے مانوس تھے تو معجزے کے مقام پر یہ عام جاری طریقہ اختیار کیا گیا کیونکہ یہ طریقہ جاری ہے کہ جب کوئی بادشاہ اپنے کسی خاص مہمان کو بلاتا ہے تو اس کے لئے عمدہ سواری بھیجتا ہے تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر آئے بعض اہل اشارہ کے کلام میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ درخت کائنات کے پھل صدف وجود کے موتی اور کلمہ کن کا راز ہیں تو پھل دینے والے کے سامنے اس پھل کا پہنچنا اور بارگاہ خداوندی کے مقربین کا ان کے گرد چکر کاٹنا ضروری تھا تو بادشاہ کے نہایت معزز خادم کو بھیجا گیا جب وہ حاضر ہوا تو آپ کو اپنے بستر پر آرام فرمایا اس نے کہا اے سونے والے! اٹھو تمہارے لئے شیمیں تیار ہیں فرمایا اے جبریل! کہاں جاتا ہے؟ عرض کیا اے محمد! ﷺ یہ سوال چھوڑیں میں قدیم ذات کا نمائندہ ہوں آپ کی طرف بھیجا گیا ہوں کہ آپ کے خدام میں شمار ہوں اے محمد! ﷺ آپ مراد ارادہ ہیں اور سب کچھ آپ کی وجہ سے مراد ہے اور آپ بذات خود اس کی مراد ہیں آپ محبت کے پیالے کا صاف پانی ہیں آپ اس صدف کے موتی ہیں معارف کے سورج اور لطائف کے چاند ہیں۔

یہ مکان آپ کے لئے تیار کیا گیا اور یہ مقام آپ کے وصل کے لئے مختص کیا گیا اور محبت کا پیالہ آپ کے پینے کے لئے تیار کیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے جبریل! کریم نے مجھے اپنی طرف بلایا ہے اس کا کیا ارادہ ہے؟ عرض کیا اس لئے کہ آپ کے سبب سے آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دے۔ فرمایا اے جبریل! یہ تو میرے لئے ہے میرے اہل و

عیال اور بچوں کے لئے کیا ہے؟ فرمایا عنقریب آپ کا رب آپ کو اس قدر عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے آپ نے فرمایا اے جبریل! اب میرا دل خوش ہو گیا اب میں اپنے رب کی طرف جاؤں گا۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد ﷺ مجھے آج رات آپ کے خادم کے طور پر بھیجا گیا اور سواری اس لئے لائی گئی کہ آپ کی عظمت ظاہر ہو کیونکہ بادشاہوں کی عادت ہوتی کہ جب وہ اپنے کسی محبوب کو ملاقات کے لئے بلاتے ہیں یا قریب کی جگہ تک رخصت کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح اس کی عزت و احترام کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو اس کی طرف اپنے خصوصی خادموں کو بھیجتے ہیں کہ وہ اسے لے کر آئیں پس ہم آپ کے پاس بادشاہوں کی اس رسم اور آداب سلوک کے مطابق آئے ہیں پس جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ آپ اللہ تعالیٰ تک قدموں کے ساتھ چل کر پہنچے تو اس نے غلط بات کہی اور جو کہے کہ آپ کے آگے پردہ تھا وہ عطا سے محروم ہوا۔

براق کی وجہ تسمیہ، شکلی اور تیز رفتاری

براق کے خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا سفید جانور ہونے اور گھوڑے کی صورت میں نہ ہونے میں حکمت یہ تھی کہ یہ امن و سلامتی کی سواری ہے لڑائی اور خوف کی نہیں۔

یا اس جانور کے ذریعے تیز جانے کے ساتھ آپ کے معجزہ کو ظاہر کرنا تھا کیونکہ عام طور پر یہ رفتار نہیں ہوتی۔ براق کو براق کہنے کی وجہ سے اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ یہ لفظ ”بریق“ سے بنا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا چونکہ وہ دو رنگوں والا تھا اس لئے بریق کہا گیا جب بکری کی سفید اون میں کچھ سیاہ بال ہوں تو کہا جاتا ہے ”شاة برقاء“ (دو رنگوں والی بکری) بعض نے کہا کہ یہ برق سے بنا ہے (برق بجلی کو کہتے ہیں) اور اس کی وجہ اس کی تیز رفتاری تھی اور ممکن ہے یہ کسی لفظ سے مشتق نہ ہو۔

اور اس کا وصف یوں بیان فرمایا کہ جہاں اس کی نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ ابن مسیر نے کہا کہ جہاں اس کی نگاہ پڑتی تھی وہاں تک کا فاصلہ ایک قدم میں طے کرتا تھا اس بنیاد پر اس نے زمین سے آسمان تک کا فاصلہ ایک قدم میں طے کیا کیونکہ زمین والے کی نگاہ آسمان پر پڑتی ہے پس وہ سب سے اوپر والے آسمان تک سات قدموں میں پہنچا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے ابویعلیٰ اور بزار نے نقل کیا جیسا کہ فتح الباری سے معلوم ہوا کہ جب براق پہاڑ پر آتا تو اپنے پچھلے پاؤں اٹھاتا اور جب اترتا تو اگلے پاؤں اٹھاتا۔

ابن سعد نے واقدی سے ان کی اسناد کے ساتھ نقل کیا کہ اس (براق) کے دو پر تھے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے کسی دوسری کتاب میں یہ بات نہیں دیکھی۔

ثعلبی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے براق کی صفت میں نقل کیا کہ اس کے رخسار انسانی رخساروں کی طرح اس کی کلفی گھوڑے کی کلفی جیسی پاؤں اونٹ کی طرح اس کے کھر اور دم گائے کی طرح تھے اور اس کا سینہ سرخ یا قوت تھا۔

ابن سعد کی روایت جو ”شرف المصطفیٰ میں“ مذکور ہے اس میں یوں ہے کہ اس کی رکاب حضرت جبریل علیہ السلام نے تھام رکھی تھی اور لگام حضرت میکائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۳۵)

حضرت معمر نے حضرت قتادہ اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس براق لایا گیا جس پر آپ نے معراج کیا اس پر زین بھی تھی اور لگام بھی ڈالی ہوئی تھی براق نے اپنے اوپر سوار ہونا مشکل بنا دیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا تو اس طرح کیوں کر رہا ہے؟ تجھ پر سوار ہونے والی شخصیت سے بڑھ کر کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز نہیں ہے فرماتے ہیں یہ سن کر براق پسینے میں ڈوب گیا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۶۶۴ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۳۱)

اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حسن غریب ہے نیز ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔

ابن اسحاق نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا کہ جب اس (براق) نے انکار کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کی کلفی پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کیا تجھے حیا نہیں آتا اور اس کی مثل ذکر کیا لیکن یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔

دویمہ کی روایت جسے ابن اسحاق نے نقل کیا کہ وہ مطیع ہو گیا حتیٰ کہ زمین کے ساتھ مل گیا اور میں اس پر سوار ہو گیا امام نسائی اور ابن مردویہ نے یزید بن ابی مالک کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح موصولاً (جس میں کوئی راوی نہ چھوٹے) روایت کرتے ہیں اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ یہ براق آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بھی مسخر ہوتا تھا ابن اسحاق نے ابوسعید کی روایت سے اس کی مثل نقل کیا۔

کیا انبیاء کرام علیہم السلام براق پر سوار ہوئے؟

اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ براق انبیاء کرام علیہم السلام کی سواری کے لئے تیار کیا گیا تھا لیکن بعض حضرات مثلاً ابن دجیہ نے اس کا انکار کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام کے اس قول کہ تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر معزز ہو کا مطلب یہ ہے کہ تجھ پر کوئی بھی کبھی بھی سوار نہیں ہوا تو حضور علیہ السلام سے زیادہ معزز کیسے سوار ہوگا پس یہ امری القیس کے اس قول کی طرح ہے:

على لاحب لا يهتدى لمناره لاحب برجس کے منارے کی طرف ہدایت نہیں پائی

جاتی۔

اس سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کا ایک منارہ ہے جس سے رہنمائی حاصل نہیں ہوتی لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا کوئی منارہ نہیں پس اس سے رہنمائی کیسے حاصل ہوتی؟

سبکی نے فرمایا کہ براق پر سوار ہونا اس لئے مشکل ہو گیا تھا کہ عرصہ دراز تک آپ سے پہلے کوئی نبی اس پر سوار نہیں ہوا حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”مختصر العین کے“ مصنف نے فرمایا اور صاحب التحریر نے ان کی اتباع میں کہا کہ انبیاء کرام علیہم السلام براق پر سوار ہوتے تھے وہ فرماتے ہیں یہ بات نقل صحیح کی محتاج ہے اور یہ بات پہلے منقول ہو چکی ہے۔

”فتح الباری میں ہے“ اور نبی اکرم ﷺ کا یہ قول اس کی تائید کرتا ہے کہ میں نے اسے اس حلقہ کے ساتھ باندھا جس کے ساتھ اسے انبیاء کرام علیہم السلام باندھتے تھے۔

غور کیجئے اس میں یہ نہیں ہے کہ میں نے اسے اس حلقہ کے ساتھ باندھا جس کے ساتھ اسے (اس براق کو) پہلے انبیاء کرام باندھتے تھے بلکہ آپ نے صرف انبیاء کرام کے باندھنے کا ذکر کیا (اس براق کا ذکر نہیں کیا) اور یہ نہیں بتایا کہ وہ کس چیز کو باندھتے تھے؟

جیسا کہ ابن منیر نے کہا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ وہ براق کے علاوہ کچھ اور ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے انبیاء کرام کا خود اپنے آپ کو وہاں ٹھہرانا مراد ہو اور یہ عروۃ و ثعلبی (مضبوط ری) کی جنس سے ہو۔
لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں یہ بات صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

اس کے الفاظ اس طرح ہیں (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) میں نے اپنے جانور کو اس حلقہ کے ساتھ باندھا جس کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام باندھا کرتے تھے۔

ابن اسحاق نے معراج کے سلسلے میں حضرت وحمید کی روایت سے نقل کیا کہ براق پر سوار ہونا مشکل ہو گیا اور اس پر انبیاء کرام کی سواری کو ایک عرصہ گزر گیا تھا اور زمانہ فترت میں (جب انبیاء کرام کی آمد بند تھی) کوئی سوار نہ ہوا۔

ابن عساکر کی مغازی میں حضرت زہری کے طریق سے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں براق وہ چار پایہ ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سوار ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ملاقات کے لئے جاتے تھے۔ اس بنیاد پر براق پر سوار ہونا نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں سے نہیں ہے ہاں کہا گیا ہے کہ اس پر اس حالت میں سوار ہونا کہ اس پر زین پڑی ہوئی تھی اور لگام ڈالی گئی تھی نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

براق اپنے اوپر سوار کیوں نہیں ہونے دیتا تھا؟

سوال: براق نے اپنے اوپر سوار ہونا مشکل کیوں بنایا؟

جواب: یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ سے پہلے اس پر کوئی سوار نہیں ہوا تو وہ سواری بننے کے لئے تیار نہ ہوا اور اگر ہم کہیں کہ آپ سے پہلے بھی کوئی سوار ہوا تو زیادہ عرصہ گزرنے کی وجہ سے اس نے ایسا کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا اچھلنا کوئی اس بات پر فخر کی وجہ سے ہو کہ نبی اکرم ﷺ اس پر سوار ہو رہے تھے اور حضرت جبریل علیہ السلام کا یہ قول کہ کیا تو حضرت محمد ﷺ کے لئے سوار ہونا مشکل بنا رہا ہے گویا وہ اس سے بزبان حال یہ کہلوار ہے تھے کہ اس نے انکار کا ارادہ نہیں کیا بلکہ یہ تو نبی اکرم ﷺ کے اس پر سوار ہونے کی وجہ سے ملنے والے اعزاز پر فخر ہے اسی لئے فرمایا کہ وہ پسینے میں ڈوب گیا گویا اس نے زبان حال سے جواب دیا اور سوار کرنے سے انکار سے برأت کا اظہار کیا اور اس جھڑک کی شرمندگی کی وجہ سے اسے پسینہ آ گیا پہاڑ کی حرکت بھی اسی قسم کی تھی حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ٹھہر جاؤ تم پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (دلائل النبوة ج ۶ ص ۳۵۰)

تو پہاڑ کا حرکت کرنا غصے کی وجہ سے نہیں خوشی کی بنیاد پر تھا اسی طرح جب جبریل علیہ السلام نے براق سے فرمایا ٹھہر

۱۔ یعنی جس طرح مضبوطی ری کو تھامنے کا مطلب ری کو پکڑنا نہیں بلکہ صحیح نظر اور مضبوط اور درست رائے سے حق کا دامن تھامنا مراد ہے اسی طرح

انبیاء کرام کا وہاں ٹھہرنا مراد ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۲۷)

جاتھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی اکرم ﷺ سے زیادہ معزز و محترم ہو تو وہ اس ظاہری حرکت سے شرمندہ ہو کر ٹھہر گیا اور خطاب کی طرف متوجہ ہوا تو اسے پسینہ آ جاتی کہ پسینے میں شرابور ہو گیا۔

کیا حضرت جبریل علیہ السلام بھی براق پر سوار ہوئے؟

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس براق لایا گیا تو اس کی پیٹھ پر نبی اکرم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام مسلسل بیٹھے رہے حتیٰ کہ بیت المقدس تک پہنچے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب نہیں کی تو اس بات کا احتمال ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے کہا ہوا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا قول ”هو و جبریل“ (آپ ﷺ اور حضرت جبریل) میں سیر میں رفاقت مراد ہو سوارى میں نہیں۔

ابن دحیہ نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام اس براق کے آگے یا پیچھے تھے یا راستہ دکھانے والے تھے ہم نے اس بات پر اعتماد کیا کیونکہ معراج کا واقعہ نبی اکرم ﷺ کا اعزاز ہے اس لئے اس میں کسی دوسرے کا دخل نہیں ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس پر اس طرح اعتراض کیا کہ صحیح ابن حبان میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہے جس میں یوں آیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو سوار کیا آپ ان کے پیچھے تھے۔

اور حارث نے اپنی مسند میں نقل کیا کہ براق لایا گیا پس آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے سوار کیا گیا اور وہ براق دونوں کو لے کر گیا پس یہ روایت اس بات میں واضح ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ سوار ہوئے۔

اسراء کی رات نبی اکرم ﷺ نے کیا دیکھا؟

اس (مذکورہ بالا) روایت کے علاوہ احادیث میں ان چیزوں کا بیان ہے جو نبی اکرم ﷺ نے معراج کی رات ملاحظہ فرمائیں۔

ان میں سے ایک وہ ہے جو حضرت شہاد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور اسے امام بزار اور طبرانی نے نقل کیا ہے اور امام بیہقی نے اسے ”دلائل النبوة میں“ ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ کو جب سیر کرائی گئی تو آپ کھجوروں والی زمین سے گزرے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اتر کر نماز پڑھئے چنانچہ آپ نے نماز پڑھی انہوں نے کہا آپ نے یثرب کی زمین میں نماز پڑھی ہے پھر ایک سفید زمین سے گزرے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اتر کر نماز پڑھیں پس آپ نے نماز پڑھی انہوں نے عرض کیا آپ نے مدین میں نماز پڑھی ہے پھر بیت اللحم سے گزرے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اتر کر نماز پڑھیں آپ اترے اور نماز پڑھی تو انہوں نے کہا آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت پر نماز پڑھی ہے۔ (دلائل النبوة ج ۲ ص ۳۵۵: تخم الکبیر ج ۷ ص ۳۳۹)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”الدلائل میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام براق لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو براق نے دونوں کان اکٹھے کر لئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا اے براق! رک جا (اور اطاعت کر) اللہ کی قسم! ان جیسی شخصیت تجھ پر سوار نہیں ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ آگے چلے تو راستے کے کنارے پر ایک بڑھیا تھی فرمایا اے جبریل یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا حضور! چلے تو آپ چلے جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا پھر ایک بوڑھا شخص تھا اور وہ راستے سے ہٹا ہوا تھا وہ آپ کو پکارنے لگا اے محمد ﷺ! ادھر آؤ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا حضور چلے پھر آپ ایک جماعت پر گزرے تو ان کو سلام کیا انہوں نے (جواباً) کہا آپ پر سلام ہوا اے اول! آپ پر سلام ہوا اے آخر! آپ پر سلام ہوا اے حاشرا! (قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرنے والے) حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا آپ ان کے سلام کا جواب دیں تو آپ نے جواب دیا (اس کے بعد مکمل حدیث ذکر کی اور اس کے آخر میں ہے)۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ بوڑھی عورت جو راستے کے کنارے پر تھی تو دنیا سے صرف اسی قدر وقت باقی ہے جس قدر اس عورت کی عمر باقی ہے اور جس نے آپ کو بلایا تھا وہ (بوڑھا) شیطان تھا اور وہ عورت دنیا تھی اگر آپ ان دونوں کو جواب دیتے تو آپ کی امت آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتی اور جن لوگوں نے آپ کو سلام کیا وہ حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے۔ (دلائل النبوة ج ۲ ص ۳۶۲)

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے فرمایا کہ اس حدیث کے الفاظ غیر معروف ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ نے ایک کلمہ ذکر کیا یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳۰ سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۰۱ مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۳-۱۳۸ البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۹۶)

اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں کیونکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں پس وہ اپنے دل کی چاہت اور شوق سے عبادت کرتے ہیں یہ بات نہیں کہ ان پر یہ لازم ہے جس طرح جنتی لوگوں کے دلوں میں ذکر الہی کا شوق ڈالا جائے گا ان شاء اللہ حجۃ الوداع کے بیان میں اس بات کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام طبرانی اور امام بزار رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو ایک ہی دن میں بیج بوتے اور فصل کاٹ لیتے جب کانٹے تو فصل دوبارہ اسی طرح ہو جاتی حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں ان کی نیکیاں سات سو گنا تک بڑھ جاتی ہیں اور وہ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بدلہ دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

پھر آپ ایک قوم کے پاس سے گزرے جن کے سر بڑے بڑے پتھروں کے ساتھ کپلے جا رہے تھے جب بھی ان کو پکلا جاتا تو وہ دوبارہ پہلی حالت میں لوٹ آتے اور ان میں کوئی کمی نہ آتی نبی اکرم ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں اے

جبریل! انہوں نے عرض کیا ان کے سرفرض نماز سے بوجھ محسوس کرتے تھے۔

پھر ایک قوم کے پاس تشریف لائے تو ان کی اگلی پچھلی شرمگاہوں پر چیتھڑے تھے وہ جانوروں کی طرح جڑتے تھے وہ خشک کانٹے، تھوہر (کڑوا پھل) اور جہنم میں گرم ہوئے پتھر کھا رہے ہیں آپ نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

پھر ایک جماعت کے پاس تشریف لائے جن کے سامنے ہنڈیا میں پکا ہوا گوشت تھا اور ایک ہنڈیا میں کچا بدبودار گوشت تھا وہ اس کچے بدبودار گوشت کو کھاتے اور کچے ہوئے کو چھوڑ دیتے آپ نے پوچھا اے جبریل یہ کیا ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس حلال پاک عورت ہے لیکن وہ خبیث (فاحشہ) عورت کے پاس جا کر رات گزارتا ہے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی ہے وہ عورت جو اپنے جائز حلال پاکیزہ خاوند کو چھوڑ کر خبیث آدمی کے پاس جاتی اور رات گزارتی ہے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی ہے۔

پھر آپ ایک شخص کے پاس آئے جس نے لکڑیوں کا بہت بڑا گٹھا جمع کر رکھا تھا اور وہ اسے اٹھا نہیں سکتا تھا لیکن مزید لکڑیاں ڈال رہا تھا آپ نے پوچھا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ آپ کی امت کا ایک فرد ہے جس کے ذمہ لوگوں کی امانتیں ہیں اور وہ ان کو ادا کرنے پر قادر نہیں ہے لیکن وہ انہیں اٹھانا چاہتا ہے۔

اس کے بعد آپ ایک ایسی قوم کے پاس تشریف لائے جو لوہے کی قینچیوں سے اپنی زبانوں اور ہونٹوں کو کاٹ رہے تھے جب ان کو کاٹا جاتا وہ دوبارہ اسی طرح ہو جاتے اور ان میں کوئی کمی نہ آتی آپ نے فرمایا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا یہ فتنہ پھیلانے والے خطباء ہیں۔

فرماتے ہیں پھر ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس تشریف لائے جس میں ایک بہت بڑا بتیل نکل رہا تھا وہ بتیل جہاں سے نکلا تھا دوبارہ وہاں داخل ہونا چاہتا تھا لیکن اس کی طاقت نہیں رکھتا تھا آپ نے پوچھا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ وہ شخص ہے جو بہت بڑی بات کرتا ہے پھر اس پر نادم ہوتا ہے لیکن اس کو واپس نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد آپ ایک وادی کے پاس آئے تو اس میں ٹھنڈی خوشگوار ہوا اور کستوری کی خوشبو پائی نیز ایک آواز سنی تو فرمایا اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ جنت کی آواز ہے وہ کہہ رہی ہے اے میرے رب! مجھے وہ چیز عطا فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ میرے بالا خانے (مختلف قسم کے) ریشمی لباس، عمدہ پھونے، میرے موتی، میرے مرجان، چاندی اور سونا نیز میرے ڈونگے، پیالے، پتھر، چمکتی تلواریں، میری سواریاں، میرا شہد، میرا پانی، میرا دودھ اور میری شراب زیادہ ہوگئی پس جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اسے میرے پاس لے آ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر مسلمان مرد و عورت اور مؤمن مرد و عورت نیز جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لایا اور اس نے اچھے کام کئے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور نہ میرے سوا کسی کو معبود بنایا وہ تیرے لئے ہے جو مجھ سے ذرا وہ بے خوف ہوا اور جو مجھ سے مانگے گا میں اسے عطا کروں گا اور جو مجھے قرض دے گا میں اس کو اس کا بدلہ دوں گا۔ جو مجھ پر توکل کرے گا میں اسے کفایت کروں گے۔

بے شک میں ہی اللہ ہوں، میں ہی معبود ہوں، میں وعدے کے خلاف نہیں کرتا بے شک مومنوں نے فلاح پائی اور سب سے بہترین خالق برکت والا ہے۔ جنت نے کہا میں راضی ہوئی۔

پھر آپ ایک وادی پر تشریف لائے تو ایک بری آواز سنی اور بدبو محسوس ہوئی فرمایا اے جبریل یہ کیا ہے؟ عرض کیا یہ جہنم کی آواز ہے وہ کہہ رہی ہے اے میرے رب! مجھے وہ کچھ عطا فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے میری بیڑیاں، زنجیریں، بھڑکتی ہوئی آگ اور گرم پانی نیز پیپ اور عذاب زیادہ ہو گیا ہے میری گہرائی زیادہ اور گرمی سخت ہوئی ہے پس جس کا مجھ سے وعدہ کیا ہے اسے میرے پاس لا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر مشرک مرد و عورت اور کافر مرد و عورت ہر متکبر سرکش جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا وہ تیرے لئے ہے۔ اس نے کہا میں راضی ہوئی۔ فرماتے ہیں پھر آپ چلے حتیٰ کہ بیت المقدس پہنچے۔

ابوسعید کی روایت جسے امام بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ مجھے دائیں طرف سے کسی بلانے والے نے بلایا (اور کہا) میری طرف دیکھئے میں آپ سے سوال کرتا ہوں پس میں نے جواب نہ دیا پھر میری بائیں جانب سے کسی نے اسی طرح پکارا پھر بھی میں نے جواب نہ دیا۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اچانک ایک عورت نظر آئی جس کے بازو کھلے تھے اور وہ ہر قسم کی زینت سے مزین تھی جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی اس نے کہا اے محمد! (ﷺ) میری طرف دیکھئے میں آپ سے سوال کرنا چاہتی ہوں آپ نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا کہ پہلا بلانے والا یہودیوں کی طرف سے تھا اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی اور دوسرا بلانے والا عیسائیوں کا نمائندہ تھا اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت عیسائی ہو جاتی اور وہ عورت دنیا تھی۔

اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ آسمان دنیا کی طرف تشریف لے گئے تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا اور وہاں دسترخوان دیکھے ایک پر پا کیزہ گوشت دیکھا لیکن وہاں کوئی نہ تھا اور دوسرے پر بدبو دار گوشت دیکھا اور وہاں کچھ لوگ کھا رہے تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کھاتے ہیں۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے پیٹ گھروں کی طرح (بڑے) تھے ان میں سے کوئی جب بھی اٹھتا مگر پڑتا حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ سودخور ہیں پھر آپ ایک قوم کے پاس سے گزرے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں جیسے تھے وہ پتھر کھاتے تھے جو ان کی چٹائی جانب سے نکل جاتے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ وہ لوگ ہیں جو تیسوں کا مال بطور قلم کھاتے ہیں آپ کچھ عورتوں کے پاس سے گزرے جو پستانوں کے ذریعے لٹکی ہوئی تھیں اور وہ زنا کار عورتیں ہیں۔

آپ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے جن کے پہلوؤں کا گوشت کاٹا جا رہا تھا پس وہ اسے کھاتے تھے اور وہ لوگوں کی بہت زیادہ جھلی کھانے والے اور عیب بتانے والے لوگ ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۰ ص ۱۲۰ — ج ۱۲ ص ۳۲۶)

انبیاء کرام اور فرشتوں سے ملاقات

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت جسے حضرت بزار اور حضرت حاکم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے، میں ہے کہ نبی اکرم

ﷺ نے فرشتوں کے ہمراہ بیت المقدس میں نماز پڑھی اور وہاں انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول بھی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو تم پر فضیلت دی گئی ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن ہشام نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں فرمایا کہ پھر حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ (انبیاء و رسل) کو آپ کے لئے اٹھایا گیا تو اس رات آپ نے ان سب کو نماز پڑھائی۔ حضرت امام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث جسے حضرت ابو یعلیٰ نے روایت کیا اس میں ہے کہ میرے لئے انبیاء کرام کی ایک جماعت کو اٹھایا گیا ان میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ پھر نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان کی امامت کروائی اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت امام طبرانی نے ”الاوسط میں“ نقل کی ہے اس میں ہے کہ پھر نماز کے لئے اقامت ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے کو آگے کرنا چاہا پھر سب نے حضرت محمد ﷺ کو آگے کیا۔

فطرت کو اختیار کرنا

حضرت ثابت بنابی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے اسے (یعنی براق کو) حلقہ کے ساتھ باندھا (حلقہ میں لام ساکن ہے اور یہی مشہور ہے) جس کے ساتھ انبیاء کرام باندھتے تھے (السی تربط به الانبياء) یہاں بہ میں ضمیر مذکر ہے کیونکہ حلقہ کا معنی مراد لیا گیا اور وہ ”شے“ ہے۔

اور اس سے مراد وہ حلقہ ہے جو مسجد بیت المقدس کے دروازے پر ہے۔

صاحب التحریر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور دو رکعتیں پڑھیں پھر باہر نکلا تو حضرت جبریل امین علیہ السلام ایک برتن شراب کا اور ایک دودھ کا برتن لائے تو میں نے دودھ کو پسند کیا حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ نے فطرت کو پسند کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹) یعنی آپ نے دودھ کو پسند کیا جس پر مخلوق کی بنیاد رکھی گئی اسی سے گوشت بڑھتا اور ہڈیاں پھلتی ہیں یا یہ مقصد ہے کہ دودھ اسلام میں ہمیشہ سلال رہا ہے جب کہ شراب برام بن اور برام رہی۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں فطرت سے اسلام اور استقامت مراد ہے وہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اسلام اور استقامت کی علامت کو اختیار کیا اور دودھ کو علامت قرار دیا گیا کیونکہ یہ آسان پاک ظاہر اور پینے والوں کے حلق سے آسانی سے اترنے والا ہے اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

جب کہ شراب تمام خباثتوں کی جڑ ہے اور فی الحال بھی اور بعد میں بھی طرح طرح کی خرابیوں کو لاتا ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ دودھ کو فطرت کہنے کی وجہ یہ ہو کہ نومولود بچے کے پیٹ میں سب سے پہلے دودھ داخل ہوتا ہے اور اس کی آنتوں کو کھولتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کا اس کی طرف مائل ہونا اور دوسری طرف مائل نہ ہونا اس وجہ سے تھا کہ آپ پہلے سے ہی اس سے مانوس تھے۔

سوال: اس وقت شراب پینا بھی جائز تھا کیونکہ یہ مدینہ طیبہ میں حرام ہوئی اور معراج شریف مکہ مکرمہ میں ہوا تو دو مباح چیزوں میں سے ایک کو متعین کرنے کی کیا وجہ تھی اور اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک کو صحیح اور دوسرے کو خطا شمار کیا گیا حالانکہ اباحت میں دونوں برابر ہیں؟

جواب: اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا اس سے بچنا تقویٰ کی بنیاد پر ہو یا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ عنقریب اسے (شراب کو) حرام قرار دیا جائے گا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں درست بات کے موافق قول فرمایا اس لئے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ نے فطرت کو پایا یا فرمایا کہ آپ نے درست فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کے قول کو درست فرمائے دونوں طرح مروی ہے۔

اور جب ہم کہتے ہیں کہ وہ جنت کی شراب سے تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی صورت اور حرام شراب کے مشابہ ہونا اس سے بچنے کا سبب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ حرام ہے اور یہ تقویٰ و پرہیزگاری میں زیادہ بلوغ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص انگور کا پانی لیتا ہے اگر وہ وہ خالص پانی ہو اور صورت میں اسے شراب کے مشابہ بناتا ہے اور وہ طریقہ اختیار کرتا ہے جو اہل شہوات اختیار کرتے ہیں کہ شراب کے لیے جمع ہونا اور لہو و لعب کے آلات وغیرہ تو ایسا شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے لیکن اس پر حد نافذ نہیں ہوگی۔ یہ بات ابن منیر نے کہی ہے۔

یمن وغیرہ کے فقراء مکہ مکرمہ اور جدہ میں نیز دوسرے مقامات پر جو عمل کرتے ہیں کہ چھلکے وغیرہ سے کچھ بنا کر اسے قہوہ کہتے ہیں اور یہ بھی شراب کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ تو ان کے عمل کو بھی دیکھا جائے (لیکن چونکہ قہوہ شراب نہیں لہذا یہ ممنوع یا برا نہیں)۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۳۳۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جسے امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ جب آپ مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے تو آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے جب نماز سے سلام پھیرا تو آپ کے سامنے دو پیالے پیش کئے گئے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شہد پس آپ نے دودھ کو اختیار کیا۔

امام بزار کی روایت میں تین برتنوں کا ذکر ہے اور یہ کہ تیسرا شراب کا برتن تھا اور یہ واقعہ بیت المقدس میں پیش آیا اور پہلا برتن پانی کا تھا شہد کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت شہاد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں نے مسجد میں اس جگہ نماز پڑھی جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا اور مجھے سخت پیاس لگی تو میرے لئے دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شہد تھا پھر اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی تو میں نے دودھ اختیار کیا۔

میرے سامنے موجود شیخ نے کہا یعنی حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا کہ آپ کے ساتھی نے فطرت کو اختیار کیا۔ آپ کے پاس برتن دو مرتبہ لائے گئے ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور دوسری مرتبہ جب آپ سدرۃ المنتہی پر پہنچے اور چار نہروں کو دیکھا۔

دو مرتبہ برتن پیش کئے جانے کی تصریح حضرت حافظ عماد الدین بن کثیر نے فرمائی ہے اس بات پر حضرت جبریل علیہ السلام کا آپ کے دودھ کو اختیار کرنے والے عمل کو تکرار کے ساتھ درست قرار دینا باقی چیزوں سے بچنے کی تاکید

تھی۔

براق باندھنے سے متعلق بحث

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے براق کو حلقہ کے ساتھ باندھنے سے انکار کیا ہے۔ حضرت امام احمد اور حضرت امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ محدثین بیان کرتے ہیں کہ آپ نے براق کو اس لئے باندھا کہ آپ کو اس کے بھاگنے کا ڈر تھا، حالانکہ غیب و شہادت کے عالم (اللہ تعالیٰ) نے اسے آپ کے لئے مسخر کر دیا تھا اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس میں آپ کے نماز پڑھنے کا بھی انکار کیا ہے۔

لیکن امام بیہقی اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ مثبت (ثابت کرنے والی دلیل) ثانی (نفی کرنے والی دلیل) پر مقدم ہوتی ہے یعنی جس نے یہ بات ثابت کی کہ آپ نے براق کو باندھا اور بیت المقدس میں نماز پڑھی اس کے پاس نفی کرنے والے کی نسبت زیادہ علم ہے پس قبولیت کے زیادہ لائق یہی ہے۔

امام بزار رحمہ اللہ نے بھی اسے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں جس رات نبی اکرم ﷺ کو سیر کرائی گئی تو حضرت جبریل علیہ السلام بیت المقدس میں قبہ صغرا کے پاس تشریف لائے اور اپنی انگلی اس میں رکھ کر سوراخ کیا اور اس کے ساتھ براق کو باندھا امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس کی مثل روایت کی۔

حضرت امام ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بیہقی نے نقل کیا اس میں ہے کہ (نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں) جب میں بیت المقدس میں آیا تو میں نے اپنے جانور کو اس حلقہ سے باندھا جس کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام باندھتے تھے پس میں اور حضرت جبریل علیہ السلام بیت المقدس میں داخل ہوئے اور ہم میں سے ہر ایک نے دو رکعتیں پڑھیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھانا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے اور یہ اضافہ ہے (کہ آپ نے فرمایا) پھر میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو پہچان لیا ان میں سے کوئی حالت قیام میں تھا کوئی رکوع میں اور کوئی سجدے میں تھا پھر مؤذن نے اذان دی اور نماز کے لئے اقامت ہوئی تو ہم کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے کہ ہمیں کون نماز پڑھاتا ہے پس جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کیا تو میں نے ان کو نماز پڑھائی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا، میں اس طرح ہے اور نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان کی امامت کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جسے امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے یوں ہے پس جب آپ اقصیٰ میں تشریف لائے تو آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی پس تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر آپ بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے تو وہاں اتر کر اپنے گھوڑے (براق) کو پتھر کے ساتھ باندھا پھر آپ داخل ہوئے اور فرشتوں کے ہمراہ نماز پڑھی نماز ہو چکی تو انہوں

نے پوچھا اے جبریل ایہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ حضرت محمد ﷺ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں انہوں نے پوچھا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں۔

تو فرشتوں نے کہا اللہ تعالیٰ بھائی اور خلیفہ کو قائم و دائم رکھے کتنے اچھے بھائی اور کتنے اچھے خلیفہ ہیں؟ پھر آپ کی اور فرشتوں کی انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اپنے رب کی تعریف کی۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

الحمد لله الذي اتحدني خليلاً واعطاني ملكاً عظيماً وجعلني امة قانتاً يونتم بهي وانقذني من النار وجعلها علي برداً وسلاماً.
اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے جس نے مجھے خلیل بنایا اور مجھے بہت بڑی بادشاہی عطا کی نیز مجھے ایک جماعت بنایا مجھے اپنا فرمانبردار اور دوسروں کا امام بنایا مجھے (نمرودی) آگ سے بچایا اور اس کو مجھ پر ٹھنڈی اور سلامتی بنایا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

الحمد لله الذي كلمني بكليمياً واصطفاني وانزل علي التوراة وجعل هلاك فرعون ونجاة بني اسرائيل علي يدي وجعل من امتي قوما يهدون بالحق وبه يعدلون.
تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھ سے کلام فرمایا اور مجھے جن لیا مجھ پر تورات نازل کی اور میرے ہاتھوں فرعون کو غرق کیا اور بنی اسرائیل کو نجات دی اور میری امت میں ایک جماعت بنائی جو حق کی راہ بتاتی اور اسی (حق) کے ساتھ فیصلہ کرتی ہے۔

پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

الحمد لله الذي جعل لي ملكاً عظيماً وعلمني الزبور والان لي الحديد وسخر لي الجبار يسجن معي والطير واتاني الحكمة و فصل الخطاب.
تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میرے لئے ایک بہت بڑی بادشاہی بنائی اور مجھے زبور کی تعلیم دی میرے لئے لوہے کو نرم کیا اور میرے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا وہ میرے ساتھ (مل کر اللہ تعالیٰ کی) تسبیح کرتے ہیں اور پرندے بھی نیز اس نے مجھے حکمت اور واضح خطاب (کا ملکہ) عطا فرمایا۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

الحمد لله الذي سخر لي الرياح وسخر لي الشياطين يعملون ما شئت من محاريب و تمائيل و علمني منطق الطير واتاني من كل شيء فضلاً وسخر
تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میرے لئے ہواؤں کو مسخر کیا شیطانوں کو مسخر کیا وہ میرے لئے وہ کچھ بناتے ہیں جو میں چاہتا ہوں۔ مجھے پرندوں کی بولیاں سکھائیں اور ہر چیز میں مجھے فضیلت عطا فرمائی میرے لئے

لی جنود الشیاطین والانس والجن و الطیر و انسانی ملکاً لا ینبغی لاحد من بعدی و جعل لی ملکاً طیباً لیس علی فیہ حساب۔

شیطانوں، انسانوں، جنوں اور پرندوں کے لشکر مسخر کئے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا کی جو میرے بعد کسی کے لیے نہیں ہو گی اور مجھے ایسی بادشاہی عطا کی کہ اس میں مجھ پر کوئی حساب نہیں۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

الحمد لله الذی جعلنی کلمتہ و جعلنی مثل آدم خلقہ من تراب ثم قال له کن فیکون و علمنی الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل وجعلنی اخلق (ای اسوی) من الطین کھینۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ و جعلنی ابری الاکمه والابرص و احیی الموتی باذن اللہ و رفعنی و طهرنی واعاذنی وامی من الشیطان الرجیم۔ فلم یکن للشیطان علینا سبیل۔

اللہ تعالیٰ ہر قسم کی حمد و ستائش کے لائق ہے جس نے مجھے اپنا کلمہ بنایا اور مجھے حضرت آدم علیہ السلام کی مثل بنایا ان کو مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا اور مجھے کتاب حکمت، تورات اور انجیل سکھائی اور مجھے یوں بنایا کہ میں گارے (مٹی سے) پرندوں کی شکلیں بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اس نے مجھے یہ اعزاز عطا فرمایا کہ میں پیدائشی اندھے اور کوڑھ کی مرض والے کو ٹھیک کر دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔ نیز اس نے مجھے اٹھایا اور مجھے پاک کیا نیز مجھ سے اور میری ماں سے شیطان مردود کو دور رکھا۔ پس شیطان کو ہم پر کوئی گرفت حاصل نہیں ہے۔

راوی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تم سب نے اپنے رب کی تعریف کی ہے اور میں بھی اپنے رب کی تعریف کرتا ہوں چنانچہ آپ نے فرمایا:

الحمد لله الذی ارسلنی رحمة للعالمین و کافۃ للناس بشیراً و نذیراً و انزل علی الفرقان فیہ تبیان کل شیء و جعل امتی خیر امة اخرجت للناس و جعل امتی امة وسطاً و جعل امتی هم الاولون و هم الاخرون و شرح لی صدری و وضح عنی وزری و رفع لی ذکری و جعلنی قائماً و خاتماً۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنایا، مجھ پر (حق و باطل میں) فرق کرنے والی کتاب نازل فرمائی جس میں ہر چیز کا بیان ہے میری امت کو بہترین امت قرار دیا جسے لوگوں (کی بھلائی) کے لئے پیدا کیا اور میری امت کو درمیانی امت قرار دیا میری امت کو پہلے اور پچھلے لوگ قرار دیا میرے لئے میرے سینے کو کھول دیا اور مجھ سے بوجھ دور رکھا میرے لئے میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھے ایمان کے دروازے کھولنے اور صراط مستقیم کی

طرف ہدایت دینے والا نیز آخری نبی بنایا۔

(یہ سن کر) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اسی وجہ سے حضرت محمد ﷺ کو تم پر فضیلت دی گئی ہے۔

پھر ذکر فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کو آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا پھر ایک آسمان سے دوسرے تک۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مختصراً نقل کیا اور اس کا

ماخذ (کس کتاب سے لیا) بیان نہیں کیا۔ (الشفاء ج ۱ ص ۱۸۱)

ابن ابی حاتم کی روایت میں اس کی تفسیر یوں بیان کی گئی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب بیت المقدس پہنچے تو اس مقام پر جسے ”باب محمد ﷺ“ کہا جاتا ہے پہنچنے کے بعد اس پتھر کے پاس تشریف لے گئے جو وہاں تھا حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے اس میں سوراخ کیا اور وہاں (براق کو) باندھا پھر دونوں اوپر مسجد کے صحن میں تشریف لے گئے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد ﷺ کیا آپ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ آپ کو حور عین دکھائے؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نے سوال کیا ہے انہوں نے عرض کیا ان عورتوں کے پاس جا کر سلام کریں آپ فرماتے ہیں میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا میں نے پوچھا تم کن لوگوں کے لئے ہو؟ انہوں نے کہا اچھے اخلاق والے، خوبصورت چہروں والے لوگوں کے لئے ہیں نیک لوگوں کی بیویاں ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو پاک رکھا، میلا نہیں کیا ایک جگہ رہیں گے، ادھر ادھر جانے کی مشقت برداشت نہیں کریں گے ہمیشہ رہیں گے انہیں موت نہیں آئے گی۔

آپ فرماتے ہیں پھر میں واپس آیا اور وہاں تھوڑا سا وقت ٹھہرا حتیٰ کہ بہت سے لوگ جمع ہو گئے پھر مؤذن نے اذان دی اور نماز کے لئے اقامت کہی فرماتے ہیں ہم صغیر بنا کر اس انتظار میں کھڑے تھے کہ کون ہمارا امام بنتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے کیا پس میں نے ان کو نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے پیچھے ہر اس نبی نے نماز پڑھی ہے جس کو مبعوث کیا گیا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات کا احتمال ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بیت المقدس میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہو پھر ان میں سے وہ انبیاء کرام اوپر چلے گئے جن کے بارے میں ذکر کیا گیا کہ آپ نے ان کو آسمانوں میں دیکھا۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آسمان سے اترنے کے بعد ان کو نماز پڑھائی ہو اور وہ بھی اترے ہوں لیکن زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ آپ نے اوپر جانے سے پہلے ان کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ آپ نے اوپر جانے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ان کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی ہے۔ کیونکہ حدیث میں اس پر دلالت پائی جاتی ہے اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

اس نماز سے متعلق گفتگو

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ یہ نماز فرض تھی یا نفل؟ اور اگر ہم اسے فرض کہیں تو کس وقت کی نماز تھی؟

تو بعض حضرات نے فرمایا کہ زیادہ قریب یہ ہے کہ یہ صبح کی نماز تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ عشاء کی نماز ہو۔ اور یہ ان لوگوں کے مطابق صحیح ہوگا جو کہتے ہیں کہ آپ نے آسمان پر جانے سے پہلے ان کو نماز پڑھائی لیکن جن لوگوں کے نزدیک آسمان پر جانے کے بعد نماز پڑھائی ان کے نزدیک صبح کی نماز مراد ہوگی۔ ابن کثیر فرماتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ نے آسمان میں امامت فرمائی لیکن روایات کے باہم ملنے سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے بیت المقدس میں نماز پڑھائی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ نے واپسی پر نماز پڑھائی اس لئے کہ جب آپ ان کی منازل میں ان کے پاس سے گزرے تو آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے ان کے بارے میں پوچھتے رہے اور وہ آپ کو ان کے بارے میں بتاتے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں یہی بات مناسب ہے کیونکہ ہارگاہ خداوندی کی حاضری سب سے پہلا مطلوب تھی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی امت پر وہ کام فرض کرے جو چاہے پھر جب اس سے فارغ ہوئے تو آپ اور آپ کے بھائی انبیاء کرام علیہم السلام جمع ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کا شرف ان پر یوں ظاہر کیا کہ آپ کو امامت کے لئے ان سے آگے کیا۔

معراج کی کیفیت

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب میں بیت المقدس کے معاملات سے فارغ ہوا تو ایک سیڑھی (معراج) لائی گئی میں نے اس سے زیادہ خوبصورت چیز نہیں دیکھی جب کسی شخص کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کی نگاہیں اسی کی طرف اٹھتی ہے میرے ساتھی نے مجھے اس پر چڑھایا حتیٰ کہ آسمان کے دروازوں تک پہنچ گئے۔ حضرت کعب کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے ایک چاندی کی اور دوسری سونے کی سیڑھی رکھی گئی (مرقاۃ کا لفظ ہے یعنی وہ آلہ جس کے ذریعے اوپر چڑھتے ہیں) حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام اوپر تشریف لے گئے۔

کتاب ”شرف المصطفیٰ“ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس معراج (سیڑھی) جنت الفردوس سے لائی گئی اور اس کے دائیں بائیں فرشتے تھے۔

ابن سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام بیہقی نے نقل کیا یوں ہے کہ پھر میرے پاس سیڑھی لائی گئی جس پر انسانوں کی روہیں اوپر جاتی ہیں تو مخلوق نے اس سے زیادہ خوبصورت سیڑھی نہیں دیکھی ہوگی کیا تم مرنے والے کو نہیں دیکھتے جب اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں تو وہ آسمان کی طرف دیکھ رہا ہوتا ہے تو وہ اس سیڑھی پر تعجب کرتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے لفظ ”انا“ نہیں کہا

صحیح بخاری کی حدیث گزر چکی ہے جس میں یوں ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) پس حضرت جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے حتیٰ کہ آسمان دنیا پر آئے اور دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں کہا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کو بلوایا گیا ہے؟ جواب دیا ہاں۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا ”انا“ (میں ہوں) جب ان سے پوچھا گیا کہ کون ہے؟ بلکہ انہوں نے

اپنا نام لیا اور کہا کہ جبریل ہوں کیونکہ اس میں بڑائی کا اظہار ہے اور سب سے پہلے اپنی گفتگو میں شیطان نے لفظ ”انا“ استعمال کیا تو وہ بد بخت ہو گیا نیز لفظ ”انا“ محکم ہے کیونکہ ضمیر کے لئے مرجع کی ضرورت ہے اور بیان میں صرف ضمیر ”انا“ کافی نہیں ہے اسی لئے اجازت طلب کرنے والے کو چاہیے کہ جب اس سے پوچھا جائے تم کون ہو؟ تو وہ یہ نہ کہے کہ میں ہوں بلکہ اپنا نام بتائے۔

آسمان والوں کا جشن

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے پس آپ اوپر گئے ماضی معروف کا صیغہ ہے (لخرج)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا اس میں ہے حتیٰ کہ آپ آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے تک پہنچے جسے ”باب الحفظہ“ کہا جاتا ہے اور اس پر ایک فرشتہ ہے جسے اسماعیل کہا جاتا ہے اور اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے۔ پھر آپ کو آسمان دنیا کی طرف چڑھایا گیا پس آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے کو کھٹکھٹایا تو آسمان والوں نے آواز دی کون ہے؟ جواب دیا جبریل ہوں۔ انہوں نے کہا آپ کے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا حضرت محمد ﷺ ہیں انہوں نے پوچھا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا جواب دیا ہاں بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے خوش آمدید کہا پس اس پر تمام آسمان والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی فرشتوں کو معلوم نہیں تھا کہ اس سے اللہ تعالیٰ زمین والوں کے لئے کیا ارادہ رکھتا ہے حتیٰ کہ ان کو جس کی زبان سے چاہے بتائے جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے بتایا۔

نہروں کا ذکر

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے آسمان دنیا میں نیل اور فرات کے نکلنے کی جگہ کو دیکھا۔ اس حدیث کا ظاہر حضرت مالک بن حصہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں سدرۃ المنتہی کے ذکر کے بعد ہے کہ اس (سدرہ درخت) کی جڑ سے چار نہریں نکلتی ہے۔ دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ ان کا اصل منبع سدرہ کے نیچے ہے اور ان کا ٹھکانہ آسمان دنیا میں ہے اور وہاں سے یہ دونوں (نیل اور فرات) زمین کی طرف اترتی ہیں۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر آپ کو آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا تو وہاں ایک اور نہر تھی جس پر موتیوں اور زبرجد کے محلات تھے اور وہ حوض کوثر ہے۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت یہ بھی اشکال پیدا کرتی ہے کیونکہ کوثر جنت سے ہے اور جنت ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہو کہ پھر آسمان دنیا سے ساتویں آسمان تک تشریف لے گئے اور وہاں یہ نہر (حوض کوثر) ہے۔

آسمان کے دروازوں کا کھلنا

پھر حدیث کے یہ الفاظ کہ دروازہ کھولنے کے لئے کہا اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ بند دروازہ کے پاس تشریف لے گئے اور اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کی قدر و منزلت کو ظاہر کیا جائے اور اس بات کو واضح و ثابت کیا جائے کہ آسمانوں کو آپ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں کھولا گیا اور اگر دروازے کھلے ہوتے تو یہ بات تحریر میں نہ آتی کہ آپ کے لئے دروازوں کو کھولا گیا پس جب آپ کے لئے کھولا گیا تو یہ مقام محفوظ ہے اور اس کا کھولنا آپ کا اعزاز اور تعظیم ہے۔

”ارسل الیہ“ کا کیا معنی ہے؟

حدیث شریف میں ”ارسل الیہ“ کے الفاظ ہیں اور ایک روایت میں ”بعث الیہ“ ہے۔ تو اس میں احتمال ہے کہ اس سوال کا مطلب یہ ہو کہ کیا آسمان کی طرف عروج کے لئے آپ کے پاس کسی کو بھیجا گیا اور لفظ الیہ (آپ کی طرف) سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے کیونکہ آپ کی رسالت و نبوت تو ملکوتِ اعلیٰ (فرشتوں) میں مشہور تھی۔ کہا گیا کہ ان کا سوال نبی اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر تعجب اور خوشی کا اظہار تھا اور وہ جانتے تھے کہ انسان اس مرتبے تک اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا اور حضرت جبریل علیہ السلام اسی کو لے کر اوپر آتے ہیں جس کی طرف ان کو بھیجا گیا ہو۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس بات کی اطلاع کا ارادہ فرمایا کہ آپ فرشتوں کے ہاں معروف ہیں کیونکہ انہوں نے پوچھا کیا ان کی طرف بھیجا گیا؟ تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ وہ جانتے تھے کہ عنقریب آپ کے لئے یہ واقعہ رونما ہوگا۔ ورنہ وہ کہتے محمد ﷺ کون ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جواباً کہا ان کا آنا مبارک ہو اور کتنا اچھا آنا ہوا۔ ان کا اس صیغے کے ساتھ کلام کرنا اس بات پر بہت بڑی دلیل ہے جو ہم نے ذکر کی کہ وہ آپ کی جلالتِ شان اور نبوتِ رسالت کی معرفت رکھتے تھے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ حسنِ خطاب کے سلسلے میں بہت بڑی بات ہے کیونکہ اہل عرب کی عادت سے یہی بات معروف ہے۔

ان کا یہ پوچھنا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ اس بات کی خبر دینا ہے کہ ان کو نبی اکرم ﷺ کے تشریف لانے کا علم ہو چکا تھا ورنہ وہ یوں پوچھتے کیا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ اور ان کا یہ احساس یا تو مشاہدے کی بنیاد پر تھا کیونکہ آسمان صاف شفاف ہیں یا کسی امر معنوی کی وجہ سے تھا کہ انوار و تجلیات میں اضافہ ہوا۔ یہ بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

ہو سکتا ہے انہوں نے یہ بات حضرت عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ کے کلام سے اخذ کی ہو انہوں نے اپنی کتاب ”بہجۃ النفوس“ میں فرمایا دوسری بات یہ ہے کہ انہوں (فرشتوں) نے یہ سوال اس وقت کیا جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی آمد پر پہلے سے زیادہ تجلیات اور اچھے اثرات دیکھے۔

وہ فرماتے ہیں یہی بات زیادہ ظاہر ہے گویا انہوں نے کہا آپ کے ساتھ کون شخص ہے جس کی وجہ سے انوار و تجلیات کا یہ اضافہ ہوا تو ان کی چاہت کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ جواب دیا حتیٰ کہ وہ پہچان گئے۔

بعض علماء نے اس ارشاد خداوندی: "لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى" آپ نے اپنے رب کی نشانیوں میں سے بڑی نشانی دیکھی ہے" کے حوالے سے فرمایا کہ آپ نے ملکوت (عالم غیب) میں اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ کی صورت کو دیکھا کیونکہ وہی عروس مملکت ہے (کیونکہ اس کے انوار و تجلیات بہت زیادہ ہیں)۔

فرشتوں کا "مرحبا" کہنا

فرشتوں نے کہا "آپ کا آنا مبارک ہو اور کیا ہی اچھا آنا ہے" (مرحبا به ولنعم المرحب) تو اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ جب انہوں نے آپ کی ان برکات کو دیکھا جو آپ کے تشریف لانے سے پہلے ظاہر ہوئیں تو آپ کی آمد کی خوشی میں انہوں نے یہ بات کہی اور اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی مہارت یوں ہے "جساء فنعم المرحب" (آپ کا آنا مبارک ہو) نہیں بلکہ صرف مرحبا کہا اور غائب کا صیغہ استعمال کیا کیونکہ اس نے دروازہ کھولنے اور آپ کو خطاب کرنے سے پہلے خوش آمدید کہا۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غیب کے صیغہ کا استعمال تعظیم کے لئے ہوا ہو کیونکہ بعض اوقات غائب کی ضمیر "ہا" خطاب کے کاف سے زیادہ تعظیم کی حامل ہوتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد کے اعمال

حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے ایک شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھا اس کی دائیں جانب بھی کچھ لوگ ہیں اور بائیں جانب بھی کچھ لوگ ہیں وہ دائیں جانب دیکھ کر ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رو پڑتے ہیں انہوں نے کہا صالح نبی اور صالح بیٹے کا آنا مبارک ہو (نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں) میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ان کی دائیں اور بائیں جانب ان کی اولاد کی ارواح ہیں ان میں سے داہنی جانب والے جنتی ہیں اور بائیں جانب والے جہنمی ہیں جب وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۹)

سوال: حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ کفار کی روہیں سجن میں ہوتی ہیں اور مومنوں کی ارواح جنت میں ناز و نعمت میں ہوتی ہے تو آسمان دنیا میں کس طرح جمع ہو گئیں؟

جواب: اس میں یہ احتمال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر مختلف اوقات میں پیش ہوتی ہوں تو جب نبی اکرم ﷺ وہاں سے گزرے تو یہ وہی وقت ہوگا اور جہنم (سجن) میں ان کا ہونا اس بات پر دلالت ہے کہ کسی وقت وہ وہاں ہوتی ہیں اور کسی وقت نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا. ان پر صبح و شام جہنم کی آگ پیش کی جاتی ہے۔

سوال: اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کفار کے لئے آسمان کے دروازے کھولے نہیں جاتے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تَفْتَحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ. (الاعراف: ۴۰) بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے نہیں

جاتے۔

جواب: جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے جنت حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب اور جہنم بائیں جانب ہو اور وہ دونوں آپ کے لئے کھولی گئی ہوں اور یوں حضرت آدم علیہ السلام کا ان کو دیکھنا جب کہ آپ آسمان میں ہیں اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں اور وہ وہاں سے داخل ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام بزار رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ ان کے دائیں جانب ایک دروازہ تھا جس سے اچھی خوشبو نکلتی تھی اور بائیں جانب ایک دروازہ تھا جس سے بدبو آتی تھی جب آپ (حضرت آدم علیہ السلام) دائیں طرف دیکھتے تو خوش ہوتے اور جب بائیں جانب دیکھتے تو غمگین ہو جاتے۔

اگر یہ روایت صحیح ہو تو پہلے تمام احتمالات سے زیادہ بہتر ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے یہ بات حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرمائی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے مکانات سے متعلق روایات کو جمع کرنا

حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ (آپ نے فرمایا) پھر مجھے اوپر لے جایا گیا حتیٰ کہ میں دوسرے آسمان پر آیا تو کہا گیا یہ کون ہے؟ حضرت جبریل نے فرمایا جبریل ہوں کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں پس کہا گیا کہ مبارک ہو آپ کا آنا کیا ہی اچھا ہوا پس دروازہ کھولا جب ہم اندر گئے تو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تھے اور وہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں ان دونوں کو سلام کریں پس میں نے ان کو فردا فردا سلام کیا پھر ان دونوں نے کہا نیک بھائی اور صالح نبی کا آنا مبارک ہو۔

(پھر بیان کرتے کرتے) فرمایا پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانے کو کہا پوچھا گیا کون ہے؟ فرمایا جبریل ہوں پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا حضرت محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کی طرف کسی کو بھیجا گیا تھا؟ فرمایا ہاں انہوں نے کہا آپ کا آنا مبارک ہو جب اندر داخل ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے فرماتے ہیں میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا صالح بیٹے کو خوش آمدید۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷)

تو یہ روایت حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت کے موافق ہے جو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام تھے دوسرے میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ تیسرے میں حضرت یوسف چوتھے میں حضرت ادریس پانچویں میں حضرت ہارون چھٹے میں حضرت موسیٰ اور ساتویں میں حضرت ابراہیم علیہم السلام تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹)

ابن شہاب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں اس کی مخالفت ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے نماز کے بیان میں ذکر کیا کہ ان انبیاء کرام کی منازل

کے بارے میں کوئی بات ثابت نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان میں ہیں۔
حضرت شریک رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام دوسرے آسمان میں اور حضرت ہارون علیہ السلام چوتھے آسمان میں ہیں اور ایک اور نبی جن کا نام مجھے یاد نہیں پانچویں آسمان میں ہیں جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کی فضیلت حاصل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷)
اس حدیث کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی منازل کا ذکر محفوظ نہیں جس طرح امام زہری نے واضح الفاظ میں فرمایا۔

اور جس کو یاد ہے اس کی روایت زیادہ بہتر ہے خصوصاً جب کہ حضرت قتادہ اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہما کا اتفاق ہے۔ اور حضرت یزید بن ابی مالک کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بھی اس کے موافق ہے مگر حضرت ادریس اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بارے میں ان کا اختلاف ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام چوتھے آسمان میں اور حضرت ادریس علیہ السلام پانچویں آسمان میں ہیں۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے مگر ان کی روایت کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام دوسرے آسمان میں جب کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام تیسرے آسمان میں ہیں۔

روایات میں مشہور یہ ہے کہ ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور اس کی تائید حضرت مالک بن حصصہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ آپ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) بیت المعمور سے نکلے لگائے ہوئے تھے۔ لیکن اس میں کوئی اعتراض والی بات نہیں کیونکہ جب نبی اکرم ﷺ اوپر تشریف لے گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان پر تھے جیسا کہ حضرت مالک بن حصصہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے اور جب اترے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں تھے کیونکہ اس واقعہ میں یہ بات مذکور نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی امت پر نماز کے فرض ہونے سے متعلق کچھ کہا ہو جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سلسلے میں گفتگو کی ہے۔

اترتے وقت سب سے پہلے ساتواں آسمان آتا ہے پس مناسب تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں ہوتے کیونکہ انہوں نے نمازوں سے متعلق آپ سے گفتگو کی جیسا کہ تمام روایات میں ثابت ہے۔

اور ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چھٹے آسمان میں ملاقات ہوئی ہو اور پھر آپ ان کو اپنے ساتھ اوپر لے گئے ہوں کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلامی کی فضیلت حاصل ہے اور اس کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوا جب انہوں نے نمازوں کے معاملے میں ہمارے آقا ﷺ سے کلام کیا۔ یہ بات فتح الباری میں فرمائی گئی ہے اور فرمایا کہ حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے بھی ان میں سے بعض باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام

حضرت شریک رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ذکر کیا کہ

(انہوں نے فرمایا) میں گمان نہیں کرتا کہ کسی کو مجھ پر بلند مقام عطا کیا گیا ہو۔ ابن بطال فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام کا شرف عطا فرمایا دوسرے کسی انسان کو یہ شرف نہ ملا تو انہوں نے یہ تصور کیا۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي
وَبِكَلَامِي.

بے شک میں نے آپ کو اپنے پیغامات اور اپنے کلام کے ساتھ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں منتخب کیا۔

تو انہوں نے خیال کیا کہ اس سے تمام لوگ مراد ہیں اور اس وجہ سے ان کا استحقاق ہے کہ کوئی ان سے بلند مرتبہ نہ ہو۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مقام محمود وغیرہ کے ذریعے فضیلت عطا فرمائی تو آپ کا مقام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے سب لوگوں سے بلند ہو گیا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ کرم ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ مجھ سے زیادہ معزز و مکرم ہیں۔ اموی نے اپنی روایت میں یوں اضافہ کیا کہ اگر یہ اکیلے ہوتے تو ان کا درجہ کم ہوتا لیکن ان کے ساتھ ان کی امت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام امتوں سے افضل ہے۔

حضرت مالک بن حصصہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) پس جب میں ان سے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آگے بڑھا تو وہ روپڑے آواز آئی کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا اے میرے رب! یہ ایک لڑکا ہے جسے تو نے میرے بعد مبعوث فرمایا اور میری امت کے مقابلے میں اس کی امت کے زیادہ لوگ جنت میں جا میں گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا (معاذ اللہ) حسد کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ اس دنیا میں عام لوگوں سے حسد کو دور کر دیا گیا ہے تو جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا وہ کیسے حسد کریں گے بلکہ آپ کو اس اجر کے فوت ہونے کا افسوس تھا جس پر بلندی درجات کا دار و مدار ہے کیونکہ آپ کی امت نے آپ کی زیادہ مخالفت کی جس کی وجہ سے ان کے اجر کم ہو گئے اور اس سے آپ کے اجر میں کمی لازم آتی ہے کیونکہ ہر نبی کو اس کی اتباع کرنے والوں کو ملنے والے اجر کی مثل اجر ملتا ہے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کی تعداد ہمارے نبی ﷺ کی اتباع کرنے والوں سے کم تھی حالانکہ اس امت کی نسبت ان کی مدت زیادہ تھی۔

عارف ابن ابی جبرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے دلوں میں ان کی امتوں کے لئے مہربانی اور رحم کا جذبہ رکھا ہے اور یہ بات ان کی فطرت میں رکھی ہے ہمارے نبی پاک ﷺ روئے تو پوچھا گیا آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۸۳-۵۶۵۵-۶۶۰۲-۶۶۵۵-۷۳۷۷-۷۳۷۸) صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰ مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۸ ج ۵ ص ۲۰۳ السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۶۵ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۶۶۷۰ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۱۷۳۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۹۰۳۔ (۳۲۳۸۱) اور انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سب سے زیادہ حصہ ملا ہے پس ان کے دلوں میں بندگانِ خدا

کے لئے رحمت دوسروں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام روئے تھے کیونکہ یہ آپ کی طرف سے امت پر رحمت تھی اور یہ فضل و کرم اور جو دوست کا وقت تھا اور وہ امید رکھتے تھے کہ اس وقت کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کی امت پر رحم فرمائے۔

سوال: یہ بات کیسے ہو سکتی ہے جب کہ ان کی امت دو حال سے خالی نہ تھی ایک قسم ان لوگوں پر مشتمل تھی جو ایمان کی حالت میں فوت ہوئے اور دوسرے وہ جو کفر پر مرے جو ایمان پر فوت ہوئے وہ لازماً جنت میں داخل ہوں گے اور جو کفر پر مرے وہ جنت میں کبھی بھی داخل نہ ہوں گے پس جو کچھ ہو چکا اس پر آپ کے رونے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہو چکا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر کو دو صورتوں میں تقسیم کیا ہے ایک تقدیر وہ ہے جو ہر حال میں نافذ ہوتی ہے اور دوسری وہ ہے جو نافذ نہیں ہوتی اور وہ دعا، صدقہ اور اس کے علاوہ امور سے اٹھ جاتی ہے اور چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فطرت میں امت کے لئے رحمت اور مہربانی رکھی گئی تھی تو آپ کو امید تھی کہ آپ کی امت کے لئے وہ تقدیر ہو جو دعا وغیرہ سے اٹھ جاتی ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان کو متوجہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم کو سیر کر رہا ہے اور آپ کو اپنے قرب خاص اور بہت بڑے فضل سے نوازا رہا ہے۔

پس حضرت کلیم اللہ نے اس بات کا طمع کیا کہ آپ کی امت کو اس بہت بڑے خیر سے حصہ مل جائے اور ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ہوائیں چلتی ہیں پس ان کی طرف متوجہ ہو۔ (احناف السادۃ المصنوعین ج ۵ ص ۴۰)

الاسماء والصفات ص ۱۵۰ تہذیب ج ۵ ص ۳۳۹ الدر المنثور ج ۳ ص ۳۱۸ ج ۳ ص ۲۵ تاریخ دمشق ج ۶ ص ۴۳۵

اور یہ بھی رحمت خداوندی کا ایک جھونکا تھا پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ تقدیر میں ایک معاملہ لکھا گیا اور اسباب اسی وقت مؤثر ہوتے ہیں جب تقدیر میں لکھا گیا ہو کہ اس میں اسباب کی تاثیر ہوگی اور جو تقدیر نافذ ہو جاتی ہے اس میں اسباب نہ تو مؤثر ہوتے ہیں اور نہ اسے رد کر سکتے ہیں کیونکہ وہ حتمی فیصلہ ہوتا ہے جو لازم ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رونے کی ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے اور وہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کو اس بات کی خوشخبری دینا اور آپ کو خوش کرنا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے جنت میں جانے والے لوگ میری امت کے جنتیوں سے زیادہ ہیں حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرنے والے تمام انبیاء کرام کے قبیعین سے زیادہ ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نبی اکرم ﷺ کے لئے لفظ ”غلام“ استعمال کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کے لئے لفظ غلام استعمال کیا کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کیا اس میں اشارہ تھا کہ آپ کی عمر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کم ہے۔

”قاموس میں ہے کہ: غلام اس کو کہتے ہیں جس کی مونچھیں آ رہی ہوں اور ”کھسل“ کا لفظ اس کی ضد ہے یعنی بڑھاپے کے قریب آ دی۔ (القاموس المحیط ج ۳ ص ۱۵۸)

خطابی کہتے ہیں عربی لوگ اس آ دی کو غلام کہتے ہیں جو جوانی کو پہنچ چکا ہو اور جب تک اس میں قوت باقی ہوتی ہے یہ

لفظ بولا جاتا ہے۔

”فتح الباری میں ہے“ (فرماتے ہیں):

میرے لئے یہ بات ظاہر ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس انعام کی طرف اشارہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمایا کہ بڑھاپے کو پہنچ کر بھی قوت و طاقت باقی تھی یہاں تک کہ آپ بڑھاپے میں داخل ہوئے تو آپ کے جسم پر بڑھاپا آیا اور نہ آپ کی طاقت میں کوئی نقص پیدا ہوا حتیٰ کہ جب مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کے وقت لوگوں نے آپ کو دیکھا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے تھے تو انہوں نے آپ کو نو جوان کہا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لئے شیخ کا لفظ استعمال کیا حالانکہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ عمر والے تھے۔ واللہ اعلم

یہ بات مقصد اول میں ہجرت کے بیان میں ذکر ہو چکی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا جمال

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے طبرانی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں نقل کیا ہے اس میں ہے کہ وہ (حضرت یوسف علیہ السلام) سفید سروالے تھے جس میں کچھ سیاہی کی آمیزش تھی اور وہ جنت کے دروازے کے پاس کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔

”صحیح مسلم کی“ ایک روایت میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا پھر ہمیں ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو میں نے وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ نے بیت المعمور سے ٹیک لگا رکھی ہے اور ہر روز وہاں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر پہلے والے فرشتے واپس نہیں آتے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ میں نے وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور ان کو نصف حسن دیا گیا (یعنی نصف حسن ان کو دیا گیا اور باقی نصف تمام انسانوں میں تقسیم ہوا)۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے امام طبرانی نے نقل کیا ان دونوں حدیثوں میں ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) اچانک میں ایک ایسے شخص کے پاس پہنچا جو مخلوق خداوندی میں سے سب سے زیادہ حسین تھا اسے لوگوں پر حسن کے اعتبار سے اس طرح فضیلت حاصل تھی جیسے چودہویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام تمام لوگوں سے زیادہ حسین تھے لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یوں نقل کیا ہے:

ما بعث اللہ نبیا الا حسن الوجه حسن الصوت وکان نبیکم احسنہم وجہا واحسنہم
اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوبصورت چہرے اور اچھی آواز کے ساتھ بھیجا مگر تمہارے نبی ﷺ سب سے خوبصورت چہرے والے اور سب سے اچھی آواز والے ہیں۔

(الکامل ج ۲ ص ۸۳۰ اتحاف السادة المتقين ج ۶ ص ۷۰۰ المغنی ج ۲ ص ۲۶۸)

اس حدیث کی بنیاد پر حدیث معراج کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے علاوہ لوگ مراد ہیں اس کی تائید کسی قائل کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ متکلم اپنے خطاب کے عموم میں داخل نہیں ہوتا۔

ابن منیر نے اس باب کی حدیث کو اس بات پر محمول کیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو حسن ہمارے نبی ﷺ کو دیا گیا اس کا نصف حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا گیا۔

کیا حضرت اور لیس علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے دادا (جد اعلیٰ) تھے؟

حدیث شریف میں حضرت اور لیس علیہ السلام کا یہ قول کہ صالح بھائی اور صالح نبی کو خوش آمدید تو اس سے نبوت اور اسلام کے حوالے سے بھائی چارہ مراد ہے کیونکہ اسلام والد اور اولاد کو ملا دیتا ہے۔ ابن منیر نے کہا کہ ایک شاذ طریق کے مطابق انہوں نے یوں کہا صالح بیٹے کو خوش آمدید قیاس بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ حضرت اور لیس علیہ السلام آپ کے جد اعلیٰ ہیں۔

کہا گیا ہے کہ حضرت اور لیس علیہ السلام جن سے آپ نے ملاقات کی وہ مشہور دادا نہیں بلکہ آپ کے جد اعلیٰ حضرت الیاس ہیں اگر یہ بات ہو تو اعتراض اٹھ جاتا ہے۔

بعض انبیاء کرام کے آسمان میں ہونے کی حکمت

اعتراض: صرف یہی انبیاء کرام آسمان میں تھے تو دوسرے کیوں نہیں تھے؟ اور ان میں سے ہر ایک کا کسی آسمان کے ساتھ خاص ہونا کس وجہ سے ہے؟ اور دوسرے آسمان میں خاص طور پر دو نبی کیوں تھے؟

جواب: آسمانوں میں صرف ان انبیاء کرام علیہم السلام کا ہونا اور دوسروں کا نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ ان کو ہمارے نبی ﷺ سے ملاقات کا حکم دیا گیا تھا پس ان میں سے بعض کی ملاقات پہلے مرحلہ میں ہی ہو گئی بعض کی ملاقات بعد میں ہوئی اور بعض کی ملاقات نہ ہو سکی۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ عنقریب نبی اکرم ﷺ کو اپنی قوم سے جو کچھ برداشت کرنا پڑے گا وہ اس کی مثل ہے جو ان حضرات نے اپنی قوموں سے برداشت کیا۔

مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین کی طرف آنا پڑا تو نبی اکرم ﷺ کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا ہو گی اور دونوں میں مشترک بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو مشقت برداشت کرنا پڑی اور وطن مالوف سے جدائی نا پسند تھی پھر انجام کار دونوں اپنے اس وطن کی طرف لوٹے جہاں سے تشریف لے گئے تھے۔

حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو یہودیوں کی دشمنی اور ان کے خلاف سرکشی کی وجہ سے نیز ان کے برے ارادوں کی وجہ سے ہجرت کرنا پڑی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں سے تکالیف اٹھانا پڑی تو ہمارے نبی کریم ﷺ کو قریش کی طرف سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا وہ آپ کے مقابلے میں لڑائی کے لئے آئے اور آپ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا لیکن انجام کار آپ ہی غالب رہے نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ آج تمہارا کوئی مواخذہ نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں

بخش دے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (المغنی ج ۳ ص ۱۷۹)

حضرت ادریس علیہ السلام کے ساتھ مشابہت یہ تھی کہ دونوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مقام حاصل ہوا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ مشابہت یہ تھی کہ ان کی قوم ان کو اذیت دینے کے بعد ان کی محبت کی طرف لوٹ آئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم سے تکلیف اٹھانا پڑی اور آپ کو بھی اذیت برداشت کرنا پڑی نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس قول سے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی پس انہوں نے صبر کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور سے ٹیک لگائے دیکھا تو آپ مناسک حج اور بیت اللہ شریف کی تعظیم کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے ان انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک کے کسی آسمان کے ساتھ اختصاص کی وجہ یوں بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام آسمان دنیا پر اس لئے تھے کہ آپ سب سے پہلے نبی اور سب سے پہلے باپ ہیں اور اصل انسان ہیں اور نبوت کو بنوت (اولاد) سے انس ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے آسمان میں ہیں کیونکہ دیگر انبیاء کرام کی نسبت وہ نبی اکرم ﷺ کے زیادہ قریب ہیں اور شریعت محمدیہ نے ان کی شریعت کو منسوخ کیا اور وہ آخری زمانے میں امت محمدیہ کے پاس مصطفوی شریعت کے ساتھ آئیں گے اور اسی کے ساتھ فیصلہ کریں گے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں تمام لوگوں کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہوں۔ پس اس وجہ سے آپ دوسرے آسمان پر تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۷۵ مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۹ المسند رک ج ۲ ص ۵۹۲ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۳ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۳۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۲۶)

حضرت یحییٰ علیہ السلام وہاں ان کے ساتھ اس لئے تھے کہ وہ ان کے خالہ زاد بھائی ہیں پس وہ دونوں ایک ہی ہیں گویا ایک دوسرے کو لازم ہونے کی وجہ سے وہ دونوں وہاں تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام تیسرے آسمان میں تھے کیونکہ ان کے حسن پر نبی اکرم ﷺ کی امت جنت میں داخل ہو گی تو وہ اس جگہ دکھائے گئے تاکہ آپ کے لئے خوشخبری ہو اور آپ اس پر خوش ہوں۔

حضرت ادریس علیہ السلام چوتھے آسمان پر تھے کیونکہ وہ وہاں ہی فوت ہوئے اور زمین میں ان کی قبر نہیں جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ ۱

حضرت ہارون علیہ السلام پانچویں آسمان میں تھے کیونکہ آپ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گہرا تعلق تھا آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی اور ان کی قوم میں ان کے خلیفہ تھے اس لئے وہاں تھے اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس لئے نہیں تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ ہونے کی وجہ سے فضیلت و احترام زیادہ حاصل ہے اور آپ کو چند باتوں کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حاصل نہیں ہے اس وجہ سے وہ

۱ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اسرائیلی روایات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ اس روایت کی صحت کو بہتر جانتا ہے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۷۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چھٹے آسمان میں نہیں تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چھٹے آسمان میں ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو کچھ فضائل کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ انبیاء کرام ان کے تابع ہیں۔

حضرت ابراہیم کے ساتویں آسمان میں ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور نبی اکرم ﷺ کے جد اعلیٰ تھے تو مناسب تھا کہ ان سے ملاقات کے ذریعے آپ کو ان کی تجدید ہو کیونکہ اس کے بعد آپ ایک دوسرے عالم کی طرف جارہے تھے اور وہ حجاب کا اٹھ جانا ہے اور اس لئے بھی کہ آپ خلیل اللہ ہیں اور حبیب کے علاوہ کوئی بھی خلیل سے افضل نہیں ہے اور چونکہ حبیب اس سے اوپر تشریف لے جا رہے تھے اس لئے خلیل اپنی خلت اور فضیلت کی وجہ سے سب سے اوپر تھے اور پھر حبیب ﷺ سب سے اوپر ہو گئے کیونکہ آپ کو ایسی خصوصیات حاصل ہیں جن کی وجہ سے آپ کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيعُوْا اَمْرَ الرَّسُوْلِ ۚ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ لِّيُتَّبَعَ اَمْرُكُمْ ۚ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلُوْا فَاُولٰٓئِكَ يَفْشَوْا ۚ
 (البقرہ: ۲۵۳) یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ان میں سے بعض سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور ان میں سے بعض کے درجات کو بلند فرمایا۔

پس آپ کو کمال اور بلند درجہ حاصل ہوا اور یہ رسالت و نبوت کا درجہ ہے اور حکمت خداوندی کے تحت بعض انبیاء کرام کا درجہ دوسرے بعض سے بلند کیا گیا کہ جس پر درجہ بلند ہوا اس کا درجہ بھی بلند ہو درجہ کم نہیں کیا گیا۔

آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو کیسے دیکھا؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان انبیاء کرام علیہم السلام کو کیسے دیکھا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ انبیاء کرام کی ارواح کو دیکھا کیونکہ ان کے جسم کا اٹھایا جانا ثابت ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں بھی ایک قول اسی طرح کا ہے۔

اور بیت المقدس میں جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی ہے تو اس بات کا احتمال ہے کہ خاص ارواح نے پڑھی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ارواح اور جسموں کا مجموعہ ہو۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے نبی اکرم ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کو اس کی قبر میں زمین کے اندر اس صورت میں دیکھا ہو جس کے بارے میں اس جگہ سے خبر دی اور اس سلسلے میں مذکور ہے کہ آپ نے وہاں اسے دیکھا پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو آنکھ اور بصیرت دونوں کے اعتبار سے وہ قوت عطا فرمائی جس کے ذریعے آپ نے اس کا ادراک کیا اور اس کی شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ آپ نے جنت اور آگ کو دیوار کی چوڑائی میں دیکھا تو یہاں اس بات کا احتمال ہے کہ آپ نے ان دونوں (جنت اور جہنم) کو اس جگہ دیکھا ہو یا دیوار میں ان کی صورت کی مثال پیش کی مٹی ہو اور قدرت میں ان دونوں صورتوں کی صلاحیت ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس بات کا احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ہمارے نبی ﷺ کو سیر کرانے کا ارادہ کیا تو ان انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی قبروں سے نکالا تاکہ نبی اکرم ﷺ کا احترام اور تعظیم ہو حتیٰ کہ آپ کو ان کی طرف سے وہ انس

اور بشارت حاصل ہو جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور اس کے علاوہ اغراض جس کی طرف ہم نے اشارہ نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں معلوم ہے۔

ان تمام وجوہ کا احتمال ہے اور کسی ایک احتمال کو دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہر کام کی صلاحیت موجود ہے۔

شب معراج جن نہروں کا مشاہدہ ہوا

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پھر مجھے سدرۃ المنثی کی طرف اٹھایا گیا تو اس کا پھل مقام ہجر کے منکوں کے برابر اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مثل تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ سدرۃ المنثی ہے اور وہاں چار نہریں تھیں دو نہریں پوشیدہ اور دو ظاہر تھیں میں نے کہا اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا دو پوشیدہ نہریں جنت میں ہیں اور دو ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ اس کی اصل یعنی سدرۃ المنثی کی جڑوں سے چار نہریں ہیں۔

”صحیح مسلم میں“ یوں ہے کہ اس کی جڑوں سے نکلتی ہیں۔

”صحیح مسلم میں ہی“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے:

اربعة النهار من الجنة النيل و الفرات و جنت سے چار نہریں نکلتی ہیں نیل، فرات، سیحان اور سیحان و جب حان۔

پس ہو سکتا ہے کہ سدرۃ المنثی ایسا درخت ہو جو جنت میں لگا ہوا ہو اور اس کے نیچے سے نہریں نکلتی ہوں پس یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ جنت سے ہیں۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب التوحید میں“ بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے آسمان دنیا میں دو جاری نہریں دیکھیں تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ نیل اور فرات ہیں جن کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے۔

دونوں قسم کی روایتوں کو یوں جمع کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے ان دونوں نہروں کو جنت کی دونوں نہروں کے ساتھ سدرۃ المنثی کے پاس دیکھا اور ان کو آسمان دنیا پر جنت کی نہروں کے علاوہ دیکھا اور آپ کی مراد یہ تھی کہ ان کی اصل آسمان دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ ابن دحیہ نے اسی طرح کہا ہے۔

حضرت شریک رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث میں ہے کہ آپ کو آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا تو وہاں ایک اور چھوٹی سی نہر تھی جو موتیوں اور زبرجد سے بنی ہوئی تھی آپ نے اپنا دست مبارک مارا تو کستوری سے بھی زیادہ خوشبو تھی آپ نے پوچھا اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ کوثر ہے؟ جسے آپ کے رب نے آپ کے لئے پوشیدہ رکھا ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنے

کے بعد فرمایا پھر وہ مجھے ساتویں آسمان کے اوپر لے گئے حتیٰ کہ ایک نہر تک پہنچے جہاں یاقوت موتیوں اور زبرجد کے خیمے تھے اور اس پر سبز پرندے تھے اور میرے دیکھے ہوئے پرندوں میں سے یہ بہترین پرندے تھے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے تو اس میں سونے اور چاندی کے برتن ہیں وہ نہریں یاقوت اور زمرد کی چھوٹی چھوٹی کنکریوں پر چلتی ہے اس کا پانی دودھ سے سفید ہے (آپ فرماتے ہیں) میں نے اس کا برتن لیا اور اس پانی سے ایک چلو لے کر پیا تو وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ وہاں ایک چشمہ جاری تھا جسے سلسبیل کہا جاتا ہے اس سے دو نہریں جاری ہیں ایک کو کوثر اور دوسری کو نہر الرحمة کہا جاتا ہے۔ مزید تفصیل ان شاء اللہ حوض کوثر کے بیان میں آخری مقصد میں آئے گی۔

سدرۃ المنتهی

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اس میں ہے کہ پھر وہ مجھے سدرۃ المنتهی کی طرف لے گئے کہ اس کے پتے باقی کے کانوں کی مثل تھے اور اس کے پھل (مقام ہجر کے) ملکوں جتنے تھے۔ فرماتے ہیں جب اس (سدرۃ المنتهی) کو ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے اسے ڈھانپا تو اس میں تبدیلی آگئی تو مخلوق میں سے کسی کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ وہ اس کا حسن بیان کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۸-۱۲۹) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں سدرۃ المنتهی کی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ کو سیر کرائی گئی تو آپ فرماتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام مجھے سدرۃ المنتهی تک لے گئے اور یہ چھٹے آسمان میں ہے اور زمین سے جو کچھ جاتا ہے یہ اس کی انتہا ہے وہ اسے پکڑ لیتا ہے اور جو کچھ اوپر کی طرف سے اترتا ہے وہ یہاں رک جاتا ہے اور یہاں سب کچھ جمع ہوتا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۷-ج ۳ ص ۱۳۹-ج ۵ ص ۱۴۳) ابن ابی جرہ نے جو یہ فرمایا کہ یہاں اعمال رک جاتے ہیں تو اس کا یہی مطلب ہے یہاں سے ہی اوامر و نواہی اترتے ہیں اور احکام کا نزول ہوتا ہے حفاظت والے فرشتے اور دوسرے فرشتے یہاں ٹھہرتے ہیں اس سے آگے نہیں بڑھتے اس لئے اس کو انتہا کہتے ہیں کیونکہ عالم سفلی سے جو کچھ اوپر جاتا ہے وہ بھی اور جو کچھ عالم علوی سے اترتا ہے وہ بھی یہاں رک جاتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرشتوں کا علم یہاں رک جاتا ہے اور یہاں سے نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی نے تجاوز نہیں کیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں مذکور ہے کہ سدرۃ المنتهی چھٹے آسمان پر ہے جب کہ دوسری روایات اس کے خلاف ہیں ان میں ہے کہ آپ ساتویں آسمان میں داخل ہونے کے بعد وہاں پہنچے تو ان دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اسے اس بات پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ اس کی اصل چھٹے آسمان میں ہو جب کہ ثننیاں

اور شاخیں ساتویں آسمان میں ہوں۔ اور چھ آسمان میں صرف اس کی جڑیں ہوں۔ یہ بات فتح الباری میں فرمائی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز کے بیان میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں اس طرح ہے کہ اس (سدرۃ المنطی) کو کچھ رنگوں سے ڈھانپ لیا تھا میں نہیں جانتا کہ وہ کون سے رنگ تھے؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت جو امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى ۝
جب سدرہ کو اس چیز نے ڈھانپ لیا جس نے
ڈھانپا۔

وہ فرماتے ہیں یہ سونے کے پروانے تھے۔

حضرت یزید بن مالک، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ سونے کی ٹنڈیاں تھیں۔ امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پروانوں کا ذکر مثال دینے کے طور پر ہے کیونکہ درختوں پر ٹنڈیاں وغیرہ گرتی ہیں اور ان کو سونے کی بنایا اور اللہ تعالیٰ اس پر قدرت رکھتا ہے۔

حضرت ابوسعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت میں ہے کہ سدرۃ المنطی کو فرشتوں نے گھیر رکھا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کے ہر پتے پر ایک فرشتہ ہے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا اس میں فرمایا پس جب اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپا تو اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق اس کا وصف بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔

حضرت حمید کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت اسی طرح ہے اور اسے ابن مردویہ نے نقل کیا ہے لیکن اس میں فرمایا کہ وہ (سدرہ کا درخت) یا قوت کی شکل میں بدل گیا۔ اور اس کی قسم باتیں مذکور ہیں۔

ابن دجیہ فرماتے ہیں سدرہ کا انتخاب کیا گیا کسی دوسرے درخت کو کیوں اختیار نہیں کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تین اوصاف ہیں اس کا سایہ طویل اور لذت اچھی ہے نیز اس کی خوشبو بھی اچھی ہے پس سدرہ (یعنی بیری کا درخت) ایمان کی طرح ہے جس میں قول، عمل اور نیت تینوں کا اجتماع ہوتا ہے پس سایہ عمل کی طرح، ذائقہ نیت کی طرح اور خوشبو قول کی طرح ہوتی ہے (اعمال ایمان کا نتیجہ ہوتے ہیں)۔

ابن جریر عارف نے فرمایا کہ کیا یہ درخت کسی چیز میں گڑا ہوا ہے یا نہیں؟ اس میں دونوں باتوں کا احتمال ہے کیونکہ قدرت دونوں باتوں کی صلاحیت رکھتی ہے پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس جگہ زمین کو درخت کے ٹھہرنے کی جگہ بنایا اسی طرح وہاں ہوا کہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ بنائی اور جس طرح نبی اکرم ﷺ ہوا میں چلتے واپس ہوئے تو یہ اسی طرح ہے جیسے زمین میں چلتے تھے۔

اور قدرت خداوندی سے زمین ٹھہری ہوئی ہے حالانکہ یہ پانی پر ہے تو درخت کے ہوا (فضاء) میں ہونے میں کوئی

رکاوٹ نہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ زمین میں گاڑا ہوا ہو اور ہو سکتا ہے کہ جنت کی مٹی سے ہو اور اللہ تعالیٰ اپنی ہر چاہت پر قادر ہے۔

برتن کا دوسرے پیش ہونا

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر میرے پاس شراب کا برتن لایا گیا ایک دودھ کا برتن اور ایک شہد کا برتن لایا گیا پس میں نے دودھ لے لیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا آپ اس فطرت پر ہیں۔ پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ برتن دوسرے آپ کے سامنے پیش کئے گئے ایک مرتبہ بیت المقدس میں اور دوسری مرتبہ جب آپ سدرۃ المنطی تک پہنچے اور آپ نے چار نہریں دیکھیں۔

برتنوں کی تعداد اور ان میں کیا تھا اس سلسلے میں جو اختلاف ہے کہ بعض راویوں نے کچھ لکھا اور دوسرے بعض نے کچھ اور ذکر کیا تو اس کا مجموعہ یہ ہے کہ چار برتن تھے اور ان میں چار نہروں میں سے چار چیزیں تھیں یہ وہی نہریں تھیں جن کو آپ نے سدرۃ المنطی کے نیچے دیکھا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے طبری نے نقل کیا اس میں ہے کہ سدرۃ المنطی کے نیچے سے نہریں نکلتی ہیں ایک پانی کی نہر ہے جس کا پانی ٹوٹا نہیں دوسری دودھ کی نہر ہے جس کا ذائقہ بدلنا نہیں شراب کی نہر ہے جس میں پیئے والوں کے لئے لذت ہے اور نہایت صاف شفاف شہد کی نہر بھی ہے۔ تو ہو سکتا ہے ہر نہر سے ایک برتن پیش کیا گیا ہو۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شہد کی نہر دریاے نیل ہے دودھ کی نہر دریاے جیحان ہے شراب کی نہر نہر فرات ہے اور پانی کی نہر مسیحان کی نہر ہے۔ دریاے نیل کے لئے بہت سے فضائل اور عمدہ باتیں جنہیں متعدد ائمہ نے مستقل تصانیف میں ذکر کیا ہے۔

بعض طرق میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے آسمانوں میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہے۔ ۱۔

بیت المعمور

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثم دفع الی البیت المعمور۔ پھر میری طرف بیت معمور کو اٹھایا گیا۔

تو اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے وہ دکھایا گیا اور ممکن ہے اس سے اٹھانا اور دکھانا دونوں بیک وقت مراد ہوں کیونکہ ہو سکتا ہے نبی اکرم ﷺ اور بیت معمور کے درمیان کئی عالم ہوں حتیٰ کہ آپ اس کا علم حاصل کرنے پر قادر نہ ہوں تو اسے آپ کی طرف اٹھایا گیا اور آپ کی ظاہری اور باطنی نگاہوں کو قوت عطا کی گئی حتیٰ کہ آپ نے اسے دیکھا۔

طبری نے حضرت ابن عربیہ سے اور انہوں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں ہمارے سامنے

۱۔ امام زرقاتی فرماتے ہیں اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو تو آپ نے کئی بار نماز پڑھائی لیکن اس سے مصنف نے ابن کثیر کے حوالے سے بیان کیا کہ

یہ صحیح نہیں روایات جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں ان سے صرف بیت المقدس میں آپ کی امامت کا ثبوت ملتا ہے۔

(زرقاتی ج ۶ ص ۷۹)

ذکر کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

بیت المعمور آسمان میں ایک مسجد ہے جو کعبہ شریف کے بالمقابل ہے اگر وہ گرے تو سیدھی کعبہ شریف پر گرے اس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جب وہ نکلتے ہیں تو پھر کبھی داخل نہیں ہوتے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بہت بڑی دلیل ہے اور کوئی بھی ممکن چیز اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتی۔

کیونکہ اس بیت المعمور میں ہر دن اتنی بڑی تعداد روزانہ نماز پڑھتی ہے اور یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور ابد تک جاری رہے گا۔ پھر اس دن والی جماعت واپس کبھی نہیں آتی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ مجددہ ریز نہ ہو پھر سمندروں کے ہر قطرے میں ایک فرشتہ مقرر ہے پس جب آسمانوں، زمین اور سمندروں کا یہ معاملہ ہے تو یہ فرشتے جو داخل ہوتے ہیں کہاں جاتے ہیں؟ پس یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی قدرت ہے کہ کوئی چیز اس جیسی نہیں ہو سکتی۔

اور اس میں اس بات پر بھی دلیل پائی جاتی ہے کہ تمام مخلوق میں فرشتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے کیونکہ جب ہر دن ستر ہزار فرشتے بیت المعمور میں نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے پھر واپس نہیں لوٹتے حالانکہ فرشتے آسمانوں، زمین اور سمندروں میں ہر جگہ ہیں (تو معلوم ہوا کہ فرشتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے)۔

ضعیف احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے نقل کیا یوں ہے کہ:

آسمان میں ایک نہر ہے جسے حیوان کہا جاتا ہے اس میں حضرت جبریل علیہ السلام روزانہ داخل ہوتے اور غوطہ لگاتے ہیں پھر نکل کر اپنے پر جھاڑتے ہیں تو اس سے ستر ہزار قطرے نکلتے ہیں اور ہر قطرے سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے پس وہ اس (بیت المعمور) میں نماز پڑھتے ہیں پھر وہ کبھی اس کی طرف نہیں لوٹتے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ:

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (النحل: ۸)

اور وہ پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا کہ حضرت عطاء، حضرت مقاتل اور حضرت ضحاک رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ عرش کی دائیں جانب ایک نورانی نہر ہے جو سات آسمانوں، سات زمینوں اور سات سمندروں کی مثل ہے حضرت جبریل علیہ السلام ہر سحری کے وقت اس میں داخل ہو کر غسل فرماتے ہیں تو اس سے ان کے نور اور جمال میں اضافہ ہوتا ہے پھر وہ اپنے پر جھاڑتے ہیں تو ان کے پر سے جو نقطہ گرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ہزاروں فرشتے پیدا کرتا ہے ہر دن ان میں سے ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر وہ قیامت تک اس کی طرف نہیں لوٹتے۔

یہ بھی مروی ہے کہ وہاں کچھ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے اور یہ فرشتے عبادت کرنے والے فرشتوں، سبزیوں اور رزق کے لئے مقرر فرشتوں، حفاظت کرنے والے فرشتوں، انسان کی شکل بنانے والے فرشتوں، بادلوں میں اترنے والے فرشتوں، جمعہ کے دن لوگوں کا عمل لکھنے والے جنت کے خازن اور آگے پیچھے اترنے والے فرشتوں (وغیرہ) کے علاوہ ہیں۔

اسی طرح یہ فرشتے ان فرشتوں میں بھی شامل نہیں ہیں جو کہتے ہیں:

رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ۔ اے ہمارے رب تیرے لئے ہی تعریف ہے۔

اور جو نمازی کی قرأت پر آمین کہتے ہیں نیز جو نماز کے خطر کے لئے دعا مانگتے ہیں اور اپنے خاوند کے بستر سے الگ ہونے والی عورتوں پر لعنت بھیجنے والے فرشتے بھی ان کے علاوہ ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آسمان دنیا جو پانی اور دھوئیں سے بنایا گیا ہے ایسے فرشتے ہیں جن کو پانی اور ہوا سے پیدا کیا گیا ان پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کو رصد کہا جاتا ہے اور یہ فرشتہ بادلوں اور بارش پر مقرر ہے یہ فرشتے ان الفاظ میں تسبیح کرتے ہیں:

سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوتِ۔ شہادت اور عالم غیب کا مالک پاک ہے۔

دوسرے آسمان میں مختلف رنگوں کے فرشتے ہیں جو اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سُبْحَانَ ذِي الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوتِ۔ عزت و جبروت (غلبے اور طاقت) والا (رب) پاک ہے۔

اور اس میں ایک فرشتہ ہے جس کے جسم کا نصف حصہ آگ سے اور نصف جسم برف سے بنا ہے پس آگ برف کو نہیں پگھلاتی اور برف آگ کو نہیں بجھاتی۔

وہ کہتا ہے۔

اے وہ ذات جس نے برف اور آگ کو جمع کیا اپنے نیک بندوں کے دلوں کو باہم ملا دے۔

اور تیسرا آسمان جو لوہے سے بنا ہوا ہے اس میں کچھ فرشتے ہیں جن کے مختلف پر مختلف چہرے اور مختلف آوازیں ہیں وہ بلند آواز سے تسبیح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سُبْحَانَكَ أَنْتَ الْحَيُّ الْكَوْنِ لَا يَمُوتُ۔ تو پاک ہے تو زندہ ہے تجھے موت نہیں آئے گی۔

وہ صف بستہ کھڑے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو اور خوف خداوندی کی وجہ سے ان میں سے ایک دوسرے کے رنگ کو نہیں پہچانتا۔

اور چوتھا آسمان جو تانبے سے بنا ہے اس میں تیسرے آسمان کے فرشتوں سے دو گنا فرشتے ہیں اسی طرح ہر اوپر والے آسمان کے فرشتے، نچلے آسمان والوں سے زیادہ ہیں اور چوتھے آسمان کے فرشتے قیام رکوع اور سجدے کی حالت میں مختلف قسم کی عبادت میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی فرشتے کو اپنے امور میں سے کسی امر کے لئے بھیجتا ہے وہ فرشتہ جاتا ہے پھر واپس آتا ہے اور وہ ساتھی فرشتے کو زیادہ عبادت کی وجہ سے پہچان نہیں سکتا اور وہ یوں کہتے ہیں:

سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا الرَّحْمَنُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ۔ پاک ہے مقدس ہے ہمارا رحمن رب جس کے سوا کوئی

معبود نہیں۔

ہو۔

اور پانچویں آسمان میں جو چاندی سے بنا ہوا ہے کچھ فرشتے ہیں جن کی تعداد چاروں آسمان کے فرشتوں سے زیادہ

ہے وہ مجدد ریز ہیں اور رکوع کرتے ہیں وہ قیامت تک اپنی نگاہوں کو نہیں اٹھائیں گے جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے تیری عبادت اس طرح نہیں کی جس طرح تیری عبادت کا حق تھا۔

اور چھٹے آسمان میں جو سونے کا بنا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لشکر ہے جو کروہین (مقربین) کہلاتے ہیں ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ان پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا لشکر ستر ہزار فرشتوں پر مشتمل ہے اور ان میں سے ہر فرشتے کے لشکر میں ستر ہزار فرشتے شامل ہیں اور یہی فرشتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے امور (کی انجام دہی) کے لئے دنیا میں بھیجتا ہے اور بلند آواز سے ”سبحان اللہ“ اور ”لا الہ الا اللہ“ پڑھتے ہیں۔

اور ساتواں آسمان جو سرخ یا قوت سے بنا ہوا ہے اس میں پہلے آسمانوں سے زیادہ فرشتے ہیں اور ان پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو سات لاکھ فرشتوں سے مقدم ہے ان میں ایسے لشکر ہیں جو آسمان کے قطروں، تر مٹی، ریت اور نرم زمین، ریت اور پتوں کی تعداد کی مثل ہیں اللہ تعالیٰ ہر دن جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لشکر کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور عرش کے اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جو آپس میں گفتگو کرتے ہیں ان میں سے ہر فرشتے کے مختلف چہرے ہیں اور اس کے جسم میں مختلف آنکھیں ہیں۔ جو ایک دوسرے سے ملتی نہیں وہ بلند آواز سے ”لا الہ الا اللہ“ پڑھتے ہیں وہ عرش کی طرف دیکھتے ہیں اور کوئی کوتاہی نہیں کرتے اگر ان میں سے کوئی فرشتہ اپنے دونوں بازوؤں کو کھولے تو اپنے بازوؤں کے ایک پر سے تمام دنیا کو ڈھانپ لے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ان کی تعداد کا علم نہیں رکھتا۔

اور عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جو حسین اور نرم آواز میں گفتگو کرتے ہیں ان میں سے چار کہتے ہیں:

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ عَلٰی
جَلَمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ
یا اللہ! تو پاک ہے اور تیرے لئے حمد ہے کہ تو جاننے
کے باوجود بردباری فرماتا ہے۔

اور دوسرے چار کہتے ہیں:

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ عَلٰی عَفْوِكَ
بَعْدَ قُدْرَتِكَ
یا اللہ! تو پاک ہے اور تعریف کا مستحق ہے کہ طاقت
کے باوجود معاف کرتا ہے۔

فرشتوں کے بارے میں دیگر روایات

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ تم کس چیز پر (مقرر) ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہوا اور جنود (لشکر) پر پوچھا حضرت میکائیل علیہ السلام کس کام پر مامور ہیں؟ عرض کیا سبزیوں اور بارش پر پوچھا ملک الموت کس پر مقرر ہیں؟ عرض کیا روجوں کو قبض کرنے پر۔

اس حدیث کی سند میں محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ہیں جن کو حافظہ کی خرابی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا لیکن ان کو چھوڑا نہیں گیا (بلکہ سنن نسائی، سنن ابوداؤد وغیرہ میں ان سے احادیث نقل کی گئی ہیں کیونکہ یہ سچے ہیں)۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مرفوعاً ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ آسمان میں میرے دو وزیر ہیں (یعنی) حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۸۰ المسند رک ج ۲ ص ۲۶۵ الدر المنثور ج ۱ ص ۹۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۶۷۹-۳۲۶۸۸) حضرت نقاش نے روایت کیا کہ فرشتوں میں سے سب سے پہلے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا تو اس کے بدلے میں ان کو لوح محفوظ عطا کی گئی۔

اور ابوشیخ ابن حبان کی کتاب ”العلامة“ میں اس سے بھی عجیب تر روایات ہیں (جو فرشتوں کی تعداد سے متعلق ہیں) اور میرے (مصنف کے) پاس اس کتاب کی دوسری جزء ہے۔

اسراء کے بارے میں دیگر روایات

امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کے علاوہ میں اس مقام پر کچھ اضافے ہیں۔

ان میں سے ایک حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے یہ روایت امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”دلائل النبوة“ میں نقل کی ہے اس میں یوں ہے (آپ نے فرمایا) پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے جنہوں نے اپنی پیٹھ کو بیت المعمور سے لگا رکھا تھا گویا وہ خوبصورت ترین مرد ہیں اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے چند افراد ہیں میں نے ان کو اور انہوں نے مجھے سلام کیا میں نے اپنی امت کو دو حصوں میں تقسیم دیکھا ایک حصے والوں پر سفید کپڑے تھے گویا وہ کاغذ ہوں اور دوسروں پر میلے کھیلے کپڑے ہیں آپ فرماتے ہیں میں بیت المعمور میں داخل ہوا اور میرے ساتھ وہ لوگ داخل ہوئے جن کا لباس سفید تھا اور میلے کپڑوں والے پردے میں ہو گئے پس میں نے اور میرے ساتھ والوں نے بیت المعمور میں نماز پڑھی۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ اچانک میں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جس کے سر کے بال سفید تھے اور ان میں سیاہ بال بھی تھے وہ جنت کے دروازے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پاس کچھ لوگ سفید چہروں والے تھے گویا وہ کاغذ ہوں اور ایک جماعت تھی جن کے مختلف رنگ تھے وہ نہر میں داخل ہوئے اور اس میں انہوں نے غسل کیا جب نکلے تو ان کا رنگ قدرے خالص ہو گیا تھا پھر نہر میں داخل ہو کر غسل کیا جب باہر نکلے تو رنگ مزید خالص ہو چکا تھا اس کے بعد ایک مرتبہ پھر نہر میں داخل ہوئے اور غسل کیا جب باہر نکلے تو ان کا رنگ بالکل خالص ہو کر وہ سفید چہروں والے لوگوں کی طرح ہو گئے تھے فرمایا یہ کون شخص ہے اور وہ جن کے رنگوں میں کچھ ہے وہ کون ہیں؟ اور یہ کونسی نہر ہے جن میں یہ لوگ داخل ہوئے اور ان کے رنگ صاف شفاف ہو گئے؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا یہ آپ کے باپ (جد امجد) حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں زمین میں سب سے پہلے آپ ہی کے بال سفیدی اور سیاہی کا مجموعہ ہوئے اور یہ سفید چہروں والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے مخلوط نہیں کیا اور یہ لوگ جن کے رنگوں میں کچھ آمیزش تھی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اچھے اور برے اعمال کو ملایا پس انہوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔

اور یہ جو نہر ہے پہلی نہر رحمت ہے دوسری اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور تیسری نہر وہ ہے جس کے

بارے میں فرمایا:

اور ان کو ان کے رب نے پاک مشروب پلایا۔

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۝

قلموں کی آواز سننا

صحیح بخاری میں نماز کے بیان میں ہے:

ثم عرج بسی حتى ظهرت لمستوى اسمع فيه صريف الاقلام.
پھر مجھے اوپر لے جایا گیا حتیٰ کہ میں مقام مستوی پر
چڑھا (اور) میں وہاں قلموں کی آواز سنتا تھا۔
”المستوى“ وہ مقام جس پر چڑھتے ہیں۔ ”صريف الاقلام“ ”صاد پرز بر ہے“ لکھتے وقت قلم کی جو آواز نکلتی ہے اسے
صريف کہتے ہیں۔

اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ فیصلے ہیں جن کو فرشتے لکھتے ہیں اور تقدیر جو لکھی گئی ہے وہ قدیم ہے جب کہ لکھنا
حادث ہے اور احادیث مبارکہ کا ظاہر بتاتا ہے کہ لوح محفوظ میں سب کچھ لکھ دیا گیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے قلم خشک
ہو گئے اور یہ سب کچھ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے ہوا اور یہ تحریر فرشتوں کے رجسٹروں میں اس طرح ہے جس طرح
اصل (تنہ) سے شاخیں نکلتی ہیں اور اس میں باقی رکھنا بھی ہے اور مٹانا بھی جس طرح ایک روایت میں آیا ہے۔
ابن قیم نے کہا کہ قلمیں بارہ ہیں اور ان کے درجات میں اختلاف ہے جس قلم کی قدر و منزلت سب سے زیادہ ہے وہ
قلم تقدیر ہے جو سبقت کرنے والی ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر لکھی ہے جیسا کہ سنن ابن داؤد میں حضرت
عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا۔
اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا ”لکھ“ اس نے عرض کیا اے میرے رب! میں کیا
لکھوں؟ فرمایا قیامت تک آنے والی ہر چیز کی تقدیر لکھ۔ یہ سب سے پہلا اور سب سے زیادہ عظمت والا قلم ہے
متعدد مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی قلم کی قسم کھائی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۰، مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷، سنن
الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۴، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۳، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۲۸، مجمع الجوامع رقم الحدیث: ۶۳۷۵، اتحاف السادة المستعین
ج ۱ ص ۲۵۴، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۳۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۵۹۷-۱۵۱۱۶-۱۵۱۱۷)
دوسرا قلم، قلم وحی ہے۔

تیسرا قلم، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو لکھنے والا قلم ہے۔
چوتھا قلم، بدلوں کی طب کا قلم ہے جس کے ذریعے بدنوں کی صحت محفوظ ہوتی ہے۔
پانچواں قلم، بادشاہوں اور ان کے نائبین کے احکام کا قلم ہے اور اسی کے ذریعے ممالک کی سیاست قائم ہوتی ہے۔
چھٹا قلم، حساب کا قلم ہے جس کے ذریعے مالوں کو ضبط و تحریر میں لایا جاتا ہے یعنی وہ کہاں سے آئے ہیں کہاں جاتے ہیں
اور ان کی مقدار کیا ہے اور یہ رزقوں کا علم ہے۔
ساتواں قلم، حکم کا قلم ہے جس کے ساتھ حقوق قائم ہوتے اور فیصلے نافذ ہوتے ہیں۔
آٹھواں قلم، شہادت کا قلم ہے جس کے ذریعے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے۔

۱ ابن دجین نے اسے ذکر کیا اور ابن خیر نے ان کی اہمیت کی اور یہ اضافہ کیا کہ یا لوح محفوظ کی اصل جس سے لوح پر لکھا جاتا ہے وہ علم غیب قدیم
ہے جو مٹنے اور باقی رہنے سے پاک ہے لیکن اس وقت لوح و قلم نہ تھا۔ (زرقاتی ج ۶ ص ۸۹)

نواں قلم، تعبیر کا قلم ہے اور یہ قلم نیند کی حالت میں ہونے والی وحی اس کی تفسیر اور تعبیر کو لکھتا ہے۔

دسواں قلم عالمی تاریخ اور واقعات کو لکھتا ہے۔

گیارہواں قلم لغت اور اس کی تفصیل کا قلم ہے۔

بارہواں قلم جامع قلم ہے جو اہل باطل کے رد اور تحریف کرنے والوں کے اعتراضات کو دور کرنے والا قلم ہے۔

پس ان قلموں کے ساتھ مصلح عالم کا نظام قائم ہے اور قلم کی بزرگی کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتب اسی سے لکھی گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی قسم کھائی ہے۔ (ابن قیم کی کتاب) ”اقسام القرآن“ سے خلاصہ پیش کیا گیا۔

جنت کی صفت

”صحیح مسلم میں اور“ دوسری کتب میں کچھ زیادتی کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثم ادخلت الجنة فاذا فيها جنابذ اللؤلؤ واذا ترابها المسك. پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا تو اس میں موتیوں کے گنبد تھے اور اس کی مٹی کستوری تھی۔

جنابذ۔ جیم اور نون دونوں پر زبر ہے پھر الف اور اس کے بعد ذال ہے اور اس کا معنی قبة (گنبد) ہے اور اس کی تائید صحیح بخاری کی باب التفسیر میں مذکور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ جب نبی اکرم ﷺ کو معراج شریف کرایا گیا تو آپ نے فرمایا:

البيت على نهر حافتاه قباب اللؤلؤ. میں ایک نہر پر آیا جس کے کنارے موتیوں کے گنبد تھے۔

اور ”صحیح بخاری کی“ کتاب الصلوة میں ہے:

واذا فيها حبال اللؤلؤ. اور اس میں موتیوں کی رسیاں تھیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ تعریف ہے (یعنی عبارت بدلی گئی ہے)۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

ان دونوں (حضور علیہ السلام اور حضرت جبریل علیہ السلام) کے لئے آسمان کے دروازے کھولے گئے تو آپ فرماتے ہیں میں نے جنت اور جہنم کو دیکھا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ آپ پر جنت کو پیش کیا گیا اور اس کے اتار گویا ڈول ہوں اور اس کے پرندے سختی اونٹوں جتنے تھے اور آپ پر جہنم کو پیش کیا گیا تو وہ یوں تھی کہ اگر اس میں پتھر اور لوہا ڈال دیا جائے تو وہ اسے کھالے۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت ہمام کے طریق سے ہے وہ حضرت قتادہ سے اور وہ حضرت انس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اس دوران کہ میں جنت کی سیر کر رہا تھا میں نے ایک نہر دیکھی جس کے کناروں پر گول موتیوں کے قبة تھے اور اس

کا گارا نہایت خوشبودار کستوری تھی حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ حوض کوثر ہے۔

حضرت ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود اپنے والد (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا اے میرے بیٹے! آج رات آپ اپنے رب سے ملاقات کریں گے اور آپ کی امت تمام امتوں میں آخری اور سب سے کمزور امت ہے اگر آپ اپنی امت کی کوئی حاجت پوری کر سکتے ہیں تو کر لیں (یعنی ان کے لئے برکت کی دعا کریں)۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں یوں ہے (کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا)۔

پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا فرمایا پھر مجھے سدرۃ المنفی کی طرف اٹھایا گیا تو اس کے ہر پتے نے اس امت کو ڈھانپ رکھا تھا اور اس میں ایک چشمہ ہے جسے سلسیل کہا جاتا ہے اس سے دونہریں نکلتی ہیں ایک کو کوثر کہا جاتا ہے اور دوسری کا نام نہر رحمت ہے میں نے اس میں غسل کیا تو میرے تمام خلافِ اولیٰ کام پہلے اور پچھلے بخش دیئے گئے پھر مجھے جنت کی طرف اٹھایا گیا تو ایک لونڈی میرے سامنے آئی میں نے پوچھا تو کس کی لونڈی ہے؟ اس نے کہا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی لونڈی ہوں۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس (سدرہ درخت) کا پھل گویا مکے ہیں پھر میرے سامنے جہنم کو پیش کیا گیا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا غضب، جھڑک اور عذاب تھا کہ اگر پتھروں اور لوہے کو اس میں ڈالا جائے تو وہ اسے کھالے پھر مجھ پر اسے بند کر دیا گیا۔

طبرانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا) جب وہ رات آئی جب مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو مجھے جنت میں داخل کیا گیا پس میں جنت کے درختوں میں سے ایک ایسے درخت کے پاس کھڑا ہوا جس سے زیادہ خوبصورت، زیادہ سفید اور نہایت عمدہ پھل والا درخت میں نے نہیں دیکھا میں نے اس کے پھل میں سے کچھ پھل لے کر کھایا تو وہ میری پیٹھ میں مادہ منویہ بن گیا جب میں زمین کی طرف اتر ا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قریب ہوا تو وہ 'حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حاملہ ہو گئیں۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ واقعہ معراج حضرت خاتون جنت کی ولادت سے پہلے پیش آیا حالانکہ آپ نبوت (کے اعلان) سے سات سال اور کچھ ماہ پہلے پیدا ہوئیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعہ معراج اعلان نبوت کے بعد ہوا۔

ابو الحسن بن غالب نے ستر ہزار سات سو ستر پردوں کے سلسلے میں مروی احادیث میں کلام کیا اور اسے ابو یوسف بن سعید کی طرف منسوب کیا کہ انہوں نے "شفاء الصدور میں" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حدیث معراج کا ابتدائی حصہ ذکر کیا جیسا کہ احادیث کی بنیادی کتب میں ہے پھر فرمایا۔

میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور وہ میرے رب کی طرف میرے ہمراہ تھے حتیٰ کہ وہ ایک مقام پر پہنچے پھر وہاں ٹھہر گئے۔ میں نے کہا اے جبریل! کیا ایسے مقام پر ایک دوست دوسرے دوست کو چھوڑ دیتا ہے؟ انہوں نے

کہا اگر میں اس سے آگے بڑھوں تو میں نور سے جل جاؤں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے جبریل! تمہاری کوئی حاجت ہے؟ عرض کیا اے محمد ﷺ آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ میرے بازو کو آپ کی امت کے لئے کھول دے حتیٰ کہ وہ اس پر سے گزریں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں پھر مجھے نور میں اچھی طرح ڈالا گیا اور میرے ذریعے ستر ہزار جنابات کو پھاڑا گیا ان میں سے کوئی جناب بھی دوسرے جناب جیسا نہ تھا اور مجھ سے ہر انسان اور فرشتے کا احساس ختم ہو گیا اس وقت مجھے تنہائی کا احساس ہوا تو کسی ندا دینے والے نے مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز میں پکارا اور کہا ٹھہریے آپ کا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے میں اس سلسلے میں غور کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے سبقت کر گئے ہیں کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ بلند و بالا کی طرف سے آواز آئی اے تمام مخلوق میں سے بہتر! قریب ہو جاؤ اے احمد! قریب ہو جاؤ اے محمد! قریب ہو جاؤ (ﷺ) چاہیے کہ حبیب قریب ہو جائے۔

پس میرے رب نے مجھے قریب کیا حتیٰ کہ میں اس طرح ہو گیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اترا آیا تو اس جلوے (الجم: ۸-۹) اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

آپ فرماتے ہیں میرے رب نے مجھ سے سوال کیا تو میں جواب نہ دے سکا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے کاندھوں کے درمیان رکھا (جیسا کہ اس کے شایان شان ہے اس کی کوئی کیفیت اور حد بندی نہیں ہے) پس میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینے میں پایا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلوں اور پچھلوں کا علم عطا فرمایا اور مجھے مختلف علوم عطا کئے۔

ایک علم کے چھپانے کا مجھ سے وعدہ لیا کیونکہ اس کو اٹھانے پر میرے سوا کوئی قادر نہیں اور دوسرے علم کے بارے میں مجھے اختیار دیا نیز اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن سکھایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام مجھے یاد دلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسا علم بھی دیا جسے امت کے عام و خاص تک پہنچانے کا حکم دیا میں نے ایک آیت کے سلسلے میں حضرت جبریل علیہ السلام سے جلدی کی جو آیت انہوں نے مجھ پر اتار دی تو میرے رب نے اس پر مجھے تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ ارْجِعْهُ ۖ (طہ: ۱۱۳) اور قرآن میں جلدی نہ کرو جب تک اس کی وحی تمہیں پہنچے اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ

دے۔

پھر میں نے کہا یا اللہ! جب مجھے تیرے پاس آنے سے پہلے وحشت محسوس ہوئی تو میں نے ایک منادی کو سنا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان کے مشابہ زبان میں پکار رہا تھا اس نے مجھے کہا ٹھہر جاؤ تمہارا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے تو مجھے دونوں باتوں پر تعجب ہوا کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مقام کی طرف مجھ سے سبقت کی نیز میرا رب صلوٰۃ (نماز) پڑھنے سے بے نیاز ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

میں اس بات سے بے نیاز ہوں کہ کسی کے لئے نماز پڑھوں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں کہتا ہوں:

سبحانی سبحانی سبقت رحمتی غضبی: میں پاک ہوں میں پاک ہوں میری رحمت میرے

غضب سے سبقت لے گئی۔

اے محمد ﷺ! پڑھیے:

هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ
لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ وَكَانَ
بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيْمًا (الاحزاب: ۴۳)

وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی
(رحمت کی دعا مانگتے ہیں) تاکہ تمہیں اندھیروں سے روشنی
کی طرف نکالے اور وہ مؤمنوں پر مہربان ہے۔

پس میری صلوٰۃ آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے رحمت ہے اور آپ کے ساتھی (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ
عنه) کا معاملہ یہ ہے کہ آپ کے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انس عصا کے ساتھ تھا جب ہم نے ان سے کلام کا ارادہ
کیا تو ہم نے کہا:

وَمَا يَلِكُ بِسَمِيْعِكَ يَا مُوسٰى قَالَ هٰى
عَصَاى (طہ: ۱۸)

اے موسیٰ علیہ السلام آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے
تو انہوں نے عرض کیا یہ میرا عصا ہے۔

تو عصا کے ذکر سے بہت بڑی ہیبت سے ان کی توجہ ہٹ گئی اسی طرح اے محمد ﷺ! جب آپ اپنے ساتھی حضرت
صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مانوس تھے اور آپ کو اور ان کو ایک ہی مٹی سے پیدا کیا گیا نیز وہ دنیا اور آخرت میں آپ کے
ساتھی ہیں تو ہم نے ایک فرشتے کو ان کی صورت میں پیدا کیا جس نے آپ کو ان کی زبان میں پکارا تاکہ آپ سے وحشت
دور ہو جائے اور بہت بڑی ہیبت دور ہو جائے جو آپ کو اس بات سے دور کرنے والی ہے جس کے فہم کا آپ سے ارادہ کیا
گیا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

حضرت جبریل علیہ السلام کی حاجت کہاں ہے؟ میں نے کہا یا اللہ! تو خوب جانتا ہے پھر فرمایا اے محمد ﷺ! میں
نے ان کے سوال کو پورا کیا لیکن ان لوگوں کے بارے میں جو آپ سے محبت کریں اور آپ کے ساتھی بنیں۔

ایک روایت میں ہے کہ (آپ نے فرمایا) میں آگے بڑھا اور حضرت جبریل علیہ السلام میرے پیچھے تھے حتیٰ کہ وہ
مجھے سونے سے بنے ہوئے بچھونے کے حجاب تک لے گئے انہوں نے حجاب کو حرکت دی تو کہا گیا یہ کون ہے؟ انہوں نے
کہا میں جبریل ہوں اور میرے ساتھ حضرت محمد ﷺ ہیں فرشتے نے اللہ اکبر کہا پس اپنا ہاتھ پردے کے نیچے سے نکالا
اور مجھے اٹھا کر پلک جھپکنے سے بھی زیادہ جلدی اپنے سامنے رکھ دیا حجاب کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت سے بھی زیادہ
تھی اس نے کہا اے محمد ﷺ! آگے بڑھیں میں آگے چلا تو فرشتہ پلک جھپکنے سے بھی زیادہ تیزی سے مجھے موتیوں کے
حجاب میں لے گیا اور حجاب کو حرکت دی فرشتے نے حجاب کے پیچھے سے کہا کون ہے؟ کہا میں سونے کے حجاب والا فلاں
ہوں اور یہ حضرت محمد ﷺ میرے ساتھ ہیں جو رب العزت کے رسول ہیں اس نے کہا ”اللہ اکبر“ پھر حجاب کے نیچے سے
ہاتھ نکالا اور مجھے اٹھا کر اپنے سامنے رکھ دیا میں اسی طرح ایک پردے سے دوسرے پردے تک جاتا رہا حتیٰ کہ ستر حجابات
سے آگے چلا گیا ہر حجاب کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر تھی پھر مجھ سے کہا اے محمد ﷺ! آگے بڑھئے میں
آگے بڑھا تو ایک فرشتہ مجھے سبز رُف کے قریب لے گیا جس کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب تھی میری آنکھیں چند حسیا
تھیں۔

اور مجھے رُف پر رکھا گیا پھر مجھے اٹھا کر عرش تک پہنچایا گیا تو میں نے ایک بہت بڑا معاملہ دیکھا جسے زبان میں بیان

نہیں کر سکتیں پھر عرش سے ایک قطرہ میرے قریب کیا گیا میں نے اسے زبان پر رکھا تو چمکنے والوں نے بھی اس سے زیادہ میٹھی چیز کبھی نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلوں اور پچھلوں کی خبریں دیں اور میرے دل کو روشن کر دیا اس کے عرش کے نور نے میری آنکھوں کو ڈھانپ لیا تو مجھے بھی دکھائی نہ دیا پس میں اپنے دل سے دیکھنے لگا اور آنکھوں سے نہیں دیکھتا تھا۔ میں نے اپنے پیچھے اور کاندھوں کے درمیان سے اسی طرح دیکھا جیسے میں اپنے سامنے دیکھتا تھا۔

یہ روایت اور اس سے پہلے والی روایت ”شفاء الصدور“ میں نقل کی گئی ہے جیسا کہ ابن غالب نے ذکر کیا پس اس سلسلے میں ناقل ذمہ دار ہے۔

حجاب اور اس کا معنی

حجابات کی کثرت صحیح طرق میں مروی نہیں ہے اور اس سلسلے میں صرف صحیح مسلم کی روایت صحیح ہے اس میں یوں ہے:

حجابه النور. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۳) اس کا حجاب نور ہے۔

رفرف پچھونا ہے کہا گیا ہے کہ اصل میں باریک ریشم سے نہایت عمدہ طریقے پر بنے ہوئے پچھونے کو رفرف کہتے ہیں لیکن اب اس میں وسعت آگئی ہے۔

یہ بات جان لو کہ اس بلند مقام پر جو حجاب کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ مخلوق کے حق میں ہے خالق عز و جل کے حق میں نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس سے پردے میں ہو کیونکہ پردہ ایک محسوس مقدار کو محیط ہوتا ہے پس تمام مخلوق اسماء صفات اور افعال کے معانی کے ذریعے اس سے پردے میں ہیں اور تمام مخلوقات کے لئے انوار اور ظلمات کے معانی سے معلوم حجاب سے ایک مقام ہے اسی طرح ادراک اور معرفت سے ایک حصہ ہے جو اس کے لئے منقسم ہے اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب وہ فرشتے ہیں جو عرش کو گھیرے ہوئے ہیں اور مقربین ہیں اور یہ ہیبت عظمت کبریائی جلال قدس اور قیومیت کے نور کے ساتھ پردوں میں ہیں ذات صفات کے پردے میں ہے اور وہ اس سے پردے میں ہونے کے اعتبار سے مختلف طبقات میں ہیں ہر ایک کا ایک معلوم مقام اور درجہ ہے خلاصہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات خالق سے حجاب میں نہیں ایک قوم کا حجاب یہ ہے کہ وہ نعمت کو منعم (انعام دینے والے) کی طرف سے نہیں دیکھتے دوسری جماعت حال کو حال عطا کرنے والے کی طرف سے سمجھنے میں حجاب میں ہے نیز وہ سبب کو مسبب کی طرف سے جاننے میں حجاب میں ہے ایک جماعت کا حجاب یہ ہے کہ وہ علم کو معلم کی طرف سے فہم کو فہم دینے والے کی طرف سے اور عقل کو عقل عطا کرنے والے کی طرف سے نہیں جانتی اور ان سب کا مطلب یہ ہے کہ انعامات کو منعم کی طرف سے اور عطیات کو معطی کی طرف سے نہیں سمجھتے۔

ایک قوم جائز خواہشات کے ذریعے اور کچھ لوگ حرام خواہشات گمناہوں اور برائیوں کے ذریعے حجاب میں ہیں ایک قوم مال بیڑوں اور دنیوی زندگی کی زینت کے ذریعے حجاب میں ہے۔

یا اللہ! دنیا میں ہمارے دلوں کو اور آخرت میں ہماری آنکھوں کو اپنی ذات سے حجاب میں نہ کرنا اے کریم!

”ثم دنا فتدلى“ کی تفسیر

صحیح روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں جب حضرت جبریل علیہ السلام مجھے سدرۃ المنطی کی طرف لے گئے اور جبار ذات قریب ہوئی جو عزت و جلال والا ہے تو اس قدر قریب ہوا کہ دو کمانوں کے درمیان جھتنا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا تو اس نے اپنے بندے کی طرف وحی بھیجی جو وحی بھیجی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۱۷)

اور یہ قرب جو اس حدیث میں اور معراج شریف سے متعلق دیگر احادیث میں مروی ہے اس سے وہ قرب مراد نہیں جو سورہ نجم میں اس طرح بیان ہوا:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى ۖ
(النجم: ۸-۹) اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

اگرچہ دونوں جگہ الفاظ ایک جیسے ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ آیت میں اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ سورت کے اول میں درج ذیل آیت تک جو کچھ مذکور ہے اس سے وہی مراد ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۖ
(النجم: ۱۳-۱۴) اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا سدرۃ المنطی کے پاس۔

نبی اکرم ﷺ نے صحیح حدیث میں اسی طرح وضاحت فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں میں نے دن کو ان کی اصل صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۷۷ مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۵۴ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۸۷ مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۶)

اور قرآن مجید کے الفاظ کئی وجوہ سے اس کے غیر پر دلالت نہیں کرتے۔

پہلی وجہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۖ
(النجم: ۵)

انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

اور اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں جن کو سورہ تکویر میں قوت کے ساتھ موصوف کیا۔

دوسری وجہ: ارشاد خداوندی ہے:

ذُو مِرَّةٍ ۖ
(النجم: ۶)

(جلوہ)

یعنی حسن خلق والے اور یہ وہی کریم ہیں جن کا ذکر سورہ تکویر میں ہے۔

تیسری وجہ: ارشاد خداوندی:

كَاسْتَوَىٰ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۖ
(النجم: ۶)

پھر (اس جلوہ نے) قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں

کے سب سے بلند کنارے پر تھا۔

اور اس (افق اعلیٰ) سے بلند آسمان کا کنارہ مراد ہے اور اس سے حضرت جبریل علیہ السلام کا استواء مراد ہے اللہ تعالیٰ کا استواء عرش پر ہے۔

چوتھی وجہ: ارشاد خداوندی ہے:

كُنَّ دَنَا فَتَدَلَّى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ (النجم: ۸-۹) اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

اس سے حضرت جبریل علیہ السلام کا قرب مراد ہے اور وہ زمین کی طرف اترے تھے جب کہ نبی اکرم ﷺ وہیں زمین پر تھے۔ اور جو ”دنو اور تدلی“ حدیث معراج میں ہے تو رسول اکرم ﷺ آسمانوں کے اوپر تھے پس وہاں اللہ تعالیٰ جو جبار ہے وہ حضور علیہ السلام کے قریب ہوا اور اس کا جلوہ خوب اتر آیا۔

پانچویں وجہ: ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝ (النجم: ۱۳-۱۴) اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا سدرۃ المنتہی کے پاس۔

اور سدرۃ المنتہی کے پاس قطعی طور پر جو شخصیت تھی وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے اور نبی اکرم ﷺ نے بھی یہی وضاحت فرمائی آپ نے فرمایا وہ جبریل علیہ السلام تھے۔

چھٹی وجہ: ارشاد خداوندی ”ولقد راہ“ ”دنا فتدلی“ ”فاستوی“ اور ”وہو بالافق الاعلیٰ“ میں ضمیر ایک ہی ہے پس یہ بات جائز نہیں کہ کسی دلیل کے بغیر مفسرین کے نزدیک اس ضمیر کا مرجع مختلف ہو۔

ساتویں وجہ: اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ یہ جو قریب ہوا اور اتر پھر مزید قریب ہوا وہ افق اعلیٰ میں تھا اور وہ آسمان کا افق ہے بلکہ اس سے نیچے ہے پس وہ زمین کے قریب ہوا پھر رسول اکرم ﷺ کے قریب ہوا اور اللہ تعالیٰ کا قرب جیسا کہ حضرت شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے وہ عرش پر تھا زمین کی طرف نہ تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝ (النجم: ۱۷) آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے عام دیکھنے والے بے ادب کی حرکت کی نفی فرمائی کہ وہ مخلص جب بادشاہوں یا دیگر عظیم شخصیات کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو دائیں بائیں توجہ کرتا ہے اور اس کی نگاہ سامنے والے سے تجاوز کر جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے کمال ادب کو بیان فرمایا کہ اس مقام پر اور بارگاہ خداوندی میں حاضری کے وقت آپ نے کسی دوسری جانب توجہ نہ فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات جو آپ کو دکھائی گئیں اور دیگر عجائبات جو وہاں تھے ان کو دیکھتے رہے بلکہ آپ اس بندے کی طرح رہے جس کا ادب اس کو اسی چیز کی طرف متوجہ کرتا ہے جو اس کو دکھائی جاتی ہے کسی دوسرے جانب توجہ نہیں کرتا اور جو کچھ دکھایا نہیں جاتا اس کی جانب بھی متوجہ نہیں ہوتا اس میں جہاں ادب ہے وہاں دل کا ثبات سکون اور طمانیت بھی ہے اور یہ انتہائی درجہ کا کمال ہے (ابن قیم نے) ”مدارج السالکین“ میں لکھا ہے کہ اس آیت میں عجیب و غریب اسرار ہیں جو آداب کی گہرائیوں سے ہیں اور سب سے زیادہ کامل انسان کے لائق ہیں

آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتی ہو۔

اس مقام پر آپ کی بصارت و بصیرت باہم متفق ہو گئیں اور انہوں نے ایک دوسرے کی تصدیق کی پس جو کچھ ظاہری نگاہ نے دیکھا باطنی نگاہ نے اس کی موافقت کی اور جو کچھ آپ کی بصیرت نے دیکھا وہ بھی حق تھا اور آنکھ نے اس کی گواہی دی پس آپ کے حق میں دونوں کا اتفاق ہوا یعنی جو کچھ آپ نے آنکھ سے دیکھا دل نے اس کو جھٹلایا نہیں۔ اسی لئے ہشام اور ابو جعفر نے اسے اس طرح پڑھا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ۝
دل نے اس کو جھٹلایا نہیں جسے آپ نے دیکھا تھا۔

یعنی ذال پر شد پڑھی یعنی دل نے نگاہ کو جھٹلایا نہیں بلکہ اس کی تصدیق کی اور دل و نگاہ کی صحت کے ساتھ دونوں میں موافقت ہوئی۔ اور جو کچھ آنکھ اور دل سے دیکھا وہ حق ہے۔

جمہور کی قرأت میں ذال پر شد نہیں ہے اور یہ متعدی ہے اور ”ما راى“ اس کا مفعول ہے یعنی جو کچھ آپ کی آنکھ نے دیکھا دل نے اس سے جھوٹ نہیں کہا بلکہ اس کی موافقت کی۔

پس آپ کے دل کا جسم کی ظاہر کا باطن کی اور آنکھ کا بصیرت کی موافقت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ دل نے آنکھ کو جھٹلایا نہیں اور نگاہ نے اپنی حد سے تجاوز نہیں کیا اور اس نے جس کو دیکھا اس سے تھک کر بھٹک نہیں گئی بلکہ نگاہ کو اس پر اعتدال حاصل رہا نہ اس نے اس سے تجاوز کیا نہ دوسری طرف مائل ہوئی کیونکہ دل میں اعتدال تھا اور وہ کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھا اور دوسروں سے اعراض کر رہا تھا یعنی دل مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور اس کے غیر سے بالکل منہ پھیر لیا۔

جس طرح آنکھ بھٹکتی اور سرکشی کرتی ہے اسی طرح دل بھی بھٹکتا اور سرکشی کرتا ہے لیکن آپ کے دل میں کبھی نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کے غیر کی طرف متوجہ ہو اور جس مقام پر وہ تھا اس سے تجاوز کے ذریعے سرکشی بھی نہیں کی اور یہ بارگاہ خداوندی کے ادب اور انتہائی کمال کی دلیل ہے اور اس میں کوئی دوسرا شخص نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

عام نفوس کی عادت ہوتی ہے کہ جب ان کو کسی بلند مقام پر کھڑا کیا جائے وہ اس سے بلند اور اوپر والے مقام کی طرف دیکھتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی اور مناجات کا مقام دیا گیا تو آپ کے نفس نے دیدار خداوندی کا مطالبہ کیا اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کو جب اس مقام پر کھڑا کیا گیا تو آپ نے اس کا حق ادا کیا اور آپ کی نگاہ اور دل نے دوسری طرف بالکل توجہ نہ کی اسی لئے آپ کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ آئی اور نہ آپ کی مراد رکی حتیٰ کہ آپ ساتوں آسمانوں سے گزر گئے اور آپ کے ارادے کو کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی اور آپ کی ہمت کمال عبودیت سے پہلے نہیں رکی اور اسی لئے آپ کی سواری سفر میں حد نگاہ سے تجاوز کر جاتی تھی اور وہ وہاں قدم رکھتی جہاں نگاہ پہنچتی اور وہ اپنے سوار کا انداز اختیار کر رہی تھی کہ آپ اپنی سیر میں تمام عالم سے آگے نکل گئے پس براق کا قدم اس کی نگاہ کی جگہ سے پیچھے نہیں رہتا تھا جس طرح نبی اکرم ﷺ کا قدم مبارک اپنے محل معرفت سے پیچھے نہیں رہتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ مسلسل کمال ادب کی نہایت اور مرتبہ زندگی کی تکمیل میں رہے حتیٰ کہ آسمانوں کے پردے پست

پس جب قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کو قرب کامل کے مقام پر کھڑا کیا جائے گا جہاں پہلے اور پچھلے آپ پر رشک کریں گے اور وہاں آپ صراطِ مستقیم پر ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمالِ ادب کا مظاہرہ فرمائیں گے تو آنکھ نہ کسی طرف پھرے گی نہ حد سے بڑھے گی تو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق اور ہدایت کے سب سے زیادہ سیدھے راستے پر کھڑا کیا اور اپنے کلامِ قدیم کے ساتھ ذکرِ حکیم میں اس بات کی قسم کھائی۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

یَسْ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ
الْمُرْسَلِينَ ۝ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (یسین: ۱-۴)

پس جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آپ کو پہل صراط پر کھڑا کرے گا تو آپ اپنی اتباع کرنے والوں اور اہل سنت کے لئے سلامتی کی دعا مانگیں گے حتیٰ کہ وہ نعمتوں والے باغات کی طرف چلے جائیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

پھر یہاں جس قرب کا ذکر ہے اس سے محبت اور قرب کی تاکید نیز منزلت اور مرتبہ کی بلندی مراد ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب محبوب کو محبوب کا انتہائی قرب حاصل ہوا تو بہت زیادہ ہیبت طاری ہوگئی پس اللہ تعالیٰ نے انتہائی لطف و کرم سے آپ کو نوازا اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۝ (النجم: ۱۰)

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔

یعنی جو کلام دونوں کے درمیان ہوا اور حبیب نے اپنے محبوب سے وہی کہا جو ایک محبت اپنے محبوب سے کہتا ہے اور جس طرح ایک محبت اپنے محبوب پر مہربان ہوتا ہے پس اس راز کو پوشیدہ رکھا اور اس پر کوئی بھی مطلع نہ ہوا یعنی کیا وحی فرمائی یہ وہی جانتا ہے جس نے وحی فرمائی (یا جس کی طرف وحی ہوئی)۔

فَاَوْحَىٰٓ اِلَىٰ عَبْدِهِۦ مَا اَوْحَىٰ

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے غیر نے کہا کہ اس آیت میں وحی کو اس کی عظمت کی وجہ سے مبہم رکھا کیونکہ بعض اوقات ابہام تعظیم کے لئے ہوتا ہے پس یہ مبہم ہے اس پر اطلاع نہیں ہوتی بلکہ صرف ایمان لانے کا حکم ہے۔
یہ بھی کہا گیا کہ احادیث مبارکہ میں اس کی تفسیر آئی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی طرف یہ وحی فرمائی ہے:

اَلَمْ اَجِدْكَ يَتِيْمًا فَآوَيْتَكَ اِلَيْمُ
اَجِدْكَ ضَالًّا فَهَدَيْتَكَ اِلَيْمُ اَجِدْكَ عَانِيًا

کہا میں نے آپ کو یتیم نہیں پایا پس آپ کو ٹھکانہ دیا
کیا میں نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ نہ پایا پھر راہ دکھائی

کیا حاجت مند نہ پایا پھر آپ کو بے نیاز کر دیا۔

فاغنیتک۔

اور یہ بھی وحی فرمائی:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۖ وَوَضَعْنَا
عَنْكَ وَزْرَكَ ۖ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۖ
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۖ (الانشراح: ۱-۴)

کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کے سینہ مبارک کو نہیں
کھولا اور آپ سے وہ بوجھ نہیں اتارا جس نے آپ کی پیٹھ
کو دوہرا کر دیا تھا اور ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو
بلند کیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ اے محمد! جب تک آپ جنت میں داخل نہیں ہوں گے
باقی انبیاء کرام علیہم السلام پر یہ حرام رہے گی اور جب تک آپ کی امت داخل نہ ہو دوسری امتوں پر حرام رہے گی۔ یہ بات
نقلی اور قشیری نے نقل کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرح وحی فرمائی کہ میں نے آپ کو غرض کوڑے کے
ساتھ خصوصیت عطا کی پس تمام جنتی پانی کے ساتھ آپ کے مہمان ہوں گے اور ان کے لئے شراب دودھ اور شہد بھی ہوگا
یہ بات قشیری نے ذکر کی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی طرف اس بات کی وحی ہوئی جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف ہوئی کیونکہ ارشاد
خداوندی ہے:

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ
قَبْلِكَ۔

آپ سے وہی کچھ کہا جاتا ہے جو آپ سے پہلے
رسولوں سے کہا گیا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ پانچ نمازوں کی وحی کی گئی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
آپ سے فرمایا سوال کیجئے، آپ نے عرض کیا (یا اللہ) تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور ان کو بہت بڑی
سلطنت عطا کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت بڑی بادشاہی عطا کی اور ان کے
لئے لوہے کو نرم کر دیا نیز ان کے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کو بہت بڑی حکومت دی اور ان کے لئے
انسانوں، جنوں اور شیطانوں کو نیز ہواؤں کو مسخر کیا اور انہیں ایسی بادشاہی عطا کی جو ان کے بعد کسی کے لئے مناسب نہیں
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تورات و انجیل سکھائی اور انہیں یہ اعزاز بخشا کہ وہ مادرزاد اندھوں اور کوڑھ کے مریضوں کو شفاء
دیتے اور تیرے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے نیز ان کو اور ان کی ماں کو شیطان مردود سے محفوظ رکھا پس شیطان کا ان دونوں
پر بس نہیں چلتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے آپ کو اپنا حبیب بنایا پس تورات و انجیل میں آپ کا ذکر ”حبیب الرحمن“ کے الفاظ کے
ساتھ ہے نیز میں نے آپ کو لوگوں کے لئے کفایت کرنے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا آپ کے
لئے آپ کے سینے کو کھول دیا اور آپ سے آپ کے بوجھ کو اتارا نیز آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا پس جہاں میرا
ذکر ہوگا وہاں آپ کا ذکر بھی ہوگا میں نے آپ کی امت کو تمام امتوں میں سے بہترین امت بنایا جسے لوگوں کے فائدے

کے لئے پیدا کیا گیا آپ کی امت کو درمیانی (بہترین) امت بنایا اور آپ کی امت کو ہی پہلے اور پچھلے لوگ بنایا نیز آپ کی امت کو یوں بنایا کہ ان کا کوئی خطبہ اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔

نیز میں نے آپ کی امت میں کچھ ایسے لوگوں کو پیدا کیا کہ ان کے دل ان کی انجیل ہیں آپ کو تمام انبیاء کرام سے پہلے پیدا فرمایا اور سب سے آخر میں مبعوث کیا اور سب سے پہلے آپ کے بارے میں فیصلہ ہوگا میں نے آپ کو سبع مثانی (سورہ فاتحہ جس کی سات آیات بار بار پڑھی جاتی ہیں) عطا کی جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں عطا کی اور آپ کو سورہ بقرہ کی آخری آیات اپنے عرش کے نیچے سے عطا کیں جو آپ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کیں۔

میں نے آپ کو کوثر عطا کی نیز آٹھ حصے عطا کئے، اسلام، ہجرت، جہاد، نماز، صدقہ، رمضان کے روزے، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا میں نے آپ کو (نبوت کا دروازہ) کھولنے والا اور آخری نبی بنایا۔

اس روایت کی سند میں ابو جعفر رازی کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے ابو زرہ نے کہا کہ اس راوی پر تہمت ہے ابن کثیر نے کہا زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ اس کا حافظہ صحیح نہیں ہے۔

لفظ عبد کے ساتھ موصوف ہونا

حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنے والد سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے ابو القاسم سلیمان انصاری سے سنا وہ کہتے تھے جب نبی اکرم ﷺ معراجوں کے سلسلے میں بلند درجات اور مراتب رفیعہ تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی اے محمد! ﷺ آپ کو کس وصف سے مشرف کیا جائے؟ تو آپ نے عرض کیا اے میرے رب! مجھے اپنی طرف بندگی کے ساتھ منسوب فرما تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مُبَحَّانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ۔ وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ نام رکھا کیونکہ آپ کے لئے اسم اعظم ثابت ہے اور آپ تمام صفات سے موصوف ہیں پس حقیقت میں یہ نام آپ کے لئے ہی درست ہے اور آپ کے بعد اقطاب کے لئے مہجہا ہے حقیقتاً نہیں اگرچہ آپ کے غیر پر اس کا اعلان مجازاً ہوتا ہے۔ ادیب برہان الدین قیراطی پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے انہوں نے کیا عمدہ بات کہی ہے فرماتے ہیں:

وَدَعَتْنِيْ بِالْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَدْ دَعَتْهُ بِأَشْرَفِ الْأَسْمَاءِ

”اس نے ایک دن مجھے عبد کہہ کر پکارا تو لوگوں نے کہا اس نے سب سے اچھے نام کے ساتھ پکارا ہے۔“

اشارات

بعض اہل اشارہ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا اے محمد! میں نے آپ کو اپنا نور عطا کیا جس سے آپ میرے جمال کو دیکھتے ہیں ایسی سماعت عطا کی جس سے میرا کلام سنتے ہیں اے محمد! میں زبان حال سے آپ کو اپنی طرف عروج کا معنی بتاتا ہوں اے محمد! میں نے آپ کو لوگوں کی طرف گواہ، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور گواہ سے اس بات کی حقیقت کا

مطالبہ کیا جاتا ہے جس کی وہ گواہی دیتا ہے میں آپ کو اپنی جنت دکھاؤں گا تاکہ آپ اس چیز کی گواہی دیں جو میں نے اس میں اپنے دوستوں کے لئے تیار کی ہے اور آپ کو اپنا جہنم دکھاؤں گا تاکہ آپ اس چیز کا مشاہدہ کریں جو میں نے اس میں اپنے دشمنوں کے لئے تیار کی ہے پھر میں آپ کو اپنے جلال کا مشاہدہ کراؤں گا اور آپ کے لئے اپنے جمال کو ظاہر کروں گا تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ میں اپنے کمال میں تشبیہ اور نظیر سے بے نیاز ہوں اور مجھے کسی وزیر و مشیر کی ضرورت نہیں ہے۔

پس نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اس نور سے دیکھا جس کے ساتھ اس نے آپ کو قوت عطا کی اس میں ادراک اور احاطہ نہ تھا اللہ تعالیٰ ایک اور بے نیاز ہے نہ وہ کسی چیز میں ہے اور نہ کسی چیز سے ہے۔
نہ وہ کسی چیز کے ساتھ قائم ہے اور نہ کسی کے اوپر قائم ہے اور نہ ہی وہ کسی چیز کا محتاج ہے اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔
جب اللہ تعالیٰ نے آپ سے آئے سامنے گفتگو کی اور کسی رکاوٹ کے بغیر مشاہدہ کرایا تو آپ سے کہا گیا اے محمد! ﷺ اس خلوت کا ایک راز ہونا چاہیے جو نہ پھیلے اور ایسی رمز جو شائع نہ ہو پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔

پس یہ ایک راز ہے جس پر کوئی مترتب فرشتہ اور کوئی نبی سرسل مطلع نہ ہوا اور زبان حال سے پڑھا:

بین المحبین سر لیس بفشیہ قول ولا قلم فی الکون بحکبہ
سر یماز جہ انس یقابله نور تحیر فی بحر من التیہ
”دو محبت کرنے والوں کے درمیان ایک راز ہے جسے کوئی قول اور قلم اس عالم میں فاش نہیں کرتے جو اس کو بیان کریں ایک ایسا راز جس میں انس ملا ہوا ہے اس کے مقابل نور ہے جو تہ کے سمندر میں حیران ہے۔“

جب آپ عرش پر پہنچے تو عرش نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور زبان حال سے پکارا اے محمد! ﷺ! آپ کا وقت ہر قسم کی تشویش سے صاف ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدت کے جمال کا مشاہدہ کرایا اور اپنی صمدیت (بے نیازی) کے جلال پر مطلع کیا میں اس کا شوق اور اس کی حسرت رکھتا ہوں اس میں حیران ہوں میں نہیں جانتا کہ کس راستے سے اس کے پاس آؤں۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی مخلوق میں سے سب سے بڑا بنایا پس میں ہیبت کے اعتبار سے سب سے بڑا ہوں میری حیرت سب سے زیادہ اور خوف بھی شدید تر ہے۔ اے محمد! ﷺ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا پس میں اس کے جلال کی ہیبت سے کانپتا ہوں اس نے میرے پایوں پر لکھا ”لا الہ الا اللہ“۔

تو اس کے نام کی ہیبت سے میری کپکپاہٹ بڑھ گئی پس اس نے ”محمد رسول اللہ“ لکھا تو اس سے میرا اضطراب ختم ہو گیا تو یہ میرا خوف ہے۔ تو آپ کا اسم گرامی میرے دل کا کمال اور میرے اندر کا اطمینان ہے آپ کے اسم گرامی کے مجھ پر لکھے جانے کی برکت ہے تو کیسے ہو گا جب آپ کی نظر جمیل مجھ پر پڑے گی اے محمد! ﷺ آپ رسول ہیں تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں تو مجھے بھی اس رحمت سے حصہ ملنا چاہیے اور اے میرے حبیب! میرا حصہ یہ ہے کہ آپ اس چیز سے

میری برأت کی گواہی دیں جو جھوٹے لوگوں نے مجھ سے منسوب کر رکھی ہے اور دھوکے باز لوگ میرے بارے میں کہتے ہیں۔

وہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بے مثل ذات مجھ میں سمائی ہوئی ہے اور میں نے بے کیف ذات کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اے محمد! ﷺ جس کی ذات حد سے پاک اور صفات شمار سے پاک ہوں وہ میرا محتاج کیسے ہو سکتا ہے یا وہ مجھ پر کیسے سوار ہو سکتا ہے جب کہ رحمن اس کا نام اور استواء اس کی صفت ہے اور اس کی صفت اس کی ذات سے متصل ہے تو مجھ سے اس کا اتصال یا علیحدگی کا کیا مطلب ہے؟

اے محمد! ﷺ اس کی عزت کی قسم اس کا قرب وصل اور اس سے دوری فصل نہیں (بلکہ میں اس کی مخلوق ہوں)۔ اس کا مجھ پر قادر ہونا سوار ہونا نہیں اس نے اپنی رحمت اور فضل سے مجھے وجود عطا کیا اگر وہ مجھے مٹا دے تو اسے اس بات کا حق پہنچتا ہے اور یہ عدل ہے اے محمد! ﷺ میں اس کی قدرت کے تابع ہوں اور مجھ میں اس کی حکمت کا فرما ہے۔ تو ہمارے سردار نے اللہ تعالیٰ آپ کے فضل و شرف کو زیادہ فرمائے زبان حال سے جواب دیا اے عرش! اپنا کام کرو میں تمہاری طرف متوجہ نہیں ہوں میرے تخیل کو خراب نہ کرو اور نہ اس میں تشویش پیدا کرو پس نبی اکرم ﷺ نے نہ اس کی طرف نظر اٹھائی اور نہ اس لکھے ہوئے میں سے کوئی حرف پڑھایا جو آپ کی طرف وحی ہوئی کیونکہ:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ۝ (النجم: ۱۷) آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔

معراج شریف سے متعلق بعض روایات میں ہے جسے علامہ ابن مرزوق رحمہ اللہ نے ”بردة المذبح کی“ شرح میں ذکر کیا کہ جب نبی اکرم ﷺ کو قرب خداوندی حاصل ہوا تو آپ نے عرض کیا۔

یا اللہ! تو نے بعض امتوں کو پتھروں کے ذریعے عذاب دیا بعض کو زمین میں دھنسانے کے ذریعے اور بعض کو چہرے مسخ کر کے عذاب دیا۔ میری امت سے کیا سلوک فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں ان پر رحمت نازل کروں گا اور ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دوں گا ان میں سے جو شخص مجھے پکارے گا میں اس کو جواب دوں گا جو مانگے گا اسے عطا کروں گا جو مجھ پر توکل کرے گا میں اسے کفایت کروں گا۔ میں دنیا میں گناہ گاروں کی پردہ پوشی کروں گا اور آخرت میں ان کے بارے میں آپ کی شفاعت قبول کروں گا اور اگر یہ بات نہ ہوئی کہ محبت اپنے محبوب کو تنبیہ کرنا پسند کرتا ہے تو میں آپ کی امت کا محاسبہ نہ کرتا۔

نبی اکرم ﷺ نے واپسی کا ارادہ کیا تو عرض کیا اے میرے رب! ہر آنے والے کے لئے سفر سے تحفہ ہوتا ہے میری امت کا تحفہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تک وہ زندہ رہیں گے میں ان کی مدد کروں گا جب مریں گے جب قبروں میں ہوں گے اور جب ان کو (قیامت کے دن) اٹھایا جائے گا تو بھی میں ان کے لئے (مددگار) ہوں گا۔

اللہ تعالیٰ کا دیدار

قدیم و جدید علماء کرام نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آیا شب معراج نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں؟

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا اے ماں! حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا تمہاری بات سے میرے بال کھڑے ہو گئے تم ان تین باتوں سے کہاں ہو کہ جو شخص وہ تین باتیں تم سے بیان کرے اس نے جھوٹ بولا۔ جو شخص تم سے بیان کرے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اس نے جھوٹ بولا پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ
وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (الانعام: ۱۰۳)

(اپنے علم سے) احاطہ کرتا ہے اور وہ لطیف خبر رکھنے والا ہے۔

اور یہ آیت پڑھی:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ
مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ. (الشوری: ۵۱)

اور جو شخص تم سے بیان کرے کہ وہ کل کی بات جانتا ہے تو اس نے جھوٹ کہا پھر یہ آیت پڑھی:

وَمَا تُدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا.

اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

(اللقمان: ۳۴)

اور جو آدمی تم سے بیان کرے کہ نبی اکرم ﷺ نے کوئی بات چھپائی ہے تو اس نے جھوٹ کہا پھر ام المؤمنین نے یہ آیت پڑھی:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ
رَبِّكَ. (المائدہ: ۶۷)

اے رسول ﷺ آپ پہنچا دیجئے وہ بات جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اتاری گئی۔

لیکن آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دو بار دیکھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۵۵)

”صحیح مسلم کی“ روایت میں ہے (ام المؤمنین نے فرمایا) جو شخص تم سے بیان کرے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے سب سے بڑا جھوٹ بولا۔

ام المؤمنین کا یہ فرمانا کہ میرے بال کھڑے ہو گئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے جو بات کہی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے دوسروں کی اتباع میں فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی مرفوع حدیث سے دیدار خداوندی کا انکار نہیں کیا اور اگر ان کے پاس ایسی روایت ہوتی تو وہ اسے ذکر کرتیں بلکہ انہوں نے آیت کے ظاہر میں اجتہاد کیا۔

۱۔ روایت کا معنی ہے اپنے آپ جانتا اور یقیناً کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر اپنے آپ نہیں جانتا لہذا یہاں روایت کی نلی ہے علم کی نہیں جسے اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔ ۱۲ ہزاروی

لیکن اس سلسلے میں دیگر صحابہ کرام نے ام المؤمنین کی مخالفت کی ہے اور جب کوئی صحابی ایک بات کہے اور دوسرے صحابہ کرام اس کی مخالفت کریں تو بالاتفاق یہ قول حجت نہیں ہوتا۔

حافظ ابو الفضل عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت امام نووی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ام المؤمنین نے اس سلسلے میں کسی مرفوع حدیث کے ذریعے دیدار خداوندی کی نفی نہیں کی ابن خزیمہ نے بھی اس سلسلے میں ان کی اتباع کی ہے اور یہ عجیب بات ہے ”صحیح مسلم میں“ ام المؤمنین سے ثابت ہے اور امام نووی نے ”صحیح مسلم کی“ شرح لکھی ہے (صحیح مسلم میں) داؤد بن ہند کے طریق سے مروی ہے وہ حضرت فضی سے اور وہ حضرت مسروق سے مذکورہ طریق پر نقل کرتے ہیں حضرت مسروق فرماتے ہیں میں تکبیر لگائے ہوئے تھا پس میں بیٹھ گیا اور عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا:

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۖ (النجم: ۱۳) اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا۔

ام المؤمنین نے فرمایا میں اس امت کی سب سے پہلی شخصیت ہوں جس نے نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا نہیں (بلکہ) میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اترتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے

ہاں آیت کریمہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انکار کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت حکم بن ابان کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت عکرمہ سے اور وہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: زای محمد ربہ۔ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ میں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے: لا تدركه الابصار۔ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ نہیں فرمایا؟ انہوں نے فرمایا افسوس اے عکرمہ! یہ اس کے نور کی ایک تجلی تھی اور آپ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۷۹)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت میں لفظ ”الابصار“ پر الف لام استغراق کا ہے پس یہ تخصیص کو قبول کرتا ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے بطور سبب ثابت ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ۝
(المطففين: ۱۰) ہاں بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں۔

تو اس سے کافر مراد ہیں کیونکہ دوسری آیت اس بات کی دلیل ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۖ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝
(القيامة: ۲۲-۲۳) کچھ منہ (چہرے) اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے۔

تو جب آخرت میں دیدار جائز ہے تو دنیا میں بھی جائز ہے کیونکہ دونوں وقت اس ذات کے حوالے سے برابر ہیں جسے دیکھا جا رہا ہے یہ نہایت عمدہ استدلال ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا عقلاً جائز ہے اور عقلی طور پر یہ محال نہیں ہے اس کے جواز

پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال ہے جو دیکھنے کے بارے میں کہا گیا۔

پھر فرمایا شریعت میں اس کے محال ہونے پر کوئی قطعی دلیل نہیں اور نہ ہی اس کے ممنوع پر کوئی دلیل ہے کیونکہ ہر موجود کو دیکھنا جائز ہے محال نہیں ہے اور اس کا انکار کرنے پر استدلال کرنے والوں کے لئے ”لا تدركه الابصار“ میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس آیت کی مختلف تاویلات ہیں۔

ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے حضرت اسماعیل بن علیہ سے اس کی تاویل یوں نقل کی ہے کہ اس سے دنیا میں دیکھنا مراد ہے۔

اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ پوری آنکھ سے دیکھنا مراد ہے اور اس آیت میں یوں تخصیص کی گئی ہے کہ آخرت میں مؤمن کے لئے رؤیت باری تعالیٰ ثابت ہے۔

آخرت میں رؤیت کا ثبوت

معتزلہ میں سے کچھ لوگوں نے آیت سے یوں سمجھا کہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ دیدار نہیں ہوگا۔ لیکن اہل سنت و جماعت نے اس سلسلے میں ان کی مخالفت کی ہے علاوہ ازیں معتزلہ نے اس سلسلے میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے جہالت کا ارتکاب کیا ہے۔

قرآن مجید سے جہالت اس اعتبار سے کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝

کچھ منہ (چہرے) اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے۔ (القیامۃ: ۲۲-۲۳)

اور ارشاد خداوندی ہے:

كَلَّا لَآ اَنۡهٰی عَنْ رَبِّہِمۡ یَوْمَئِذٍ لِّمَحۡجُوۡہِیۡنَ ۝

ہرگز نہیں بے شک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار (المطففین: ۱۵) سے محروم ہیں۔

سنت رسول ﷺ سے ان کی جہالت یہ ہے کہ متواتر روایات میں حضرت ابو سعید، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس، حضرت جریر، حضرت صہیب، حضرت بلال اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا۔ قیامت کے دن مؤمن اللہ تعالیٰ کو میدان محشر میں اور جنتی باغات میں دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں کر دے۔ (آمین)

”لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ“ کے بارے میں آراء

ایک قول یہ ہے کہ آیت کریمہ میں عقل کے ذریعے ادراک کی نفی ہے حافظ ابن کثیر نے فرمایا یہ تاویل نہایت عجیب و غریب ہے اور آیت کے ظاہر کے خلاف ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ رؤیت کے ثبوت اور ادراک کی نفی میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ادراک رؤیت کے مقابلے میں خاص ہے اور خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی۔

پھر ان لوگوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جس ادراک کی نفی کی گئی ہے وہ کیا ہے؟ تو کہا گیا ہے کہ اس سے معرفت حقیقت مراد ہے کیونکہ اس کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اگرچہ مومنوں کو اس کا دیدار ہوگا جس طرح ایک شخص چاند کو دیکھتا ہے تو وہ اس کی حقیقت اور ماہیت کا ادراک نہیں رکھتا تو عظمت والی ذات اس کے زیادہ لائق ہے اور اس کے لئے اعلیٰ مثال ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اس سے گھیر لینے کے ساتھ ادراک مراد ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر احاطہ نہ ہو سکے تو اس دیکھنے کی نفی لازم نہیں آتی جس طرح نہ دیکھنے سے علم کی نفی لازم نہیں آتی۔ اور صحیح مسلم میں ہے:

لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت
میں تیری تعریف نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے جس طرح
علی نفسک۔
تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۰ سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۱ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۵۱۲۰ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۱)
تو اس کا یہ مطلب کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان نہیں کی بس یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔

حضرت ابن ابی حاتم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے آیت کریمہ: ”لا تدركه الابصار“ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ اگر تمام جن انسان شیطان اور فرشتے جب سے پیدا ہوئے اس وقت سے فنا ہونے تک ایک صف میں کھڑے ہو جائیں تو وہ کبھی اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

ابن کثیر نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور یہ صرف اسی طریق سے معروف ہے اور صحاح ستہ کے کسی مصنف نے اسے روایت نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

”لمع الادلہ میں“ امام الحرمین کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا جاسکتا ہے لیکن اس کا ادراک نہیں ہو سکتا کیونکہ ادراک احاطہ اور غایت کو پانے کی خبر دیتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ غایت اور انتہاء سے پاک ہے پھر فرمایا اگر وہ اس کا مقابلہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کریں جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں فرمایا:

لن ترانى۔
آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکیں گے۔

اور وہ لوگ یہ خیال کریں کہ لفظ ”لن“ ہمیشہ کے لئے نفی کا قاعدہ دیتا ہے۔

تو ہم یہ کہتے ہیں یہ آیت دیدار خداوندی پر سب سے واضح دلیل ہے اگر یہ بات محال ہوتی تو اس کے جواز کا قائل گمراہ اور کافر ہوتا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لئے چنا اور نبوت کے لئے پسند کیا اکرام و احترام کے ساتھ خاص کیا اور شرف ہمکلامی بخشا وہ کیسے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس بات کا عقیدہ رکھے گا جو جائز نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے زمانے کے لوگوں سے افضل بنایا اور اپنی دلیل (معجزات) کے ساتھ ان کی مدد کی۔

اور انبیاء کرام اس بات میں کیسے شک کر سکتے ہیں جس کا علم غیب سے تعلق ہے پس آیت کو اس بات پر محمول کیا

جائے گا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کا عقیدہ رکھا جو جائز ہے۔
لیکن ان کا خیال یہ تھا کہ انہوں نے جس بات کے جواز کا عقیدہ رکھا ہے وہ فوری طور پر وقوع پذیر ہونے والی ہے تو جواب میں اس فوری نتیجے کی نفی کی گئی ہے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مستقبل میں رویت باری تعالیٰ کا سوال نہیں کیا تھا کہ نفی کو اس کی طرف پھیرا جائے اور جواب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا آپ دیکھ نہیں سکتے یہ بات نہیں کہ میں نہیں دکھاتا۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ فی الجملہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا محال بات کا مطالبہ کرنا بھی محال ہے خاص طور پر وہ بات جو اللہ تعالیٰ سے لاعلمی کا تقاضا کرتی ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے جواب میں ”لن ترانی“ فرمایا ”لن ادری“ نہیں فرمایا (یعنی یہ فرمایا کہ آپ نہیں دیکھ سکتے یہ نہیں فرمایا کہ میں نہیں دکھاتا)۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے حضرت ابو بکر ہزلی رحمہ اللہ سے اس آیت کے ضمن میں نقل کیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی بشر میں طاقت نہیں کہ وہ دنیا میں میری طرف نظر کر سکے اور جو میری طرف نظر کرے گا وہ مر جائے گا۔ وہ فرماتے ہیں میں نے بعض پہلے اور پچھلے بزرگوں کا قول دیکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممنوع ہے کیونکہ دنیا والوں کی جسمانی ساخت اور قوت میں کمزوری ہے اور ان میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے کیونکہ ان میں آفات اور فنا کا دخل بھی ہوتا ہے پس ان میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی قوت نہیں ہوتی۔

لیکن آخرت میں ان کی ترکیب دوسری ہوگی اور ان کو ثابت اور باقی رہنے والی قوت دی جائے گی نیز ان کی نگاہوں اور دلوں کا نور مکمل ہوگا تو وہ اسے دیکھنے پر قادر ہوں گے۔

فرماتے ہیں میں نے حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا قول دیکھا ہے وہ فرماتے ہیں دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جاسکتا کیونکہ وہ باقی ہے اور فانی کے ساتھ باقی کو دیکھا نہیں جاتا۔ اور آخرت میں ان کو باقی رہنے والی نگاہیں دی جائیں گی اور باقی کو باقی کے ساتھ دیکھا جائے گا۔

یہ نہایت عمدہ کلام ہے اور اس میں دیدار خداوندی کے محال ہونے پر صرف یہ دلیل ہے کہ یہاں قوت زیادہ نہیں پس جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو قوت دے اور دیدار کی مشقت اٹھانے پر قادر کر دے تو اس کے حق میں یہ دیدار ممنوع نہیں ہوگا۔

ان کا یہ فرمانا کہ ”مگر ضعف قوت کی وجہ سے ممنوع ہے“ یہ استثناء منقطع ہونی چاہیے معنی یہ ہوگا لیکن ضعف قوت کی وجہ سے منع ہے ورنہ (استثناء متصل ہونے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ یہ ضعف مانع ہوگا) یعنی ضعف قوت کی وجہ سے منع ہے محال ہونے کی وجہ سے نہیں اور اس پر ان کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ ”جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو قوت عطا کرے اور دیکھنے کی مشقت اٹھانے پر طاقت دے تو اس کے حق میں منع نہیں ہے۔“

”صحیح مسلم میں“ ایسی روایت موجود ہے جو اس فرق کی تائید کرتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

واعلموا انکم لن تروا ربکم حتی تموتوا۔ اور جان لو کہ تم اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھ سکو گے حتیٰ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۵، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۳۵) کہ مر جاؤ۔

اس حدیث کو ابن خزیمہ نے بھی حضرت ابوامامہ اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔

شرعی طور پر روایت کا جائز نہ ہونا

اگرچہ دنیا میں دیدار خداوندی کا پایا جانا بطور عقل جائز ہے لیکن شرعی اعتبار سے منع ہے اور جس نے اس کو نبی اکرم ﷺ کے لئے ثابت کیا ہے وہ کہتا ہے کہ متکلم اپنے کلام کے عموم میں داخل نہیں ہوتا۔

ابن کثیر کے کلام میں ہے کہ بعض قدیم کتب میں اس طرح ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس کے دیدار کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! کوئی زندہ مجھے نہیں دیکھ سکتا جب تک اس کا انتقال نہ ہو جائے۔ امام قشیری رحمہ اللہ نے ”الرسالہ میں“ فرمایا کہ دنیا میں بطور کرامت اللہ تعالیٰ کا دیدار جائز نہیں اور انہوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے دنیا میں روایت باری تعالیٰ کے اجماع پر محدثین، فقہاء اور متکلمین کی ایک جماعت سے ممانعت کا قول نقل کیا ہے۔

امام قشیری رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے امام ابو بکر بن فورک سے سنا وہ کتاب ”الرؤیۃ الکبیر“ میں حضرت ابو الحسن اشعری رضی اللہ عنہ سے دو قول نقل کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے لئے روایت باری تعالیٰ کے بارے میں آراء

حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا موقف یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا ہے۔

ایک جماعت نے اسے ثابت کیا اور عبدالرزاق نے حضرت معمر سے اور انہوں نے حضرت حسن (رحمہم اللہ) سے نقل کیا کہ انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ ابن خزیمہ نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اس کا اثبات نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام شاگرد بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت کعب احبار اور حضرت زہری نیز ان کے شاگرد حضرت معمر اور دوسرے حضرات بھی یہی کہتے ہیں حضرت اشعری، حضرت غالب اور ان کے متبعین کا بھی یہی قول ہے۔

پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا دل سے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مطلق (دیکھنا) بھی منقول ہے اور دوسری روایات مقید بھی ہیں پس مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

اسی سے وہ روایت ہے جو حضرت امام نسائی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کی اور امام حاکم نے بھی اسے صحیح قرار

دیا یہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے غلت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے کلام اور حضرت محمد ﷺ کے لئے روایت ہو۔

اس ضمن میں وہ حدیث بھی ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوالعالیہ کے طریق سے نقل کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان دو آیتوں کی تفسیر نقل کرتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ۖ

جو کچھ دیکھا ہے دل نے جھٹلایا نہیں۔

اور دوسری آیت ہے:

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۖ

اور بے شک انہوں نے دوسری بار اترتے ہوئے

دیکھا۔

آپ فرماتے ہیں آپ نے دونوں مرتبہ دل (کی آنکھوں) سے دیکھا امام مسلم رحمہ اللہ نے ہی بواسطہ حضرت عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دل سے دیکھا۔

اس سے بھی زیادہ واضح وہ حدیث ہے جسے ابن مردویہ نے حضرت عطاء کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی آنکھوں سے نہیں بلکہ دل سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

تو اس بنیاد پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثبات اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نفی کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ ام المؤمنین آنکھوں سے دیکھنے کی نفی کر رہی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دل سے دیکھنا ثابت کر رہے ہیں۔

لیکن امام طبرانی نے ”الاوسط میں“ ایسی سند کے ساتھ ذکر کیا جس کے تمام راوی سوائے جھور بن منصور کے صحیح حدیث کے راوی ہیں اور جھور بن منصور کو ابن حبان نے ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ایک مرتبہ آنکھ سے اور دوسری مرتبہ دل سے۔

پھر دل سے دیکھنا (جس کے لئے رویۃ الفؤاد کا لفظ استعمال ہوا اور مراد رویت القلب ہے) محض علم کا حصول نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کو جاننے والے تھے بلکہ جس نے رویت کو ثابت کیا ہے اس کی مراد یہ ہے کہ آپ نے دل کے ساتھ یوں دیکھا کہ آپ کے دل میں رویت کی تخلیق ہوتی جس طرح آنکھ میں دیکھنے کی تخلیق ہوتی ہے اور عقلی طور پر دیکھنے کے لئے کسی مخصوص چیز کی شرط نہیں اگرچہ عادتاً آنکھ میں اس کی تخلیق ہوتی ہے۔

حضرت ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے مضبوط سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اس سلسلے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے ایک نور دیکھا یعنی حجاب خداوندی نور ہے تو اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں اس کا معنی یہ ہے کہ نور نے

مجھے دیکھنے سے روکا۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے نور دیکھا تو اللہ تعالیٰ کا نور ہونا محال ہے کہ یوں نور عرض ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

حضرت ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ ان ہی (حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا آپ نے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھا آنکھ سے نہیں دیکھا۔

اس سے ان کی مراد ظاہر ہوگی جو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نور کا ذکر کیا یعنی وہ نور اللہ تعالیٰ کو آنکھوں کے ساتھ دیکھنے کے راستے میں رکاوٹ بن گیا۔ ابن خزیمہ ”کتاب التوحید میں“ اثبات کی ترجیح کی طرف مائل ہوتے ہیں اور استدلال میں ایسی طوالت اختیار کی جس کا ذکر طویل ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو دومرتبہ دیکھنے پر محمول کیا ایک مرتبہ دل سے اور دوسری مرتبہ آنکھ سے۔

روایات کو جمع کرنا

استاذ عبدالعزیز الحمدوی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا جب نبی اکرم ﷺ سفر معراج سے واپس ہوئے تو آپ نے تمام لوگوں کو ان کے مراتب کے مطابق خبر دی اور ہر ایک کو اس کے پیالے کے مطابق اور اس کی عقل کے اندازے پر سیراب کیا پس کفار کو جو تمام لوگوں میں آخری درجہ پر ہیں وہ بات بتائی جو راستے میں دیکھی اور جو کچھ مسجد اقصیٰ میں دیکھا نیز جن چیزوں کی ان کو پہچان حاصل تھی۔ کیونکہ وہ جسموں کے فلک میں تھے حتیٰ کہ انہوں نے اسراء (زمینی سفر) کی تصدیق کی پھر ترقی کرتے ہوئے آسمانی فلک کے بارے میں بتایا اسی طرح ہر آسمان میں جو کچھ ہوا اور آپ نے ہر فلک میں جو کچھ دیکھا اس کا ذکر فرمایا اور ان لوگوں کو یہ باتیں بتائیں جو ان باتوں کے لائق تھے یعنی ہر صحابی کو اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق بتایا۔

ساتویں آسمان تک کا ذکر کیا جب مقام جبریل علیہ السلام تک پہنچے تو افاقہ بین کے بارے میں بتایا اور اس سے اوپر جو قرب خداوندی حاصل ہوا جہاں سے وحی آتی ہے اور صورتیں اور تخلیق سب ساقط ہو جاتی ہیں تو اس کے بارے میں اپنے صحابہ کرام کو بتایا پس ان میں سے بعض نے کہا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو افاقہ بین اور افاقہ اعلیٰ میں دیکھا اور اس نے سچ کہا بعض نے دل اور بصیرت سے دیکھنے کا قول کیا تو اس نے بھی سچ کہا اور یہ حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کے ساتھ کچھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور بعض نے کہا کہ سر کی آنکھوں سے دیکھا تو اس نے بھی سچ کہا۔

تو ہر ایک نے اسی بات کی خبر دی جو نبی اکرم ﷺ نے اس کے مقام کے مطابق اس سے بیان کی اور اس کو وہی پیالہ پلایا جو اس کے لائق تھا۔ پس جب یہ معراج صحیح ہے تو تمہیں تمام معاملہ معلوم ہو گیا اور مقام رویت اور اس کے قائلین کا بھی علم ہو گیا اور ان سب کی بات حق ہے۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کی رائے

جن لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے لئے رویت باری تعالیٰ ثابت کی ہے ان میں حضرت امام احمد رحمہ اللہ بھی ہیں حضرت خلال (ابو علی حسن بن علی بن محمد الخلال متوفی ۲۳۲ھ) نے ”کتاب السنن میں“ حضرت مروزی سے نقل کیا وہ

فرماتے ہیں میں نے حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ بولا۔ تو ان کے اس قول کا جواب کیسے ہوگا؟

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا نبی اکرم ﷺ کے قول سے جواب دیں کہ آپ نے فرمایا ”میں نے اپنے رب کو دیکھا“ پس نبی اکرم ﷺ کا قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے بڑا ہے۔ (معجم المؤلفین ج ۳ ص ۲۶۱)

”الہدی کے“ مصنف (ابن قیم) نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو خیال کرتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا انہوں نے کبھی فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اور کبھی فرمایا اپنے دل سے دیکھا بعض متاخرین سے منقول ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور یہ نقل کرنے والے کا تصرف ہے آپ کا واضح قول موجود ہے۔

اس مسئلہ میں توقف کا قول

امام قرطبی رحمہ اللہ نے ”المفہم میں“ اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اس مسئلہ میں توقف کیا جائے اور اس بات کو محققین کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا اور اس کو تقویت یوں دی کہ اس باب میں کوئی قطعی دلیل نہیں دونوں گروہوں کے دلائل کی انتہا ظاہر ہے اور یہ روایات ٹکراتی ہیں جو تاویل کو قبول کرنے والی ہیں۔

وہ فرماتے ہیں یہ مسئلہ عملیات میں سے نہیں کہ اس میں دلیل ظنی بھی کافی ہو بلکہ یہ اعتقادی مسائل میں سے ہے پس اس میں صرف دلیل قطعی کفایت کرے گی۔ واللہ اعلم ۱

۱۔ امام ہی نے السیف السلول میں اس کا رد کیا کہ اس کی شرط سے قطعی متواتر ہونا نہیں بلکہ جب حدیث صحیح ہو اگرچہ ظاہر میں اس طرح ہو اور وہ خبر واحد ہو تو اسی مسئلہ میں اس پر اعتقاد جائز ہے کیونکہ یہ ان اعتقادی مسائل میں سے نہیں ہے جن میں قطعیت شرط ہے اور پھر ہم اس کے مکلف بھی نہیں ہیں۔ ۱۲ ہزاروی (زرقانی ج ۶ ص ۱۲)

نماز کی فرضیت

احادیث مبارکہ

حدیث شریف میں ہے:

ثم فرضت على الصلوة خمسين صلاة

پھر مجھ پر یومیہ پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

فی کل یوم۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ثابت بنانی سے نقل کیا وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

ففرض الله على خمسين صلوة في كل يوم و ليلة۔

فرض فرمائیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے اس جیسی روایت نقل کی ہے۔

یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ آپ پر فرضیت کا لفظ امت پر فرضیت کو مستلزم ہے اور اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے (یعنی جوامت پر فرض ہے وہ آپ پر بھی فرض ہے) البتہ آپ کے خصائص اس (ضابطے) سے مستثنیٰ ہیں۔

”صحیح مسلم میں ہے“ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”پس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اتر اتوا انہوں نے پوچھا آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے عرض کیا پچاس نمازیں انہوں نے کہا آپ اپنے رب کی طرف لوٹ جائیں اور تخفیف کا سوال کریں کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی میں نے بنی اسرائیل کو آزمایا اور ان کا تجربہ کیا ہے آپ فرماتے ہیں میں اپنے رب کی طرف لوٹ گیا اور عرض کیا اے میرے رب امیری امت کے لئے آسانی فرمادے تو اس نے پانچ نمازیں کم کر دیں پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ مجھ سے پانچ نمازیں کم کر دی گئیں ہیں انہوں نے کہا آپ کی امت کو اس کی طاقت بھی نہیں ہے آپ اپنے رب کی طرف لوٹ جائیں اور اس سے تخفیف کا سوال کریں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں بار بار اپنے رب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا جاتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! یہ دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور ہر نماز کا ثواب دس کے برابر ہوگا اس طرح یہ پچاس نمازیں ہو جائیں گی۔“

پس جو شخص نیکی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کر سکے اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے پس اگر وہ عمل کرے تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو آدمی کسی برائی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا اگر وہ عمل کرے تو ایک گناہ لکھا جاتا ہے آپ فرماتے ہیں میں اتر اجاتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان کو خبر دی انہوں نے فرمایا اپنے رب کی طرف لوٹ جائیں اور تخفیف کا سوال کریں میں نے کہا میں اپنے رب کی طرف اتنی بار گیا ہوں کہ اب مجھے اس سے شرم آتی ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا میں نے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (اس دن) آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں پس آپ اور آپ کی امت ان نمازوں کے ساتھ قیام کریں۔

آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آنے کا بھی ذکر کیا اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض فرمائیں تو وہ ان کو ادا نہ کر سکے اور اس حدیث کے آخر میں فرمایا کہ یہ پانچ نمازیں پچاس کی جگہ ہیں پس آپ اور آپ کی امت ان کو قائم کریں۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حتمی فیصلہ ہے پس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا تو انہوں نے کہا واپس جائیں تو میں واپس نہ گیا۔

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے نبی ﷺ سے کیوں فرمایا کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی یہ کیوں نہیں فرمایا کہ آپ اور آپ کی امت کو اس کی طاقت نہیں؟

جواب: عجز اور کمزوری امت کے ساتھ مخصوص ہے نبی اکرم ﷺ تک متعدی نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جب سے کمال عطا فرمایا آپ کو اس کی بلکہ اس سے بڑھ کر عبادت کی طاقت حاصل تھی اور ایسا کیوں نہ ہوتا؛ ب کہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

شب معراج نماز کی فرضیت میں حکمت

عارف ابن ابی جرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں شب معراج کے ساتھ نماز کے فرض ہونے کی تخصیص اس لئے ہے کہ جب آپ کو معراج کرایا گیا اور آپ نے اس رات فرشتوں کو عبادت کرتے ہوئے دیکھا اور (دیکھا کہ) ان میں سے بعض کھڑے ہیں بیٹھے نہیں کچھ رکوع میں ہیں سجدہ نہیں کرتے کچھ سجدہ ریز ہیں قعدہ نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے ان تمام باتوں کو ایک رکعت میں جمع کر دیا کہ بندہ ان کی شرائط یعنی اطمینان اور اخلاص کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نماز کی فرضیت

نماز کے معاملے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو عنایت اس امت پر ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام طبرانی اور امام بزار رحمہما اللہ نے نقل کیا اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کان موسیٰ اشدھم علی حین مردت و
خیرھم لی حین رجعت۔
جب میں گزرا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ پر ان
سب سے زیادہ سخت تھے اور جب واپس آیا تو حضرت موسیٰ
علیہ السلام میرے لئے سب سے بہتر تھے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا میں واپسی پر آیا اور حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرا تو

وہ تمہارے لئے بہترین سناہی تھے انہوں نے پوچھا آپ کے رب نے آپ پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ حضرت امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس امت کی طرف توجہ کرنا اور نبی اکرم ﷺ سے امت کی سفارش کے لئے التجا کرنا اور ان پر تخفیف کا سوال کرنا اس لئے تھا (اور حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) کہ جب طور کی مغربی جانب ان کے لئے رسالت کا فیصلہ ہوا اور انہوں نے تختیوں میں حضرت محمد ﷺ کی امت کی صفات دیکھیں اور کہنے لگے کہ میں تختیوں میں ایک امت (کا ذکر) دیکھتا ہوں جن کی یہ یہ صفات ہیں تو یا اللہ! ان کو میری امت بنا دے آپ سے کہا گیا وہ تو حضرت محمد ﷺ کی امت ہے۔ یہ مشہور حدیث ہے اور اس امت کے خصائص کے بیان میں اس کا ذکر ہو چکا ہے تو آپ نے اس امت کا اس طرح خیال رکھا جس طرح کسی قوم کا کوئی فرد ایسا کرتا ہے۔ کیونکہ آپ نے یہ دعا مانگی ”یا اللہ! مجھے ان میں سے کر دے“ (تو گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو امت محمدیہ میں سے سمجھ کر نمازوں کے حوالے سے تخفیف کا مشورہ دیا)۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی اکرم ﷺ کو نمازوں کے معاملے میں بار بار داپسی کا مشورہ دینے میں اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت کو نماز کے معاملے میں اس قدر مکلف بنایا گیا کہ ان سے پہلے کسی امت کو اس کا مکلف نہیں بنایا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی اکرم ﷺ کی امت کے بارے میں بھی یہی خوف تھا۔ اور ان کا یہ قول کہ میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے موقف میں اشارات

بعض اہل اشارہ کے کلام میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں محبت کی آگ ٹھہر گئی تو آپ پر نور طور کے انوار روشن ہوئے تو انہوں نے ان کو لینے کے لئے جلدی کی تو روک دیا گیا پس جب منادی کی طرف سے نداء ہوئی تو آپ منادی (نداء کرنے والے) کے مشتاق ہو گئے چنانچہ آپ بنی اسرائیل میں چکر لگاتے کہ کون میرا پیغام میرے رب تک پہنچائے گا اور آپ کی مراد یہ تھی کہ حبیب کے ساتھ طویل مناجات ہو پس جب ہمارے نبی ﷺ معراج کی رات آپ کے پاس سے گزرے تو نماز کے معاملے میں بار بار واپس کیا تا کہ محبوب کے محبوب کی زیارت سے سعادت حاصل کریں۔

ایک دوسرے صاحب نے فرمایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا سوال کیا اور آپ کی خواہش پوری نہ ہوئی تو وہ شوق باقی رہا جس نے آپ کو پریشان کیا اور امید جس نے آپ کو بیمار کر دیا جب یہ بات ثابت ہوئی کہ ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں دیدار عطا کیا گیا ہے اور آپ کے مزید ثواب اور فضیلت کا دروازہ کھولا گیا ہے تو آپ نے کثرت سے سوال کیا تا کہ اس ذات کو دیکھنے کی سعادت حاصل کریں جس نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ جیسا کہ کہا گیا:

لعلی اراکم او اری من یراکم
تجودون لی بالعطف منکم عسا کم
فیا حبذا ان مت عبد ہواکم

واستنشق الارواح من نحو ارضکم
وانشد من لاقیت عنکم عسا کم
فانتم حیاتی ان حییت وان امت

”اور میں تمہاری زمین کی طرف سے خوشبوئیں سونگھتا ہوں شاید کہ تمہیں دیکھوں یا اس کو جو تمہیں دیکھتا ہے اور میں جس سے ملتا ہوں تمہارے بارے میں دریافت کرتا ہوں اس بات کی امید رکھتے ہوئے کہ تم اپنی طرف سے مجھ پر مہربانی کرو گے۔ پس تم میری زندگی ہوا اگر میں زندہ رہوں یا مر جاؤں کیا ہی اچھا ہوا اگر میں تمہاری محبت کا غلام بن کر مر جاؤں۔“

اور دوسرے شاعر نے کہا:

وانما السرفی موسیٰ یرددہ لیجتلی حسن لیلیٰ حین یشہدہ
یدو مناہا علی وجہ الرسول فیما للہ در رسول حین اشہدہ
”اور موسیٰ علیہ السلام کے (نبی اکرم ﷺ) کو معراج کی رات (اوتانے میں راز یہ تھا کہ میری (موسیٰ علیہ السلام) کی رات خوبصورت ہو جائے جب وہ (نبی ﷺ) جلوہ فگن ہوں۔
(اس رات) نبی اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس پر پنک (خوبصورتی) ظاہر ہوتی پس خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کی کیا شان ہے جب میں (موسیٰ علیہ السلام) ان کی زیارت کرتا ہوں؟“
ایک اور صاحب اشارات نے کہا۔

جب محبوب مقام قرب میں تشریف فرما ہوئے تو ان پر محبت کے پیالے پھیرے گئے پھر واپس لوٹے اور ”ما کذب الفواد ما رآی“ کا چاندان کی دونوں آنکھوں کے درمیان تھا اور ”فاوحی الی عبدہ ما اوحی“ کی خوشخبری نے ان کے دل اور کانوں کو بھر دیا پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو ان کی زبان حال نے (ہمارے نبی ﷺ) سے کہا:

یا وارداً من اہیل الحسی یخبرنی عن جیرتی شنف الاسماع بالخبر
نا شدتک اللہ یا راوی حدیثہم حدث فقد تاب سمعی الیوم عن بصر
”اے سب سے ہولناک قبیلے سے آنے والے میرے پڑوسی کے بارے میں کانوں کی بالیاں مجھے خبر دے رہی ہیں میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں اے ان کی بات کے راوی! بیان کر آج میرے کان آنکھ کی نیابت کر رہے ہیں۔“

اور ہمارے نبی ﷺ کی زبان حال نے جواب دیا:

ولقد خلوت مع الحیب و بیننا سر أرق من النسیم اذا سری
و اباح طرفی نظرة املتھا فغدوت معروفاً و کنت منکرا
”میں اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں اس طرح بیٹھا کہ ہمارے درمیان نسیم سحر سے زیادہ نرم اور خوشگوار راز تھے جبکہ وہ ہوا چلے اس نے اپنی نگاہ مجھ پر ڈالی جس کا میں امیدوار تھا تو میں معروف ہو گیا حالانکہ میں غیر معروف تھا۔“

تو ہر جماعت اپنے مذہب کا لحاظ کرتی ہیں اور ہر گروہ نے اپنے گھاٹ کو جان لیا اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان اپنے

غفور رضوان کے ہادل عارف ربانی ابو عبد الرحمن سلمیٰ پر مسلسل برسائے انہوں نے نہایت اچھا کام کیا جب انہوں نے اہل اشارات کے کلام سے لطائف معراج کو نہایت اچھے طریقے پر جمع کیا۔

فرضیت نماز کی حدیث سے استدلال

حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ ”یہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں ہر نماز دس کے برابر ہے تو کل پچاس ہوئیں۔“ تو اس سے علماء کرام نے یوں استدلال کیا ہے۔

۱۔ پانچ نمازوں سے زائد فرض نہیں جیسے وتر (فرض نہیں)۔

۲۔ فعل سے پہلے اس کا منسوخ ہونا جائز ہے۔

ابن بطال وغیرہ رحمہم اللہ نے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازوں کو ان کے پڑھے جانے سے پہلے پانچ نمازوں کے ساتھ منسوخ کر دیا پھر ان پر فضل فرمایا کہ ان کے لئے ثواب کو مکمل کیا۔

لیکن ابن نمیر نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات اصولیوں کے ایک گروہ اور شرح کرنے والوں نے ذکر کی ہے اور یہ ان لوگوں کیلئے مشکل ہے جو فعل سے پہلے نسخ ثابت کرتے ہیں جس طرح اشاعرہ یا اس کا انکار کرتے ہیں جیسے معتزلہ ۱۔ کیونکہ یہ لوگ اس بات پر متفق ہو گئے کہ تبلیغ سے پہلے نسخ جائز نہیں اور حدیث معراج میں نسخ، تبلیغ سے پہلے واقع ہوا پس ان سب کے لئے یہ مشکل ہے۔

اگر ہر ایک تک پہنچنا مراد ہو تو یہ بات تسلیم نہیں اور امت کے بعض افراد تک پہنچنا مراد ہو تو یہ بات تسلیم ہے لیکن کہا جائے گا کہ یہ ان کی نسبت سے نسخ نہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے نسخ ہے کیونکہ قطعی طور پر آپ ہی اس کے مکلف بنائے گئے پھر جب آپ تک یہ حکم پہنچا تو آپ کے عمل سے پہلے یہ حکم منسوخ ہو گیا پس آپ کے حق میں اس مسئلہ کی تصویر صحیح ہے۔

اسراء کے بارے میں قریش کا موقف

نبی اکرم ﷺ سفر معراج سے واپس تشریف لائے تو راستے میں قریش کے قافلے سے گزرے جس نے غلہ اٹھایا ہوا تھا اس قافلے میں ایک اونٹ تھا جس نے دو بورے اٹھا رکھے تھے ایک سیاہ رنگ کا بورا تھا اور دوسرا سفید تھا۔ جب آپ قافلے کے مقابل آئے تو وہ بھاگ گئے اور وہ اونٹ گر گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ان کے ایک قافلے کے پاس سے گزرے جن کا اونٹ گم ہو گیا تھا اور اس کو فلاں شخص لایا تھا نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں نے ان لوگوں کو سلام کیا تو ان میں سے بعض نے کہا یہ حضرت محمد ﷺ کی آواز ہے پھر صبح سے پہلے آپ مکہ مکرمہ تشریف لے آئے اور جو کچھ دیکھا اپنی قوم کو بتا دیا اور ان سے فرمایا کہ میرے سفر معراج کی ایک علامت یہ بات بھی ہے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں فلاں فلاں مقام پر تمہارے قافلے کے پاس سے گزرا ہوں اور فلاں دن وہ تمہارے پاس آ جائیں گے۔

ان میں سے سب سے آگے سیاہ رنگ کا اونٹ ہے جس پر سیاہ ٹاٹ اور دو بورے ہیں جب وہ دن ہوا تو لوگ دیکھنے لگے حتیٰ کہ جب دو پہر قریب ہوئی تو قافلہ آ گیا ان کے آگے وہی اونٹ تھا جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے بتایا تھا۔

۱۔ مطلب یہ ہے کہ پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا پھر منسوخ کرتے کرتے پانچ رہ گئیں حالانکہ پانچ سے زیادہ پر عمل نہیں ہوا۔ ۱۲ ہزاروی

سنن بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے آپ سے نشانی پوچھی تو آپ نے ان کو بتایا کہ قافلہ بدھ کے دن آئے گا پس جب وہ دن ہوا تو وہ لوگ نہ آئے حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی حتیٰ کہ وہ اسی وصف کے مطابق آ گئے جو آپ نے بیان کیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جب نبی اکرم ﷺ کو مسجد اقصیٰ کی طرف سیر کرائی گئی تو صبح آپ لوگوں سے بیان کرنے لگے تو کچھ لوگ ایمان لانے لگے اور کچھ لوگ دوڑے دوڑے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے اپنے دوست کے پاس جاؤ اس کا خیال ہے کہ گذشتہ رات اسے بیت المقدس کی طرف سیر کرائی گئی ہے انہوں نے پوچھا کیا حضور علیہ السلام نے یہ بات فرمائی ہے؟ قریش کہنے لگے ہاں (کہی ہے) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر حضور علیہ السلام نے یہ بات فرمائی ہے تو سچ فرمایا ہے انہوں نے کہا آپ ان کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ بیت المقدس تشریف لے گئے اور صبح سے پہلے پہلے واپس آ گئے؟ آپ نے فرمایا ہاں میں تو اس سے بھی انوکھی بات کی تصدیق کرتا ہوں میں صبح و شام آسمانی خبروں کے بارے میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں اسی لئے آپ کا نام ”صدیق“ ہوا۔ اس حدیث کو امام حاکم نے ”مستدرک میں“ نقل کیا۔

ابن اسحاق نے بھی اسے نقل کیا لیکن یہ اضافہ بھی فرمایا ”پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے نبی! کیا آپ نے ان لوگوں سے بیان کیا ہے کہ آپ گذشتہ رات بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! بیت المقدس کا وصف بیان کیجئے میں وہاں گیا ہوں۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا پس مسجد اقصیٰ میری طرف اٹھائی گئی حتیٰ کہ میں نے اسے دیکھا نبی اکرم ﷺ اس کا وصف بیان فرماتے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کہتے آپ نے سچ فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جب بھی آپ کوئی بات بیان کرتے (وہ یہ کلمہ کہتے)۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ آپ مجھ سے بیان کریں شک کی وجہ سے نہیں تھا انہوں نے تو پہلے مرحلہ میں ہی تصدیق کر دی تھی بلکہ ان کا مقصد قوم کے سامنے آپ کی صداقت کو ظاہر کرنا تھا کیونکہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے تھے تو جب نبی اکرم ﷺ کی خبر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علم کے موافق ہو گئی اور انہوں نے آپ کی تصدیق کر دی تو ان لوگوں کے خلاف واضح دلیل ہو گئی۔

”صحیح بخاری کی“ ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

فجلا الله لى بيت المقدس. پس اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے روشن

کر دیا۔

یعنی میرے اور اس کے درمیان سے پردہ اٹھا دیا حتیٰ کہ میں نے اسے دیکھا۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے۔

انہوں نے مجھ سے کچھ باتوں کے بارے میں پوچھا جن کی مجھے (کما حقہ) پہچان نہ تھی تو میں اس قدر پریشان ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے میرے لیے اٹھا دیا کہ میں اسے دیکھ رہا تھا اور جو بات وہ پوچھتے تھے

میں بتاتا تھا۔

تو اس بات کا احتمال ہے کہ اسے اٹھا کر ایسی جگہ رکھا گیا ہو جہاں آپ اسے دیکھتے تھے پھر واپس اسی جگہ رکھ دی گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو امام احمد اور امام بزار رحمہما اللہ نے نقل کی ہے اس میں ہے کہ مسجد کو لایا گیا اور میں اسے دیکھ رہا تھا حتیٰ کہ اسے دار عقیل کے پاس رکھا گیا پس میں اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ آپ کا نہایت بیخ معجزہ ہے اور یہ بات محال نہیں ہے کیونکہ حضرت بلقیس کا تخت پلک جھکنے میں حاضر کر دیا گیا تھا۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث جسے ابن سعد نے نقل کیا اس میں ہے کہ بیت المقدس کو میرے تصور میں دیا گیا تو میں اس کی نشانیاں بتانے لگا اگر یہ حدیث ثابت ہے تو اس بات کا احتمال ہے کہ آپ کے قریب اس کی مثالی صورت رکھی گئی جس طرح ایک حدیث میں کہا گیا کہ مجھے جنت اور جہنم دکھائی گئی اور ”مسجد لائی گئی“ کی تاویل یہ ہوگی کہ اس کی مثل لائی گئی۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے آپ سے پوچھا مسجد کے دروازے کتنے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں میں نے ان کو گنا نہیں تھا چنانچہ اس کی طرف دیکھ کر ایک ایک دروازہ شمار کرنے لگا۔ حضرت ابو یعلیٰ کے نزدیک یوں ہے کہ آپ سے بیت المقدس کی کیفیت حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کے والد مطعم بن عدی نے پوچھی تھی۔

اسراء کی حکمت

ابن ابی جرہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ بیت المقدس کی طرف سیر کرانے میں حکمت یہ تھی کہ مخالفین کے سامنے حق ظاہر ہو جائے کیونکہ اگر آپ کو مکہ مکرمہ سے سیدھا آسمان کی طرح معراج کرایا جاتا تو مخالفین کے لئے بیان اور وضاحت کا کوئی راستہ نہ ہوتا انہوں نے بیت المقدس کی ایک ایک چیز کے بارے میں اسی لئے پوچھا کہ انہوں نے اسے دیکھا تھا اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے پہلے بیت المقدس کو نہیں دیکھا جب آپ نے ان کو خبر دی تو ان کے لئے ثابت ہو گیا کہ آپ کو بیت المقدس کی طرف سیر کرائی گئی ہے اور جب کسی چیز کا کچھ حصہ ثابت ہو جائے تو باقی کی تصحیح لازمی ہو جاتی ہے تو یہ اسراء مؤمنوں کے ایمان کی مضبوطی اور دشمنان اسلام منکرین کی بدبختی میں اضافے کا باعث ہوا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

چھٹا مقصد

اس مقصد میں قرآن مجید کی وہ آیات مذکور ہوں گی جو نبی اکرم ﷺ کی قدر و منزلت کی عظمت اور آپ کے ذکر کی بلندی پر دلالت کرتی ہیں نیز اللہ تعالیٰ کا آپ کی نبوت کی صداقت، بعثت کے ثبوت پر شہادت دینا، آپ کی رسالت کے ثبوت اور آپ کے منصب جلیل اور مکان کی بلندی کی قسم کھانا، آپ کی اطاعت کے وجوب، سنت کی اتباع کو لازم قرار دینا، تمام انبیاء کرام سے وعدہ لینا کہ اگر وہ آپ کے دور کو پائیں تو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں نیز کتب سابقہ تورات اور انجیل وغیرہ میں آپ کی عظمت کا یوں اظہار کرنا کہ آپ صاحب رسالت ہیں، کا بیان ہے۔

تمہید

جان لو! اللہ تعالیٰ تمہیں اور مجھے بھی قرآن مجید کے اسرار پر مطلع فرمائے اور اپنے لطف و کرم سے ایسی بصیرت عطا فرمائے جو ہمیں سیدھے راستے کی طرف لے جائے کہ ہم اس بات پر دلالت کرنے والی آیات کا احاطہ نہیں کر سکتے اور وہ آیات جن میں صراحتاً یا اشارتاً آپ کے بلند مقام اور مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے نیز آپ کے آداب کی حفاظت کو مبالغہ کے طور پر واجب کیا گیا اسی طرح وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف بیان کی اور آپ کی عظیم شان کو ظاہر فرمایا، آپ کی حیات طیبہ کی قسم کھائی، لفظ رسول اور نبی کے ساتھ آپ کو پکارا اور نام لے کر نہیں پکارا جبکہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو نام لے کر پکارا نیز دیگر ایسی آیات جن میں آپ کے بلند مرتبہ کی طرف اشارہ ہے اور آپ کی بزرگی کے برابر کوئی بزرگی نہیں۔

اور جو شخص قرآن مجید میں غور کرے گا وہ اسے اس بات سے بھرپور پائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی عظمت کو بیان کیا اللہ تعالیٰ ابن خطیب اندلسی (ابو عبد اللہ محمد بن جابر) رحمہ اللہ پر رحم فرمائے۔ انہوں نے فرمایا:

مدحتک آیات الكتاب فما عسى
بنی علی علیاک نظم مدیحی

واذا کتاب اللہ اثنی مفصحا
کان القصور قصار کل فصیح

”قرآن مجید کی آیات نے آپ کی تعریف اس طرح کی ہے کہ میری نظم مدح آپ کی عظمت کو بیان نہیں کر سکتی جب اللہ کی کتاب نے فصاحت سے تعریف کی تو فصیح اللسان کی انتہاء اس سلسلے میں عاجز ہونا ہے۔“

(اے قاری) اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے یہ مقصد دس انواع پر مشتمل ہے۔

پہلی نوع

یہ نوع ان آیات پر مشتمل ہے جن میں آپ کے مرتبہ کی تعظیم، مرتبہ کی بزرگی اور دیگر انبیاء کرام کے درجات سے آپ

کے درجہ کی فوقیت اور عزت و شرف والے مقام کا ذکر ہے۔ (الشفا وج ۱ ص ۱۳)

مراتبِ رسل میں فرق

ارشاد خداوندی ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اَنْتَ رَسُوْلٌ مِّمَّنْ كُنَّا بَعَثْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ لِيُزَكِّيَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ مِّنَ الْغَيْرِ
یٰٰرَسُولُ اَنْتَ رَسُوْلٌ مِّمَّنْ كُنَّا بَعَثْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ لِيُزَكِّيَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ مِّنَ الْغَيْرِ
یٰٰرَسُولُ اَنْتَ رَسُوْلٌ مِّمَّنْ كُنَّا بَعَثْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ لِيُزَكِّيَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ مِّنَ الْغَيْرِ
یٰٰرَسُولُ اَنْتَ رَسُوْلٌ مِّمَّنْ كُنَّا بَعَثْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ لِيُزَكِّيَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ مِّنَ الْغَيْرِ
یٰٰرَسُولُ اَنْتَ رَسُوْلٌ مِّمَّنْ كُنَّا بَعَثْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ لِيُزَكِّيَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ مِّنَ الْغَيْرِ
یٰٰرَسُولُ اَنْتَ رَسُوْلٌ مِّمَّنْ كُنَّا بَعَثْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ لِيُزَكِّيَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ مِّنَ الْغَيْرِ
یٰٰرَسُولُ اَنْتَ رَسُوْلٌ مِّمَّنْ كُنَّا بَعَثْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ لِيُزَكِّيَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ مِّنَ الْغَيْرِ
یٰٰرَسُولُ اَنْتَ رَسُوْلٌ مِّمَّنْ كُنَّا بَعَثْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ لِيُزَكِّيَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ مِّنَ الْغَيْرِ
یٰٰرَسُولُ اَنْتَ رَسُوْلٌ مِّمَّنْ كُنَّا بَعَثْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ لِيُزَكِّيَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ مِّنَ الْغَيْرِ
یٰٰرَسُولُ اَنْتَ رَسُوْلٌ مِّمَّنْ كُنَّا بَعَثْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ لِيُزَكِّيَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ مِّنَ الْغَيْرِ

سوال: جب یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے بھی ان کے رب نے کلام کیا ہے اور آپ اس وصف سے موصوف ہیں تو آپ کے لئے اسمِ کلیم مشتق کیوں نہیں ہوا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا؟
جواب: معنی کا اعتبار کبھی اشتقاق کی صحیح کے لئے ہوتا ہے جیسے اسم فاعل ہے اس وقت یہ بات درست ہوگی کہ جو شخص بھی اس وصف سے موصوف ہو اس کے لئے یہ نام ضرور مشتق ہو۔ لیکن بعض اوقات محض ترجیح کے لئے ہوتا ہے جیسے کلیم اور قارورہ اس وقت ضروری نہیں ہوتا کہ جو بھی اس وصف سے موصوف ہو اس کے لئے یہ نام مشتق ہو جس طرح قاضی عضد الدین نے بیان کیا یہ اس کا خلاصہ اور تحریر ہے جس طرح سعد الدین تفتازانی نے کہا ہے اور ارشاد خداوندی ”وَدَلِّعْ بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ“ سے حضرت محمد ﷺ مراد ہیں جس کی تین وجوہ ہیں۔

(۱) آپ کو معراج ذاتی (جسمانی) ہوا۔

(۲) آپ کو تمام انسانوں کا سردار بنایا گیا۔

(۳) آپ کو وہ معجزات عطا کئے گئے جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔

زختری نے کہا کہ اس ابہام میں (نام نہ لینے میں) آپ کی فضیلت اور قدر و منزلت کی عظمت کو ظاہر کیا جو مخفی نہیں کیونکہ اس میں اس بات کی شہادت ہے کہ یہ ایسا حکم ہے جس میں کوئی اشتباہ نہیں اور یہ اس طرح ممتاز ہے کہ التباس کا کوئی خطرہ نہیں۔

اس آیت نے اور اسی طرح آیت کریمہ:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ
اور بے شک ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی۔

(اس آیت) میں واضح کیا گیا کہ انبیاء کرام و رسل عظام کے درجات مختلف ہیں جب کہ معتزلہ کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں ہے لیکن ان دونوں آیات میں ان کا رد ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام افضل ہیں کیونکہ باپ ہیں بعض نے سکوت اختیار کیا اور کہا کہ خاموشی زیادہ بہتر ہے۔

لیکن قابلِ اعتماد بات جو جمہور سلف و خلف کا مسلک ہے یہ ہے کہ رسل کرام انبیاء عظام سے افضل ہیں اسی طرح

بعض رسول دوسرے بعض سے افضل ہیں اور اس پر یہ دو آیتیں اور ان کے علاوہ شہادتیں پائی جاتی ہیں۔
جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے بعض حضرات نے فرمایا تفصیل یہ ہے کہ اس سے دنیا میں (ان کے درجات کا تفاوت) مراد ہے اور یہ (تفاوت) تین احوال سے ہوتا ہے۔

یہ کہ کسی نبی کی علامات اور معجزات زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہوں یا اس کی امت زیادہ پاکیزہ اور تعداد میں بھی زیادہ ہو یا وہ ذاتی طور پر افضل اور زیادہ ظاہر ہوں اور ان کی ذاتی فضیلت اس بات کی طرف لوٹی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کلامِ خلت (خصوصی دوستی) یا دیگر الطاف کرم جو اللہ تعالیٰ چاہے ان کے ساتھ خاص کیا ہو۔

نبی اکرم ﷺ کی فضیلت

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نبی ﷺ کی نشانیاں اور معجزات سب سے زیادہ ظاہر تعداد میں سب سے زیادہ زیادہ باقی رہنے والی اور زیادہ مضبوط ہیں آپ کا منصب اعلیٰ حکومت سب سے بڑی اور زیادہ ہے نیز آپ کی ذات افضل و اظہر ہے اور تمام انبیاء کرام کے مقابلے میں آپ کی خصوصیات اس قدر مشہور ہیں کہ ان کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی پس آپ کا درجہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے درجات سے بلند اور آپ کی ذات تمام مخلوق میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور افضل ہے قیامت کے دن شفاعت سے متعلق حدیث میں غور کرو کہ اس کی انتہاء آپ پر ہوگی اور اس وقت سیادت و قیادت صرف آپ کے پاس ہوگی جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

انسا سید ولد آدم و اول من تشق عنه
میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور قیامت کے دن
الارض يوم القيامة سب سے پہلے میرے لئے زمین (قبر) کھلے گی۔

(سنن ابوداؤد درقم الحدیث: ۲۶۷۳ مسند احمد ج ۲ ص ۵۴۰ المغنی ج ۳ ص ۵۷)

ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

انسا اکرم ولد ادم يومئذ على ربي ولا
میں اپنے رب کے ہاں اولاد آدم سے زیادہ معزز
فختر ہوں اور اس پر مجھے فخر نہیں۔

(الدر المنثور ج ۶ ص ۱۱۹ تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۶۳ تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۲ زاد المسیر ج ۳ ص ۲۳۵ دلائل النبوة ج ۱ ص ۱۳ اتحاف السادة المتقين ج ۱ ص ۳۹۶)

لیکن یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ آپ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی افضل ہیں بلکہ اس سے تو آپ کی اولاد آدم پر فضیلت ثابت ہوتی ہے پس اس حدیث سے آپ کی تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت ثابت کرنا ضعیف ہے۔

شیخ سعد الدین تفتازانی نے نبی اکرم ﷺ کی مطلق فضیلت کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے ثابت کیا ہے:
كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
تم بہترین امت ہو جسے لوگوں (کے نفع) کے لئے پیدا کیا گیا۔

وہ فرماتے ہیں اس میں شک نہیں کہ امت کا بہترین ہونا ان کے دین میں کمال کے اعتبار سے ہے اور یہ ان کے نبی کے

کمال کے تابع ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ”العالم میں“ یوں استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے اوصاف حمیدہ بیان کئے اور حضرت محمد ﷺ سے فرمایا:

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَفْتَدِ. یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی پس آپ ان کی ہدایت پر چلیں۔

تو آپ کو ان کے نشانات پر چلنے کا حکم دیا پس اس پر عمل کرنا آپ پر واجب تھا ورنہ حکم خداوندی کے تارک کہلاتے پس جب آپ نے ان تمام اچھے خصال کو اپنایا تو جو کچھ کمال ان میں متفرق طور پر تھے وہ سب آپ کی ذات میں جمع ہو گئے لہذا آپ ان سے افضل ہوئے۔

نیز تو حید اور عبادت کے حوالے سے آپ کی دعوت دنیا کے اکثر شہروں تک پہنچی جبکہ دوسرے انبیاء کرام کا یہ معاملہ نہیں ہے پس ظاہر ہوا کہ آپ کی دعوت سے دنیا کا نفع باقی انبیاء کرام کی دعوت سے امتوں کے فائدہ اٹھانے کے مقابلے میں زیادہ کامل تھا۔ پس آپ کا تمام انبیاء کرام سے افضل ہونا ضروری ہوا۔

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اناسید ولد ادم ولا فخر و بیدی لواء الحمد ولا فخر و ما من نبی ادم فمن نبی چاہے آدم ہوں یا ان کے علاوہ کوئی نبی ہو سب میرے جہنڈے کے نیچے ہوں گے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۸۱، مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱، ج ۳ ص ۲۳۳، الشفاء ج ۱ ص ۳۹۹، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۶۱-۵۷۶۲، شرح البدیع ج ۱ ص ۲۰۴، اتحاف السادة المستعین ج ۹ ص ۲۲۵، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۸۱-۳۹۰۵۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوعہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے آپ نے فرمایا:

اناسید الناس يوم القيامة. میں قیامت کے دن (تمام) لوگوں کا سردار ہوں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۲۷، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۱۲، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۵، المسند رک ج ۳ ص ۵۷۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۷۷۵، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۷۷، دلائل النبوة ج ۵ ص ۲۷۷، اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۵۷۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۰۴۲-۳۹۰۵۱)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ، حضرت آدم علیہ السلام سے اور آپ کی اولاد (سب) سے افضل ہیں بلکہ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں بلکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے فضائل صحابہ میں ذکر کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سفر سے واپس آئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ عرب کا سردار ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، کیا آپ عرب کے سردار نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا:

فرمایا میں تمام جہانوں کا سردار ہوں اور یہ عرب کے سردار ہیں۔ یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں بلکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی یہ حدیث اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے لیکن اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عربوں کے سردار ہیں۔

امام حاکم نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے لیکن صحیح بخاری و مسلم میں اسے ذکر نہیں کیا گیا۔

اس حدیث کی شاہد حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے امام حاکم نے اسے احمد بن عبید کے طریق سے روایت کیا وہ حضرت ناصح سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ہم سے حسین نے علوان سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔ اور یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔

حضرت ہشام بن عروہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عرب کے سردار کو میری طرف بلاؤ۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ عرب کے سردار نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا (اس کے بعد مذکورہ بالا حدیث ذکر کی)۔

(المجلد الاول ج ۱ ص ۶۳، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۳۳۸)

اسی طرح عمر بن موسیٰ وجیبی کی روایت سے بھی نقل کیا اور وہ بھی ضعیف ہے حضرت ابو الزبیر، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا عرب کے سردار کو میری طرف بلاؤ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا آپ عرب کے سردار نہیں ہیں۔ اس کے بعد مذکورہ بالا حدیث بیان کی۔

ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے فرمایا یہ تمام احادیث ضعیف ہیں بلکہ امام ذہبی کا میلان اس طرف ہے کہ یہ موضوع ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں تمام لوگوں کا سردار ہوں خود پسندی اور دوسروں پر فخر کے طور پر نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ فرمایا۔

آپ نے یہ بات اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ظاہر کرنے کے لئے اور اپنی امت کو اس بات کی خبر دینے کے لئے بیان فرمائی کہ ان کے امام اور متبوع کی بارگاہ خداوندی میں کس قدر عظمت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کو بلند مقام حاصل ہے تاکہ امت کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ان پر اور ان کے نبی پر کتنی بڑی نعمت ہے؟

اسی طرح بندہ جب اس بات کو ملاحظہ کرتا ہے کہ اسے مدد کا فیض حاصل ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا احسان اور جود و کرم ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے رب کا محتاج ہوتا ہے اور پلک جھپکنے کے برابر بھی وہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا تو اس سے اس کے دل میں خوشی کے بادل چھا جاتے ہیں اور جب یہ بادل اس کے دل کے آسمان پر پھیلتے ہیں اور وہ ان سے بھر جاتا ہے تو اس پر خوشی کی بارش برسی ہے جس میں لذت بھر اسرور ہوتا ہے پس اگر اس کو بارش نہ پہنچے تو اس ہی کافی ہے اس وقت اس کی زبان پر ایسا فخر جاری ہوتا ہے جس میں خود پسندی اور دوسروں پر بڑائی کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت پر خوش ہوتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

قل بفضل اللہ وبرحمته فبذلک
فلیفرحوا۔
آپ فرمادیجئے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے پس چاہیے کہ اس پر خوش ہوں۔

تو آپ ظاہر میں فخر فرماتے اور باطنی طور پر احتیاج اور انکساری تھی اور یہ دونوں ایک دوسرے کے منافی نہیں۔ عارف ربانی سید علی الوفاؒ نے اپنے قصیدہ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اس قصیدہ کا آغاز اس طرح ہے:

علاء ان یتلاشا	من انت مولاه حاشا
لامات من بک عاشا	واللہ یاروح قلبی
لا یرجعون عطاشا	قوم لهم انت ماق
لہ وفاؤک راشا	لا قص دھر جناحا
لمن وھبت انتعاشا	بک النعمیم مقیم
لمن یضعف الدھر جاشا	ومن بحولک یقوی
فکیف لا یتحاشا	عبد لہ بک عز
من انت مولاه حاشا	حاشا وفاؤک یرمی

”وہ شخص جس کا تو مولیٰ ہے وہ اس سے پاک ہے کہ مٹ جائے اللہ کی قسم اے جان جاناں! جو تیرے ساتھ زندگی گزارے وہ مرتا نہیں، جس قوم کا تو ساتھی ہو کبھی پیاسی نہیں لوٹ سکتی زمانہ ان بازوؤں کو توڑ نہیں سکتا جن کی مددگار تیری وفا ہو تمہارے سبب سے نعمتیں دائمی ہیں اس شخص کے لئے جس کو تو نے سر بلندی عطا کی وہ شخص جو تیری قوت کے ذریعے طاقتور ہو زمانہ اس کے جوش کو ہرگز ٹھنڈا نہیں کر سکتا وہ غلام جو آپ کے سبب سے معزز ہو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ (حوادث زمانہ سے) نہ بچے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تیری وفا اس شخص کو پھینک دے جس کا تو مولیٰ ہے۔“

فضیلت نہ ماننے والوں کا اعتراض

سوال: ان دو آیتوں کو جو پہلے ذکر کی گئیں اور اس آیت (درج ذیل آیت) کو کیسے جمع کیا جائے گا۔ ارشاد خداوندی ہے:

قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ
إِبْرٰہِیْمَ وَإِسْمٰعِیْلَ وَإِسْحٰقَ وَیَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِیَ مُوسٰی وَعِیْسٰی وَمَا أُوتِیَ
النَّبِیُّونَ مِنْ رَبِّہُمْ لَا نَفْرِقُ بَیْنَ أَحَدٍ مِنْہُمْ وَنَحْنُ
لَهُ مُسْلِمُونَ (البقرہ: ۱۳۶)

کہو ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا اور جو کچھ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور ان کی اولاد (علیہم السلام) کی طرف اتارا گیا اور جو کچھ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو دیا گیا اور جو کچھ دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم ان میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم

اسی (اللہ تعالیٰ) کے سامنے گردن جھکانے والے ہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی نے ایک دوسرے کو گالی گلوچ کی تو یہودی نے قسم کھاتے ہوئے کہا اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہانوں پر منتخب فرمایا مسلمان نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور یہودی کو تھپڑ مار دیا نیز اسے کہا اے خبیث! کیا حضرت محمد ﷺ پر بھی؟ یہودی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

لا تفضلونی علی الانبیاء۔ مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت نہ دو۔

ایک دوسری روایت میں ہے انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۹، مشکل لا خارج ص ۲۵۲، دلائل النبوة ج ۵ ص ۲۹۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۴۷۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت جسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے نقل کیا اس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو ایک دوسرے کے مقابلے میں ترجیح نہ دو۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۳۔

۳۳۹۸، ۳۶۳۸، ۶۹۱۶، ۶۹۱۷، ۶۹۱۸، ۶۹۱۹، ۶۹۲۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۲۶)

”صحیح بخاری و مسلم میں“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے یعنی رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ وہ (میرے بارے میں) کہے کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳، دلائل النبوة ج ۵ ص ۳۹۵)

شیخین (امام بخاری و امام مسلم) نے ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جس نے کہا کہ میں حضرت یونس بن متی علیہ السلام سے زیادہ بہتر ہوں تو اس نے جھوٹ بولا۔

جواب: علماء کرام نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ ارشاد خداوندی:

لَا تَفْتَرِقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں فرق نہیں کرتے۔

کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ان کی طرف نازل ہوا اس پر ایمان لانے اور ان کی تصدیق کرنے میں فرق نہیں کرتے نیز اس بات پر ایمان لانے میں کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی ہیں اور ان کے درمیان اس قسم کی برابری اس بات کے خلاف نہیں کہ ان میں سے بعض دوسرے بعض سے افضل ہیں۔

اور احادیث (مذکورہ بالا) کے چند جوابات دیئے ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کرام کو بعض پر فضیلت دی ہے لیکن اپنی رائے سے اس فضیلت کی تفصیل میں نہیں جاتے۔

ابن طفریک نے کہا اگر اس قائل کا ارادہ یہ ہے کہ ہم اپنی رائے سے فضیلت دیتے ہیں تفصیل سے باز رہیں تو یہ بات صحیح ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ ہم اس بات کا بھی ذکر نہ کریں جو ہمیں قرآن مجید سے معلوم ہوئی اور جو کچھ حدیث رسول ﷺ میں ہمارے لئے مروی ہو تو یہ بات کمزور ہے۔

ایک دوسرے قائل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصی اعزازات اور قرب کے ذریعے جس نبی کا درجہ بلند کیا ہم اس فضیلت کا ذکر کرتے ہیں اور لوگوں کو ڈرسانے دین پر صبر کرنے اور ادائیگی رسالت کے لئے اٹھ کھڑا ہونے اور مگر اہوں کو

ہدایت دینے کے سلسلے میں بعض کو بعض پر فضیلت دینے میں ہم غور و خوض نہیں کرتے کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے اس سلسلے میں حتی الوسع محنت کی اور اس قدر طاقت خرچ کی جس سے زیادہ کا اللہ تعالیٰ نے ان کو مکلف نہیں بنایا۔

جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کیا کسی نے یوں کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا اس بات سے منع کرنا کہ مجھے فضیلت نہ دو اس بات کے علم سے پہلے کی بات ہے کہ آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں تو آپ نے اس سے منع فرمایا کہ آپ کو دوسروں پر فضیلت دی جائے کیونکہ یہ بات توقیف کی محتاج ہے (کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا علم عطا فرمائے) اور جو بات علم کے بغیر کسی کی فضیلت بیان کرتا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے کہا کہ یہ بات محل نظر ہے اور شاید اس کے محل نظر ہونے کی وجہ یہ ہو کہ وہ اس بات کی معرفت رکھتے ہوں جو تاریخ کے اعتبار سے مقدم ہے پھر میں نے ”تاریخ ابن کثیر میں“ دیکھا کہ اس کے محل نظر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فتح خیبر کے بعد ہجرت کی پس یہ بات بعید از عقل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک آپ کو اس بات کا علم نہ دیا ہو۔ ۱۔ کسی نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات تواضع اختیار کرنے اور تکبر کی نفی کرنے کے طور پر فرمائی ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات بھی اعتراض سے محفوظ نہیں ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ اس طرح فضیلت نہ دی جائے کہ کسی نبی کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔

یہ بھی کہا گیا کہ نبوت و رسالت کے حق میں کسی نبی کو دوسرے پر فضیلت دینے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام اس وصف میں برابر ہیں اس لحاظ سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ فضیلت زائد احوال خصوصیات کرامات اور مراتب میں ہے نفس نبوت میں کوئی فرق نہیں بلکہ دوسرے زائد امور کے لحاظ سے فرق ہے اسی لئے ان میں سے بعض رسول اولوا العزم رسول ہیں۔ یہ قول دوسرے قول کے قریب ہے۔

ابن ابی جرہ نے حضرت یونس علیہ السلام والی روایت میں کہا ہے کہ اس سے کیفیت اور حد بندی کی نفی مراد ہے جیسا کہ ابن خطیب الری ح نے کہا ہے کیونکہ دونوں کے درمیان عالم محسوس میں فضیلت پائی جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو سات طبقات سے اوپر کا معراج کرایا گیا اور حضرت یونس علیہ السلام دریا کی گہرائی میں اترے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد ادم یوم القيامة۔ میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔

اور آپ نے فرمایا:

آدم و من دونہ تحت لوائی۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ (سب)

میرے جہنم کے نیچے ہوں گے۔

۱۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے آپ ﷺ کو آپ کی فضیلت سے آگاہ کیا گیا۔

(زرقاتی ج ۶ ص ۱۳۸)

۲۔ امام فخر الدین محمد بن عربین حسن ابن حسین حمیری طبرستانی رازی بحر العلوم تھے اور ”رے میں“ خطیب تھے۔ ۱۲ ہزاروی

(زرقاتی ج ۶ ص ۱۳۹)

نیز نبی کریم ﷺ کو شفاعت کبریٰ کی خصوصیت حاصل ہے جو دوسرے کسی نبی کے لئے نہیں ہے یہ فضیلت آپ کو لازمی طور پر حاصل ہے اب رہ گئی یہ بات کہ آپ نے فرمایا ”مجھے حضرت یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو تو یہ اللہ تعالیٰ کے قرب و بعد کے اعتبار سے ہے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اگرچہ ساتوں آسمانوں کے اوپر اور جہاں پر دے اٹھ گئے سیر کرائی گئی اور حضرت یونس علیہ السلام دریا کی گہرائی میں چلے گئے لیکن اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے بعد کے حوالے سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

یہ بات امام دارالاحقرہ (امام مدینہ) حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے اور اس قسم کی بات امام الحرمین (ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف جو نبی رحمہ اللہ) کی طرف منسوب ہے۔

ابن مسیر نے کہا اگر تم کہو کہ اگر ذات خداوندی کی طرف نسبت کے اعتبار سے دونوں جہتیں برابر ہیں اور نبی اکرم ﷺ کو حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت حاصل نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے دونوں جہتوں (آسمان اور زمین) میں تفاوت کی وجہ سے آپ کو فضیلت دی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو زمین پر فضیلت دی ہے تو نبی اکرم ﷺ کو حضرت یونس علیہ السلام پر کیسے فضیلت نہیں دے گا اور اگر فضیلت مکان کی وجہ سے نہ ہو تو مکان کی بلندی کے اعتبار سے ضرور ہوگی اور اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

پھر فرمایا میں کہتا ہوں آپ نے مطلق فضیلت دینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے مکان کے ساتھ مقید فضیلت سے منع فرمایا جس سے قرب مکان سمجھ آتا ہے (جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے) تو قواعد کو جمع کرتے ہوئے اسی معنی پر محمول کیا جائے گا۔

کیا بشر افضل ہیں یا فرشتے؟

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ آیا بشر افضل ہیں یا فرشتے؟

جمہور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ انسانوں میں سے خاص لوگ اور وہ انبیاء کرام ہیں خاص فرشتوں حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل، حضرت عزرائیل، عرش کو اٹھانے والے فرشتوں اور مقربین روحانی فرشتوں سے افضل ہیں (ان فرشتوں سے انبیاء کرام افضل ہیں) اور خاص فرشتے عام انسانوں سے افضل ہیں۔ تفتازانی نے کہا یہ بات اجماع بلکہ ضروری طور پر ثابت ہے اور عام انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں پس جسے سجدہ کیا گیا (یعنی انسان) وہ سجدہ کرنے والوں سے افضل ہے پس جب خاص (انسانوں) کی خاص (فرشتوں) پر فضیلت ثابت ہوگئی تو عام انسانوں کی عام فرشتوں پر فضیلت بھی ثابت ہوگئی پس عام فرشتے نیک لوگوں کے خادم ہیں اور مخدوم کو خادم پر فضیلت حاصل ہوتی ہے نیز مؤمن خواہش اور عقل سے مرکب ہیں اور شیطان بھی دوسووں کے ذریعے ان پر مسلط ہوتا ہے جب کہ فرشتوں میں عقل ہے خواہش نہیں اور شیطان بھی ان تک پہنچنے کی راہ نہیں پاتا۔

پس جیسا کہ ”شرح عقائد میں ہے“ انسان کو علمی اور عملی کمالات حاصل ہیں جب کہ شہوت، غضب اور ایسی ضروری حاجات جو کمالات کے حصول میں رکاوٹ بنتے ہیں انسان کے لئے سدا رہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ رکاوٹوں کی موجودگی میں عبادت کرنا اور کمالات حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور اس صورت میں اخلاص بھی زیادہ ہوتا

ہے لہذا انسان افضل ہوا۔

اور یہاں عوام الناس سے نیک لوگ مراد ہیں فاسق نہیں جیسا کہ علامہ کمال الدین بن ابی شریف مقدسی نے بتایا وہ فرماتے ہیں۔

امام بیہقی نے ”شعب الایمان میں“ یہ بات واضح الفاظ میں بیان کی وہ فرماتے ہیں۔
پہلے اور پچھلے تمام لوگوں نے بحث کی ہے کہ آیا فرشتے افضل ہیں یا انسان؟ تو کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ انسانوں کے رسول فرشتوں کے رسولوں سے افضل ہیں اور انسانوں میں سے اولیاء کرام فرشتوں کے اولیاء سے افضل ہیں۔

معتزلہ فلاسفہ اور بعض اشاعرہ نے فرشتوں کو فضیلت دی ہے۔ قاضی ابوبکر الباقلائی (الاعلام ج ۶ ص ۱۷۶) فیات الایمان ج ۱ ص ۲۸۱ تاریخ بغداد ج ۵ ص ۳۷۹ الوانی بالوفیات ج ۳ ص ۱۷۷ اور ابو عبد اللہ حلی نے بھی اسی بات کو اختیار کیا ہے انہوں نے چند وجوہ کو دلیل بنایا ہے۔ (الاعلام ج ۲ ص ۲۳۵ رسالۃ المستطرفہ ص ۲۳ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۸۷)۔

۱۔ فرشتے محض ارواح ہیں جو بالفعل کامل ہیں وہ شر اور آفات مثلاً شہوت اور غضب سے نیز صورت کے اندھیروں سے پاک ہیں وہ عجیب و غریب افعال کی طاقت رکھتے ہیں اور تمام عالم کے ماضی اور مستقبل کا کسی غلطی کے بغیر علم رکھتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی بنیاد فلسفہ اصول پر ہے اسلامی اصول پر نہیں۔

۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام تمام انسانوں سے افضل ہونے کے باوجود ان (فرشتوں) سے سیکھتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ○ (النجم: ۵)

انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ○ (الشعراء: ۱۹۳)

اسے روح امین (حضرت جبریل علیہ السلام) لے کر

اترے۔

اور اس میں شک نہیں کہ معلم، معلم سے افضل ہوتا ہے۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ سے سیکھتے ہیں فرشتے محض پہنچانے والے ہوتے ہیں۔

۳۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ کتاب و سنت میں فرشتوں کا ذکر انبیاء کرام کے ذکر سے پہلے ہوا ہے اور اس کی وجہ شرف و رتبہ میں ان کا مقدم ہونا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس ذکر کی وجہ ان کا وجود میں مقدم ہونا ہے یا اس لئے کہ ان کا وجود زیادہ پوشیدہ ہے پس ان پر ایمان لانا زیادہ قوی اور تقدیم کے زیادہ لائق ہے۔

۴۔ ان لوگوں کی چوتھی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہے:

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ ○ (النساء: ۱۷۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز نفرت نہیں کرتے کہ وہ

اللہ تعالیٰ کے بندے ہوں اور نہ ہی مقرب فرشتے نفرت

کرتے ہیں۔

اہل لسان اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فرشتوں کی افضلیت کو سمجھتے ہیں کیونکہ اس قسم کی صورت میں قیاس یہ ہے کہ ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے کہا جاتا ہے ”اس بات سے وزیر نفرت نہیں کرتے اور نہ ہی بادشاہ کرتا ہے“ اور یوں نہیں کہا جاتا کہ بادشاہ اور وزیر نفرت نہیں کرتے پھر اس بات کا بھی کوئی قائل نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام میں کوئی فرق ہے۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس قدر تعظیم کی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی بندگی سے بلند و بالا سمجھا بلکہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا کیونکہ آپ باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے نیز آپ پیدا کئی اندھوں اور سفید داغ والوں کو تندرست کر دیتے اور مردوں کو زندہ کرتے تھے جب کہ دوسرے انسانوں کا یہ حال نہیں تو ان کا رد کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی اس سے نفرت نہیں کرتے اور وہ بھی جو اس معنی میں ان سے اعلیٰ ہیں اور وہ فرشتے ہیں جن کا باپ اور ماں دونوں نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کا مومن سے زیادہ قوی اور زیادہ عجیب کاموں پر قادر ہیں تو یہ ترقی ماں باپ کے بغیر ہونے اور مضبوط آثار کے اظہار میں مطلق شرف و کمال میں نہیں۔

لہذا فرشتوں کے افضل ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

فرشتوں کے مراتب

پھر فرشتوں میں سے بعض دوسرے بعض سے افضل ہیں اور سب میں سے حضرت روح الامین جبریل علیہ السلام افضل ہیں جن کی پاکیزگی تمام جہانوں کے رب کی طرف سے بیان کی گئی ہے ان کے بارے میں عزت والے رب کی طرف سے کہا گیا:

لَئِنَّ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُطَاعٌ ثَمَّ أَمِينٌ ۝ (الکوثر: ۲۰-۲۲) والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سات صفات بیان فرمائیں۔ پس آپ ان تینوں فرشتوں سے افضل ہیں جو مطلقاً فرشتوں میں سے افضل ہیں اور وہ حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت

اسی طرح رسل عظام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں اور بعض رسول دوسرے بعض سے افضل ہیں اور حضرت محمد ﷺ تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت پر قرآن مجید کی دلالت پائی جاتی ہے کہ آپ کو امر اور نہی ہوا اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ ان کے زمانے میں کوئی دوسرا نبی نہیں تھا پس امر و نہی وحی کے ذریعے ہوئی کسی اور طریقے پر نہیں اسی طرح سنت اور

اجماع کی دلالت بھی پائی جاتی ہے پس ان کی نبوت کا انکار کفر ہے جیسا کہ بعض سے منقول ہے۔

(شرح العقائد المسلمیہ ص ۱۶۷ الفتاویٰ الہندیہ ج ۲ ص ۲۰۱ اصول اہل القاہرہ ص ۱۵۷-۱۵۹ مراجع الاجماع ص ۱۷۳)

انبیاء و رسل کی تعداد

انبیاء و رسل کی تعداد میں اختلاف ہے اور اس سلسلے میں مشہور وہ بات ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمائی اور اسے ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! انبیاء کرام کی تعداد کیا ہے آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین سو تیرہ کا جم غفیر ہے۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان میں سے پہلا نبی کون ہے؟ فرمایا حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ پھر فرمایا اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں حضرت آدم، حضرت شیث، حضرت نوح اور حضرت خنوخ یعنی حضرت ادریس علیہم السلام سب سے پہلے قلم کے ذریعے حضرت ادریس علیہ السلام نے ہی لکھا چار نبی عرب سے ہیں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب علیہم السلام اور آپ کے نبی حضرت محمد ﷺ اے ابوذر! نبی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور سب نبیوں میں اولیٰ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبی ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۶۷)

اس حدیث کو ابو حاتم بن حبان نے اپنی کتاب ”الانواع والتقاسیم“ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا اور اس کو صحیح قرار دیا۔ ابن جوزی نے اس حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے اسے موضوعات میں شمار کیا اور اس کے راوی ابراہیم بن ہشام کو تہمت زدہ قرار دیا۔

حافظ ابن کثیر نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ متعدد ائمہ جرح و تعدیل نے اس حدیث کی وجہ سے اس راوی (ابراہیم) کے بارے میں گفتگو کی ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت ابو یعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میرے بھائیوں انبیاء کرام میں سے آٹھ ہزار نبی گزر چکے ہیں پھر حضرت عیسیٰ بن مریم تھے پھر میں ہوا اور وہ جن کے نام لے کر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا۔ وہ حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یونس، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں اسی طرح بہت سے مفسرین کے نزدیک حضرت ذوالکفل علیہ السلام بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ورفعنا لک ذکرک

ارشاد خداوندی ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ.

(اے محبوب!) ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر

کو بلند کیا۔

ابن جریر نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا ہے حکم میرا اور آپ کا وہ فرما ۲۵۴ کہ آپ کا آپ جاسکتے ہیں کہ میں نے آپ کے ذکر کو کیسے بلند کیا؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِذَا ذَكَرْتَ ذَكَرْتَ مَعِيَ.

جب میرا ذکر ہوگا تو میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر ہوگا۔

(موارد الخلق، رقم الحدیث: ۱۷۷۳، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۴، تفسیر طبری ج ۳ ص ۱۵۱، تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۴۵۲)

اس حدیث کو امام طبرانی نے ذکر کیا اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔ ہم نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں ہمیں ابن عیینہ نے حضرت ابن ابی نجیح سے (روایت کرتے ہوئے) خبر دی کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کے ذکر کے بغیر میرا ذکر نہیں ہوگا۔ ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“۔

امام شافعی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے لیکن اس سے مراد اللہ تعالیٰ پر ایمان کے وقت اور اذان کے وقت آپ کا ذکر مراد ہے وہ فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت اور نیکی کرتے اور برائی سے بچنے وقت آپ کا ذکر مراد ہو (یعنی اس کے دل میں خیال ہوتا ہے کہ میں حضور علیہ السلام کی تبلیغ کی وجہ سے ایسا کرتا ہوں)۔

ایک قول یہ ہے کہ نبوت کے ذریعے آپ کے ذکر کو بلند کیا گیا یہ بات یحییٰ بن آدم نے کہی ہے۔ حضرت ابن عطا فرماتے ہیں (اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا) میں نے آپ کو اپنے ذکر میں سے قرار دیا پس جو آپ کا ذکر کرے گا اس نے میرا ذکر کیا۔

ان ہی سے مروی ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ اپنے ذکر کو تکمیل ایمان قرار دیا (یعنی میرا اور آپ کا) (دونوں کا) ذکر ہوگا تو ایمان مکمل ہوگا)۔

حضرت امام جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کوئی شخص رسالت کے ساتھ آپ کا ذکر نہیں کرے گا مگر اس نے ربوبیت کے ساتھ میرا ذکر کیا۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے بڑی بلندی کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ شہادت میں آپ کے اسم گرامی کو اپنے اسم مبارک کے ساتھ ملایا اور آپ کی اطاعت کو اپنی فرمانبرداری قرار دیا قرآن مجید کی یہ آیت اس طرف اشارہ کرتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ.

جس نے رسول اللہ ﷺ کا حکم مانا اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

اور فرمایا:

وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ.

اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں

کہ یہ لوگ ان کو راضی کریں۔

اور فرمایا:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم

مانے۔

نیز فرمایا:

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں آپ کے ذکر کو بلند کیا پس کوئی خطیب اور شہید پڑھنے والا نیز کوئی نمازی نہیں مگر وہ کہتا ہے۔

”أشهد أن لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله“ تو شہادت اور شہد دونوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور علیہ السلام کا بھی ذکر ہے اور وہ قرآن مجید میں خطبات میں اور اذان میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حضور علیہ السلام کے ذکر کا بھی اقرار کرتے ہیں اور قیامت کے دن آپ کے نام کے ساتھ اذان دی جائے گی۔
ابو نعیم نے ”الحلیہ میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے تو ان کو اجنیت محسوس ہوئی پس حضرت جبریل علیہ السلام نے اتر کر یوں اذان دی۔

اللَّهُ أَكْبَرُ (دومرتبہ) أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (دومرتبہ) أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ (دومرتبہ)۔
نبی اکرم ﷺ کا اسم مبارک عرش اور تمام آسمانوں پر لکھا گیا نیز جنتوں اور جو کچھ ان میں سے ہے سب پر لکھا گیا۔
حضرت بزار رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا (کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا) جب مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو میں جس آسمان سے گزرا وہاں اپنا نام (یوں) لکھا ہوا پایا ”محمد رسول اللہ“ ”الحلیہ میں“
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جنت میں کوئی ایسا درخت نہیں جس پر پتہ ہو مگر اس پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ لکھا ہوا ہے۔

طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ لکھا ہوا تھا حافظ ابن رجب (ابو الفرج عبد الرحمن بن احمد بن رجب حافظ الحدیث ہیں۔ متوفی ۷۹۵ھ) (الاعلام ج ۳ ص ۲۹۵، شذرات الذهب ج ۶ ص ۳۳۹، الدرر الكامنة ج ۲ ص ۳۲۱) نے ”احکام الخواتیم“ کتاب میں اسے ابو علی الخالدی کی جزء کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ یہ موضوع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسم گرامی کو اپنے اسم سے مشتق کیا ہے جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَشَقَّ مِنْ اسْمِهِ لِجَلِّهِ فَلِذَلِكَ الْعَرْشُ مَحْمُودٌ وَهَذَا مُحَمَّدٌ

”اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسم مبارک کو اپنے نام سے مشتق کیا تاکہ اسے روشن کرے پس عرش والا محمود

ہے اور یہ محمد ہیں۔“

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنی میں سے ستر اسماء کے مطابق نبی اکرم ﷺ کا نام رکھا جیسا کہ آپ کے اسماء مبارکہ کے ذکر میں بیان ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے آپ پر درود شریف پڑھا اور مومنوں کو بھی درود شریف پڑھنے کا حکم دیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ السَّلَامَةَ وَالصَّلَاةَ يَكْفِيهِمْ يَوْمَئِذٍ ۝ بَعَثَ اللَّهُ تَعَالَىٰ أَسْرَفَ الْمَنَافِقِينَ إِلَىٰ نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَأَمَّا الْغُلَامُ الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ فِيهِ رَسُولَهُ فَمُحَمَّدٌ ﷺ ۝ (الاحزاب: ۵۶) خوب سلام بھیجو۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خبر دی کہ آسمانوں میں اس کے نبی کی کیا قدر و منزلت ہے کہ مقرب فرشتوں کے سامنے آپ کی تعریف کی جاتی ہے اور فرشتے بھی آپ پر درود پڑھتے ہیں۔ پھر زمین والوں کو آپ پر درود شریف اور سلام پڑھنے کا حکم دیا پس آسمانوں اور زمین والوں (دونوں) کی طرف سے آپ کی تعریف جمع ہو گئی۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت نبی لکھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے آپ پر نبوت و رسالت کا اختتام فرمایا اور آپ کے مبارک ذکر کا پہلو اور پچھلوں میں اعلان فرمایا۔

اور آپ کے عالی شان مرتبہ کو اس وقت بلند کیا جب تمام انبیاء کرام سے وعدہ لیا اور آپ کے ذکر کو رسائل کے آغاز و اختتام میں رکھا اور اس ذکر کے ذریعے منبروں پر فصیح و بلیغ خطباء کو شرف بخشا نیز آپ کے ذکر کے ساتھ قلم اور دوات والوں کو زینت عطا فرمائی آپ کے ذکر کو مشرق و مغرب اور خشکی اور تری میں پھیلا یا حتیٰ کہ آسمانوں میں اور مقام مستوی میں اور جہاں تقدیر لکھنے والی قلموں کی آواز آتی ہے عرش و کرسی تمام مقرب فرشتوں میں جو آسمانوں میں ہیں یا زمین پر سب میں آپ کے ذکر کو جاری کیا۔

مؤمنوں کے دلوں میں آپ کی یاد کو اس طرح رکھا کہ وہ آپ کے ذکر سے لذت پاتے ہیں اور ان کی ارواح کو راحت حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات آپ کے اسم گرامی کو سن کر ان کے جسم مضطرب ہو جاتے ہیں کہا گیا:

وَإِذَا ذَكَرْتَكُمْ آمِيلًا كَانَنِي

من طيب ذكركم سقيت الراحا

”اور جب میں تمہارا ذکر کرتا ہوں تو جھومنے لگتا ہوں گویا میں تمہارے ذکر کی شراب پلایا گیا ہوں۔“

گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں آپ کی پیروی کرنے والوں سے تمام کائنات کو بھر دوں گا سب لوگ آپ کی تعریف کریں گے آپ پر درود شریف پڑھیں گے اور آپ کی سنت کی حفاظت کریں گے بلکہ ہر فرض نماز کے ساتھ سنت نماز بھی ہے پس وہ فرض کی ادائیگی میں میرے حکم کی اور سنت پڑھتے ہوئے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

میں نے اپنی اطاعت کو آپ کی اطاعت اور اپنی بیعت کو آپ کی بیعت قرار دیا پس قراء آپ کے منشور کے الفاظ کی حفاظت کرتے ہیں، مفسرین آپ کے فرقان مجید کے معانی کی تفسیر کرتے ہیں واعظین آپ کے فصیح و بلیغ وعظ کو پہنچاتے ہیں۔ بادشاہ اور سلاطین آپ کی خدمت میں کھڑے دروازے کے باہر سے آپ کو سلام پیش کرتے ہیں اور آپ کے روضہ کی خاک پاک اپنے چہروں پر ملتے ہیں نیز آپ کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں پس آپ کا شرف ہمیشہ باقی رہے گا۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔

مَا نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْفَىٰ

ارشاد خداوندی ہے:

ظہ ۝ مَا نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْفَىٰ ۝ ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نازل نہیں کیا کہ

(ط: ۲۱:۱) آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

جان لو کہ ط کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ حروف تہجی میں سے ہے اور دوسرا یہ کہ کلمہ مفیدہ ہے پہلی صورت میں کہا گیا کہ اس کا معنی ”اے امت کے لئے سفارش کی امید رکھنے والے“ ہے نیز یہ معنی ہے ”اے ملت اسلامیہ کی طرف مخلوق کو بلانے والے“۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ حساب کے اعتبار سے طاء کے نو اور ہاء کے پانچ عدد ہیں پس یہ چودہ عدد ہوئے اور اس کا معنی ہے اے چودہویں کے چاند!

لیکن ان اقوال پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے جیسا کہ محققین نے کہا کہ یہ عجیب تفسیر ہے واسطی نے بھی اسی طرح کہا جسے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء میں“ نقل کیا کہ اس سے مراد اے طاہر اے ہادی! ہے اور جو لوگ اسے کلمہ مفیدہ کہتے ہیں تو اس میں دو وجہ ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا معنی ”یا رجل“ (اے مرد) ہے۔

حضرت ابن عباس، حضرت حسن، حضرت مجاہد، حضرت سعید بن جبیر، حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں یہ پہلی زبان کے لفظ ہے حضرت قتادہ اسے سریانی زبان کا لفظ قرار دیتے ہیں حضرت عکرمہ کے نزدیک حبشی زبان کا لفظ ہے۔

امام بیضاوی فرماتے ہیں اگر اس کا معنی ”یا رجل“ صحیح ہو تو شاید اس کی اصل ”یا ہذا“ ہو پس انہوں نے اس کو بدل کر مختصر کر دیا ہو۔

کلبی نے کہا اگر تم عک بن عدنان کی اولاد کی زبان میں ”یا رجل“ کہو تو وہ اسے پسند نہیں کرتے حتیٰ کہ تم ط کہو۔

سدی نے کہا ط کا معنی ہے ”اے فلاں“۔

زحیری نے کہا شاید ”عک“ قوم نے ”یا ہذا“ میں تصرف کر کے ط بنا دیا گویا وہ اپنی لغت میں یاہ کو طاء سے بدلتے ہیں پس انہوں نے کہا ”یا طاء“ پھر اسے مختصر کر کے ”ہاء“ پر اکتفا کیا اور صیغہ کا اثر ظاہر ہے اس شعر میں مخفی نہیں جس کو دلیل بنایا گیا:

ان السفاهة طه في خلافتكم لا قدس الله اخلاق الملاعين
”اے شخص! بیوقوفی تمہاری فطرت میں پائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ مردود لوگوں کے اخلاق پاک نہ کرے
(یہاں ط کا معنی ”یا رجل“ ہے)۔“

(ابو حیان نے اپنی تفسیر) البحر میں فرمایا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ ”عک“ (قوم) کی لغت میں ط ”یا رجل“ کے معنی میں ہے پھر ان پر انہوں نے ”یا“ کو ”طا“ سے بدلا اور عربی زبان میں یاہ ندائیہ کو طاء سے نہیں بدلا جاتا اسی طرح ندا میں اسم اشارہ کو حذف کیا اور کہا گیا کہ اس کا معنی ”یا انسان“ ہے۔

ط ہا سا کن کے ساتھ بھی پڑھا گیا نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ زمین کو اپنے مبارک قدموں سے روندیں (وطاء یطاء سے امر کا صیغہ ہے)۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ تہجد میں ایک پاؤں پر کھڑے ہوئے تو آپ کو حکم دیا گیا کہ دونوں پاؤں زمین پر اکٹھے رکھیں اصل میں طاء تھا پھر ہمزہ کو ”ہاء“ سے بدل دیا گیا جیسے ”اباک“ کو ”ہباک“ پڑھتے ہیں اور

ارقت کو ہر وقت پڑھا جاتا ہے۔
اور ہو سکتا ہے اصل میں وطی ہو اور ہمزہ نہ ہو پس اس کی اصل ”طا“ ہوگی یعنی ”یسا رجل“ پھر وقف کے لئے ”ہاء“ کو لایا گیا اس بنیاد پر احتمال ہے کہ طہ کی اصل ”طاھا“ ہو اور الف کو ہمزہ اور ہاء سے بدلا گیا جو زمین سے کنایہ ہے لیکن اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں حرف کی صورت میں لکھے جاتے ہیں۔
اور ارشاد خداوندی ہے:

مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ ۝
ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نہیں اتارا کہ آپ
(طہ: ۲) مشقت میں پڑ جائیں۔

اس آیت کے سبب نزول میں کئی اقوال ذکر کئے ہیں۔
پہلا قول: ابو جہل، ولید بن مغیرہ اور مطعم بن عدی نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ آپ (معاذ اللہ) بد بخت ہیں کہ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ دیا آپ نے فرمایا مجھے تو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے ان (کفار) کا رد کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی اور نبی اکرم ﷺ کی تعریف فرمائی کہ دین اسلام اور قرآن ہی ہر کامیابی کو پانے کی سیڑھی اور ہر سعادت کو پانے کا ذریعہ ہے اور کافروں کا عقیدہ سراسر بد بختی ہے۔
دوسرا قول: نبی اکرم ﷺ نے رات کے وقت نماز پڑھی حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک پھول گئے حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اپنے نفس کو باقی رکھیں کیونکہ اس کا بھی آپ پر حق ہے یعنی ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ اپنے آپ کو عبادت میں ہی مصروف رکھیں اور نفس کو بہت بڑی مشقت میں ڈالیں آپ کو خالص نرم دین کے ساتھ بھیجا گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ رات کے وقت کھڑے ہوتے تو اپنے سینہ اقدس کو رسی سے باندھ لیتے حتیٰ کہ آرام نہ فرماتے بعض نے کہا کہ آپ پوری رات جاگتے رہتے۔
اس پر تنقید کی گئی کہ یہ بات بعید از عقل ہے کیونکہ اگر نبی اکرم ﷺ نے ایسا کوئی کام کیا ہوتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہوتا اور جب کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا تو وہ سعادت مندی ہے بد بختی کا باعث نہیں۔
تیسرا قول: بعض حضرات نے کہا اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آپ ان کفار پر افسوس کرتے ہوئے اپنے آپ کو مشقت اور تکلیف میں نہ ڈالیں۔ ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نازل کیا کہ اس کے ذریعے ایمان والوں کو نصیحت سنائیں پس جو شخص ایمان لایا اور صحیح راستے پر رہا اس کا فائدہ اسے ہی ملے گا اور جس نے کفر کیا اس کے کفر سے آپ غمگین نہ ہوں آپ کے ذمہ تو پہنچا دینا ہے اور اسی طرح جیسے ارشاد فرمایا:
لَعَلَّكَ بَاسِخٌ مِّمَّنْ لَّفَّكَ أَنْ لَا يَكْفُرُوا ۝
تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے۔
مؤمنین ۝ (شعراء: ۳)

اور ارشاد خداوندی ہے:
وَلَا يَحْزَنكَ كُفْرُہُمْ ۝ (لقمان: ۲۳)
اور کفر سے آپ غمگین نہ ہوں۔

چوتھا قول: یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں شروع شروع میں نازل ہوئیں۔ اس وقت آپ اپنے دشمنوں کی زیادتیاں برداشت کر رہے تھے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ یہ خیال نہ کریں کہ اسی حالت پر باقی رہیں گے بلکہ آپ کا دین بلند ہوگا اور آپ کی شان ظاہر ہوگی کیونکہ ہم نے قرآن پاک اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ کی شقاوت کا باعث ہو بلکہ آپ معظم و کرم ہوں گے اللہ تعالیٰ آپ کی عظمت، کرامت اور شرافت کو زیادہ فرمائے۔

اَنَا اعْطَيْتُكَ الْكَوْثَرَ

ارشاد خداوندی ہے:

اَنَا اعْطَيْتُكَ الْكَوْثَرَ. (کوثر: ۱) بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی۔

امام فخر الدین بن الخطیب نے فرمایا کہ اس سورت میں بہت سے فائدے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ یہ سورت پہلی سورتوں کا تتمہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتحی میں ہمارے نبی ﷺ کی تعریف اور آپ کے احوال کی تفصیل بیان کی پس اس کے شروع میں تین باتیں ذکر کی ہیں جن کا نبوت سے تعلق ہے اور وہ آیات یہ ہیں:

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ (الفصحی: ۳-۵)

تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکر وہ جانا اور بے شک پچھلی (گھڑی) تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

پھر اسی طرح ایسے تین احوال کے ساتھ اختتام فرمایا جن کا دنیا سے تعلق ہے۔

ارشاد فرمایا:

الَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَآوَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝ (الفصحی: ۶-۸)

کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی اور تمہیں اپنی محبت میں خود درفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا۔

”ضالا“ یعنی حکم اور احکام سے آپ بے خبر تھے۔

اس کے بعد سورۃ ”الم نشرح“ میں ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین باتوں کے ساتھ مشرف فرمایا۔ اور وہ اس طرح ہیں:

الَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (الم نشرح: ۱) یعنی اس قدر کھول دیا کہ حق تعالیٰ سے مناجات اور مخلوق کو دعوت سب کچھ اس میں سمایا ہوا ہے: اور ہم نے آپ سے آپ کے بوجھ کو اتار دیا۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ (الم نشرح: ۲) اس سے بھاری بوجھ مراد ہے یعنی:

اَلَّذِي اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ

وہ بوجھ جس نے آپ کی پشت مبارک کو توڑ رکھا اور

ذِخْرِكَ ۝ (الم نشر: ۳-۴) ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

اسی طرح ایک ایک سورت میں آپ کا ذکر ہے حتیٰ کہ فرمایا:

إِنَّا آعْطَيْنَاكَ الْكُؤُتَ ۝ (کوثر: ۱)

بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کیا۔

یعنی ہم نے آپ کو یہ مناقب کثیرہ عطا فرمائے کہ ان میں سے ہر ایک تمام دنیا کی ملکیت سے بہت بڑا ہے پس جب ہم نے آپ کو یہ انعامات عطا کئے تو آپ ہماری اطاعت میں مشغول ہوں اور ان لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہ کریں۔

پھر عبادت میں مشغولیت یا نفس و بدن کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ ارشاد خداوندی ”فصل لربک“ ہے اور یا حال کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ ”والنحر“ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”انسا عطیناک“ میں غور کیجئے کس طرح صیغہ ماضی کے ساتھ ذکر کیا اور یہ نہیں فرمایا ”سنعطیک“ ہم عنقریب آپ کو عطا کریں گے تاکہ اس بات پر دلالت ہو یہ عطا زمانہ ماضی میں پائی گئی ہے۔
نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كنت نبيا و آدم بين الروح والجسد. میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص زمانہ ماضی میں عزیز ہو اور اس کی رعایت کی جاتی ہو وہ اس سے زیادہ شرف والا ہوتا ہے جسے عنقریب یہ اعزاز ملے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اے محمد! آپ کے وجود میں آنے سے پہلے ہم نے آپ کی سعادت کے اسباب تیار کر دیئے تو آپ کے وجود میں آنے اور ہماری عبادت میں مشغول ہونے کے بعد کیا کیفیت ہوگی؟

اے عبد کریم! ہم نے آپ کو یہ فضل عیم آپ کی عبادت و اطاعت کی وجہ سے نہیں دیا ہم نے محض اپنے فضل اور احساس سے آپ کو مختار بنایا اس کا کوئی سبب موجب نہیں ہے۔

الکوثر کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف

الکوثر کی تفسیر میں مختلف وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔

۱۔ ان میں ایک یہ ہے کہ یہ جنت میں ایک نہر ہے سلف و خلف کے نزدیک یہی بات مشہور ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اس دوران کہ میں جنت میں چل رہا تھا اچانک وہاں ایک نہر کے پاس پہنچا جس کے کناروں پر اندر سے خالی موتیوں کے خیمے تھے میں نے پوچھا اے جبریل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کی ہے اس کا گارا نہایت خوشبودار کستوری کا تھا“۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۷ اتحاف السادة المتقين ج ۱ ص ۲۹۸ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۵۵۶۶ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۵۱۷ المغنی ج ۳ ص ۵۱۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۹۱۳۳)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوثر سے آپ کی اولاد مراد ہے کیونکہ یہ سورت ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئی جو آپ کو اولاد نہ ہونے کا عیب لگاتے تھے اس بنیاد پر معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی نسل عطا کرے جو زمانہ گزرنے کے بعد بھی باقی

رہیں گے تو دیکھئے اہل بیت میں سے کتنے لوگ شہید ہوئے پھر یہ کائنات ان سے بھری پڑی ہے دوسرے انبیاء کرام کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہے۔

ایک قول کے مطابق کوثر سے خیر کثیر مراد ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبوت مراد ہے اور وہ خیر کثیر ہے۔
کہا گیا ہے کہ اس سے آپ کی امت کے علماء مراد ہیں ایک قول کے مطابق کوثر سے اسلام مراد ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں خیر کثیر ہیں پس علماء کرام انبیاء عظام کے وارث ہیں جیسا کہ امام احمد ابوداؤد اور ترمذی رحمہم اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔

اور یہ حدیث کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ تو اس کے بارے میں حافظ ابن حجر اور ان سے پہلے الدمیری اور زرکشی نے فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔

ابو نعیم نے پاکدامن عالم کی فضیلت میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اقرب الناس من درجة النبوة اهل العلم
لوگوں میں سے درجہ نبوت کے زیادہ قریب علماء اور
والجہاد۔ مجاہدین ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ کوثر سے علم مراد ہے اور اس معنی پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے جس کی چند وجوہ ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ علم ہی خیر کثیر ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کوثر کو آخرت کی نعمتوں پر محمول کیا جائے گا یا دنیا کی نعمتوں پر؟ وہ فرماتے ہیں پہلی صورت جائز نہیں کیونکہ فرمایا ہم نے آپ کو کوثر عطا کی اور جنت بعد میں عطا ہوگی عطا ہوئی نہیں پس کوثر سے وہ نعمتیں مراد ہوں گی جو آپ کو دنیا میں حاصل ہوئیں اور دنیا میں جو کچھ آپ تک پہنچا ان میں سے سب سے زیادہ شرف والی چیز علم اور نبوت ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ”انا اعطیناک الکوثر“ فرمانے کے بعد فرمایا ”فصل لربک وانحر“ اور عبادت سے پہلے معرفت ہوتی ہے اور ”فصل“ میں فاء تعقیب کے لئے ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ عبادت کا موجب صرف علم ہے۔

یہ بھی کہا کہ کوثر سے اچھے اخلاق مراد ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے:

ذهب حسن الخلق بخیر الدنيا
دنیا اور آخرت کی بہتر شخصیت کے ساتھ اچھا اخلاق
والاخرة۔ چلا گیا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جتنی نعمتیں عطا کی ہیں کوثر سے وہی مراد ہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت سے بعض نعمتیں مراد لینا اور باقی کو چھوڑ دینا بہتر نہیں پس تمام نعمتوں پر محمول کرنا واجب ہے۔

اسی لئے مروی ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا تو بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ لوگوں کے خیال میں اس سے جنت کی ایک نہر مراد ہے حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا

وہ نہر جو جنت میں ہے اسی خیر میں سے ہے جو (خیر) اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔

امام فخر الدین بن الخطیب نے کہا کہ بعض علماء کرام فرماتے ہیں "انا اعطیناک الکوثر" کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کوثر عطا کر دی ہے تو لازم ہے کہ اس کا سب سے قریبی محمول نبوت قرآن ذکر عظیم اور دشمنوں کے خلاف مدد ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائی جہاں تک حوض کوثر اور اس ثواب کا تعلق ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تو اگرچہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بھی کوثر میں داخل ہے کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق ثابت ہو وہ واقع ہونے والی چیز کی طرح ہے لیکن حقیقت وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے اگرچہ یہ سب کچھ آپ کے لئے تیار کیا گیا لیکن حقیقتاً یہ کہنا کہ آپ کو اس سورت کے مکہ مکرمہ میں نازل ہوتے وقت حوض کوثر عطا کر دیا گیا تھا صحیح نہیں۔

ہاں یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ جو شخص اپنے چھوٹے بچے کے لئے کسی چیز کا اقرار کرے تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس نے اسے فلاں چیز دی ہے حالانکہ اس وقت بچہ تصرف کا اہل نہیں ہوتا۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ کو ہلکی سی اونگھ آگئی پھر تبسم فرماتے ہوئے سرانور اٹھایا ہم نے کہا (یا رسول اللہ) مسکرانے کی وجہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو مسکراتا ہوا رکھے آپ نے فرمایا ابھی ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی پھر آپ نے پڑھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّا اَعْطٰیْنٰکَ الْکُوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّکَ
وَائْتَحِرْ ۝ اِنَّ کَسٰیْنِکَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ (کوثر: ۱-۳)
اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے
بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تو
تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو بے شک جو
تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

پھر فرمایا جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا وہ ایک نہر ہے جس کا مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا ہے اس پر بہت بھلائی ہے اور وہ حوض ہے جس پر قیامت کے دن میری امت آئے گی اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے مطابق ہیں ان میں سے ایک بندے کو دور کر دیا جائے گا تو میں کہوں گا اے میرے رب! یہ میری امت میں سے ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ اس نے آپ کے بعد کیا راستہ اختیار کیا۔

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۱-۲۲ ج ۲ ص ۱۳۲ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۴ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۴۲)
تو یہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے واضح تفسیر ہے کہ یہاں کوثر سے حوض مراد ہے اور یہ احتمال زیادہ مناسب ہے اور یہی مشہور ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

پس وہ ذات پاک ہے جس نے نبی اکرم ﷺ کو یہ عظیم فضائل عطا فرمائے اور ان عمومی خصائل سے آپ کو مشرف فرمایا اور یہ بڑی بڑی نعمتیں عطا فرما کر آپ کو اپنا قرب عطا فرمایا۔

۱۔ مرتدین کا حوض کوثر پر آنا اور حضور علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے سوال و جواب اس وجہ سے ہوگا کہ ان کو زیادہ حسرت پیدا ہو۔

(زرقاتی ج ۶ ص ۱۶۰)

خطاب کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کی تکریم

اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ اس نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے ذاتی ناموں سے پکارا مثلاً فرمایا:
يَا آدَمُ اسْكُنْ. (البقرہ: ۳۵)
اے آدم (علیہ السلام) (آپ اور آپ کی بیوی)
جنت میں رہیں۔

يَا نُوحُ اهْبِطْ. (ہود: ۴۸)
اے نوح (علیہ السلام) آپ اتریں۔
يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ. (القصص: ۳۰)
اے موسیٰ (علیہ السلام) بے شک میں ہی اللہ ہوں۔
يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ادْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ.
اے عیسیٰ بن مریم (علیہا السلام) اپنے اوپر میری
(المائدہ: ۱۱۰) نعمت کو یاد کریں۔

لیکن ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو غیب کی خبر (نبوت) دینے اور رسالت کے مبارک وصف کے ساتھ پکارا۔
ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ (اے رسول) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ (اے نبی) اللہ تعالیٰ شاعر کو جزائے خیر دے کیا خوب کہا:
فدعا جميع الرسل كلا باسمه
و دعاك وحدك بالرسول وبالنبی
”تمام رسولوں کو ان کے نام لے کر پکارا لیکن صرف آپ کو رسول اور نبی کہہ کر پکارا۔“

شیخ عز الدین بن عبد السلام فرماتے ہیں یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ سردار جب اپنے کسی غلام کو اس کے عمدہ اور اعلیٰ اوصاف سے پکارے اور دوسرے غلاموں کو ان کے ذاتی ناموں کے ساتھ پکارے کسی وصف یا کسی اچھی عادت کے حوالے سے نہ پکارے تو جس کو اس کے اچھے ناموں اور اوصاف سے پکارا وہ اس سے افضل ہوتا ہے جسے وہ محض نام سے پکارتا ہے اور یہ بات عرف عام میں معلوم ہے کہ جس کو اس کے افضل اوصاف و اخلاق سے پکارا جائے تو یہ اس کی تعظیم اور احترام میں مبالغہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں غور کیجئے۔ فرمایا:
وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِيهِ
الْأَرْضَ خَلِيقَةً. (البقرہ: ۳۰)
اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ
میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔

تو اس میں لفظ ”رب“ کا ذکر اور اس کی نبی اکرم ﷺ کی طرف اضافت ہے اور خطاب میں آپ کے شرف و اختصاص پر تنبیہ ہے اور اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ خطاب کے ساتھ جس کی طرف توجہ کی جائے اس کے لئے بہت بڑا حصہ ہوتا ہے اور جن جن کے بارے میں خبر دی ہے آپ کے لئے ان سب سے زیادہ حصہ رکھا گیا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں۔

کیا تم نبی کریم ﷺ کی رسالت و دعوت کا عموم نہیں دیکھتے اور آپ کو تمام انبیاء کرام سے افضل بنایا، شب معراج آپ کو ان سب کی امامت کا شرف عطا فرمایا اور قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ سب کو آپ کے جھنڈے کے نیچے رکھے گا۔ پس آپ زمین و آسمان اور دارالعمل نیز دارالجزاء ہر جگہ مقدم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ کتاب عزیز میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ آپ کا رتبہ بلند قدر و منزلت عظیم منصب عالی اور

ذکر رفیع ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ احترام و اکرام کے انتہائی درجات پر فائز ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عتاب سے پہلے آپ کے لئے عفو و درگزر اور نرمی کا ذکر فرمایا یہ بات آپ کی عظمت شان کے لئے کافی ہے۔ ارشاد فرمایا:

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ (التوبہ: ۴۳) اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے آپ نے ان کو

اجازت کیوں دی۔ ل

آپ کی تعظیم کے طور پر تمام انبیاء کرام سے پہلے آپ کا ذکر کیا حالانکہ آپ کی نبوت کا زمانہ سب سے آخری ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِسْرٰهِيْمَ وَمُوسٰی وَعِيسٰی ابْنِ مَرْيَمَ (الاحزاب: ۷) اور آپ سے اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہم السلام) سے عہد لیا۔

اور یہ خبر بھی دی کہ جہنمی آپ کی اطاعت کی تمنا کریں گے۔ ارشاد فرمایا:

يَوْمَ تَقْلُبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا اٰطَعْنَا اللَّهَ وَاٰطَعْنَا الرَّسُوْلًا (الاحزاب: ۶۶) جس دن ان کے منہ الٹ الٹ کر آگ میں تلے جائیں گے کہتے ہوں گے ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

(تو نبی اکرم ﷺ کے فضائل و کمالات) ایک ایسا سمندر ہے جو کم نہیں ہوتا اور ایسی بارش جو کثرت کی وجہ سے شمار میں نہیں آ سکتی۔

دوسری نوع

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے انبیاء کرام سے پکا وعدہ کیا اگر وہ نبی اکرم ﷺ کا زمانہ پائیں تو آپ پر ضرور بھروسہ ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔ (الشفاعہ ج ۱ ص ۴۳) ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَّا اٰتٰیْكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ (آل عمران: ۸۱) اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے ہر اس نبی سے وعدہ لیا جس کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم ﷺ تک مبعوث فرمایا کہ وہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ یہ بات حضرت حسن، حضرت طاووس اور حضرت قتادہ رحمہم اللہ نے لے کر نبی اکرم ﷺ پر نبی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اور یہ خبر ہے اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی مواخذہ نہیں یہ مطلب نہیں کہ یہ اجازت دینا گناہ ہے (ادرا ب اس کی معافی دی جا رہی)۔ (زرقاتی ج ۶ ص ۱۶۲)

فرمائی ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور ان کی امتوں سے وعدہ لیا اور امتوں کے ذکر کی ضرورت نہ تھی (اس لئے ان کا ذکر نہ فرمایا)۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس سے وعدہ لیا کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت محمد ﷺ کو بھیجا جائے تو وہ ضرور ضرور آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔

حضرت قتادہ، حضرت حسن اور حضرت طاؤس رحمہم اللہ نے جو کچھ فرمایا وہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے قول کے خلاف نہیں اور نہ ہی اس کی نفی کرتا ہے بلکہ یہ اس کو لازم ہے اور اس کا تقاضا کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں سے وعدہ لیتے تھے کہ جب حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا جائے تو وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی مدد کریں گے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن سے وعدہ لیا ان پر واجب تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت آپ پر ایمان لائیں اور انبیاء کرام آپ کی بعثت کے وقت دنیا سے پردہ فرما چکے تھے اور فوت ہونے والا مکلف نہیں ہوتا پس یہ بات متعین ہو گئی کہ وعدہ امتوں سے لیا گیا تھا۔

وہ فرماتے ہیں اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ جن سے وعدہ لیا گیا ہے اگر وہ اس سے پھر جائیں تو وہ فاسق ہوں گے اور یہ وصف انبیاء کرام کے لائق نہیں بلکہ امتوں کے لائق ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اگر انبیاء کرام (ظاہری زندگی کے ساتھ) زندہ ہوتے تو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لاتے۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ.

(الزمر: ۶۵) گے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آپ کبھی شرک نہیں کریں گے لیکن یہ کلام فرض کرنے کے طور پر ہے۔

اور ارشاد خداوندی:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَا خَافُكُمَا ۝ مِنْهُ يَا أَلِیْمِینَ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِینَ ۝

(الحاقہ: ۴۳-۴۶)

اور فرشتوں کے بارے میں فرمایا:

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِّمَّنْ دُونِهِ فَذَلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ. (الانبیاء: ۲۹)

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یوں خبر دی:

لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ. (الانبیاء: ۲۷)

اور ان میں سے جو فرشتہ یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود ہوں تو ہم اس کا بدلہ جہنم دیں گے۔

بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے۔

اور یہ بھی فرمایا:

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ قُلُوبِهِمْ. (النحل: ۵۰) اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں۔

تو یہ سب کچھ اس بنیاد پر ہے کہ اگر ایسا فرض کیا جائے اور جب یہ آیت یوں نازل ہوئی کہ تمام انبیاء کرام پر واجب فرمایا کہ وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائیں اگر وہ زندہ ہوں اور اگر وہ اس پر عمل کو ترک کریں گے تو فاسقوں میں شمار ہوں گے تو ان کی امتوں پر بدرجہ اولیٰ واجب ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائیں تو اس وعدہ کو انبیاء کرام کی طرف پھیرنا مقصود کے حصول میں زیادہ قوی ہے۔

امام سبکی نے (اپنے چھوٹے سے رسالہ "التعظیم والمنة في ليومنن به ولتنصرنه" میں) اس آیت کے ضمن میں ذکر کیا کہ اگر فرض کیا جائے کہ آپ ان کے زمانے میں تشریف لاتے تو آپ ان کی طرف بھی رسول ہوتے پس آپ کی نبوت و رسالت تمام مخلوق کے لئے عمومی ہے اور وہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے قیامت تک کے لئے ہے۔ اور انبیاء کرام اور ان کی امتیں سب آپ کی امت ہیں اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی:

بعثت الى الناس كافة. مجھے تمام لوگوں کی طرف کفایت کرنے والا بنا کر

بھیجا گیا۔

یہ صرف آپ کے زمانے کے لوگوں سے متعلق نہیں جو قیامت تک ہوں گے بلکہ پہلے لوگوں کو بھی شامل ہے اور انبیاء کرام سے وعدہ اس لئے لیا کہ آپ کا ان پر مقدم ہونا معلوم ہو جائے نیز یہ کہ آپ ان کے بھی نبی اور رسول ہیں اور وعدہ لینا جو حلف لینے کے معنی میں ہے اسی لئے "لنؤمنن به ولتنصرنه" میں لام قسم داخل ہے ایک لطیف بات ہے وہ یہ کہ گویا بیعت کی قسم ہے جو خلفاء سے لی جاتی ہے اور شاید خلفاء سے قسم لینا اسی آیت سے ماخوذ ہو۔

تو دیکھو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کی کتنی بڑی تعظیم پائی گئی جب یہ بات معلوم ہوئی تو نبی اکرم ﷺ تمام نبیوں کے امام ہوئے اسی لئے یہ بات قیامت کے دن اس وقت ظاہر ہوگی جب تمام انبیاء کرام آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور دنیا میں اس وقت اس کا ظہور ہوا جب شب معراج آپ نے ان کو نماز پڑھائی۔

اور اگر آپ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے زمانے میں تشریف لاتے تو ان پر اور ان کی امتوں پر آپ کی اتباع اور آپ پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا واجب ہوتا اور ان سے یہی وعدہ لیا گیا۔

تو نبی اکرم ﷺ کی ان پر نبوت و رسالت کا ایک ایسا معنی ہے جو ان کو ان کی زندگیوں میں حاصل ہوا لیکن وہ اس بات پر موقوف تھا کہ وہ سب آپ کے ساتھ جمع ہوں تو یہ امر ان کے وجود تک مؤخر رہا یہ بات نہیں کہ اس کے تقاضے سے وہ موصوف نہ تھے۔

تو فعل کا محل کی قبولیت پر موقوف ہونا اور فاعل کی اہلیت پر موقوف ہونا دونوں میں فرق ہے تو یہاں فاعل کی جہت سے موقوف نہیں اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ کی ذات شریفہ کی جہت سے بلکہ اس کا توقف اس زمانے کے پائے جانے کی وجہ سے تھا جس میں اس کی تعمیل ہوئی پس اگر ان انبیاء کرام کے زمانے میں آپ کا آنا پایا جاتا تو ان پر آپ کی اتباع لازم

ہوتی اور اس میں کوئی شک نہیں۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانے میں نبی اکرم ﷺ کی شریعت کے مطابق آئیں گے جب کہ وہ معزز و محترم نبی ہوں گے جس طرح بعض لوگوں نے گمان کیا کہ آپ اس امت کے فرد کی حیثیت سے تشریف لائیں گے ایسا نہیں ہوگا ہاں اس اعتبار سے وہ اس امت میں ایک فرد ہوں گے کہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع کرنے والوں سے ہوں گے اور وہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شریعت یعنی قرآن و سنت کے مطابق فیصلہ کریں گے اور تمام ادا و نواہی کے ساتھ آپ کا تعلق اسی طرح ہوگا جس طرح تمام امت کا تعلق ہے لیکن آپ کی نبوت میں کوئی فرق نہیں آئے گا بلکہ آپ اسی طرح کریم نبی ہوں گے۔

اسی طرح اگر حضور علیہ السلام کو ان کے زمانے میں یا حضرت موسیٰ یا حضرت ابراہیم یا حضرت نوح و آدم علیہم السلام کے زمانے میں بھیجا جاتا تو وہ اسی طرح اپنی امتوں کی طرف نبی اور رسول ہوتے اور نبی کریم ﷺ ان سب پر نبی اور ان سب کی طرف رسول ہوتے پس آپ کی نبوت عمومی سب کو شامل اور سب سے بڑی نبوت ہے اور شرعی اصول میں آپ کی نبوت ان کی نبوتوں سے متفق ہے کوئی اختلاف نہیں لیکن جن فروع میں اختلاف ہو سکتا ہے ان میں آپ کی شریعت مقدم ہے یا تو تخصیص کے طریقے پر یعنی آپ کی خصوصیت سے یا نسخ کے طریقے پر کہ پہلے احکام منسوخ ہو گئے یا نسخ اور تخصیص نہیں بلکہ آپ کی شریعت اس وقت ان امتوں کی نسبت سے وہ ہوگی جو ان کے انبیاء کرام لے کر آئے اور اس امت کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس وقت یہ شریعت ہے اور اشخاص و اوقات کی تبدیلی سے احکام تبدیل ہو جاتے ہیں اس سے ہمارے لئے دو حدیثوں کا وہ معنی واضح ہو گیا جو ہم سے پوشیدہ تھا۔

ایک حدیث یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بعثت الی الناس كافة۔ مجھے سب لوگوں کی طرف کفایت کرنے والا بھیجا گیا۔

ہمارا خیال یہ تھا کہ ہمارے زمانے سے قیامت تک مراد ہے لیکن ظاہر ہوا کہ آپ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے ان کے پہلے سے لے کر آخری تک کے لئے۔

اور دوسری حدیث یہ ہے:

كنت نبيا و آدم بين الروح والجسد۔ میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

ہمارا خیال تھا کہ علم کے اعتبار سے یہ بات ہے لیکن واضح ہوا کہ اس سے زائد بات ہے اور دونوں حالتیں جدا ہیں آپ کے جسم اقدس کے وجود میں آنے سے چالیس سال کی عمر کو پہنچنے تک اور اس سے پہلے کے وقت میں جب ان لوگوں کی طرف نسبت کی جائے جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا اور وہ آپ کے کلام کو سننے کے اہل ہوئے آپ کی طرف اور ان لوگوں کی طرف نسبت کے اعتبار سے نہیں اگر وہ اس سے پہلے اس کے اہل ہو جائیں اور احکام کا شرائط سے متعلق ہونا بعض اوقات قبول کرنے والے محل کے اعتبار سے ہوتا ہے اور بھی تصرف کرنے والے فاعل کے اعتبار سے اور یہاں تعلیق قبول کرنے والے محل کے اعتبار سے ہے اور محل وہ لوگ ہیں جن کی طرف آپ مبعوث ہوئے اور ان کا خطاب کی سماعت کو

قبول کرنا ہے اور وہ جسم مبارک جو اپنی زبان سے ان کو خطاب کرے۔
 یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی باپ اپنی بیٹی کا نکاح کر کے دینے کے لئے کسی کو وکیل بنائے کہ جب کوئی ہم پلہ مل جائے تو وہ نکاح کر کے دے تو یہ وکیل بنانا صحیح ہوگا اور یہ شخص وکالت کا اہل ہوگا اور اس کی وکالت ثابت ہوگی اور بعض اوقات تصرف کفو (ہم پلہ رشتے) کے پائے جانے تک موقوف رہتا ہے اور کفو ایک مدت کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ بات وکالت کی صحت اور وکیل کی اہلیت میں نقصان پیدا نہیں کرتی۔

تیسری نوع

نبی اکرم ﷺ کا وصف شہادت سے موصوف ہونا
 اور آپ کی رسالت کی شہادت ۱

وابعث فیہم رسولا منہم

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا کلام نقل کیا کہ انہوں نے بیت اللہ شریف تعمیر کرتے وقت دعا مانگی:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ
 الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا
 أُمَّةٌ مُسْلِمَةٌ لَكَ وَإِنَّا مَنَّاسُكْنَا وَتُبْ عَلَيْنَا
 إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ
 رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ
 الْحَكِيمُ ۝ (البقرہ: ۱۲۷-۱۲۹)

اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما بے شک تو سننے
 جاننے والا ہے اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنے لئے
 جھکنے والا بنا دے اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت جو
 تیرے سامنے جھکنے والی ہو اور ہمیں ہماری عبادت کے
 طریقے دکھا اور ہماری توبہ قبول فرما بیشک تو بہت توبہ قبول
 کرنے والا مہربان ہے اے ہمارے رب! ان میں ایک
 رسول ان ہی میں سے بھیج دے جو ان پر تیری آیات
 تلاوت کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو
 پاک کرے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی دعا کو قبول کیا اور اہل مکہ میں ان ہی میں سے ایک رسول اس صفت سے موصوف بھیجا
 جس کا تعلق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہے جنہوں نے اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ یہ
 دعا مانگی تھی۔

سوال: یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی کہ یہاں رسول سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں؟

۱ (المصدر السابق ج ۱ ص ۲۳)

جواب: اس کا جواب کئی طریقوں پر ہے۔

(۱) اس پر مفسرین کا اجماع ہے اور یہ حجت ہے۔

(۲) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الادعوة ابي ابراهيم و بشارة عيسى.

میں اپنے باپ (جدا محمد) حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۱۳۹۔ ج ۵ ص ۲۰۷ دلائل النبوة ج ۱ ص ۶۹ طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۳۳۔

۳۱۸۸۹ تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۹)

مفسرین فرماتے ہیں دعا سے یہی آیت مراد ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت سورۃ ”الصف“ میں یوں مذکور ہے:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنَ بَعْدِي اسْمُهُ

أَحْمَدُ. (الصف: ۶)

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا مکہ مکرمہ میں اپنی اولاد کے لئے مانگی تھی جو مکہ مکرمہ اور اس کے ارد گرد تھی اور اللہ

تعالیٰ نے مکہ مکرمہ والوں کی طرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے علاوہ کسی کو نہیں بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اس

نبی ﷺ کو اس صفت پر بھیج کر مومنوں پر احسان فرمایا۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ

رُسُلًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَ

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (آل عمران: ۱۶۳)

آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں

کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی رسالت سے بڑا احسان نہیں فرمایا کیونکہ آپ حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف

رہنمائی فرماتے ہیں اور اس امت کی طرف آپ کا بھیجنا اس امت پر سب سے بڑی نعمت ہے کیونکہ آپ کی ذات پاک

ایسی نعمت ہے جس سے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں مکمل ہوئیں اور آپ کے سبب سے اللہ تعالیٰ کا وہ دین پایہ تکمیل کو پہنچا

جس کو اس نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”مَنْ أَنْفَسَهُمْ“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ (ظاہر میں) ان کی طرح انسان ہیں اور وحی کی

ذریعہ ممتاز ہیں بعض شاذ قراتوں میں ”مَنْ أَنْفَسَهُمْ“ فاء پر فتح (ذبر) کے ساتھ بھی پڑھا گیا یعنی سب سے زیادہ

مشرف و مکرم ذات۔ کیونکہ آپ بنو ہاشم سے ہیں اور بنو ہاشم (باقی) قریش سے افضل ہیں قریش تمام عربوں سے اور

عرب اپنے غیر سے افضل ہیں۔

پھر کہا گیا کہ لفظ ”مومنین“ عام ہے اور اس کا معنی عرب میں خاص ہے کیونکہ عرب کے ہر قبیلے میں آپ کا نسب موجود

ہے۔ اور مومنوں کو ذکر کے ساتھ خاص کیا کیونکہ وہی آپ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں پس ان پر احسان بھی بہت بڑا ہے۔

یعنی راویا راوی کے حوالے سے آپ کا نسب موجود ہے بغوی نے کہا کہ بنو تغلب کے علاوہ عرب کے ہر قبیلے میں آپ کا نسب شریف پایا جاتا

ہے۔ (زر قانی ج ۲ ص ۱۶۸)

سوال: کیا آپ کی بشریت اور عربی ہونے کا علم صحب ایمان کے لئے شرط ہے یا فرض کفایہ ہے؟
جواب: شیخ ولی الدین عراقی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا کہ ایمان کے صحیح ہونے کے لئے یہ بات شرط ہے وہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کہے کہ میں ایمان رکھتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ انسانوں میں سے ہیں یا فرشتوں میں سے یا جنوں میں سے؟ یا مجھے اس بات کا علم نہیں کہ آپ عربی ہیں یا عجمی؟ تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں کیونکہ وہ قرآن مجید کو جھٹلاتا ہے۔

اور اس بات کا انکار کرتا ہے جو اسلام کے مختلف ادوار میں بزرگوں سے منتقل ہو کر آتی رہی اور خاص و عام کے ہاں معلوم ہے اور مجھے اس میں کوئی اختلاف معلوم نہیں اور اگر کوئی شخص کند ذہن ہو جو اس کی معرفت نہ رکھتا ہو تو اس کو اس کی تعلیم دینا ضروری ہے اس کے بعد بھی وہ انکار کرے تو اس پر کفر کا حکم لگائیں گے۔

سوال: کیا اب بھی آپ اپنی رسالت پر باقی ہیں؟

جواب: ابوالمعتز النفسی (میمون بن محمد بن سعید نفسی حنفی رحمہ اللہ) نے جواب دیا کہ حضرت ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ اب بھی رسالت کے حکم میں ہیں اور کسی چیز کا حکم اصل چیز کے قائم مقام ہوتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ عدت احکام نکاح پر دلالت کرتی ہے۔ (الاعلام ج ۷ ص ۳۴۱، معجم المطبوعات ص ۱۸۵۴، کشف الظنون ص ۳۳۷-۱۸۳۵)

دوسرے حضرات نے فرمایا کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی رسالت (حکماً نہیں بلکہ) حقیقتاً باقی ہے جس طرح موت کے بعد ایمان کا وصف باقی رہتا ہے کیونکہ نبوت رسالت اور ایمان کے ساتھ روح موصوف ہوتی اور وہ باقی رہتی ہے بدن کی موت سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں لہذا وصف نبوت جسم اور روح دونوں کے لئے باقی ہے۔

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جسے چن لیا اس سے فرمایا میں نے تجھے اس لئے بھیجا کہ تم میری طرف سے تبلیغ کرو اور اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے پس نبی اکرم ﷺ وجود میں آنے سے پہلے بھی رسول تھے جب ولادت مبارکہ ہوئی اس وقت بھی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رسول ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم بھی ہے اور باقی بھی۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام جو آپ کو بھیجنے سے متعلق ہے وہ باطل نہیں ہو سکتا۔

امام سبکی نے اپنے طبقات میں ابن فورک سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنی قبر انور میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حقیقتاً زندہ ہیں مجازاً نہیں۔

بعث فی الامیین رسولا

ارشاد خداوندی ہے:

وہ اللہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول

ان ہی میں سے بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے

اور ان کو پاک کرتا اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

(المائدہ: ۲) بے شک وہ اس سے پہلے مکمل گمراہی میں تھے۔

”امیین“ (ان پڑھ) سے مراد عرب والے ہیں اور اس آیت کے ذریعے ان کو اس عظیم نعمت کی قدر سے آگاہ کیا گیا کہ وہ پڑھے ہوئے نہیں تھے اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی اور نہ ہی نبوت کے آثار میں سے کوئی چیز ان کے پاس تھی جس طرح اہل کتاب کے پاس آثار نبوت تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس رسول اور اس کتاب کے ذریعے ان پر احسان فرمایا حتیٰ کہ تمام امتوں سے افضل اور زیادہ علم والے ہو گئے اور انہیں پہلے لوگوں کی گمراہی کا علم ہو گیا۔

اور نبی اکرم ﷺ کے ان میں سے ہونے کے دو فائدے ہیں۔

ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ رسول ﷺ بھی کسی سے پڑھے ہوئے نہ تھے جس طرح وہ لوگ کسی سے نہیں پڑھے تھے جن کی طرف آپ کو بھیجا گیا آپ نے بالکل کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا تھا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّ بِبَيْمِينِكَ. (الحکبوت: ۳۸) اپنے ہاتھوں سے کچھ لکھتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ اپنے علاقہ سے کہیں باہر بھی تشریف نہیں لے گئے کہ دوسروں کے پاس جا کر ٹھہرے ہوں اور ان سے علم حاصل کیا ہو بلکہ آپ مسلسل امی امت کے درمیان رہے نہ آپ لکھتے تھے اور نہ پڑھتے تھے حتیٰ کہ آپ کی عمر مبارک کے چالیس سال پورے ہو گئے پھر اس کے بعد یہ روشن کتاب اور واضح شریعت آئی اور یہ دین جس کے بارے میں اہل زمین میں سے ماہر اور پرکھنے والے لوگوں نے اعتراف کیا کہ اس سے بڑے دین نے دنیا کو کبھی نہیں جھوڑا اور اس میں نبی اکرم ﷺ کی صداقت پر بہت بڑی دلیل ہے۔

دوسرا فائدہ یہ تھا کہ ان لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا جائے کہ وہ لوگ ان پڑھ ہیں اور جس کو بھیجا گیا ہے وہ ان ہی میں سے ہے اور خصوصاً اہل مکہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے وہ آپ کے نسب، شرف، صدق، امانت اور پاکدامنی کا علم رکھتے تھے آپ ان لوگوں کے درمیان پروان چڑھے اور یہ بات معروف تھی اور یہ بھی کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا پس وہ شخص جو لوگوں کے بارے میں جھوٹ نہیں کہتا وہ اللہ تعالیٰ پر کیسے جھوٹ بولے گا یہ باطل ہے۔

اسی وجہ سے ہر قل (شاہ روم) نے نبی اکرم ﷺ کے ان اوصاف کے بارے میں پوچھا اور اس سے آپ کے دعویٰ نبوت و رسالت کی صداقت پر استدلال کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

لَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ. (الانعام: ۳۳) بے شک یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے کہا اے محمد! اللہ کی قسم! آپ نے ہم سے کبھی جھوٹ نہیں بولا کہ آج ہم آپ پر تہمت لگائیں لیکن اگر ہم آپ کی پیروی کریں تو اپنی زمین سے اچک لئے جائیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ حارث بن عامر علانیہ طور پر نبی کریم ﷺ کو جھٹلاتا تھا لیکن جب وہ اپنے لوگوں کے

پاس جاتا تو کہتا محمد ﷺ جھوٹے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ مشرکین جب آپ کو دیکھتے تو کہتے یہ نبی ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ابو جہل نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں ہم اسے جھٹلاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ (مندرجہ بالا) آیت نازل فرمائی۔
معنی یہ ہے کہ وہ اس کی صحت کو جاننے کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ”جحد“ علم کے باوجود انکار کا نام ہے۔

سوال: اس آیت اور اس آیت کو جمع کیسے کیا جائے؟ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ كَذَّبْتَ رَسُولًا مِّنْ قَبْلِكَ.
اور بے شک آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا۔

(الانعام: ۳۳)

جواب: یہ جھٹلانا جحد (انکار) کے طور پر تھا اور یہ جہالت میں ان کے اختلاف احوال کی بنیاد پر تھا پس ان میں سے بعض اپنی جہالت کی وجہ سے انکار کرتے تھے لیکن جو ہی علم حاصل ہوا ایمان لے آئے اور بعض نے علم کے باوجود کفر اور عناد کی بنیاد پر انکار کیا جس طرح ابو جہل کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”کہ وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے“ سے مخصوص لوگ مراد ہیں تمام لوگ مراد نہیں اس صورت میں دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل کی آپ سے ملاقات ہوئی تو اس نے آپ سے مصافحہ کیا اس سے کہا گیا کہ تم ان سے مصافحہ کرتے ہو؟

اس نے کہا اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ یہ نبی ہیں لیکن ہم بنو عبد مناف کے تابع کب ہوئے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا۔

قرآن مجید ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جو نبی اکرم ﷺ کی صداقت اور آپ کی رسالت کے صحیح ثابت ہونے پر دلالت کرتی ہیں تو یہ بات اللہ تعالیٰ کے کمال کے لائق کیسے ہوگی کہ جو شخص آپ پر بہت بڑا جھوٹ بولے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط خبر دے وہ اسے رسالت پر برقرار رکھے اور اس کی مدد اور تائید بھی کرے اس کا کلمہ اور شان کو بلند کرے نیز اس کی دعا کو قبول کرے اور اس کے دشمنوں کو ہلاک کرے اور اس کے ہاتھ پر معجزات اور ایسے دلائل ظاہر کرے کہ مضبوط ترین آدمی بھی اس قسم کی باتوں سے کمزور پڑ جائے اور آپ اس کے باوجود اس پر جھوٹ بولنے والے اور افتراء باندھنے والے ہوں اور زمین میں فساد کرتے پھریں؟

یہ بات معلوم ہے کہ ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونا اس کا ہر چیز پر قادر ہونا نیز اس کی حکمت و عزت اور کمال مقدس۔ اس بات کا کلی طور پر انکار کرتا ہے جو شخص یہ گمان کرے اور اس بات کو آپ کے لئے جائز سمجھے وہ اللہ تعالیٰ کی پہچان سے بہت دور ہے اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی بعض صفات جیسے صفت قدرت اور صفت مشیت کی پہچان ہو۔ ۱۔

۱۔ مطلب یہ ہے کہ تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات کا علم ہے اور وہ ان صفات کا اقرار بھی کرتے ہیں اور جو آدمی ان صفات کو جانتا ہے اس پر لازم ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے صفات کمالیہ سے متصف ہونے کی وجہ سے آپ کے جو دلائل ظاہر ہوتے ہیں ان کا اعتراف کریں۔

اور قرآن مجید اس طریقے سے بھرا پڑا ہے اور یہ خاص لوگوں بلکہ خاص الخاص لوگوں کا طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کے افعال سے اور ان امور سے جو اس لائق ہیں کہ وہ اس کا فعل بن سکیں یا وہ جو نہ بن سکیں استدلال کرتے ہیں۔

جب تم قرآن مجید میں غور کرو تو اس کو دیکھو گے کہ وہ اس پر پکارتا ہے اس کو ظاہر کرتا اور ان لوگوں کی طرف لوٹاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ اور قرآن پاک میں غور کرنے والا دل عطا فرماتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝ (الحاقة: ۴۳-۴۷)

اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے تو ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی رگِ دل کاٹ دیتے پھر تم میں کوئی ان کو بچانے والا نہ ہوتا۔

تو کیا تم اس پاک اور بلند ذات کو دیکھتے ہو وہ خبر دیتا ہے کہ اس کے کمال اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص اس پر جھوٹ باندھے وہ اسے برقرار رکھنے سے انکار کرتا ہے بلکہ اس کو بندوں کے لئے عبرت بنانا ضروری ہے جس طرح اس کے خلاف باتیں گھڑنے والے کے بارے میں اس کا طریقہ جاری ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

أَمْ يَحْسُبُونَ أَنَّهُم يَكْفُرُونَ عَلَى الْفُتْرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَإِنْ تَشَاءُ اللَّهُ يُخَيِّمُ عَلَىٰ قَلْبِكَ. (الشوری: ۴۳)

یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت کی مہر فرمادے۔

یہاں تک شرط کا جواب مکمل ہو گیا پھر قطعی خبر دی جو کسی شرط سے معلق نہیں کہ وہ باطل کو مٹاتا اور حق کو ثابت رکھتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشِيرٍ مِّنْ شَيْءٍ. (الانعام: ۹۱)

یہودیوں نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی جب بولے کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام کو بھیجتے اور ان سے کلام کرنے کی نفی کرے اس نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ قدر نہیں کی اور نہ اسے اس طرح پہچانا جیسے پہچانا چاہیے تھا اور نہ ہی اس کی شایان شان تعظیم کی پس کوئی شخص کیسے یہ گمان کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کی مدد کرے گا جو اس پر جھوٹ باندھتا ہے نیز اس کی مدد کرے گا اور اس کے ہاتھ پر آیات اور دلائل ظاہر کرے گا۔

اور قرآن مجید میں یہ بات بکثرت پائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال مقدس اور صفات و جلال کے ذریعے اپنے رسول ﷺ کی صداقت پر استدلال کرتا ہے نیز اپنے وعدہ اور وعید پر بھی استدلال کرتے ہوئے اپنے بندوں کو اس کی طرف بلاتا ہے۔

جن لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی صداقت پر دلیل طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ

اور کیا یہ انہیں بس نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں رحمت اور نصیحت

يَوْمُؤَن ۝ قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۝ تَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالسَّاطِطِ وَكَفَرُوْا بِالسَّاطِطِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (العنكبوت: ٥١-٥٢)

ہے ایمان والوں کے لئے تم فرما دو اللہ وہی ہے (کافی ہے) تمہارے اور میرے درمیان گواہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جو باطل پر یقین لائے اور اللہ کے منکر ہوئے وہی گھائے میں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے جو کتاب اتاری ہے وہ ہر نشانی کی جگہ کافی ہے پس اس میں اس بات پر حجت اور دلالت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ کتاب دے کر بھیجا اس میں اس چیز کا بیان ہے جو نبی اکرم ﷺ کی اتباع کرنے والے کو سعادت بخشتی ہے اور عذاب سے نجات دیتی ہے۔ پھر فرمایا:

قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا تَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ (العنكبوت: ٥٢)

تم فرماؤ اللہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے تو اس کی شہادت سب سے زیادہ سچی اور سب سے زیادہ عدل پر مبنی شہادت ہے کیونکہ یہ شہادت مکمل علم کے ساتھ ہے اور جس کی شہادت ہے اس کو گھیرے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ جب اپنی شہادت اور قدرت کا ذکر کرتا ہے تو اس کے ساتھ علم کا ذکر کرتا ہے اور جب بدلہ دینے کا ذکر کرتا ہے تو اپنی حکومت کا تذکرہ کرتا ہے جب تخلیق کا ذکر کرتا ہے تو اپنی حکمت کو بیان کرتا ہے رسولوں کو بھیجنے کے ذکر کے ساتھ اپنے امر اور رحمت کا ذکر کرتا ہے بندوں کے گناہوں کا ذکر کرے تو اپنی بردباری بیان کرتا ہے تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور تخلق امر ثواب اور عذاب کے ساتھ ان کے تعلق میں غور کرو۔

انا ارسلناک شہادا

ارشاد خداوندی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الْيَسِيْرُ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَٰهِيْدًا ۝ مُّبَشِّرًا وَنَذِيْرًا ۝ وَدَاعِمًا اِلَيْهِ السَّلٰوةَ بِاِذْنِهِ وَ سِرًا جَاهِلِيًّا ۝ (الاحزاب: ٣٦)

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضرنا ضرر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سنانا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

یعنی اللہ کی وحدانیت پر گواہ نیز دنیا میں احوال آخرت یعنی جنت، دوزخ، میزان اور پل صراط پر شاہد اور آخرت میں احوال دنیا نیز اطاعت، نافرمانی، صلاح اور فساد پر شاہد ہیں اور قیامت کے دن مخلوق پر گواہ ہوں گے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَ يَكُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَٰهِيْدًا ۝

اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہوں گے۔

(البقرہ: ۱۴۳)

گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے وہ ذات جن کو ہماری طرف سے شرف حاصل ہے بے شک ہم نے آپ کو اپنی وحدانیت کا گواہ اور اپنی یکتائی کے کمال کا مشاہدہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہماری طرف سے ہمارے بندوں کو خوشخبری دیجئے اور انہیں

ہماری مخالفت سے ڈرائیں نیز ان کو ہماری طرف سے خوف کے مقامات کی تعلیم دیں۔

نیز ہم نے آپ کو داعی بنایا کہ مخلوق کو ہماری طرف بلائیں اور ایسا چراغ بنایا کہ وہ آپ سے روشنی حاصل کریں ایسا آفتاب بنایا جس کی شعاعیں ہر اس شخص پر پڑتی ہیں جس نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لایا اور ہم تک صرف وہی شخص پہنچے گا جس نے آپ کی اتباع اور خدمت کی نیز آپ کو مقدم سمجھائیں آپ ان کو خوشخبری دیجئے کہ ہم ان پر اپنا فضل و کرم اور احسان کریں گے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحدانیت پر شاہد بنایا اور شاہد مدعی نہیں ہوتا پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحدانیت کے مسئلہ میں مدعی نہیں بنایا کیونکہ مدعی اس چیز کا دعویٰ کرتا ہے جو خلاف ظاہر ہو اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سورج سے زیادہ ظاہر ہے اور نبی اکرم ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اس کا شاہد بنایا اور آپ کی ذات باری تعالیٰ کے لئے شہادت کا بدلہ دیا چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُولُهُ (المنافقون: ۱)

بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول

ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کرای بھی اسی ضمن میں ہے:

وَيَقُولُ الْكَافِرِينَ كَفَرُوا لَسَتْ مُرْسَلًا قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ (الرعد: ۴۳)

اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں آپ فرما دیجئے میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ اور جس کے پاس کتاب کا علم ہے کی شہادت کافی ہے۔

تو آپ نے اپنی رسالت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت کو پیش کیا۔ اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ اَتَىٰ هَٰذَا شَيْءٌ وَّ اَتَكْفُرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ (الانعام: ۱۹)

آپ فرما دیجئے کس چیز کی شہادت بڑی ہے تو آپ فرمادیں اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔

اور فرمایا:

لَٰكِنَّ اللّٰهَ يَشْهَدُ بِمَا اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهُ يَعْلَمُ السَّمَاوَاتِ وَ اَلْاَرْضَ كُلَّ عِلْمٍ عِنْدَهُ بِاللّٰهِ شَهِيدٌ (النساء: ۱۶۶)

لیکن اللہ تعالیٰ اس چیز کی گواہی دیتا ہے جو اس نے آپ کی طرف اتاری اس نے اسے اپنے علم کے ساتھ اتارا اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُولُهُ (المنافقون: ۱)

اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ (الفتح: ۲۹)

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول کی رسالت پر شہادتیں ہیں ان کو اس نے ظاہر اور بیان کیا اور ان کی صحت کو اس قدر بیان فرمایا کہ اس کے اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی عذر نہ رہا اور ان پر اس بات کی حجت قائم کر دی کہ وہ اپنے رسول ﷺ کے لئے شاہد ہے۔

وَأَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ

ارشاد خداوندی ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا (النحل: ۲۸)

وہی اللہ ہے جس نے آپ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔

تو دوسرے کے ظہور ہوئے حجت و بیان کے ساتھ ظہور اور مدد غلبے اور تائید کے ساتھ ظہور حتیٰ کہ آپ مخالفین پر غالب آ گئے اور آپ کی مدد کی گئی۔

فطرت کی گواہی

اللہ تعالیٰ کی شہادت سے وہ بات بھی ہے جو اس نے مضبوط تصدیق یقین ثابت اور طمانیت کی صورت میں اپنے کلام اور وحی کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں رکھی ہے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کو حق کو قبول کرنے اور اس کے لئے جھک جانے پر پیدا کیا نیز اطمینان اور اپنی طرف سے سکون اور محبت عطا کی نیز ان کے دلوں میں جھوٹ اور باطل سے بغض اور اس سے نفرت اور عدم سکون پیدا کیا اگر فطرت اپنی حالت پر باقی رہے تو وہ حق پر کسی دوسری بات کو ترجیح نہ دے اور اسی سے سکون و اطمینان حاصل کرے اور اس کے غیر سے محبت نہ کرے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں غور و فکر کی تعلیم دی ہے کیونکہ جو شخص اس میں غور کرتا ہے اس کے لئے ضروری علم اور یقین جازم حاصل ہو جاتا ہے کہ یہی حق ہے بلکہ سب سے بڑا حق اور سب سے بڑا سچ۔ ارشاد خداوندی ہے:

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد: ۲۳)

کیا وہ قرآن مجید میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

اگر ان کے دلوں کے تالے کھل جائیں تو وہ حقائق قرآن سے آگاہ ہو جائیں اور ان کے دلوں میں ایمان کے چراغ روشن ہوں اور ان کو ان حقائق کا علم اس طرح حاصل ہو جس طرح دیگر امور و جدانیہ مثلاً لذت تکلیف وغیرہ کے بارے میں جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس کو اس کے قاصد حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کی طرف بھیجا۔

تو یہ دل کا گواہ سب سے بڑا گواہ ہے۔ یہ مختصر تحریر ”مدارج السالکین“ کا خلاصہ ہے۔

إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ

اور ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ

اے محبوب! فرما دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی

طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

جَمِيعًا. (الاعراف: ۱۵۸)

تو اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ آپ تمام جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہودیوں میں سے عیسویوں یعنی عیسیٰ اصحمانی کے پیروکاروں نے کہا حضرت محمد ﷺ سچے ہیں لیکن آپ کو عرب کی طرف بھیجا گیا بنی اسرائیل کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ ان لوگوں کے قول کے باطل ہونے پر ہماری دلیل یہ آیت کریمہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ”یا ایہا الناس“ خطاب ہے جو تمام لوگوں کو شامل ہے پھر فرمایا:

إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔

بے شک تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

تو یہ الفاظ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ نیز یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ دونوں مخلوقوں (انسانوں اور جنوں) کی طرف مبعوث ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اب یا تو آپ کو سچا رسول مانو گے یا نہیں اگر آپ سچے رسول ہیں تو آپ پر جھوٹ کا افتراء نہیں باندھ سکتے اور یہ عقیدہ لازمی ہو گا کہ آپ اپنے ہر دعویٰ میں سچے ہیں پس جب متواتر روایات اور اس آیت کے ظاہر سے ثابت ہوا کہ آپ دونوں مخلوقوں کی طرف مبعوث ہونے کا دعویٰ کرتے تھے تو آپ کا سچا ہونا ضروری ہوا اور اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو کہتے ہیں کہ آپ صرف اہل عرب کی طرف مبعوث ہوئے بنی اسرائیل کی طرف نہیں۔

پس جب یہ بات ثابت ہوئی تو ہم کہتے ہیں۔

ارشاد خداوندی: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں یہ عام ہے اور اس سے بعض کو خاص کیا گیا اور دوسرے لوگ اس تخصیص کا انکار کرتے ہیں۔ پہلا گروہ کہتا ہے کہ اس میں دو وجہ سے تخصیص داخل ہے۔

۱۔ آپ تمام لوگوں کی طرف اسی صورت میں رسول ہیں جب وہ مکلفین میں سے ہوں اور جب وہ مکلفین میں سے نہ ہوں تو ان کی طرف رسول نہ ہوں گے اس لئے کہ آپ نے فرمایا:

رفع القلم عن ثلاث عن الصبی حتی یبلغ وعن النائم حتی یتقیظ وعن المجنون حتی یفقی۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۰ سنن نسائی ج ۶ ص ۱۵۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۰۲ المسند رک ج ۲ ص ۵۹ ج ۳ ص ۲۸۹ شرح السنن ج ۹ ص ۲۲۱ السنن رقم الحدیث: ۸۰۸ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۵۶ ج ۳ ص ۸۳ ج ۶ ص ۲۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۰۳۰۸)

اس حدیث کو ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی طرف رسول ہیں جن کو آپ کے وجود مسعود کی خبر پہنچی نیز ان کو آپ کے معجزات اور شریعت کا علم ہوا تا کہ وہ آپ کی اتباع کر سکیں اگر ہم دنیا کے کسی کنارے پر ایسی قوم فرض کریں جن تک آپ کی اور آپ کے معجزات و شریعت کی خبر نہیں پہنچی کہ ان کے لئے آپ کی اتباع ممکن ہوتی تو وہ لوگ آپ کی

نبوت کے اقرار کے مکلف نہیں ہوں گے۔

حضرت ابو ہریر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا یسمع بی احد من
ہذہ الامۃ ولا یہودی ولا نصرانی و مات ولم
یومن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب
النار۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۰)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری
جان ہے اس امت میں سے کوئی شخص اور کوئی یہودی اور
نصرانی جو میرے بارے میں سنے اور میری رسالت پر
ایمان نہ لائے وہ جہنمیوں میں سے ہوگا۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں نہ سنا اور اس تک دعوت اسلام نہ پہنچی وہ معذور ہے
جس طرح اصول میں ثابت ہے کہ صحیح قول کے مطابق شریعت کے وارد ہونے سے پہلے حکم نہیں ہوتا اس حدیث کے
مطابق ہمارے نبی ﷺ کی رسالت سے تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔

قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا

ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ
لَكُمْ عَلَى فِتْرَةِ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِنَّا
بَشِيرٌ وَلَا نَذِيرٌ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (المائدہ: ۱۹)

اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے
رسول ﷺ تشریف لائے وہ تمہارے لئے رسولوں کی آمد
کے بند ہونے کے بعد بیان کرتے ہیں (اس لئے کہ)
کہیں تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور
ڈرانے والا نہیں آیا پس تمہارے پاس خوشخبری دینے اور ڈرانے

والے تشریف لے آئے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے ان کی طرف اپنے رسول حضرت محمد
ﷺ کو آخری نبی بنا کر بھیجا کہ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول بلکہ آپ ہی ان سب سے پیچھے آنے والے
ہیں۔ اسی لئے فرمایا:

عَلَى فِتْرَةِ مِّنَ الرُّسُلِ
یعنی آپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان
ایک طویل مدت گزری۔

اس فترت کی مقدار میں اختلاف ہے کہ وہ کتنی تھی؟ تو انھدی اور حضرت قتادہ نے ایک روایت میں جو ان سے ہی مروی
ہے چھ سو سال کی مدت بتائی ہے اور امام بخاری نے اسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور حضرت قتادہ
رضی اللہ عنہ سے پانچ سو ساٹھ سال کی مقدار نقل کی ہے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں چار سو تیس سے کچھ زائد سال ہیں ابن
عساکر نے حضرت شعبی سے نو سو تینتیس سال کی مقدار روایت کی ہے۔

حافظ عماد الدین بن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا مشہور یہ ہے کہ یہ چھ سو سال ہیں وہ فرماتے ہیں یہ زمانہ فترت ہے جو نبی

اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام انسانوں میں سے مطلقاً آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے درمیان ہے جیسا کہ ”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انا اولی الناس بابن مریم لانه لیس بینی میں حضرت ابن مریم علیہ السلام کے زیادہ قریب و بسینہ نبی۔ ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۳۳۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۵ مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۳۱ المسند رک ج ۲ ص ۵۹۲ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۳ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۳۶)

اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک نبی آئے ہیں جن کا نام خالد بن سنان ہے جس طرح قضاغی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو اس وقت بھیجا جب رسولوں کی آمد بند ہو چکی تھی راستے میں چلے تھے اور دین بدل گئے تھے بت پرستوں، آتش پرستوں اور صلیبوں کی کثرت ہو گئی تھی۔ پس آپ کے ذریعے نعمت نہایت کامل اور نفع عام ہوا حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا تو ان سے نفرت کا اظہار کیا انجیوں سے بھی اور عربوں سے بھی سوائے بنی اسرائیل میں سے کچھ باقی رہنے والوں کے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳ مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۲ المجموع الکبیر ج ۱ ص ۳۵۹)

”صحیح مسلم میں“ یوں ہے کہ ”اہل کتاب کے کچھ لوگوں کے علاوہ“۔ پس زمین والوں پر دین خلط ملط ہو گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا اور آپ کے ذریعے مخلوق کو ہدایت دی اور آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالا اور ان کو واضح دلیل اور روشن شریعت پر چھوڑا آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہو۔

رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ

ارشاد خداوندی ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبہ: ۱۲۸)

البتہ تحقیق تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول معظم تشریف لائے ان پر وہ بات گراں گزرتی ہے جو تمہیں مشقت میں ڈالے وہ تمہارے (ایمان کے) حرص رکھنے والے ہیں (اور) مؤمنوں پر مہربان رحم فرمانے والے ہیں۔

یعنی شرک اور گناہوں کی وجہ تمہارا جرم آپ پر گراں گزرتا ہے اور آپ ﷺ تمہاری ہدایت کی حرص رکھتے ہیں۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہارا جہنم میں جانا ان پر گراں گزرتا ہے اور وہ تمہارے جنت میں جانے کی حرص رکھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی ہم پر حرص کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ جو کچھ ہم تک پہنچانا چاہتے تھے اور جو بات

قصیدہ بردہ شریف کے مصنف (علامہ بوصیری رحمہ اللہ) نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

لَمْ يَمْتَحِنَا بِمَا تَعَى الْعُقُولُ بِهِ حَرَصًا عَلَيْنَا فَلَمْ نَرْتَبْ وَلَمْ نَهْمُ
”نبی اکرم ﷺ نے اس شفقت کی وجہ جو ہم سے رکھتے ہیں ایسی چیزوں سے ہمیں آزمائش میں نہیں ڈالاجن کے سمجھنے سے عقلیں حیران رہ جائیں اس لئے ہم نہ تو شک میں پڑے نہ حیرت زدہ ہوئے۔“

یعنی جو کچھ ہمارے لئے بیان فرمایا اس میں ہم نہ تو حیران ہوئے اور نہ ہی ہمیں شک ہوا۔ اور ارشاد خداوندی ہے:
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر (الانبیاء: ۱۰۷) بھیجا۔

اور جس بات کی سمجھ نہ آئے اس کا مکلف بنانا رحمت نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی ہماری ہدایت کے لئے حرص کی ایک علامت یا صورت یہ تھی کہ آپ اکثر محسوسات کے ساتھ مثالیں بیان کرتے تھے تاکہ بات سمجھ آ جائے اور قرآن مجید کا بھی یہی طریقہ ہے اور جو شخص کتاب و سنت میں غور کرتا ہے وہ نہایت تعجب خیز باتیں دیکھتا ہے پس جب اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی حرص کو تمام لوگوں کے اسلام میں برابر رکھا تو مومنوں کو آپ کی مہربانی اور رحمت کے ساتھ خاص کیا۔

اور ارشاد خداوندی: ”مَنْ الْفَسْكَمُ“ ہے ”مَنْ اِدْوَا حَكْمُ“ نہیں فرمایا تو بعض نے کہا اس بات کا احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہو کہ آپ اپنے نفس جسم کے ساتھ ہم میں سے ہیں روح مقدس کے ساتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ شاعر پر رحم فرمائے کیا خوب کہا:

اذا رمت مدح المصطفى شغفاً به
تبلى ذهنى هبة لمقامه
فاقطع ليلى ساهر الجفن مطرقاً
هوى فيه احلى من لذيذ منامه
اذا قال فيه الله جل جلاله
رؤوف رحيم فى سياق كلامه
فمن ذا يجارى الوحي والوحى معجز
بمختلفيه نشره و نظامه

”جب میں نبی اکرم ﷺ کی محبت میں وارفتہ ہو کر ان کی تعریف (نعت) کا ارادہ کرتا ہوں تو آپ کے علو مرتبہ کی ہیبت سے میرا ذہن کند ہو جاتا ہے۔ (مجھے آپ کی شان کے مطابق الفاظ تلاش کرنے میں ذہنی دشواری ہوتی ہے)۔ میں سر جھکائے ساری رات جاگتے ہوئے گزار دیتا ہوں اور آپ کے عشق کی خواہش نیند کی لذت سے زیادہ بہتر اور عمدہ ہے۔ جب اللہ جل جلالہ نے اپنے کلام (قرآن کریم) میں آپ کی شان میں رؤوف رحیم فرمادیا۔ تو کون ہے جو وحی کا مقابلہ کر سکے؟ حالانکہ وحی اپنے ساتھ اختلاف کرنے والوں کی شر و ظلم کو عاجز کر دیتی ہے۔“

”شفاء شریف“ کے کلام کی توجیہ

اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا ”پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد آپ کے اوصاف

حمیدہ ذکر کئے اور کئی قابل تعریف امور کے ساتھ آپ کی تعریف کی مثلاً یہ کہ آپ ان کی ہدایت اور اسلام کی حرص رکھتے ہیں اور ان کی مشقت اور ضرر رساں بات آپ کو سخت گراں معلوم ہوتی ہے ان کی یہ مشقت دنیوی اعتبار سے ہو یا آخرت کے حوالے سے ہو یہ بات اگرچہ مقصد کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن اس کے ظاہر میں ایک بات ہے کیونکہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول ”و شدۃ ما یعنتہم“ مصدر یعنی ”الحرص“ کے متعلق پر معطوف ہونے کا وہم ہے (انہوں نے فرمایا من حرصہ علی ہدایتہم و رشدہم و اسلامہم و شدۃ ما یعنتہم و یضربہم فی دنیاہم و اخرہم و عزتہ علیہ۔

اور اس وہم کو قوت کلام سے تقویت حاصل ہوئی ہے کیونکہ ”عزۃ علیہ“ کی پہلی ضمیر نبی اکرم ﷺ کی طرف اور دوسری ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لڑتی ہے پس لفظ ”شدۃ“ مصدر کے متعلق پر معطوف ہو اور اس میں جو خرابی ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ بعض علماء نے اس کی یوں تاویل کی ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی ”کراہۃ شدۃ ما یعنتہم“ یا کوئی دوسرا مضاف محذوف ہوگا۔

زیادہ مناسب یا زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ لفظ ”الشدۃ“ نفس مصدر یعنی ”الحرص“ پر معطوف ہو اور ”عزۃ“ ”الشدۃ“ پر معطوف ہو اور اس (عزۃ) میں ضمیر اسم موصول لفظ ”ما“ کی طرف راجع ہو جو ”ما یعنتہم“ میں ہے اور ”علیہ“ کی ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹے۔

رحمۃ للعالمین

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ○ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر

(الانبیاء: ۱۰۷) بھیجا۔

جائز ہے کہ لفظ ”رحمۃ“ مفعول لہ ہو یعنی رحمت کے لئے اور جائز ہے کہ حال ہونے کی بنا پر منصوب ہو اور مبالغہ کے طور پر آپ کی ذات والاصفات کو رحمت قرار دیا یا یہاں مضاف محذوف ہوگا یعنی ”دار رحمۃ“ (رحمت والا) یا ”راحم“ کے معنی میں ہوگا۔ یہ بات السمن (ابن مغز بن احمد المعافری الشاطبی متوفی ۵۶۱ھ رحمہ اللہ) نے فرمائی ہے۔

(الاعلام ج ۱ ص ۲۷۴، فاتیۃ النہایہ ج ۱ ص ۱۵۲، الدرر الکامنیہ ج ۱ ص ۳۳۹)

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ ابو بکر بن طاہر نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رحمت کی زینت سے مزین فرمایا پس آپ کا رحمت ہونا اور آپ کی تمام صفات و خصائل مخلوق پر رحمت ہیں پس جس کو آپ کی رحمت سے کچھ حصہ ملا اس نے دونوں جہاں میں ہر مکروہ بات سے نجات حاصل کی اور وہی دونوں جہانوں میں ہر محبوب تک پہنچنے والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آپ نیک اور بدکار سب کے لئے رحمت ہیں کیونکہ جس نبی کو جھٹلایا گیا اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والے کو ہلاک کیا لیکن آپ کے جھٹلانے والے کو موت یا قیامت تک مہلت دی گئی لیکن جس نے آپ کی تصدیق کی اس کو دنیا اور آخرت میں رحمت ملی۔

(حضرت نصر بن محمد الفقیہ الحنفی) سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمام جہانوں کے لئے رحمت سے مراد یہ ہے کہ جنوں

اور انسانوں کیلئے رحمت ہیں کہا گیا کہ تمام مخلوق کے لئے رحمت ہیں مؤمنوں کے لئے ہدایت کے ساتھ منافق کے لئے قتل سے امان کے ساتھ اور کافروں کے لئے تاخیر عذاب کی صورت میں رحمت ہیں۔ پس آپ کی ذات والا صفات جیسا کہ کہا گیا ہے ایسی رحمت ہے جو مؤمن و کافر دونوں کو شامل ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ.
اور نہیں اللہ تعالیٰ کہ ان کو عذاب دے اس حال میں
(الانفال: ۱۳۳) کہ آپ ان میں موجود ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انما انا رحمة مہداة.

بے شک میں رحمت ہوں جو تمہیں عطا کی گئی۔

(دلائل النبوة ج ۱ ص ۱۵۸ جامع الصغیر ج ۱ ص ۳۳۸ الدر المنثور ج ۳ ص ۳۴۲ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۷ اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۱۶۲ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۵۱ اکمل ج ۳ ص ۱۵۳۶)

اس حدیث کو امام دارمی نے روایت کیا اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”شعب الایمان میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

بعض عارفین نے فرمایا تمام انبیاء کرام کو رحمت سے پیدا کیا گیا اور ہمارے نبی اکرم ﷺ میں رحمت ہیں اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

غنیمة عمر الكون بهجة عيشه سرور حياة الدهر فائدة الدهر

هو النعمة العظمی هو الرحمة التي تجلی بها الرحمن فی السر والجهر

”حیات کائنات کی غنیمت اس کی زندگی کا حسن ہے نیز زمانے کی حیات کا سرور زمانے کا فائدہ ہے وہی

بہت بڑی نعمت ہیں اور وہی رحمت ہے جس رحمت کے ساتھ رحمن باطن و ظاہر میں تجلی فرماتا ہے۔“

پس آپ کا بیان آپ کی نصیحتیں آپ کی دعا اور استغفار رحمت ہے جس نے قبول کیا اسے حصہ ملا اور جس نے رد کیا وہ محروم رہا۔

سوال: آپ کیسے رحمت ہوں گے جب کہ آپ نے تموار چلانے اور دوسروں کا مال مباح کرنے کی راہ اختیار کی؟

جواب: اس بات کا جواب دو طرح ہے۔

(۱) آپ کی تموار اس شخص کے لئے تھی جس نے تکبر اور دشمنی کی اور (دین میں) غور و فکر نہ کیا اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں الرحمن الرحیم بھی ہے لیکن اس کے باوجود وہ نافرمانوں سے بدلہ لیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا. (ق: ۹) اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا۔

پھر بعض اوقات یہ پانی فساد کا باعث بن جاتا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی پاک ﷺ سے پہلے تمام انبیاء کرام کا معاملہ یوں تھا کہ جب ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسانے چہرے بدلنے اور غرق کرنے کے ذریعے ان کو ہلاک کیا لیکن ہمارے آقا ﷺ

مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے اجتماعی اور عمومی عذاب اٹھایا گیا استثناء سے فرق نہیں پڑتا۔ ۱۲ ہزاروی

کو جھٹلانے والوں سے عذاب کو موت یا قیامت تک مؤخر کر دیا۔

یہ بات نہ کہی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یوں فرمایا ہے:

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ. (التوبہ: ۱۳)

ان سے لڑو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے ان کو

عذاب دے گا۔

اور ارشاد خداوندی:

لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ. (الاحزاب: ۷۳)

تا کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کو عذاب دے۔

کیونکہ ہم کہتے ہیں عام میں سے بعض کی تخصیص سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کی کتاب ”الشفاء“ میں منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا

کیا آپ کو اس رحمت سے کچھ حصہ ملا؟ انہوں نے کہا میں انجام سے ڈرتا تھا پس مطمئن ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری

تعریف میں فرمایا:

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُطَاعٌ

جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں

اس کا حکم مانا جاتا ہے۔

نَمَّ آمِينَ. (الکوثر: ۲۰-۲۱)

حضرت سمرقندی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں یوں ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝

ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر

(الانبیاء: ۱۰۷) بھیجا۔

کیا آپ کو بھی اس رحمت سے کچھ حصہ ملا؟ انہوں نے فرمایا ہاں مجھے بھی اس رحمت سے حصہ ملا ہے مجھے انجام کار کا خوف

رہتا تھا پس میں آپ کی وجہ سے بے خوف ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ.

قوت والے عرش کے پاس ٹھہرنے والے۔

(الکوثر: ۲۰)

یہ اس کا تقاضا ہے کہ حضرت محمد ﷺ، حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل ہیں اور جمہور کا یہی مسلک ہے لیکن۔

بعض لوگوں کے نزدیک حضرت جبریل علیہ السلام افضل ہیں ان کا استدلال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ

السلام کی سات صفات کمالیہ بیان کی ہیں ارشاد فرمایا:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رُسُلُ اللَّهِ كَرِيمٌ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي

بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے جو قوت

الْعَرْشِ مَكِينٌ ۝ مُطَاعٌ نَّمَّ آمِينَ ۝ (الکوثر: ۱۹-۲۱)

والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا

جاتا ہے امانت دار ہے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا وصف یوں بیان فرمایا:

اور تمہارے صاحبِ بختوں نہیں۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ. (الکوثر: ۲۲)

اگر حضرت محمد ﷺ فضیلت کی صفات میں حضرت جبریل علیہ السلام کے مساوی یا قریب قریب ہوتے تو آپ کے اوصاف بھی اسی طرح بیان ہوتے۔

اس کا جواب یوں دیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فضائل اس آیت میں مذکور وصف کے علاوہ بھی ہیں اور ان فضائل کا یہاں ذکر نہ کرنا اجمالی طور پر ان کے عدم پر دلالت نہیں کرتا اور جب ثابت ہوا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے کچھ دوسرے فضائل بھی ہیں جو زائد ہیں تو آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے افضل ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دو شخصیتوں میں سے ایک کے وصف کا الگ بیان اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ دوسری شخصیت میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے پس جب قرآنی دلیل سے ثابت ہوا کہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور ان جہانوں میں فرشتے بھی شامل ہیں تو واجب ہوا کہ آپ ان سے افضل ہیں۔

خاتم النبیین

ارشاد خداوندی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ. (الاحزاب: ۴۰)

آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔
اس آیت سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں پس جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو رسول کی نفی بطریق اولیٰ ہوگی کیونکہ مقام رسالت مقام نبوت سے زیادہ خاص ہے اس لئے کہ ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں جیسا کہ ہم نے مقدمہ ثانی میں آپ کے اسمائے شریف کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

اور اس سلسلے میں (ختم نبوت کے بارے میں) آپ ﷺ سے احادیث آئی ہیں۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔
انبیاء کرام علیہم السلام میں میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک مکان نہایت خوبصورت بنایا اور اسے مکمل کیا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی اور وہاں اینٹ نہ لگائی اب لوگ اس مکان کے گرد چکر لگاتے اور اس پر تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش اس اینٹ کی جگہ بھی پر ہو جاتی تو انبیاء کرام میں سے میں اس اینٹ کی جگہ پر ہوں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۳، مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۸۱)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت بندار سے اور انہوں نے حضرت ابو عامر العقدي سے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدي ولا نبي.

بے شک رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ ہی کوئی نبی۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۲، مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری مثال اور دیگر انبیاء کرام کی مثال اس

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پس میں آیا اور میں نے اس اینٹ کو مکمل کیا۔

”صحیح مسلم میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

وارسلت الی الخلق كافة وختم بی
النبيون۔

مجھے مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر انبیاء
کرام کی آمد کا سلسلہ ختم کیا گیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر احسان فرمایا کہ آپ کو ختم نبوت و رسالت سے مشرف فرمایا اور دین حنیف کو آپ پر مکمل کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور نبی اکرم ﷺ نے احادیث متواترہ میں اس بات کی خبر دی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ معلوم ہو کہ آپ کے بعد جو شخص اس منصب کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا دجال، گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے اگرچہ وہ شعبہ بازی کرے اور طرح طرح کے جادو، طلسم اور کرتب دکھائے پس یہ سب کچھ اہل عقل کے نزدیک محال اور گمراہی ہے۔ (القاموس المحیط ج ۱ ص ۲۱۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کے بعد آسمان سے اترنا آپ کے منصب ختم نبوت میں کوئی خرابی پیدا نہیں کرتا کیونکہ جب وہ آئیں گے تو ہمارے آقا ﷺ کے دین اور طریقے پر ہوں گے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ آپ نے سب سے آخر میں نبوت کا اعلان فرمایا۔

ابو حیان کہتے ہیں جو شخص یوں کہے کہ نبوت کسی ہے منقطع نہیں ہوتی یا یہ کہ ولی نبی سے افضل ہے تو وہ شخص زندیق واجب القتل ہے۔ واللہ اعلم

چوتھی نوع

پہلی کتب یعنی تورات وانجیل وغیرہ میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہے کہ آپ رسول اور مشرف و مکرم ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُونًا عِنْدَهُمْ فِي الْوَادِعِ وَالْأَنْجِيلِ . (الاعراف: ١٥٤)

وہ لوگ جو اس رسول نبی امی (کسی سے نہ پڑھے نہ لکھے) کی پیروی کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں مذکور ہاتے ہیں۔

۱۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۷۰)

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ان کتابوں میں لکھا ہوا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا یہ کلام یہود و نصاریٰ کے لئے آپ کے ارشاد سے نفرت کا بہت بڑا سبب ہوتا کیونکہ جھوٹ اور بہتان پر اصرار نفرت پیدا کرنے والے امور میں سے بہت بڑا سبب ہے اور عقلمند شخص ایسے کام کے لئے کوشش نہیں کرتا جو اس کے حال میں نقصان کا موجب ہو اور لوگوں کو اس کا قول قبول کرنے سے متنفر کرے پس جب نبی اکرم ﷺ نے ان سے یہ بات فرمائی تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ کا یہ وصف تورات و انجیل میں مذکور ہے اور یہ بات آپ کی نبوت کے صحیح ہونے پر بہت بڑی دلیل ہے۔

لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اہل کتاب جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

يُخَوِّفُونَ الْكَلِمَةَ عَنْ مَوَاضِعِهِ. (المائدہ: ۱۳) وہ کلمات کو ان کی جگہوں سے بدلتے ہیں۔

ورنہ وہ (اللہ ان کو ہلاک کرے) نبی اکرم ﷺ کی معرفت اس طرح رکھتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور وہ آپ کے بارے میں اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں لیکن انہوں نے ان دونوں باتوں کو مٹایا اور بدل دیا تاکہ وہ اپنے منہوں سے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں لیکن اللہ تعالیٰ نہیں مانے گا سوائے اس کے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کرے اگرچہ کافروں کو یہ بات ناپسند ہو۔

پس نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل ان کی کتابوں میں تحریف کے بعد بھی واضح ہیں اور آپ کی شریعت و رسالت کی علامات ان کتابوں میں روشن ہیں اور ان کا انکار انہیں کیسے فائدہ دے سکتا ہے جب کہ نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی سریانی زبان میں ”مسیح“ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیح سے نبی اکرم حضرت محمد ﷺ مراد ہیں اور اسے اس بات پر قیاس کریں کہ جو وہ ”الحمد لله“ کہنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں شفعحلاھا (اے اللہ! تیرے لئے حمد ہے) تو جب حمد کے لئے مسیح کا لفظ مستعمل ہوتا ہے تو مسیح کا معنی محمد ﷺ ہے نیز وہ جن صفات کا اقرار کرتے ہیں وہ آپ کے احوال، زمانے، ولادت، بعثت اور شریعت کے موافق ہیں پس وہ ہمیں بتائیں کہ یہ صفات کس کے لئے ہیں؟ اور تمام گروہ کسی کے سامنے آئے اور جھک گئے اور انہوں نے کس کی دعوت کو قبول کیا اور کون ہے اونٹوں کا مالک جس کے ذریعے بائبل شہر اور اس کے بت ہلاک ہوئے علاوہ ازیں اگر ہم یہ خبریں اور واقعات ان کی کتب سے نہ لاتے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا وہ اس پر دلیل نہ ہوتی؟ انہوں نے اسے چھوڑ کر انکار کیا حالانکہ وہ ان کے ذہنوں کو کھٹکھٹاتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اعتراف کیا۔ قرآن مجید کہتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ
يَجِدُوْنَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِى التَّوْرَةِ وَالْاِنْجِيلِ. (الاعراف: ۱۵۷)
وہ لوگ اس رسول نبی امی (کسی سے نہ پڑھے ہوئے) کی پیروی کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں پاتے ہیں۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اَلَيْسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَبَكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ
مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاتِيْ مِنْ بَعْدِي
بے شک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف رسول ہوں اس چیز کی تصدیق کرنے والا جو مجھ سے پہلے

اَلْمُحَمَّدُ اَحْمَدُ (القف: ۶)

ہے (یعنی تورات) اور اس رسول کی خوشخبری دیتے ڈالاجو
میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ﷺ ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ
تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (آل عمران: ۷۱)

اور ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِيْنَ اتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْهُ كَمَا
يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ (البقرہ: ۱۷۶)

اور لڑائی کے وقت اہل کتاب اپنے مخالفین سے کہا کرتے تھے کہ اس نبی کی ولادت کا وقت آچکا ہے اور آپ کی ان صفات کا ذکر کرتے جو ان کی کتب میں مذکور ہیں پس جب وہ نبی تشریف لائے جن کو وہ پہچانتے تھے تو انہوں نے حسد کرتے ہوئے اور اقتدار (چلے جانے) کے خوف سے انکار کر دیا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے خیال میں نبی آخر الزمان بنی اسرائیل میں سے ہوں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل عرب سے مبعوث فرمایا جن کا تعلق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہے تو ان پر یہ بات گراں گزری اور انہوں نے کھلم کھلا جھٹلانا شروع کر دیا پس کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

نبی اکرم ﷺ ان لوگوں کو اپنی اتباع اور تصدیق کی دعوت دیتے تھے پس کیسے جائز ہوگا کہ آپ کسی باطل دلیل کو اپناتے پھر اسے اس کے سپرد کرتے جو ان کے پاس اور ان کے ہاتھوں میں ہے اور فرماتے ہیں کہ میری نبوت اور صداقت کی ایک علامت یہ ہے کہ تم میرا ذکر اپنے پاس تورات میں لکھا ہوا پاتے ہو اور وہ اس طرح نہ پاتے جس طرح ذکر کیا گیا؟

تو کیا اس سے ان کی دوری میں اضافہ نہ ہوتا حالانکہ آپ کو اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ آپ ان کو اس چیز کی دعوت دیتے جو ان کو متغیر کرتی اور آپ ان کو اس بات کی طرف مائل کرتے جو ان کو وحشت میں ڈالتی حالانکہ ان کے علماء میں سے کچھ لوگ ایمان لا چکے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت تمیم داری اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہم اور ان کو آپ کی طرف سے ان دعوتوں کا علم ہو چکا تھا (اور وہ اس کا اعتراف کر چکے تھے)۔

(الاعلام ج ۳ ص ۹۰ الاصابہ رقم الترجمہ: ۲۵۷۷ الاعلام ج ۲ ص ۷۸۷ صفحہ ۱ ص ۳۱۰)

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں حضرت محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن سلام سے روایت کیا وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کے بارے میں سنا تو باہر نکلے اور آپ سے ملاقات کی آپ نے فرمایا تم یثرب والوں کے عالم ابن سلام ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا میں تمہیں اس اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی کیا تم اللہ کی کتاب (تورات) میں میرے اوصاف پاتے ہو؟ انہوں نے کہا اے محمد! ﷺ اپنے رب کی تعریف کیجئے۔

نبی اکرم ﷺ پر گھبراہٹ طاری ہوگئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے پڑھا:
قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝
 آپ فرمادیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس (اخلاص: ۱-۴) کے برابر کا کوئی نہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے دین کو غالب کرے گا اور میں آپ کی صفت کو اللہ تعالیٰ کی کتاب (تورات) میں یوں پاتا ہوں:

یا ایہا النبی انا ارسلناک شہدا و مبشرا
 و نذیرا انت عبدی و رسولی سمیتک
 المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخاب فی
 الاسواق ولا یجزی بالسینۃ مثلها ولكن یعفو
 و یصفح ولن یقبضہ اللہ حتی یمیت بہ الملة
 المعوجة حتی یقولوا لا الہ الا اللہ و یفتح
 بہ اعینا عمیا واذنا صما وقلوبا غلفا
 اے نبی ﷺ! بے شک ہم نے آپ کو گواہ خوشخبری
 دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا آپ میرے بندے اور
 میرے رسول ہیں میں نے آپ کا نام متوکل رکھا آپ بد
 اخلاق اور سخت دل نہیں اور نہ بازاروں میں شور و شغب
 کرنے والے ہیں اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے
 بلکہ معاف کریں گے اور درگزر فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ
 آپ کو اس وقت نہیں اٹھائے گا جب تک آپ کے ذریعے
 میڑھی ملت کو سیدھا نہ کر دے حتیٰ کہ وہ کہیں اللہ تعالیٰ کے سوا
 کوئی معبود نہیں تاہم آنکھ کو بہرے کان اور پردے میں
 چھپے دلوں کو کھول دے۔

”لیس بفظ ولا غلیظ“ قرآن مجید کی اس آیت کے موافق ہے:

لَمَّا رَحِمْنَا مِنَ اللَّهِ لَئِنْ لَمْ يَكُنْ لَفَظًا
 غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَقْضُوا مِنْ حَوْلِكَ.
 پس آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ان کے لئے نرم ہو
 گئے اور اگر آپ سخت مزاج ٹھک دل ہوتے تو وہ آپ کے
 گرد سے دور ہو جاتے۔ (آل عمران: ۱۵۹)

اور آپ کی یہ صفت حکم خداوندی:

وَأَغْلَظْ عَلَيْهِمْ. (التوبہ: ۷۳)

اور آپ ان پر سختی کیجئے۔

کے خلاف نہیں کیونکہ فی اس بات پر محمول ہے کہ آپ کی فطرت مبارکہ میں یہ بات نہیں اور امر (سختی کیجئے) خلاص فطرت
 عمل کرنے پر محمول یا فی مومنوں کے اعتبار سے ہے اور امر کفار اور منافقین کی نسبت سے ہے جس طرح آیت سے واضح
 ہے۔

امام بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا وہ
 فرماتی ہیں میں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نبی اکرم ﷺ کی صفت کو تورات میں کیسے پاتے ہو؟ انہوں
 نے فرمایا ہم اس کتاب میں آپ کی تعریف یوں پاتے ہیں:

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ کا اسم گرامی متوکل ہے آپ بدکلام، سخت دل اور بازاروں میں شور کرنے والے نہیں آپ کو خزانوں کی چابیاں دی گئیں تاکہ آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھوں کو دکھائے بہرے کانوں کو سنائے اور آپ کے ذریعے ٹیڑھی زبانوں کو سیدھا کر دے حتیٰ کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں آپ مظلوم کی مدد کریں گئے اور اس کو کمزور کئے جانے سے بچائیں گے۔

صحیح بخاری میں حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو عرض کیا مجھے نبی اکرم ﷺ کی صفت کے بارے میں خبر دیجئے۔ انہوں نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم تو رات میں آپ کی ان صفات کا ذکر ہے جن میں سے بعض صفات قرآن مجید میں مذکور ہیں:

اے نبی! (ﷺ) ہم نے آپ کو شاہد (حاضر ناظر) اور خوشخبری دینے والا ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے آپ امی لوگوں کے لئے پناہ گاہ ہیں آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے آپ سخت زبان، سخت دل اور بازاروں میں شور کرنے والے نہیں ہیں اور آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کرتے اور درگزر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس وقت تک آپ کی روح مبارک قبض نہیں فرمائے گا جب تک آپ کے ذریعے ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کر دے کہ وہ ”لا الہ الا اللہ پڑھیں“ اور اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے نابینا آنکھوں، بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھول دے گا۔

محمد رسول اللہ اسمہ المتوکل، لیس بلفظ ولا غلیظ ولا سخاب فی الاسواق، واعطى المفاتيح، لیبصر اللہ به اعینا عورا، ویسمع به اذاننا صما، ویقیم به السنۃ معوجۃ، حتیٰ یشهدوا ان لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له، یمین المظلوم و یمنعه من ان یتضعف.

یا ایہا النبی انا ارسلناک شاہدا و مبشرا و نذیرا، و حرزا للامیین، انت عبدی و رسولی، سمیتک المتوکل لیس بلفظ ولا غلیظ ولا سخاب فی الاسواق، ولا یجزی بالسنۃ السنۃ، ولكن یعفو ویصفح، ولن یقبضہ اللہ حتیٰ یقیم بہ الملة العوجاء، بان یقولوا: لا الہ الا اللہ، ویفتح بہ اعینا عمیا و اذاننا صما و قلوبنا غلفا. (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۳۸)

ابن اسحاق کی روایت میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

ولا سخاب فی الاسواق، ولا متزین بالفحش، ولا قوال للخنأ، اسدہ بکل جمیل، و اہب لہ کل خلق کریم، ثم اجعل السکینۃ لباسہ، و البر شعارہ، و التقویٰ ضمیرہ، و الحکمۃ

آپ بازار میں شور کرنے والے اور فحش کلامی کو زینت والے نہیں ہوں گے اور نہ ہی بدکلامی کرنے والے ہوں گے میں ہر حسن کے ساتھ ان کو اعتدال پر رکھوں گا اور ان کو ہر اچھا خلق عطا کروں گا پھر سکون کو ان کا لباس، نیکی کو

معقولہ، والصدق والوفاء طبیعتہ، والعدول سیرتہ، والحق شریعتہ، والہدی امامہ، والاسلام ملتہ، واحمد اسمہ، اہدی بہ بعد الضلالة، واعلم بہ بعد الجهالة، وارفع بہ بعد الخمالة، واسمی بہ بعد النکرة، واکثر بہ بعد القلة، واغنی بہ بعد العیلة، واجمع بہ بعد الفرقة، واولف بہ بین قلوب مختلفہ، واهواء متشتتہ، وامم متفرقة، واجعل امتہ خیر امۃ اخرجت للناس۔

ان کا شعار اور تقویٰ کو ان کی ضمیر بتاؤں گا۔ ان کی سمجھ حکمت پر مبنی، صدق و وفا ان کی طبیعت، درگزر اور نیکی ان کا خلق، عدل ان کی سیرت، حق ان کی شریعت، ہدایت ان کا امام اور اسلام ان کی ملت قرار دوں گا۔ میں ان کا نام احمد رکھوں گا، گمراہی کے بعد ان کے ذریعے ہدایت دوں گا، جہالت کے بعد ان کے ذریعے علم عطا کروں گا، ذلت کے بعد ان کے ذریعے بلندی عطا کروں گا، گمناہی کے بعد ان کے ذریعے معروف کروں گا، قلت کے بعد ان کے ذریعے مختلف دلوں میں باہمی الفت پیدا کروں گا اور منتشر خواہشات نیز متفرق لوگوں کو یکجا کروں گا اور آپ کی امت کو لوگوں کے لئے بہترین امت قرار دوں گا۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ جابر بن عبد اللہ نے آ کر اسلام قبول کیا تو کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے آپ کا وصف انجیل میں (مذکور) پایا اور حضرت مریم بتول کے بیٹے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے آپ کی خوشخبری دی ہے۔

ابن سعد نے نقل کرتے ہوئے فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو لے جائیں تو انہوں نے ان کو براق پر بٹھایا تو وہ جس نرم زمین سے گزرتے تو فرماتے اے جبریل یہاں اتروں؟ وہ فرماتے ہیں نہیں حتیٰ کہ مکہ مکرمہ آ گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا اے ابراہیم علیہ السلام! اترے انہوں نے فرمایا نہ تو یہاں کوئی جانور ہے اور نہ ہی کھیتی؟ فرمایا ہاں یہاں ایک نبی پیدا ہوں گے جو آپ کے بیٹے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی اولاد سے ہوں گے ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ بلند کلمہ کو مکمل کرے گا۔

تورات میں حذف اور تبدیلی کردی گئی اس کے باوجود یہ کلمات موجود ہیں جو ابن ظفر نے ”البشر میں“ اور ابن قتیبہ نے ”اعلام النبوة میں“ نقل کئے ہیں وہ کلمات یہ ہیں:

تجلی اللہ من سینا واشرق من ساعیر
واستعلن من جبال فاران۔

اللہ تعالیٰ نے طور سینا پر تجلی فرمائی ساعیر پہاڑ سے اس کے کلام کے انوار چمکے اور فاران پہاڑوں پر اس کا امر ظاہر ہوا۔

”سینا“ وہ پہاڑ جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ”ساعیر“ وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور آپ کی نبوت ظاہر ہوئی اور ”فاران“ عبرانی زبان میں پہاڑ کا نام ہے اور اس کا پہلا الف ہمزہ نہیں ہے یہ بنو ہاشم کے پہاڑ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ان میں سے ایک پر گوشہ نشینی اختیار کرتے تھے اور وحی کا آغاز بھی وہاں ہی ہوا (یعنی جبل نور جہاں غار حرا ہے) ان میں سے ایک جبل ابوقیس ہے اس کے مقابلے میں قعیقان ہے جو بنس وادی

تک ہے اور تیسرا پہاڑ شرقی فاران ہے وہ قعقعان سے شروع ہوتا ہے اور بطن وادی تک پہنچتا ہے یہ بنو ہاشم کی شعب (گھائی) ہے اور ایک قول کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت یہیں ہوئی ہے۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں اس میں کوئی پوشیدگی نہیں کیونکہ طور سینا سے تجلی کا مطلب اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کرنا ہے اور ”ساعیر“ سے چمکنے سے مراد ہو سکتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کا نازل کرنا ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرزمین ظلیل کے ساعیر پہاڑ کی ایک بستی ”ناصرہ“ میں رہتے تھے اور اسی وجہ سے آپ کی اتباع کرنے والوں کو نصاریٰ کہا جاتا ہے تو جس طرح ساعیر سے چمکنے سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام پر انجیل کا نازل کرنا ہو سکتا ہے اسی طرح ضروری ہے کہ فاران کے پہاڑوں سے بلند ہونے کا مطلب نبی اکرم ﷺ پر قرآن نازل کرنا ہو اور یہ مکہ مکرمہ میں پہاڑ ہیں اور اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف نہیں کہ فاران مکہ مکرمہ ہے۔

اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ فاران مکہ مکرمہ نہیں ہے تو ہم کہتے ہیں کیا تورات میں یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو فاران میں ٹھہرایا؟ اور ہم کہتے ہیں ہمیں بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے کس مقام پر اپنے امر کو ظاہر کیا اور اس کا نام فاران ہے اور وہ کون سے نبی ہیں جن پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کتاب نازل ہوئی لیکن ”استعلن“ اور ”علن“ ایک ہی معنی میں نہیں یعنی ظاہر و منکشف ہونا کیا تم کسی ایسے دین کو جانتے ہو جو اسلام کی طرح ظاہر ہوا ہو اور اسلام کی طرح زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں پھیلا ہو۔ تورات میں ہی مذکور ہے جیسا کہ ابن ظفر نے اسے ذکر کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہوا جس سے خصوصی طور پر وہ لوگ مراد ہیں جن کو آپ نے اپنے رب سے ملاقات کے لئے منتخب فرمایا اور ان کو گرج نے آیا پھر عمومی طور پر تمام بنی اسرائیل مراد ہیں فرمایا گیا کہ ”اللہ تعالیٰ جو تمہارا رب ہے تمہارے بھائیوں میں سے ایک کو نبی قائم کرے گا پس اس کی بات غور سے سنو اس بات کی طرح جو تم نے اجتماع کے دن مقام ”حوریت“ میں سنی جب تم نے کہا میں دوبارہ اپنے رب کی آواز نہیں سنوں گا تا کہ میں مرنہ جاؤں۔

پس اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کیا اچھا ہے جو انہوں نے کہا اور میں عنقریب ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے آپ کی طرح ایک نبی قائم کروں گا اور اپنا کلام ان کے منہ میں ڈالوں گا پس وہ ان سے ہر وہ بات کہیں گے جس کا میں انہیں حکم دوں گا اور جو شخص اس شخص کی اطاعت نہیں کرے گا جو میرے نام سے بولتا ہے تو میں اس سے انتقام لوں گا۔“

ابن ظفر کہتے ہیں اس کلام میں نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر کئی دلائل ہیں۔

ایک تو یہ بات ہے کہ ”ان کے بھائیوں میں سے ایک نبی“ فرمایا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کا تعلق بنو اسحاق سے ہے اور ان کے بھائی بنی اسماعیل ہیں اگر یہ نبی جن کا وعدہ کیا گیا ہے بنی اسحاق سے ہوتے تو وہ انہی میں سے ہوتے ان کے بھائیوں میں سے نہ ہوتے۔

اور یہ فرمایا کہ ”آپ کی مثل نبی“ تو تورات میں فرمایا کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثل کوئی نبی نہیں ہوں گے اور ایک جگہ یوں کہا گیا کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثل کوئی نبی کبھی بھی نہیں ہوگا۔ تو یہودیوں کے خیال میں یہ نبی جن کا وعدہ کیا گیا حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں اور یہ باطل ہے کیونکہ حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برابر نہیں تھے بلکہ ان کی زندگی میں ان کے خادم تھے اور ان کی وفات کے بعد ان کی دعوت کی

تاکید کرنے والے تھے پس یہ بات متعین ہوگئی کہ اس نبی موعود سے حضرت محمد ﷺ مراد ہیں کیونکہ آپ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برابر ہیں اس لئے کہ منصب نبوت اور معجزہ کے ذریعے پہنچنے کرنے یا احکام شریعت اور پہلی شریعتوں کو منسوخ کرنے میں آپ ان کی مثل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی کہ میں اپنا کلام اس نبی کے منہ میں ڈالوں گا تو یہ اس بات میں واضح ہے کہ اس سے حضرت محمد ﷺ کا قصد کیا گیا ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں ان کی طرف اپنا کلام بطور وحی بھیجوں گا تو وہ جس طرح سنیں گے اسی طرح بیان کریں گے اور ان کی طرف صحیفے اور تختیاں نہیں اتاروں گا کیونکہ وہ امی ہیں اور لکھا ہوا اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے۔

ابن طغربک نے ”الدر المنظم“ میں ذکر کیا کہ یوحنا نے اپنی انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا میں باپ سے مطالبہ کروں گا کہ وہ تمہیں ایک اور فارقلیط عطا فرمائے جو تمہارے ساتھ ہمیشہ رہے وہ روح حق ہوگا لوگ اسے نقل کر لے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔

ابن ظفر نے ان الفاظ میں نقل کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میری وصیت کی حفاظت کرو اور میں اپنے باپ سے مطالبہ کروں گا کہ وہ تمہیں ایک اور فارقلیط عطا کرے۔ جو زمانہ بھر تمہارے ساتھ رہے۔ (الشفاع ص ۲۳۴)

ابن ظفر کہتے ہیں اس میں واضح طور پر بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان کی طرف ایسا نبی بھیجے گا جو ان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی جگہ ہوں گے اور اپنے رب کا پیغام پہنچانے اور مخلوق کی سیاست میں ان کے قائم مقام ہوں گے اور ان کی شریعت ہمیشہ ہمیشہ رہے گی تو حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟

ابن طغربک کے مطابق یوحنا کے علاوہ انجیل کو نقل کرنے والے کسی دوسرے نے فارقلیط کا لفظ ذکر نہیں کیا اور عیسائیوں کا لفظ فارقلیط میں اختلاف ہے۔ ایک قول میں اس کا معنی حامد اور دوسرے قول میں مخلص ذکر کیا گیا ہے۔

اگر ہم اس بات میں ان کی موافقت کریں کہ اس سے مخلص مراد ہے تو معاملہ یوں ہوگا کہ مخلص ایک ایسا رسول ہے جو جہان والوں کو چھٹکارا دلانے کے لئے آئے گا اور یہی ہماری غرض ہے کیونکہ ہر نبی اپنی امت کو کفر سے نجات دلاتا ہے اور اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انجیل میں مذکور قول شاہد ہے آپ فرماتے ہیں میں دنیا والوں کو نجات دینے آیا ہوں پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے خود اپنے آپ کو دنیا کا نجات دہندہ قرار دیا اور انہوں نے ہی اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ ایک اور فارقلیط عطا کرے تو الفاظ کا تقاضا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک فارقلیط گزر چکا ہے اب دوسرا آئے گا۔

اور اگر ہم ان کے ساتھ اس بات میں موافقت کریں کہ اس کا معنی حامد (تعریف کرنے والا) ہے تو احمد اور محمد کے قریب اس سے زیادہ قریب کونسا لفظ ہو سکتا ہے؟

ابن ظفر نے کہا کہ انجیل میں اس بات پر دلالت بھی ملتی ہے کہ فارقلیط کا معنی ”رسول“ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ کلام جو تم سن رہے ہو یہ میرے لئے نہیں بلکہ باپ نے مجھے اس کلام کے ساتھ تمہارے لئے بھیجا ہے لیکن فارقلیط

پاک روح ہے جسے میرا باپ میرے نام کے ساتھ بھیجے گا تو وہ تمہیں ہر بات سکھائے گا اور میں نے جو کچھ تم سے کہا وہ تمہیں اس کی یاد دلانے گا۔

تو کیا اس کے بعد بیان کی گنجائش رہ جاتی ہے؟ کیا یہ واضح نہیں کہ فارقلیط سے رسول مراد ہے جسے اللہ تعالیٰ بھیجے گا اور وہ پاک روح ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق کرے گا اور ان کے نام کو ظاہر کرے گا کہ حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچے رسول ہیں معبود نہیں ہیں اور وہ (فارقلیط) مخلوق کو ہر بات سکھائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے جو کچھ کہا وہ ان کو یاد دلانے گا نیز ان کو توحید کے سبق کی یاد دہانی بھی کرائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے جو کہا گیا کہ آپ نے فرمایا ”میں اپنے باپ سے کہوں گا“ تو اس لفظ میں تبدیلی کی گئی اور اہل کتاب کے نزدیک اس کا استعمال غیر معروف نہ تھا یہ رب سبحانہ و تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ لفظ تعظیم کے طور پر استعمال ہوتا تھا طالب علم جس استاذ سے علم حاصل کرتا اس کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کرتا تھا اور یہ بات مشہور ہے کہ عیسائی اپنے دینی اکابر کو روحانی باپ کہا کرتے ہیں اور بنی اسرائیل اور بنو عیسو ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے کہتے تھے لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں صحیح سمجھ نہ تھی۔

اور یہ قول کہ اللہ تعالیٰ اس فارقلیط کو میرے نام کے ساتھ بھیجے گا تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی صداقت اور رسالت کی شہادت دی نیز قرآن مجید میں جو کچھ ان کی تعریف میں کہا گیا اس کی شہادت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھوٹ گھڑا گیا اس کی شہادت نہیں انجیل کے ایک اور ترجمہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب فارقلیط آئے گا تو لوگوں کو ان کے گناہوں پر جھڑکے گا اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا جو کچھ (اللہ تعالیٰ سے) سنے گا وہ ان سے بیان کرے گا اور سچی سیاست کرے گا اور ان کو آنے والے واقعات کی خبر دے گا۔

ابن طبرک کے نزدیک یہ الفاظ ہیں:

فَإِذَا جَاءَ رُوحَ الْحَقِّ لَيْسَ يَنْطِقُ مِنْ عِنْدِهِ
بَلْ يَتَكَلَّمُ بِكُلِّ مَا يَسْمَعُ وَيَخْبِرُ بِكُلِّ مَا يَأْتِي
وَهُوَ يَمْجِدُنِي لِأَنَّهُ يَأْخُذُ مِمَّا هُوَ لِي وَيَخْبِرُ بِكُمْ.
(حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) جب وہ روح حق آئے گا تو اپنی طرف سے کلام نہیں کرے گا بلکہ جو کچھ سنے وہی بات کہے گا اور تمہیں تمام آنے والی باتوں کی خبر دے گا وہ میری تعریف بیان کرے گا کیونکہ وہ میرے خاص علم سے لے کر تمہیں اس کی خبر دے گا۔

ان کا قول ”لیس یَنْطِقُ مِنْ عِنْدِهِ“ دوسری روایت میں اس طرح ہے ”وَلَا يَقُولُ مِنْ تَلْقَاءِ نَفْسِهِ بَلْ يَتَكَلَّمُ بِكُلِّ مَا يَسْمَعُ“ (معنی وہی ہے) یعنی اس اللہ کی طرف سے بیان کرے گا جس نے اس کو بھیجا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ
مُّوحًى ۝ (النجم: ۳-۴)

اور وہ (حضور علیہ السلام) اپنی خواہشات سے کلام نہیں کرتے بلکہ وہی بات کرتے ہیں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور ان کا قول ”وہو یمجدنی“ تو جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بزرگی بیان کرنے کا حق ہے نبی اکرم ﷺ کے سوا کسی نے بیان نہیں کی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ان کا وصف بیان کیا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کی اور ان کی والدہ کی ان الزامات سے برأت بیان کی جو ان دونوں پر لگائے گئے اور آپ نے اپنی امت کو بھی اسی بات کا حکم دیا۔

ابن ظفر کہتے ہیں کون ہے جس نے علماء کو سچ چھپانے اور کلمات کو ان کی جگہوں سے بدلنے پر جھڑکانیز کھوٹے سکوں کے عوض دین بیچنے کی تنبیہ کی کون ہے جس نے حوادث سے ڈرایا اور غیبیوں کی خبر دی وہ صرف حضرت محمد ﷺ ہیں۔

ابو محمد عبد اللہ شترطیسی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے انہوں نے اپنے مشہور قصیدہ میں فرمایا:

تسوراة موسی اتت عنه فصدقها انجیل عیسی بحق غیر مفعتل
اخبار احبار اهل الكتاب قدوردت عماراؤا ورووافی الا عصر الاول
”حضرت موسی علیہ السلام کی تورات نے حضور علیہ السلام کی خبر دی تو حضرت عیسیٰ کی انجیل نے ایسے حق کی تصدیق کی جس کی کوئی سابق مثال نہیں اہل کتاب کے علماء کی خبریں اس بات کے بارے میں آئی ہیں جو انہوں نے دیکھا اور پہلے زمانوں سے روایت کیا۔“

اور عارف ربانی ابو عبد اللہ بن نعمان کے کلام نے مجھے خوش کر دیا انہوں نے فرمایا:

هذا النبی محمد جاء به تسوراة موسی للانام تبشر
و کذاک انجیل المسیح موافق ذکرأ لاحمد معرب و مذکر
”یہ نبی حضرت محمد ﷺ ہیں کہ موسی علیہ السلام کی تورات نے مخلوق کو ان کی خوشخبری دی اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت احمد ﷺ کے ذکر اور اظہار میں اس کی موافقت کی۔“

اور اللہ تعالیٰ ابن جابر پر رحم فرمائے انہوں نے فرمایا:

لمبعنه فی کل جیل علامة علی ما جلته الکتب من امره العلی
فجاء به انجیل عیسی باآخر کما قد مضت توراة موسی باول
”ہر قوم میں آپ کی بحث کی علامت ہے جس طرح کہ کتب سماویہ نے اس امر کو روشن کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل نے بھی بعد میں آپ کا ذکر کیا جس طرح حضرت موسی علیہ السلام کی تورات نے پہلے آپ کا ذکر کیا۔“

امام بیہقی کی کتاب ”دلائل النبوة“ میں ایسی سند کے ساتھ مروی ہے جس میں کوئی خرابی نہیں وہ ابو امامہ باہلی سے روایت کرتے ہیں اور وہ ہشام بن عاص اموی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا مجھے اور ایک دوسرے شخص کو روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس بھیجا گیا کہ ہم اسے اسلام کی دعوت دیں۔ پھر انہوں نے حدیث ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے ان کورات کے وقت بلا بھیجا فرماتے ہیں ہم اس کے ہاں داخل ہوئے تو اس نے ایک چیز منگوائی جو عطر فروش کے بڑے ڈبے کی طرح تھی اور اس پر سونا چڑھا ہوا تھا اس میں چھوٹے چھوٹے گھر تھے جن کے دروازے تھے اس نے کھول کر سیاہ ریشمی کپڑا نکال کر پھیلایا تو اس میں سرخ صورت تھی جب دیکھا تو وہ ایک شخص ہے جس کی آنکھیں موٹی اور سرین

بڑے بڑے ہیں اس کی گردن جیسی لمبی گردن میں نے نہیں دیکھی اس کی دو مینڈھیاں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں زیادہ حسین تھیں پوچھا کیا تم ان کو جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں تو اس نے کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں پھر ایک اور دروازہ کھولا تو اس سے سیاہ ریشم نکالا جس میں سفید صورت تھی دیکھا تو وہ ایک شخص ہے جس کی آنکھیں سرخ ہیں سر کی کھوپڑی بڑی اور داڑھی خوبصورت ہے پوچھا ان کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں اس نے کہا یہ نوح علیہ السلام ہیں راوی کہتے ہیں پھر ایک دروازہ کھولا اور ریشمی کپڑا نکالا اس میں سفید تصویر تھی اور دیکھا تو قسم بخدا! رسول اکرم ﷺ تھے۔ اس نے کہا ان کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں یہ حضرت محمد ﷺ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسول اور ہمارے نبی ہیں اس نے کہا ہاں وہی ہیں پھر وہ سیدھا کھڑا ہوا پھر بیٹھ گیا اور کہا یہ وہی ہیں؟ ہم نے کہا ہاں وہی ہیں گویا تم ان کو دیکھ رہے ہو پس وہ ایک گھڑی رک کر تصویر کو دیکھتا رہا پھر کہا سنو! اللہ کی قسم یہ آخری گھر (خانہ) ہے لیکن میں نے اس (کو کھولنے) کے لئے جلدی کی تاکہ دیکھوں کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ الحدیث

اس حدیث میں انبیاء کرام حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت سلیمان اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر ہے راوی فرماتے ہیں ہم نے اس سے پوچھا یہ تصویریں تمہارے پاس کہاں سے آئی ہیں؟ اس نے کہا حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ ان کو ان کی اولاد میں سے انبیاء کرام دکھائے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی صورتیں اتاریں تو یہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ آدم علیہ السلام کے خزانے میں تھیں تو ذوالقرنین نے ان کو اس مقام سے نکال کر حضرت دانیال علیہ السلام کی زبور کے چوالیسویں مزمور میں ہے (جس طرح قرآن مجید کی آیات ہیں زبور کا کلام اور

دعائیں مزمور (جمع مزامیر ہے) کہلاتی ہیں۔

آپ کے مبارک ہونٹوں سے نغمہ جاری ہوا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اب تک (ہمیشہ کے لئے) مبارک بنایا اے جبار (حضور علیہ السلام کا اسم گرامی) تلواریں لٹکائیے بے شک آپ کی شریعتیں اور سنت آپ کے دائیں ہاتھ کی ہیبت سے ملی ہوئی ہے اور آپ کے حیر مسنون ہیں اور تمام گروہ آپ کے سامنے سرگھوں ہیں۔

تو یہ مزمور نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی رفعت بتاتا ہے اور وہ نعمت (یا نغمہ) جو آپ کے مبارک ہونٹوں سے نکلا وہ قول ہے جو آپ فرماتے ہیں اور یہ وہ کتاب ہے جو آپ پر اتاری گئی اور سنت جو آپ نے جاری کی اور یہ بات کہ آپ تلوار لٹکائیں گے اس بات پر دلالت ہے کہ اس سے عربی نبی مراد ہیں کیونکہ عرب کے علاوہ کسی امت نے تلواریں نہیں لٹکائیں وہ سب اپنے کاندھوں پر رکھتے تھے۔

اور یہ کہنا کہ ”آپ کی شریعت اور سنت“ تو یہ واضح نص ہے آپ صاحب شریعت و سنت ہیں اور آپ کی تلوار اسے قائم کرے گی اور جبار کہا گیا یعنی وہ جو تلوار کے ذریعے مخلوق کو حق پر رکھتا ہے اور ان کو جبراً کفر سے پھیرتا ہے۔!

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے بعض قدیم کتابوں میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے میں عرب کے پہاڑوں پر ضرور ایک نور اتاروں گا جو مشرق اور مغرب کے درمیان کو بھر دے گا۔ اور میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ضرور بھروسہ رکھوں گا جس پر آسمان کے

۱۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ”امرت ان یقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ“ مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے لڑوں حتیٰ کہ وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا (اے اللہ!) تو پاک ہے اور تیرے نام مقدس ہیں تو نے اس نبی کو عزت و شرف عطا کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام میں دنیا اور آخرت میں اس کے دشمن سے بدلہ لوں گا اور اس نبی کی دعوت کو ہر دعوت پر غالب کروں گا جو اس کی شریعت کی مخالفت کرے گا اس کو ذلیل کروں گا۔ میں اسے عدل کے ساتھ زینت دوں گا اور انصاف کے ساتھ ظاہر کروں گا اور مجھے اپنی عزت کی قسم میں اس کے ذریعے کئی گروہوں کو جہنم سے ضرور بچاؤں گا میں نے دنیا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شروع کیا اور حضرت محمد ﷺ پر ختم کروں گا پس جس نے ان کو پایا اور ان پر ایمان نہ لایا اور ان کی شریعت میں داخل نہ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بری ہے (اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں) یہ بات ابن ظفر وغیرہ نے ذکر کی ہے۔

پانچویں نوع

اس نوع میں ان آیات کا ذکر ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی رسالت کے ثبوت اور جو کچھ آپ کی طرف آیات خداوندی کی وحی ہوئی نیز آپ کے مرتبہ شریفہ اور مقام کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ جمہیں عزت عطا کرے اس نوع کا اکثر حصہ ابن قیم کی کتاب ”اقسام القرآن“ کا خلاصہ اور کچھ دیگر عمدہ فوائد پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے چند امور پر بعض امور کے ساتھ قسم کھائی ہے اور اپنی ذات کو کچھ صفات سے موصوف کرتے ہوئے قسم کھائی اور ان آیات کی قسم کھائی جو اس کی ذات و صفات کو مستلزم ہیں اور اس کا اپنی بعض مخلوقات کے نام سے قسم کھانا اس بات کی دلیل کہ وہ اس کی عظیم نشانوں میں سے ہے۔ (الشفاع ج ۱ ص ۳۱)

پھر بعض اوقات اللہ تعالیٰ جواب قسم کا ذکر کرتا ہے اور عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے اور کبھی اس کو حذف کر دیتا ہے۔ کبھی قسم کھاتا ہے کہ قرآن مجید حق ہے اور کبھی یوں قسم کھاتا ہے کہ رسول ﷺ حق ہیں کبھی جزاء اور وعدہ و وعید کے حق ہونے کی قسم کھاتا ہے۔

پہلی قسم کی مثال ارشادِ خداوندی ہے:

تو مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں تارے ڈوبتے ہیں
اور تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے بے شک یہ عزت والا قرآن ہے
محفوظ نوشتہ میں اسے نہ چھوئیں مگر با وضو۔

فَلَا أَقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ○ وَأِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَكَّ
تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ○ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ○ فِي كِتَابٍ
مَكْنُونٍ ○ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ○

(الواقعة: ٤٥-٤٩)

(قرآن مجید کے حق ہونے پر قسم ہے)۔

دوسری قسم کی مثال یہ ارشاد خداوندی ہے:

حکمت والے قرآن کی قسم بے شک آپ مرسلین

يُسِّرْ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ

الْمُرْسَلِينَ ۝ (یس: ۳) (رسولوں) میں سے ہیں۔

(یہاں رسول اکرم ﷺ کی رسالت کے حق ہونے پر قسم کھائی گئی)۔

اور تیسری مثال کے سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے:

وَالذَّارِيَاتِ ذُرُوءًا ۝ فَالْحَامِلَاتِ وُجُوًّا ۝
فَالْجَارِيَاتِ يُسْرًا ۝ فَالْمُقْسِمَاتِ أَمْرًا ۝ إِنَّمَا
تُوْعَدُونَ لَصَادِقٍ ۝ وَلِلَّهِ يَوْمَئِذٍ لَوَاقِعٌ ۝

(الذاریات: ۱-۶) شک انصاف ضرور ہوتا ہے۔

(اس میں آخرت کے ثبوت پر قسم ہے)۔

اور یہ تین امور ایک دوسرے کو لازم ہیں پس جب ثابت ہو گیا کہ رسول ﷺ حق ہیں تو ثابت ہوا کہ قرآن مجید بھی حق ہے اور قیامت کے دن انھیں بھی ثابت ہو گیا اور جب ثابت ہوا کہ قرآن مجید حق ہے تو رسول ﷺ کی صداقت بھی ثابت ہو گئی جو اس قرآن کو لے کر آئے اور جب ثابت ہوا کہ وعدہ اور وعید حق ہیں تو رسول ﷺ جو ان امور کو لے کر آئے ان کا حق ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

اس نوع میں پانچ تفصیلات ہیں۔

فصل نمبر ۱

اللہ تعالیٰ کا آپ کے خلق عظیم پر جسے آپ کے ساتھ خاص
کیا نیز جو فضل عمیم آپ کو عطا کیا اس پر قسم کھانا

ارشاد خداوندی ہے:

كَوَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَا أَنْتَ بِمُعْجِزٍ
رَبِّكَ بِمَعْجُونٍ ۝ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ
مَمْنُونٍ ۝ وَأَنْتَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝

(القلم: ۱-۴)

”ن“ حروف کے اسماء میں سے ہے جیسے ”الم“ ”لمص“ اور ”ق“ ان اسماء میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ یہ قرآن مجید کے نام ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ سورتوں کے نام ہیں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یوں کہا کرتے ہیں ”یا کھیعص“ ”یا حم عسق“۔ جیسا کہ کہا گیا ہے اور ہو سکتا ہے ان کی مراد یہ ہو کہ اے ان حروف کو نازل کرنے والے!

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک راز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے مخفی رکھا ہے اور چاروں خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کے قریب قریب مروی ہے اور شاید ان کی مراد یہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان راز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے غیر کو سمجھانے کا قصد نہیں فرمایا کیونکہ (اگر رسول ﷺ کو بھی علم نہ ہو تو) غیر مفید بات سے خطاب عقل سے بعید ہے۔

اور کہا یہاں ”ن“ سے مچھلی کا نام مراد ہے اور کہا مچھلی کی جنس مراد ہے یا ”البہموت“ مراد ہے جس پر زمین قائم ہے یہ بھی کہا گیا کہ اس سے دوات مراد ہے یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے تو یہ دوات اور قلم کی قسم ہے کیونکہ کتاب کے سبب سے ان دونوں سے بہت بڑا فائدہ حاصل کیا جاتا ہے کیونکہ کسی چیز کی سمجھ بعض اوقات بولنے سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی کتابت سے۔

یہ بھی کہا گیا کہ ”ن“ سے نورانی حتمی مراد ہے جس میں وہ امور لکھے جاتے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔ یہ بات معاویہ بن قرہ نے مرفوعاً نقل کی ہے۔

اور حق یہ ہے کہ یہ سورت کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ نے کتاب اور اس کے آلہ کی قسم کھائی ہے اور وہ آلہ قلم ہے جو اس کی نشانیوں سے ایک نشانی اور اس کی پہلی مخلوقات میں سے ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر اور شریعت کو جاری کیا اور اس کے ساتھ وحی لکھی گئی اس کے ساتھ دین کو مقید کیا اور اسی کے ساتھ شریعت کو ثابت کیا اور علوم کی حفاظت بھی اسی کے ذریعے کی گئی، قلم کے ذریعے بندوں کے مفادات وہ معاشی ہوں یا قیامت سے متعلق ہوں قائم کئے، لوگوں میں نہایت بلیغ فصیح زیادہ نفع بخش اور زیادہ نصیحت کرنے والے خطیب کو کھڑا کیا اور ایسا واعظ جس کے وعظ دلوں کو بیماریوں سے شفا دے دیں اور ایسا طبیب جو اپنے رب کے حکم سے مختلف تکالیف سے محفوظ رکھے کہ اس نے اپنے رسول اور نبی محمد ﷺ کی پاکیزگی بیان کی جو اپنے تمام افعال و اقوال میں ان خرابیوں سے پاک ہیں جو آپ کے دشمنوں یعنی کفار نے آپ کی طرف منسوب کئے اور آپ کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد خداوندی کے ذریعے ان خرابیوں کی نفی کی:

مَا أَنْتَ بِمُعْجِزٍ لِّكَ بِمَعْجُونٍ ۖ (قلم: ۲) تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

اور اس شخص کو کیسے مجنون کہا جاسکتا ہے جو ایسے معجزات لاتا ہے جو عقلمند لوگوں کو بھی مقابلے سے عاجز کر دیں اور اس کی مثل نہ لایا جاسکے جس نے ان کو حق کی اس طرح پہچان کرائی کہ عقل کو وہاں تک راہ نہیں ملتی جہاں عقلمند لوگوں کی عقلیں جھک جائیں اور جو کچھ آپ لائیں اس کے پہلو میں وہ یوں ہلکی پڑ جائیں کہ تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو اور خود اپنی مرضی سے سر جھکا کر پڑے پس ان کی وجہ سے عقلوں کی تکمیل ہوئی ہے جیسے بچہ پستان سے دودھ پی کر پروان چڑھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی دونوں حالتوں یعنی دنیوی اور اخروی حالت کے کمال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

وَلَئِنْ لَّكَ لَا جُرْأَعِيَوْمًا مَّعْمُونٍ ۖ (القلم: ۳) اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے۔

یعنی ایسا ثواب ہے جو ختم نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا اور لفظ اجر کو تعظیم کے لئے نکرہ لایا گیا یعنی اتنا عظیم اجر کہ اس کا وصف بیان نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی تعبیر ہو سکتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو عطا کردہ وصف پر تعریف فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ (القلم: ۴) اور بے شک آپ بہت بڑے خلق کے مالک ہیں۔

اور یہ بات آپ کی نبوت و رسالت کی بہت بڑی علامات میں سے ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے خلق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

کان خلقه القرآن . آپ کا خلق قرآن ہے۔

اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات نے فرمایا کہ آپ بہت بڑے دین پرستے اور دین کو خلق کہا کیونکہ خلق ایک ایسی حالت کو کہتے ہیں جو سچے علوم پاکیزہ ارادوں، ظاہری و باطنی اعمال، جو عدل، حکمت اور مصلحت کے موافق ہوں اور وہ اقوال جو حق کے مطابق ہوں سے مرکب (حالت) ہوتی ہے وہ اقوال و اعمال ان علوم اور ارادوں سے صادر ہوتے ہیں پس نفس ان کے ذریعے ایسے اخلاق کا کسب کرتا ہے جو سب سے زیادہ پاکیزہ، اشرف اور افضل اخلاق ہوں۔ اور نبی اکرم ﷺ کے اخلاق قرآن مجید سے ماخوذ تھے پس آپ کا کلام تفصیل اور بیان میں قرآن مجید کے موافق ہے اور آپ کے علوم، علوم قرآن ہیں آپ کے ارادے اور اعمال وہ ہوئے جن کو قرآن نے واجب کیا اور ان کی دعوت دی اور جن کاموں سے قرآن مجید نے منع کیا آپ ان سے اعراض فرماتے اور ان کو ترک کر دیتے آپ کی رغبت ان کاموں میں ہوتی جن کی ترغیب قرآن نے دی اور ان کاموں سے آپ بے رغبت رہتے جن سے بے رغبتی کا راستہ قرآن نے دکھایا قرآن نے ناپسند کیا تو آپ نے ناپسند کیا اور اگر قرآن مجید نے اسے پسند کیا تو آپ نے بھی پسند کیا اور آپ احکام قرآن کے نفاذ کے لئے کوشش فرماتے ہیں چونکہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو قرآن مجید اور رسول اکرم ﷺ دونوں کی کمال معرفت حاصل تھی اس لئے آپ نے ترجمانی کی اور بہترین تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن تھا اور سوال کرنے والا اس مفہوم کو سمجھ گیا پس اس نے اس پر اکتفا کیا اسے تسلی ہو گئی۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے آپ کا وصف خلق عظیم کے ساتھ بیان فرمایا تو فرمایا:

فَسَبِّحْهُ وَبُحِّسْهُ ۝ يَا أَيُّهَا الْمَفْتُونُ ۝ تو اب کوئی دم جاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لو گے اور وہ بھی

(القلم: ۵) دیکھ لیں گے کہ تم میں کون مجنون تھا۔

یعنی اے محمد! ﷺ عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور مشرک بھی دیکھیں گے کہ آپ کے دین کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت ہوگی اور یہ لوگ ذلیل اور مغلوب ہوں گے اور آپ ان کے قتل اور مال غنیمت کے مانگ ہوں گے۔ ۱ (لسان العرب ج ۱۳ ص ۲۹۸)

۱۔ نبی اکرم ﷺ عمدہ اخلاق کے مالک تھے اور آپ کا دین قتل سے نہیں بلکہ اخلاق حسنہ اور محمودہ و مکرر سے پھیلا جس کی واضح مثال فتح مکہ ہے

کہ شدید ترین دشمنوں کو بھی معاف کر دیا۔ ۱۲ ہزار دی

فصل نمبر ۲

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی قدر و منزلت کو ظاہر فرمایا اس پر قسم کھانا

ارشاد خداوندی ہے:

وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا مَجَىٰ ۝ مَا
وَدَّعَاكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝ (الضحیٰ: ۱-۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر جو انعام و اکرم فرمایا اور آپ کی پسند کے مطابق جو کچھ آپ کو عطا فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تصدیق کو متضمن ہے پس یہ آپ کی نبوت کی صحت اور آخرت میں جزاء پر نیز نبوت اور انجام پر قسم ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے دو عظیم نشانیوں کے ساتھ قسم کھائی جو اس کی ربوبیت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں اور وہ رات اور دن ہے اور بعض مفسرین جیسے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (وغیرہ) نے الضحیٰ سے نبی اکرم ﷺ کا چہرہ انور اور اللیل سے آپ کے مبارک بال مراد لئے ہیں وہ فرماتے ہیں یہ بات بعید از عقل نہیں ہے۔

اس قسم کی مطابقت میں غور کیجئے یہ چاشت کی روشنی ہے جو رات کے اندھیرے کے بعد آتی ہے اور جس پر قسم کھائی جا رہی ہے وہ وحی کا نور ہے جو اس کے رکنے کے بعد آیا حتیٰ کہ آپ کے دشمنوں نے کہا حضرت محمد ﷺ کو ان کے رب نے چھوڑ دیا تو رات کے اندھیرے کے بعد دن کی روشنی کی قسم وحی کی روشنی اور نور پر اس کے رکنے اور حجاب میں ہونے کے بعد کھائی گئی۔

نیز اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ہمیشہ کے لئے رات کے اندھیرے میں نہیں چھوڑتا بلکہ دن کی روشنی میں ان کو ان کے مصالح اور معیشت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اسی طرح ان کو جہالت اور گمراہی کے اندھیرے میں نہیں چھوڑتا بلکہ وحی اور نبوت کے نور کے ذریعے ان کو دنیا اور آخرت کی بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو جس چیز کے ساتھ قسم کھائی اور جس پر کھائی ان کے درمیان کتنا عمدہ ربط اور تعلق ہے۔

تو ان الفاظ کی عمدگی اور ان کے معانی کے جلال پر غور کیجئے اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کی نفی فرمائی کہ اس نے اپنے نبی کو چھوڑ دیا اور آپ سے بغض رکھا "التودیع" چھوڑ دینا اور القلی بغض رکھنا۔

یعنی جب سے آپ میرے مقصود ہیں میں نے آپ کو چھوڑا نہیں اور جب سے آپ میرے محبوب ہیں میں نے آپ سے بغض و نفرت نہیں کی اور "ما قلا" سے "کاف" مخذوف ہے (یعنی و مافلاک) کیونکہ ما و دعک کی ضمیر پر اکتفا کیا گیا نیز آیات کے آخر میں یا ہے (جیسے والضحیٰ ۝ واللیل اذا مسجی وغیرہ) پس ان کی موافقت میں کاف کو

حذف کیا تاکہ یہاں بھی یاد رہے (وما قلی)۔

اور یہ آپ کے تمام احوال کو شامل ہے اور آپ جس حالت کی طرف جاتے ہیں وہ آپ کے لئے پہلی حالت سے بہتر ہے جس طرح قیامت کا گھر آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے پھر آپ سے وہ وعدہ فرمایا جس سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور آپ کے نفس کو خوشی حاصل ہوتی اور سینہ مبارک کھل جاتا وہ یہ کہ آپ کو وہ کچھ عطا کرے گا جس پر آپ راضی ہوں گے۔

اور یہ حکم ان عطیات کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں جیسے قرآن مجید، مذہب، دین کے دن دشمنوں پر کامیابی، فتح، مکہ لوگوں کا فوج در فوج آپ کے دین میں داخل ہونا، بنو قریظہ اور بنو نضیر پر آپ کا غلبہ، آپ کے لشکروں کا عرب کے تمام شہروں میں پھیل جانا نیز آپ کے خلفائے راشدین کو زمین کے کناروں پر مختلف شہروں میں جو فتوحات حاصل ہوئیں اس کے علاوہ آپ کے دشمنوں کے دلوں میں آپ کا رعب ڈالا گیا آپ کی دعوت کا پھیلنا، آپ کے ذکر کی رفعت اور کلمہ کی بلندی علاوہ ازیں آپ کے وصال کے بعد آپ کو جو کچھ عطا ہوا اور قیامت کے دن شفاعت اور مقام محمود کی صورت میں جو کچھ آپ کو ملے گا جنت میں وسیلہ بلند درجہ اور کوثر عطاء ہوگا یہ سب انعامات ہیں جو آپ کی رضا کے خاطر آپ کو عطا ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو سفید موتیوں کے ایک ہزار محل عطا کرے گا جن کی مٹی کستوری کی ہوگی اور ان محلات میں ہر وہ چیز ہوگی جو ان کے موافق اور شایان شان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر وہ چیز عطا کرے گا جس پر آپ راضی ہوں اور عام جاہل لوگوں کو یہ دھوکہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس پر راضی نہیں ہوں گے کہ آپ کا ایک امتی بھی جہنم میں رہے یا اس پر راضی نہ ہوں گے کہ آپ کا ایک امتی بھی جہنم میں داخل ہو تو یہ ان لوگوں کے ساتھ شیطانی دھوکہ ہے اور وہ ان سے کھیل کود کرتا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ اس بات پر راضی ہوں گے جس پر آپ کا رب راضی ہوگا اور اللہ تعالیٰ کافروں اور منافرانوں میں سے جس کو چاہے گا جہنم میں داخل کرے گا پھر نبی اکرم ﷺ کے لئے ایک حد مقرر کی جائے گی جن کی آپ سفارش کریں گے جیسا کہ آخری مقصد میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ اور اس کے حق کی سب سے زیادہ پہچان رکھتے ہیں آپ کو یہ بات کہنے کی ضرورت نہ ہو گی کہ میں اس بات پر راضی نہیں ہوں کہ تو میرے کسی امتی کو جہنم میں داخل کرے اور جہنم میں چھوڑے بلکہ آپ کا رب آپ کو ان لوگوں کی شفاعت کی اجازت دے گا جس کی شفاعت وہ چاہے گا اور جن کے لئے اجازت نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوگا ان کی شفاعت نہیں فرمائیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر اپنی نعمتیں ذکر کیں کہ جہنم ہونے کے بعد اس نے آپ کو ٹھکانہ دیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

أَلَمْ يَجْعَلْ لَّكَ يَتِيمًا فَلَاوِي ۝ (الضحیٰ: ۶)

کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی۔

بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ یتیم کا معنی ”یتیم سوتی“ سے لیا گیا ہے یعنی کیا اس نے آپ کو قریش میں یتیم اور بے

مثال نہیں پایا پس آپ کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا اور فقر کے بعد بے نیاز کر دیا۔
پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان تین نعمتوں کے مقابلے میں شایان شان شکر ادا کریں تو آپ کو یتیم پر غضب کرنے،
سائل کو جھڑکنے اور نعمت چھپانے سے منع فرمایا بلکہ اسے بیان کرنے کا حکم دیا کیونکہ نعمت کے شکر کی ایک صورت اسے بیان
کرنا ہے کہا گیا ہے کہ نعمت سے نبوت اور بیان کرنے سے تبلیغ کرنا مراد ہے۔

فصل نمبر ۳

اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ پر کی گئی وحی اور کتاب نیز خواہشات
سے آپ کی پاکیزگی کی تصدیق پر قسم کھانا

جو کچھ وحی کیا گیا اس کی تصدیق پر قسم

ارشاد خداوندی ہے:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا
غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ (النجم: ۱-۳)
اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم! جب یہ معراج
سے اترے تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ
کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس گمراہی اور سرکشی سے نبی اکرم ﷺ کی برأت اور پاکیزگی پر جو آپ کے دشمن آپ کی طرف منسوب
کرتے تھے ستارے کی قسم کھائی۔

مفسرین نے ”النجم“ کی تاویل میں مختلف اقوال بیان کئے ہیں جو معروف ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ ”النجم“ اپنے ظاہر پر ہے پھر الف لام عہد کا ہے یہ ایک قول ہے دوسرے قول میں الف
لام جنس کا ہے اور یہ وہ ستارے ہیں جن سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے پس کہا گیا کہ ثریا ستارے مراد ہیں جب غائب ہو
جائیں حضرت علی بن ابی طلحہ اور حضرت عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات روایت کی ہے اور عرب جب
”النجم“ بولتے ہیں تو ثریا ستارے مراد ہوتے ہیں۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اس سے وہ ستارے مراد ہیں جن
کے ساتھ شیطانوں کو مارا جاتا ہے جب وہ چوری چھپے سنتے ہیں تو یہ ستارے ان کے پیچھے دوڑتے ہیں یہ حضرت حسن رحمہ
اللہ کا قول ہے۔ اور حضرت سدی (اسماعیل بن عبد الرحمن کوئی) فرماتے ہیں اس سے زہرہ ستارہ مراد ہے اور حضرت حسن
رحمہ اللہ ہی سے مروی ہے کہ قیامت کے دن ستاروں کا گرجنا مراد ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس سے وہ ہنری مراد ہے جس کا تانہ ہو اور ”ہوی“ یعنی زمین پر گر گئی۔

ایک قول کے مطابق اس سے قرآن مجید مراد ہے یہ بات کبھی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کیونکہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے ”نجوم“ رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوا حضرت مجاہد، حضرت مقاتل اور حضرت ضحاک رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں اس سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں جب آپ معراج کی رات آسمان سے اترے۔

ابن قیم کا قول سب سے زیادہ ظاہر ہے کہ اس سے وہ ستارے مراد ہیں جن کے ساتھ شیطانوں کو مارا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری اور مشاہدہ کی جانے والی نشانی کی قسم کھائی جسے اللہ تعالیٰ نے شیطانوں کے چوری چھپے سننے کی وحی کی حفاظت اور نشانی کے طور پر مقرر کیا اور یہ اس بات پر علامت ہے کہ جو کچھ اس کے رسول ﷺ لائے ہیں وہ حق اور سچ ہے شیطان کا اس میں کوئی دخل نہیں اور نہ ہی اس کی طرف وہ راستہ پاسکتا ہے بلکہ ستارے کے ذریعے حفاظت کر دی جب وہ وحی کے آگے بطور حفاظت اترتا ہے اس بنیاد پر جس چیز کی قسم کھائی گئی (مقسم بہ) اور جس چیز پر قسم کھائی (مقسم علیہ) دونوں کے درمیان ربط نہایت واضح ہے اور مقسم بہ (جس کے ساتھ قسم کھائی) وہ مقسم علیہ (جس پر قسم کھائی) پر دلیل ہے۔

قرآن مجید جب نازل ہوا تو اس کا نام ”والنجم اذا ہوی“ نہیں تھا اور اس کے نزول کو ”ہوی“ بھی نہیں کہا گیا اور قرآن مجید میں بھی یہ بات معروف نہیں ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے نیز ثریا جب وہ غائب ہوں تو یہ نام اس کے ساتھ خاص نہیں اور یہ بات بھی نہیں کہ قیامت کے دن جب ستارے بکھر جائیں گے تو ان کو نجوم کہا جائے گا بلکہ یہ (ستاروں کا انتشار) ان امور میں سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ قسم کھاتا ہے اور اس پر اس کی آیات دلالت کرتی ہیں۔

لیکن خود یہ عمل دلیل نہیں کیونکہ مخاطبین قرآن میں یہ بات ظاہر نہیں بالخصوص ان لوگوں کے سامنے جو قیامت کے دن اٹھنے کے منکر ہیں اللہ تعالیٰ اس بات کو دلیل بناتا ہے جس کا انکار اور اس میں جھگڑا ممکن نہ ہو پھر مقسم بہ اور مقسم علیہ کے درمیان مناسبت ہے جو مخفی نہیں اگر ہم کہیں کہ اس سے وہ ستارے مراد ہیں جو راستہ دکھانے کے لئے ہیں تو مناسبت ظاہر ہے اور اگر ہم کہیں کہ ثریا مراد ہیں تو وہ دیکھنے والے کے لئے سب سے زیادہ ظاہر ستارے ہوتے ہیں کیونکہ وہ آسمان میں دوسرے ستاروں سے مشتبہ نہیں ہوتے بلکہ ہر ایک کے لئے ظاہر ہوتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ بھی ان واضح آیات کے ذریعے ممتاز ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہیں نیز جب ثریا مشرق میں ظاہر ہوتے ہیں تو پھلوں کے پکنے کا وقت آ جاتا ہے اور جب مغرب میں ظاہر ہوں تو خزاں کا آخری وقت قریب آ جاتا ہے پس بیماریاں کم ہو جاتی ہیں اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا ظہور ہوا تو شرک اور قلبی بیماریاں کم ہو گئیں اور اگر ہم کہیں کہ اس سے قرآن مجید مراد ہے تو یہ آپ کے معجزہ کے ساتھ آپ کی صداقت اور برأت پر استدلال ہے اور یہ کہ آپ نہ بھٹکے اور نہ سرکش ہوئے اور اگر ہم اس سے سبزی مراد لیں تو اس سے جسمانی قوتوں اور ان کی صلاح کی سبزی مراد ہوگی اور عقلی قوت کی صلاح کے زیادہ لائق ہے اور یہ رسولوں اور راستوں کو واضح کرنے کے ذریعے ہوتی ہیں۔

اور غور کیجئے اللہ تعالیٰ نے کس طرح ارشاد فرمایا ”ما ضل صاحبکم“ اور ”ما ضل محمد“ نہیں فرمایا یہ ان

لوگوں پر حجت قائم کرنے کی تاکید ہے کہ آپ ان کے سامنے ہیں اور وہ لوگ آپ کو آپ کے حال، اقوال اور اعمال کو دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ جانتے ہیں اور انہیں معلوم ہے کہ آپ جھوٹ نہیں بولتے نہ سرکش ہیں اور نہ ہی بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ آپ پر ایک بات کا عیب بھی نہیں لگا سکتے اور اللہ تعالیٰ نے اس معنی کو اس آیت کے ذریعے بھی بتایا فرمایا:

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ؟ (المؤمنون: ۶۹) کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا؟

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی گفتگو کی پاکیزگی بیان فرمائی کہ وہ خواہش سے صادر نہیں ہوتی فرمایا:

وَمَا يَسْطِطُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم: ۳-۴) اور آپ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے بلکہ آپ کا کلام وحی ہوتا ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے۔

”عن الهوی“ فرمایا ”بالہوی“ نہیں فرمایا کیونکہ اس میں زیادہ بلاغت ہے اور یہ اس بات کو متضمن ہے کہ آپ کا کلام خواہش سے صادر نہیں ہوتا تو جب خواہش سے صادر نہیں ہوتا تو آپ اسے کیسے زبان پر لائیں گے پس اس کے ضمن میں دو باتیں ہیں کلام کے نکلنے کی جگہ سے خواہش کی نفی اور ذاتی طور پر بولنے کی نفی پس آپ کا کلام حق کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کی جائے صدور ہدایت اور رشد ہے سرکشی اور گمراہی نہیں۔

پھر ارشاد فرمایا:

إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم: ۴) یہ نہیں مگر وحی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

پس اس مصدر کی طرف جو فعل سے سمجھا گیا ضمیر لوٹائی گئی یعنی آپ کا بولنا وحی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی جاتی ہے تو ضمیر کو قرآن پاک کی طرف لوٹانے کے مقابلے میں یہ زیادہ بلیغ ہے کیونکہ آپ کا بولنا قرآن کے ساتھ بھی ہے اور سنت کے ساتھ بھی اور یہ دونوں وحی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (النساء: ۱۱۳) اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری۔

(النساء: ۱۱۳)

اور یہ قرآن اور سنت ہیں۔

امام اوزاعی (ابو عمرو عبد الرحمن بن عمرو اوزاعی متوفی ۱۵۷ھ) نے حضرت حسان بن عطیہ (عطیہ محارب) سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ پر سنت بھی اسی طرح نازل کرتے تھے جس طرح آپ پر قرآن پاک نازل فرماتے وہ آپ کو سنت سکھاتے تھے۔

(الاعلام ج ۳ ص ۳۲۰ نایات الامیان ج ۱ ص ۲۷۵ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۳۵ شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۳۱ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۷۰)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے وصف کی خبر دی جس نے وحی اور قرآن آپ تک پہنچایا کہ وہ شیطانی اوصاف کے خلاف اور اس کی ضد ہے کیونکہ شیطان گمراہی اور سرکشی کا معلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَلَّمَہُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ (النجم: ۵) انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

اور اس سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں یعنی آپ کی علمی اور عملی قوت نہایت مضبوط ہے اور اس میں شک نہیں کہ معلم کی تعریف، معلم کی تعریف ہوتی ہے۔

اگر یوں فرمایا ہوتا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو سکھایا اور ان کا وصف (شدید القوی) بیان نہ کیا جاتا تو اس سے نبی اکرم ﷺ کو ظاہر فضیلت حاصل نہ ہوتی اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے:

ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝

وہ قوت والے عرش والے کے نزدیک۔

(الشکویر: ۲۰)

اس پر بحث ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ جب نبی اکرم ﷺ کی آنکھ مبارک نے دیکھا تو دل نے آنکھ کی تصدیق کی اور آپ اس شخص کی طرح نہیں جو کسی چیز کو اس کے خلاف دیکھتا ہے تو اس کا دل اس کی آنکھ کو جھٹلاتا ہے بلکہ آپ نے جو کچھ اپنی آنکھ سے دیکھا دل نے اس کی تصدیق کی اور معلوم ہوا کہ وہ اسی طرح ہے۔ واقعہ معراج میں مزید گفتگو ہے جو میں (مصنف علیہ الرحمہ) نے اس مقام پر ذکر کی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

صداقت کتاب کی قسم

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَا أَقْسَمُ بِالْخُتَمِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنُزِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ بَالِغٍ الْهُدَى ۝ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ۝ (الشکویر: ۱۵-۲۵)

تو قسم ہے ان کی جو اُلے پھر میں سیدھے چلیں قسم رہیں اور رات کی جب پیٹھ دے اور صبح کی جب دم لے بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے اور تمہارے صاحب مجنون نہیں اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا اور یہ نبی غیب بتانے میں بخل نہیں اور قرآن مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں۔

یعنی میں قسم نہیں کھاتا کیونکہ معاملہ اس بات سے زیادہ واضح ہے کہ قسم کھائی جائے یا معنی یہ ہوگا کہ میں قسم کھاتا ہوں اور ”لا“ زائدہ تاکید کے لئے ہوگا اکثر مفسرین کا یہی قول ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝ (الواقعة: ۷۶) اور تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے۔

زختری نے کہا مناسب یہ ہے کہ ”لا“ نفی کے لئے ہو یعنی قسم کسی چیز کی بڑائی بیان کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے گویا حرف نفی کو داخل کرنے سے یوں فرمایا کہ میرا قسم کے ذریعے اس کی عظمت کو بیان کرنا نہ بیان کرنے کی طرح ہے کہ یہ اس سے اوپر کا اہل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی تینوں حالتوں یعنی طلوع ہونے، جاری ہونے اور غروب ہونے کی قسم کھائی رات کے چلے جانے اور اس کے بعد مصلیٰ دن کے آنے کی قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی کمزوری اور پیٹھ پھیرنے اور اس کی قوت اور آنے کا ذکر کیا کہ دن کے سانس لینے سے رات کا اندھیرا دور ہو جاتا ہے۔

پس جب وہ سانس لیتا ہے تو رات بھاگ جاتی ہے اور اس کے سامنے پیٹھ پھیر لیتی ہے اور یہ اس کی نشانیوں اور اس کی ربوبیت کے دلائل سے ہے کہ قرآن مجید رسول کریم کا قول ہے اور یہاں اس (رسول) سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ اس کے بعد قطعی طور پر ان کی صفت کا ذکر اس چیز کے ساتھ کیا جس کے ساتھ وہ آپ کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن ”الحاقہ“ میں جس رسول کریم کا ذکر ہے وہ حضرت محمد ﷺ ہیں پس قرآن مجید کی اضافت کبھی فرشتہ رسول کی طرف کی جاتی ہے اور کبھی بشری رسول کی طرف اور ان دونوں کی طرف اضافت (حقیقی اضافت نہیں بلکہ) تبلیغی اعتبار سے ہے کلام کا انشاء ان دونوں کی طرف سے نہیں (بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے) اور اس پر لفظ رسول دلالت کرتا ہے کیونکہ رسول اسے کہتے ہیں جو اپنے بھیجنے والے کا کلام پہنچاتا ہے۔

تو یہ اس بارے میں صریح ہے کہ اس ذات کا کلام ہے جس نے حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کو بھیجا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے لیا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے لیا۔ اور اس سورت (سورہ تکویر) میں اللہ تعالیٰ نے فرشتہ رسول کا وصف بیان کیا کہ وہ کریم ہیں جو سب سے بہترین عطیات یعنی علم، معرفت، ہدایت، نیکی اور رہنمائی دیئے گئے ہیں اور یہ انتہائی کرم ہے۔

وہ قوت والے ہیں جیسا کہ سورہ النجم میں فرمایا:

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ (النجم: ۵)

انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

تو وہ اپنی قوت سے شیطانوں کو اس (قرآن پاک) کے قریب آنے اور اس میں کمی زیادتی کرنے سے روکتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی چار بستیوں کو اپنے پردوں کے اگلے حصے پر اٹھایا حتیٰ کہ آسمان والوں نے ان کے کتوں اور بچوں کی آواز سنی۔

عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ (التکویر: ۲۰)

مالک عرش کے حضور عزت والا۔

یعنی آپ کا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ کو شرف اور عظمت حاصل ہے (جسمانی قرب مراد نہیں ہے):

مُطَاعٍ لِّمَ آوَيْنَ ۝ (التکویر: ۲۱)

اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے۔

یعنی ملائکہ مقربین میں ان کی اطاعت کی جاتی ہے وہ ان کے حکم سے جاتے اور واپس آتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور رسالت پر امین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو خیانت اور لغزش سے بچایا ہے (معصوم بنایا) تو یہ پانچ صفات ہیں جو قرآن پاک کی سند کے تزکیہ کو محضمن ہیں اور یہ کہ قرآن مجید کو حضرت محمد ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے سنا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے تمام جہانوں کو پالنے والے سے سنا۔

تو تمہارے لئے اس کی بلندی اور جلالت پر یہی سند کافی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکیزگی بیان کی پھر اپنے بشری رسول ﷺ کی ان باتوں سے پاکیزگی اور برأت بیان کی جو آپ کے دشمن آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۝ (التکویر: ۲۲)

اور تمہارا ساتھی مجنون نہیں۔

اور اس بات کو وہ لوگ جانتے تھے اور اس میں ان کو کوئی شک نہیں تھا۔ اگرچہ وہ اپنی زبانوں سے اس کے خلاف کہتے تھے

پس ان لوگوں کو اپنے جھوٹ کا علم تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا اس سے معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ ہیں اور خارج میں موجود ہیں جن کو آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے جب کہ ایک جماعت کا اس میں اختلاف ہے ان لوگوں کے نزدیک آپ کی حقیقت محض ایک خیال ہے جو ذہنوں میں موجود ہے ظاہر میں نہیں یہ وہ بات ہے جس میں ان لوگوں نے تمام انبیاء کرام اور ان کی اتباع کرنے والوں کی مخالفت کی اور اس طرح وہ تمام ادیان سے خارج ہو گئے۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ کے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنے کی تقریر آپ کے اپنے رب کو دیکھنے کی تقریر سے اہم ہے آپ کا جبریل علیہ السلام کو دیکھنا اصل ایمان ہے اس بات کا عقیدہ رکھے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور اس کا منکر قطعی طور پر کافر ہے لیکن اپنے رب کو دیکھنے کے بارے میں اختلاف ہے اس کا منکر بالاتفاق کافر نہیں ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے واضح طور پر فرمایا کہ آپ نے اپنے رب کی زیارت نہیں کی تو ہم حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنے کی تقریر کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی تقریر سے زیادہ محتاج ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنے سے زیادہ عظیم ہے کیونکہ نبوت کا ثبوت کسی صورت میں بھی اس پر موقوف نہیں (اللہ تعالیٰ کی زیارت پر موقوف نہیں)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں رسولوں (حضرت محمد ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام) کی پاکیزگی بیان کی ایک کلام کے ذریعے اور دوسرے کی بطور لزوم اور یہ پاکیزگی اس بات سے ہے جو مقصود رسالت کی ضد ہے یعنی چھپانا جو بخل ہے اور تبدیل کر دینا جو تہمت کو واجب کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝ (الکوثر: ۲۴) اور وہ (نبی اکرم ﷺ) غیب بتانے پر بخیل نہیں ہیں۔ کیونکہ رسالت کا مقصود دو باتوں سے پورا ہوتا ہے ایک یہ کہ کچھ چھپائے بغیر اس کو ادا کیا جائے اور دوسری بات اسے کسی کی زیادتی کے بغیر پہنچانا۔

اور دو قرأتیں دو آیتوں کی طرح ہیں جو ایک دوسرے کو مضمّن ہیں اور یہ ضاد کے ساتھ قرأت ہے یعنی بخل سے پاک اور مبرا ہونا کیونکہ ”ضنین“ کا معنی بخیل ہے کہا جاتا ہے ”ضننت به اضن“ میں نے اس سے بخل کیا میں اس سے بخل کرتا ہوں اور یہ ”بخلت ابخل“ کے وزن پر ہے اور اس کا ہم معنی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اتارا آپ اس میں بخل کرنے والے نہیں ہیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ آپ جو کچھ جانتے ہیں اس (کے بتانے) میں ان سے بخل نہیں فرماتے۔

اور اس پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہاں غیب سے قرآن اور وحی مراد ہے۔

فراء نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آسمان سے غیب آتا ہے اور آپ کو اس میں رغبت ہوتی ہے لیکن آپ اس کو تمہارے سامنے بیان کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے۔

اور یہ معنی نہایت عمدہ ہے کیونکہ نفوس کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نفیس چیزوں میں بخل سے کام لیتے ہیں خاص طور پر اس کو دینے سے جو اس کی قدر نہ جانتا ہو۔ اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ وحی کو تم تک پہنچانے میں بخل سے کام نہیں لیتے

حالانکہ یہ سب سے عمدہ اور اعلیٰ چیز ہے۔

ابوعلی الفارسی فرماتے ہیں معنی یہ ہے کہ آپ کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں تو ان کو بیان کرتے، خبر دیتے اور ظاہر کرتے ہیں اور اسے چھپاتے نہیں جس طرح نجومی اس بات کو چھپاتا ہے جو اس کے پاس ہوتی ہے جب تک اسے اجرت نہ دی جائے۔

بعض قرأتوں میں ”ظاء“ کے ساتھ ”بظنین“ پڑھا گیا ہے اس کا معنی ”تہمت لگایا ہوا“ ہے کہا جاتا ہے ”ضننت زیداً“ یعنی میں نے اس پر تہمت لگائی اور یہ ”ظن“ شعور اور ادراک کے معنی میں نہیں ہے وہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور معنی یہ ہے کہ اس نبی پر قرآن مجید کے حوالے سے تہمت نہیں لگائی جاسکتی بلکہ آپ اس میں امین ہیں اور آپ اس میں کمی زیادتی نہیں کرتے۔

اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس میں ضمیر ”ہو“ حضرت محمد ﷺ کی طرف لوثی ہے کیونکہ فرشتہ رسول کا امانت کے ساتھ موصوف ہونا پہلے گزر چکا ہے پھر فرمایا:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۝ (الشوریہ: ۲۲)

اور تمہارے صاحب مجنون نہیں ہے۔

پھر فرمایا اور وہ (مجنون) نہیں ہیں یعنی تمہارے صاحب پر تہمت بھی نہیں اور وہ بخیل بھی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے ان تمام نقائص کی نفی کی اور سند قرآن کا ترکیہ سب سے بڑا ترکیہ ہے اور اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے اور وہ سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔

قرآن کے وحی ہونے پر قسم

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَا أَفِيكُمْ بِمَا نُبْصِرُونَ ۝ وَمَا لَنَا
لِنُبْصِرُونَ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝
(الحاقة: ۳۸-۴۰) باتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کی قسم کھائی ان میں سے جن کو وہ دیکھتے ہیں اور جن کو نہیں دیکھتے اور قرآن پاک میں واقع ہونے والی یہ اہم قسم ہے کیونکہ علویات، سفلیات، دنیا اور آخرت جو کچھ دکھائی دیتا ہے اور جو کچھ دکھائی نہیں دیتا سب کو شامل ہے اس میں تمام فرشتے، جن انسان، عرش، کرسی اور سب مخلوق شامل ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ربوبیت کی نشانیوں میں سے ہے اس قسم کے ضمن میں یہ بات بھی ہے کہ جو کچھ دکھائی دیتا ہے یا دکھائی نہیں دیتا سب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی صداقت کی نشانی اور دلیل ہے نیز جو کچھ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کسی شاعر، مجنون یا نجومی کا کلام نہیں ہے نیز وہ حق ہے اور ثابت ہے جیسا کہ تمام موجودات چاہے وہ دکھائی دے یا دکھائی نہ دے۔

ارشاد خداوندی ہے:

قَوْرَبِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقُّ مَقْلٍ مَا
رَأَيْتُمْ تَنْطِقُونَ ۝ (الذاریات: ۲۳)
تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم یہ قرآن
حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔

گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک قرآن حق ہے جس طرح مخلوق جس کا تم مشاہدہ کرتے ہو یا نہیں کرتے وہ حق ہے موجود ہے اور جو کچھ انسان دیکھتا ہے اس سب کی جگہ اس کا نفس کافی ہے۔ اس کی تخلیق پروان چڑھنا اور جو غاہری اور باطنی احوال وہ دیکھتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اس کی صفات کے ثبوت اور جس بات کی اس کے رسول ﷺ نے خبر دی اس پر واضح دلیل ہے اور جو شخص اپنے دل کو چھینتا اس طرف نہیں لگتا اس کے دل میں ایمان کی خوشی نہیں آسکتی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی صداقت پر قطعی دلیل قائم فرمائی نیز آپ نے اللہ تعالیٰ پر جموٹ نہیں باندھا جیسا کہ وہ (مشرکین) کہتے ہیں اور اگر وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے اور اس کے بارے میں جھوٹی بات کہتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو برقرار نہ رکھتا اور جلد ہلاک کر دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت اور حکمت کا کمال یہ ہے کہ جو شخص اس پر افتراء باندھے اور جموٹ کہے وہ اسے برقرار نہیں رکھتا اس طرح اس شخص کو بھی باقی نہیں رکھتا جو اس کے بندوں کو گمراہ کرنے اور اپنے جھٹلانے والوں کے خون، عزت اور مال کو حلال قرار دے۔

تو وہ جو تمام حاکموں کا حاکم ہے اور سب سے بڑا قادر ہے اس کے شایان شان کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اسے اس بات پر برقرار رکھے بلکہ اس کے لائق کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی مدد کرے بلند مرتبہ عطا کرے اور اس کو ان پر غلبہ عطا کرے کہ وہ ان کا خون بہائے ان کے مالوں، اولاد، شہروں اور عورتوں کو مباح سمجھے یہ کہتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کا حکم دیا اور یہ کام میرے لئے مباح قرار دیا ہے بلکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لائق کیسے ہو سکتی ہے کہ وہ متعدد طریقوں سے اس کی تصدیق کرے اقرار کے ذریعے اس کی تصدیق کرے اور ان نشانیوں کے ذریعے جو اس کی صداقت کو مستلزم ہیں۔

پھر ان نشانیوں کے اختلاف کے باوجود ان کی تمام انواع کے ساتھ تصدیق کرے پس ہر نشانی الگ طور پر آپ کی تصدیق کرتی ہے پھر وہ قطعی دلائل قائم کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور آپ اس کے لئے اپنے اقرار، فعل اور قول سے شہادت دے۔

تو یہ بات بہت زیادہ محال اور سب سے زیادہ باطل ہے اور بڑا واضح بہتان ہے کہ احکم الحاکمین کے بارے میں افتراء باندھا جائے۔

یہاں رسول کریم سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے کیونکہ جب فرمایا ”انہ لبقول رسول کریم“ تو اس کے بعد ذکر فرمایا ”انہ لیس شاعر ولا کاهن“ اور مشرکین حضرت جبریل علیہ السلام کو شاعر اور کاهن نہیں کہتے تھے۔

اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

فَلَا أَقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۖ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّدُوِّ
تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۚ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۚ فَبِئْسَ كِتَابٌ
مَكْنُونٌ ۚ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۚ

(الواقعة: ۷۵-۷۹)

کہا گیا ہے کہ ”کتاب مکنون“ سے لوح محفوظ مراد ہے۔

ابن قیم نے کہا صحیح بات یہ ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے اور اس ارشاد خداوندی میں اسی کا ذکر ہے:

فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ قَرُوفَةٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝
ان صحیفوں میں کہ عزت والے ہیں بلندی والے پاکی
وَالْأَيْدِي سَفَرَةٌ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝ (العنبر: ۱۳-۱۶)
والے ایسوں کے ہاتھوں لکھے ہوئے جو کرم والے نیکی
والے ہیں۔

حضرت مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے اچھی بات جو اس سلسلے میں میں نے سنی ہے وہ اس کی مثل ہے جو سورہ
عنبر میں ہے فرماتے ہیں بعض مفسرین نے کہا مراد یہ ہے کہ مصحف کو صرف پاک آدمی ہاتھ لگا سکتا ہے لیکن پہلی بات زیادہ
ترجیح والی ہے (یعنی لوح محفوظ مراد ہے)۔

کیونکہ آیت کریمہ اس مقصد کے لئے لائی گئی کہ قرآن مجید کی اس بات سے پاکیزگی بیان کی جائے کہ اسے شیطان
لے کر اترتے ہیں۔ شیطان اس تک نہیں پہنچ سکتے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا تَنْزِيلُ يَوْمَ الشَّيْطَانِ ۝ وَمَا يَنْهَىٰ لَهُمْ
اور اس قرآن کو لے کر شیطان نہ اترے اور وہ اس
وَمَا يَسْطِيعُونَ ۝ (الشعراء: ۲۱۰-۲۱۱)
قابل نہیں اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

نیز ”لا یمسہ“ رفع کے ساتھ ہے اور یہ لفظ اور معنی خبر ہے۔

اگر یہ نہ ہو تو مفتوح ہوتا اور جنہوں نے اسے نہی پر محمول کیا ہے وہ خبر کو اس کے ظاہر سے نہی کے معنی کی طرف
پھرنے کے محتاج ہیں اور خبر اور نہی دونوں میں اصل یہ ہے کہ ان کو ان کی حقیقت پر محمول کیا جائے اور یہاں کلام کو خبر سے
نہی کی طرف پھرنے کا کوئی سبب نہیں ہے۔

یہ بات جو ابن قیم نے کہی ہے ایک جماعت نے اس سے استدلال کیا جن میں داؤد (ظاہری) بھی شامل ہے کہ
بے وضو کے لئے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔

ابن رفعہ نے ”الکفایہ“ میں ان لوگوں کے من گھڑت دلائل کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ نص سے یہ بات ثابت
ہے کہ قرآن پاک کو (طہارت کے بغیر) ہاتھ لگانا صحیح نہیں پس معلوم ہوا کہ اس سے وہ کتاب مراد ہے جو مذکورہ لوگوں کے
زیادہ قریب ہے اور نہی لوح محفوظ کی طرف متوجہ نہیں ہوتی کیونکہ لوح محفوظ کو اتارا نہیں گیا اور اسے ہاتھ لگانا ممکن بھی نہیں
اور یہ بھی ممکن نہیں کہ طہارت والوں سے فرشتے مراد ہوں کیونکہ یہاں نفی اور اثبات دونوں ہیں گویا فرمایا طہارت والے
اسے ہاتھ لگا سکتے ہیں اور جو طہارت کے بغیر ہیں وہ ہاتھ نہیں لگا سکتے اور اس بات پر اجماع ہے کہ آسمان میں ناپاک کوئی
نہیں ہے معلوم ہوا کہ یہاں پاک لوگوں سے انسان مراد ہیں اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے جو نبی اکرم
ﷺ سے مروی ہے آپ نے عمرو بن حزم کے خط میں فرمایا:

ولا تمس القرآن الا وابت علی طاهر۔
قرآن مجید کو طہارت کے بغیر ہاتھ نہ لگانا۔

(سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۲۲ رقم الحدیث: ۶۰ المسند رک ج ۳ ص ۲۸۵ المجم الکبیر ج ۳ ص ۲۳۰ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۷۶ نصب الراية
ج ۱ ص ۱۹۸ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۷ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۹)

اس حدیث کو امام دارقطنی وغیرہ نے نقل کیا پھر ابن رفعہ نے فرمایا اگر کہا جائے کہ واحدی نے کہا ہے کہ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک اس سے لوح محفوظ مراد ہے اور پاک لوگوں سے فرشتے مراد ہیں اور اگر تمہارا کہنا صحیح ہو تو بھی اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ ”لا یمسہ“ میں سین پر ضمہ (پیش) ہے اور یہ مراد سے نہیں نہیں اگر نہیں ہوتی تو سین پر فتح ہوتا پس یہ خبر ہے۔

ہم کہتے ہیں اکثر مفسرین کا قول دوسرے مفسرین کے قول سے ٹکراتا ہے اور رجوع دلیل کی طرف ہوتا ہے (اور اس سے استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ تضاد آ گیا)۔

اور آیت سے خبر مراد ہونے کا جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ لفظ خبر ہے اور معنی نہیں ہے اور قرآن مجید میں اس کی کئی مثالیں ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَا تُضَآرُّ وَالِدَتَا بَنِيكَ هَا (البقرہ: ۲۳۳) اور ماں کو بچے کی وجہ سے تکلیف نہ دی جائے۔

نیز فرمایا:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَكْنَ (البقرہ: ۲۲۸) اور طلاق والی عورتیں انتظار کریں (عدت گزاریں)۔

علامہ بساطی (ابوالحسن یوسف بن خالد بن نعیم بن مکرم البساطی متوفی ۸۲۹ھ) نے شیخ ظلیل کی مختصر کی شرح میں یوں جواب دیا کہ ”یمسہ“ مجزوم ہے اور سین کا ضمہ ضمیر کی وجہ سے ہے جیسا کہ ایک جماعت نے تصریح کی ہے انہوں نے کہا کہ یہ بصریوں کا مذہب ہے ان میں ابن حاسب بھی ہیں جنہوں نے اپنے شافیہ میں لکھا ہے۔

(الضوء الملامع ج ۱ ص ۱۰۲ نیل الايجاج ص ۳۵۳ معجم الموفقیین ج ۱ ص ۲۹۵)

علامہ شہاب الدین احمد بن یوسف بن محمد بن مسعود حلبی شافعی جو ”السمین“ کے لقب سے مشہور ہیں نے یہ بات زیادہ وضاحت اور فوائد کے ساتھ لکھی ہے انہوں نے کہا اس ”لا“ (لا یمسہ میں جو ”لا“ ہے) میں دو وجہ ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ نہی کے لئے ہے اور اس کے بعد فعل مجزوم ہے کیونکہ جب ادغام کھول دیا جائے تو اسی طرح ہوگا جیسا کہ ارشاد خداوندی: لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ (آل عمران: ۱۷۴) ان کو برائی نہ پہنچی۔ میں ہے لیکن یہاں ادغام ہوا اور جب ادغام ہوا تو اس کے آخر کو ضمہ کی حرکت دی اور یوں مذکر غائب کی ضمیر ”ہا“ کی وجہ سے ضمہ دیا گیا اور سیبویہ اس طرح کی صورت میں ضمہ دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

اَنَا لَمْ نَرِدْهُ عَلَيْكَ اِلَّا اَنَا حَرَمٌ۔ ہم اسے تمہاری طرف صرف اس لئے لوٹا رہے ہیں

کہ ہم حالت احرام میں ہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۔ ۷۱ مسوط امام مالک رقم الحدیث: ۳۵۳ مسند الشافعی ص ۸۲ اتہد ج ۹ ص ۵۲)

اگرچہ ظلیل کے طور پر لفظ دینا جائز ہے۔ حضرت سمین فرماتے ہیں جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس سے رد کرنے والوں کے رد کا فساد ظاہر ہو گیا کہ اگر یہ نہی ہوتی تو ”لا یمسہ“ فتح کے ساتھ ہوتا کیونکہ اس صورت میں ہاء سے پہلے ضمہ کا جواز ان لوگوں سے مخفی رہا خصوصاً سیبویہ کے نزدیک اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت جائز نہیں۔

۱۔ نبی اکرم ﷺ کو حضرت صعب بن جشمہ لیشی نے ایک جنگی دراز گوش ہدیہ کے طور پر دیا تو آپ نے رد کر دیا یہاں ”لم نردہ“ میں محمد ثن دال پر فتح پڑھتے ہیں لیکن محققین نحویوں کے نزدیک دال پر ضمہ ہے۔ (زرقاتی ج ۷ ص ۲۲۶)

اللہ تعالیٰ کا رسول اکرم ﷺ کی رسالت کے ثبوت پر قسم کھانا

ارشاد خداوندی ہے:

يَسْ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ
الْمُرْسَلِينَ ۝ (یس: ۱-۳)

حکمت والے قرآن کی قسم! بے شک آپ مرسلین

(رسولوں) میں سے ہیں۔

جان لو جس سورت کو اللہ تعالیٰ نے حروف تہجی سے شروع کیا اس کے شروع میں ذکر یا کتاب یا قرآن کا لفظ ہو تو وہ نون کی صورت ہوتی ہے۔ ۱۔ سوائے سورہ ”ن“ کے۔ ۲۔

پھر سورتوں کے شروع میں ان حروف کے ذکر میں کچھ ایسے امور ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ یہ حکمت سے خالی نہیں لیکن انسان کا علم اس حکمت تک نہیں پہنچ سکتا البتہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے یہ سربستہ راز کھول دے تو الگ بات ہے۔ مفسرین کا ”یس“ کے معنی میں اختلاف ہے اور اس سلسلے میں چند اقوال ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ ”اے انسان“ یہ قبیلہ بنو نضیر کی لغت ہے اور حضرت ابن عباس، حضرت حسن، حضرت عمرؓ، ضحاک اور سعید بن جبیر (رضی اللہ عنہم ورحمۃ اللہ علیہم) کا یہی قول ہے بعض نے کہا یہ جیشہ کی لغت ہے کہا گیا کہ بنو کلب کی لغت ہے اور کلبی نے نقل کیا کہ یہ سریانی زبان میں ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمایا اس کی تقریر یہ ہے کہ انسان کی تصغیر ”ایسین“ آتی ہے گویا اس کا شروع حذف کر کے پچھلا حصہ لے لیا گیا اور یس پڑھا گیا اس صورت میں نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہوگا جس پر ”انک لمن المرسلین“ کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں۔

ابو حیان نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اہل عرب سے انسان کی تصغیر ”ایسیان“ منقول ہے یعنی یاہ اور اس کے بعد الف ہے۔

پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس کی اصل انسیان ہے کیونکہ تصغیر الفاظ کو ان کے اصل کی طرف لوٹاتی ہے اور یہ بات معروف نہیں کہ انہوں نے اس کی تصغیر ”ایسین“ کہی ہو اور اگر ایسی صورت میں تصغیر مان لیں تو منادئ کا مبنی بر ضم ہونا ہی جائز ہو کیونکہ یہ منادئ ہے جس کی طرف توجہ کی جارہی ہے اس کے باوجود تصغیر جائز نہیں کیونکہ اس میں حقارت کا معنی پایا جاتا ہے اور نبوت کے حق میں یہ بات منع ہے۔

”ایسین“ نے فرمایا یہ آخری اعتراض صحیح ہے کیونکہ علماء کرام نے ضراحٹا فرمایا کہ جو اسماء شرعاً معظم ہیں ان کی تصغیر

۱۔ جیسے یہی سورت یسین اسی طرح ص والقرآن ذی الذکر الرحک آیات الکتاب وقرآن الہمین۔

۲۔ کیونکہ اس کے شروع میں کتاب ذکر اور قرآن کا واضح الفاظ میں ذکر نہیں لیکن یہ سطر دن سے مراد یکتون القرآن ہے۔

نہیں ہو سکتی اسی لئے جب ابن قتیبہ نے کہا کہ لفظ ”المہسن“ ”مؤمن“ سے مصغر ہے ہمزہ کو ہاء سے بدلا گیا ہے تو ان سے کہا گیا یہ بات کفر کے قریب ہے پس اس قائل کو بچنا چاہیے۔
 کہا گیا ہے کہ ”یس“ کا معنی ”یا محمد“ ہے ابن حنیفہ اور ضحاک نے یہ بات کہی ہے ایک قول کے مطابق جو ابو العالیہ نے کہا ہے اس کا معنی ”یا رجل“ ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ قرآن پاک کے ناموں میں سے ایک نام ہے یہ حضرت قتادہ کا قول ہے۔

حضرت ابو بکر و راق سے منقول ہے کہ اس کا معنی ”یا سید البشر“ ہے حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے ”یا سید“ مراد ہے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کیا گیا اور اس میں آپ کی تعظیم اور بزرگی بیان ہوئی جو مخفی نہیں ہے۔
 حضرت طلحہؓ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ یہ ایک قسم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ قسم کھائی اور یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔

حضرت کعب فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے اس کے ساتھ قسم کھائی کہ اے محمد ﷺ! بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں پھر فرمایا:
 وَالْقُرْآنَ الْحَكِيمَ ۝ اِنَّكَ لَمِّنْ
 الْمُرْسَلِينَ ۝ (یس: ۲-۳)
 حکمت والے قرآن کی قسم! بے شک آپ مرسلین میں سے ہیں۔

یہ کفار کا رد ہے جب انہوں نے کہا ”لست مرسلا“ (آپ رسول نہیں ہیں) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نام اور اپنی کتاب کی قسم کھا کر فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحی اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں آپ رسولوں میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ سیدھے راستے پر ہیں ایسا راستہ جو میز حائیس اور نہ حق سے پھرا ہوا ہے۔

حضرت نقاش نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی نبی کی رسالت کی قسم نہیں کھائی۔

فصل نمبر ۵

نبی اکرم ﷺ کی مدت حیات آپ کے زمانے اور آپ کے شہر کی قسم

آپ کی حیات طیبہ کی قسم

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَعَنَكَ اللَّهُمَّ لَقِي سَكْرَتَهُمْ بَعْمَهُونَ۔
 اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ

(الحجر: ۷۲) میں بھٹک رہے ہیں۔

”العمر“ اور ”العمر“ دونوں ایک ہیں لیکن قسم کے موقع پر کثرت استعمال کی وجہ سے عین پر فتح آتا ہے پس جب وہ قسم

کھاتے ہیں تو کہتے ہیں ”لعمرك القسم“ تیری عمر کی قسم ہے۔
نحوی کہتے ہیں ”لعمرك“ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور خبر محذوف ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ کی عمر کی
مجھے قسم ہے (لعمرك قسمی)۔

خبر کو حذف کر دیا گیا کیونکہ کلام میں اس پر دلیل پائی جاتی ہے اور قسم کے باب میں فعل حذف کر دیا جاتا ہے جیسے
”تَاللّٰہِ لَا فَعْلَہٗ“ اللہ کی قسم میں ضرور کروں گا معنی یوں ہے ”احلف باللہ“ میں اللہ کے نام کی قسم کھاتا ہوں تو لفظ
احلف (فعل) کو حذف کر دیا گیا کیونکہ مخاطب کو علم ہے کہ تم قسم کھا رہے ہو (عبدالرحمن بن اسحاق متوفی ۳۳۷ھ) زجاجی
نے کہا جس نے ”لعمرك اللہ“ کہا گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے باقی رہنے کی قسم کھائی اسی لئے مالکی اور حنفی حضرات فرماتے
ہیں کہ اس سے یقین منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ ”بقاء اللہ“ (اللہ تعالیٰ کا باقی رہنا) اس کی ذات کی صفات میں سے ہے اور
حضرت مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے الفاظ کے ساتھ قسم کھانا پسند نہیں امام شافعی اور اسحاق کہتے ہیں یہ الفاظ نیت کے
ساتھ قسم قرار پاتے ہیں اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے دونوں مذہب منقول ہیں لیکن ان کا راجح قول امام شافعی رحمہ اللہ
کے قول کی طرح ہے۔ (الاعلام ج ۳ ص ۲۹۹، فیات الاعیان ج ۱ ص ۲۷۸، بخاری ج ۱ ص ۲۹۷)

اس بات میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں مخاطب کون ہے تو اس سلسلے میں دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ جب حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو وعظ فرمایا۔

اور ارشاد فرمایا:

هٰؤُلَاءِ بَنَاتِیْ اِنْ کُنْتُمْ فَاعِلِیْنَ ۝ (الحجر: ۷۱)

یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں اگر تم نے یہ کام کرنا ہی

ہے۔

تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا:

لَعَمْرُکَ اِنَّہُمْ لَفِیْ سَکْرَتٍ مِّنْہُمْ یَعْمَہُوْنَ ۝

اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے

(الحجر: ۷۲) نشے میں بھٹک رہے ہیں۔

یعنی حیران پریشان ہیں تو آپ کی بات کو کیسے سمجھیں گے اور آپ کی نصیحت کی طرف کیسے متوجہ ہوں گے؟

دوسرا قول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی ہے اس میں آپ کے
شرف عظیم مقام رفیع اور جاہ و مرتبہ کی عظمت کو بیان کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کسی نفس کو پیدا نہیں فرمایا جو اس کے ہاں حضرت محمد ﷺ
سے زیادہ مکرم و معظم ہو اور میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے علاوہ کسی کی زندگی کی قسم کھائی ہو۔ ارشاد خداوندی ہے:

لَعَمْرُکَ اِنَّہُمْ لَفِیْ سَکْرَتٍ مِّنْہُمْ یَعْمَہُوْنَ ۝

اے محبوب! تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشے

(الحجر: ۷۲) میں بھٹک رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کی زندگی آپ کی عمر اور دنیا میں آپ کے باقی رہنے کی قسم بے شک یہ لوگ اپنے نشے میں بھٹکتے
پھرتے ہیں۔ ابن جریر نے اسے روایت کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ میں نے نہیں سنا اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں جس کلام کی تلاوت ہوتی ہے اسے میں نے سنا (لیکن اس میں کسی کے نام کی قسم نہیں ملی)۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ان الفاظ میں ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی سوائے آپ کی حیات طیبہ کے اور آپ کے علاوہ کسی ایک کی زندگی کی قسم نہیں کھائی اور یہ قسم اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے زیادہ معزز ہیں اس بنیاد پر نبی اکرم ﷺ کی زندگی کی قسم حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ میں جملہ مترنمہ کے طور پر (ضمنی طور پر) آئی ہے۔ (تقریباً ۳۵ ص ۳۵)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی حیات طیبہ کی قسم کھاتا ہے تو اس نے ہمارے لئے وضاحت کا ارادہ فرمایا کہ ہمارے لئے بھی آپ ﷺ کی حیات طیبہ کی قسم کھانا جائز ہے۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص نبی اکرم ﷺ کے نام کی قسم کھاتا ہے اس کی قسم منعقد ہو جاتی ہے اور اس قسم کو توڑنے کی وجہ سے کفارہ لازم ہو جاتا ہے انہوں نے اس کی دلیل اس طرح دی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کلمہ شہادت کے دور کنوں میں سے ایک رکن ہیں۔

ابن خویر منداد (ابو بکر محمد بن احمد) نے فرمایا کہ جو لوگ نبی اکرم ﷺ کے نام کی قسم کھانا جائز سمجھتے ہیں ان کا استدلال یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے لوگوں کا طریقہ جاری ہے کہ وہ آپ کے نام کی قسم کھاتے ہیں حتیٰ کہ آج تک اہل مدینہ سے کوئی جھگڑتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے میرے لئے اس حق کی قسم کھاؤ جو اس قبر والے کو حاصل ہے یا اس قبر میں آرام فرماؤ اس کے حق کی قسم کھاؤ اور اس سے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں۔

نوٹ: جمہور فقہاء کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کے نام یا حیات طیبہ کے ساتھ قسم کھانا جائز نہیں اور نہ ہی اس سے کفارہ لازم آتا ہے۔ (زر قانی ج ۷ ص ۲۳۲)

آپ کے شہر پاک کی قسم

ارشاد خداوندی ہے:

لَا أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ۚ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ ۚ (البکہ: ۲)

مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب! اس شہر میں تم تشریف فرما ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بلد امین یعنی مکہ مکرمہ کی قسم کھائی جو تمام بستیوں کی اصل اور نبی اکرم ﷺ کا شہر ہے اور آپ کی وہاں موجودگی کی قید لگائی (وانت حل بہذا البلد فرمایا) تاکہ آپ کی فضیلت کی عظمت ظاہر ہو اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مکان کا شرف کمین کے شرف سے ہوتا ہے یہ بات امام بیضاوی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔

پھر والد اور اولاد کی قسم کھائی اور جیسا کہ کہا گیا کہ والد سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام مراد ہیں اور ولد سے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں تو اس بنیاد پر یہ دو جگہوں پر آپ کی قسم کو مضمّن ہے یہ بھی کہا گیا کہ اس سے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد مراد ہے جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی قسم اس لئے کھائی کہ زمین پر یہ سب سے زیادہ عجیب اور پسندیدہ مخلوق ہے کیونکہ ان کو

بیان اور غور و فکر نیز علوم کے استخراج کی صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا گیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور اس کے دین کی مدد کرتے ہیں اور زمین جو مخلوق بھی ہے وہ انہی کے لئے پیدا کی گئی۔

اس بنیاد پر یہ قسم تمام جگہوں کی اصل اور تمام سکونت پذیر لوگوں کی اصل کو شامل ہے کیونکہ تمام شہروں کی اصل مکہ مکرمہ اور تمام انسانوں کی اصل حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

ارشاد خداوندی ”وانت حل بهذا البلد“ حلول سے بنا ہے جو ”ظعن“ کی ضد ہے ظعن کا معنی کوچ کرنا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا اپنے شہر کی قسم کھانا اس کے بندہ خاص اور رسول ﷺ کو بھی شامل ہے پس یہ سب سے بہترین جگہ ہے اور یہ اس کے پسندیدہ بندوں پر بھی مشتمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو لوگوں کی رہنمائی کا ذریعہ بنایا اور اپنے نبی ﷺ کو امام اور ہادی بنایا اور یہ اس کا اپنی مخلوق پر بہت بڑا احسان اور بہت بڑی نعمت ہے۔

یہ بھی کہا کہ ”انت حل“ کا معنی یہ ہے کہ آپ کو قتل کرنا اور اس امین شہر سے نکالنا لوگوں نے حلال قرار دیا حالانکہ اس میں پرندوں اور وحشی جانوروں کو بھی امن ملتا ہے لیکن آپ کی قوم نے اس میں آپ کی حرمت و عزت کو توڑنا حلال جانا۔ یہ قول حضرت شرحبیل بن سعد سے مروی ہے۔

- حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”وانت حل“ کا معنی یہ ہے کہ آپ گناہ کرنے والے نہیں ہیں اور آپ مکہ مکرمہ میں جس کو چاہیں قتل کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ اور وہاں کے رہنے والوں پر آپ کو فتح عطا فرمائی اور آپ سے پہلے کسی کو بھی یہ فتح حاصل نہیں ہوئی پس آپ نے جس کے لئے چاہا اس کا خون بہانا حلال کیا اور جسے چاہا حرام قرار دیا۔ پس ابن حنبل کو اس وقت قتل کرنے کا حکم دیا جب وہ کعبہ شریف کے پردوں سے لٹکا ہوا تھا اور ابوسفیان کے مکان کو پناہ گاہ قرار دیا۔

سوال: یہ سورت کی ہے اور ”انت حل بهذا البلد“ حالت کی خبر ہے اور واقعہ جو ذکر کیا گیا یہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی آخری مدت سے متعلق ہے تو دونوں باتوں کو کیسے جمع کیا جاسکتا ہے؟
جواب: بعض اوقات لفظ حال کے لئے ہوتا ہے اور مستقبل کا معنی دیتا ہے جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

اَنْتَ مَيِّتٌ وَرَآئَهُمْ مَّيِّتُونَ (الزمر: ۳۰) بے شک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔ جو بھی صورت ہو یہ رسول اکرم ﷺ کے شہر مبارک کی قسم کو شامل ہے اور اس میں جس قدر تعظیم ہے وہ مخفی نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی فضیلت اس درجہ کو پہنچی ہے کہ اس نے آپ کی حیات طیبہ کی قسم کھائی دیگر انبیاء کرام کی زندگیوں کی قسم نہیں کھائی اور آپ کی فضیلت کا عالم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مبارک پاؤں کی خاک کی بھی قسم کھائی اور فرمایا ”لَا اَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ“۔

آپ کے زمانہ مبارکہ کی قسم

ارشاد خداوندی ہے:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝

اس زمانہ محبوب کی قسم! بے شک انسان نقصان میں

(العصر: ۱-۲) ہے۔

عصر کی تفسیر میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس سے زمانہ مراد ہے کیونکہ وہ عجیب باتوں پر مشتمل ہوتا ہے زمانے میں آسانی، تکلیف، صحت اور بیماری پائی جاتی ہے ایک قول یہ ہے کہ اس عصر کا ذکر ہے جس کے گزرنے سے تمہاری عمر ختم ہو جاتی ہے اگر اس کے مقابلے میں اعمال کا کسب نہ ہو تو وہ بعینہ نقصان ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

انبالفرح بالایام نقطعہا وکل یوم مضی نقص من الاجل
”ہم اس زندگی پر جو گزرتی ہے خوش ہوتے ہیں حالانکہ جو دن گزرتا ہے اس کی وجہ سے زندگی کم ہو جاتی ہے۔“

امام فخر الدین رازی کی تفسیر اور تفسیر بیضاوی نیز دیگر تفاسیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک کی قسم کھائی ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مفسرین نے نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا ہے آپ نے فرمایا۔

تمہاری اور تم سے پہلے لوگوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کچھ مزدوروں کو اجرت پر لیا اور کہا کہ کون شخص میرے لئے فجر سے ظہر تک ایک قیراط (دینار کا چوبیسواں حصہ) پر عمل کرے گا؟ پس یہودیوں نے عمل کیا پھر کہا کون ہے جو ظہر سے عصر تک ایک قیراط کے بدلے کام کرے گا؟ تو عیسائیوں نے عمل کیا پھر فرمایا کون ہے جو عصر سے مغرب تک دو قیراط کے بدلے عمل کرے گا تو تم نے عمل کیا اس پر یہودیوں اور عیسائیوں کو غصہ آیا اور انہوں نے کہا ہمارا کام زیادہ ہے اور اجرت کم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہارے ثواب میں سے کچھ کم کیا گیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہوں عطا کروں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (اے میرے امتیو!) پس تمہارا عمل کم اور ثواب زیادہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۶۸-۲۲۶۹ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۸۲۰ مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۱) علماء کرام فرماتے ہیں یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عصر سے نبی اکرم ﷺ کا زمانہ مراد ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کے زمانے کی قسم کھائی اور ”وانت حل بهذا البلد“ میں آپ کے مکان کی اور ”لعمرك“ میں آپ کی عمر کی قسم کھائی ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے آپ کے زمانے، شہر اور عمر کی قسم ہے اور یہ تین چیزیں آپ کے لئے ظرف کی طرح ہیں پس جب ظرف کی تعظیم واجب ہے تو مظروف کا کیا حال ہوگا؟ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قسم کی وجہ یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب وہ آپ سے اعراض کریں تو ان کا کتنا بڑا نقصان ہے؟

(اسی لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ نے فرمایا۔)

قالہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

ٹھو کریں کھاتے پھر وگے ان کے در پر پڑ رہو

چھٹی نوع

اللہ تعالیٰ کا آپ کو نور اور سراج منیر سے موصوف کرنا

جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد گرامی:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ○ بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور

(المائدہ: ۱۵) روشن کتاب آگئی۔

میں اپنے رسول ﷺ کی صفت ”نور“ بیان فرمائی ایک قول یہ ہے کہ اس (نور) سے قرآن مجید مراد ہے۔

نیز آپ کو سراج منیر (روشن چراغ) بھی قرار دیا۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ○ بے شک ہم نے آپ کو شاہد، خوشخبری دینے والا، ڈر
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ○ سنانے والا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا

(احزاب: ۴۵-۴۶) اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ واضح طور پر ہدایت دینے والے ہیں جس طرح چراغ کی روشنی میں راستہ دکھائی دیتا ہے اور
آپ رشد و ہدایت کو واضح اور بیان کرتے ہیں تو آپ کا بیان سورج کی روشنی سے زیادہ طاقتور، مکمل اور زیادہ نفع بخش ہے
پس جب صورت حال یہ ہے تو ضروری ہوا کہ آپ کا نفس قدسیہ نورانیت میں سورج سے بڑھ کر ہو پس جس طرح سورج
جسموں کی دنیا میں دوسروں کو روشنی کا فائدہ دیتا ہے اور دوسروں سے فائدہ حاصل نہیں کرتا اسی طرح نبی اکرم ﷺ بشری
نفوس کو عقلی انوار کا فائدہ دیتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورج کو سراج قرار دیا اور فرمایا:

وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ○ اور اس نے ان (برجوں) میں چراغ رکھا اور روشن

(الفرقان: ۶۱) چاند۔

اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کا وصف نور بیان کیا اپنی ذات مقدسہ کو بھی نور قرار دیا۔ فرمایا:

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ○ (النور: ۳۵) اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

پس زمین، آسمان میں جو روشنی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی (کا نور) ہے اور اس کا نور قدسی وجود، حیات، جمال اور عالم کو وجود
میں لانا ہے وہی ہے جو عالم پر چکا تو روحانی علم والوں پر چکا اور وہ فرشتے ہیں پس روشن چراغ بن گئے ان سے نیچے والے
اللہ تعالیٰ کے وجود و کرم سے ان چراغوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں پھر یہ نور انسانی نفوس کی دنیا کی طرف سرایت کر گیا پھر
نفوس نے اس کو جسموں کے کناروں پر ڈالا تو حقیقی وجود اللہ تعالیٰ کے نور ہی کا ہے جو ہر چیز میں اس کی قبولیت استعداد اور
قوت قبول کے مطابق جاری ہے۔

۱۔ قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں ہمارے علماء نے فرمایا کہ آپ ﷺ کو سراج کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک سراج (چراغ) سے سیکڑوں چراغ
روشن کئے جاسکتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی روشنی کم نہیں ہوتی اسی طرح عبادات کے چراغ، نبی اکرم ﷺ کے چراغ سے لئے جاتے
ہیں لیکن آپ کے اجر میں کوئی کمی نہیں آتی۔ (ذرقانی ج ۶ ص ۲۳۷)

اصل میں نور ایک ایسی کیفیت کا نام ہے کہ دیکھنے والا پہلے اس کا ادراک کرتا ہے اور اس کے واسطے سے تمام چیزوں کو جن کا دیکھے جانے سے تعلق ہے دیکھتا ہے جس طرح دو چمکنے والوں یعنی سورج اور چاند کی کیفیت کا فیضان ان دونوں کے مقابل کثیف جسموں پر ہوتا ہے اس معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کا اطلاق تقدیر مضاف کے بغیر نہیں ہو سکتا جیسے تم کہتے ہو ”زید کرم“ تو اس کا معنی ہے ”زید ذو کرم“ (زید کرم والا ہے) یا اس کا معنی ہے ”منور السموت و الارض“ (وہ آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے) اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آسمانوں اور زمین کو ستاروں اور ان سے نکلنے والے انوار نیز فرشتوں اور انبیاء کرام کے ساتھ روشن کیا جس طرح کوئی رئیس جو تدبیر میں فائق ہو تو کہا جاتا ہے ”نور القدر“ اسی نے قوم کو روشن کر دیا کیوں کہ وہ لوگ امور میں اس سے ہدایت حاصل کرتے ہیں حضرت علی بن ابی طالب زید بن علی اور ان کے علاوہ حضرات کی قرأت بھی اس معنی پر دلالت کرتی ہے وہ فعل ماضی کے ساتھ ”نور“ پڑھتے ہیں اور لفظ ”الارض“ پر نصب پڑھتے ہیں۔ یعنی ”نور السموت و الارض“ اس نے آسمانوں اور زمین کو منور کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول ”مثل نورہ“ کا معنی ”اس کی ہدایت کی مثال“ ہے نور کی اضافت آسمانوں اور زمین کی طرف یا تو اس لئے ہے کہ اس کی چمک بڑی وسیع ہے اور اس کی روشنی اس قدر چمکتی ہے کہ آسمان اور زمین روشن ہو گئے یا اس سے آسمان اور زمین والے مراد ہیں کہ وہ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ قلب مصطفیٰ ﷺ میں ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے قدیل میں چراغ ہو پس مشکوٰۃ حضرت عبد اللہ کا سینہ (پشت کا لفظ زیادہ مناسب ہے) اور زجاجہ (قانون) نبی اکرم ﷺ کے جسم اقدس کی نظیر المصباح ایمان اور نبوت جو نبی اکرم ﷺ کے قلب مبارک میں ہے۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں مشکوٰۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظیر زجاجہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نظیر مصباح نبی اکرم ﷺ کے جسم اقدس اور شجرۃ سے نبوت و رسالت مراد ہے۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں مشکوٰۃ سے نبی اکرم ﷺ کا بطن اقدس اور زجاجہ سے آپ کا قلب مبارک مراد ہے اور مصباح وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے قلب مبارک میں رکھا حضرت کعب اور ابن جبیر فرماتے ہیں دوسرے نور سے یہاں نبی اکرم ﷺ مراد ہیں۔ (الاعلام ج ۱ ص ۱۹۱ شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۹۲)

حضرت سہیل بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا نور اقدس جو پشتوں میں بطور امانت رکھا گیا وہ مشکوٰۃ کی طرح ہے جس کی صفات وہ ہیں جو بیان ہوئیں اور مصباح سے آپ کا دل اور زجاجہ سے آپ کا سینہ مبارک مراد ہے گویا وہ ایک چمکتا ستارہ ہے جس میں ایمان و حکمت ہے وہ ایک مبارک درخت سے روشن ہوتا ہے اس سے نور ابراہیم علیہ السلام مراد ہے اور شجرہ مبارکہ سے مثال دی گئی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

يَكَادُ زَيْتُهَا يُبْصِرُ (النور: ۳۵)

قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے۔

یعنی قریب ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت آپ کے کلام سے پہلے لوگوں کے لئے ظاہر ہو جائے۔

یہ آخری قول قاضی ابوالفضل الجہمی اور امام فخر الدین نے بیان کیا لیکن امام رازی نے اسے حضرت کعب احبار سے

نقل کیا (حضرت بہل بن عبد اللہ سے نہیں)۔

حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے کہ قریب ہے حضرت محمد ﷺ وحی سے پہلے حکمت بھری گفتگو فرمائیں یہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔
شاعر نے کہا:

لو لم تكن فيه آيات مبينة كانت بدیهته تنبیک بالخبر

”اگر آپ میں روشن نشانیاں نہ بھی ہوں تو بھی آپ کا ظاہر تمہیں خبر دے دیتا۔“

لیکن پہلی تفسیر مختار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ سے پہلے فرمایا:

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ. اور بے شک ہم نے تمہاری طرف روشن آیات نازل

(النور: ۳۴) فرمائیں۔

پس جب ”مثل نورہ“ سے ”مثل ہدایہ“ (آپ کی ہدایت کی مثال) مراد ہوگی تو یہ پہلی آیت کے موافق ہوگی۔

اس تشبیہ میں اختلاف ہے۔ یا یہ جملہ کی جملہ سے تشبیہ ہے جزء کی جزء سے تشبیہ یا ایک چیز کا دوسری چیز سے مقابلہ مقصود نہیں یا اس کا قصد کیا گیا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا نور جو ہدایت ہے نیز ہر مخلوق میں اس کی مضبوط صفت اور روشن براہین کی مثال۔ یہ سب اس نور کی طرح ہے جسے تم اس صفت پر پاتے ہو جو صفت اس نور کی سب سے زیادہ بلیغ ہے جو لوگوں کے سامنے ہے یعنی واضح ہونے میں اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال اس کی طرح ہے جو تمہارا منہضی ہے اے انسانو!

کہا گیا ہے کہ یہ تشبیہ مفصل ہے جزء جزء کے مقابل ہے جو ان تین اقوال پر لوٹائی گئی۔

یعنی حضرت محمد ﷺ کے سلسلے میں اس کے نور کی مثال یا مؤمنوں کے بارے میں یا قرآن اور ایمان کے بارے میں (اس کے نور کی مثال) مشکوٰۃ کی طرح ہے پس مشکوٰۃ سے رسول اکرم ﷺ یا آپ کا سینہ مراد ہے اور چراغ سے نبوت اور آپ کا وہ علم اور ہدایت مراد ہے جو اس نبوت سے متصل ہے اور زجلہ سے آپ کا قلب اقدس مراد ہے شجرہ مبارکہ سے وحی اور وہ فرشتے مراد ہیں جو آپ کی طرف بھیجے گئے اور اس کے ساتھ فضیلت کو زیتون کے تیل سے تشبیہ دی اور وہ حجتیں دلائل اور آیات ہیں جن پر وحی مشتمل ہے اور اگر مؤمنین مراد ہوں تو مشکوٰۃ سے مؤمن کا سینہ مصباح سے ایمان اور علم زجلہ سے اس کا دل اور شجرہ مبارکہ سے قرآن مجید مراد ہے اور زیتون سے وہ دلائل اور حکمت مراد ہے جو اس قرآن مجید میں پائی جاتی ہے۔
اور اگر اس سے ایمان اور قرآن مجید مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ مؤمن کے سینے اور دل میں ایمان اور قرآن مشکوٰۃ کی طرح ہے۔

اور مؤمنین مراد لینے کی صورت میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت جو بعض تفاسیر میں مذکور ہے ضمیر کے بارے میں اشکال ہے کیونکہ وہ مفرد ہے (اور مؤمنین جمع کا صیغہ ہے)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ ضمیر مؤمنین کی طرف لوٹی ہے اور ان کی قرأت میں ”مثل نور المؤمنین“ ہے اور ان سے ایک روایت یوں ہے کہ اس کے نور کی مثال جو آپ پر ایمان لایا۔ حضرت حسن رحمہ اللہ سے

مروی ہے کہ یہ ضمیر قرآن مجید اور ایمان کی طرف لوٹتی ہے۔

ساتویں نوع

وہ آیات جو نبی اکرم ﷺ کی اطاعت اور آپ کی سنت کی اتباع پر مشتمل ہیں

ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ
اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم
(الانفال: ۲۰) مانو۔

اور ارشاد فرمایا:

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ
اور اللہ تعالیٰ اور (اس کے) رسول ﷺ کا حکم مانو
(آل عمران: ۱۳۲) تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

نیز ارشاد فرمایا:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ
آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ اور (اس کے) رسول
ﷺ کا حکم مانو پس اگر تم پھر جاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ
(آل عمران: ۳۲) کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو اپنے رسول ﷺ کی فرمانبرداری قرار دیا اور
اپنی اطاعت کو حضور علیہ السلام کی اطاعت کے ساتھ ملایا اور اس پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا اور اس کی مخالفت پر عذاب
عذاب سے ڈرایا۔

ارشاد خداوندی ہے:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ
جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تحقیق اس نے
(النساء: ۸۰) اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

یعنی جس نے رسول ﷺ کا حکم مانا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس کے احکام مخلوق تک پہنچاتے ہیں پس وہ شخص
درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی کرتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ تَوَلَّىٰ لِمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا
اور جو پھر جائے تو ہم نے آپ کو ان پر حفاظت کرنے
(النساء: ۸۰) والا (بنا کر) نہیں بھیجا۔

پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ راہ حق سے اندھا کر دے اور راستے سے بھٹکا دے تو مخلوق میں سے کوئی بھی اس کو ہدایت دینے پر
قادر نہیں۔

اور یہ آیت اس بات پر مضبوط ترین دلیل ہے کہ رسول ﷺ تمام اوامر و نواہی میں اور جو کچھ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچا رہے ہیں سب میں خطاء سے معصوم ہیں کیونکہ اگر ان باتوں میں سے کسی میں آپ سے خطا ہو جائے تو آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہوگی۔

نیز یہ بات بھی لازم ہے کہ آپ اپنے تمام افعال (اور احوال) میں معصوم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "واتبعوه" فرما کر آپ کی اتباع کا حکم دیا اور اتباع کسی دوسرے کے فعل جیسا عمل کرنے کا نام ہے پس ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کے تمام اقوال و افعال میں سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے۔ البتہ جو اعمال آپ کے ساتھ مخصوص ہیں (ان کا حکم الگ ہے) تو یہ اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکم کے سامنے جھکنا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالتَّرْسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالْقِدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ. (النساء: ۶۹)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء کرام صدیقین شہداء اور صالحین۔

اور یہ حکم تمام اطاعت گزار لوگوں کو شامل ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں یا آپ کے بعد کے لوگ اور یہ معیت بھی عام ہے اس دنیا میں بھی سب کو شامل ہیں اگرچہ بدلی معیت نہ ہو۔

اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے تھے ایک دن حاضر ہوئے تو چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا اور جسم میں بیماری معلوم ہو رہی تھی نیز چہرے پر غم کے آثار تھے نبی اکرم ﷺ نے ان کی حالت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی تکلیف نہیں لیکن آپ کی زیارت نہ کرنے کی وجہ سے مجھے سخت مشقت اور وحشت کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ آپ سے ملاقات ہو گئی تو مجھے آخرت کی یاد آ گئی کہ وہاں میں آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا کیونکہ جب میں جنت میں داخل ہوں گا تو آپ نبیوں کے درجات میں ہوں گے اور اگر میں جنت میں نہ گیا تو آپ کو بھی نہیں دیکھ سکوں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوالفضلی سے اور انہوں نے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں آپ سے جدا ہونا مناسب نہیں اور اگر آپ کا وصال ہو گیا تو آپ کو ہم سے بلند مرتبہ مل جائے گا اور ہم آپ کی زیارت نہیں کر سکیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مرسل مروی ہے فرماتے ہیں ایک نوجوان بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! دنیا میں ہم آپ کی زیارت کر لیتے ہیں اور جنت میں آپ کو دیکھ نہیں سکیں گے کیونکہ جنت میں آپ بلند درجات میں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اس پر نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا:

انت معی فی الجنة. تم جنت میں میرے ساتھ ہو گے۔

۱۔ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو جسمانی طور پر ان انعام یافتہ لوگوں کی معیت حاصل نہیں ہوتی اور انہوں نے وہ زمانہ نہ پایا ان کو ان کی روحانی معیت اور فیض حاصل ہوتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی

(الدر المنثور ج ۳ ص ۳۷۱ تاریخ دمشق ج ۶ ص ۲۰۳ العلل المتباہیہ ج ۱ ص ۲۱۵)

اس سلسلے میں کچھ دیگر روایات بھی ہیں جو ان شاء اللہ آپ کی محبت کے بیان میں آئیں گی۔ لیکن محققین نے فرمایا کہ ان روایات کی صحت کا انکار نہیں کیا جاسکتا البتہ واجب ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب اس سے بھی کوئی بڑی بات ہو اور وہ اطاعت پر ابھارنا اور اس کی ترغیب ہے ہم جانتے ہیں کہ خصوصی سبب لفظ کے عموم میں خرابی پیدا نہیں کرتا پس یہ آیت تمام مکلفین کے حق میں عام ہے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کا حکم مانے اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے اس نے بلند درجات اور باعث شرف مراتب کو بارگاہ خداوندی سے حاصل کر لیا۔

پھر اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”ومن يطع الله والرسول“ کا ظاہر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حکم مان لینا کافی ہے کیونکہ وہ لفظ جو صفت پر دلالت کرتا ہے جانب ثبوت میں اس قسم کی ایک مرتبہ حصول کے لئے کافی ہوتا ہے لیکن ضروری ہے کہ اسے ظاہر کے غیر پر محمول کیا جائے اور تمام مامورات کی بجا آوری اور تمام منہیات سے رکنا ہی اطاعت قرار پائے کیونکہ اگر ہم اسے ایک بار اطاعت پر محمول کریں تو اس میں فاسق اور کفار بھی داخل ہو جائیں گے کیونکہ بعض اوقات وہ ایک آدھ بار اطاعت کر ہی لیتے ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اصول فقہ میں ثابت ہے کہ جو حکم صفت کے بعد مذکور ہوتا ہے وہ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ وہ حکم اس صفت سے معلل ہے اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں ”من يطع الله“ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کے معبود ہونے کی وجہ سے کرے اور معبود ہونے کے باعث اطاعت اس کی جلالت، عزت، کبریائی اور حمدیت کی معرفت ہے تو یہ اس معاد (آخرت) کے احوال میں سے دو عظیم باتوں پر تنبیہ ہوگی۔

پہلی بات یہ کہ قیامت کے دن تمام سعادتوں کا نشا اللہ تعالیٰ کی معرفت کے انوار سے روح کا روشن ہونا اور چمکنا ہے پس جس کے دل میں یہ انوار زیادہ ہوں گے اور دل کی صفائی زیادہ ہوگی وہ سعادت کے زیادہ قریب ہوگا اور نجات کے ذریعے کامیابی تک اس کی رسائی زیادہ ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ذکر فرمایا اور وعدہ کیا کہ اطاعت گزار لوگوں کے لئے بہت بڑا اجر اور بہت زیادہ ثواب ہے۔ پھر اس آیت میں ان کے ساتھ وعدہ کا ذکر کیا کہ وہ انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کے انبیاء کرام اور صدیقین کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی درجہ میں ہوں گے کیونکہ اس طرح فاضل اور مفضل کے درجہ میں برابری لازم آتی ہے اور یہ جائز نہیں پس مراد یہ ہے کہ وہ بھی جنت میں ہوں گے اور یہ بھی لیکن اس طرح کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اگرچہ مکان کے اعتبار سے دور ہوں کیونکہ جب پردہ زائل ہو جائے گا تو وہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور جب دیکھنے اور ملاقات کا ارادہ کریں گے تو اس پر قادر ہوں گے اس معیت سے یہی مراد ہے اور نبی اکرم ﷺ سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

آدئی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے محبت کرتا ہے۔

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ.

آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان بالمدينة اقواما ما سرتهم مسيرا ولا
نزلتم منزلا الا وهم معكم حبسهم العذر.
مدینہ طیبہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم کسی راستے پر
نہیں چلتے اور کسی منزل پر نہیں اترتے مگر وہ تمہارے ساتھ
ہوتے ہیں ان کو عذر دینے روک رکھا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۶۳-۲۷۶۵)

پس حقیقی معیت اور حقیقی محبت دل اور روح کے ساتھ ہوتی ہے محض بدن کے ساتھ نہیں پس یہ دل کے ساتھ ہوتی ہے، جسم
کے ساتھ نہیں اسی لئے نجاشی بادشاہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اور آپ کے سب سے زیادہ قریب تھا حالانکہ وہ سرزمین
حبشہ میں نصاریٰ کے درمیان تھا اور عبد اللہ بن ابی آپ سے سب سے زیادہ دور تھا حالانکہ وہ آپ کے ساتھ مسجد میں تھا۔
یہ اس لئے ہے کہ بندہ جب دل سے کسی کام کا ارادہ کرتا ہے وہ اطاعت ہو یا نافرمانی یا کوئی شخص ہو تو وہ اپنے ارادے اور
محبت کی وجہ سے اس کے ساتھ ہوتا ہے اس سے جدا نہیں ہوتا پس ارواح، رسول اکرم ﷺ اور آپ کے مطاہرہ کرام کے
ساتھ ہوتی ہیں اور ان ارواح کے اور ان کے درمیان مکان کے اعتبار سے بہت زیادہ مسافت ہوتی ہے۔
ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ
اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ. (آل عمران: ۳۱)
آپ فرمادیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو
میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے
لئے تمہارے گناہ بخش دے گا۔

اس آیت مبارکہ کو آیت محبت کہتے ہیں بعض بزرگوں نے فرمایا ایک قوم نے اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے
آیت محبت (مذکورہ بالا آیت) نازل فرمائی (کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو) اور اللہ تعالیٰ کا
ارشاد گرامی: یحببکم اللہ. (آل عمران: ۳۱) اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

یہ محبت کی دلیل فائدے اور نتیجے کی طرف اشارہ ہے پس اس محبت کی دلیل رسول اکرم ﷺ کی اتباع ہے اور اس کا
فائدہ اور نتیجہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو تمہاری طرف بھیجنے والا تم سے محبت کرے گا پس جب تک اتباع نہیں ہوگی تمہیں
محبت حاصل نہیں ہوگی اور اس کی محبت تم سے نفی میں رہے گی پس اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی اتباع کو ان کی اللہ
تعالیٰ سے محبت کے ساتھ مشروط اور اللہ تعالیٰ کی ان سے محبت کے لئے شرط قرار دیا اور جب تک شرط نہ پائی جائے مشروط کا
وجود نہیں پایا جاتا پس معلوم ہوا کہ متابعت کی نفی لازم آئے گی پس ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا نہ ہونا رسول اکرم ﷺ کی
متابعت کی نفی کو لازم ہے اور متابعت کی نفی اللہ تعالیٰ کی ان سے محبت کے لئے ملزوم ہے پس اس صورت میں اتباع رسول
ﷺ کے بغیر ان کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ان سے محبت محال ہوگی پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ رسول
اکرم ﷺ کی اتباع ہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت اور ان کی فرمانبرداری ہے اور بندگی میں یہ بات کافی نہیں ہے
جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان دونوں کے غیر سے زیادہ محبوب نہ ہوں لہذا اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب
کوئی چیز نہیں ہو سکتی اور جب ان سے بڑھ کر کسی سے محبت ہوگی تو یہی مشرک ہے جس کی بخشش نہیں ہوگی اور ایسے شخص کو
اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ
وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ ذُفِفَتْ فُتْمُوهَا وَ
بِعَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا
أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ
فَتَرْتَضُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبة: ۲۴)

آپ فرمادیجئے اگر تمہارے باپ دادا تمہارے بیٹے
اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور
تمہارا مال جسے تم جمع کرتے ہو اور تجارت جس کے نقصان کا
تمہیں ڈر ہے اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد سے
زیادہ پسند ہیں تو انتظار کرو حتیٰ کہ اس کا حکم آجائے اور اللہ
تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

پس جو شخص ان مذکورہ بالا لوگوں میں سے کسی کی فرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے
مقدم کرے یا ان میں سے کسی کی بات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے قول پر یا ان میں سے کسی کی مرضی کو اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول کی رضا پر یا ان میں سے کسی کے خوف یا ان پر بھروسہ کو اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس پر توکل سے مقدم کرے
یا ان میں سے کسی کے ساتھ معاملہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے معاملے پر ترجیح دے تو وہ ان لوگوں میں سے ہے
جن کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان کے غیر سے زیادہ محبوب نہیں ہیں اور اگر وہ زبان سے دعویٰ کرتا ہے تو جھوٹ
بولتا ہے اور ایسی بات کی خبر دیتا ہے جس کا کوئی وجود نہیں۔

(ابن قیم کی کتاب) ”مارج السالکین سے“ خلاصہ پیش کیا گیا مزید تفصیل ان شاء اللہ محبت کے بیان میں آئے گی۔
ارشاد خداوندی ہے:

فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي
يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (الاعراف: ۱۵۸)

پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ جو
امی نبی ہیں وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے
ہیں اور ان کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔
یعنی سیدھے راستے کی ہدایت پاؤ تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت حاصل کرنے کی امید کو دو باتوں کا نتیجہ قرار دیا ایک رسول
ﷺ پر ایمان اور دوسری بات آپ کی اتباع یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو شخص آپ کی تصدیق کرے لیکن آپ کی شریعت
کو اختیار کر کے آپ کی اتباع نہ کرے وہ گمراہی میں ہے پس جو کچھ رسول اللہ ﷺ لائے ہیں ہم پر اس کی اتباع لازم
ہے البتہ جو بات دلیل سے آپ کے ساتھ خاص ہو (وہ مستثنیٰ ہے)۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا
(التغابن: ۸)

پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر ایمان
لاؤ جو ہم نے اتارا۔
اس نور سے قرآن مجید مراد ہے پس نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانا ہر شخص پر لازم و واجب ہے آپ کے بغیر ایمان مکمل نہیں
ہوتا اور اس کے بغیر اسلام بھی صحیح قرار نہیں پاتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ إِيمَانِهِ بِاللهِ وَرَسُولِهِ إِنَّا لَنُكْفِرُنَّ سَعْيُهُۥ (الفتح: ۱۳)
اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔

یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتا وہ کافروں میں سے ہے اور بے شک ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے اور ارشاد خداوندی ہے:
فَلَا وَزَرَ تَكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء: ۶۵)
آپ کے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ اپنے باہمی جھگڑوں میں آپ کو حاکم تسلیم کریں۔

یعنی آپ کے رب کی قسم ہے جیسا کہ فرمایا:
فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (الحجر: ۹۲)
پس آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور بضرور پوچھیں گے۔

”لا“ معنی قسم کی تاکید کے لئے زائد ہے جیسے ”لنلا يعلم“ میں ”لا“ زائد ہے اور ”لا یؤمنون“ جواب قسم ہے۔
اللہ تعالیٰ نے اپنی کریم ذات کی قسم کھائی کہ کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے تمام کاموں میں رسول ﷺ کو اپنا حاکم تسلیم نہ کرے اور آپ کے تمام فیصلوں پر راضی نہ ہو اور ظاہری و باطنی طور پر سر تسلیم خم نہ کرے چاہے وہ حکم ان لوگوں کی خواہش کے موافق ہو یا مخالف جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

والذی نفسی بیدہ لا یومن احدکم حتیٰ یكون هو او تبع لما جئت به۔
اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی ایک اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی خواہش اس دین کے تابع نہ کر دے جسے میں لایا ہوں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص رسول اکرم ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو وہ مؤمن نہیں ہو سکتا اور اس بات پر بھی دلالت ہے کہ آپ کے فیصلے پر دل سے راضی ہونا بھی ضروری ہے یعنی دل میں پختہ یقین ہو کہ نبی اکرم ﷺ نے جو فیصلہ فرمایا وہ حق اور سچ ہے پس ظاہری اور باطنی دونوں طریقوں سے جھکنا ضروری ہے مزید بیان انشاء اللہ محبت رسول ﷺ کے مقصد میں آئے گا۔

پھر آیت کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قیاس کے ذریعے نص میں تخصیص نہیں ہو سکتی کیونکہ آیت آپ کے قول اور حکم کی اتباع کو واجب قرار دے رہی ہے اور اس سے دوسری طرف پھرنا صحیح نہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

لَمْ يَجِدُوا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ (النساء: ۶۵)
پھر وہ آپ کے فیصلے سے اپنے دلوں میں کوئی حرج محسوس نہ کریں۔

اس آیت نے اس بات کی خبر دی کہ دل سے تسلیم کرنا ضروری ہے کیونکہ جب دل میں قیاس آ جائے جو اس نص کے مدلول کی ضد کا تقاضا کرے تو نفس سے حرج پیدا ہو گیا پس اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ایمان کی تکمیل تب ہوگی جب اس حرج کی طرف توجہ نہ ہو اور نص قرآنی کو کامل طور پر تسلیم کرے۔ یہ بات امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔
دوسرے حضرات نے قیاس کے ساتھ کتاب و سنت کی تخصیص کو جائز قرار دیا ہے علامہ تاج الدین بن سبکی رحمہ اللہ نے ”جمع الجوامع“ میں اسے وضاحت سے بیان کیا ہے۔

آٹھویں نوع

بارگاہ نبوی کے آداب

رسول اکرم ﷺ سے آگے نہ بڑھنا

ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْصِدُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ. (الحجرات: ۱)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔
آداب نبوی میں سے ہے کہ کسی امر نہی اذن اور تصرف میں نبی اکرم ﷺ سے آگے نہ بڑھے حتیٰ کہ آپ حکم دیں منع کریں اور اجازت دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی بات کا حکم دیا اور یہ حکم قیامت تک باقی ہے منسوخ نہیں ہوا پس آپ کے وصال کے بعد آپ کی سنت سے آگے بڑھنا اسی طرح ہے جیسے آپ کی زندگی میں آپ سے آگے بڑھنا اور ہر عقلمند جانتا ہے کہ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی بات میں سبقت نہ کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک پر کوئی فیصلہ جاری کر دے۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو چھوڑ کر کسی بات کا فیصلہ نہ کرو۔
دوسرے حضرات فرماتے ہیں کسی بات پر عمل نہ کرو جب تک آپ حکم نہ دیں اور جب تک آپ منع نہ فرمائیں کسی کام سے نہ روکو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے آپ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز میں ادب کا کیسے خیال رکھا کہ جب آپ آگے کھڑے تھے تو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پر کس طرح پیچھے ہٹ گئے اور فرمایا ابو قحافہ کے بیٹے کے لئے جائز نہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے آگے بڑھے تو نبی اکرم ﷺ نے کس طرح ان کو ان کا مقام اور اپنے بعد امامت کا حق دیا پس یہ پیچھے ہٹنا حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو اپنی جگہ نمبر نے کا اشارہ فرمایا تھا تو پیچھے ہٹنے والے ہر قدم کے ذریعے ایسے مقام کی طرف بڑھ رہے تھے جس کے لئے سوار یوں کی گردنیں کٹ جاتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے پاس آواز بلند نہ کرنا

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آداب میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کی جائے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ
صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ. (الحجرات: ۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی
آواز سے بلند نہ کرو اور نہ آپ کو بلند آواز سے پکارو جس
طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن آپ کے پاس اس طرح گفتگو نہ کرے
جس طرح غلام اپنے آقا کے سامنے گفتگو کرتا ہے کیونکہ غلام اللہ تعالیٰ کے قول ”کجہر بعضکم لبعض“ میں داخل ہے
کیونکہ یہ عموم کے لئے ہے پس مناسب نہیں کہ مؤمن انبی اکرم ﷺ کو اس طرح بلند آواز سے پکارے جس طرح غلام
اپنے آقا کو بلند آواز سے پکارتا ورنہ وہ (غلام) اپنے آقا کو اس طرح بلند آواز سے پکارتا ہے جس طرح تم ایک دوسرے
کے لئے آواز بلند کرتے ہو۔

وہ فرماتے ہیں ہماری اس بات کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا أُولَئِكَ بِأَعْيُنِنَا رَبُّهُمْ. (الاحزاب: ۶)

نبی ﷺ مؤمنوں سے ان کی جانوں کی نسبت زیادہ
قریب ہیں۔

جب کہ آقا اپنے غلام کے اس کی جان سے زیادہ قریب نہیں ہے حتیٰ کہ اگر وہ دونوں سخت بھوک کا شکار ہوں اور غلام کو ایسی
چیز مل جائے کہ اگر اسے نہ کھائے تو مر جائے تو آقا کو دینا اس پر لازم نہیں جب کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا
لازم ہے اور اگر غلام کو معلوم ہو کہ اس کی موت سے اس کا آقا نجات پالے گا تو اس پر لازم نہیں کہ آقا کو بچانے کے لئے
اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے لیکن حضور علیہ السلام کے لئے ایسا کرنا (امتی پر) واجب ہے جس طرح حضور نہیں دوسرے
اعضاء کے مقابلے میں رعایت کے زیادہ لائق ہے کیونکہ دل میں خلل کی صورت میں ہاتھ اور پاؤں کے لئے استقامت
نہیں رہتی۔

اور اگر انسان اپنے نفس کی حفاظت کرے اور نبی اکرم ﷺ کو چھوڑ دے تو وہ خود بھی ہلاک ہو جائے جب کہ غلام
اور آقا کا یہ معاملہ نہیں ہے۔

جان لو کہ آواز بلند کرنے اور زور زور سے پکارنے میں توہین ہے جو کفر تک پہنچاتی ہے اور اس سے اعمال ضائع ہو
جاتے ہیں اور یہ اس وقت ہے جب توہین کرنے کا ارادہ ہو اور اس بات کی کوئی پرواہ نہ کی جائے۔

ایک روایت میں ہے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ سے
اس طرح گفتگو کروں گا جس طرح کسی سے سرگوشی کی جاتی ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ سے گفتگو کرتے تو
سرگوشی کرنے والے کی طرح کرتے اس آیت کے نزول کے بعد نبی اکرم ﷺ ان کی گفتگو نہ سنتے حتیٰ کہ آپ ان سے

استفسار فرماتے۔ ۱۔

ایک روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین ابو جعفر منصور (عہدای خلیفہ) نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مسجد نبوی شریف میں مناظرہ کیا تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا اے امیر المؤمنین اس مسجد شریف میں آواز بلند نہ کر اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو ادب سکھاتے ہوئے فرمایا:

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ.
اپنی آواز کو نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ (الحجرات: ۲)

اور ایک دوسری جماعت کی تعریف میں فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَفْعُلُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ
بِشَكِّهِمْ وَهُمْ يَفْعُلُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ
اللَّهُ كَالَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِيَفْقَهُوا
اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے
پرکھ لیا ہے۔ (الحجرات: ۳)

اور ایک قوم کی مذمت میں فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (الحجرات: ۳)
بے شک وہ لوگ جو آپ کو حجرات کے پیچھے سے
پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔
اور نبی اکرم کے وصال کے بعد بھی آپ کا احترام اسی طرح ہے جس طرح آپ کی ظاہری زندگی میں تھا تو ابو جعفر منصور
نے اس بات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

جب نبی اکرم ﷺ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرنا اعمال کے ضائع ہونے کا سبب ہے تو اپنی آراء اور افکار کے
نتائج کو آپ کی سنت اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ترجیح دینے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟
آپ کو پکارنے کا خاص طریقہ

رسول اکرم ﷺ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کو اس طرح نہ پکارا جائے جس طرح ہم ایک دوسرے کو
پکارتے ہیں ارشاد خداوندی ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ
بَعْضِكُمْ بَعْضًا. (النور: ۶۳)
رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا تم
ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔
اس میں مفسرین کے دو قول ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ کو آپ کے اسم گرامی کے ساتھ نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو (نام لے کر) پکارتے ہو
بلکہ ”یا رسول اللہ“ اور ”یا نبی اللہ“ کہو اور اس میں نہایت تواضع پائی جاتی ہے۔ اس صورت میں مصدر مفعول کی طرف

۱۔ صحیح بخاری میں ہے قریب تھا کہ دو بہترین انسان حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہلاک ہو جاتے نبی اکرم ﷺ کے
پاس ان کی آواز بلند ہوئی جب ہجویم کے سوار آپ کے پاس حاضر ہوئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یا ایہا الذین امنوا لا ترفعوا
أصواتکم الایہ (صحیح بخاری)

مضاف ہوگا یعنی ”دعاء کم الرسول“ (لفظ دعاء مصدر اور لفظ الرسول مفعول ہے)۔
 دوسرا قول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب تمہیں پکاریں تو اسے ایک دوسرے کو پکارنے کی طرح نہ سمجھو کہ اگر چاہے تو جواب دے اور چاہے تو چھوڑ دے بلکہ نبی اکرم ﷺ جب تمہیں پکاریں تو تمہارے لئے قبول کرنا (جواب دینا) ضروری ہے اور تمہارے لئے اس سے منہ پھیرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ آپ کے بلانے پر فوراً لبیک کہنا واجب ہے اور آپ کے حکم کے بغیر واپسی حرام ہے۔ اس بنیاد پر مصدر فاعل کی طرف مضاف ہوگا ”یعنی دعاءہ ایاکم“ (دعاء مضاف اور ضمیر غائب فاعل)۔

چوتھے مقصد میں نبی اکرم ﷺ کے خصائص میں یہ بات گزر چکی ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں نبی اکرم ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونے کی صورت میں نماز باطل نہیں ہوتی۔ ۱۔

نبی اکرم ﷺ سے اجازت طلب کرنا

نبی اکرم ﷺ کی ہر گاہ اقدس کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب آپ کے ساتھ کسی معاملے مثلاً خطبہ جہاد سرحدوں کی حفاظت وغیرہ میں اکٹھے ہوں تو کوئی شخص آپ سے اجازت لئے بغیر کسی کام کے لئے نہیں جاسکتا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

رَاحِمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
 وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَلِيمٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى
 يَسْتَأْذِنُوهُ. (النور: ۶۲)
 ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے ہوں جس کے لئے جمع کئے گئے تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں۔

جب کسی حاجت کے لئے جانے کی صورت میں آپ کی اجازت ضروری ہے اور اس کے بغیر جانے کی گنجائش نہیں تو دین کی تفصیل اور اس کے اصول و فروغ وہ دقیق ہوں یا واضح آپ کی اجازت کے بغیر اس طرف جانا کیسے جائز ہوگا؟ ارشاد خداوندی ہے:

كَاسْتَأْذَنُوا أَهْلَ الدِّيَارِ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ
 (النحل: ۴۳)
 پس اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔

آپ کے قول پر اعتراض نہ کیا جائے

نبی اکرم ﷺ سے متعلق آداب میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے کسی (ثابت شدہ) ارشاد گرامی پر اعتراض نہ کیا جائے بلکہ آپ کے ارشاد گرامی کے ذریعے لوگوں کی آراء پر اعتراض کیا جائے اور آپ کے ارشاد گرامی کے مقابلے میں قیاس کو نہ لایا جائے بلکہ قیاس کو ترک کر کے نصوص کو اختیار کیا جائے اور کسی مخالف خیال کی وجہ سے آپ کے کلام کو حقیقت سے پھیرا نہ جائے جسے وہ لوگ معقول کا نام دیتے ہیں ہاں وہ مجہول ہے اور صحیح راستے سے ہٹا ہوا اور جو کچھ نبی ۱۔ احناف کے نزدیک بھی حضور علیہ السلام کے بلانے پر حاضر ہونے کے لئے نماز توڑنے سے باطل نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری جلد ۳ ص ۳۶ عربی)

اکرم ﷺ لائے ہیں اسے قبول کرنا کسی کی موافقت پر محمول نہیں ہے یہ ساری باتیں ادب میں کمی کی وجہ سے ہوتی ہیں اور یہ آپ کی ذات گرامی پر جرات کرنا ہے۔

آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا

رسول اکرم ﷺ کے ساتھ آداب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ کے حکم کو کامل طور پر تسلیم کیا جائے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے اور آپ کی خبر کو قبول کیا جائے اور اس کی تصدیق کی جائے اور کوئی خیال فاسد جسے لوگ معقول کہتے ہیں اس کے معارض نہ لایا جائے اسی طرح جسے شبہ یا شک کہا جاتا ہے اسے بھی چلک نہ دی جائے آپ کے حکم یا خبر سے لوگوں کی آراء اور ان کی ذہنی اختراعات کو مقدم نہ کیا جائے بلکہ صرف آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے اور اس کے سامنے سر جھکایا جائے گویا اس سلسلے میں آپ کو واحد و یکتا سمجھا جائے جس طرح عبادت، خضوع، رجوع اور توکل صرف بھیجنے والی ذات اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

پس دو توحیدیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اسی صورت میں بچاؤ ممکن ہے جب دونوں کو مانا جائے بھیجنے والے (اللہ تعالیٰ) کی توحید اور متابعت رسول ﷺ کی توحید پس اس کے غیر کے پاس فیصلہ نہ لے جائے اور نہ اس کے علاوہ کسی کے حکم پر راضی ہو۔

یہ عبارت ”مدارج السالکین“ کا خلاصہ ہے اور قرآن مجید ایسی آیات سے بھر پڑا ہے جو آپ کی بارگاہ اقدس کا ادب سکھاتی ہیں پس اس طرف رجوع کیا جائے۔

نویں نوع

وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے خود نبی اکرم ﷺ کے دشمنوں کا رد کر کے آپ کی شان کو بلند فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے:

لَا وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَا أَنْتَ بِمُعْجِزٍ ۝ (القلم: ۱-۲)
قلم اور ان کے لکھے کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے
بمجنون نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب مشرکین نے کہا:

يَا أَيُّهَا الَّذِي نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ كَرِهْتَ أَنْتَ
اے وہ جن پر قرآن اترا ہے شک تم بمجنون نہیں۔
كَمُجْنُونٍ ۝ (الحجرات: ۶)

اللہ تعالیٰ نے بذات خود کسی واسطہ کے بغیر آپ کے دشمنوں کو جواب دیا اور دوستوں کا طریقہ یہی ہوتا ہے کیونکہ جب کوئی محبت کسی سے سنتا ہے کہ وہ اس کے محبوب کو گالی دیتا ہے تو وہ خود اس کی مدد کرتے ہوئے جواب دیتا ہے یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کا مددگار بنتے ہوئے بذات خود جواب دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد زیادہ کامل اور آپ کے مقام کو زیادہ بلند کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کا رد کرنا آپ کے خود رد کرنے کے مقابلے میں زیادہ پیچھے والا ہے اور آپ کی بزرگی کے دیوان میں زیادہ ثابت اور قائم ہونے والا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی بڑی نشانیوں کی قسم کھاتے ہوئے اپنے رسولؐ اپنے حبیب اور اپنے خلیل کی پاکیزگی بیان کر کے دشمنوں نے جو بہتان باندھا تھا اس کو جھوٹ قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

مَا أَنتَ بِنِعْمَةٍ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۖ (القلم: ۲۰) تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

اور عنقریب آپ کے وہ دشمن جو آپ کو جھٹلاتے ہیں انہیں معلوم ہو جائے گا کہ فتنے میں کون جتلا ہے نبی اکرم ﷺ یا وہ لوگ؟ ان لوگوں اور دوسرے غفلت مند لوگوں کو یہ بات دنیا میں ہی معلوم ہو گئی اور عالم برزخ میں ان کا علم بڑھ جائے گا اور آخرت میں مکمل طور پر ظاہر ہو جائے گا حتیٰ کہ اس بات کے علم میں سب لوگ برابر ہوں گے اور ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۖ (الکوثر: ۲۲) اور تمہارے صاحب مجنون نہیں۔

جب عاص بن وائل سہمی نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ مسجد سے باہر تشریف لارہے ہیں اور وہ داخل ہو رہا تھا باب بنو سہم کے پاس دونوں کی ملاقات ہوئی اور گفتگو بھی کی قریش کے سردار مسجد میں بیٹھے دیکھ رہے تھے عاص اندر داخل ہوا تو انہوں نے پوچھا تم کس آدمی سے باتیں کر رہے تھے؟ اس نے کہا اس اتر (جس کی نسل باقی نہ رہی) سے (معاذ اللہ)۔ حضور علیہ السلام کے بارے میں کہا اور نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھے انتقال کر گئے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے خود جواب دیتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ شَأْنَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۖ (الکوثر: ۳) بے شک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

یعنی آپ کے دشمن اور آپ سے بغض رکھنے والے ہی ذلیل و حقیر ہیں۔ جب مشرکین نے کہا:

إِفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ (الہا: ۸) کیا اللہ تعالیٰ پر اس نے جھوٹ باندھا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بَلِ الْكَافِرِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فَبِئْسَ الْعَذَابُ ۖ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۖ (الہا: ۸) بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ عذاب اور دور کی گمراہی میں ہیں۔

اور جب انہوں نے کہا:

لَسْتَ مُرْسَلًا ۖ (الرعد: ۴۳) آپ رسول نہیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

يٰۤأَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۖ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۖ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ (یس: ۱-۳) حکمت والے قرآن کی قسم! بے شک آپ مرسلین میں سے ہیں۔

اور جب انہوں نے کہا:

أَيُّهَا تَلَايَا الْهَيْتَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ۖ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر مجنون کی وجہ سے

(الصافات: ۳۶) چھوڑ دیں؟

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ (الصافات: ۳۷)
بلکہ آپ حق لے کر آئے اور آپ نے رسولوں کی تصدیق کی۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تصدیق فرمائی۔

پھر آپ کے دشمن کے لئے عذاب کا ذکر کیا:

إِنَّكُمْ لَذَائِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمِ

(الصافات: ۳۸)

بے شک تم دردناک عذاب چکھنے والے ہو۔

اور جب انہوں نے کہا:

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرْتِصُ بِهِ رَبِّبَ الْمُتُونِ

(الطور: ۳۰)

یا کہتے ہیں یہ شاعر ہیں ہمیں ان پر حوادث زمانہ کا

انتظار ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا

ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ (یس: ۶۹)

اور ہم نے ان کو شعر نہیں سکھائے اور نہ ہی یہ ان کے

شایان شان ہیں یہ تو ذکر اور واضح قرآن ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کا یہ قول ذکر کیا:

إِنْ هَذَا إِلَّا آفَاقُ الْمَسَرَّاهِ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ

آخَرُونَ (الفرقان: ۴)

یہ تو نہیں مگر ایک بہتان جو انہوں نے بنا لیا ہے اور

اس پر اور لوگوں نے انہیں مدد دی۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نام کا زمین (جھوٹ بولنے والے) رکھا ارشاد فرمایا:

فَقَدْ جَاءَهُمْ أَكَلُهَا وَرُؤُوسُهَا (الفرقان: ۴)

بے شک وہ ظلم اور جھوٹ پر آئے۔

اور فرمایا:

قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَ فِي السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضِ (الفرقان: ۶)

تم فرماؤ اسے تو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور

زمین کی ہر بات جانتا ہے۔

اور جب انہوں نے کہا کہ اس قرآن کو ان کی طرف شیطان القاء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا تَنْزِيلُهُ إِلَّا الشَّيَاطِينُ (الشعراء: ۲۱۰)

اور اس قرآن کو لے کر شیطان نہ اترے۔

اور جب ان پر پہلے لوگوں کی خبر پڑی تو نضر بن حارث نے کہا:

لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ

الْأَوَّلِينَ (الانفال: ۳۱)

اگر ہم چاہتے تو ایسے ہم بھی کہہ دیتے یہ تو نہیں مگر

انگوں کے قصے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلاتے ہوئے فرمایا:

قُلْ لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا

بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ (الابراء: ۸۸)

تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو

جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا

سکیں۔

اور جب ولید بن مغیرہ نے کہا:

إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ
الْبَشَرِ ۖ (المدثر: ۲۴-۲۵)

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ
إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مُجُنُّونٌ ۖ (الذاریات: ۵۲)

تو یوں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی۔

اور جب مشرکین نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا:

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۖ (الضحیٰ: ۳)

اور جب انہوں نے کہا:

مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي
الْأَسْوَاقِ ۖ (الفرقان: ۷)

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنَّهُمْ
لِيَأْكُلُوا الطَّعَامَ وَيَمْشُوا فِي الْأَسْوَاقِ ۖ

(الفرقان: ۲۰)

اور جب اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ سے نکاح اور ازواج مطہرات کی کثرت پر حسد کیا اور کہا کہ آپ کا کام تو صرف نکاح کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی طرف سے اور آپ کے دفاع میں ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ
فَضْلِهِ لَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۖ (النساء: ۵۴)

اور جب انہوں نے اس بات کو (عقل سے) بعید سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو رسول بنا کر بھیجے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ
إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۖ

(الاسراء: ۹۳)

اور وہ اس بات سے جاہل تھے کہ ہم جنس ہونا انس پیدا کرتا ہے اور مخالف جنس سے مخالفت پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو

جواب دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يُمْشُونَ
مُطَمِّتِينَ لَنَزَلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا
ذُؤُلًا (الاسراء: ۹۵)

یعنی اگر یہ لوگ فرشتے ہوتے تو ضروری ہوتا کہ ان کا رسول بھی فرشتوں سے ہو لیکن جب اہل زمین انسان ہیں تو واجب ہے کہ ان کا رسول بھی بشر ہو۔

تو یہ نبی اکرم ﷺ کا کتنا بڑا اعزاز ہے حالانکہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اپنا دفاع خود کرتے اور دشمنوں کو جواب دیتے تھے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

يَا قَوْمِ كَيْسَ بَنِي صَالَةَ. (الاعراف: ۶۱)

اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں۔

اور حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا:

كَيْسَ بَنِي سَفَاهَةَ. (الاعراف: ۶۷)

اے میری قوم مجھے یہ تو فی سے کیا تعلق۔

اور اس طرح کی کئی مثالیں ہیں۔

دسویں نوع

ان آیات سے ازالہ شبہات جو نبی اکرم ﷺ کے بارے
میں بطور متشابہات وارد ہوئی ہیں

وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ

ارشاد خداوندی ہے:

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ. (الضحیٰ: ۷)

اور تمہیں اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔
یہ بات جان لو کہ علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک لفظ کے لئے بھی نہیں بھٹکے۔ اور کیا عقلاً انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے نبوت سے پہلے یہ بات جائز ہے؟
تو معتزلہ کے لئے نزدیک عقلی طور پر بھی جائز نہیں کیونکہ اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

اور ہمارے اصحاب (اہل سنت و جماعت) کے نزدیک عقلی طور پر جائز ہے پھر اللہ تعالیٰ جس کے لئے نبوت کا ارادہ فرماتا ہے اس پر کرم فرماتا ہے مگر سعی دلیل اس بات پر قائم ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے یہ بات واقع نہیں ہوئی۔

ارشاد خداوندی ہے:

مَا مَسَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (النجم: ۲)

تمہارے صاحب نہ بھٹکے نہ بے راہ چلے۔

یہ بات امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

امام ابو الفضل الیمینی نے ”الشفاء میں“ فرمایا صحیح بات یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے بے علم ہونے سے معصوم تھے اور اس سلسلے میں وہ کسی شک میں مبتلا نہ تھے اور مختلف اخبار و آثار اس بات پر ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام جب سے پیدا ہوئے اس خرابی سے پاک رہے اور وہ توحید و ایمان پر پروان چڑھے بلکہ ان پر انوار معارف چمکے تھے اور سعادت کے لطف و کرم کی خوشبوئیں مہکتی رہیں اور اہل اخبار نے یہ بات نقل نہیں کی کہ کوئی شخص کفر و شرک میں معروف ہو پھر اسے نبوت عطا کی گئی اور جن لیا گیا ہو اور اس سلسلے میں (عقل استعمال نہیں ہو سکتی بلکہ) نقل پر اعتماد ہوتا ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۰۹)

پھر فرمایا کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے تم پر واضح ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ کے لئے حق کیا ہے؟ تو خلق یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے بے خبر ہونے سے معصوم تھے یا ایسی حالت سے معصوم تھے جو ان تمام باتوں کے علم کے منافی ہو نبوت کے بعد معصومیت تو عقل اور اجماع دونوں سے ثابت ہے اور نبوت سے پہلے سمع اور نقل سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف جو وحی فرمائی ان امور شرع کی ادائیگی میں کسی قسم کی بے خبری سے بھی معصوم تھے یہ بات عقلاً اور شرعاً دونوں طرح ثابت ہے۔

اور جب سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت عطا کی آپ جھوٹ اور وعدہ کی خلاف ورزی سے وہ قصد ہوا یا قصد کے بغیر معصوم ہیں اور یہ بات آپ پر شرعاً اور اجماعاً نیز غور و فکر اور دلیل کے اعتبار سے قطعاً محال ہے اور نبوت سے بھی آپ ان باتوں سے پاک تھے گناہ کبیرہ سے آپ کی پاکیزگی پر اجماع ہے اور حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ گناہوں اور بھول غفلت (شحوۃ) پر قائم رہنے سے بھی معصوم تھے اور امت کے لئے جو غلطی اور بھول معاف کی گئی اس پر قائم رہنے سے بھی پاک تھے اور آپ رضا اور غضب، سنجیدگی اور خوش طبعی ہر حال میں ان خرابیوں سے معصوم اور پاک ہیں۔

اس عقیدے کو مضبوطی سے اختیار کرو جس طرح بخیل آدمی مال کو مضبوطی سے سنبھالے رکھتا ہے کیونکہ یہ واجب ہے اور جو شخص اس بات سے غافل رہے جو نبی اکرم ﷺ کے لئے واجب ہے یا جائز یا محال ہے اور وہ ان احکام کی صورت کو نہ جانتا ہو تو وہ اس خلاف حقیقت عقیدے سے بے خوف نہیں ہو سکتا اور ممکن ہے وہ آپ کی طرف ایسی بات کی نسبت کرے جو آپ کے لئے جائز نہیں تو اس طرح یہ شخص لاعلمی میں ہلاک ہو جائے گا اور جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں جا گرے گا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں باطل کا گمان کرنا اور جو بات آپ کے لئے جائز نہیں اس کا عقیدہ رکھنا ہلاکت کی جگہ میں اتارتا ہے۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۷۲)

بعض ائمہ کرام نے انبیاء کرام کے صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہونے پر اس بات سے استدلال کیا کہ ان کے افعال پر عمل کرنا اور ان کے آثار اور سیرتوں کی مطلقاً اتباع کرنا لازم ہے اور جمہور فقہاء مالکی، شافعی اور حنفی اسی بات کے قائل ہیں وہ کسی قرینے کی بات نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک یہ بات مطلق طور پر ہے اگرچہ اس کے حکم میں ان کا اختلاف ہے اور اگر ہم ان سے صغیرہ گناہوں کا سرزد ہونا جائز قرار دیں تو ان کے افعال میں ان کی اقتداء نہیں ہو سکے گی کیونکہ آپ کے تمام افعال میں مقصد کی تمیز نہیں ہو سکتی کہ وہ قربت کے طور پر ہے، مباح ہے، ممنوع ہے یا معصیت ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں متعدد وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

پہلی وجہ: آپ کو نبوت کی علامات سے بے خبر پایا۔

یہ بات حضرت ابن عباسؓ، صہاک اور شہر بن حوشب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ.

(الشوری: ۵۲) ہے؟

یعنی آپ وحی سے پہلے قرآن پڑھنا نہیں جانتے تھے اور نہ یہ بات کہ مخلوق کو ایمان کی طرف کیسے بلانا ہے؟ یہ بات سمرقندی (امام ابواللیث سمرقندی حنفی) نے کہی ہے۔

حضرت بکر قاضی فرماتے ہیں کہ ایمان سے مراد فرائض و احکام ہیں کیونکہ آپ پہلے سے ہی توحید پر ایمان رکھتے تھے پھر فرائض نازل ہوئے جن کے بارے میں آپ کو پہلے علم نہ تھا تو ان کے مکلف ہونے سے ایمان بڑھ گیا اس سلسلے میں اس نوع کے آخر میں مزید تفصیل آئے گی ان شاء اللہ۔

دوسری وجہ: لفظ ”ضلالا“ کے بارے میں خود نبی اکرم ﷺ سے حدیث مروی ہے جیسے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

بچپن میں میرے جدا مجد نے مجھے گم پایا حتیٰ کہ قریب تھا کہ بھوک مجھے ہلاک کر دیتی پس اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی فرمائی۔

تیسری وجہ: کہا جاتا ہے ”ضل الماء فی اللبن“ پانی دودھ میں گم ہو گیا۔

تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپ مکہ مکرمہ میں کفار کے درمیان پوشیدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقویت دی حتیٰ کہ آپ کا دین غالب آ گیا۔

چوتھی وجہ: اہل عرب جنگل میں تنہا درخت کو ”ضالہ“ کہتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ شہر جنگل کی طرح تھے جن میں کوئی ایسا درخت نہ تھا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی معرفت کا پھل اٹھاتا پس حمد کے جنگل میں آپ یکتا درخت ہیں۔

پانچویں وجہ: بعض اوقات سردار کو خطاب کیا جاتا ہے اور اس سے اس کی قوم مراد ہوتی ہے یعنی آپ کی قوم کو بھٹکا ہوا پایا پس آپ کے ذریعے اور آپ کی شریعت کے سبب ان کو ہدایت دی۔ ۱۔

چھٹی وجہ: اس لفظ ”ضال“ کا معنی میری معرفت کی محبت رکھنے والے ہے یہ بات ابن عطاء سے مروی ہے اور ”الضال“ کا معنی ”محبت“ ہے۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ O (یوسف: ۹۵) بے شک آپ اپنی اسی پرانی وارفتگی میں ہیں۔

یعنی پرانی محبت میں ہیں اور یہاں دین کے حوالے سے بھٹکنا مراد نہیں اس لئے کہ اگر وہ اللہ کے نبی (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے بارے میں یہ بات کہتے تو کافر ہو جاتے۔ (المعمر السابق ج ۲ ص ۱۱۲)

۱۔ اہل سنت و جماعت نے اسی طرح ترجمہ کیا جب کہ بعض بد بختوں نے گناہ کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف کی ہے (العیاذ باللہ)۔ ۱۲ ہزاروی

مجھے مقدمہ کے مشمولات

ساتویں وجہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھولنے والا پایا تو یاد دلادیا اور یہ شب معراج کی بات ہے کہ آپ بہت خداوندی کی وجہ سے بھول گئے کہ کیا کہا جائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی فرما کر ثناء کی کیفیت بتائی حتیٰ کہ آپ نے فرمایا ”لا احمسی ثناء علیک“ (میں تیری تعریف کا شمار نہیں کر سکتا)۔

آٹھویں وجہ: آپ کو گمراہ لوگوں کے درمیان پایا تو آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے ایمان اور ان لوگوں کو ہدایت دینے کی طرف رہنمائی کی۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۱۲)

نویں وجہ: جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا اس میں آپ کو حیران پایا تو اس کے بیان کے لئے آپ کی رہنمائی کی۔

(المصدر السابق ج ۲ ص ۱۱۳)

دسویں وجہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں نے دور جاہلیت کے کسی کام کا جو وہ لوگ کرتے تھے دو مرتبہ کے علاوہ کبھی ارادہ نہیں کیا لیکن ہر بار اللہ تعالیٰ (کا کرم) میرے اور میرے ارادے کے درمیان حائل ہو جاتا پھر اس کے بعد میں نے کسی (ایسی) بات کا ارادہ نہیں کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت سے مکرم فرمایا ایک رات میں نے قریش کے ایک لڑکے سے جو مکہ مکرمہ کے بلند مقام پر بکریاں چراتا تھا کہا کہ اگر تم میری بکریوں کی حفاظت کرو تو میں مکہ مکرمہ جا کر قصبے کہانیاں بیان کروں جیسا کہ نو جوان بیان کرتے ہیں چنانچہ میں نکلا حتیٰ کہ اہل مکہ کے مکانات میں سے پہلے مکان میں آیا اور میں نے دف اور باجوں کی آواز سنی تو بیٹھ کر ان کو دیکھنے لگا لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں کو بند کر دیا پس میں سو گیا پھر سورج کی تپش سے بیدار ہوا پھر دوسری رات بھی اسی طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں کو روک دیا اور سورج کی دھوپ سے میں بیدار ہوا پھر رسالت کے اعلان تک میں نے کبھی بھی کسی برے کام کا ارادہ نہیں کیا۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۶ الشفاء ج ۱ ص ۱۳۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۳۳۸)

ووضعنا عنک وزرک

ارشاد خداوندی ہے:

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ (الانشراف: ۲-۳)

فقہاء، محدثین اور متکلمین کی ایک جماعت نے جو انبیاء کرام علیہم السلام سے صغیرہ گناہوں کے سرزد ہونے کو جائز سمجھتے ہیں اس آیت کریمہ (کے ظاہر) اور قرآن وحدیث کے بہت سے ظاہری معانی سے استدلال کیا۔

جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا اگر وہ ظاہر کا التزام کرتے ہیں جو ان تک پہنچا تو کبیرہ گناہوں کو بھی جائز قرار دینا ہوگا اور اس سے اجماع بھی ختم ہو جائے گا اور یہ بات کوئی بھی مسلمان نہیں کہتا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب وہ اس سلسلے میں ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جن کے معانی میں مفسرین کا اختلاف ہے اور اس کے مقتضائیں مختلف احتمالات باہم ٹکراتے ہیں اور بزرگوں سے اس سلسلے میں مختلف اقوال منقول ہیں اور جس بات کا انہوں نے التزام کیا ہے ان میں مختلف احتمالات نہیں ہیں پس جب ان کا مذہب اجماع نہیں ہے اور جس سے انہوں نے استدلال کیا اس میں بہت پہلے سے اختلاف ہے اور ان کے قول کے غلط اور دوسرے قول کے صحیح ہونے پر دلائل قائم ہیں تو اسے چھوڑ کر صحیح قول کی طرف

رجوع کرنا ضروری ہے اس آیت کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

اہل لغت فرماتے ہیں اس میں اصل یہ ہے کہ جب پیٹھ پر کسی وزن کا بوجھ ہو تو اس سے آواز سنائی دیتی ہے جس طرح وزن اور کجاووں کی آواز ہوتی ہے اور یہ مثال اس چیز کی ہے جو نبی اکرم ﷺ پر احکام تکلیف کا بوجھ تھا۔

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نبوت کا بوجھ ہے جس کو قائم کرنے اور اس کے موجبات کی حفاظت نیز اس کے حقوق کی محافظت نے آپ کی پشت مبارک کو بوجھل بنا دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آسانی پیدا کر دی اور اس بوجھ کو اتار دیا یعنی اسے آپ کے لئے آسان کر دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ وزن (بوجھ) سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو تبدیل کیا تو یہ بات آپ کو نا پسند بھی اور آپ کو روکنے پر قادر نہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت بخشی اور آپ سے فرمایا:

يَتَّبِعْ مِلَّةَ آبَائِكَ (النحل: ۱۲۳) آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر چلیں۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی گناہ ہوتا جو آپ کی پشت مبارک کو توڑ دیتا تو ہم نے اس بوجھ سے آپ کو پہلے ہی محفوظ کر لیا ہے تو اس عصمت اور حفاظت کو مجازی طور پر اتارنا کہا گیا حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک ولیمہ میں حاضر ہوئے وہاں دف اور باجے وغیرہ تھے اور یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے کانوں کو بند کر دیا حتیٰ کہ (آپ آرام فرما ہوئے اور) دوسرے دن سورج کی گرمی سے بیدار ہوئے۔ تو یہ بھی ایک حفاظت ہے۔

اور کہا گیا کہ ہم نے آپ کے اندر کانیز حیرت کا اور طلب شریعت کا بوجھ اتار دیا حتیٰ کہ آپ کے لئے شریعت مقرر کی (اور آپ کو اطمینان حاصل ہو گیا)۔

ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ جو بوجھ آپ نے اٹھایا ہم نے اپنی حفاظت کے ذریعے اسے ہلکا کر دیا جب آپ نے حفاظت طلب کی اور آپ کے پاس اس کی حفاظت کی گئی۔ اور ”انقص“ کا معنی یہ ہے کہ آپ کی پشت مبارک ٹوٹنے کے قریب تھی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کے نزدیک نبوت سے پہلے کی حالت مراد ہے ان کے مطابق نبی اکرم ﷺ نبوت سے پہلے کچھ امور کا اہتمام کرتے تھے اور ان کو بجالاتے اور نبوت کے بعد وہ کام آپ پر حرام کر دیئے گئے تو ان کو بوجھ شمار کیا گیا آپ پر یہ بات گراں ہوئی اور آپ کو اس سے خوف لاحق ہوا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۵۸)

یہ بھی کہا گیا کہ اس سے امت کے گناہ مراد ہیں جو آپ پر بوجھ کی طرح ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو فوری عذاب دینے سے آپ کو بے خوف کر دیا اور ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ۔ اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک

(الانفال: ۳۳) اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو۔

اور آپ سے مستقبل میں شفاعت (قبول کرنے) کا وعدہ فرمایا۔

ليغفر لك الله

ارشاد خداوندی ہے:

لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (الفتح: ۲)

تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے سبب آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے بخشش ہے اگر کوئی گناہ ہو بھی تو آپ کا مواخذہ نہیں ہوگا۔

بعض حضرات نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ ہوا یا نہیں ہوا آپ کے لئے بخشش ہے۔

کہا گیا کہ اس سے مراد وہ عمل ہے جو بھول کر یا بے خبری میں یا کسی تاویل سے ہوا یہ طبری نے بیان کیا اور امام قشیری (عبد الکریم بن ہوازن رحمہ اللہ) نے اسے اختیار کیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”ما تقدم“ سے مراد آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش ہے اور ”ما تأخرو“ سے آپ کی امت کے گناہ مراد ہیں یہ بات سمرقندی اور سلمی نے ابن عطاء سے نقل کی ہے (مجموعہ اللہ)۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۵۷)

ایک قول کے مطابق آپ کی امت مراد ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ ”ذنب“ سے ترک اولیٰ مراد ہے جیسا کہ کہا گیا:

حسنات الابرار ميسرات المقربين. نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہیں۔

اور ترک اولیٰ گناہ نہیں ہوتا کیونکہ اولیٰ اور اس کے مقابل فعل کے جواز میں برابر ہوتے ہیں۔

حضرت امام سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اس (آیت) میں غور کیا اور اس کے سیاق و سباق کو دیکھا تو میرے خیال میں اس میں ایک ہی وجہ کا احتمال ہے وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ کا شرف بیان ہو رہا ہے بغیر اس کے کہ وہاں کوئی گناہ ہو لیکن آیت میں تمام اقسام کی نعمتوں کا احاطہ کرنے کا ارادہ کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو عطا ہوئی ہیں اور اس سے اخروی نعمتیں مراد ہوں اور تمام اخروی نعمتیں دو چیزیں ہیں ایک سلبی یعنی گناہوں کی بخشش اور دوسری ثبوتی جس کی کوئی انتہا نہیں اس بات کی طرف یوں اشارہ فرمایا:

وَبِئْسَ لَكُمْ نِعْمَةً عَلَيْكُمْ. (الفتح: ۲)

اور وہ آپ پر اپنی نعمت کو پورا کرے۔

اور دنیوی نعمتیں بھی دو چیزیں ہیں یا وہ دینی نعمتیں ہوں گی جن کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا. (الفتح: ۲)

اور وہ آپ کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔

یا دنیوی ہوں گی جس کی طرف یوں اشارہ فرمایا:

وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا. (الفتح: ۳)

اور وہ آپ کی ایسی مدد کرے جو غالب کرنے والی ہے۔

پس یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی قدر و منزلت کی تعظیم کو اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کے ساتھ شامل ہے جو دوسروں میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں اسی لئے اسے فتح مبین کی انتہا قرار دیا جس فتح کی عظمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف منسوب کیا فرمایا ”انا فتحنا“ بے شک ہم نے فتح عطا کی اور ”لک“ فرما کر حضور علیہ السلام کے ساتھ خاص قرار دیا۔

ابن عطیہ نے یہی قول کیا ہے اور اس کا معنی اس حکم کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کو شرف بخشا ہے وہاں کسی قسم کا گناہ

نہیں ہے۔

پھر امام سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر گناہ کو جائز بھی مانا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا اور اس کے خلاف بات کا خیال کیسے کیا جاسکتا ہے جب کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ (النجم: ۳-۴)

مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

اور جہاں تک آپ کے فعل کا تعلق ہے تو آپ کی اتباع اور آپ کے تمام افعال چھوٹے ہوں یا بڑے ان کی اقتداء پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اس سلسلے میں صحابہ کرام کے ہاں کوئی توقف اور بحث نہیں ہے حتیٰ کہ صحابہ کرام آپ کے خلوت کے اعمال کو بھی جاننا چاہتے تھے اور اس کی حرص رکھتے تھے وہ ان اعمال کی اتباع کرنا چاہتے تھے ان کا علم رکھتے ہوں یا نہ۔ اور جو شخص نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کے احوال میں غور کرے گا وہ اس بات سے حیا کرے گا کہ اس کے دل میں کوئی دوسری بات آئے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ

ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِيعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ. (الاحزاب: ۱)

اے نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ متقی ہیں اور کسی چیز کا حکم اس وقت ہوتا ہے جب مامور (جسے حکم دیا گیا) مامور بہ (جس چیز کا حکم دیا گیا) میں مشغول نہ ہو کیونکہ یہ بات درست نہیں کہ بیٹھے ہوئے آدمی سے کہا جائے کہ بیٹھو اور خاموش آدمی سے کہا جائے خاموش ہو جاؤ اور یہ بات نبی اکرم ﷺ کے لئے جائز نہیں کہ آپ تبلیغ نہ فرمائیں اور نہ یہ کہ آپ اپنے رب کے حکم کی مخالفت کریں اور اسی طرح شرک کرنا اور کافروں، منافقوں کی بات ماننا بھی آپ کے لئے جائز نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقویٰ کا حکم دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ بارگاہ خداوندی میں آپ کی حاضری دائمی رہے۔

بعض حضرات نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم اور آپ کا مرتبہ دن بدن بڑھتا تھا حتیٰ کہ آپ کی پہلی حالت موجودہ حالت کے مقابلے میں افضل کو چھوڑنا ہوتا پس آپ کے لئے ہر گھڑی جدید سے جدید تقویٰ پیدا ہوتا (تو معنی یہ ہوا کہ مزید تقویٰ اور علم طلب کیجئے)۔

اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ تقویٰ پر قائم و دائم رہیں کیونکہ بیٹھے ہوئے آدمی سے کہنا کہ میرے آنے تک بیٹھے رہو اور خاموش آدمی سے کہنا کہ خاموش رہو سلامتی پاؤ گے یعنی اسی حالت پر رہو صحیح ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہے اور اس سے آپ کی امت مراد ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝

بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

(الاحزاب: ۲)

تو (واحد مذکر حاضر کا صیغہ) ”بما تعمل“ نہیں فرمایا۔

فَلَا تُطِيعِ الْمُكَذِّبِينَ

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَا تُطِيعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝ (القلم: ۸)

پس آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں۔
اللہ تعالیٰ نے جب نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کفار کے عقیدے اور ان باتوں کا ذکر کیا جو انہوں نے آپ کی طرف منسوب کی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ پر کئے گئے انعامات کا بھی ذکر فرمایا کہ آپ کو دین میں کمال اور خلق عظیم عطا فرمایا تو اس کے بعد ان باتوں کا ذکر فرمایا جو آپ کے دل کو مضبوط کریں اور آپ کو اپنی قوم (کے جھٹلانے والوں) کے ساتھ سختی کی دعوت دیں اور مسلمانوں کی تعداد کم اور کفار کی تعداد زیادہ ہونے کے باوجود آپ کے قلب مبارک کو تقویت حاصل ہو یہ سورت ابتدا میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے پس فرمایا:

فَلَا تُطِيعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝ (القلم: ۸)

پس آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں۔
ان لوگوں سے مکہ مکرمہ کے سرداران کفار مراد ہیں کیونکہ وہ آپ کو اپنے دین کی طرف بلاتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی بات ماننے سے روک دیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مخالفت میں سختی اختیار کرنے کی ترغیب ہے۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ

ارشاد خداوندی ہے:

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ

اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہو اس میں جو ہم
نے تیری طرف اتارا تو ان سے پوچھ دیکھ جو تجھ سے پہلے
(یونس: ۹۳) کتاب پڑھنے والے ہیں۔

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں مخاطب کون ہے؟ ایک جماعت کہتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ
مخاطب ہیں اور دوسرے حضرات کہتے ہیں آپ کے علاوہ کوئی مخاطب ہے۔

جن لوگوں نے پہلا قول کیا ہے ان کے نزدیک اس کی توجیہ میں چند اقوال ہیں۔

۱۔ ظاہر میں نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہے لیکن مراد آپ کے علاوہ کوئی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ (الطلاق: ۱) اے نبی! (ﷺ) جب تم عورتوں کو طلاق دو۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ

اے سننے والے! اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور

تیرا سب کیا دھرا اکارت جائے گا۔ (الزمر: ۲۵)

اور جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا:

أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّعِدُونِي وَأُمِّي إِلَهَيْنِ

کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں

کو دو خدا بنا لو اللہ کے سوا۔

مِنْ دُونِ اللَّهِ (المائدہ: ۱۱۶)

عام طور پر اس طرح خطاب ہوتا ہے کیونکہ جب کسی بادشاہ کا ایک امیر ہو اور اس امیر کے جھنڈے کے نیچے ایک جماعت ہو تو جب وہ اس رعایا کو کسی خاص بات کا حکم دینے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ان لوگوں کو براہ راست خطاب نہیں کرتا بلکہ اس امیر کو مخاطب بناتا ہے تاکہ ان لوگوں کے دلوں میں تاثیر زیادہ مضبوط ہو۔

۲۔ فراء نے کہا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کے رسول ﷺ شک کرنے والے نہیں ہیں لیکن یہ خطاب اسی طرح ہے جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے سے کہتا ہے اگر تم میرے بیٹے ہو تو مجھ سے اچھا سلوک کرو اور اپنے غلام سے کہتا ہے اگر تم میرے غلام ہو تو میری بات مانو۔

۳۔ سینے کی تنگی اور محض کو "شاک" کہا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر ان لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف اور اذیت سے آپ اپنے سینے میں تنگی محسوس کرتے ہیں تو صبر کیجئے اور ان لوگوں سے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں پوچھیئے کہ انبیاء کرام نے اپنی قوم کی طرف سے پہنچنے والی اذیت پر کس قدر صبر کیا اور انجام کار کے طور پر کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی تو اس سے مراد اس بات کو ثابت کرنا اور پہلی کتب سے شہادت طلب کرنا ہے اور قرآن مجید ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے یا نبی اکرم ﷺ کو زیادہ ثابت قدم رکھتا ہے۔

یابہ بات فرض کرنے کے طور پر ہے آپ کی طرف سے شک واقع ہونے کا امکان نہیں ہے اسی لئے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ لَا أَشْكُ وَلَا أَسْأَلُ
اللہ کی قسم نہ میں شک کرتا ہوں اور نہ پوچھتا ہوں۔

دوسری وجہ یعنی حضور علیہ السلام مخاطب نہ ہوں تو اس کی تقریروں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں لوگ تین جماعتوں میں منقسم تھے۔

(۱) آپ کی تصدیق کرنے والے (۲) آپ کو جھٹلانے والے اور آپ کے بارے میں توقف کرنے والے (۳) شک کرنے والے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اس خطاب کے ساتھ مخاطب کیا اور فرمایا۔

اے انسان! اگر تجھے اس ہدایت پر شک ہے جو ہم نے اپنے نبی ﷺ کی زبان پر اتاری ہے تو اہل کتاب سے پوچھتا کہ وہ تجھے آپ کی نبوت کے صحیح ہونے پر رہنمائی کریں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا هَتَرَكَ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اَنْتَ كَذَّابٌ
اے انسان! تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں کس نے دھوکے میں ڈالا؟

الکہریم (الانفطار: ۶)

اور فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَاذِبٌ
اے آدمی! بے شک تجھے اپنے رب کی طرف ضرور

دوڑتا ہے۔

اور فرمایا:

وَلَا تَدْمَسْ الْاِنْسَانَ ضُرًّا
اور جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے (تو اپنے رب

الزمر: ۸)

کو پکارتا ہے اس طرح جھکا ہوا)۔

یہاں جس انسان مراد ہے معین آدمی مراد نہیں اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں بھی عام انسان سے خطاب ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے وہ بات ذکر فرمائی جو ان کے شبہات کو زائل کر دے تو ان کو دوسری قسم کے لوگوں کے ساتھ مل جانے سے ڈرایا اور وہ جھٹلانے والے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونُوا مِنَ الْخَاسِرِينَ ○ (یونس: ۹۵)

اور ہرگز ان میں سے نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائی ہیں کہ تو خسارے میں ہو جائے گا۔

فَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُضْتَرِّينَ

ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا الْكِتَابَ يَظُنُّونَ أَنَّ اللَّهَ مُنْزَلٌ مِنْ دَرْجَتِكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُضْتَرِّينَ ○ (الانعام: ۱۱۳)

یعنی جس بات کو نہیں جانتے اس میں شک کرنے والوں سے نہ ہوں یا مراد یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! شک کرنے والے سے فرمادیں کہ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ تو یہ نبی اکرم ﷺ سے خطاب نہیں بلکہ آپ کے ذریعے دوسروں کو خطاب ہے۔

اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

فَلَا تَكُونُوا مِنَ الْجَاهِلِينَ

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْ كَسَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمُ عَلَى الْهُدَى فَلَا تَكُونُوا مِنَ الْجَاهِلِينَ ○ (الانعام: ۳۵)

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ آپ ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہوں جو اس بات سے بے علم ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو ہدایت پر جمع کرتا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت سے بے علم ہونا ہے اور یہ بات انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے جائز نہیں مقصود لوگوں کو وعظ کرنا ہے کہ وہ اپنے معاملات میں جاہلین کی علامت کی مشابہت اختیار نہ کریں اور آیت کریمہ میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ آپ ایسی صفت پر ہیں جس پر ہونے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع فرمایا۔

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی قوم سے اعراض پر مبر کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ اس وقت آپ کے سینے میں کوئی حرج پیدا نہ ہو کہ آپ کی حالت سخت افسوس کی وجہ سے جاہل کی حالت جیسی ہو جائے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۰۷)

یہ بات ابو بکر بن فورک نے ذکر کی ہے۔

کہا گیا ہے کہ خطاب کا معنی آپ کی امت کی طرف لوٹنا ہے یعنی اے لوگو! جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ یہ بات ابو محمد کی رحمت اللہ نے ذکر کی ہے اور قرآن مجید میں ایسی مثالیں بہت زیادہ ہیں اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَطْعَمُوا أَكْثَرَ مِمَّا فِي الْأَرْضِ
اور اگر (اے سننے والے) تم زمین میں رہنے والوں
(الانعام: ۱۱۶) میں سے اکثر کی بات مانو۔

تو اس سے بھی نبی اکرم ﷺ کا غیر مراد ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:
لَا تَطْعَمُوا الَّذِينَ كَفَرُوا. (آل عمران: ۱۳۹)
اگر تم کافروں کی بات مانو (تو وہ تمہیں اگلے پاؤں لوٹا دیں گے)۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:
فَإِنْ يَشَأِ اللَّهُ يُخْصِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ.
(الشوری: ۲۴)
اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہارے دل پر مہر لگا دے۔

اور ارشاد فرمایا:
لَنْ أَشْرَكَتَ لِيَحْبُطَنَّ عَمَلُكَ.
(الزمر: ۶۵)
اگر (اے سننے والے) تم شرک کرو گے تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا۔

اور اس قسم کی دوسری آیات میں نبی اکرم ﷺ مراد نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن کی حالت مشرکین کی حالت جیسی ہو اور نبی اکرم ﷺ کے لئے شرک جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو جس کام سے چاہے روک دیتا ہے اور جس کے بارے میں چاہے حکم دیتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ.
(الانعام: ۵۲)
اور ان لوگوں کو دور نہ کریں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو دور نہ کیا اور آپ خالوں میں سے نہ تھے۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۰۹)

وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ
(یوسف: ۳)
اور اگر چہ بیشک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔

یہ آیت اس آیت کے معنی میں نہیں ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ (یونس: ۷)

معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے بے خبر تھے کیونکہ آپ کے دل میں یہ بات نہیں آئی اور نہ کبھی آپ کے کان میں کھنکی پس آپ کو ہماری وحی کے بغیر اس کا علم نہ ہوا۔ (المصدر السابق ج ۲ ص ۱۱۴)

وَلَمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ. (الاعراف: ۲۰۰)

اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگ۔

اگر آپ کو غصہ اس حد تک لے جائے کہ وہ آپ کو ان لوگوں سے منہ پھیرنے پر مجبور کرے۔

”النزع“ ادنیٰ حرکت کو کہتے ہیں جس طرح زجاج نے کہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ جب دشمن کے خلاف آپ کے غصہ میں کوئی حرکت ہو یا شیطان اس طریقے سے آپ کو دھوکہ دینا چاہے اور آپ کے دل میں کچھ دوسرے ڈالنا چاہے جس کے لئے وہ راستہ نہیں پاتا (کیونکہ آپ معصوم ہیں) تو آپ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں پس آپ کو کفایت ہو جائے گی اور یہ آپ کی عصمت کی تکمیل کا سبب ہوگا کیونکہ وہ سوائے چھیڑ خانی کے زیادہ تسلط پر قادر نہیں ہے اور اسی طرح یہ بات صحیح نہیں کہ شیطان آپ کے سامنے فرشتے کی صورت میں آئے اور دھوکہ دے نہ رسالت کے آغاز میں اور نہ بعد میں۔ (الشفا ج ۲ ص ۱۲۰)

بلکہ نبی کو اس بارے میں شک نہیں ہوتا کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آیا ہے وہ فرشتہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے یا تو نبی کو یہ بات علم ضروری سے حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے پیدا کیا یا دلیل کے ذریعے معلوم ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اس وقت ظاہر کرتا ہے جس طرح میں نے مقصد اول میں بحث کے ذکر میں بیان کیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ صدق اور عدل میں پورا ہو۔ اس کے کلمات کو بد لئے والا کوئی نہیں ہے۔

إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ. (الحج: ۵۲)

جمہور مفسرین نے اس سلسلے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ سب سے عمدہ بات ہے یعنی یہاں تمنیٰ سے تلاوت مراد ہے اور شیطان کے القاء سے مراد اس کا دل کو مشغول رکھنا اور پڑھنے والے کو دنیوی امور یا دلدانا ہے حتیٰ کہ وہ جو کچھ پڑھتا ہے اس میں وہم اور نسیان داخل ہو جاتا ہے یا سننے والوں کے ذہنوں میں تبدیلی اور بری تاویل داخل کر دیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ زائل کر دیتا اور مٹا دیتا ہے اور اس کے دھوکے کو دور کر کے اپنی آیات کو مستحکم (مضبوط) بنادیتا ہے۔

یہ بات اقاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمائی ہے اور مقصد اول میں اس سے زیادہ بیان ہو چکا ہے۔

اور جب وادی والے واقعہ کے دن نبی اکرم ﷺ آرام فرما ہوئے اور (فجر کی) نماز قضاء ہو گئی تو آپ نے فرمایا:

ان هذا واديه شيطان. اس وادی میں شیطان ہے۔

(موطار قم الحدیث: ۱۴۱ مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۸۷، تمہید ابن عبد البر ج ۵ ص ۲۰۳ دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۷۳)

تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ شیطان آپ پر مسلط ہوا یا اس کا دوسرے آپ پر حاوی ہوا بلکہ اگر اس کے ظاہر کو دیکھیں تو بھی نبی اکرم ﷺ نے اس شیطان کا معاملہ بیان کر دیا آپ نے فرمایا۔

شیطان حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو مسلسل لوریاں دیتا رہا جس طرح بچے کو لوری دی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ سو جاتا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس وادی میں شیطان کا تسلط حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ہوا جو فجر کا خیال رکھنے پر مامور تھے یہ تاویل اس صورت میں ہوگی جب ہم کہیں کہ اس وادی میں شیطان تھا جو نماز سے غفلت کا سبب بنا اور اگر ہم کہیں کہ وہ وادی سے کوچ کرنے کا سبب تھا اور وہاں نماز نہ پڑھنے کی علت یہی تھی تو حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مقصد یہی ہے پس اس باب میں کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اعتراض اٹھ گیا۔

عَبَسَ وَ تَوَلَّى

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَبَسَ وَ تَوَلَّى ۝ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی ۝
تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ (العنص: ۱-۲) ناپیدا حاضر ہوا۔

ان آیات میں نبی اکرم ﷺ کے لئے گناہ کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو خبر دی جا رہی ہے کہ آپ جس کے درپے ہیں وہ ان میں سے ہے جو پاک نہیں ہیں اور بہتر اور اوٹی بات یہ ہے کہ اگر دونوں مردوں کا حال آپ پر ظاہر ہو تو آپ نابینا کی طرف متوجہ ہونے کو اختیار کریں اور نبی اکرم ﷺ کا اس کافر کی طرف متوجہ ہونا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی طرف سے تبلیغ کے طور پر تھا نیز اس کو مانوس کرنا مقصود تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے شروع قرار دیا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور مخالفت نہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے جو واقعہ بیان فرمایا تو وہ دو آدمیوں کے بارے میں خبر دینا اور یہ بتانا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر کا معاملہ کمزور ہے اور:

وَمَا عَلَيْكَ اِلَّا يَتْرَكَ ۝ (العنص: ۷)
اور تمہارا کچھ نقصان نہیں اس میں کہ وہ سحراندا ہو۔

فرما کر اس سے اعراض کی طرف اشارہ فرمایا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۶۱)

یعنی اگر وہ اسلام کے ذریعے پاکیزگی اختیار نہیں کرتا تو آپ پر کوئی حرج نہیں مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے اسلام لانے کے سلسلے میں آپ کی حرص اس حد تک نہ پہنچے کہ آپ ان کو اسلام کی دعوت دینے میں اس قدر مصروف ہو جائیں کہ مسلمانوں سے منہ پھیر لیں آپ پر تو صرف پہنچا دینا ہے۔

اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تادیب اور جھڑک کے مستحق تھے کیونکہ ان کی بیعتی اگرچہ نہیں تھی لیکن وہ نبی اکرم ﷺ کا کفار سے خطاب سن رہے تھے اور اس سماعت کے باعث انہیں معلوم تھا کہ نبی اکرم ﷺ ان لوگوں (کفار) کے معاملے کا کس قدر اہتمام فرماتے ہیں؟ پس ان کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو کلام توڑنا پڑا جس سے آپ کو سخت اذیت پہنچی اور یہ بہت بڑا گناہ تھا اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ عظیم غلطی ہوئی۔ ۱

۱ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کا عذر قبول کیا کیونکہ وہ نبی اکرم ﷺ سے نفع بخش سننے کی زیادہ حرص رکھتے تھے اور اس وجہ سے ان کی توجہ اس بات کی طرف نہ ہوئی کہ نبی اکرم ﷺ کفار کی تالیف قلوب میں مشغول ہیں۔ (زرقانی ج ۶ ص ۲۷۱)

اور جو کچھ نبی اکرم ﷺ نے کہا وہی واجب اور متعین تھا اور نبی اکرم ﷺ کو صحابہ کرام کی تادیب کی اجازت تھی لیکن حضرت ابن ام مکتوم ناچنا ہونے کی وجہ سے مزید ترقی کے مستحق تھے۔

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ

ارشاد خداوندی ہے:

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ. (التوبہ: ۴۳)

اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے تم نے ان کو کیوں

اجازت دی؟

حضرت ابن حاتم نے حضرت مسعر سے اور انہوں نے حضرت عون سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کیا تم نے اس سے زیادہ اچھا عتاب سنا عتاب سے پہلے معافی کا ذکر فرمایا، حضرت مورق عجل رحمہ اللہ (تابعی) نے بھی یہی بات فرمائی ہے۔

(شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۲۲)

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا جیسا کہ تم نے سنا پھر سورہ نور میں اجازت دینے کی

رخصت دیتے ہوئے فرمایا:

فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَنْذَنْ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْهُمْ. (النور: ۶۲)

پس جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے

لئے تو ان میں جسے تم چاہو اجازت دے دو۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ آپ کی رائے پر چھوڑ دیا۔

حضرت عمرو بن مسمون رحمہ اللہ فرماتے ہیں دو کام ایسے ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے کئے لیکن ان میں آپ کو کوئی حکم نہیں دیا گیا آپ کا منافقین کو (غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے کی) اجازت دینا اور (غزوہ بدر میں) قیدیوں سے فدیہ لینا، پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا جس طرح تم سنتے ہو اور بعض لوگوں کا قول جو کہتے ہیں کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے گناہ سرزد ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ. (التوبہ: ۴۳)

اللہ تمہیں معاف کرے تم نے ان کو اجازت کیوں

دی؟

اور معافی کا تقاضا ہے کہ پہلے گناہ پایا جاتا ہو۔ (شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۱۶)

اور دوسرے لوگوں کا قول کہ ”لم اذنت لهم“ میں استہزام انکاری ہے (یعنی آپ اجازت نہ دیں) تو جان لو کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ”عفا اللہ عنک“ سے گناہ کا وجوب لازم آتا ہے یہ بات کیوں نہ کہی جائے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی توقیر و تعظیم خوب فرمائی جس طرح ایک شخص کسی دوسرے کے نزدیک عظیم ہو تو وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے جو کچھ تم نے میرے معاملے میں کیا اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو میرے کلام کا تمہارے پاس کیا جواب ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے کیا تم میزاق نہیں پہچانتے تو اس کلام سے مقصود صرف اور صرف تعظیم میں اضافہ ہوتا ہے اور ”عفا“ یہاں ”غفر“ کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

عفا الله لكم عن صدقة الخيل والرقيق. اللہ تعالیٰ نے تم سے گھوڑوں اور غلاموں کا صدقہ معاف کر دیا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۶۲۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۹۰-۱۸۱۳، سنن داری رقم الحدیث: ۱۷۱۱-۱۷۱۲، مسند احمد ج ۱ ص ۱۳۲-۱۳۵)

(۱۳۶-۱۳۸، الشفاء ج ۲ ص ۳۶)

حالانکہ وہ تو ان پر واجب نہیں تھا معنی یہ کہ اس نے تم پر لازم ہی نہیں کیا۔
امام قشیری رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں یہ بات کہ ”عفو“ کا لفظ گناہ کے بعد کے لئے ہوتا ہے وہی شخص کہتا ہے جو کلام عرب کی پہچان نہیں رکھتا وہ فرماتے ہیں ”عفا اللہ عنک“ کا معنی یہ ہے کہ آپ پر گناہ لازم نہیں ہے اور دوسری بات کہ یہ استغھام انکاری ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے گناہ سرزد ہوا یا نہیں؟ تو ہم کہتے ہیں نہیں اس بنیاد پر ”لم اذنت“ استغھام انکاری نہیں ہو سکتا اور اگر ہم کہیں کہ گناہ ہوا (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ و معصوم فرمایا) تو ارشاد خداوندی ”عفا اللہ عنک“ معافی کے حصول پر دلالت کرتا ہے اور معافی کے بعد انکار کا اس کی طرف متوجہ ہونا محال ہے پس ثابت ہوا کہ ان تمام مفروضہ باتوں کو جمع کرنے کی صورت میں یہ کہنا ممتنع ہے کہ لفظ ”لم اذنت لہم“ سے رسول اکرم ﷺ کا گناہ گار ہونا ثابت ہوا۔

یہ جواب کافی شافی اور قطعی ہے اس وقت ”لم اذنت لہم“ کو اوٹی اور اکمل کے ترک پر محمول کیا جائے گا۔
بلکہ اہل علم نے اسے عتاب پر محمول نہیں کیا اور جن لوگوں کا یہ نظریہ ہے ان کی بات کو غلط قرار دیا۔

(ابراہیم بن محمد از دی نحوی) نفعیہ فرماتے ہیں بعض لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی اکرم ﷺ پر عتاب فرمایا (اللہ تعالیٰ ایسے عقیدے سے محفوظ رکھے) بلکہ آپ کو اختیار تھا پس جب آپ کو اجازت دی تو خبر دیتے ہوئے فرمایا اگر آپ ان کو اجازت نہ بھی دیں تو وہ اپنی منافقت کی وجہ سے خود بینہ جائیں گے اور اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں۔ (الاعلام ج ۱ ص ۶۱، نجات الایمان ج ۱ ص ۱۱، انباء الرواہ ج ۱ ص ۷۶، شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۹۸)

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا

بدر کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا:

مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُشْعِنَ
فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ
الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ
سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝
کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب
تک زمین میں ان کا خون نہ بہائے تم لوگ دنیا کا مال چاہتے
ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے اگر
اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانو! تم نے جو
(الانفال: ۶۷-۶۸) کافروں سے بدلے کا مال لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔

حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ جب بدر کے دن مشرکین بھاگ گئے اور ان میں سے ستر قتل ہوئے جب کہ ستر قیدی بنائے گئے تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ فاروق اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! (ﷺ)

یہ لوگ ہمارے چچا زاد اور قبیلے کے لوگ ہیں اور بھائی ہیں میرے خیال میں آپ ان سے فدیہ لے لیں پس جو کچھ ہم ان سے لیں گے وہ کفار کے خلاف ہماری قوت ہوگی اور ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے اور ہمارے بازو بنیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اے عمر! آپ کی کیا رائے ہے وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا میری رائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نہیں ہے بلکہ میری رائے یہ ہے کہ آپ میرے فلاں رشتہ دار کو میرے حوالے کر دیں پس میں اس کی گردن مار دوں۔ آل عقیل کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قابو میں دیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے فلاں بھائی کو قابو کریں اور اس کی گردن مار دیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کی طرف کوئی میلان نہیں ہے۔ پس نبی اکرم ﷺ کا جھکاؤ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بات کی طرف ہوا اور میری رائے کی طرف نہ ہوا اور آپ نے ان سے فدیہ لے لیا۔

جب دوسرا دن ہوا تو میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا آپ تشریف فرما تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اور آپ دونوں رورہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ بتائیے آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رورہے ہیں اگر مجھے رونا آیا تو میں بھی روؤں گا اور اگر نہ آیا تو جھکف روؤں گا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں اس بات پر رورہا ہوں جو تیرے ساتھیوں نے مجھے فدیہ لینے کا مشورہ دیا بے شک اس درخت کے قریب مجھے تمہارا عذاب دکھایا گیا (قریب درخت کی طرف اشارہ فرمایا)۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى“۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۸، تفسیر طبری ج ۱۰ ص ۳۱، نصب الراية ج ۳ ص ۴۰۲، مشکل لا خارج ج ۳ ص ۲۹۲، دلائل النبوة ج ۳ ص ۱۳۷) اور ارشاد خداوندی ”حتیٰ یبسخن فی الارض“ کا معنی یہ ہے کہ ان کو خوب قتل کیا جاتا یہاں تک کہ کفر ذلیل ہوتا اور اس کی جماعت کم ہو جاتی اور اسلام کو عزت حاصل ہوتی اور وہ ان لوگوں پر چھا جاتا۔

اس میں نبی اکرم ﷺ پر گناہ کا الزام نہیں بلکہ اس میں اس خصوصیت اور فضیلت کا بیان ہے جو نبی اکرم ﷺ کو دیگر انبیاء کرام کے مقابلے میں عطا فرمائی گئی پس گویا یوں فرمایا۔ یہ بات آپ کے علاوہ کسی نبی کے لئے نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

احللت لی العنانم ولم تحل لنبی قبلی۔ میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں اور مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہ تھیں۔

اور ارشاد خداوندی:

يَوْمَئِذٍ نَّعْلِمُ الْكُفَّارَ (الانفال: ۶۷) تم دنیا کا سامان چاہتے ہو۔

کہا گیا ہے اس میں ان لوگوں کو خطاب ہے جنہوں نے اس کا ارادہ کیا اور ان کی غرض محض دنیا اور اس کی کثرت کا حصول تھا اس سے نبی اکرم ﷺ اور جلیل القدر صحابہ کرام مراد نہیں ہیں۔

بلکہ حضرت ضحاک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب بدر کے دن مشرکین بھاگ اٹھے اور لوگ مال لوٹنے اور غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے اور لڑائی کی طرف توجہ نہ رہی حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈر محسوس کیا کہ کہیں دشمن ان پر چڑھ نہ دوڑیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَوْ لَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ. (الانفال: ۶۸)

اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے لکھا ہوا نہ ہوتا۔

اس آیت کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے اگر میری طرف سے یہ بات گزر نہ چکی ہوتی کہ میں کسی کو نبی (روکنے) سے پہلے عذاب نہیں دیتا تو میں تمہیں عذاب دیتا پس اس سے اس بات کی نفی ہو جاتی ہے کہ قیدیوں کا معاملہ گناہ تھا۔

یہ بھی کہا گیا کہ اگر قرآن مجید پر تمہارا ایمان نہ ہوتا اور یہ کتاب سابق ہے پس تمہیں غنیمت پر سزا دی جاتی لیکن اب تم درگزر کے لائق ہو گئے ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ اگر لوح محفوظ میں لکھا ہوا نہ ہوتا کہ یہ تمہارے لئے حلال ہے تو تمہیں سزا دی جاتی۔

یہ تمام تفاسیر گناہ اور نافرمانی کی نفی کرتی ہیں کیونکہ جو شخص حلال کام کرتا ہے وہ گناہ گار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا وَطَيِّبًا.

پس مال غنیمت سے حلال اور پاکیزہ کھاتے ہوئے

(الانفال: ۶۹) کھاؤ۔

اور کہا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بدر کے دن نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا اپنے صحابہ کرام کو قیدیوں کے معاملے میں اختیار دیجئے اگر چاہیں تو قتل کریں اور اگر چاہیں تو فدیہ لیں کہ آئندہ سال ان میں سے ان کی مثل قتل کئے جائیں گے تو انہوں نے عرض کیا ہم فدیہ لینا چاہتے ہیں اور ہم سے قتل کئے جائیں (تا کہ شہادت کا درجہ حاصل ہو)۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۶۷)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے وہی کام کیا جس کی ان کو اجازت ملی تھی لیکن بعض نے دونوں باتوں میں زیادہ کمزور کو لیا اور جو زیادہ بہتر تھی یعنی خون بہانا اور قتل کرنا اسے چھوڑ دیا اس پر جھڑک ہوئی اور ان کے لئے بیان کیا گیا کہ انہوں نے کمزور بات کو اختیار کیا اور دوسروں نے درست بات کو اختیار کیا لیکن کوئی بھی نافرمان یا گناہ گار نہیں ہے۔

قاضی بکر بن علاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے نبی ﷺ کو خبر دی کہ آپ کی تاویل اس کے موافق ہے جو آپ کے لئے لکھا گیا یعنی غنیمت کو حلال کرنا اور فدیہ دینا اور اس سے پہلے یہ ہوا کہ عبد اللہ بن جحش کا سریہ جس میں ابن حضرمی قتل ہوا حکم بن کیسان اور اس کے ساتھی کے بدلے میں فدیہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے ابن پر عتاب نہیں فرمایا اور یہ واقعہ بدر سے ایک سال سے زائد عرصہ پہلے ہوا۔ ۱۔

یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قیدیوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا عمل تاویل اور بصیرت پر مبنی

۱۔ امام زرقاتی فرماتے ہیں یہ سمو ہے کیونکہ سریہ عبد اللہ بن جحش رجب کے مہینے میں ہوا بعض نے کہا کہ جمادی الاخریٰ میں ہوا اور بدر کا واقعہ رمضان شریف میں ہوا اور یہ دونوں (سریہ اور غزوہ) ۲ھ میں ہوئے لہذا دونوں کے درمیان تین مہینے سے کم عرصہ تھا۔

(زرقاتی ج ۶ ص ۲۷۶)

تھا جیسا کہ اس کی مثل پہلے گزر گیا پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے بدر کے معاملہ کی عظمت اور اس کے اسرار کی کثرت کے باعث اپنی نعمت کے اظہار اور اپنے احسان کی تاکید کا ارادہ فرمایا کہ جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہے ان کو اس کی معرفت ہو جائے کہ یہ ان کے لئے حلال ہے تو یہ ذکر ان پر عتاب یا اعتراض یا ان کو گناہ گار قرار دینا نہ تھا۔ یہ بات قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ (الشفا ج ۲ ص ۱۵۹)

لَقَدْ كَدْتِ بَرَكْنِ الْيَهُم

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْ لَا أَنْ تَبْتَئَكَ لَقَدْ كَدْتِ تَزَكُّنِ الْيَهُم
شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذَا لَا ذَفْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَ
ضِعْفَ الْمَمَاتِ ۝ (الاسراء: ۷۴-۷۵)

اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دوئی عمر اور دو چند موت کا مزہ دیتے۔

پس معنی یہ ہے کہ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی مراد کی اتباع کی جانب مائل ہو جاتے لیکن ہماری حفاظت نے آپ کو پالیا پس آپ کو میلان کے قرب سے بھی روک دیا میلان تو الگ بات ہے۔ یہ اس سلسلے میں صریح ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کی بات قبول کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا باوجودیکہ اس اجابت کے داعی مضبوط تھے پس اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ معصوم و محفوظ رہے اور اگر آپ قریب جاتے تو ہم آپ کو دو گنا زندگی اور دو گنا موت چکھاتے یا اگر آپ کے علاوہ کوئی یہ کام کرتا تو اسے دو جہانوں میں جو عذاب دیا جاتا ہے اس سے دو گنا آپ کے لئے ہوتا کیونکہ بڑوں کی خطا بھی بڑی ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایسی بات ڈالی کہ اپنے دشمنوں کی طرف مائل ہونے سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا حریری کی طرف منسوب یہ اشعار اس بات کی تائید کرتے ہیں (کہ ”کاد“ یہاں ”قرب“ کے معنی میں ہے):

انحوى هذا العصر ما هى لفظه جرت فى لسانى جرهم و ثمود

اذا استعملت فى صورة الجحد اثبت وان اثبتت قامت مقام جحد

”کیا اس زمانے کا کوئی نحوی بتا سکتا ہے کہ وہ کیا کلمہ ہے جو قبیلہ جرہم اور ثمود کی زبان پر جاری ہوا جب یہ بطور جحد استعمال ہو تو مثبت ہو جاتا اور جب مثبت استعمال ہو تو انکار کا فائدہ دیتا ہے۔“

اور پہلے یعنی مثبت کی نفی کی ”ذبحوها وما كادو يفعلون“ کے ساتھ اور دوسرے یعنی نفی کے ثبوت کو ”لقد كدت تركن“ سے واضح کیا۔

وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا دل ثابت رہا اور آپ اس طرف مائل نہیں ہوئے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَا خَدْنَا

۱ ذبحوها مثبت ہے اور ”وما كادو يفعلون“ میں نفی ہے۔

اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے ضرور ہم ان

وَمِنْهُ بِالْجَمِيعِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝
سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی رگِ دل کاٹ دیتے۔

(الحی: ۴۳-۴۶)

معنی یہ ہے کہ اگر وہ ہم پر اپنی طرف سے کوئی بات بنائیں تو ہم ان کو دائیں ہاتھ سے پکڑیں اور ان کے دل کی رگ کاٹ دیں اور ان کو ہلاک کر دیں اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کو اللہ تعالیٰ پر کوئی بات اپنی طرف سے گھڑنے سے بچایا۔
سوال: اس میں کوئی شک نہیں کہ محبت اور عمدہ سلوک اور احسان عظیم کرنے والوں کو جس طرح معاف کیا جاتا ہے دوسروں کو اس طرح معاف نہیں کیا جاتا اور ایسے لوگوں سے جس طرح چشم پوشی کی جاتی ہے دوسرے کسی سے نہیں کی جاتی جس طرح شاعر نے کہا ہے:

واذا الحبيب اتى بذنوب واحد
جاءت محاسنه بالف شفيح

”جب محبوب ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے محاسن ہزار سفارشی لے آتے ہیں۔“

اور اس میں شک نہیں کہ ہمارے نبی ﷺ محبوب اعظم ہیں اور حسن و احسان عظیم والے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اگر آپ سے کوئی ناپسندیدہ عمل سرزد ہو تو دو گنا سزا اور سخت جہنم کیوں ہے اور کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں لیکن ان (کے اس عمل) کی پرواہ نہیں کی جاتی جس طرح بدعتی وغیرہ؟

جواب: ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ جس پر نعت کامل ہو اور اسے ایسی خصوصیات عطا کی گئی ہوں جو دوسروں کو نہ دی گئی ہوں اور اس پر ایسے انعامات ہوں جو دوسروں پر نہ ہوں اور اسے مزید انعام اور زیادہ قرب و اکرام سے نوازا جائے تو اس کی حالت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے مرتبہ قرب و ولایت اور اختصاص کی حفاظت کی جائے اور ادنیٰ قسم کی تشویش کا بات سے بھی اس کے مرتبہ کو محفوظ رکھا جائے پس اس کا زیادہ اہتمام اور زیادہ سے زیادہ قرب اور اپنے لئے اسے خاص کرنا اور دوسروں پر اسے جن لینا اس کے سردار اور ولی کے حقوق اور انعامات اس پر زیادہ کامل ہوتے ہیں پس اس سے جو کچھ مطلوب ہوتا ہے اس کے غیر سے نہیں ہوتا اس لئے جب وہ غافل ہو یا اس کے مرتبہ کے تقاضے میں کوئی خلل واقع ہو تو اسے زیادہ تنبیہ کی جاتی ہے اور اس بات سے چشم پوشی نہیں ہوتی اگرچہ اس سے چشم پوشی کی جائے تو اس کے حق میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں۔

اور جب تم ان دو باتوں کے اجتماع اور ان کے درمیان تناقض نہ ہونے کی معرفت حاصل کرنا چاہو تو عام عرف اس پر گواہ ہے کہ بادشاہ اپنے خاص لوگوں اور دوستوں سے ان باتوں کی چشم پوشی بھی کرتا ہے جو دوسروں سے نہیں کرتا لیکن ان کا مواخذہ بھی دوسروں کے مواخذے سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور جب تمہارے دو غلام یا دو بیٹے ہوں اور ان میں سے ایک تمہیں زیادہ محبوب ہو یا تمہارے دل کے زیادہ قریب ہو اور تمہارے نزدیک زیادہ معزز ہو تو تم اس سے یہ دونوں معاملے کرتے ہو یعنی جس قدر وہ تمہارے قریب اور زیادہ محبوب ہوتا ہے اسی حساب سے ان دونوں معاملوں میں فرق پڑتا ہے۔

جب تم اس پر اپنے احسان کے کامل ہونے کو دیکھتے ہو تو اس کے معاملہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ وہ معاملہ کرو

جو دوسروں کے ساتھ نہیں کرتے کہ اسے تنبیہ کرتے ہو اور مہلت نہیں دیتے اور جب تم دیکھتے ہو کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے تمہاری بات مانتا اور خدمت کرتا ہے اور کامل غلامی اور خیر خواہی کا ثبوت دیتا ہے تو تم اس سے اس طرح چشم پوشی کرتے اور معاف کرتے ہو کہ دوسروں سے ایسا سلوک نہیں کرتے پس یہ دونوں معاملے اس رشتے اور تعلق کے حساب سے ہوتے ہیں جو تمہارے اور اس کے درمیان ہے۔

یہ معنی شریعت میں بھی ظاہر ہے کہ جس کو نکاح کی نعمت سے نوازا گیا (یعنی شادی شدہ ہے) جب وہ زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کی سزا رجم ہے اور جس کو یہ نعمت نہیں ملی اسے کوڑے لگائے جاتے ہیں۔

اسی طرح آزاد آدمی جو اپنے نفس کا مالک ہے اور اس پر نعمت مکمل ہے اسے غیر کا غلام نہیں بنایا گیا اس کی سزا دو گنا ہے اور غلام جس کی غلامی کی وجہ سے آزادی ناقص ہو گئی اور اسے یہ نعمت نہ ملی اس کی سزا نصف ہے تو وہ ذات پاک ہے جس کی حکمت مخلوق میں غالب ہے:

فلله سر تحت كل لطيفة
فاخو البصائر غائص يتعقل
”پس اللہ تعالیٰ کے لئے ہر مہربانی کے تحت حکمت ہے پس اہل بصیرت غور و فکر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔“

مَا كُنْتُ تَذَرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ

ارشاد خداوندی ہے:

مَا كُنْتُ تَذَرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ.
اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام۔
(الشوری: ۵۲)

کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو تفصیل قرآن مجید میں مذکور ہے اس کے مطابق آپ کو ایمان کا علم نہ تھا۔ حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں یہ ایمان کی دعوت کے معنی میں ہے کیونکہ وحی سے پہلے نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دینے پر قادر نہ تھے ایک قول یہ ہے کہ جب آپ ہنگموڑے میں تھے اور بلوغت سے پہلے ایمان کی معرفت نہیں رکھتے تھے یہ بات ماوردی و واحدی اور قشیری نے نقل کی ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی ”ما کنت تذری اهل الایمان“ آپ اہل ایمان کو نہیں جانتے تھے یعنی کون ایمان لائے گا ابوطالب یا عباس یا ان کے علاوہ کوئی؟

ایک قول کے مطابق اس سے ایمان کے احکام اور علامات مراد ہیں اور یہ سب ایمان ہیں اللہ تعالیٰ نے نماز کو ایمان کا نام دیا۔ فرمایا:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ. (البقرہ: ۱۷۳)

یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے تم نے جو نمازیں پڑھی ہیں پس لفظ عام ہے اور مراد خاص ہے۔ یہ بات ابن قتیبہ اور ابن خزیمہ نے کہی ہے۔

اور حدیث شریف میں یہ بات مشہور ہے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے تھے بتوں سے نفرت کرتے اور حج

و عمرہ کرتے تھے۔

ابو نعیم اور ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کیا آپ نے کبھی بتوں کی پوجا کی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں پوچھا گیا کیا شراب پی ہے؟ فرمایا نہیں اور مجھے ہمیشہ یہ بات معلوم ہے کہ یہ لوگ کفر پر ہیں لیکن مجھے کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: قریش اور جو لوگ ان کے دین پر تھے اور وہ جس (کہلاتے) تھے وہ مزدلفہ میں ٹھہرتے اور کہتے ہم اہل حرم ہیں (عرفات نہ جاتے)۔

جب کہ رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے عرفات میں وقوف فرماتے تھے اس حدیث کو امام بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔

یہ بھی آیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین سے جو کچھ باقی تھا اہل عرب اس پر تھے مثلاً بیت اللہ شریف کا حج کرنا، ختنہ کرنا اور جنابت سے غسل وغیرہ اور نبی اکرم ﷺ بتوں کے قریب نہ جاتے بلکہ ان کا میب بیان فرماتے تھے لیکن احکام شریعت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمائے ہیں آپ ان کی پہچان نہیں رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ. آپ کو معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا؟

(الشوری: ۵۲)

اس سے وہ ایمان مراد نہیں جو زبانی اقرار ہے کیونکہ آپ کے آباء اجداد جو شرک کے دور میں فوت ہوئے وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے اور حج بھی کرتے تھے حالانکہ وہ شرک بھی کرتے تھے۔ ۱۔

۱۔ امام رازی وغیرہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے آباء اجداد میں کوئی شرک نہ تھا کتاب (پہلی جلد) کے شروع میں تفصیل گزر چکی ہے (زرعانی ج ۶ ص ۲۸۰) شاید معنی ایمان قبول نہ کرنے کو شرک کہہ رہے ہیں اور ظاہر بات ہے جب تک کسی رسول کی بعثت نہ ہو ایمان لانا کیسے ہوگا ۱۲ ہزاروی

ساتواں مقصد

نبی اکرم ﷺ کی محبت آپ کی سنت کی اتباع آپ کی سیرت اور طریقے پر چلنا
آپ کے آل و اصحاب سے محبت کرنے کی فرضیت نیز آپ پر صلوٰۃ و سلام
پڑھنے کے حکم کا بیان

اللہ تعالیٰ آپ کے فضل و شرف کو زیادہ فرمائے۔
اس مقصد میں تین فصول ہیں۔

فصل نمبر ۱

نبی اکرم ﷺ کی محبت آپ کی سنت کی اتباع اور سیرت
طیبہ کی اقتدا کا وجوب

محبت کی تعریف

جان لو کہ ”المدارج (مدارج السالکین ۱) کے“ مصنف کے مطابق محبت ایک مرتبہ ہے جس کی طرف سبقت کرنے والے سبقت کرتے ہیں، عمل کرنے والے اس کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں اور سبقت کرنے والے اس کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، محبت کرنے والے اس کے صحن میں اترنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، عبادت گزار اس کی تسبیح و تحمید سے راحت پاتے ہیں پس یہ دلوں کی قوت، ارواح کا رزق اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے یہی وہ زندگی ہے کہ اس سے محروم آدمی مردوں میں شمار ہوتا ہے اور یہ ایسا نور ہے کہ جس نے اس کو گرم پایادہ اندھیروں کے سمندر میں ہے، یہ ایسی شفاء ہے کہ جو اس سے خالی ہو اس کے دل میں تمام بیماریاں اترتی ہیں یہ وہ لذت ہے کہ جو اس کے ساتھ کامیابی حاصل نہ کرے اس کی زندگی غموں اور تکالیف کا شکار ہو جاتی ہے یہ (محبت) ایمان، اعمال اور مقامات کی روح ہے کہ اگر یہ نہ پائی جائے تو یہ تمام چیزیں ایسے جسم کی طرح ہیں جس میں روح نہ ہو محبت کسی شہر کی طرف جانے والے مدارج السالکین کے نام سے ابن قیم نے ”منازل السائرین“ کی شرح لکھی ہے اور ”منازل السائرین“ شیخ الاسلام عبد اللہ بن محمد بن علی انصاری رحمہ اللہ کی کتاب ہے وہ حضرت ابو یوسف انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں ساٹھ سال تک لوگوں کو وعظ کرتے رہے۔ ۳۸۱ھ میں ان کا وصال ہوا اس وقت ان کی عمر چھیالیس سال تھی۔ (زرقانی ج ۶ ص ۲۸۰)

والوں کے بوجھ کو اٹھاتی ہے کہ وہ سخت جسمانی مشقت کے بغیر وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور یہ ان کو ایسی منازل تک پہنچاتی ہے کہ اس کے بغیر وہ کبھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے یہ محبت ان کو سچائی کی مجالس سے ایسے مقامات کی طرف سکون عطا کرتی ہے کہ اس کے بغیر وہ ان مقامات میں داخل نہیں ہو سکتے۔

محبت اس قوم کی سواری ہے جو ہمیشہ محبوب کی طرف سفر جاری رکھتے ہیں اور یہ ان کا نہایت مضبوط راستہ ہے جو ان کو ان کی اصل منازل کی طرف کسی تکلیف کے بغیر لے جاتا ہے۔ اللہ کی قسم اہل محبت دنیا اور آخرت کا شرف حاصل کر گئے کیوں کہ ان کو اپنے محبوب کی معیت میں بہت وافر حصہ ملتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لئے تقدیر مقرر کی تو اپنی مشیت اور حکمت بالغہ سے یہ بات مقدر فرمادی کہ انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا پس یہ ایسی نعمت ہے جو محبت کرنے والوں پر کشادہ ہے سعادت اس قوم سے سبقت کر گئی جو اپنے بستر پر سوئے ہوئے ہیں اور جو لوگ اپنے سفر میں کھڑے ہیں ان سے یہ کئی مراحل آگے چلی گئی۔

من لی بمثل سیرک المذلل تمشی رویدا و تجی فی الاول

”کون ہے جو تیری آسان سیر کی طرح میرے لئے کفیل بنے کہ تو آہستہ چلتا ہے لیکن پہلے پہنچتا ہے۔“

انہوں نے مؤذن شوق کی آواز پر لبیک کہا جب اس نے جی علی الفلاح (آؤ بھلائی کی طرف) کی آواز بلند کی اور اپنے محبوب تک پہنچنے کے لئے اپنے نفوس کو استعمال کیا اور ان کا یہ استعمال خوشی خوشی تھا اور وہ رات کے اندھیرے میں صبح اور شام چلتے رہے اور جب وہ منزل پر پہنچے تو ان کی تعریف کی گئی اور منزل کی طرف جانے والی قوم کی تعریف صبح کے وقت کی جاتی ہے (کیونکہ وہ اس وقت وہاں پہنچتے ہیں)۔

محبت کیا ہے؟

محبت کی تعریف میں اختلاف ہے اور علماء کرام کی عبارات اس سلسلے میں اگرچہ زیادہ ہیں لیکن یہ کلام کا اختلاف نہیں احوال کا اختلاف ہے اور اکثر اقوال اس کے نتیجہ کی طرف لوٹتے ہیں حقیقت کی طرف نہیں۔

بعض محققین نے فرمایا کہ اہل معرفت کے نزدیک محبت کی حقیقت ایسی معلومات ہیں جن کی تعریف نہیں ہو سکتی اور ان کی پہچان صرف اس شخص کو ہوتی ہے جو اس کی لذت کو پاتا ہے اور اس کو بیان کرنا ممکن نہیں۔

جس طرح ”مدارج السالکین“ کے مصنف اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ محبت کی کوئی واضح تعریف نہیں ہو سکتی اس کی تمام تعریفیں اس کی پوشیدگی کو زیادہ کرتی ہیں پس اس کا پایا جانا ہی اس کی تعریف ہے اور محبت (کے پائے جانے) سے زیادہ ظاہر وصف کے ساتھ یہ موصوف نہیں ہو سکتی۔

لوگ اس کے اسباب، علامات، موجبات، علامات، شواہد، ثمرات اور احکام میں گفتگو کرتے ہیں پس ان کی تعریفیں ان چھ باتوں کے گرد چکر لگاتی ہیں اور ان کی وجہ سے ان کی مختلف عبارات ہیں اور ادراک، مقام اور حال کے اعتبار سے اشارات زیادہ ہیں۔

ان حضرات نے محبت کے لئے دو حرف وضع کئے ہیں جو سمی کے ساتھ انتہائی مناسبت رکھتے ہیں ایک ”حاء“ ہے جو خلق کی ابتدا سے لکھا ہے اور دوسرا حرف ”باء“ ہے جو ہونٹوں سے لکھا ہے اور یہ انتہا ہے پس حاء کے لئے ابتدا اور باء کے

لئے انتہاء ہے اور محبت نیز محبوب کے ساتھ اس کے تعلق کی شان یہی ہے کیونکہ اس کی ابتداء بھی محبوب سے ہوتی ہے اور انتہاء بھی اسی پر ہوتی ہے۔

اور ”الحب“ کو ضمہ کی حرکت دیتے ہیں یعنی حاء پر ضمہ پڑھتے ہیں اور یہ تمام حرکات میں سے سب سے زیادہ سخت اور مضبوط حرکت ہے اور یہ اپنے مسمیٰ کی حرکت اور قوت کے مطابق ہے۔

اور محبوب کے لئے ”الحب“ کا لفظ حاء پر کسرہ کے ساتھ بولا جاتا ہے اور ”حب“ محبوب کو کہتے ہیں اس پر کسرہ اس لئے ہے کہ یہ حرکت ضمہ کے مقابلے میں آسان ہے اور محبوب اور اس کا ذکر دلوں اور زبانوں پر آسان ہوتا ہے۔

تو ان لطائف اور مناسبت عجیبہ میں غور کرو جو الفاظ اور معانی کے درمیان ہے اس سے تمہیں اس لغت کا علم ہو جائے گا اور اس لغت کی ایک شان ہے جو دوسری لغات کے لئے نہیں ہے۔

بعض تعریفات

یہ بعض تعریفات ہیں جو محبت کے سلسلے میں اس کے آثار و شواہد کے اعتبار سے قبول کی گئیں اور یہاں کچھ باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

- ۱۔ حاضری کی حالت ہو یا غیب کی دونوں صورتوں میں محبوب کی موافقت ضروری ہے اور یہ محبت کا موجب اور تقاضا ہے۔
- ۲۔ محبت کا اپنی صفات کو منادینا اور ذات کو باقی رکھنا اور یہ محبت میں فنا ہونے کے مقام سے ہے یعنی محبت کی صفات مٹ کر وہ محبوب کی صفات اور ذات میں فنا ہو جائیں یہ بات اس سے زیادہ کامل بیان کا تقاضا کرتی ہے لیکن اس کا ادراک اسے ہی ہو سکتا ہے جسے محبت اس کی ذات سے فنا کر دے اور وہ محبت میں گم ہو جائے۔
- ۳۔ اپنے زیادہ کو کم اور محبوب کی طرف سے کم کو زیادہ سمجھنا اور یہ ابویزید کا قول ہے اور یہ بات بھی محبت کے احکام اور اس کے موجبات اور شواہد سے ہے اگر محب صادق اپنے محبوب کے لئے وہ سب کچھ خرچ کر دے جس پر وہ قادر ہے تو اسے کم سمجھے اور اس سے حیا کرے۔

اور اگر اپنے محبوب کی طرف سے تھوڑی سی محبت بھی پائے تو اس کو زیادہ سمجھے اور اس کی تعظیم کرے۔

- ۴۔ اپنی معمولی غلطی کو بڑی غلطی اور فرمانبرداری کو کم سمجھے یہ پہلی صورت کے قریب ہے لیکن یہ محبت کے ساتھ مخصوص ہے۔
- ۵۔ فرمانبرداری کو اپنایا جائے اور مخالفت کو دور کیا جائے یہ حضرت اہل بن عبد اللہ رحمہ اللہ کا قول ہے اور یہ بھی محبت کے حکم اور موجب سے ہے۔

- ۶۔ اپنا سب کچھ محبوب کو دے دو پس تمہارے پاس تمہاری کوئی چیز باقی نہ رہے یہ ہمارے سردار ابو عبد اللہ قرشی (محمد بن احمد بن ابراہیم متوفی ۵۹۹ھ) کا قول ہے۔ اور یہ بھی محبت کے موجبات اور اس کے احکام میں سے ہے اور مراد یہ ہے کہ اپنا ارادہ، عزم، افعال، نفس، مال اور وقت اپنے محبوب کو بہہ کر دو اور یہ سب کچھ اس کی مرضی اور محبت کے لئے مخصوص کر دو اپنی ذات کے لئے صرف وہی کچھ موجودہ تمہیں دے وہ بھی محبوب کے لئے ہی لو۔

(الاعلام ج ۵ ص ۲۱۹ شذرات الذهب ج ۳ ص ۳۴۲)

- ۷۔ دل سے محبوب کے علاوہ سب کچھ منادو یہ کمال محبت کا تقاضا ہے کیونکہ جب تک دل میں محبوب کے غیر کے لئے جگہ

ہوگی تو محبت میں دخل اندازی رہے گی۔

۸۔ محبوب کے بارے میں یہ غیرت ہو کہ تمہارے جیسا آدمی اس سے محبت کرتا ہے یہ حضرت شبلی (دلف بن جدر اور ایک قول کے مطابق جعفر بن یونس رحمہ اللہ) کا قول ہے ان کی مراد یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو اس بات سے حقیر اور چھوٹا سمجھو کہ تمہارے جیسا شخص اس محبوب کے محبت میں سے ہو۔

(الاعلام ج ۲ ص ۳۴۱ فیات الاعیان ج ۱ ص ۱۸۰ نجوم الزاہرۃ ج ۳ ص ۲۸۹ صفۃ المصنوعہ ج ۲ ص ۲۵۸ حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۳۶۶ المنتظم ج ۱۳ ص ۵۰ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۸۹ البدلیۃ والنہایۃ ج ۱۱ ص ۲۱۵)

۹۔ محبوب کے غیر سے غیرت کی وجہ سے اور محبوب کی ہیبت کی وجہ سے نگاہ جھکی رہے یہ بات بھی وضاحت کی طالب ہے پہلی بات تو ظاہر ہے لیکن جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے تو دل کی آنکھ کو محبوب سے بند رکھنا حالانکہ اس سے کامل محبت ہو محال کی طرح ہے لیکن جب محبت کا غلبہ ہو تو اس قسم کا کام ہو جاتا ہے اور یہ اس محبت کی علامات میں سے ہے جو ہیبت اور تعظیم سے ملی ہوئی ہو۔

۱۰۔ تم کسی چیز کی طرف مکمل میلان رکھتے ہو پھر تم محبوب کو اپنے نفس، روح اور مال پر ترجیح دو پھر ظاہری اور باطنی طور پر اس کی موافقت کرو پھر یوں خیال کرو کہ تم سے اس کی محبت میں کوتاہی ہوئی ہے۔

حضرت جنید فرماتے ہیں میں نے حضرت حارث محاسبی (ابو عبد اللہ حارث بن اسد متوفی ۲۳۳ھ) کو یہ بات کہتے ہوئے سنا ہے۔

(الاعلام ج ۲ ص ۵۳ صفۃ المصنوعہ ج ۲ ص ۲۰۷ حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۲۳۰ فیات الاعیان ج ۱ ص ۱۲۶ تاریخ بغداد ج ۸ ص ۲۱۱)

۱۱۔ تم پر سکری کی حالت طاری ہو صرف محبوب کو دیکھنے کے لئے ہوش آنا چاہیے پھر مشاہدہ کے وقت جو سکر (نشہ) ہوتا ہے اس کا وصف بیان نہیں ہو سکتا بعض حضرات نے یوں کہا:

لکن سکری نشا من رؤیۃ الساقی

”قوم کے درمیان شراب کا پیالہ گردش کرتا رہا اور وہ نشہ میں مبتلا ہو گئے لیکن نشہ تو پلانے والے کو دیکھنے سے پیدا ہوا۔“

۱۲۔ محبوب کی طلب میں دل سفر کرے اور زبان اس کے ذکر میں ہمیشہ رطب اللسان رہے اس کی طلب میں دل کا سفر اس کی ملاقات کا شوق ہے اور زبان کا اس کے ذکر کے ساتھ جاری رہنا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔

۱۳۔ اس بات کی طرف میلان ہو جو انسان کے موافق ہے مثلاً حسین صورتوں اور اچھی آوازوں سے محبت کرنا نیز دوسری لذات کہ کوئی طبع سلیم ان کی طرف میلان اور ان کی موافقت سے خالی نہیں۔

یا کسی حسن کے ذریعے اس کا اور اک کر کے لذت حاصل کرے یا اس کی محبت اس لئے ہو کہ اس کے اس پر انعامات و احسانات ہیں کیونکہ دلوں میں فطری طور پر یہ بات رکھی گئی ہے کہ ان پر جو احسان کرے اس سے محبت کرتے ہیں جس طرح حضرت ابو نعیم رحمہ اللہ نے ”الحلیۃ میں“ نیز ابوالشیخ اور دوسرے حضرات نے ذکر کیا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۳۱)

محبتِ رسول ﷺ

ہم کس طرح آپ کا بعض شکریہ ادا کر سکتے ہیں اور آپ کے واجب حق کی ادائیگی عشر عشر بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے ذریعے ہمیں دنیا اور آخرت عطا فرمائی اور ہم پر اپنی نعمتیں اٹھیل دیں وہ ظاہری ہوں یا باطنی۔ پس آپ کا استحقاق ہے کہ ہماری اپنے نفسوں، اولاد، اہل و عیال، مال اور سب لوگوں سے محبت کے مقابلے میں آپ سے زیادہ محبت ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه
من والده وولده
تم میں سے کوئی (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب
تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد سے زیادہ
محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰، سنن نسائی ج ۸ ص ۱۱۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۷، مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۷۔ ۲۷۵۔ ۲۷۸، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۲۱، المسند رک ج ۲ ص ۲۸۶، اتحاف السادة المحققین ج ۹ ص ۵۴۷، سنن داری ج ۲ ص ۳۰۷، شرح السنن ج ۵ ص ۵۰)

والد کا ذکر سب سے پہلے ہوا کیونکہ والد عام طور پر پایا جاتا ہے اور ہر شخص کا والد ہوتا ہے جب کہ دوسری صورت نہیں (یعنی بعض لوگوں کی اولاد نہیں ہوتی)۔

سنن نسائی میں ولد کا ذکر والد سے پہلے ہے کیونکہ اس میں شفقت زیادہ ہے عبد العزیز بن صہیب کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں: **وَالنَّاسُ أَجْمَعِينَ** اور سب لوگوں سے زیادہ۔ کے الفاظ بھی ہیں۔

صحیح ابن خزمیر میں ”من اہله و ماله“ کے الفاظ ہیں اور ”من والدہ و ولده“ کے الفاظ نہیں ہیں (یعنی اپنے اہل و مال کی محبت سے بڑھ کر مجھ سے محبت کرے) اس میں والد اور ولد معنوی طور پر زیادہ داخل ہیں کیونکہ عقلمند آدمی کے

نزدیک اہل و مال کے مقابلے میں والد اور ولد زیادہ عزیز ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات اپنے آپ سے بھی زیادہ عزیز ہوتے ہیں اسی لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں نفس کا ذکر نہیں ہے اور والد و ولد کے ذکر کے بعد ”الناس“ عام کے خاص پر عطف کے قبیل سے ہے (کیونکہ ”الناس“ میں ولد اور والد بھی داخل ہیں)۔

نبی اکرم ﷺ سے محبت کا معنی

خطابی نے کہا کہ یہاں اختیاری محبت مراد ہے، طبعی محبت مراد نہیں ہے۔
امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا اس میں نفس امارہ اور نفس مطمئنہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جو شخص نفس مطمئنہ کی جانب کو ترجیح دیتا ہے وہ نبی اکرم ﷺ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے اور جو نفس امارہ کی جانب کو ترجیح دیتا ہے اس کا فیصلہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کے کلام میں ہے کہ یہ محبت صحبت ایمان کے لئے شرط ہے کیونکہ انہوں نے محبت کو تعظیم اور اظہار بزرگی پر محمول کیا ہے۔

صاحب مفہم نے ان پر اعتراض کیا کہ یہ بات مراد نہیں ہے کیونکہ اعظم ہونے کا عقیدہ محبت کو لازم نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات انسان کسی چیز کو تعظیم سمجھتا ہے لیکن اس کی محبت سے خالی ہوتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں اس بنیاد پر جو شخص اپنے نفس کا میلان نہ پائے اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ”صحیح بخاری کے باب الايمان والنذور میں“ حضرت عبداللہ بن ہشام سے مروی حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول میں اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے حدیث یوں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے میرے نفس کے علاوہ جو میرے پہلوؤں کے درمیان ہے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لن يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه
من نفسه۔
تم میں سے کوئی شخص ہرگز (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے نفس سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے آپ میرے نزدیک میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اے عمر! (تمہارا ایمان مکمل ہوا)۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۶۳۲، الشفاء ج ۲ ص ۱۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۸۶)
تو اس محبت میں فقط اعظم ہونے کا عقیدہ نہیں کیونکہ یہ عقیدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے پہلے قطعی طور پر حاصل تھا۔
ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا والذي نفسي بيده حتى اكون احب اليك من نفسك۔
نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے حتیٰ کہ میں تمہارے نزدیک تمہارے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔

بعض زاہدوں کا قول ہے کہ تقدیر کلام یوں ہے:

لا تصدق فی حبی حتی تؤثر رضای علی
ہواک وان کان فیہ الہلاک۔
تم میری محبت میں بچے نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ میری رضا کو اپنی خواہش پر ترجیح دواگر چہ اس میں ہلاکت ہو۔

جہاں تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پہلے مرحلے میں توقف کرنے اور اپنے نفس کو مستثنیٰ کرنے کا تعلق ہے تو انسان کا اپنے نفس سے محبت کرنا ایک فطری امر ہے اور دوسرے سے محبت کرنا اسباب کے واسطے سے اختیاری ہے اور نبی اکرم ﷺ نے ان سے اختیاری محبت کا ارادہ فرمایا کیونکہ فطرت کو بدلنا نہیں جاسکتا۔

اس بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پہلا جواب فطرت و طبیعت کے مطابق تھا پھر غور کیا اور استدلال سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ انہیں ان کے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں کیونکہ آپ دنیا و آخرت میں ہلاکتوں سے نجات کا باعث ہیں پس انہوں نے اس بات کی خبر دی جو اختیار کا تقاضا تھا اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے یوں جواب دیا کہ اے عمر! اب آپ کو معرفت حاصل ہوئی اور آپ نے وہ بات کہی جو واجب تھی۔

اللہ تعالیٰ کی محبت

جب ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں، کی یہ شان ہے کہ ہم آپ سے محبت کریں اور یہ بات واجب ہے کہ آپ کی محبت ہمارے نفوس، اولاد و والدین اور تمام لوگوں کی محبت سے مقدم ہو تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی غیر کی محبت سے اس کے مقدم ہونے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی محبت اپنی قدر و صفت میں دوسروں کی محبت سے الگ خاص مقام رکھتی ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے پس بندے پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اسے اپنی اولاد اور والد سے بھی زیادہ محبوب ہو بلکہ اس کی سماعت، بصارت اور اس کے پہلو میں جو نفس ہے اس بھی زیادہ ہو پس اس کا معبود برحق اسے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو اور ایک چیز بعض وجہ سے محبوب ہوتی ہے اور بعض اعتبارات سے نہیں ہوتی اور کبھی اس (چیز) سے کسی غیر کی وجہ سے محبت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ہر اعتبار سے اس کی ذات کی وجہ سے محبت نہیں اور معبود ہونا صرف اسی کو لائق ہے محبت، فرمانبرداری اور خضوع اختیار کرنا اسے معبود ماننا ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے محبت کی آزمائش

رسول اکرم ﷺ کے لئے مذکور محبت کی علامات میں سے ہے کہ انسان سوچے اگر اسے اختیار دیا جائے کہ اپنی کسی غرض کو چھوڑ دے یا نبی اکرم ﷺ کی زیارت کو چھوڑ دے (ان میں سے ایک بات اختیار کرے) پس اگر اپنی کسی غرض کو نہ پانے کے مقابلے میں آپ کو نہ پانا اس کے لئے زیادہ سخت ہو تو وہ رسول اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب سمجھنے والا قرار پائے گا اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ اس صفت سے محروم ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: جو شخص رسول اکرم ﷺ پر صحیح معنی میں ایمان رکھتا ہو وہ یقیناً اس محبت کو ترجیح دینے کے وصف سے خالی نہیں ہو سکتا البتہ ان کی محبت میں اختلاف ہے پس کسی کو اس محبت سے بہت بڑا حصہ ملتا ہے اور کسی کو ادنیٰ حصہ حاصل ہوتا ہے جس طرح خواہشات میں غرق انسان عام طور پر غفلتوں کے پردے میں ہوتا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کا ذکر کیا جائے تو ان کو آپ کی زیارت کا ایسا شوق پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسے اپنے

اہل و مال اور اولاد پر ترجیح دیتے ہیں اور وہ اس مقصد کے حصول کے لئے اپنے آپ کو بڑی بڑی مشقتوں میں ڈالتے ہیں اور اپنے دل میں ایسا رجحان پاتے ہیں جس میں کوئی تردد نہیں ہوتا اور اس بات کا مشاہدہ کیا گیا کہ جو لوگ ان مذکورہ چیزوں پر نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت اور آپ کے آثار مبارکہ کی جگہوں کی زیارت کو ترجیح دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں آپ کی محبت ثابت و قائم ہوتی ہے البتہ مسلسل غفلتوں کی وجہ سے یہ بات جلد زائل ہو جاتی ہے۔ پس جس مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہو وہ اسی محبت کے ساتھ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور آپ کی محبت میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے جو نفع دونوں جہانوں کی بھلائی کے لئے پہنچتا ہے اس کے اندازے اور اس سے غفلت کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس معنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حصہ نہایت کامل تھا کیونکہ یہ معرفت کا نتیجہ ہے اور وہ آپ کی معرفت زیادہ رکھتے تھے۔

صحابہ کرام کی نبی اکرم ﷺ سے محبت کے کچھ نمونے

ابن اسحاق نے روایت کیا جیسا کہ ”الشفاء میں“ نقل کیا گیا کہ انصار کی ایک عورت کا باپ بھائی اور خاوند جو احد کے دن نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے شہید ہو گئے تو اس عورت نے پوچھا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کیا ہوا؟ صحابہ کرام نے جواب دیا آپ بہتر حالت میں ہیں جس طرح تم چاہتی ہو آپ اسی حالت میں ہیں اس نے کہا مجھے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کراؤ تا کہ میں آپ کو دیکھوں جب اس نے آپ کی زیارت کی تو کہا:

آپ کے بعد ہر مصیبت چھوٹی ہے۔

کل مصیبة بعدک جلیل۔

اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”دلائل النبوة میں“ نقل کیا اور ”اللباب کے“ مصنف نے ان الفاظ میں ذکر کیا کہ جب احد کے دن کہا گیا کہ حضرت محمد ﷺ شہید کر دیئے گئے ہیں اور مدینہ میں بہت زیادہ چیخ و پکار ہوئی تو انصار کی ایک خاتون باہر نکلیں اس نے اپنے بھائی، بیٹے، خاوند اور باپ کو شہادت کی حالت میں پایا اسے معلوم نہ تھا کہ وہ پہلے کس کا استقبال کرے وہ جب بھی ان میں سے کسی ایک کے پاس سے گزرتی کہ وہ حالت شہادت میں زمین پر پڑے ہیں تو پوچھتی یہ کون ہے؟ صحابہ کرام فرماتے تمہارا بھائی، تمہارا باپ، تمہارا خاوند اور تمہارا بیٹا ہے اس نے پوچھا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کیا ہوا انہوں نے کہا وہ تیرے آگے ہیں حتیٰ کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف چلی پس آپ کے کپڑے کا کنارہ پکڑ کر کہنے لگی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے کوئی پرواہ نہیں جب آپ محفوظ ہیں۔ ابن ابی الدنیا نے اس کی مثل اختصار کے ساتھ روایت کیا۔

کی مثل اختصار کے ساتھ روایت کیا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے زیادہ مجھے کسی سے محبت نہیں۔
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں اپنے مالوں، اولاد، آباء و اجداد اور ماؤں اور حالت پیاس میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے۔

جب اہل مکہ نے زید بن دثنہ کو حرم سے نکالا کہ ان کو شہید کریں تو ابوسفیان بن حرب نے ان سے کہا اے زید! حضرت زید بن دثنہ بن معاویہ بن عبید بن معاویہ بن عامر بن بیاض انصاری کو حضرت خبیب ابن عدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کفار نے قید کر لیا۔ صفوان بن امیہ نے حضرت زید کو خرید لیا یہ ذی قعدہ کا واقعہ ہے پھر حرم کے بعد شہید کرنے کے لئے مقام محکم میں لے گئے اسی موقع پر

میں تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم چاہتے ہو کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوتے اور ان کی گردن ماری جاتی اور تم اپنے گھر والوں کے پاس ہوتے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ کی قسم میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ اس وقت حضرت محمد ﷺ اس جگہ ہوتے اور آپ کو کاٹنا بھی چبھتا اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھا ہوتا۔ ابوسفیان نے کہا میں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی سے اس طرح محبت کرے جس طرح حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام آپ سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا آپ میرے نزدیک میرے گھر والوں اور مال سے بھی زیادہ محبوب ہیں اور میں آپ کا ذکر کرتا ہوں لیکن مجھے صبر نہیں آتا جب تک حاضر ہو کر آپ کی زیارت نہ کر لوں میں اپنی موت اور آپ کے وصال کو یاد کرتا ہوں تو معلوم کرتا ہوں کہ جب آپ جنت میں تشریف لے جائیں گے تو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ آپ کا بلند مقام ہوگا اور اگر میں جنت میں داخل ہوا تو آپ کو دیکھ نہیں سکوں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ
الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ الَّذِينَ هُمْ فِي قُلُوبِهِمْ وَ
الشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝
اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا علم
مانیں پس وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ
نے انعام فرمایا یعنی انبیاء کرام صدیقین شہداء اور صالحین
(النساء: ۶۹) اور ان لوگوں کی دوستی کتنی اچھی ہے؟

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اسے بلا کر اس کے سامنے یہ آیت کریمہ پڑھی۔
قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آپ کو دیکھ
رہا تھا اور نظر ہٹاتا نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ اس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں آپ
کی زیارت سے نفع اٹھا رہا ہوں۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آپ کو فضیلت عطا فرماتے ہوئے بلند مقام عطا
فرمائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ان الفاظ میں ذکر کیا کہ یہ آیت نبی اکرم ﷺ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ
عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ نبی اکرم ﷺ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور آپ کے بغیر صبر نہیں کر سکتے تھے
ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غم کی وجہ سے ان کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو چکا تھا رسول اکرم ﷺ نے
ان سے پوچھا تمہارا رنگ کیوں بدل گیا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی بیماری یا تکلیف نہیں صرف یہ بات ہے
کہ جب آپ کو دیکھ نہیں پاتا تو سخت وحشت ہوتی ہے حتیٰ کہ آپ کی زیارت کر لوں۔ پھر انہوں نے آخرت کا ذکر کیا اور
عرض کیا کہ مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کو دیکھ نہیں سکوں گا کیونکہ آپ کو انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بلند مقام عطا ہوگا اور
میں اگر جنت میں داخل بھی ہوا تو آپ کی منزل و مقام سے میرا مقام ادنیٰ ہوگا اور اگر جنت میں داخل نہ ہوا تو آپ کو کبھی
دیکھ نہیں سکوں گا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر بغوی ج ۱ ص ۳۵۸ تاریخ دمشق ج ۳ ص ۲۸۲)

امام واحدی نے بھی اسباب نزول میں اسی طرح ذکر کیا وہ اس کی نسبت کلبی کی طرف کرتے ہیں اور وہ حضرت ثوبان

رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (اسہاب النزول للواحدی ص ۹۵)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بعض صحابہ کرام نے کہا کہ جنت میں کیا حال ہوگا آپ بلند درجات میں ہوں گے اور ہم آپ سے نچلے درجات میں ہوں گے پس آپ کو کیسے دیکھ سکیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ظفر نے ”منبوع الحیاۃ میں“ ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا کہ عامر ضعی فرماتے ہیں انصار میں سے ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! آپ میرے نزدیک میری جان مال اولاد اور گھر والوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں اگر میں آپ کے پاس حاضر ہو کر آپ کی زیارت نہ کروں تو میں سمجھتا ہوں کہ میں مر گیا یا عنقریب مر جاؤں گا۔ پھر وہ انصاری رونے لگے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم کیوں روتے ہو؟ عرض کیا میں یہ بات یاد کر کے روتا ہوں کہ عنقریب آپ کا وصال ہو جائے گا اور ہم بھی مر جائیں گے پس آپ انبیاء کرام کے ساتھ بلند مقام پر ہوں گے اور اگر ہم جنت میں داخل ہوئے تو آپ سے نیچے ہوں گے نبی اکرم ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ (مذکورہ بالا) آیت نازل فرمادی۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۲۰۵ الدر المنثور ج ۲ ص ۱۸۲)

ابن ظفر فرماتے ہیں مقاتل بن سلیمان نے اس کی مثل ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ وہ (انصاری شخص) حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ انصاری ہیں جنہوں نے (خواب میں) اذان کا معاملہ دیکھا انہوں نے یہ بھی ذکر کیا کہ یہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنے ایک باغ میں کام کر رہے تھے کہ ان کے بیٹے نے آ کر خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے تو انہوں نے دعا مانگی یا اللہ! میری بینائی زائل کر دے تاکہ میں اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی کو نہ دیکھوں پس ان کی نگاہ رک گئی۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت

یہ بات جان لو کہ دل میں دو محبتوں کا جمع ہونا ممکن نہیں کیونکہ ہر محبت محبوب کے ایک ہونے کو چاہتی ہے تو آدمی کو اپنے لئے دو محبتوں میں ایک کو اختیار کرنا چاہیے کیونکہ دونوں دل میں جمع نہیں ہو سکتیں اور آدمی اپنے محبوب کے نزدیک وہی کچھ ہوتا ہے جو ہوتا ہے جیسا کہ کہا گیا:

المت القبل بای من احبہ لاختر لنفسک فی الہوی من تصطفیٰ

”تم جس سے محبت کرتے ہو اس کے مقتول ہو (یعنی اس کے سامنے فوت شدہ انسان کی طرح بے بس

ہو جاؤ) پس محبت کے حوالے سے اپنے لئے اسے اختیار کرو جو دین کے اعتبار سے صاف ہو۔“

بعض حکماء فرماتے ہیں جس طرح ایک میان میں دو تلواریں نہیں آ سکتیں اسی طرح ایک دل میں دو محبتوں کی گنجائش نہیں ہوتی تمہارا اپنے محبوب کی طرف متوجہ ہونا اس بات کو لازم کرتا ہے کہ اس کے سوا ہر چیز سے منہ پھیر لو پس جو شخص محبت میں مدہانت (مناقت) اختیار کرتا ہے یا حیلے بہانے سے کام لیتا ہے وہ غیرت کی چھری کے سامنے گلے کی رگوں کو پیش کرتا ہے پس رسول اکرم ﷺ کی محبت کے بغیر بلکہ نفسوں آباؤ اجداد اور اولاد کی محبت سے آپ کی محبت کو مقدم کئے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا کیونکہ آپ سے محبت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔

حضرت ابوسعید خرازمی رحمہ اللہ سے منقول ہے جسے امام قشیری رحمہ اللہ نے اپنے رسالے میں ذکر کیا وہ فرماتے ہیں

میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے معذور سمجھیں اللہ تعالیٰ کی محبت نے مجھے آپ کی محبت سے دور رکھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اے مبارک! جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ ۱
کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ انصار کی ایک خاتون کو بیداری کی حالت میں پیش آیا نیز ابن ابی مجہد (ابراہیم دسوقی رحمہ اللہ متوفی ۶۷۶ھ) کو پیش آیا:

الایا محب المصطفیٰ زد صباہ وضمخ لسان الذکر منک بطیہ

ولا تعبان بالمبطلین فانما علامة حب اللہ حب حبیبہ

”اے مصطفیٰ ﷺ سے محبت کرنے والے! اپنے شوق کو زیادہ کر اور زبان ذکر کو آپ کی تعریف و تعظیم

سے ملا دے اور بد عقیدہ لوگوں کی پرواہ نہ کر کیونکہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت اس کے حبیب ﷺ سے

محبت کرنا ہے۔“ (الاعلام ج ۱ ص ۵۹ طبقات الشرائع ج ۱ ص ۱۳۳ تخط مبارک ج ۱ ص ۷)

اسی طرح ہر وہ محبت جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہو وہ بھی حضور علیہ السلام سے محبت ہے۔ ۲

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثلاث من کن فیہ وجد حلاوة الایمان تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں وہ ایمان

ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواہما کی مٹھاس حاصل کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول

وان یحب المرء لا یحبہ الا اللہ وان یمکرہ ﷺ اسے ان کے غیر سے زیادہ محبوب ہوں کسی شخص سے

ان یعود فی الکفر کما یمکرہ ان یقذف فی النار۔ محبت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور کفر میں جانا اسے اس

طرح ناپسند ہو جس طرح جہنم میں ڈالا جانا ناپسند ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۷ سنن نسائی ج ۸ ص ۹۴ مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۳-۱۷۴-۲۳۰ موارد الظمان ص ۲۸۵ معنف عبدالرزاق

رقم الحدیث: ۲۰۳۲۰ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۵۵ اتحاف السادة المتکین ج ۵ ص ۵۷ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۲ حلیۃ الاولیاء

ج ۱ ص ۲۷-ج ۲ ص ۲۸۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۲۱۲)

پس ایمان کے ذائقے کو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہونے سے معلق و مشروط کیا اور اس کی مٹھاس کا پایا جانا

اس چیز سے معلق کیا جس پر یہ موقوف ہے اور اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی وہ یہ کہ بندے کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور

اس کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہوں پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ

بندہ ہے۔

۱۔ پس ایمان کے ذائقے کو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہونے سے معلق و مشروط کیا اور اس کی مٹھاس کا پایا جانا اس چیز سے معلق کیا جس پر

یہ موقوف ہے اور اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی وہ یہ کہ بندے کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہوں

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہے۔

۲۔ یعنی جو شخص کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے محبت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے ذکر خداوندی رک جاتا ہے اس بد عقیدہ کی پرواہ نہ کرو کیونکہ حضور

علیہ السلام نے فرمایا ہے احوونی لحب اللہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے مجھ سے محبت کرو۔ ۱۲ ہزاروی

ایمان کی مٹھاس عبادات سے لذت حاصل کرنا اور دین میں مشقت برداشت کرنا ہے اور ان باتوں کو دنیوی اغراض پر ترجیح دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اس کی اطاعت کو اختیار کرنے اور اس کی مخالفت کو چھوڑنے میں ہے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا معاملہ ہے۔

یہ بات امام نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ جس کا ایمان مکمل ہو وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حق والد اولاد اور تمام لوگوں کے حق سے زیادہ ہے کیونکہ گمراہی سے ہدایت اور جہنم سے آزادی رسول ﷺ کی زبان مبارک سے حاصل ہوتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی ”حلاوة الایمان“ میں استعارہ تھیلیہ ہے۔ کیونکہ ایمان میں مومن کی رغبت کو مٹھی چیز کے مشابہ قرار دیا اور اس کے لئے اس چیز کے لازم کو ثابت کیا اور اس کو اس کی طرف مضاف کیا اور اس میں مریض اور صبح کے قصہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ صفراء کا بیمار شہد کو بھی کڑوا پاتا ہے اور صبح آدمی اس کا ذائقہ اسی طرح پاتا ہے جیسے وہ ہے اور جب کسی چیز میں کمی آتی ہے تو اس قدر اس کا ذوق بھی کم ہو جاتا ہے۔

ایمان کی مٹھاس کا معنی

عارف ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث شریف میں مذکور اس حلاوت (مٹھاس) میں اختلاف ہے کہ یہ محسوسات میں سے ہے یا معنوی چیز ہے تو ایک قوم نے اسے معنوی قرار دیا اور یہ فقہاء ہیں اور ایک قوم نے اسے محسوس پر محمول کیا اور لفظ کو ظاہر پر باقی رکھا اور اس میں کوئی تاویل نہیں کی یہ صوفیاء کرام ہیں۔

ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سلسلے میں صوفیاء کی بات درست ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ ان کے موقف میں لفظ کو ظاہر پر باقی رکھا جاتا ہے اور اس میں کوئی تاویل نہیں کی جاتی۔ وہ فرماتے ہیں صوفیاء کے اس موقف پر صحابہ کرام سلف صالحین اور اہل معاملہ کے احوال شاہد ہیں کیونکہ ان لوگوں کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اس مٹھاس کو محسوس کیا۔

اسی سلسلے میں ایک واقعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے آپ کے ساتھ جو سلوک ہوا کہ کفر پر مجبور کرنے کے لئے گرم ریت پر ڈالا گیا اور وہ ”احد احد“ (اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے) پکارتے رہے تو سختی کی کڑواہٹ ایمان کی مٹھاس سے مل گئی اسی طرح جب ان کا وصال ہوا تو گھر والے کہتے تھے ہائے پریشانی! اور وہ فرماتے اے خوشی! میں کل اپنے محبوبوں یعنی نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے ملوں گا تو موت کی کڑواہٹ ملاقات کی حلاوت سے مل گئی اور یہ ایمان کی حلاوت ہے۔

اسی ضمن میں اس صحابی کی حدیث ہے جن کا گھوڑا رات کے وقت چوری ہو گیا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے چور کو دیکھا جب وہ چوری کر رہا تھا لیکن نماز کو نہیں توڑا اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں جس کام میں مصروف تھا وہ اس سے زیادہ لذیذ تھا اور یہ ایمان کی حلاوت تھی جسے انہوں نے اس وقت محسوس کیا۔

۱۔ جب مشہہ میں مشہہ بہ کے لوازم میں سے کسی لازم کو ثابت کیا جائے تو اسے استعارہ تھیلیہ کہتے ہیں تو ایمان کو مٹھی چیز سے تشبیہ دے کر اس میں مٹھاس ثابت کی گئی۔ ۱۲ ہزار رو

ان دو صحابہ کرام کی حدیث بھی اسی بات کو واضح کرتی ہے جن کو نبی اکرم ﷺ نے کسی غزوہ میں دشمن کی طرف بھیجا تو وہ آیا اور اس نے ان دونوں کو دیکھا جاسوس نے کمان نکالی اور صحابی پر تیر پھینک دیا جو ان کو جا لگا لیکن انہوں نے اپنی نماز کو نہیں توڑا پھر دوسرا تیر مارا جو ان کو جا لگا لیکن اس کے لئے نماز نہیں توڑی پھر تیسرا تیر مارا وہ بھی انہیں لگا اس وقت انہوں نے دوسرے ساتھی کو جگایا اور فرمایا اگر مجھے مسلمانوں کا خوف نہ ہوتا تو میں نماز نہ توڑتا۔

(دلائل النبوة ج ۳ ص ۸۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۹۸۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳ المسند رک ج ۱ ص ۱۵۶ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۱۳۰ ج ۹ ص ۱۵۰ موارد الظمان رقم الحدیث: ۲۵۰ البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۸۷ سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۲۳ رقم الحدیث: ۱)

توان کا یہ عمل اس حلاوت و ایمان کی وجہ سے تھا جس نے ان سے اسلحہ سے بچنے والی تکلیف کا احساس زائل کر دیا۔

ابن ابی حمزہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل معاملہ کے ایسے کئی واقعات منقول ہیں ان دو صحابہ کرام والی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ”باب من لم یبر الوضوء الا من المعوجین“ میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک شخص کو تیر لگا جس سے خون نکل پڑا انہوں نے رکوع اور سجدہ کیا اور نماز کو جاری رکھا۔

ابن اسحاق نے مغازی میں متصل سند کے ساتھ ذکر کیا انہوں نے کہا مجھ سے صدقہ بن یسار نے بیان کیا وہ عقیل بن جابر سے اور وہ اپنے والد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداؤد اور دارقطنی رحمہم اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ ابن خزیمہ، ابن حبان اور امام حاکم رحمہم اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ان سب نے ابن اسحاق کے طریق سے روایت کیا ”فتح الباری میں“ فرمایا ان کے شیخ جن کا نام صدقہ ہے ثقہ ہیں اور حضرت عقیل سے صدقہ (راوی) کے علاوہ کسی دوسرے کی روایت میرے علم میں نہیں ہے اسی لئے امام بخاری نے اس پر یقین نہیں کیا یا اس کے اختصار کی وجہ سے یا ابن اسحاق میں اختلاف کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ”الدلائل میں“ دوسری وجہ سے ذکر کیا ان دو صحابیوں میں سے ایک کا نام عباد بن بشر انصاری ہے اور دوسرے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہیں جو مہاجرین میں سے ہیں اور وہ نماز میں سورہ کہف پڑھ رہے تھے۔

”مما سواہما“ (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ) کی وضاحت

نبی اکرم ﷺ نے ”مما سواہما“ کے الفاظ ذکر کئے (یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے علاوہ) اور ”من“ نہیں فرمایا (یعنی من کی جگہ ما فرمایا) تاکہ عقل والوں اور بے عقل سب کو شامل ہو۔

اور یہ فرمایا:

وَلَنْ يَتَكُونُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا.
 اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس کے نزدیک ان دونوں کے غیر سے زیادہ محبوب ہوں۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کو ایک ہی ضمیر کے ساتھ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس خطیب کے بارے میں کہا ”ومن يعصهما“ (اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے) آپ نے فرمایا ”بنس الخطیب انت“ تو برا خطیب ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۰، مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۶-۲۷۹، المستدرک ج ۱ ص ۲۸۹، السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۸۶-ج ۳ ص ۲۱۶، مشکل لا تار ج ۳ ص ۲۹۶، تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۲۳۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۹۹)

تو اس کا حکم یہ نہیں کیونکہ خطبوں میں وضاحت ہوتی ہے اور یہاں الفاظ میں اختصار مراد ہے تاکہ یاد ہو سکے اور اس پر نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی دلالت کرتا ہے آپ نے فرمایا:

وَمَنْ يَعَصِهِمَا فَلَا يَضُرُّهُ الْإِنْفُسُ. اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے وہ اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۹۷)

(آپ نے دونوں کے لئے ایک ضمیر استعمال فرمائی)۔

کہا گیا ہے کہ یہ آپ کے خصائص میں سے ہے پس آپ کے غیر سے منع ہے آپ سے منع نہیں ہے کیونکہ جب کوئی دوسرا جمع کرے گا تو برابری کے اطلاق کا وہم ہوگا جب کہ آپ کے اپنے جمع کرنے سے یہ وہم نہیں پڑتا کیونکہ آپ کے منصب عالی میں اس قسم کا وہم جگہ نہیں پاتا۔ ابن عبدالسلام کا میلان اسی طرف ہے۔

اس حدیث اور اس خطیب کے واقع کو جمع کرتے ہوئے اچھا اور عمدہ جواب یوں دیا جاتا ہے کہ یہاں ضمیر کا تثنیہ لانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ معتبر وہی محبت ہے جو ان دونوں محبتوں کا مجموعہ ہو دونوں کی انفرادی محبت نہیں کیونکہ صرف ایک کی محبت ہو تو وہ لغو ہے جب تک اس کے ساتھ دوسرے کی محبت ملی ہوئی نہ ہو پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرے اور رسول اکرم ﷺ سے محبت نہ کرے تو وہ اسے نفع نہیں دے گی۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران: ۳۱)

میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ تو نبی اکرم ﷺ کی اتباع کو دو کناروں کے درمیان رکھا ایک بندوں کی اللہ تعالیٰ سے محبت اور دوسری اللہ تعالیٰ کی بندوں سے محبت۔ اور خطیب والے معاملے میں انفرادیت ہے کیونکہ دونوں نافرمانیاں مستقل ہیں جو سرکشی اختیار کرنے سے لازم آتی ہیں کیونکہ عطف میں عامل کا تکرار ہوتا ہے اور اصل یہ ہے کہ معطوفین میں ہر ایک حکم میں مستقل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی اسی طرف اشارہ کرتا ہے:

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ۵۹)

تو رسول ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے ”اطيعوا“ کا لفظ دوبارہ لایا گیا لیکن ”اولی الامر“ میں نہیں لایا گیا کیونکہ وہ اطاعت میں رسول ﷺ کی طرح مستقل نہیں ہیں۔

یہ بیضاوی اور طبری کے قول کا اختصار ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔

ایمان کا ذائقہ

صحیح حدیث میں ہے:

ذائق طعم الایمان من رضی باللہ رہا اس شخص نے ایمان کا ذائقہ حاصل کیا جو اللہ تعالیٰ وبالا سلام دینا و بمحمد رسولا۔ کے رب ہونے اسلام کے دین اور حضرت محمد ﷺ کے (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶) رسول ہونے پر راضی ہوا۔

”مدارج السالکین میں ہے کہ“ نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی خبر دی کہ ایمان کا ذائقہ ہوتا ہے جسے دل چکھتا ہے جیسا کہ زبان کھانا اور پانی کا ذائقہ محسوس کرتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ایمان و احسان کی حقیقت اور دل میں اس کے حصول کو کبھی ذوق (ذائقہ) سے تعبیر فرمایا اور کبھی کھانے اور مشروب سے اور کبھی منہاس پانے سے جس طرح لفظ ”ذائق“ فرمایا یعنی چکھا اور فرمایا:

ثلاث من کن فیہ وجد حلاوة الایمان۔ جس شخص میں تین باتیں ہوں اس نے ایمان کی منہاس کو پایا۔

اور صحابہ کرام کو وصال کے روزے رکھنے سے منع فرمایا تو ارشاد فرمایا:

انی لست کھبشکم انی اطعم واسقی۔ میں تمہاری طرح نہیں ہوں مجھے کھلایا اور پلایا جاتا

ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۷۴ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۳۶۰ موطا امام مالک رقم الحدیث: ۳۰۰ تمہید رقم الحدیث: ۵۸۰ تاریخ

اصہان ج ۲ ص ۲۷۲)

جس کا خیال ہے کہ اس سے حسی کھانا اور مشروب مراد ہے جو منہ کے ذریعے کھایا جاتا ہے وہ سخت پردے میں ہے۔ اس کی مزید تحقیق ان شاء اللہ نبی اکرم ﷺ کی عبادات کے ضمن میں روزے کے ذکر میں آئے گی۔

مقصود یہ ہے کہ ایمان کی منہاس چکھنا ایک ایسا امر ہے جسے دل پاتا ہے اور اس کی نسبت دل کی طرف ہوتی ہے جس طرح کھانے کا ذائقہ منہ سے تعلق رکھتا ہے اور جماع کی حلاوت لذت سے متعلق ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حتی تذوقی عسیلته و بذوق عسیلته۔ حتی کہ تم اس (دوسرے خاوند) کا ذائقہ چکھو اور وہ تمہارا ذائقہ (لذت) چکھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۷ سنن نسائی ج ۶ ص ۱۳۶ رقم الحدیث: ۱۷۰۳ سنن ابن ماجہ رقم

الحدیث: ۱۹۳۳ مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۳-۳۷۱ السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۳۳-۳۷۱ اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۱۱۳ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۷۴ الدر المنثور ج ۴ ص ۲۸۴)

ایمان کا ذائقہ بھی ہے اور منہاس بھی جن دونوں سے ذوق اور کیفیت کا تعلق ہوتا ہے اور جب تک بندہ اس حالت تک نہ پہنچے شبہ اور شکوک باقی ہوتے ہیں اس کے بعد ایمان اس کے دل میں حقیقتاً جا گزریں ہو جاتا ہے پس وہ اس کا ذائقہ چکھتا اور منہاس پاتا ہے۔

عارف کبیر تاج الدین بن عطاء اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دل جو غفلت اور خواہش کی بیماریوں سے محفوظ ہوں وہ معانی کا

لذتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں جس طرح نفوس کو کھانوں کی لذت حاصل ہوتی ہے اور ایمان کا ذائقہ وہی شخص چکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہو کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوگا تو اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گا اور اس کی فرمانبرداری کرے گا پس وہ زندگی کی لذت اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کی راحت پائے گا اور جب وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے رب ہونے کی وجہ سے راضی ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضا حاصل ہو گی۔

پس جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے رضا حاصل ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی مناس عطا فرمائے گا تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کیا احسان کیا ہے نیز وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کی پہچان حاصل کرے تو جب اس بندے پر عنایت ہوتی ہے تو احسانات کے خزانوں سے اس کے لئے عطائیں ظاہر ہوتی ہیں اور جب اس تک اللہ تعالیٰ کی مدد اور انوار پہنچتے ہیں تو اس کا دل بیماریوں سے پاک ہو جاتا ہے پس اس کا ادراک صحیح ہوتا ہے اور ایمان کی لذت اور مناس پاتا ہے کیونکہ اس کا ادراک صحیح اور ذوق سلامت ہے۔

اور حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی:

اور میں اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔

وبالاسلام دینا۔

مطلب یہ ہے کہ جب اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوگا تو اس پر اس کا مولیٰ راضی ہوگا اور یہ بات لازم ہے کہ جو شخص حضرت محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہو وہ آپ کی دوستی اختیار کرے آپ کے آداب و اخلاق کے زیور سے آراستہ ہو دنیا سے بے رغبتی اختیار کرے اپنے مجرم کو معاف کرے اور برائی کرنے والے کو بھی معاف کر دے اس کے علاوہ وہ عمل کرے قول و فعل اور ترک عمل محبت اور بغض پر اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کی اتباع ثابت ہو۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوتا ہے وہ اس کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے اور جو اسلام پر راضی ہوتا ہے اس کے مطابق عمل کرتا ہے اور جو شخص نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر راضی ہوتا ہے وہ آپ کی اتباع کرتا ہے اور یہ نہیں کہ ان میں سے کسی ایک بات کو اپنائے بلکہ ان تمام باتوں کو اپنانا ضروری ہے کیونکہ یہ بات محال ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر راضی ہو اور دین اسلام کو پسند نہ کرے یا دین اسلام پر راضی ہو لیکن حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر راضی نہ ہو ان باتوں کا ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہونا واضح ہے جس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کا حکم

اللہ تعالیٰ کی محبت دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔

(۱) فرض (۲) مستحب

فرض محبت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے اوامر کی بجا آوری گناہوں سے رکنا اور اس کی تقدیر پر راضی ہونا ہے پس جو شخص حرام فعل کے ارتکاب یا ترک واجب کی وجہ سے گناہ میں پڑتا ہے تو اس کی وجہ محبت الہیہ میں کمی ہے کہ اس نے نفسانی خواہش کو مقدم کیا اور یہ کوتاہی مباح چیزوں کی کثرت حاصل کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے جو امید میں وسعت کا تقاضا کرتی ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہ کا اقدام کرتا ہے یا مسلسل غفلت کی وجہ سے گناہ میں پڑتا

ہے۔ اور یہ دوسری صورت (غفلت) ندامت کی حالت میں جلدی ختم ہو سکتی ہے۔
مستحب محبت یہ ہے کہ ہمیشہ نفل پڑھے اور شبہات میں پڑنے سے اجتناب کرے عام اوقات میں اس صفت سے موصوف لوگ شاذ و نادر ہوتے ہیں۔

”صحیح بخاری میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور آپ اپنے رب سے (حدیث قدسی کے طور پر) نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ما تقرب الی عبدی بمثل اداء ما
افترضته علیہ. ولی رواية بشیء احب الی
من اداء ما افترضته علیہ. ولا یزال
عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ
فاذا احبته کنت سمعہ الذی سمع بہ و بصرہ
الذی یمصر بہ و یدہ الی یطش بہا
ورجلہ الی یمشی بہا فبی یسمع و بی یمصر
و بی یطش و بی یمشی و لنن سألنی لا
عطینہ و لنن استعاذنی لا عیذنی و ما ترددت فی
شیء انا فاعلہ ترددی عن قبض نفس
عبدی المؤمن یکرہ الموت و اکرہ مساء تہ.

میرا بندہ فرائض کی ادائیگی کے ذریعے جس قدر میرا
قرب حاصل کرتا ہے اس کی مثل کسی عمل سے
(قرب) حاصل نہیں کرتا ایک روایت میں ہے کہ کسی ایسی
چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کرتا جو فرض کی ادائیگی سے
زیادہ پسندیدہ ہو اور بندہ نوافل کے ذریعے ہمیشہ میرا قرب
حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پس
جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن
جاتا ہوں جن سے سنتا ہے اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن
سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ
پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ چلتا
ہے پس وہ میری طاقت سے سنتا ہے اور میری طاقت سے
دیکھتا ہے میری طاقت سے پکڑتا ہے اور میری طاقت سے چلتا
ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اور
اگر وہ میری پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور
مجھے کسی کام میں تردد نہیں جسے میں کرتا ہوں جس قدر تردد
اپنے مؤمن بندے کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے وہ
موت کو نہ پسند کرتا ہے اور میں اس کی برائیوں کو نہ پسند کرتا
ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۳، السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۳۶، ج ۱ ص ۲۱۹، تحف السادۃ المستعین ج ۸ ص ۷۷، الاتحافات السنیہ رقم الحدیث: ۵)

”وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی“ کے الفاظ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل فرائض کی ادائیگی ہے۔

سوال: اس بنیاد پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ نوافل کا نتیجہ محبت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے لیکن فرائض کے نتیجے میں محبت نہیں

آتی؟

جواب: نوافل سے مراد یہ ہے کہ وہ فرائض کے ساتھ ہوں فرائض پر مشتمل ہوں اور ان کی تکمیل کا باعث ہوں اس کی تائید حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل کیا گیا۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ابن آدم انک لا تدرك ما عندی الا اے ابن آدم! جو کچھ میرے پاس ہے اسے تم اسی صورت میں پا سکتے ہو جب اس عمل کی ادائیگی کرو جسے میں نے تم پر فرض کیا ہے۔

یا اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ نوافل کو عمل میں لانا محض محبت کی وجہ سے ہے چھوڑنے پر عذاب کا خوف نہیں ہوتا جب کہ فرائض کا معاملہ اس کے خلاف ہے (کیونکہ اس پر عمل کرنا نجات اور ترک کرنا عذاب کا باعث ہے)۔
فاکھانی نے کہا حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب فرض ادا کرے اور نفلی نماز اور روزے وغیرہ پر دوام ہو تو یہ بات اللہ تعالیٰ کی محبت تک پہنچاتی ہے۔

سوال: یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح بندے کی سماعت و بصارت بنتا ہے؟
جواب: اس کے کئی جواب ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ یہ بطور مثال ہے معنی یہ ہے کہ میں اس کی سمع اور بصر کی طرح ہو جاتا ہوں کہ وہ میرے حکم کو ترجیح دیتا ہے پس وہ میری اطاعت کو چاہتا ہے اور میری عبادت کو اس طرح ترجیح دیتا ہے جس طرح ان اعضاء کو پسند کرتا ہے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کا مفہوم یوں ہوگا کہ وہ کلی طور پر میری ذات میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس کے کان ادھر ہی متوجہ ہوتے ہیں جہاں میری رضا ہوتی ہے اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے ہی دیکھتا ہے جسے دیکھنے کا میں نے اسے حکم دیا۔
تیسرا جواب یہ ہے کہ میں اس کی مدد میں اس کے کان آنکھ ہاتھ اور پاؤں کی طرح ہو جاتا ہوں یعنی دشمن کے خلاف اس کی مدد کرتا ہوں۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ میں اس کی کانوں کی حفاظت کرتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے پس وہ وہی بات سنتا ہے جس کا سننا اس کے لئے جائز ہے اور اس کی نگاہوں کی حفاظت کرتا ہوں اسی طرح آخر تک ہے۔ یہ بات فاکھانی نے فرمائی ہے۔

فاکھانی فرماتے ہیں ایک اور معنی کا بھی احتمال ہے جو پہلے معانی سے زیادہ باریک ہے یعنی سمع، مسوع کے معنی میں ہو کیونکہ بعض اوقات مصدر مفعول کے معنی میں آتا ہے مثلاً ”فلان املی“ یعنی ”ما مولی“ فلاں میری امید گاہ ہے معنی یہ ہے کہ وہ صرف میرا ذکر سنتا ہے اور میری کتاب کی تلاوت سے لذت حاصل کرتا ہے اور وہ میرے ساتھ مناجات سے ہی مانوس ہوتا ہے وہ میرے ملکوت (عالم غیب) کے عجائب دیکھتا ہے اور اپنے ہاتھ و پیچھا لاتا ہے جہاں میری رضا ہو اور یہی حال پاؤں کا ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا قابل اعتماد علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ مجاز ہے اور بندے کی مدد تائید اور

اعانت سے کنایہ ہے گویا اللہ تعالیٰ اس کے ہاں آلات کے قائم مقام ہوتا ہے جن آلات سے مدد لی جاتی ہے۔ اسی لئے ایک روایت میں یوں آیا ہے:

فبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی
وہ میری مدد سے سنتا ہے میری مدد سے دیکھتا میری مدد
بمشی۔ سے پکڑتا اور میری مدد سے چلتا ہے۔

اتحادی فرقہ (جو دو ذاتوں کو ایک سمجھتا ہے حالانکہ یہ باطل ہے) کا خیال یہ ہے کہ اسے حقیقت پر محمول کیا جائے گا اور حق عین عبد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں اور منکروں کے قول سے بہت بلند و بالا ہے۔

خطابی نے کہا کہ اس کا مطلب دعا کی جلد قبولیت اور مطلوب کے ساتھ کامیابی ہے اور وہ اس طرح کہ انسان کی تمام مسائی ان ہی مذکورہ اعضاء کے ساتھ ہوتی ہے۔

ابو عثمان الحیری (الکبیری) جو ائمہ طریقت میں سے ایک ہیں فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں اس کی دعا کو اتنی جلدی قبول کرتا ہوں کہ ابھی سنتا دیکھتا چھوٹا اور چلنا نہیں پایا جاتا کہ دعا قبول ہو جاتی ہے امام بیہقی نے ان سے ”کتاب الزہد“ میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ (الزہد الکبیر ص ۲۷۳ رقم الحدیث: ۷۰۲)

بعض کج رو (میزھے راستے پر چلنے والے) لوگوں نے اسے اپنے دعویٰ پر محمول کیا ہے وہ یوں کہ بندہ جب ظاہری اور باطنی عبادت کو لازم کر لیتا ہے حتیٰ کہ کدورتوں سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ حق کے معنی میں ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس قول سے پاک ہے (وہ کہتے ہیں) بندہ اپنے تمام جسم سے فنا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنا ذکر کرتا ہے خود اپنی توحید بیان کرتا خود اپنے آپ سے محبت کرتا ہے اور یہ اسباب اور رسوم بالکل معدوم ہو جاتے ہیں۔ یہ تمام احتمالات ہیں لیکن حدیث کا باقی حصہ اتحادیہ فرقہ اور وحدت مطلقہ کے قائلین کے استدلال کی نفی کرتا ہے کیونکہ فرمایا ”ولئن سألنی“ (اگر وہ مجھ سے سوال کرے) عبد الواحد کی روایت میں ”عبد“ کا لفظ بھی ہے (مطلب یہ کہ سائل اور ہے اور مسئول اور لہذا اتحاد و وحدت کا تصور غلط ہوا)۔ ابن قیم نے کہا۔

”یہ حدیث قدسی شریف جس کا معنی اور مراد سمجھنا سخت طبیعت اور سخت دل پر حرام ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی محبت کو دو باتوں میں بند کر دیا فرائض کی ادائیگی اور نوافل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا پس جب بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے لئے ایک اور محبت کو جنم دیتی ہے جو پہلی محبت سے اوپر ہوتی ہے پس یہ محبت اس کے دل کو محبوب کے غیر میں مشغولیت اور اس کی فکر سے پھیر دیتی ہے اور اس کی روح اسی محبوب میں بند ہو کر رہ جاتی ہے اور اس میں غیر محبوب کے لئے ایک گھڑی بھی باقی نہیں رہتی۔

پس اس کے محبوب کا ذکر اور اس کی محبت اور شان عجب اس شخص کے دل کی لگام کی مالک ہو جاتی ہے اور اس کی روح پر اس کا قبضہ اس طرح ہوتا ہے جس طرح محبوب اپنے سچے محبت پر اس کی اس محبت میں غالب آتا ہے جس میں محبت کی تمام قوتوں کا مرکز محبوب ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ سنتا ہے تو محبوب کے ساتھ سنتا ہے اگر دیکھتا ہے تو محبوب کے ساتھ دیکھتا ہے اور اسی کے ذریعے نظر کرتا اور اگر چلتا ہے تو اسی کے ساتھ چلتا ہے پس وہ اس کے دل اور نفس میں ہوتا

ہے اور اس کا انیس اور ساتھی ہوتا ہے۔ یہاں باء (بی میں باء) مصاحبت کی باء ہے (ساتھ کا معنی دیتی ہے) اس کی کوئی مثال نہیں اور اس کا ادراک محض خبر دینے اور اس کے علم کے ساتھ نہیں پس یہ مسئلہ حال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے محض علمی مسئلہ نہیں ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ جب بندے کی طرف سے اس کے رب کو محبت میں موافقت حاصل ہوتی ہے تو بندے کو اپنے رب کی طرف سے حاجات و مطالب میں موافقت حاصل ہوتی ہے (یعنی جب بندہ اپنے رب سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجات کو پورا کرتا ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَنَسْئَلَنِي لَا عِطِيْنَهٗ وَلَنَسْئَلَنِي لَا عِزْنَهٗ
اور اگر وہ (بندہ) مجھ سے کچھ مانگے تو میں اسے ضرور
دوں گا اور اگر مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دوں
گا۔

یعنی جس طرح وہ میرے احکام کی بجا آوری کر کے میری مراد میں مجھ سے موافقت کرتا ہے اور میری محبت کے ذریعے مجھ سے قرب اختیار کرتا ہے میں اس کی موافقت یوں کرتا ہوں کہ جو کچھ مجھ سے مانگتا ہے میں اسے عطا کرتا ہوں اور پناہ مانگے تو اسے پناہ دیتا ہوں اس موافقت کا معاملہ دونوں طرف سے مضبوط ہوتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ بندے کو موت دینے میں تردد فرماتا ہے کیونکہ وہ (بندہ) موت کو پسند نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا جسے اس کا بندہ ناپسند کرتا ہے اور وہ اس کو تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا پس اس جہت سے وہ چاہتا ہے کہ اسے موت نہ دے لیکن اس کی مصلحت اس شخص کو موت دینے میں ہے وہ اس کو اس لئے موت دیتا ہے کہ اسے (دوبارہ) زندہ کرے اور بیمار اس لئے کرتا ہے کہ اسے صحت عطا کرے محتاج اس لئے کرتا ہے کہ مالدار کر دے اور روکتا اس لئے ہے کہ اس کو عطاء کرے اور اسے حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں جنت سے اس لئے نکالا کہ دوبارہ اس کو اچھی حالت میں لوٹائے حقیقت میں یہی محبوب ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔

خطابی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں تردد کا عقیدہ جائز نہیں اور کسی مصلحت کے اس کے سامنے ظاہر ہونے کی کوئی منجائش نہیں (کیونکہ اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں) لیکن اس کی دو تاویلیں ہیں۔

ایک تاویل یہ ہے کہ بعض اوقات بندہ کسی بیماری کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے یا اسے فاقہ پہنچتا ہے پس وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو وہ اسے شفاء عطا کرتا ہے اور اس سے ناپسندیدہ بات کو دور کرتا ہے پس اس کا یہ فعل اس شخص کے تردد کی طرح ہے جو کسی کام کا ارادہ کرتا ہے پھر اس کے لئے کوئی بات ظاہر ہوتی ہے تو وہ اس کو چھوڑ دیتا ہے اور اس سے اعراض کرتا ہے اور اس کے لئے وقت مقررہ پر موت سے ملاقات کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر فنا لکھ دی ہے اور صرف اپنی ذات کے لئے بھار رکھی ہے۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ اس کا معنی اس طرح ہوگا کہ میں جس کام کو کرنا چاہتا ہوں اس سے اپنے رسولوں کو واپس نہیں پھیلتا جس طرح ان کو اپنے مؤمن بندے کی روح قبض کرتے وقت پھیلتا ہوں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہے انہوں نے ملک الموت کی آنکھ پر تھپڑ مارا (اور اسے نکال دیا) اور وہ ایک کے بعد دوسری بار آپ کے

پاس آئے۔ ا۔

خطابی فرماتے ہیں دونوں تاویلوں کے مطابق حقیقت معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر لطف و کرم فرماتا ہے اور اس پر شفقت کرتا ہے کلاباذی کے کلام کا خلاصہ اس طرح ہے۔

صفت فعل کو صفت ذات سے تعبیر کیا یعنی اس کے متعلق کے اعتبار سے ہے مطلب یہ کہ تردید کو تردد سے تعبیر کیا اور تردید کا متعلق بندے کے احوال کے مختلف ہونے کو بنایا یعنی اس کی کمزوری اور تھکاوٹ وغیرہ حتیٰ کہ اس کی زندگی سے محبت موت کی محبت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور اس پر اس کی روح قبض کی جاتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ان چیزوں کی رغبت اور شوق پیدا کر دیتا ہے جو اس کے پاس ہیں اور اپنی ملاقات کی محبت اس کے دل میں ڈالتا ہے جس کے ذریعے وہ موت کا شوق رکھتا ہے بجائے اس کے کہ اس سے موت کی کراہت کو دور کرے (وہ موت کو ناپسند نہیں کرتا اور اس کی سختیوں سے گھبراتا ہے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ دل کی زندگی اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے ہی قائم ہوتی ہے اور اصل زندگی تو اہل محبت کی زندگی ہے جن کی آنکھوں کو ٹھنڈک ان کے محبوب سے حاصل ہوتی ہے اور اس سے ان کے نفوس کو سکون ملتا ہے اور ان کے دل اس کی وجہ سے مطمئن ہوتے ہیں وہ اس کے قرب سے مانوس ہوتے ہیں اور اس کی محبت سے لطف اندوز ہوتے ہیں پس دل میں طاقت ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہی بند کرتی ہے اور جو اس کے ساتھ کامیابی حاصل نہ کرے اس کی تمام زندگی غموں، تکالیف اور حسرتوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔

”مدارج السالکین کے“ مصنف نے کہا کہ بندہ اس بلند مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل نہ کرے اور اس کی طرف ایسے راستوں کی ہدایت نہ پائے جو اس تک پہنچاتے ہیں نیز طبیعت کے اندھیروں کو بصیرت کی شعاعوں سے جلا دے پس اس کے دل میں آخرت کے شواہد میں سے ایک شاہد کھڑا ہوگا اور یہ مکمل طور پر اس کی طرف کھینچا جائے گا اور فانی تعلقات سے بے رغبت ہو جائے گا، صحیح توبہ کا راستہ اختیار کرے گا اور ظاہری و باطنی مامورات کو قائم کرے گا نیز ظاہری و باطنی منہیات کو ترک کر دے گا پھر اپنے دل کی حفاظت کرنے والا ہوگا اور ایسے خطرہ سے چشم پوشی نہیں برتے گا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور نہ ایسی بات جو فضول ہے اور اس کا کوئی نفع نہیں پس اپنے رب کے ذکر اس کی محبت اور اس کی طرف رجوع کے ذریعے اس کے لئے دل صاف ہو جائے گا اور طبیعت و نفس کے گھروں سے نکل کر اپنے رب کے ساتھ خلوت اور اس کے ذکر کی فضا میں چلا جائے گا۔

جیسا کہ شاعر نے کہا:

واخبرج من بین البیوت لعلنی احدث عنک النفس فی السرخالیا

۱۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہر دی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا موت کے فرشتے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا جب وہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کو تھپڑ مالدہ یا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف واپس لوٹ گئے اور عرض کیا اے اللہ! تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو موت نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ (جو نکل چکی تھی) کو نادیدنی اور فرمایا جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ نیل کی پینہ پر ہاتھ رکھیں ان کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال بڑھایا جائے گا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا موت، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ابھی روح قبض کرلو۔ (قصص الانبیاء ج ۲ ص ۱۸۰)

”اور گھروں (طبیعت اور نفس) کے درمیان سے نکل جا شاید میں تیری طرف سے نفس کے ساتھ خلوت

میں پوشیدہ بات کروں۔“

اس وقت اس کا دل اور خیالات نیز حدیثِ نفس اپنے رب کے ارادے اور طلب نیز اس کے شوق پر جمع ہو جاتے ہیں جب وہ اس بات میں سچا ہوتا ہے تو اسے محبت رسول ﷺ عطا ہوتی ہے اور اس کی روحانیت اس کے دل پر غالب آ جاتی ہے پس وہ اسے اپنا امام، استاذ، معلم، شیخ اور پیشوا بنا دیتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا نبی رسول اور ہادی بنایا۔

پس وہ آپ کی سیرت اور آپ کے ابتدائی امور اور کیفیت نزول وحی کا مطالعہ کرتا اور آپ کی صفات، اخلاق، آداب، حرکات اور سکون، بیداری، نیند، عبادت اور اہل و اصحاب کے ساتھ معاشرت وغیرہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ان سب چیزوں کی پہچان حاصل کرتا ہے اور ان میں سے بعض کا ذکر کیا گیا حتیٰ کہ وہ یوں ہو جاتا ہے کہ گویا وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آپ کے بعض صحابہ کرام میں سے ہے۔ (مدارج السالکین ج ۳ ص ۲۶۷، ۲۶۸)

جب اس کے دل میں یہ بات مضبوط ہو جاتی ہے تو اس پر اپنے رب کی طرف سے یوں حقائق کھلتے ہیں کہ جب کوئی سورت پڑھتا ہے تو اس کا دل مشاہدہ کرتا ہے کہ اس میں کیا اترا اور اس سورت کے ذریعے کس بات کا ارادہ کیا گیا ہے اس سے اس کے لئے کونسا حصہ مختص ہے یعنی صفات اخلاق اور افعال مذمومہ پس وہ ان سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے جس طرح مرض اور خوف سے شفا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

محبت رسول ﷺ کی علامات

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی کچھ علامات ہیں۔

(۱) آپ کی اقتدا

سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ آپ کی اقتدا آپ کی سنت کو اپنانا، آپ کے راستے پر چلنا آپ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی لینا اور آپ کی شریعت کی حدود پر ٹھہر جانا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ لَّيْنِ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران: ۳۱)

پس اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی اتباع کو بندے کی محبت کی علامت قرار دیا۔ اور رسول اکرم ﷺ کی اچھی طرح اتباع کی جزاء بندے کے لئے اپنی محبت کو قرار دیا۔

حکیم محمود راق نے کہا جیسا کہ محاسنی نے اپنی کتاب ”القصود الرجوع“ میں ذکر کیا:

تعصى الاله وانت تظهر حبه
لو كان حبه صادقا لا طعنه
هذا العمرى فى القياس بدیع
ان المحب لمن يحب مطیع

”تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہو اور اس کی محبت بھی ظاہر کرتے ہو مجھے زندگی کی قسم یہ قیاس میں عجیب بات ہے اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم اس کی اطاعت کرتے کیونکہ محبت جس سے محبت کرتا ہے اس کا حکم ماننا ہے۔“

(الاعلام ج ۷ ص ۱۶۷ انوات الوفيات ج ۳ ص ۹۷ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۸۷ طبقات ابن العزیز ص ۳۶۷) (الشفاء ج ۲ ص ۹)
اور یہ محبت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی نعمتوں کے احسان کا مطالعہ کرتے جس قدر اس احسان کو دیکھے گا اسی قدر محبت مضبوط ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا سب سے بڑا مطالعہ یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت اس کی معرفت اور اس کے محبوب ﷺ کی اتباع کا اہل بنائے اور اس نور کا اصل اللہ تعالیٰ اس بندے کے دل میں ڈالتا ہے پس جب یہ نور چمک کاٹتا ہے تو اس کے لئے اس کی ذات روشن ہو جاتی ہے پس وہ اپنے نفس میں اور جس کا اسے اہل بنایا گیا کمالات اور محاسن دیکھتا ہے پس اس سے اس کی ہمت بلند اور عزیمت مضبوط ہوتی ہے اور اس سے نفس و طبیعت کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں کیونکہ نور اور ظلمت جمع نہیں ہو سکتے مگر یہ کہ ان میں سے ایک کو چھوڑ دیا جائے اس وقت روح ہیبت اور انس کے درمیان محبوب اول کی طرف جاتی ہے:

نقل فوادک حیث شئت من الہوی ما الحب الا للحبیب الاول

کم منزل فی الارض یألفہ الفتی وحبیبہ ابتدا لاوّل منزل

”تم اپنے دل کو جس خواہشات کی طرف چاہو لے جاؤ لیکن محبت تو پہلے محبوب کے لئے ہے زمین میں کتنے مقامات ہیں جن سے نوجوان محبت کرتا ہے لیکن ہمیشہ وہ پہلی منزل کی طرف ہی رجوع کرتا ہے۔“

اور اس اتباع کے حساب سے محبت اور محبوبیت دونوں اکٹھے واجب ہوتے ہیں اور معاملہ ان دونوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا پس شان یہ نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو بلکہ شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے اور وہ تم سے محبت نہیں کرے گا مگر جب تم ظاہری و باطنی طور پر اس کے محبوب کی اتباع کرو اس کی خبر کی تصدیق کرو اس کا حکم مانو اس کی دعوت قبول کرو اور خوشی خوشی اسے ترجیح دو اس کے حکم کے مقابلے میں اس کے غیر کے حکم سے اس کی محبت میں غیر کی محبت اور اس کی اطاعت میں غیر کی اطاعت سے اپنے آپ کو فدا کر دو اگر ایسا نہ ہو تو پھر تھکاوٹ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ تم کسی راہ پر نہیں ہو۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی: ”فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ“ (آل عمران: ۳۱) تم میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا“ میں غور کرو شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے یہ نہیں کہ تم اس سے محبت کرو اور یہ درجہ اس محبوب ﷺ کی اتباع کے بغیر نہیں پاسکتے۔

محاسبی نے اپنی کتاب ”القصود الرجوع“ میں فرمایا:

بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر چلے اور اس کے رسول ﷺ کی سنتوں کو اختیار کرے پس جب بندہ ایمان کی مٹھاس چکھتا اور اس کا ذائقہ محسوس کرتا ہے تو اس کے ثمرات اس کے اعضاء اور زبان پر جاری ہوتے ہیں پس زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس سے متعلق امور کو میٹھا سمجھتی ہے اور اعضاء اس کی اطاعت

کے لئے جلدی کرتے ہیں اس وقت ایمان کی محبت دل میں اس طرح داخل ہوتی ہے جس طرح سخت گرمی کے دن سخت پیاس میں بہت ٹھنڈا پانی اچھا لگتا ہے اس وقت عبادت کی تھکاوٹ اس (عبادت) کی لذت کے باعث ختم ہو جاتی ہے بلکہ عبادت اس کے دل کی غذا، خوشی کا سبب اور آنکھوں کی ٹھنڈک اور روح کی لذت بن جاتی ہیں اور ان عبادات کے ذریعے وہ جسمانی لذتوں سے بھی بڑی لذت محسوس کرتا ہے پس وہ عبادات کے وظائف میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتا۔

”جامع ترمذی میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ومن احيا سنتي فقد احبني ومن احبني
كان معي في الجنة. اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا تحقیق اس نے مجھ
سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۷۸) میرے ساتھ ہوگا۔

حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص آداب سنت کو اپنے نفس پر لازم کر لے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے منور کر دیتا ہے اور محبوب ﷺ کے اوامر و نواہی اور افعال و اخلاق کی اتباع سے بڑھ کر عزت کا کوئی مقام نہیں۔ ابواسحاق الرقی رحمہ اللہ (ابراہیم بن داؤد القصار جو شام کے بڑے مشائخ میں سے اور) حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے ہم عصر تھے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت اس کی عبادت کو ترجیح دینا اور اس کے نبی ﷺ کی اتباع کرنا ہے۔ (المنظوم ج ۳ ص ۳۷۴)

دوسرے حضرات سے منقول ہے کہ کسی شخص پر نور ایمان سنت کی اتباع اور بدعت سے اجتناب کے بغیر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور جو شخص کتاب و سنت سے منہ پھیر لے اور مشکوٰۃ رسول ﷺ سے علم حاصل نہ کرے اور علم لدنی کا دعویٰ کرے تو اسے نفس و شیطان کی طرف سے یہ علم ملتا ہے اور علم لدنی روحانی کی پہچان یہ ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی اس شریعت کے مطابق ہو جو آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں پس علم لدنی کی دو قسمیں ہیں علم لدنی رحمانی اور علم لدنی شیطانی اور معیار وحی ہے اور رسول اکرم ﷺ کے بعد وحی نہیں ہے۔

جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کا تعلق ہے تو اس کو علم لدنی کے ذریعے علم وحی سے بے نیازی کی دلیل بنانا الحاد و کفر ہے ایسا شخص اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور یہ عقیدہ خون بہانے یعنی اس کے قتل کا موجب ہوتا ہے (یعنی اس کا قتل جائز ہو جاتا ہے کیونکہ وہ مرتد ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی حضرت خضر علیہ السلام کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا اگر ان کو حکم ہوتا تو ان پر واجب تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہجرت کرتے اور ان کے ساتھ رہتے اسی لئے حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا آپ بنی اسرائیل کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا ”ہاں“۔ (قصص الانبیاء ج ۲ ص ۱۳۱)

اور حضرت محمد ﷺ تمام جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے پس آپ کی رسالت ہر زمانے کے جنوں اور انسانوں کو شامل ہے اور اگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی آپ کی اتباع کرنے والوں میں شامل ہوتے۔

پس جو شخص دعویٰ کرے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ اس طرح ہیں جس طرح حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے یا وہ امت کے کسی فرد کے لئے اس بات کو جائز قرار دے تو اسے اسلام کی تجدید کرنی چاہیے نیز وہ حق کی شہادت دے (کلمہ شہادت پڑھے) کیونکہ وہ مکمل طور پر دین سے جدا ہو گیا خاص اولیاء کرام میں سے ہونا تو دور کی بات ہے وہ تو شیطان کے دوستوں ساتھیوں اور تائبوں میں سے ہے۔

علم لدنی رحمانی بندگی اور نبی اکرم ﷺ کی اتباع کا نتیجہ ہوتا ہے اس سے کتاب و سنت کی سمجھ ایسے امر کے ساتھ حاصل ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ شخص خاص ہوتا ہے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اکرم ﷺ نے آپ کو کوئی خصوصی بات بتائی ہے جو کسی اور کو نہ بتائی ہو؟ آپ نے فرمایا نہیں البتہ وہ فہم (سمجھ) جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی کتاب کے سلسلے میں عطا کرتا ہے پس یہ علم لدنی حقیقی ہے۔

پس نبی اکرم ﷺ کی اتباع دلوں کی حیات، بصیرتوں کا نور دلوں کی شفاء، نفسوں کے باغات، ارواح کی لذت و حشت زدہ لوگوں کا انس اور حیران لوگوں کی رہنما ہے۔

(۲) شریعت پر راضی رہنا

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی علامات میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس محبت کا دعویٰ کرنے والا آپ کی شریعت پر راضی ہو جاتی کہ اپنے نفس میں آپ کے فیصلے سے کوئی تنگی محسوس نہ کرے۔

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ
فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا
مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء: ۶۵)
تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ مؤمن نہیں
ہو سکتے حتیٰ کہ تمہیں کو اپنے جھگڑوں میں فیصلہ تسلیم کریں
پھر تمہارے فیصلے سے اپنے نفسوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور
اچھی طرح تسلیم کریں۔

پس جو شخص آپ کے فیصلے سے اپنے سینے میں تنگی محسوس کرے اور اسے تسلیم نہ کرے اس سے ایمان کا نام سلب ہو جاتا

ہے۔ شیخ المحققین امام العارفین تاج الدین بن عطاء اللہ شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے مشرب کی مناسبت میں پکھائے فرماتے ہیں اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ حقیقی ایمان اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو قول، فعل، اختیار کرنے، چھوڑنے، محبت اور بغض ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو حاکم مانے اور یہ بات تکلیف اور تعریف دونوں کے حکم کو شامل ہے اور ہر مؤمن پر لازم ہے کہ وہ دونوں باتوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

پس تکلیف کے احکام اور امر و نہی ہیں جو بندوں کے کسب سے تعلق رکھتے ہیں اور تعریف کے احکام مراد کا فہم ہے جو عطا کیا جائے اس سے واضح ہوا کہ حقیقت ایمان دو باتوں سے حاصل ہوتی ہے اس کے حکم پر عمل کرنا اور جو کچھ اس نے لازم کیا اس کے سامنے سر جھکا دینا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو حضور علیہ السلام کے فیصلے کو نہیں مانتے یا مانتے ہیں لیکن دل میں حرج بھی محسوس

کرتے ہیں صرف ایمان کی نفی نہیں کی بلکہ اس پر اس ربوبیت کی قسم کھائی جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے پنا آپ پر شفقت و عنایت ہے اور تفصیل رعایت کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ نہیں فرمایا:

فلا ورب۔

رب کی قسم ہے۔

بلکہ فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ
فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء: ۶۵)

آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ تمہیں اپنے جھگڑوں میں فیصلہ تسلیم کریں۔

اس میں قسم کے ساتھ تاکید ہے اور قسم میں بھی تاکید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ انسانی نفس غلبہ کی محبت اور مدد کے وجود میں لپٹے ہوئے ہیں چاہے حق ان کے خلاف ہو یا ان کے ساتھ۔ اس میں نبی اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی عنایت کو بھی ظاہر کیا گیا کہ آپ کے فیصلے کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور آپ کے حکم کو اس کا حکم قرار دیا گیا۔

پس بندوں پر لازم کیا گیا کہ وہ آپ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور ان کا اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے پر ایمان اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک وہ رسول اکرم ﷺ کے حاکم ہونے پر یقین نہ رکھیں۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم: ۳-۴)

اور وہ (نبی اکرم ﷺ) اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے یہ تو وحی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے۔

پس آپ کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم اور آپ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

جیسا کہ ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ (الفتح: ۱۰)

بے شک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

اور اس بات کو اس ارشاد گرامی سے سوکد کیا۔

يَذُكُّوكَ قَوْلًا يُبَدِّلُهُمْ (الفتح: ۱۰)

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

اس آیت میں آپ کی قدر و منزلت کی تعظیم کی طرف ایک اور اشارہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ”فلا وربک“ (آپ کے رب کی قسم ہے) تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی اضافت آپ کی طرف کی جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا:

كَلِمَةً مِّنْ عِندِ رَبِّكَ ۚ فِي كُفْرٍ رَّحِمَةً رَّبِّكَ عَبْدُكَ (مریم: ۲-۱)

یہ ذکر ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندہ زکریا پر کی۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات مبارکہ کو نبی اکرم ﷺ کی طرف مضاف کیا تا کہ بندوں کو دونوں مرتبوں کے درمیان فرق معلوم ہو جائے (نبی اکرم ﷺ کے ذکر اور حضرت زکریا علیہ السلام کے ذکر میں فرق سے ان کے مراتب میں فرق واضح ہے)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے صرف ظاہری حکیم (حاکم بنانے اور سمجھنے) پر اکتفاء نہیں فرمایا کہ اس سے وہ مؤمن ہو جائیں بلکہ حرج نہ ہونے کی شرط رکھی اور وہ آپ کے احکام سے دلوں کا تنگ ہونا ہے چاہے وہ حکم ان کی خواہشات کے موافق ہو یا

مخالف اور دل تب جھگ ہوتے ہیں جب انوار سے خالی ہوں اور غیر کا ڈیرہ ہو اس وقت حرج یعنی تنگی ہوتی ہے اور مومنین کا معاملہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ نور ایمان نے ان کے دلوں کو بھر دیا پس وہ کشادہ ہو گئے اور کھل گئے۔ پس وہ دل وسعت عطا کرنے والے جاننے والے کے نور سے وسیع ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم سے کشادہ کئے گئے اور وہ ان خیالات محمودہ کے لئے تیار ہوتے ہیں جو ان پر وارد ہوئے ہیں اور ان کو توڑنا یا عمل میں لانا اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔

حضرت سہل بن عبد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص تمام احوال میں رسول اکرم ﷺ کی ولایت کو سامنے نہ رکھے اور نفس کا مالک خود کہلائے وہ آپ کی سنت کی حلاوت نہیں پاتا کیونکہ آپ نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ تم میں سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کے نفس سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

حضرت سیدنا عارف کبیر ابو عبد اللہ قرشی رحمہ اللہ سے منقول ہے فرماتے ہیں حقیقتِ محبت یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو مکمل طور پر اپنے محبوب کے حوالے کر دو اور تمہاری کوئی چیز تمہارے لئے باقی نہ رہے۔

پس جو شخص نبی اکرم ﷺ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے انوار منکشف کر دیتا ہے اور جو شخص کسی دوسری طرف میلان کے بغیر آپ کے ساتھ ہو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے انس کے اسرار سے پوشیدہ حقائق ظاہر ہوتے ہیں۔

(۳) آپ کے دین کی مدد کرنا

رسول اکرم ﷺ سے محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ اپنے قول و فعل سے آپ کے دین کی مدد کرے آپ کی شریعت کا دفاع کرے اور سخاوت میں آپ کی سیرت طیبہ کو اپنائے بردباری صبر تواضع وغیرہ میں آپ کے نقش قدم پر چلے یعنی آپ کے تمام اخلاق جن کا ذکر ہو چکا ہے اپنے سامنے رکھے۔

عارف ابن عطاء اللہ رحمہ اللہ کے کلام کے حوالے سے اس سے زائد پہلے بیان ہو چکا ہے پس جو شخص اس سلسلے میں اپنے نفس سے مجاہدہ کرتا ہے وہ ایمان کی حلاوت پاتا ہے اور جو آدمی یہ حلاوت پاتا ہے وہ عبادت میں لذت محسوس کرتا ہے اور دین کے حوالے سے مشقت برداشت کرتا ہے اور اسے دنیوی اغراض پر ترجیح دیتا ہے۔ تو اسے شخص! محبت کی قیمت میں سے پہلے نقدی روح کو خرچ کرنا ہے۔

(۴) مصائب برداشت کرنا

رسول اکرم ﷺ کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ مصائب پر صبر کرے کیونکہ اس محبت سے محبت کو ایسی لذت حاصل ہوتی ہے کہ وہ مصائب کو بھول جاتا ہے اور ان مصائب سے دوسروں کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اسے نہیں پہنچتی ہے گویا یہ اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی طبعی اور فطری طور پر ایسا نہ تھا بلکہ محبت کا اس طرح غلبہ ہو جاتا ہے کہ وہ ان مصائب سے اس سے بھی بڑی لذت حاصل کرتا ہے جس قدر لذت ان مصائب سے خالی ہونے کی صورت میں حاصل نہیں ہوتی ذوق اور وجود اس بات پر شاہد ہیں پس محبت کرنے والے کے لئے تکلیف مٹھاس کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اگر وہ اس مٹھاس کو نہ پائے تو اس تکلیف کا مشتاق ہو جاتا ہے جیسا کہ کہا گیا:

تشکسی المحبون الصباہ لیتنی
فكانت لقلبی لذة الحب کلها
نحلت بما یلقون من بینهم وحدی
فلم یلقها قبلی محب ولا بعدی
”محبت کرنے والے شوق کی شکایت کرتے ہیں کاش مجھے وہ شوق و عشق کی تکلیف عطا ہوتی اور اس میں
میرے ساتھ کوئی شریک نہ ہوتا بلکہ میں تنہا ہوتا پس محبت کی لذت تمام کی تمام میرے دل کے لئے ہوتی اور
مجھ سے پہلے اور بعد کسی کو یہ نہ ملی ہوتی۔“

(۵) نبی اکرم ﷺ کے ذکر کی کثرت

رسول اکرم ﷺ کی محبت کی ایک نشانی آپ کا بکثرت ذکر ہے پس جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر
زیادہ کرتا ہے بعض حضرات نے فرمایا محبت محبوب کو ہمیشہ یاد رکھنے کا نام ہے اور کسی دوسرے بزرگ کا قول ہے کہ جس
قدر سانس ہیں ان کے مطابق محبوب کا ذکر کیا جائے۔

ایک اور صاحب کا قول ہے کہ محبت کے لئے تین علامات ہیں ایک یہ کہ اس کا کلام محبوب کا ذکر ہو خاموشی محبوب کی
فکر اور عمل اس کی فرمانبرداری ہو۔

محاسبی فرماتے ہیں محبت کرنے والوں کی علامت محبوب کا ہمیشہ ذکر کرنا ہے کہ نہ وہ اسے منقطع کریں نہ تھکاوٹ
محسوس کریں اور نہ اکتائیں۔

دانا لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص جس چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے پس محبت کرنے والوں
کے دلوں پر محبوب کا ذکر ہی غالب ہوتا ہے وہ اس کے بدل یا اس سے پھر جانے کا ارادہ نہیں کرتے اگر وہ محبوب کے ذکر کو
چھوڑ دیں تو ان کی زندگی پریشانی کا شکار ہو جائے اور لذت حاصل کرنے والے محبوب کے ذکر سے زیادہ کسی چیز سے
لذت حاصل نہیں کرتے۔

محبت کرنے والوں کے دل لذتوں کو چھوڑ کر ذکر محبوب کو لازم کرنے میں مشغول ہو گئے اور ان کے وہم شہوتوں کے
داعی امور پیش آنے سے منقطع ہو گئے اور وہ ذخائر کی کانوں اور طلبات کی تلاش میں اوپر کی طرف چلے گئے اور بعض
اوقات محبت کا وجد زیادہ ہو جاتا ہے شوق بڑھ جاتا ہے رونے کی آواز آتی ہے اور وجد حرکت کی صورت اختیار کرتا ہے
رنگ بدل جاتا ہے اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں بدن ٹوٹنے لگتا ہے اور جسم پر بال کھڑے ہو جاتے ہیں بعض اوقات وہ چیختا
ہے اور کبھی روتا ہے کبھی سانس اکھڑتا ہے اور بعض اوقات عقل زائل ہو جاتی اور کبھی گر پڑتا ہے۔

حضرت سیدی محمد وفارحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

اذا اباح دم المہجور ہاجرہ	باح المحب بما تخفی ضمائرہ
اہکتم الحب صب باح مدمعہ	لما جرى بالذی تخفی سرائرہ
کانما قلبہ اجفان مقلتہ	ودمعہ فی اماقیہ خواطرہ
یا جیرۃ الجزع هل من جیرۃ لفتی	علیہ فی حکمہ قد جار جانرہ
آہ و کم لی علی خطب الہوی خطب	من الغرام بہ تعلو مناہرہ

مہفہف ابلج بدر علی غصن تخفی البدور اذا لاحت بوادرہ
مطرز الخد بالريحان فی ضرج مورد آسہ تزہو از اہرہ
مکحل الخلق ما تحصی خصائصہ منضر الحسن قد قلت نظائرہ

”جب محبوب عاشق کا خون مباح سمجھ لیتا ہے تو عاشق اپنے دل کی باتیں ظاہر کر دیتا ہے کیا وہ عشق جو آنسوؤں سے ظاہر ہو چکا ہے محبت کو چھپا سکتا ہے جب وہ اس محبت کی وجہ سے بنے لگیں جس کا راز مخفی ہے گویا عاشق کا دل اس کی آنکھوں کی پلکیں ہیں اور اس کی آنکھوں میں آنسو اس کے خیالات ہیں۔

اے غموں کو برداشت کرنے والے! ہے کوئی پناہ دینے والا اس نوجوان کو جس پر ظالم (محبوب) نے اپنے فیصلے میں ظلم کیا آہ! مصیبت عشق پر میرے لئے کتنے حوادث ہیں کہ جن کے منبر بلند ہوتے جا رہے ہیں۔

وہ محبوب نرم و نازک جسم والا گویا چودھویں کا روشن چاند ہے جب اس محبوب کا چاند روشن ہو تو درخت کی شاخوں پر چاند چھپ جاتے ہیں رخساروں کو گل ریحان کی سرخی سے آرائش دیتی ہے اور اس کا گھاٹ پر سب سے پہلے اترتا اس کے حسن و جمال کو ظاہر کرتا ہے۔ مخلوق کے لئے مبداء فیض جس کی خوبیاں بے شمار ہیں حسین منظر والا جس کی مثال بہت کم ہے۔“

اور بعض محبت پر وجد کا اضافہ ہوتا ہے اور وہ اسے ہلاک کر دیتا ہے محبت کی پہلی نقد قیمت روح کو پیش کرنا ہے مفلس بزدل اور اس کے بھاؤ لگانے والے کا کیا ہے؟ ان کا وصل محبت کے خون کے بدلے میں بکتا ہے اللہ کی قسم! وہ اتنے کمزور نہیں کہ مفلس ان کی قیمت لگائیں اور نہ ان کا رواج ختم ہوا کہ تنگدست ان کو بطور ادھار خریدیں زیادہ قیمت لگانے والوں کے بازار میں پیش کرنے کے لئے ان کی قیمت لگائی گئی ہے پس ان کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کرنے سے کم قیمت پر رضامندی نہیں ہے پس جھوٹے لوگ پیچھے ہٹ گئے اور محبت کرنے والے کھڑے رہے کہ ان میں سے کون قیمت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے پس سامان ان کے درمیان چکر کاٹتا ہے اور پھر ان کے ہاتھوں میں پڑتا ہے جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَذْلَكُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ آعِزَّةً عَلَى الْكَافِرِينَ ○ وہ مؤمنوں کے لئے نرم اور کافروں پر غالب ہیں۔
(المائدہ: ۵۴)

جب محبت کا دعویٰ کرنے والے زیادہ ہو گئے تو ان سے صحت دعویٰ پر گواہی طلب کی گئی کیونکہ اگر لوگوں کو محض ان کے دعویٰ پر دیا جائے تو وہ شخص جو محبت سے خالی ہے وہ غمگین آدمی (محبت) کے عمل کا دعویٰ کرے گا۔

پس شہادتیں مختلف ہو گئیں تو کہا گیا کہ یہ دعویٰ اس دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوگا۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران: ۳۱)

اے محبوب! تم فرما دو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

پس ان میں سے بہت سے پیچھے ہٹ گئے پس محبوب کے افعال اقوال اور اخلاق میں ان کی اتباع ثابت ہو گئی اب

ان سے گواہوں کے عادل ہونے کا مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس صفت پر ہوں:

يُسْجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةً
لَا تَأْتِيهِمْ (المائدہ: ۵۴) ملامت مگر کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

یہ سن کر اکثر محبین پیچھے ہٹ گئے اور مجاہدین کھڑے رہے پس ان سے کہا گیا کہ محبین کی جانیں اور مال ان کے اپنے نہیں ہوتے پس آؤ بیعت کرو:

إِنَّا اللَّهُ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ
وَأَمْوَالَهُمْ (التوبہ: ۱۱۱) اور مال خرید لئے۔

پس جب انہوں نے خریدار (اللہ تعالیٰ) کی عظمت قیمت کی فضیلت اور جس کے ذریعے سودا ہو رہا ہے (یعنی نبی اکرم ﷺ) کی شان اور بزرگی کو جان لیا تو سامان کی قیمت بھی پہچان لی اور یہ کہ اس کی بہت بڑی شان ہے اور انہوں نے دیکھا کہ اگر اسے کھوئے سکوں کے بدلے بیچیں تو بہت بڑا نقصان ہے پس وہ رضا مندی سے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بیعت رضوان میں بیٹھ گئے اور اپنا اختیار چھوڑ دیا اور کہا ہم اس سودے کو نہ تو واپس کرتے ہیں اور نہ واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں پس جب عقد مکمل ہو گیا اور بیع (سامان جس کا سودا ہوا) ان کے حوالے کر دیا گیا تو ان سے کہا گیا تمہارے نفس اور تمہارے مال ہمارے ہوئے ہم نے تمہاری طرف ان سے زیادہ بلکہ اس سے کئی گنا مزید لوٹا دیا چنانچہ فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
أَمْوَالًا بَلْ أَمْوَالًا عِنْدَ رَبِّهِمْ يُؤْزِلُونَ ۝ فَيَرْجِعْنَ بِمَا
أَنَافَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (آل عمران: ۱۶۹-۱۷۰) اور ہرگز ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو گئے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں ان کو رزق دیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل پر خوش ہیں جو اس نے ان کو عطا فرمایا۔

پس نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہر حال میں ہمارے دلوں کی جلاء سینوں کی شفاء اور زبانوں کی مٹھاس کا سبب ہے اگرچہ اوقات و ساعات مختلف ہوں تمام عبادات، جماعت، جماعتوں، خطبات، نمازوں اور تمام امور حتیٰ کہ خرید و فروخت، لین دین، صلح کے معاہدوں، عقدوں اور معاہدوں کے آغاز سب میں آپ کے ذکر سے شرف حاصل کیا جاتا ہے خصوصاً اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دعا کے وقت کیونکہ آپ کے ذکر سے ہی قبولیت کے دروازے کھلتے ہیں۔

(۶) ذکر کے وقت آپ کی تعظیم

آپ کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ آپ کا ذکر کرتے وقت تعظیم ہو۔ نیز خشوع و خضوع کا اظہار کیا جائے جب آپ کا اسم گرامی سنے کیونکہ جو کوئی کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کے لئے جھک جاتا ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اکثر صحابہ کرام آپ کا ذکر کرتے ہوئے خشوع و خضوع اختیار کرتے اور ان کے جسموں پر بال کھڑے ہو جاتے اور وہ رونے لگتے اسی طرح اکثر تابعین اور ان کے بعد کے لوگ آپ کی محبت، شوق اور تعظیم و توقیر کے طور پر ایسا کرتے تھے۔ اسی تعظیم کی وجہ سے مسلمان جب بارگاہ نبوی میں ہدیہ سلام عرض کرتے ہیں تو کھڑے ہو جاتے ہیں کھڑا ہونا واجب نہیں لیکن تعظیم واجب ہے

اور یہ اس کی ایک صورت ہے۔ ۱۴ ہزاروی

حضرت ابو ابراہیم لکھی فرماتے ہیں ہر مؤمن پر واجب ہے کہ جب آپ کا ذکر کرے یا اس کے سامنے آپ کا ذکر کیا جائے تو جھک جائے، خشوع ظاہر کرے، حرکت کی بجائے وقار اور سکون اختیار کرے اور آپ کی ہیبت و بزرگی کو پیش نظر رکھے جس طرح آپ کی (ظاہری) زندگی میں آپ کے سامنے ہونے کی صورت میں کرتا اور ان آداب کا خیال رکھے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کے بارے میں سکھائے ہیں۔

(الذبیح المذہب ج ۱ ص ۲۹۶، معجم المؤلفین ج ۲ ص ۲۲۹، کشف الظنون رقم المدیث: ۱۳۶۷، سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۱۶۳)
حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ نبی اکرم ﷺ کے ذکر پر رو پڑے حتیٰ کہ ان کی اس حالت کو دیکھ کر ہم (پر رقت طاری ہو جاتی اور ہم) ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے۔ (الاعلام ج ۲ ص ۳۸، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳)
حضرت امام جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ بہت خوش طبع اور تبسم فرمانے والے تھے لیکن جب نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا ان کا رنگ پیلا پڑ جاتا۔

حضرت عبدالرحمن بن قاسم رحمہ اللہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا تو ان کے رنگ کو دیکھا جاتا گویا اس سے خون نکل گیا ہے اور ان کے منہ میں زبان خشک ہو جاتی یہ سب کچھ رسول اکرم ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے ہوتا۔
حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ رو پڑتے حتیٰ کہ ان کی آنکھوں میں آنسو باقی نہ رہتے۔

حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ لوگوں سے بہت زیادہ میل جول رکھنے والے اور خوش خلق تھے لیکن جب ان کے پاس رسول اکرم ﷺ کا ذکر مبارک ہوتا تو گویا تم ان کو نہیں پہچانتے اور وہ تمہیں نہیں پہچانتے۔
حضرت صفوان بن سلیم رحمہ اللہ عبادت گزار مجتہدین میں سے تھے جب ان کے پاس نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ مسلسل روتے حتیٰ کہ لوگ ان کے پاس سے اٹھ جاتے اور ان کو چھوڑ دیتے۔
اور حضرت قتادہ (بن دعامہ مشہور تابعی مفسر ہیں) رحمہ اللہ جب حدیث سنتے تو رونے لگتے اور چیخ و پکار کرتے۔
حضرت قاضی میاض رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۴۲)

(۷) رسول اکرم ﷺ کی ملاقات کا شوق

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کی ملاقات کا بہت زیادہ شوق ہو کیونکہ ہر محبت اپنے محبوب سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ محبت، محبوب کے شوق کا دوسرا نام ہے۔

حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں محبت، مشاہدہ صفات کے ذریعے ذات کو ذہن میں حاضر کرنا ہے یا اسرار صفات کو دیکھ کر ذات کو دیکھے پس مسئول تک پہنچنا مقصود ہو چاہے قاصد کے مشاہدہ کے ذریعے ہو اسی لئے جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شوق بڑھ جاتا اور محبت کی حرارت ان کو بے قرار کرتی تو وہ نبی اکرم ﷺ کا قصد کرتے اور آپ کی زیارت کے لئے مشقت برداشت کرتے اور آپ کی ہمنشینی آپ کی زیارت اور آپ سے برکت حاصل کرنے میں لذت محسوس کرتے۔ (الاعلام ج ۷ ص ۲۶۹، طبقات الصوفیہ ص ۸۳، فیات الایمان ج ۲ ص ۱۰۴، صفیۃ الصوفیہ ج ۲ ص ۷۹، طبقات: ۱۰۴)

الحکماء ج ۱ ص ۳۸۱ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۹۹

حضرت عبدالہ بنت خالد بن معدان رحمہ اللہ فرماتی ہیں حضرت خالد رحمہ اللہ جب اپنے بستر پر جاتے تو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام مہاجرین و انصار کے بارے میں اپنے شوق کا ذکر کرتے اور ان کا نام لیتے۔ ۱۔
وہ فرماتے یہ لوگ میری اصل اور میری زبان ہیں میرا دل ان کی طرف مائل ہے اور ان کی طرف میرا شوق طویل ہے یا اللہ جلد از جلد مجھے موت دے (تاکہ میں ان سے ملاقات کروں) پھر ان پر نیند غالب آ جاتی۔

(الاعلام ج ۲ ص ۲۹۹ تاریخ دمشق ج ۵ ص ۸۶)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت ہوا تو ان کی زوجہ محترمہ نے کہا ہائے غم! انہوں نے فرمایا کیا خوشی ہے کل میں اپنے محبوبوں یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کروں گا۔
جب محبت، محبت کا مزہ چکھتا ہے تو اس کے دل میں محبت اور طلب کی آگ بھڑکتی ہے اور اسے شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے محبوب سے صبر کو بہت بڑا گناہ سمجھتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا:

والصبر یحمد فی المواطن کلھا
الا علیک فانہ لا یحمد
”صبر ہر جگہ قابل تعریف ہوتا ہے لیکن تجھ سے صبر قابل تعریف نہیں۔“

حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک رات لوگوں کے حالات معلوم کرنے نکلے تو ایک گھر میں چراغ نظر آیا۔ آپ نے دیکھا ایک عورت سوت کات رہی ہے اور یوں کہتی ہے:

علی محمد صلاة الابرار
صلی علیہ الطیبون الاخیار
قد كنت قواما بكاء بالاسحار
بالیت شعری و المنایا اطوار

هل تجمعی و حبیبی الدار

”میری طرف سے حضرت محمد ﷺ پر ایسا درود ہو جیسا نیک لوگ پڑھتے ہیں آپ پر پاک اور بہترین

لوگوں نے درود شریف پڑھا آپ سحری کے وقت بہت زیادہ کھڑے ہونے والے رونے والے تھے کاش مجھے علم ہوتا اور موت مختلف وقتوں میں آتی ہے کیا مجھے اور میرے محبوب حضرت محمد ﷺ کو دار آخرت جمع کرے گی۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھ کر رونے لگے پھر اس کے خیمے کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور ثنیں مرتبہ ”السلام علیکم“ کہا۔ پھر فرمایا دوبارہ پڑھو اس نے غمگین آواز کے ساتھ ان اشعار کا اعادہ کیا آپ روئے اور اس سے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے عمر کو نہ بھولنا اس نے کہا اے بہت بخشنے والے! عمر رضی اللہ عنہ کو بخش دے۔

(الاعلام ج ۳ ص ۵۶ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۲ طبقات المفسرین للہدود ج ۱ ص ۱۸۲ شذرات الذهب ج ۱ ص ۱۹۳ الشفاء ص ۲۲)

منقول ہے کہ ایک عورت جو اپنے نفس پر زیادہ کرنے والی تھی موت کے بعد اسے دیکھا گیا تو پوچھا گیا اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا مجھے بخش دیا پوچھا گیا کس وجہ سے؟ اس نے کہا نبی اکرم ﷺ کی محبت اور آپ کی زیارت کے شوق کی وجہ سے پس آواز آئی جو شخص ہمارے محبوب کی زیارت کا خواہش مند ہو تو ہمیں حیا آتی ہے کہ ہم اسے جھڑک کر ذلیل کریں بلکہ ہم اسے اور اس کے محبوب کو اکٹھا کریں گے۔

۱۔ حضرت خالد بن معدان رحمہ اللہ نے ستر صحابہ کرام سے ملاقات کی۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۱۸)

(۸) قرآن مجید سے محبت

نبی اکرم ﷺ سے محبت کی ایک علامت قرآن مجید سے محبت ہے جسے آپ لائے اس کے ذریعے راستہ پایا اور اس کو اپنی سیرت بنایا اگر تم معلوم کرنا چاہو کہ تمہارے پاس اور تمہارے غیر کے پاس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کس قدر ہے؟ تو اپنے دل میں قرآن مجید کی محبت کو دیکھو نیز یہ کہ تم قرآن سن کر اس سے زیادہ لذت حاصل کرتے ہو جتنی لذت کھیل کود اور گانے بجانے والے گانائیں کر پاتے ہیں کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص کسی محبوب سے محبت کرتا ہے اس کا کلام اور باتیں اسے سب سے زیادہ پسند ہوتی ہیں جیسا کہ کہا گیا:

ان كنت تزعم حبى فلم هجرت كتابى
امانت ما فيه من ليل عطاى
”اگر تو مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو تو نے میری کتاب کو کیوں چھوڑ رکھا ہے کیا تو نے اس میں میرے لذیذ خطاب میں غور نہیں کیا۔“

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر ہمارے دل پاک ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے سیر نہ ہوتے اور محبت کس طرح اپنے محبوب کے کلام سے سیر ہو سکتا ہے حالانکہ وہ اس کے مطلوب کی انتہاء ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا میرے سامنے قرآن مجید پڑھیں انہوں نے عرض کیا میں آپ کے سامنے پڑھوں حالانکہ یہ آپ پر نازل کیا گیا؟ آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ دوسرے آدمی سے سنوں چنانچہ انہوں نے شروع کیا اور سورہ نساء پڑھنے لگے جب اس آیت پر پہنچے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَ
يَجْتَنِبُكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدٌ ۝ (النساء: ۴۱)
پس کیسے ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے محبوب! تمہیں ان سب پر گواہ لائیں گے۔

آپ نے فرمایا بس کافی ہے انہوں نے سراٹھا کر دیکھا تو رونے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۳۹-۵۰۵۰-۵۰۵۵-۵۰۵۶ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷-۲۳۸ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۲۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۹۳ مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۰-۳۳۳ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۱ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۱۹۵ تحف السادة المتقين ج ۳ ص ۲۹۸ الدر المنثور ج ۲ ص ۶۳ حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۰۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۶۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۲۶)

جو شخص دل کی اجازت سے قرآن مجید سنتا ہے اس کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ
أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ وَمَا عَلَفُوا مِنَ الْحَقِّ.
اور جب وہ سنتے ہیں وہ کلام جو رسول ﷺ کی طرف اتارا گیا تو آپ دیکھیں گے کہ حق کو پہچاننے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ (المائدہ: ۸۳)

عوارف العارف میں ہے کہ:

یہی سماع، سچا سماع ہے جس میں دو ایمان والوں کا بھی اختلاف نہیں اور ایسا شخص ہدایت یافتہ ہے اس سماع کی حرارت یقین کے اولوں (برف) پر ڈالی جاتی ہے تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں کیونکہ بعض اوقات اس سے حزن (غم) پیدا ہوتا ہے اور غم گرم ہوتا ہے اور کبھی شوق جنم لیتا ہے اس میں بھی گرمی ہوتی ہے کبھی ندامت ہوتی ہے اور وہ بھی گرم ہوتی ہے جب یقین کی ٹھنڈک اور اولوں سے بھرپور دل والے شخص میں سماع سے یہ صفات پیدا ہوتی ہیں تو وہ روتا ہے اور رلاتا ہے کیونکہ حرارت اور ٹھنڈک کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو پانی ٹپکتا ہے پس جب سماع دل تک پہنچتا ہے تو بعض اوقات یہ نزول ہلکا ہوتا ہے تو جسم میں اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور رو ٹکٹے کھڑے ہو جاتے ہیں

ارشاد خداوندی ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۖ

اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو

(الزمر: ۲۳) اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

اور کبھی اس کا وقوع بہت بڑا ہوتا ہے اور اس کا اثر دماغ کی طرف چڑھتا ہے تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور بعض اوقات روح کی طرف جاتا ہے تو روح موجزن ہوتی ہے اور قریب ہے کہ جسم کا بندھن ٹگ پڑ جائے پس اس سے چیخ و پکار اور حرکت شروع ہو جاتی ہے یہ تمام ایسے احوال ہیں جن کو ارباب حال پاتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے وظیفہ میں جب کسی آیت سے گزرتے تو وعظ و عبرت سے آپ کی ہلکی بندھ جاتی اور آپ گر پڑتے اور ایک دو دن تک گھر میں بند ہو جاتے حتیٰ کہ آپ کی عیادت کی جاتی اور آپ کو بیمار شمار کیا جاتا۔ صحابہ کرام اکٹھے ہوتے اور ان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہوتے تو وہ حضرات کہتے اے ابو موسیٰ! ہمارے سامنے ہمارے رب کا ذکر کیجئے پس وہ قرآن مجید پڑھتے اور باقی صحابہ کرام سنتے۔

سماع قرآنی سے محبت کرنے والے شیطانی سماع کی محبت رکھنے والوں سے زیادہ وجد و ذوق لذت، حلاوت اور سرور حاصل کرتے ہیں پس جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اشعار سننے سے اسے وجد آتا ہے ذوق اور طرب پیدا ہوتا ہے جب کہ قرآن مجید کی آیات سن کر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ اور وہ خوش آوازی سنتا ہے قرآن مجید نہیں سنتا جیسا کہ کہا گیا ہم تمہارے سامنے قرآن مجید پڑھتے ہیں اور تم پتھر کی طرح جامد و ساکت ہو اور کوئی شعر پڑھا جائے تو نفیے والے کی طرح ادھر ادھر جھکتے ہو۔ تو جان لو کہ یہ عمل اس بات کی نہایت مضبوط دلیل ہے کہ اس شخص کا دل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے فارغ ہے۔ ۱۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی محبت کی مٹھاس ہمیشہ عطا فرمائے اور اپنے احسان و رحمت کے ساتھ ہمیں اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کے مریدین قرآن سن کر وجد میں نہیں آتے جب کہ باعیاات سن کر وجد میں آتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے فرمایا قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کا ادراک مشکل ہے، باعیاات انسانوں کا کلام ہے اس کا سمجھنا آسان ہے نیز قرآن وعظ و احکام ہے اور انسان اس کا مکلف ہے اور آدمی جس بات کا مکلف بنایا جائے اس کو سن کر وجد میں نہیں آتا۔ (زرقانی ج ۶ ص ۳۲۱)

(۹) سنت کی محبت

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کی سنت پر عمل اور آپ کی حدیث مبارک پڑھنے کی چاہت ہو بے شک جس آدمی کے دل میں ایمان کی چاشنی داخل ہو جب وہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے کوئی کلمہ یا کوئی حدیث رسول ﷺ سنتا ہے تو وہ اس کی روح، دل اور نفس میں جا گزیر ہو جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

اشم منك نسيمًا لست اعرفه اظن لسماء جرت فيك اردانا

”میں تم سے نسیم صبح کی خوشبو سونگھتا ہوں لیکن میں اسے پہچانتا نہیں (کیونکہ اس سے پہلے میں نے ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی) میں اسے گندمی رنگ کے ہونٹوں والی کے لباس سے جو تجھ تک پہنچا خیال کرتا ہوں۔“

پس یہ کلمہ (جو کلام الہی یا حدیث رسول ﷺ سے سنا) اس کو یوں گھیر لیتا ہے کہ اس کا ہر بال سماعت اور ہر ذرہ بصارت بن جاتا ہے پس کل کے ساتھ کل کو سنتا اور کل کے ساتھ کل کو دیکھتا ہے۔ شاعر نے کہا:

لی حبيب خياله نصب عيني سره في ضمائري مدفون

ان تذكرة فكلی قلوب اوتامنته فكلی عيون

”میرا ایک محبوب ہے اس کا خیال میرا نصب العین ہے اس کا راز میرے اندر مدفون ہے اگر میں اس کو یاد کروں تو میرا کل دل بن جاتا ہے اور اگر میں اس میں غور کروں تو میرا سب کا سب آنکھیں ہے۔“

اس وقت دل منور ہوتا ہے اور اس کا اندر روشن ہو جاتا ہے اور براہین ظاہر ہوتی ہیں تو تحقیق کی موجیں آپس میں ٹکراتی ہیں اور وہ محبوب کی توجہ کی سیرابی سے سیراب ہو جاتا ہے کہ محبوب کی توجہ سے بڑھ کر اسے سیراب کرنے والی کوئی چیز نہیں اور محبوب کے منہ پھیرنے سے زیادہ سخت جلانے والی اور ہیبت ناک چیز کوئی نہیں یہی وجہ ہے کہ جہنمیوں کے لئے جسمانی عذاب ہے۔ زیادہ سخت عذاب اللہ تعالیٰ کے دیدار میں رکاوٹ ہوگی جس طرح اہل جنت کے لئے جسمانی نعمتوں سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار اس کے خطاب کی سماعت اس کی رضا اور اس کی توجہ ہوگی اللہ تعالیٰ ہمیں اس گھاٹ کی مٹھاس چکھنے سے محروم نہ فرمائے۔

(۱۰) نبی اکرم ﷺ کے ذکر کی چاہت

نبی اکرم ﷺ کی محبت کی علامات میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ کا محبت آپ کے ذکر شریف سے لذت حاصل کرتا ہے اور جب آپ کا اسم گرامی سنتا ہے تو خوشی سے جھوم اٹھتا ہے اور بعض کی نشے جیسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جس میں اس کا دل روح اور سماعت ڈوب جاتی ہے۔

اس نشے کا سبب وہ لذت ہے جو عقل پر غالب آ جاتی ہے اور لذت کا سبب محبوب کا ادراک ہے۔ پس جب محبت مضبوط ہوگی اور اس محبوب کا ادراک بھی قوی ہوگا تو اس کے ادراک کی لذت ان دو باتوں کی قوت کے تابع ہوگی اگر عقل مضبوط مستحکم ہو تو اس میں تبدیلی نہیں آتی اور اگر کمزور ہو تو ایسا سر پیدا ہوتا ہے جو اس عقل کو اس کے حکم (اس کے لائق امور) سے نکال دیتا ہے۔

علمائے طریقت نے سکر (حالت جذب) کی تعریف یہ کی ہے کہ حالت طرب میں صبر باقی نہ رہے گویا نشہ والے میں کچھ باقی ہے جس سے وہ لذت حاصل کرتا اور جھومتا ہے پس ایسا شخص صبر نہیں کر سکتا اور اس کے ساتھ فنا بھی نہیں ہوتا۔ اور بعض اوقات سکر (نشہ) کا سبب محبوب کے ادراک کی خوشی کی قوت ہوتی ہے کہ اس کا کلام مخلوط اور افعال تبدل ہو جاتے ہیں کہ اس کی عقل زائل ہو جاتی ہے اور شراب پینے والے کی نسبت اس کے اخلاق زیادہ برے ہو جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات طبعی سبب کی بنیاد پر اس خوشی کا نشہ اسے ہلاک کر دیتا ہے اور وہ دل کے خون کا یکدم پھیل جانا ہے اور یہ عام عادت کے خلاف ہوتا ہے اور خون ہی طبعی گرمی کو لاتا ہے پس اس (خون) کے پھیل جانے سے دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور یوں موت واقع ہو جاتی ہے۔

ایک شخص جب جنگل میں اپنے جانور کو پاتا ہے لیکن اس کے خیال میں وہ مرچکا تھا تو وہ خوشی کے نشے میں کہتا ہے ”یا اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں“ تو وہ بہت زیادہ خوشی کی وجہ سے غلطی کر جاتا ہے اور خوشی کا نشہ شراب کے نشہ سے اوپر ہوتا ہے تم دل میں اس فقیر کی حالت کا تصور کرو جس کے پاس کچھ نہیں لیکن وہ دنیا کا عاشق ہے اس سے سخت عشق کرتا ہے اسے ایک بہت بڑا خزانہ مل جاتا ہے پس وہ مطمئن ہو کر اس پر قبضہ کر لیتا ہے تو اس کے نشے کا کیا عالم ہو گا یا جس سے غلام بہت بڑا مال لے کر کئی سالوں تک غائب رہے اور پھر اس کے انتظار کے بغیر تمام مال لے کر آ جائے اور اس نے اس سے کئی گنا کمایا تو اس کے نشے کا عالم کیا ہو گا؟

ہم جس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں اس میں سب سے زیادہ قوی سبب عجیب و غریب اور واضح الفاظ میں نبی اکرم ﷺ کی صفات پر مشتمل اشعار کی آوازوں کو سننا ہے یہ آواز جب کسی صلاحیت رکھنے والے محل تک پہنچتی ہے تو سننے والے کے نشے کے بارے میں نہ پوچھو۔ اس وقت یہ نشہ دو جہتوں سے پیدا ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ ذاتی طور پر اس سے ایک مضبوط لذت لازم ہوتی ہے جس سے عقل پر پردہ چھا جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نفس محبوب کی طرف اور اس کی جہت میں حرکت کرتا ہے اس وقت اس حرکت، شوق اور طلب کے ذریعے اور اس کے ساتھ الٰہی محبوب کو خیال میں لانے اور نفس میں حاضر کرنے نذر اس کی صورت کو دل کے قریب کرنے اور فکر پر اس کو غالب کرنے سے ایک عظیم لذت پیدا ہوتی ہے جو عقل کو ڈھانپ دیتی ہے اس وقت آوازوں کی لذت اور ادراک کی لذت جمع ہو جاتی ہیں پس روح پر ایسا نشہ چڑھتا ہے جو شراب کے نشے سے زیادہ عجیب، زیادہ پاکیزہ اور زیادہ لذیذ ہوتا ہے اور اس شخص کو شراب کے نشے سے زیادہ لذیذ نشہ حاصل ہوتا ہے۔

حضرت امام احمد وغیرہ رحمہم اللہ نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمائے گا اس آواز کے ساتھ میری بزرگی بیان کرو جس کے ساتھ دنیا میں میری بزرگی بیان کرتے تھے وہ کہیں گے کیسے بیان کروں وہ الفاظ تو تو لے گیا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں آپ پر لوں تا ہوں پس وہ عرش کے پائے کے پاس کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کریں گے تو جنت والے ان کی آوازیں کر جتنی نعمتوں کو چھوڑتے ہوئے ادھر مشغول ہو جائیں گے۔

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ جب اپنے رب جل جلالہ کا کلام اور خطاب سنیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی ذات کریم کی زیارت بھی کریں گے تو دیدار الٰہی کی لذت ان کو جنت اور اس کی نعمتوں کو دیکھنے سے بے نیاز کر دے گی تو یہ

ایسا معاملہ ہے کہ الفاظ اس کا ادراک نہیں کر سکتے اور اشارہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اور یہ ایسی صفت ہے کہ ہر کان میں داخل نہیں ہو سکتی ایسی موسلا دھار بارش ہے کہ ہر زمین کو سیراب نہیں کرتی ایسا چشمہ ہے کہ اس پر آنے والا ہر شخص اس سے پی نہیں سکتا ایسا سماع ہے کہ ہر سامع اس سے جھوم نہیں سکتا اور ایسا دسترخوان ہے کہ اس پر ہر طفلی بیٹھ نہیں سکتا۔ مدارج السالکین میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا۔

محبت اور گناہ کا اجتماع

جو شخص ان مذکورہ بالا صفات سے موصوف ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اس کی محبت کامل ہوتی ہے اور جو ان میں سے بعض کی مخالفت کرے اس کی محبت ناقص ہے لیکن وہ اس نام (محبت ہونے) سے نہیں نکلتا اس پر دلیل یہ ہے کہ جس شخص کو شراب کی حد لگائی گئی اور بعض حضرات نے اس پر لعنت بھیجی اور کہا کہ یہ کس قدر (اس سزا کے لئے) لایا جاتا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تلعنہ فانه يحب الله ورسوله. اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔

تو باوجود اس گناہ کے صادر ہونے کے کہ نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جن کے خیال میں کبیرہ گناہ کا مرتکب کا فر ہو جاتا ہے کیونکہ اس پر لعنت سے نبی اور اس کے لئے دعا کا حکم ثابت ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۷۵، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۳۵۵۳-۱۷۰۸۲، اتحاف السادة المتعلمین ج ۹ ص ۶۲۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۱۳۷۳۹)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کے ارتکاب اور اس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے ثبوت میں کوئی منافات نہیں یعنی دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں اور جس شخص سے گناہ کا تکرار ہو جائے اس کے دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت نکالی نہیں جاتی۔

اور ہو سکتا ہے نافرمانی کرنے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کا ثبوت اور اس کا باقی رہنا اس بات سے متعین ہو کہ جب وہ گناہ کے وقوع پر نادم ہو۔ یا جب اس پر حد نافذ کی جائے تو یہ اس کے اس مذکورہ گناہ کا کفارہ بن جائے بخلاف اس کے کہ جب اس سے یہ بات (ندامت وغیرہ) واقع نہ ہو تو گناہ کے تکرار سے اس بات کا ڈر ہے کہ اس کے دل پر مہر لگ جائے حتیٰ کہ اس سے یہ محبت سلب کر لی جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اس کی محبت پر ثابت قدمی اور اس کی رحمت و احسان سے اس کے راستے پر چلنے کا سوال کرتے ہیں۔

۱۔ ایک شخص جس کا نام عبد اللہ تھا اور حمار لقب تھا وہ رسول اکرم ﷺ کو ہنسیا کرتا تھا (ایسی گفتگو کرتا کہ آپ تبسم فرماتے) اور شراب نوشی پر آپ اسے کوڑے لگانے کا حکم دیتے ایک دن اسے لایا گیا تو ایک دوسرے شخص نے کہا یا اللہ! اس پر لعنت بھیج یہ کس کثرت کے ساتھ لایا جاتا ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسول سے نبت کرتا ہے (زر قانی ج ۶ ص ۳۲۳) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والے اگر کبھی گناہ کا ارتکاب کریں تو ان کے لئے اچھے الفاظ استعمال کئے جائیں یقیناً کسی وقت محبت خداوندی اور محبت رسول ان کو نیک اعمال کی راہ دکھائے گی۔ ۱۲ ہزار دی

محبت اور غلت میں فرق

علماء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ محبت کا درجہ زیادہ بلند ہے یا غلت (خلیل ہونے) کا درجہ بلند ہے۔ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ بعض حضرات نے دونوں کو برابر قرار دیا ہے پس حبیب وہی ہو سکتا ہے جو خلیل بھی ہو اور خلیل وہی ہوگا جو حبیب بھی ہو لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غلت اور حضرت محمد ﷺ کو محبت کے ساتھ خاص کیا گیا۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ غلت کا درجہ زیادہ بلند ہے انہوں نے اس حدیث شریف سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لو كنت متخذاً خليلاً غير ربي لا تأخذت
اذا بك ربي خليلاً.
اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بنانا تو حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۳، الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۵۴، الشفاء ج ۱ ص ۲۱۲، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۲۹، الموضوعات ج ۱ ص ۳۶۷)
پس آپ نے ان کو خلیل نہیں بنایا اور محبت کا لفظ حضرت فاطمہؑ ان کے دونوں صاحبزادوں اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہم کے لئے استعمال فرمایا۔

معنی اخس (یعنی غلت) سے یہی ظاہر ہے کیونکہ محبت غلت کے معنی سے ماخوذ ہے لیکن اس پر واقعہ معراج کے حوالے سے اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا۔ اے محمد! ﷺ سوال کیجئے تو آپ نے عرض کیا اے میرے رب! تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں آپ کو اس سے بہتر وصف عطا نہ کروں؟ (یہاں تک کہ فرمایا) میں نے آپ کو حبیب بنایا جو اس کے معنی میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت کا درجہ زیادہ بلند ہے۔

جن حضرات نے مقام محبت کو مقام غلت پر فضیلت دی ہے انہوں نے کئی وجوہ سے فرق کیا ہے حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء میں“ امام ابوبکر بن نورک سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا انہوں نے بعض متکلمین سے نقل کیا۔

۱۔ خلیل بالواسطہ پہنچتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَكَذَلِكَ نَبِّئُ رَأْسًا وَهُمْ مَلَكَوَتِ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ. (الانعام: ۷۵)
اسی طرح ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور
زمین کی پوشیدہ بادشاہی دکھاتے ہیں۔

اور حبیب بلا واسطہ پہنچتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۖ (النجم: ۹)

پس دو کمانوں کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی زیادہ
قریب۔

۲۔ خلیل نے کہا:

وَلَا تُخَوِّنِي. (الشعراء: ۸۷)

اور حبیب کے لئے کہا گیا:

اور مجھے رسوا نہ کرنا۔

یَوْمَ لَا يُغْنِي اللَّهُ النَّبِيَّ. (التحریم: ۸) جس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو رسوا نہیں کرے گا۔
۳۔ خلیل نے مشکل میں کہا:

حَسْبِيَ اللَّهُ. (الزمر: ۳۸) مجھے اللہ کافی ہے۔
اور حبیب کے لئے کہا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ. (الانفال: ۶۳) اے نبی! آپ کو اللہ کافی ہے۔
۴۔ خلیل وہ ہے جس کی مغفرت طمع کی صورت میں ہوتی ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ أَطْمَعُوا أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ (الشعراء: ۸۲) اور مجھے اس بات کی امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دے گا۔

اور حبیب کی مغفرت حد یقین میں ہے فرمایا:
لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (الف: ۲) تاکہ آپ کے سبب آپ کے اگلوں پچھلوں کے گناہ بخش دے۔

میری (مصنف علیہ الرحمہ کی) کتاب "تحفة السامع والقاری بختتم حجج البخاری" میں کچھ دوسری وجوہ بھی ہیں جو قاضی عیاض رحمہ اللہ کی بیان کردہ وجوہ کے علاوہ ہیں۔

اور یہ تمام محل نظر ہیں جیسا کہ میں نے "حاشیہ شفا میں" بیان کیا ہے اس لئے کہ دو چیزوں کے درمیان فرق کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی ذاتوں کی تعریف میں فرق ہو یعنی خلیل اور حبیب کے مدلول میں فرق ہو اور جو کچھ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کیا اور میں نے "الحقہ" میں ذکر کیا وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات پر فضیلت کا تقاضا کرتا ہے۔

اعتراض

یہ بات محض ذاتی نہیں بلکہ اس میں وصف غلت ملحوظ ہے اس لئے یہ فرق لازم آیا۔
جواب: دونوں شخصیتوں کے لئے غلت اور محبت دونوں باتیں ثابت ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وصف محبت کو سلب نہیں کیا جاسکتا۔ خاص طور پر جب کہ غلت محبت سے زیادہ خاص ہے اور نبی اکرم ﷺ سے وصف غلت کو سلب نہیں کیا جاسکتا خاص طور پر جب کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نبی اکرم ﷺ کے لئے ثابت ہے:

انسی اتخذتک خلیلاً۔ میں نے آپ کو اپنا خلیل بنایا۔

(نوٹ) جامع ترمذی میں یوں ہے "ان صاحبکم خلیل الرحمن بے شک تمہارا ساتھی رحمن کا خلیل ہے۔"
اور اس بات پر اجماع ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر بلکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق پر مطلق فضیلت حاصل ہے۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ خلیل کو بالواسطہ وصل حاصل ہوتا ہے تو اس مقام پر جو فرض ہے اس کا فائدہ اس بات سے حاصل نہیں ہوتا اور اس سے معرفت تک رسائی مراد ہے کیونکہ حسی طور پر اللہ تعالیٰ کا پہنچنا محال ہے۔ اور یہ بات کہ حبیب ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی بلا واسطہ ہی ہوتی ہے وہ حبیب ہو یا خلیل۔ اور یہ بات کہ خلیل وہ ہوتا ہے جو مغفرت کی طمع رکھتا ہے تو یہ بات خلیل کی تفسیر کے طور پر صحیح نہیں اور اس کے معنی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

مذکورہ بالا تین وجوہ فرق میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ذاتی طور پر فضیلت عطا کی گئی اور اس میں علت معنویہ یعنی وصف محبت یا وصف خلعت کا لحاظ نہیں رکھا گیا اور حق یہ ہے کہ خلعت محبت سے اعلیٰ اکمل اور افضل ہے۔

ابن قیم نے کہا کہ بعض لوگ جو غلط طریقے پر ہیں ان کا یہ خیال کہ محبت خلعت سے اکمل ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل اور حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے حبیب تھے تو یہ ان لوگوں کی جہالت ہے کیونکہ محبت عام اور خلعت خاص ہے اور خلعت محبت کی انتہا ہے۔

ابن قیم نے کہا نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلیل بنایا اور آپ نے اس بات کی نفی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی آپ کا خلیل ہو اور اس کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ خبر بھی دی کہ آپ کو حضرت عائشہ ان کے والد (حضرت ابو بکر صدیق) حضرت عمر بن خطاب اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ہے نیز اللہ تعالیٰ خوب توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا اور خوب پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو محبوب بناتا ہے صبر کرنے والوں، نیکی کرنے والوں، متقی لوگوں اور انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی خلعت دو خلیلوں (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نبی اکرم ﷺ) کے ساتھ خاص ہے۔

ابن قیم نے کہا ان لوگوں کا قول (کہ محبت خلعت سے اکمل ہے) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں علم اور سمجھ کی کمی کے باعث ہے۔

شیخ بدر الدین زرقشی رحمہ اللہ نے قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں فرمایا کہ بعض لوگوں کے خیال میں محبت خلعت سے افضل ہے اور انہوں نے کہا حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے حبیب اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ خلعت خاص ہے اور وہ محبت کا کسی کے لئے خاص ہونا ہے جب کہ محبت عام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ. (البقرہ: ۲۲۲)

بے شک اللہ تعالیٰ خوب توبہ کرنے والوں سے محبت

کرتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں یہ بات صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو خلیل بنایا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔

تنبیہ

لفظ غلیل غلت سے مشتق ہے (خام پر زبر ہے) اور اس کا معنی حاجت ہے یا غلت (خام پر پیش) سے مشتق ہے اور اس کے معنی خاص دوستی ہے یا غلل سے مشتق ہے غلب نے کہا غلیل کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ ایسی دوستی جو دل کے اندر داخل ہوتی ہے اور یہ شعر پڑھا:

قد تخللت مسلک الروح منی و بهذا سمي الغلیل غلیلا
”تم میرے اندر روح کی طرح داخل ہو اسی لئے غلیل کو غلیل کہا جاتا ہے۔“

امام راغب نے کہا الخلة (زبر کے ساتھ) نفس کو لاحق ہونے والے غلل کو کہا جاتا ہے اور وہ غلل یا تو کسی چیز کی خواہش ہے یا اس چیز کی حاجت سے ہوتا ہے اسی لئے غلہ کی تفسیر حاجت سے کی جاتی ہے اور پیش کے ساتھ غلہ پڑھنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ محبت نفس کے اندر داخل ہوتی ہے یا اس کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں یا اس لئے کہ یہ نفس میں داخل ہو کر اس طرح اثر کرتی ہے جس طرح تیر اس چیز میں اثر کرتا ہے جس میں لگتا ہے یا اس کی زیادہ حاجت کی وجہ سے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

فصل نمبر ۲

بارگاہِ نبوی میں ہدیہ صلوٰۃ و سلام پیش کرنا

درود پڑھنا کب فرض اور کب سنت ہے، فضیلت، صفت اور محل کیا ہے؟

صلوٰۃ (درود) کا معنی

ارشاد خداوندی ہے:

رَآیَ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يَصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا
اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيْمًا
بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے - نبی اکرم
ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود
(الاحزاب: ۵۶) اور خوب سلام بھیجو۔

ابو العالیہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا فرشتوں کے سامنے آپ کی تعریف کرنا ہے اور فرشتوں کا درود پڑھنا یہ ہے کہ وہ آپ کے لئے دعا مانگتے ہیں۔

”فتح الباری میں“ فرمایا کہ سب سے بہتر قول یہی ہے پس اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تعریف فرماتا اور آپ کی عظمت کو بیان کرتا ہے اور فرشتوں وغیرہ کا درود بھیجنا یہ ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ سے اسی بات (ثناء اور تعظیم) کا مطالبہ کرتے ہیں اور مراد یہ ہے کہ یا اللہ تعالیٰ مزید درود بھیج محض درود بھیجنے کا مطالبہ نہیں کرتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فرشتوں کا درود بھیجنا برکت کی دعا کرنا ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت

مقاتل بن حیان رحمہ اللہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا درود بھیجنا مغفرت ہے اور فرشتوں کا درود بھیجنا طلب مغفرت ہے۔

(تذکرۃ حفاظ ج ۱ ص ۱۷۴ طبقات المفسرین ج ۲ ص ۳۲۹ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۷۱)

ضحاک بن مزاحم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود اس کی رحمت ہے ان ہی سے ایک روایت میں ہے کہ اس کی طرف سے مغفرت ہے اور فرشتوں کا درود شریف دعا ہے۔ یہ دونوں قول اسامیل قاضی نے ان سے نقل کئے ہیں گویا ان کی مراد مغفرت کی دعا ہے۔

مہر دینے کہا اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ (درود) رحمت ہے اور فرشتوں کا درود ایسی رقت (نری) ہے جو رحمت کی دعا کی ترغیب دیتی ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ اور رحمت کو الگ الگ چیز قرار دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (البقرہ: ۱۵۷) رحمت ہے۔

اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ان دونوں کو ایک دوسرے کا غیر سمجھا:

صَلُّوا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب: ۵۶) ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

حتیٰ کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے صلوٰۃ (درود شریف) کی کیفیت دریافت کی جب کہ سلام کی تعلیم میں رحمت کا ذکر پہلے ہو چکا تھا یعنی "السَّلَامُ عَلَیْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ" میں لفظ رحمت بھی ہے اور نبی اکرم ﷺ نے ان کو اس پر برقرار رکھا پس اگر صلوٰۃ رحمت کے معنی میں ہوتی تو نبی اکرم ﷺ ان سے فرماتے کہ تم سلام کے ذکر میں یہ بات معلوم کر چکے ہو۔

صلی نے اس کو جائز قرار دیا کہ صلوٰۃ آپ پر سلام کے معنی میں ہو اور یہ بات محل نظر ہے۔

کہا گیا ہے کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ خاص بھی ہے اور عام بھی انبیاء کرام علیہم السلام پر صلوٰۃ سے مراد ان کی ثناء اور تعظیم ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور دوسرے لوگوں پر صلوٰۃ سے مراد رحمت ہے اور یہ وہ رحمت ہے جو ہر چیز کو شامل ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے حضرت بکر قشیری رحمہ اللہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ (درود) آپ کو شرف عطا فرمانا اور آپ کی تکریم کو بڑھانا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ لوگوں پر صلوٰۃ سے رحمت مراد ہے اس سے نبی اکرم ﷺ اور دوسرے مومنین کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب میں فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں۔ (الاحزاب: ۵۶)

اور اس سے پہلے اسی سورت میں فرمایا:

هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ
وہی اللہ ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے
(الاحزاب: ۴۳) رحمت کی دعا مانگتے ہیں۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ جو قدر نبی اکرم ﷺ کے شایان شان ہے وہ اس سے بلند ہے جو دوسروں کے مناسب ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کی جس قدر شان بیان کی گئی ہے وہ دوسری جگہ بیان نہیں ہوئی۔
حلیسی نے ”الشعب (شعب الایمان) میں“ فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنے کا مطلب آپ کی تعظیم ہے پس ہمارے قول ”اللہم صل علی محمد“ کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! حضرت محمد ﷺ کو عظمت عطا فرما۔ دنیا میں آپ کی تعظیم آپ کے ذکر کو بلند کرنا، آپ کے دین کو غالب کرنا اور آپ کی شریعت کو باقی رکھنا ہے اور آخرت میں زیادہ ثواب عطا کرنا امت کے حق میں آپ کی شفاعت کو قبول کرنا اور مقام محمود کے ذریعے آپ کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے اس لہذا پر اہل شافعیہ اور ائمہ ”صلو اعلیہ“ سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے رب سے نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کی دعا مانگو۔

اور آپ پر آل، ازواج اور آپ کی اولاد (ذریعہ) کے عطف میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان کی تعظیم کی دعا مانگنا ممنوع نہیں ہے اس لئے کہ ہر ایک کی تعظیم اس کی شان کے مطابق ہوتی ہے۔

اور جو کچھ ابو العالیہ کے حوالے سے گزر چکا ہے وہ زیادہ ظاہر ہے کیوں کہ اس کے مطابق لفظ صلوٰۃ کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت فرشتوں کی طرف نسبت اور مؤمنوں کی طرف سے نسبت سے استعمال ایک ہی معنی میں ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ غیر انبیاء کے لئے رحمت کی دعا کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں البتہ لفظ صلوٰۃ کے بارے میں اختلاف ہے (کہ غیر انبیاء کے لئے جائز ہے یا نہیں)۔

اور اگر ہمارے قول ”اللہم صل علی محمد“ کا معنی یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر رحم فرما ہوتا تو انبیاء کرام کے غیر کے لئے بھی درود شریف جائز ہوتا اسی طرح اگر برکت یا رحمت کے معنی میں ہوتا تو جن لوگوں کے نزدیک تشہد میں درود شریف واجب ہے ان کے نزدیک السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پڑھنے سے یہ وجوب ساقط ہو جاتا (حالانکہ ساقط نہیں ہوتا) اس بات کا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تشہد میں لفظ صلوٰۃ کا استعمال حکم شرعی کے طور پر ہے پس اسے عمل میں لانا ضروری ہے اگرچہ پہلے وہ الفاظ لا چکا ہے جو اس کے ہم معنی ہیں۔

سوال: درود شریف پڑھنے کا حکم کب ہوا؟

جواب: جیسا کہ ابو ذر ہروی نے فرمایا ہجرت کے دوسرے سال یہ حکم دیا گیا ہے ایک قول کے مطابق شب معراج حکم ہوا یہ بھی کہا گیا کہ شعبان کا مہینہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا مہینہ ہے کیونکہ درود شریف والی آیت (ان اللہ وملائکتہ يصلون علی النبی) شعبان المعظم میں نازل ہوئی۔ واللہ اعلم

درود شریف پڑھنے کا فائدہ

حلیسی نے فرمایا نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور نبی اکرم ﷺ کے ہمارے ذمہ حق کی ادائیگی ہوتی ہے۔

ابن عبد السلام نے بھی ان کی اتباع کی ہے چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ”شجرۃ المعارف کے آٹھویں باب“ میں

فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا ہماری طرف سے آپ کے لئے سفارش نہیں ہے کیونکہ ہمارے جیسے لوگ آپ جیسی شخصیات کی سفارش کا حق نہیں رکھتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ جو کوئی ہم پر احسان کرے ہم اس کا بدلہ دیں پس اگر ہم اس سے عاجز ہوں تو دعا کے ذریعے بدلہ دیں پس جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ہم اپنے نبی ﷺ کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتے تو ہمیں آپ پر درود شریف بھیجنے کا حکم دیا۔ شیخ ابو محمد مرجانی سے بھی اس کی مثل منقول ہے۔ ابن عربی نے فرمایا نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنے کا فائدہ درود شریف پڑھنے والے کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ یہ اس کے عقیدے کی پختگی، خلوص نیت، اظہار محبت اور واسطہ کریمہ ﷺ کی دائمی فرمانبرداری اور احترام کی دلیل ہے۔ (کشف القنون ج ۲ ص ۱۰۲)

درود شریف پڑھنے کا حکم

آپ پر درود شریف پڑھنے کے حکم کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ پہلا قول: کسی قید کے بغیر درود شریف پڑھنا واجب ہے لیکن کم از کم ایک بار پڑھنا کفایت کرتا ہے۔ دوسرا قول: کثرت سے درود شریف پڑھنا واجب ہے لیکن کوئی تعداد مقرر نہیں ہے یہ بات قاضی ابوبکر بن بکیر مالکی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے ان کی عبارت جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے نقل کی ہے یوں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر لازم کیا ہے کہ وہ اس کے نبی ﷺ پر درود شریف اور خوب سلام بھیجیں اور اس کے لئے کوئی معلوم وقت مقرر نہیں فرمایا پس واجب ہے کہ زیادہ سے زیادہ درود شریف بھیجا جائے اور اس میں غفلت نہ برتی جائے۔ (اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۳۲۱)

تیسرا قول: جب بھی آپ کا ذکر ہو درود شریف بھیجنا واجب ہے۔ یہ بات امام طحاوی، حنفیوں کی ایک جماعت، حلیٰ اور شافعیوں کی ایک جماعت نے کہی ہے۔ ابن عربی نے فرمایا زیادہ احتیاط اسی میں ہے زخشری نے بھی اسی طرح کہا ہے ان حضرات نے اس قول پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من ذکرک عندہ فلم یصل علی لمات جس آدمی کے سامنے میرا ذکر ہو پس وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے اور وہ مر جائے تو جہنم میں داخل ہوگا پس اللہ تعالیٰ نے اسے (اپنی رحمت سے) دور کر دیا۔

یہ حدیث ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کی ہے۔ اور یہ حدیث بھی ہے:

رغم انف من ذکرک عندہ فلم یصل اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے پس وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے نقل کیا اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا۔

اور یہ حدیث بھی ہے:

شقی عبد ذکرت عنده فلم یصل علی۔ وہ شخص بد بخت ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے

اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کیونکہ ناک خاک آلود ہونے رحمت سے دوری اور بد بختی کی بددعا سزا کے ذکر کو چاہتی ہے اور کسی عمل کے چھوڑنے پر سزا کا ذکر علامات وجوب میں سے ہے۔

اور معنوی اعتبار سے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجنے کا حکم آپ کے احسانات کا بدلہ دینے کا فائدہ دیتا ہے اور آپ کا احسان ہمیشہ کے لئے جاری ہے پس جب آپ کا ذکر ہو تو درود شریف پڑھنے کی تاکید ہو جائے گی۔

ان حضرات نے اس ارشاد باری تعالیٰ سے بھی استدلال کیا ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا. (النور: ۶۳)

دوسرے کو پکارتے ہو۔

پس اگر آپ کے ذکر پر درود شریف نہ پڑھا جاتا تو آپ کا معاملہ دوسرے لوگوں کی طرح ہوتا۔

جن لوگوں نے یوں درود شریف پڑھنا واجب قرار نہیں دیا انہوں نے اس بات کے چند جوابات دیئے ہیں۔

ایک جواب یہ ہے کہ یہ قول صحابہ کرام یا تابعین میں سے کسی سے معروف نہیں ہے لہذا یہ خود ساختہ ہے۔ اور اگر یہ اپنے عموم پر ہو تو مؤذن پر لازم ہے کہ جب وہ اذان کہے تو درود شریف پڑھے اسی طرح اذان سننے والے پر بھی لازم ہونا چاہیے۔

نیز قرآن مجید پڑھنے والے پر بھی لازم ہوتا کہ جب بھی وہ ایسی آیت کریمہ پڑھتا جس میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ درود شریف پڑھتا اور جو شخص حلقہ بگوش اسلام ہوتا تو کلمہ شہادت پڑھتے وقت درود شریف پڑھنا بھی اس پر لازم ہوتا اور یہ ایک ایسی مشقت اور حرج ہے کہ شریعت مطہرہ جو آسان ہے وہ اس کے خلاف ہے نیز اس طرح اللہ تعالیٰ کا جب بھی ذکر کیا جائے اس کی تعریف کرنا زیادہ واجب ہوتا اور اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

امام قدوری (احمد بن محمد بن احمد بن جعفر القدوری فقہی متونی ۴۲۸ھ) اور دیگر ائمہ حنفیہ نے فرمایا کہ جب بھی نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہو اس وقت درود شریف پڑھنے کا وجوب اس اجماع کے خلاف ہے جو اس قول سے پہلے منعقد ہو چکا ہے کیونکہ کسی صحابی کے بارے میں یہ بات محفوظ نہیں کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ”یا رسول اللہ“ کے ساتھ ”ﷺ“ بھی کہا ہو نیز اگر بات اس طرح ہوتی تو وہ کسی دوسری عبادت کے لئے فارغ ہی نہ ہوتے۔

(الاعلام ج ۱ ص ۲۱۲ فیات الاعیان ج ۱ ص ۲۱ نجوم الزاہرہ ج ۵ ص ۲۴)

احادیث کا جواب ان حضرات نے یوں دیا ہے کہ یہ درود شریف کی طلب میں مبالغہ ہے اور یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو درود شریف نہ پڑھنے کی عادت بنا لیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک مجلس میں تکرار ذکر رسول ﷺ سے درود شریف کا تکرار واجب نہیں ہے۔

چوتھا قول: ہر مجلس میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے اگرچہ آپ کا ذکر کئی بار ہو یہ بات زختری نے فرمائی ہے۔ پانچواں قول: ہر دعا میں درود شریف پڑھنا واجب ہے یہ بات بھی زختری سے منقول ہے۔

تَسْلِيْمًا (الاحزاب: ۵۶)

اور خوب سلام بھیجو۔

اور آپ پر درود شریف بھیجنے کی فرضیت کے لئے نماز سے زیادہ مناسب مقام کوئی نہیں۔ اور اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے بھی رہنمائی ملتی ہے۔

حضرت ابراہیم بن محمد نے ہمیں خبر دی وہ فرماتے ہیں ہم سے حضرت صفوان بن سلیم نے حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ پر درود شریف کیسے پڑھیں یعنی نماز میں آپ نے فرمایا تم یوں کہو اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم (آخر تک درود ابراہیمی)۔

ہمیں ابراہیم بن محمد نے خبر دی وہ فرماتے ہیں مجھ سے سعید بن اسحاق ابن کعب بن عجرہ نے حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے انہوں نے حضرت کعب بن عجرہ سے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نماز میں اللھم صل علی محمد (درود ابراہیمی آخر تک) پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں پس جب یہ بات مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو نماز میں تشہد سکھاتے تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے ان کو نماز میں درود شریف پڑھنے کی کیفیت سکھائی تو یہ کہنا جائز نہیں کہ نماز میں تشہد تو واجب ہے لیکن درود شریف واجب نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے کا مناقشہ

بعض مخالفین نے امام شافعی رحمہ اللہ کے اس استدلال کی کئی وجوہ سے مخالفت کی ہے۔

- ۱۔ ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ (راوی) ضعیف ہیں اور ان کے بارے میں کلام مشہور ہے۔
- ۲۔ اگر اس کو صحیح مانا جائے تو پہلی حدیث میں ”یعنی نماز میں“ کے الفاظ کا قائل واضح نہیں کہ کون ہے (تاکہ معلوم ہو کہ اس کی تفسیر قابل قبول ہے یا نہیں)۔

۳۔ دوسری حدیث میں یہ الفاظ کہ نبی اکرم ﷺ یہ درود شریف پڑھتے تھے اگرچہ اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے فرض نماز مراد ہے لیکن اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے درود شریف پڑھنے کی صفت مراد ہو (یعنی فی الصلوٰۃ میں لفظ صلوٰۃ کا معنی نماز نہ ہو بلکہ درود شریف پڑھنا ہی ہو) اور یہ قوی احتمال ہے کیونکہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے اکثر طرق اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سوال درود شریف کی صفت سے متعلق ہے اس کے محل کے بارے میں نہیں ہے۔

۴۔ حدیث شریف میں کوئی ایسی بات نہیں جو تشہد میں اس کی تعیین پر دلالت کرے خصوصاً تشہد اور سلام کے درمیان۔ متاخرین مالکیوں کی ایک جماعت نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ پر نماز میں درود شریف کی شرط لگانے کی وجہ سے بہت زیادہ اعتراض کیا اور کہا کہ یہ ان کا انفرادی قول ہے۔

اور ایک جماعت نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے ان میں ابو جعفر طبری، طحاوی، ابن منذر اور خطابی بھی شامل ہیں۔ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”الشفاء میں“ ان کے اقوال نقل کئے ہیں اور متعدد لوگوں نے ان پر عیب لگا۔

چھٹا قول: درود شریف پڑھنا مستحب کا مومن میں سے ہے یہ ابن بریطری کا قول ہے اور انہوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اگرچہ درود شریف کے لئے امر کا صیغہ آیا لیکن وہ فرماتے ہیں امت کے تمام متقدمین و متاخرین علماء کا اجماع ہے کہ اس سے فرضیت لازم نہیں آتی جس کے چھوڑنے سے آدمی گناہ گار ہو۔ پس یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس سلسلے میں امر کا صیغہ استحباب کے لئے ہے اور جو آدمی درود شریف پڑھ لیتا ہے چاہے نماز سے باہر پڑھے وہ حکم الہی کی تعمیل کر لیتا ہے۔

”فتح الباری میں“ فرمایا کہ ان کا اجماع کا دعویٰ دوسروں کی نماز کے اندر اس کی مشروعیت پر اجماع کے دعویٰ کے خلاف ہے چاہے نماز میں پڑھنا واجب ہو یا مستحب اور اسلاف سے اس کی مخالفت معروف نہیں۔
البتہ ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ ان کے نزدیک نمازی کا تشہد میں ”السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ“ پڑھنا درود شریف کی جگہ کفایت کرتا ہے تو اس کے باوجود انہوں نے درود شریف کی جگہ سلام کی کفایت کا دعویٰ کیا ہے۔
ساتواں قول: زندگی میں ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے نماز میں ہو یا اس کے علاوہ حنفیہ میں سے ابو بکر رازی نے یہ بات فرمائی ہے۔

آٹھواں قول: نماز میں واجب ہے لیکن مقام کا تعین ضروری نہیں ہے یہ بات ابو جعفر باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔
نواں قول: تشہد میں واجب ہے یہ امام شعی اسحاق بن راہویہ کا قول ہے۔
دسواں قول: نماز کے آخری قعدہ میں تشہد اور سلام کے درمیان واجب ہے یہ بات امام شافعی اور ان کے متبعین رحمہم اللہ نے کہی ہے۔

اس بات پر اصحاب سنن (سنن ابی داؤد وغیرہ) کی روایت سے استدلال کیا گیا ہے اس روایت کو امام ترمذی، ابن خزیمرہ اور امام حاکم رحمہم اللہ نے صحیح قرار دیا۔ حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! جہاں تک سلام کا تعلق ہے تو وہ ہمیں معلوم ہو گیا لیکن جب ہم نماز میں آپ پر درود شریف پڑھیں تو اس کی کیفیت کیا ہے آپ نے فرمایا۔ تم کہو اللھم صل علی محمد (درود ابراہیمی) ان کا یہ کہنا کہ سلام کے بارے میں ہمیں معلوم ہو گیا تو اس سے مراد تشہد میں پڑھا جانے والا سلام ہے نبی اکرم ﷺ ان کو یہ سلام اس طرح سکھاتے جس طرح قرآن مجید کی کوئی سورت سکھاتے تھے اور اس میں اس طرح السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ و برکاتہ ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔

”فی صلاتنا“ کے اضافہ سے شافعی مسلک کی ایک جماعت جن میں ابن خزیمرہ اور امام بیہقی رحمہما اللہ بھی شامل ہیں نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ قعدے میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے درود شریف پڑھنا واجب ہے۔
حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ”کتاب الام میں“ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعے نبی اکرم

ﷺ پر درود شریف بھیجنا فرض فرمایا:

رَأَى اللَّهُ وَمَلَائِكَتُهُ يَصَلُّونَ عَلَى نَبِيِّيْهَا
بِشُكِّ اللَّهِ تَعَالَى اور اس کے فرشتے نبی اکرم ﷺ
پر درود شریف بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود

ہوئے کہا کہ ان مقالات کے ذکر کرنے سے خاموش رہنا بہتر تھا کیونکہ ان کی کتاب ”الشفاء“ کی بنیاد نبی اکرم ﷺ کی تعظیم اور آپ کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں انتہائی مبالغہ پر مبنی ہے۔

اور نماز میں نبی اکرم ﷺ پر درود شریف کو واجب قرار دینا آپ کی تعظیم میں مبالغہ کی غرض سے ہے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے فضائل (پیشاب وغیرہ) کو پاک قرار دیا حالانکہ اکثر اس کے خلاف ہیں۔ ۱۔ لیکن انہوں نے اس کو عمدہ قرار دیا کیونکہ اس میں آپ کی زیادہ تعظیم ہے اور آپ پر درود شریف کے وجوب کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے جب کہ یہ نماز کی جنس اور اس کے مقتضی سے ہے ۲۔ اور جب نماز میں خود نمازی اور اللہ تعالیٰ کے دیگر نیک بندوں پر سلام بھیجنا جائز (بلکہ ضروری) ہے تو نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا واجب کیوں نہیں ہوگا؟

علماء کرام کی ایک جماعت نے بھی امام شافعی رحمہ اللہ کی تائید کی ہے ان علماء میں حافظ عماد الدین بن کثیر ابن قیم شیخ الاسلام والحق ابوالفضل ابن حجر عسقلانی ان کے شاگرد ہمارے شیخ حافظ سخاوی علامہ ابی امامہ بن نقاش اور ان کے علاوہ علماء کرام رحمہم اللہ جن کا ذکر بہت طویل ہے شامل ہیں۔

ان حضرات نے اپنے موقف پر نقلی اور عقلی دلائل پیش کیے ہیں اور انفرادیت کے دعویٰ کا رد کیا۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی وجوب کا ایک قول نقل کیا ہے ان صحابہ کرام میں حضرت ابن مسعود ابو مسعود بدری انصاری اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے حضرت عمر بن خطاب اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے اور تابعین میں سے امام شعبی رحمہ اللہ سے یہ بات نقل کی ہے اور امام بیہقی نے اسے روایت کیا نیز ابو جعفر ہا قرا اور مقاتل رحمہما اللہ نے بھی نقل کیا۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے قوی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ آدمی تشہد پڑھے پھر حضور علیہ السلام پر درود شریف پڑھے اور اس کے بعد اپنے لئے دعا مانگے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے دلائل میں سے یہ سب سے زیادہ مضبوط دلیل ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان (صحابہ کرام) کو تشہد سکھائی اور فرمایا پھر جو دعا چاہے مانگے۔

پس جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ دعا سے پہلے درود شریف پڑھا جائے تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ آپ اس اضافے پر مطلع ہیں جو تشہد اور دعا کے درمیان ہے (اور وہ درود شریف پڑھنا ہے) اور اس سے ان لوگوں کی دلیل ختم ہوگئی جنہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کا رد کرنے کے لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے

۱۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے شیخ نے ہمیں املاء کراتے ہوئے فرمایا کہ اس قسم کی بات عیب نہیں اور نہ اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کیونکہ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ اور دوسرے علماء کا مقصد اظہار حق ہے تاکہ پڑھنے والے کو معلومات اور دلائل کا علم ہو اور ان مقالات کا نقل کرنا تعظیم کے منافی نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کی عظمت صرف اس بات پر موقوف نہیں اور حضور علیہ السلام کے فضائل کا ذکر کیا تو یہ ان کا مذہب ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے اور ان کے نزدیک یہ حق ہے۔ (شرح زرقانی ج ۶ ص ۳۳۳)

۲۔ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اعتراض ساقط ہے کیونکہ انکار تو صرف وجوب کا ہے اور وجوب کی خاص دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔

(زرقانی ج ۶ ص ۳۳۳)

استدلال کیا اور حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ کی طرح دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے جو نبی اکرم ﷺ نے ان کو سکھایا اس میں آپ پر درود شریف بھیجے گا ذکر نہیں ہے۔

حسن بن عرفہ کی جزء (جس کتاب میں کسی ایک موضوع پر احادیث جمع ہوں اسے جزء کہتے ہیں) میں ہے اور (حضرت حسن بن علی بن شیبہ بغدادی) معمری نے ”عمل الیوم واللیلۃ میں“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عمدہ سند کے ساتھ نقل کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تكون صلاة الا بقراءة وتشهد و قرأت تشہد اور مجھ پر درود شریف پڑھے بغیر نماز صلاۃ علی۔

(الاعلام ج ۲ ص ۲۰۰ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۶۷ تاریخ بغداد ج ۷ ص ۳۶۹ البحر ج ۲ ص ۱۰۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے خلافت میں مضبوط سند کے ساتھ حضرت شعبی رحمہ اللہ سے نقل کیا اور وہ بڑے بڑے تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں تشہد یوں سکھائی جاتی تھی کہ جب اشہدان محمد اعبدہ ورسولہ کہے تو اپنے رب کی ثناء اور حمد بیان کر کے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے پھر دعا مانگے۔

حضرت ابو جعفر کی حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

من صلی صلوۃ لم یصل فیہا علی و جس نے نماز پڑھتے ہوئے مجھ پر اور میرے اہل علی اہل بیسی لم تقبل منہ۔

امام دارقطنی نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ یہ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین (رضی اللہ عنہم) کے قول سے ہے وہ فرماتے ہیں:

اگر میں نماز پڑھوں اور اس میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اہل بیت پر درود شریف نہ پڑھوں تو میں سمجھتا ہوں کہ میری نماز مکمل نہیں ہوئی لیکن حضرت ابو جعفر سے روایت کرنے والے جابر جعفی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔ ”الثناء“ میں اسی طرح ہے۔

فقہاء امصار (مختلف شہروں کے فقہاء) میں سے حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے ایک روایت کے مطابق حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی موافقت کی ہے اور آخر میں اسی پر عمل کیا جس طرح ان سے (ان کے شاگرد) ابو زرعہ دمشقی (ابو زرعہ عبد الرحمن بن عمرو بن عبد اللہ بن صفوان النصری حافظ الحدیث متوفی ۲۸۰ھ) نے نقل کیا اور اس بات کو حافظ ابن کثیر نے ذکر کیا۔ (الاعلام ج ۳ ص ۳۲۰ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۲۳ شذرات الذہب ج ۲ ص ۷۷ نجوم الزاہرہ ج ۳ ص ۸۷ البحر ج ۲ ص ۶۵ اجتہاد ج ۶ ص ۲۳۶)

اسحاق بن راہویہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص بھول کر نہیں بلکہ جان بوجھ کر درود شریف نہ پڑھے تو اس پر نماز کا اعادہ

۱۔ نوٹ: امام زرقاتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اس میں کمال کی نفی اور یہی مفہوم زیادہ مناسب ہے کیونکہ تشہد کی احادیث میں درود شریف کا ذکر نہیں ہے۔ (شرح زرقاتی ج ۶ ص ۳۳۳)

۲۔ اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جو وجوب پر دلالت کرے کیونکہ تعلیم استحباب کے لئے بھی ہوتی ہے (ایضاً)۔

۳۔ اس حدیث میں وجوب پر دلیل نہیں ہے کیونکہ نماز کے قبول نہ ہونے سے اس کا باطل ہونا لازم نہیں آتا (لہذا وجوب ثابت نہ ہوا)۔

واجب ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے مشہور یہ ہے کہ اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے جان کر چھوڑے یا بھول کر۔ آپ کے اکثر شاگردوں کا یہی موقف ہے حتیٰ کہ بعض حنبلی ائمہ نے نماز میں ”سبحانہ“ کہنا واجب قرار دیا کہ انہوں نے جب سوال کیا تو امام احمد رحمہ اللہ نے انہیں اسی طرح سکھایا ابن کثیر نے اسی طرح ذکر کیا (امام ابو القاسم عمر بن حسین بغدادی) خرقی رحمہ اللہ نے جان بوجھ کر چھوڑنے کی قید میں اسحاق بن راہویہ کی موافقت کی ہے۔

(الاعلام ج ۵ ص ۲۲۲ فیات الاعیان ج ۱ ص ۲۹۹ نجوم الزاہر ج ۳ ص ۱۷۸ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۳۲ مفتاح السعادة ج ۱ ص ۴۳۸) مابکیوں کے نزدیک بھی اختلاف ہے جس طرح ابن حابط نے نماز کی سنتوں کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا پھر فرمایا ”علی الصحیح“ (یعنی صحیح قول کے مطابق اختلاف ہے) ان کے شارح (علامہ محمد) بن عبد السلام (تولنی قاضی) نے فرمایا۔

ان کی مراد یہ ہے کہ وجوب کے بارے میں دو قول ہیں اور امام ابن موز (محمد بن ابراہیم بن زیادہ اسکندری) کے کلام سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے ابن قصار (ابو الحسن علی بن احمد بغدادی) اور عبد الوہاب (بن علی بن نصر ابو محمد بغدادی) رحمہما اللہ نے ان سے (ابن موز سے) اس بات کو صراحتاً نقل کیا جس طرح ”الشفاء میں“ ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ وہ امام شافعی رحمہ اللہ کی طرح اسے نماز میں فرض (واجب) سمجھتے تھے۔

(الاعلام ج ۵ ص ۲۹۳ شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۷۷ الوانی بالوفیات ج ۱ ص ۳۳۵) (الدبیاج ج ۲ ص ۱۰۰ ترتیب المدارک ج ۳ ص ۶۰۲ شجرة النور الزکیہ ج ۱ ص ۱۹۲ المنکون ج ۲ ص ۱۳۳) (الاعلام ج ۳ ص ۱۸۴ وفیات ج ۲ ص ۲۱۹ فیات الاعیان ج ۲ ص ۳۸۷ شذرات الذہب ج ۳ ص ۲۲۳ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳۱ نجوم الزاہر ج ۳ ص ۲۷۶ مرآة البیان ج ۳ ص ۳۱ ترتیب المدارک ج ۳ ص ۶۹۱ الدبیاج ج ۲ ص ۲۶ شجرة النور الزکیہ ج ۱ ص ۱۰۳ حسن الحاضر ج ۱ ص ۳۱۲ البدیۃ والنهایہ ج ۱ ص ۳۲)

وہ فرماتے ہیں ابو یعلیٰ (احمد بن محمد) عبدی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں تین قول نقل کئے ہیں (۱) وجوب (۲) سنت (۳) استحباب۔ (الدبیاج ج ۲ ص ۱۷۵ الصلۃ ج ۱ ص ۸۷)

میں نے ”سراج المریدین میں“ قاضی ابوبکر بن عربی کی طرف منسوب اقوال میں دیکھا کہ ابن موز اور امام شافعی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا نماز کے فرائض میں سے ہے اور یہی صحیح ہے۔

(كشف الظنون ج ۲ ص ۹۸۴)

جو خفی اس بات کے قائل ہیں کہ جب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو درود شریف پڑھنا واجب ہے جیسا کہ امام طحاوی نے فرمایا اور سروجی نے اسے ”شرح ہدایہ میں“ الحیط العقید اور التحد کے مصنفین سے ان کی کتب سے نقل کیا تو ان قائلین پر لازم آتا ہے کہ وہ تشہد میں بھی درود شریف پڑھنے کو واجب قرار دیں کیونکہ اس سے پہلے تشہد کے آخر میں اشہد ان محمدا رسول اللہ پڑھتے ہوئے آپ کا ذکر ہوتا ہے لیکن ان کو چاہیے کہ اس کا التزام کریں اور وہ اسے نماز کی صحت کے لئے شرط قرار نہیں دیتے (کیونکہ وجوب سے لازم نہیں آتا کہ وہ صحت نماز کے لئے شرط ہو۔ زرقانی ج ۶ ص ۳۳۵)۔ (كشف الظنون ج ۲ ص ۲۰۳۳)

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے اس سلسلے میں ان کی مخالفت نہیں کی بلکہ ہمارے بعض اصحاب نے آل پر درود

شریف پڑھنے کو بھی واجب قرار دیا جس طرح بندگی (ابونصر محمد بن ہبہ اللہ بن ثابت شافعی فقہی متوفی ۳۹۵ھ) اور دارمی نے نقل کیا اور امام الحرمین اور امام غزالی رحمہم اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے اس کا قول کیا۔

(الاعلام ج ۷ ص ۱۳۰ کشف القنون ص ۵۷۵ ہدیۃ العارفین ج ۲ ص ۸۷ معجم المؤلفین ج ۱۲ ص ۸۹)

ابن کثیر نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ ان کا اپنا قول نہیں کسی دوسرے کا قول ہے کہ (اہل مذہب میں سے) جمہور اس کے خلاف ہیں اور وجوب کا قول حدیث کے ظاہر کی وجہ سے ہے (کہ فرمایا کہو اللھم صل علی محمد)۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے خطابی کا ان کی مخالفت کرنا غیر معتبر ہے کیونکہ امر کا مقتضی جسے وجوب پر محمول کیا اجماعی ہے اور اس کا سب سے بہتر حال نماز ہے اور اس کے مراد ہونے کے احتمال میں کوئی رکاوٹ نہیں خطابی کا یہ کہنا کہ اس میں کوئی قیادت نہیں تو ان کو کہا جائے گا کہ بلاشبہ امام شافعی رحمہ اللہ کی قیادت ہے ان کی اقتدا کی جائے اور یہ مقام اجتہاد ہے لیکن کسی دوسری بات کی حاجت نہیں۔ اور شفاء میں جو فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے پہلے کے بزرگوں کا عمل اور ان کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ یہ درود شریف نماز کے فرائض میں سے نہیں ہے تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اگر عمل سے اعتقاد مراد ہے تو ان سے واضح نقل کی ضرورت ہوگی جس میں بتایا گیا ہو کہ یہ واجب نہیں اور یہ بات کہاں پائی گئی؟

اور یہ کہنا کہ لوگوں نے اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ پر بہت تنقید کی ہے تو اس تنقید کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کسی نص اجماع، قیاس یا مصلحت راجحہ کی مخالفت نہیں کی بلکہ ان کا یہ قول ان کے مذہب کے حسن سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص مخلوق میں سے سب سے افضل شخصیت پر تمام عبادات کی بنیاد نماز جس میں خضوع اور شارع کو حاضر سمجھنا مطلوب ہے درود شریف چھوڑنے کو جائز قرار دیتا ہے اس کی مذمت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ۱۔

جہاں تک اجماع کی بات ہے تو پہلے بیان ہو چکا ہے اور یہ کہنا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو اختیار کیا تو یہ بات کسی نے نہیں کہی اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تشہد کو اختیار کیا جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی عبادت کے بیان میں آئے گا۔

نماز میں درود شریف کے وجوب پر اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا جو امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ترمذی نے نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا اسی طرح ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے بھی حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو سنا کہ اس نے نماز میں اس طرح دعا مانگی کہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھا تو آپ نے فرمایا اس نے جلدی کی پھر آپ نے اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ساتھ ابتدا کرے پھر نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے پھر جو چاہے دعا مانگے۔ ۲۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۷۷ سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۸۱ مسند احمد ج ۶ ص ۱۸ المسند رک ج ۱ ص ۲۳۰)

۱۔ امام زرقاتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس میں مذمت والی کوئی بات نہیں کیونکہ نماز میں درود شریف نہ پڑھنے کو جائز قرار دینا اس رحمت میں سے ہے جس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کو بھیجا گیا تاکہ امت کو گناہ نہ ہو جب وہ نماز میں درود شریف نہ پڑھ سکیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ درود شریف پڑھنے اور وجوب کی مشقت برداشت کرنے پر انہیں ثواب حاصل ہو۔ (زرقاتی ج ۶ ص ۳۳۶)

۲۔ نوٹ: امام زرقاتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث سے وجوب ثابت نہیں ہوتا اگر ایسا ہوتا تو اس شخص کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا۔

(زرقاتی ج ۶ ص ۳۳۷)

السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۳۸، المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۰۷، نصب الراية ج ۱ ص ۳۲۶۔ ج ۲ ص ۲۷۲، مشکل الآثار ج ۲ ص ۷۷، اتحاف السادة المستعین ج ۵ ص ۳۱، موارد الظمآن رقم الحدیث: ۵۱۰۰)

میں (مصنف) کہتا ہوں کہ ہمارے امام حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی کرامات میں سے یہ بات ہے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ امام ترمذی کے طریق سے نقل کیا اور اس کی سند پر کوئی طعن نہیں فرمایا، انہوں نے اسے ”فصل فی المواطن التي تستحب فيها الصلوة على النبي ﷺ ويرغب“ (اس فصل میں ان مقامات کا ذکر جن میں نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے اور اس کی ترغیب دی جاتی ہے) کے بعد نماز کے تشہد میں ذکر کیا اور یہ تشہد کے بعد اور دعا سے پہلے ہے۔ ۱۔

اور یہ حدیث جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو ہمارے دلائل میں سے سب سے بڑی دلیل ہے (حالانکہ اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا اس سے ان دلائل کی کمزوری اور خفی موقف کی قوت معلوم ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

اعتراض

اگر کوئی کہے کہ اس میں تمہارے (شافعیوں کے) لئے کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں دعا مانگتے ہوئے سنا تشہد کا ذکر نہیں ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے اِزام آتا ہے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کو بے محل ذکر کیا کیونکہ انہوں نے ایک فصل قائم کر کے ان مقامات کا ذکر کیا جن میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے پھر فرمایا نماز کے تشہد میں درود شریف پڑھنا بھی اسی سے ہے۔

امام بغوی نے ”مصابیح میں“ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ایسی بات کہی جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ تشہد کے بارے میں ہے اس کے الفاظ یوں ہیں۔ فرمایا ایک شخص داخل ہوا اور اس نے کہا ”اللہم اغفر لى وارحمنى“ یا اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے نمازی! تو نے جلدی کی جب تم نماز پڑھو تو قعدہ کرو پس اللہ تعالیٰ کی اس طرح حمد بیان کرو جو اس کے شایان شان ہے پھر مجھ پر درود شریف پڑھ کر دعا مانگو۔ (سنن نسائی ج ۳ ص ۳۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۷۶، المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۰۸، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۵۵، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۳۰، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۳۸۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۶۱)

آپ کا یہ فرمانا کہ تم نے جلدی کی اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ نماز کے جواز کے لئے جو کمال ہے وہ فوت ہو گیا اس لئے اگر نماز جائز ہوتی تو ملامت کرنا اچھا نہ ہوتا اور صیغہ امر کے ساتھ تعلیم نہ ہوتی۔ (حالانکہ سنت و مستحب کے ترک پر بھی ملامت ہوتی ہے لہذا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ زرقانی)

سوال: یہ مستحب کی تعلیم کا مقام ہے کیونکہ اگر واجبات کی بات ہوتی تو آپ دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیتے جس طرح نماز میں جلدی کرنے والے کو حکم دیا (کہ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی)؟

۱۔ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کی کرامات اور فضائل کے لئے اس قسم کی دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ حدیث مستحب ہونے کی دلیل ہے وجوب کی نہیں۔

جواب: آپ کے اس ارشاد میں دوبارہ پڑھنے کے حکم سے بے نیازی ہے کیونکہ جب آپ نے اس شخص کو واجب بات کی تعلیم دی تو اسے قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ پہلے اس نے وہ عمل نہیں کیا لہذا اعادہ واجب ہے اور وہ فہم و عرفان واسلے تھے۔ ۱۔ سوال: آپ کا فرمانا کہ ”لفقعدت“ میں اس بات کا احتمال ہے کہ مقدر عبارت پر عطف ہو تقدیر عبارت یوں ہوگی: اذا صليت و فرغت فلفقعدت للدعاء جب تم نماز پڑھ کر فارغ ہو جاؤ پس دعا کے لئے بیٹھو فاحمد اللہ۔ تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو۔

جواب: اصل یہ ہے کہ عبارت مقدر نہ ہو اور عطف مذکور لفظ پر ہوتا ہے یعنی جب تم نماز میں ہو پس تشہد کے لئے قعدہ کرو تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو یعنی التحيات لله (آخر تک) کے کلمات کے ذریعے اس کی ثناء بیان کرو۔ احوال میں سے امر جانی اور دوسرے حضرات نے فرمایا اگر نماز میں درود شریف پڑھنا واجب ہو تو وقت حاجت سے بیان کی تاخیر لازم آئے گی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو تشہد سکھایا اور فرمایا پس جو دعا چاہے مانگو اور اس میں آپ پر درود شریف پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ اس وقت تک اس کا پڑھنا فرض نہیں تھا۔ ۲۔ حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ نے شرح ترمذی میں فرمایا کہ یہ صحیح حدیث ”ثم ليتخير“ (پھر جو دعا چاہے مانگے) کے الفاظ کے ساتھ ہے اور ثم تراخی (تاخیر) کو چاہتا ہے لہذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں تشہد اور دعا کے درمیان کوئی چیز ہے۔ ۳۔ درود شریف پڑھنے کا طریقہ

نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کی کیفیت کے بارے میں حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کیا میں تمہیں ایک تحفہ نہ دوں؟ (پھر فرمایا) نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں یہ تو معلوم ہو گیا کہ ہم آپ پر سلام کیسے بھیجیں تو آپ پر درود شریف کیسے پڑھیں؟ آپ نے فرمایا یوں کہو: ۴۔

۱۔ یہ جواب صحیح نہیں کیونکہ اختلاف وجوب کے بارے میں ہے اور اسی بات کو بنیاد بنایا جا رہا ہے۔ (زرقاتی ج ۶ ص ۳۳۷) ۲۔ امام زرقاتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ احتمال بہت ہی بعید از عقل ہے کیونکہ تشہد کی حدیث روایت کرنے والوں میں حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی ہیں اور یہ بعد میں اسلام لائے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فتح مکہ کے بعد صحبت کا شرف حاصل ہوا لہذا درود شریف کا حکم وجوب پر نہیں استحب پر محمول ہوگا۔ (زرقاتی ج ۶ ص ۳۳۷)

۳۔ اگر درمیان میں کسی بات (مثلاً درود شریف) کا ہونا ثابت بھی ہو تو وجوب کیسے ثابت ہو گیا؟ ۴۔ بعض حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ درود ابراہیمی ہی پڑھنا چاہیے نماز کے اندر بھی اور باہر بھی ان سے سوال یہ ہے کہ یہ تعلیم نماز کے بارے میں ہے یا نماز سے باہر؟ اگر نماز کے بارے میں ہے تو ٹھیک ہے درود ابراہیمی ہی پڑھا جائے کیونکہ اسلام الگ مذکور ہے اور اگر نماز سے باہر بھی یہی حکم ہے تو پھر نماز سے باہر سلام پڑھنے کے لئے ”الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ“ نہیں پڑھ سکتے تو السلام علیک ایہا النبی ہی پڑھ لیا کریں۔ ۱۴ ہزاروی

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
 كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ
 مَّجِيدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ
 مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ
 حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔
 یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر رحمت
 بھیج جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر
 رحمت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے
 یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) اور آپ کی آل پر برکت نازل فرما
 جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر
 برکت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

سوال: اگر تم کہو کہ ”اللهم صل علی محمد“ اور ”کما صلیت علی آل ابراہیم“ میں مطابقت کیسے ہوگی؟
 جواب: قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ لفظ ”آل“ یہاں زائد ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ نے
 حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

انہ اعطی مزاراً من مزار آل داؤد۔ ان کو آل داؤد علیہ السلام کے مزار میں سے
 مزار (خوش آوازی) دی گئی۔

حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آل خوش آوازی کے ساتھ مشہور نہ تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۴۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۵، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۵۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۴۱، مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۹-۳۷۰، ج ۵ ص ۳۴۹)
 اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے یوں نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا
 أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا
 اَلَا حَزَاب: ۵۴) درود اور خوب سلام بھیجو۔
 بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی اکرم
 ﷺ پر درود شریف بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر

نازل ہوئی تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر درود شریف کیسے بھیجیں آپ نے فرمایا یوں کہو:

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
 كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ
 إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى
 آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ
 إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ۔
 اے اللہ! حضرت محمد اور آل محمد (ﷺ) پر رحمت
 نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور
 آپ کی آل پر رحمت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا
 بزرگی والا ہے اور حضرت محمد (ﷺ) اور آل محمد پر برکت
 نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور آپ کی آل
 پر برکت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا
 ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں نمازی یہ بھی کہے ”وعلینا معهم“ (اور ان کے ساتھ ہم پر بھی)۔
 حضرت ابو حیدر ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ پر درود شریف کیسے

بھیجیں؟ آپ نے فرمایا یوں کہو:

اللہم صل علی محمد وازواجه وذریته
 کما صلیت علی ابراہیم وبارک علی محمد
 وازواجه وذریته کما بارکت علی (ابراہیم و
 علی) آل ابراہیم انک حمید مجید۔
 (مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۲)

یا اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی ازواج و اولاد پر
 رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام
 پر رحمت نازل فرمائی اور حضرت محمد ﷺ اور آپ کی
 ازواج و اولاد پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت
 ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر برکت نازل فرمائی ہے
 شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں
 تھے کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو حضرت بشر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں
 حکم دیا کہ ہم آپ پر درود شریف بھیجیں تو (فرمائیے) ہم آپ پر درود شریف کس طرح بھیجیں؟
 فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے تمنا کی کہ وہ سوال نہ کرتے تو اچھا تھا۔ پھر نبی اکرم ﷺ
 نے فرمایا یوں کہو:

اللہم صل علی محمد و علی آل محمد
 کما صلیت علی ابراہیم وبارک علی محمد
 و علی آل محمد کما بارکت علی ابراہیم و
 علی آل ابراہیم فی العالمین انک حمید
 مجید۔

اے اللہ! حضرت محمد اور آل محمد (ﷺ) پر رحمت
 نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر
 نازل فرمائی اور برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ اور آل
 محمد ﷺ پر جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام اور آل
 ابراہیم علیہ السلام پر نازل فرمائی سب جہانوں میں تو
 تعریف والا بزرگی والا ہے۔

اور سلام یوں پڑھو جس طرح تمہیں معلوم ہو چکا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود شریف کے ساتھ تشبیہ کی وجہ

سوال: اگر تم کہو کہ ”کما صلیت علی ابراہیم“ میں تشبیہ کا کونسا مقام ہے حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ مشبہ مشبہ بہ
 کے مقابلے میں کم درجہ میں ہوتا ہے جب کہ یہاں اس کے برعکس ہے (مشبہ یعنی حضور علیہ السلام سے افضل ہیں) کیونکہ
 حضرت محمد ﷺ تنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل سے افضل ہیں خصوصاً جب کہ آپ کی طرف آل محمد کی
 اضافت بھی کی گئی ہے اور آپ کے افضل ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے لئے مطلوبہ درود شریف ہر اس درود شریف سے
 افضل ہو جو دوسروں کے لئے حاصل ہوا یا ہوگا؟

جواب: علماء کرام نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں۔

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات اس وقت فرمائی جب آپ کو معلوم نہ تھا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں

چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کو ”یا خیر البریہ“ (اے مخلوق میں سے سب سے بہتر) کہا تو آپ نے فرمایا وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۷۳ مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۸-۱۸۴ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۵۱۸ دلائل النبوة ج ۵ ص ۲۹۷ الدر المنثور ج ۱ ص ۱۱۶ الشفاہ ج ۱ ص ۲۶۵ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۲۸۹۲ تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۲۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۵۵۷۳) اس بات کا رد یوں کیا گیا کہ اگر ایسا ہوتا تو افضلیت کا علم حاصل ہونے کے بعد آپ درود شریف کے الفاظ بدل دیتے۔

۲۔ آپ نے یہ بات تواضع کے طور پر فرمائی اور اپنی امت کے لئے یہ بات جائز قرار دی تاکہ وہ اس فضیلت کو حاصل کریں۔

۳۔ محض درود شریف میں تشبیہ ہے مقدار کو مقدار کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی جس طرح ارشاد خداوندی ہے: **إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ** (النساء: ۱۶۳) حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ اور یہ کسی شخص کے اس قول کی طرح ہے:

احسن الی ولدک کما احسن الی
اپنی اولاد سے اچھا سلوک کرو جس طرح تم نے فلاں
سے اچھا سلوک کیا۔

تو یہاں محض احسان مراد ہے اس کی مقدار مراد نہیں اسی سے ارشاد خداوندی ہے: **وَآخِیْنِ كَمَا آخَسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ** (القصص: ۷۷) کیا۔

(یہاں بھی مطلقاً احسان مراد ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے)۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۷) **اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ** ”کو تشبیہ سے الگ کیا گیا پس تشبیہ صرف ”وعلی آل محمد“ سے متعلق ہے۔

اس پر یوں اعتراض کیا گیا کہ غیر انبیاء کے لئے انبیاء کرام کے مساوی ہونا ناممکن نہیں ہے پس ان کے لئے اس درود شریف کی مثل کا مطالبہ کیسے ہو سکتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے واقع ہوا اور انبیاء کرام ان کی آل سے ہیں۔ ممکن ہے اس کا جواب یوں دیا جائے کہ اس سے وہ ثواب مطلوب ہے جو ان کو حاصل ہوتا ہے وہ تمام صفات مطلوب نہیں ہیں جو ثواب کا سبب ہیں (امام یحییٰ بن سالم) ممرانی رحمہ اللہ نے ”البیان (المہذب کی شرح) میں“ حضرت شیخ ابو حامد رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ انہوں نے یہ جواب حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی نص سے نقل کیا ہے لیکن ابن قیم نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے اس کی صحت کو بعید از عقل قرار دیا کیونکہ وہ اپنی فصاحت اور عربی زبان سے واقفیت کی بنیاد پر ایسا کلام نہیں کرتے جو اس رکیک اور کلام عرب سے بعید ترکیب کو تسلیم ہو۔ ابن قیم نے یوں کہا۔

(الاعلام ج ۸ ص ۱۳۶ مرآۃ البیان ج ۳ ص ۳۰۸ طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۳ ص ۳۲۳) (کشف الظنون ج ۱ ص ۲۶۳)

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مذکورہ ترکیب رکیک نہیں ہے بلکہ تقدیر

عبارت یوں ہے۔

”اللهم صل علی محمد وصل علی آل محمد کما صلیت“ (آخر تک) پس دوسرے جملہ سے تشبیہ

ممنوع نہیں ہے۔

۵۔ پہلے مقدمہ مذکورہ کو اٹھایا گیا یعنی یہ ضابطہ کہ مشہ بہ مشہ سے ارفع ہوتا ہے اور یہ بات قیاسی نہیں اور دائمی نہیں بلکہ بعض اوقات مثل کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے بلکہ بعض اوقات تو مشہ بہ کم درجہ میں ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

مَثَلُ نُورِهِ كَمِثْلِ شَمْسَةٍ (النور: ۳۵) اس کے نور کی مثال ایسی جیسے طاق۔

حالانکہ مشکوٰۃ (طاق) کا نور اللہ تعالیٰ کے نور کے مقابلے میں نہیں ہو سکتا لیکن جب مشہ بہ سے مراد ایک ایسی چیز ہے جو سننے والے کے لئے ظاہر و واضح ہو تو نور کو مشکوٰۃ سے تشبیہ دینا اچھا ہوگا۔ اسی طرح یہاں بھی ہوگا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم تمام گروہوں کے نزدیک مشہور اور واضح ہے تو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل کے لئے اس کی مثل کا مطالبہ اچھا قرار پایا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل کو حاصل ہے۔

اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اس طلب کو ”فی العالمین“ کے الفاظ کے ساتھ مکمل کیا یعنی جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر درود شریف کو تمام جہانوں میں ظاہر کیا (اسی طرح حضور علیہ السلام اور آپ کی اولاد پر بھی ظاہر کر) اسی لئے ”فی العالمین“ کے الفاظ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں آئے ہیں نبی اکرم ﷺ کی آل کے ذکر میں نہیں لائے گئے جیسا کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے اور وہ پہلے گزر چکی ہے۔ طبی کے قول کا مفہوم بھی یہی ہے فرماتے ہیں یہ مذکورہ تشبیہ ناقص کو کامل کے ساتھ ملانا نہیں ہے بلکہ غیر مشہور کو مشہور کے ساتھ ملانا ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے بہترین جواب وہ ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ محض درود شریف میں تشبیہ ہے یا مجموعہ کی مجموعہ سے تشبیہ ہے۔

ابن قیم نے مجموعہ کی مجموعہ سے تشبیہ کے علاوہ باقی میں سے اکثر جوابات کو کمزور قرار دیا اور کہا کہ زیادہ مناسب قول یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ خود آل ابراہیم علیہ السلام سے ہیں اور یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ O (علیہم السلام) اور آل ابراہیم و آل عمران کو تمام جہانوں (آل عمران: ۳۳) والوں پر منتخب فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت محمد ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل سے ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہم حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر درود شریف خصوصی طور پر اس مقدار میں پڑھیں جو ہم نے ان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کے ساتھ عمومی طور پر پڑھا ہے۔ پس آل کے لئے ان کی شان کے مطابق درود شریف ہوگا اور باقی تمام کا تمام آپ کے لئے ہوگا۔ اور یہ مقدار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کے دوسرے لوگوں پر

پڑھے جانے والے درود شریف سے زیادہ ہوگی۔

اس وقت تشبیہ کا فائدہ ظاہر ہوگا اور یہ کہ اس لفظ سے جو کچھ مطلوب ہے وہ دیگر الفاظ سے مطلوب کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

حلی نے فرمایا اس تشبیہ کا سبب یہ ہے کہ فرشتے آل بیت ابراہیم علیہ السلام سے کہتے ہیں:

رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت
اے اہل بیت! تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت ہو وہ
تعریف والا بزرگی والا ہے۔

انہ حمید مجید۔
اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل اہل بیت ابراہیم سے ہیں گویا فرمایا یوں کہو۔
یا اللہ! فرشتوں کی دعا کو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل کے بارے میں یوں قبول فرما جس طرح تو نے حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی اس آل کے بارے میں قبول کی تھی جو اس وقت موجود تھے اسی لئے اس درود شریف کو ان الفاظ کے
ساتھ ختم کیا جسے آیت کریمہ کے آخر میں لایا گیا یعنی ”انک حمید مجید“۔

عارف ربانی ابو محمد مرجانی رحمہ اللہ سے منسوب ہے انہوں نے فرمایا نبی اکرم ﷺ نے ”کما صلیت علی
ابراہیم“ اور ”کما بارکت علی ابراہیم“ فرمایا اور ”کما صلیت علی موسیٰ“ نہیں فرمایا اس میں نکتہ یہ ہے
کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے جلال الہی کی تجلی تھی پس آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام
کے لئے جمال الہی کی تجلی تھی کیونکہ محبت اور غلت تجلی بالجہال کے آثار میں سے ہیں اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ان کو حکم
دیا کہ اس طرح درود شریف پڑھیں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر پڑھا گیا پس آپ کے لئے تجلی بالجہال کا
سوال کریں اور یہ بات نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے درمیان مساوات کا تقاضا نہیں کرتی
کیونکہ صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ اس وصف کے ساتھ تجلی کا سوال کریں جس کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تجلی ہوئی تو
حدیث شریف صرف ایک وصف میں مشارکت کا تقاضا کرتی ہے اور وہ (وصف) تجلی بالجہال ہے۔ دونوں کے مقام اور
مرتبہ میں برابری کا تقاضا نہیں کرتی کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ دو آدمیوں کے لئے ان کے مقام کے مطابق تجلی بالجہال فرماتا
ہے اگرچہ وہ اس تجلی میں شریک ہوتے ہیں پس اس کے نزدیک جس کا جو مقام ہے اس پر اسی حساب سے تجلی فرماتا ہے
اور اس میں اس کا مرتبہ اور مقام سامنے ہوتا ہے۔

پس خلیل کے لئے ان کے مقام کے مطابق تجلی بالجہال فرمائی اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کے لئے ان کے
مقام و مرتبہ کے اعتبار سے تجلی بالجہال فرمائی۔ یوں حدیث کو سمجھا جائے۔

آل محمد ﷺ سے کون لوگ مراد ہیں؟

سوال: اس حدیث میں جس آل کا ذکر ہے اس سے کون لوگ مراد ہیں؟
جواب: ترجیح اس بات کو ہے کہ جن لوگوں پر صدقہ حرام ہے وہ لوگ مراد ہیں جس طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا اور
جمہور نے اسے اختیار کیا اور اس کی تائید نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے جو آپ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ
عنہما سے فرمایا:

انا آل محمد لا تحل لنا الصدقة ہم آل محمد کے لئے صدقہ حلال نہیں۔
 (مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۰۔ ج ۳ ص ۳۹۰۔ ج ۶ ص ۳۹۰، التلخیص ج ۳ ص ۷۶۔ ج ۱۱ ص ۶۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۱۵)
 ایک قول یہ ہے کہ آل سے نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ کی اولاد مراد ہے۔
 یہ بھی کہا گیا کہ اس سے تمام امت اجابت مراد ہے (جو لوگ ایمان لائے وہ امت اجابت ہیں اور وہ تمام لوگ جن کی طرف آپ مبعوث ہوئے امت دعوت ہے۔ ۱۲ ہزاروی)
 ابو الطیب طبری نے بعض شافعیوں سے یہ بات نقل کی اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اس کو ترجیح دی
 قاضی حسین نے ان میں سے متقی لوگوں کی قید لگائی ہے اور جن لوگوں کا کلام مطلق ہے ان کے کلام کو بھی اسی قید پر محمول کیا
 جائے گا اور اس کی تائید ”تمام“ نے اپنے فوائد حدیثیہ میں کی ہے اور امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا
 وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے آل محمد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:
 کل تقی من امة محمد۔
 دیلمی نے یہ اضافہ کیا کہ پھر آپ نے فرمایا:
 ان اولیاءہ الا المتقون۔ (الانفال: ۳۳)
 آپ کے اہل تو صرف متقی لوگ ہیں۔
 لیکن ان دونوں روایتوں کی سند ضعیف ہے البتہ اس کی شہادت صحیحین کی اس روایت سے ہوتی ہے آپ نے فرمایا۔
 آل ابی فلاں میرے اولیاء نہیں میرا ولی (دوست) اللہ تعالیٰ اور نیک مؤمن ہیں۔

درود شریف کے افضل الفاظ

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کے پوچھنے پر ان کو تعلیم دیتے ہوئے یہ کیفیت بیان فرمائی تو اس سے علماء کرام نے
 استدلال کیا کہ درود شریف کا افضل طریقہ یہی ہے کیونکہ آپ نے اپنے لئے اشرف و افضل طریقہ ہی اختیار فرمایا۔
 اور اس پر یہ بات مرتب ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ نبی اکرم ﷺ پر افضل درود شریف پڑھے گا تو قسم کو
 پورا کرنے کے لئے یہی درود شریف پڑھے امام نووی رحمہ اللہ نے ”الروضہ“ میں اس بات کو صحیح قرار دیا اور اس سے پہلے
 انہوں نے امام رافعی سے حضرت ابراہیم مروزی کا قول نقل کیا وہ فرماتے ہیں جب یہ الفاظ کہے تو قسم پوری ہو جائے گی:
 کلما ذکرہ الذاکرون و کلما سہا عن
 ذکرہ العافلون۔
 آپ کا ذکر کریں اور جب بھی غافل بھول جائیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں گویا انہوں نے یہ کیفیت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کی انہوں نے ”الرسالہ“
 کے خطبہ میں ذکر کیا لیکن وہاں لفظ ”سہا“ کی بجائے لفظ ”غفل“ ہے۔

اذری فرماتے ہیں یہ ابراہیم مذکور قاضی حسین کی تعلیقات سے زیادہ نقل کرتے ہیں اس کے باوجود قاضی نے قسم پورا
 کرنے کے سلسلے میں کہا کہ یوں کہے:

۱۔ آل ابی فلاں سے ابو العاص بن امیہ مراد ہیں یا آل ابی طالب مراد ہیں یہ مختلف قول ہیں مقصد یہ ہے کہ ان میں سے جو ایمان نہیں لائے کل
 بول کر بعض مراد لئے۔ (زرقاتی ج ۶ ص ۳۳۳)

اللہم صل علی محمد کما ہواہلہ و
یستحقہ۔
یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر رحمت بھیج جیسا کہ ان کی
شان کے لائق ہے اور وہ مستحق ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تعلیق میں اسی طرح نقل کیا ہے۔
اگر ان تمام اقوال کو جمع کرے تو جو کچھ حدیث میں ہے (دروود ابراہیمی) پڑھے اس کے ساتھ امام شافعی رحمہ اللہ کے
اثر (قول) کو ملائے (کلماً ذکرہ الذاکرون آخریک) اور جو کچھ قاضی حسین نے فرمایا اسے بھی ملائے (اللہم صل
علی محمد کما ہواہلہ و یستحقہ) تو یہ زیادہ جامع ہو جائے گا۔
اگر کہا جائے کہ روایات ثابتہ جس پر مشتمل ہیں اس کا قصد کیا جائے اور اس میں سے کچھ پڑھ لے تو قسم پوری ہو
جائے گی تو یہ اچھی بات ہے۔

لفظ رحمت کا استعمال

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔
جب تم میں سے کوئی ایک نماز میں تشہد پڑھے تو اس کے بعد یوں کہے:

اللہم صل علی محمد و علی آل محمد
وارحم محمد و آل محمد کما صلیت و
بارکت و ترحمت علی ابراہیم و علی آل
ابراہیم انک حمید مجید۔
یا اللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر اور آل محمد پر رحمت
نازل فرما حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر رحم فرما جس
طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر
رحمت و برکت نازل فرمائی بے شک تو تعریف اور بزرگی
والا ہے۔

جو لوگ نبی اکرم ﷺ پر رحمت کا سوال کرنے کے قائل ہیں جیسا کہ جمہور کا قول ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے
ہیں اور اس اعرابی کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے جس نے کہا:

اللہم ارحمنی وارحم محمد و آل محمد
معنا احدا۔
یا اللہ مجھ پر اور حضرت محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے
ساتھ کسی پر رحم نہ فرما۔

تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا:

لقد تحجرت واسعا۔
تو نے کشادگی کو تنگ کر دیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۰، سنن نسائی ج ۳ ص ۲۳، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۷، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۹-۲۸۳، السنن الکبریٰ
ج ۲ ص ۲۲۸، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۳۸، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۶۵۸، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۹۹-۳۹۳۶)
(اس حدیث سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کشادہ ہے سب کے لئے مانگنا چاہیے وہاں حضور علیہ السلام کے
لئے رحمت کا سوال کرنا بھی ثابت ہوا۔ ۱۲ ہزاروی)۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جمہور مالکیہ سے اس کا عدم جواز نقل کیا وہ فرماتے ہیں لیکن ابو محمد بن ابی زید نے

اس کی اجازت دی ہے اس سلسلے میں تفصیلی گفتگوں میں مقصد میں تشہد کے ضمن میں آئے گی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا درود شریف

حضرت سلامہ کندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لوگوں کو دعا سکھاتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کو نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا سکھاتے تو یوں فرماتے:

اللہم داہی المدحوات وبارئ المسموعات اجعل شرائف صلواتک و نوامی برکاتک و رافۃ تحننک علی محمد عبدک ورسولک الفاتح لما اغلق الخاتم لما سبق والمعلن الحق بالحق والداغ لجیشات الابطاطیل کما حمل فاضطلع بامرک بطاعتک مستوفزاً فی مرضاتک و اعیالو حیک حافظاً لعہدک ما ضیاً علی نفاذ امرک حتی اوری قبساً لقابس الاء اللہ تصل باہلہ اسبابہ بہ ہدیت القلوب بعد خوضات الفتن والاثم و ابہج موضحات الاعلام و نائرات الاحکام و منیرات الاسلام فہو امنیک المامون و خازن علمک المخزون و شہیدک یوم الدین و بعیشک نعمۃ و رسولک بالحق رحمۃ اللہم الفسح لہ فی عدنک واجزہ مضاعفات الخیر من فضلک مہنشات لہ غیر مکدرات من فوز ثوابک المحلول و جزیل عطائک المعلول اللہم اعل علی بناء الناس بناء ہ واکرم مثواہ لدیک و نزلہ واتمم لہ نورہ واجزہ من ابتعائک لہ مقبول الشہادۃ و مرضی المقالۃ ذا منطق عدل و خطۃ فصل و برہان عظیم

اللہی! زمینوں کے فرش کو بچھانے والے! بلند آسمانوں کو پیدا کرنے والے! دلوں کو ان کی فطرت پر اپنی قوت سے بنانے والے! ان میں سے بد بخت کو اور نیک بخت کو! اپنے بزرگ درودوں اپنی بڑھنے والی برکتوں اور اپنی بخشاکش کی مہربانی کو ہمارے سردار اور مولیٰ حضرت محمد ﷺ پر نازل کر جو تیرے بندے اور رسول ہیں بندش کو کھولنے والے! نبوت کو ختم کرنے والے! دین حق کو سچائی کے ساتھ ظاہر کرنے والے اور باطل کے لشکروں کو توڑنے والے! جس طرح آپ کو یہ کام سونپا گیا پس تیرے حکم سے تیری بندگی میں مستعد ہو گئے تیری خوشنودی کی طلب میں جلدی کرنے والے تیری وحی کی حفاظت کرنے والے! تیرے قول کے محافظ تیرے حکم کو جاری کرنے میں وقت گزارنے والے حتیٰ کہ آپ نے نور اسلام کا شعلہ روشنی لینے والے کے لئے روشن کر دیا اللہ تعالیٰ نعمتیں اس شعلے کے مستحق کے لئے آپ کے ذریعے اسباب مہیا کرتی ہیں فتنوں اور گناہوں میں ڈوب جانے کے بعد دلوں کی رہنمائی کرنے والے دین کی ظاہر کرنے والی نشانیوں کو خوبی دی نیز اس کے چمکنے والے حکموں اور اسلام کے چمکتے ارکان کو! پس آپ تیرے امین ہیں امن دیئے گئے ہیں تیرے پوشیدہ علم کے نگہبان ہیں قیامت کے دن تیرے گواہ ہوں گے تیری طرف سے بھیجے ہوئے محض نعمت ہیں تیرے رسول برحق رحمت ہیں۔ اللہی! اپنے بہشت میں ان کی جگہ کشادہ کر اپنے فضل سے ان کو نیکیوں کا بدلہ دو گنا دے کہ وہ آپ کے لئے خوشگوار ہوں کدورتوں سے پاک تیرے ثواب کے

ساتھ فتحیابی سے جواتارا گیا اور پے در پے آنے والی بزرگ بخششوں سے۔ یا اللہ! لوگوں کی منزلوں پر آپ کی منزل کو بلند کراپنے ہاں آپ کے ٹھکانے اور مہمانی کو بزرگی کو آپ کے لئے آپ کے نور کو تمام کر دے اور اپنی طرف سے ان کی بعثت کی جزا عطا فرما ان کی گواہی مقبول اور ان کی بات تیری مرضی کے موافق ہے سچ بولنے والے اور ایسی شان والے جو حق و باطل کو جدا جدا کر دے اور بڑی دلیل والے۔

یہ حدیث موقوف ہے اس کو امام طبرانی نے نقل کیا لیکن ابن کثیر نے کہا کہ اس کی سند محل نظر ہے وہ فرماتے ہیں ہمارے شیخ حافظ ابوالحجاج المزنی نے فرمایا کہ یہ راوی سلامة الکندی معروف نہیں ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات ثابت نہیں۔ (الاعلام ج ۸ ص ۲۳۶ طبقات الشافعیہ للاسنوی رقم الحدیث: ۱۶۸ الدرر الکامنه ج ۳ ص ۳۵ نجوم الزاہرہ ج ۱ ص ۶ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۳۹۸ شذرات الذہب ج ۶ ص ۱۳۶ مقابح السعاده ج ۲ ص ۲۲۳)

داحی المدحوات۔ زمین کو پھیلانے والا۔ جس چیز کو تم پھیلاؤ اور کشادہ کرو تو ”دحوۃ“ کا لفظ استعمال ہوگا۔

باری المسمو کات۔ آسمانوں کا خالق۔ تم جس چیز کو بلند کرو اور اٹھاؤ تو کہا جائے گا ”سمکۃ“۔

الدماغ لجیشات الابطال۔ دشمن کے لشکروں سے جو ظاہر ہو اس کو ہلاک کرنے والا۔ ”الدماغ“ دماغ سے بنا ہے ”دمغہ“ اس کے دماغ تک پہنچا ”جیشات“ جاش سے بنا ہے جب بلند ہو۔

واضطلع۔ ضلوع سے باب افعال ہے قوت کو کہتے ہیں۔

اور ی قیسا لقابس۔ طالب حق کے لئے نور کو نظر کیا۔

آلاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں۔

فصل باہلہ۔ اس السور کے لائق گناہ ہے اور وہ اسلام ہے اور حق اس کے اصحاب ہیں اور اس کے اہل مؤمن ہیں۔

بہ ہدیت القلوب بعد خوضات الفتن۔ یعنی کفر اور فتنوں کے بعد واضح علامات کی طرف دلوں کی رہنمائی کی گئی۔

نارات اور المنیرات۔ واضح کہا جاتا ہے ”نار الشی وانار“ جب وہ واضح ہو۔

شہیدک یوم الدین۔ یعنی قیامت کے دن آپ اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔

وبعثک نعمۃ۔ یعنی تیری طرف سے مبعوث ہوئے فعل مفعول کے معنی میں ہے۔

وافسح لہ۔ یعنی آپ کے لئے کشادہ کر دے۔

فی عدنک۔ جنت عدن مراد ہے۔

المعلول۔ المعلل سے بنا ہے بار بار پینا مراد و گنا عطا کرنا ہے گویا آپ کے ذریعے لوگوں کو بار بار عطا نہیں ملتی ہیں۔

اعل علی بناء الناس۔ ایک روایت میں ”البانین“ ہے یعنی عمل کرنے والوں کے عمل پر آپ کے عمل کو برتری عطا فرما۔

اکرم مٹواہ۔ آپ کی منزل کو کرم و محترم بنا۔

نزله۔ آپ کا رزق۔

الخطة۔ خاء نقطہ والی کے اوپر پیش ہے امر اور قصہ مراد ہے۔

الفصل۔ کاٹنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درود شریف کے الفاظ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب تم نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھو تو اچھی طرح پڑھو کیونکہ تم نہیں جانتے شاید یہ آپ پر پیش ہو۔ آپ کے اصحاب نے عرض کیا کہ ہمیں سکھائیے تو انہوں نے فرمایا یوں کہو:

اللہم اجعل صلواتک و برکاتک
ورحمتک علی سید المرسلین، و امام المتقین،
وخاتم النبیین محمد عبدک و رسولک، امام
الخیر، و رسول الرحمة، اللہم ابعثہ، مقاماً
محموداً، یغبطہ فیہ الاولون والآخرین، اللہم
صل علی محمد و علی آل محمد، کما صلیت
علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حمید
مجید۔ (سنن ابن ماجہ)

یا اللہ! اپنے درود برکتیں اور رحمتیں تمام رسولوں کے
سردار، متقی لوگوں کے امام اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر
نازل فرما جو حیرے بندے اور رسول ہیں بھلائی کے امام
ہیں رحمت والے رسول ہیں۔ یا اللہ! آپ کو مقام محمود عطا
فرما جس پر پہلے اور پچھلے رشک کریں، یا اللہ! حضرت محمد
ﷺ اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے
حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر رحمت نازل
فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

یہ حدیث موقوف ہے اور اس کو امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے نقل کیا۔

کچھ دوسرے الفاظ

حضرت روم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص نبی اکرم ﷺ پر
درود شریف پڑھتے ہوئے یوں کہے:

اللہم انزلہ المقعد الصدق المقرب
عندک یوم القيامة۔
یا اللہ! قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ کو اپنے پاس
سچائی اور قرب کی جگہ عطا فرماتا۔

اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

اسے امام طبرانی نے روایت کیا اور ابن کثیر نے فرمایا اس کی سند حسن ہے اور اصحاب سنن نے اسے ذکر نہیں کیا۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ
اس کا نامہ اعمال پورے پیانے میں تولد جائے تو وہ ہم اہل بیت پر درود شریف پڑھتے ہوئے یوں کہے:

اللہم صل علی محمد النبی الامی
یا اللہ! حضرت محمد ﷺ پر جو نعمی امی ہیں اور آپ کی

وازاوجه امہات المومنین و ذریئہ و اہل بیتہ ازواج و اولاد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت کما صلیت علی ابراہیم انک حمید مجید۔ ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۸۲، السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۱، اتحاف السادة المستعین ج ۳ ص ۲۹۰، الدر المنثور ج ۵ ص ۲۱۶، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۹۳۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۷۵-۲۳۸۱)

حضرت طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا آپ فرماتے تھے: اللہم تقبل شفاعۃ محمد و ارفع درجۃ العلیا و اعطہ سؤلہ فی الآخرۃ و الاولیٰ کما اتیت ابراہیم و موسیٰ۔ آپ کا بلند درجہ مزید بلند فرما آپ کے سوال کے مطابق آپ کو دنیا و آخرت میں عطا فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو عطا فرمایا۔ اسے اسماعیل قاضی نے نقل کیا اور ابن کثیر نے فرمایا اس کی سند عمدہ مضبوط اور صحیح ہے۔

درود شریف پڑھنے کے مواقع و مقامات

جن جن جگہوں میں درود شریف پڑھنے کا حکم ہے۔

۱۔ ان میں سے ایک آخری قعدہ ہے اور اس میں یہ واجب ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے (احتاف کے نزدیک سنت ہے ۱۲ ہزاروی) پہلے تشہد میں دو قول ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ منع ہے کیونکہ وہ تخفیف پر مبنی ہے اور یہ سنت ہے (نوافل اور سنت غیر مؤکدہ میں پڑھنا سنت ہے باقی نمازوں میں پہلے قعدے میں درود شریف پڑھنے سے سجدہ بھولا لازم ہو گا اگر بھول کر پڑھے۔ ۱۲ ہزاروی)۔

پہلے قعدے میں آل رسول پر درود شریف پڑھنے کے مستحب ہونے میں دو قول ہیں اور آخری قعدے میں اس کے وجوب کے بارے میں دو رائے ہیں زیادہ صحیح یہ ہے کہ (وجوب) منع ہے بلکہ یہ سنت تابعہ (مؤکدہ) ہے اور کم از کم الفاظ یہ ہیں ”اللہم صل علی محمد“ اسی طرح ﷺ اور آل پر درود شریف میں کم از کم ”وآلہ“ اور کفایہ میں ”علی“ کا اعادہ کے ساتھ ہے یعنی و علی آلہ۔

۲۔ دوسرا مقام جمعۃ المسارک کا خطبہ ہے اسی طرح دوسرے خطبوں میں بھی درود شریف پڑھنا پس جمعہ کے دنوں خطبے درود شریف کے بغیر صحیح نہیں ہوتے کیونکہ یہ عبادت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر شرط ہے پس رسول اکرم ﷺ کا ذکر بھی واجب ہوا جس طرح اذان اور نماز میں ہے یہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے (احتاف کے نزدیک واجب نہیں بہتر ہے)۔

۳۔ اذان کا جواب دینے کے بعد درود شریف پڑھنا چاہیے حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول جب تم مؤذن سے (اذان) سنو تو اس کی مثل کہو پھر

ثم صلوا على فانہ من صلی علی صلاة واحدة
صل اللہ علیہ بہا عشرًا ثم صلوا اللہ لی
الوسيلة فانہا منزلة فی الجنة لا تنبغی الا لعبد
من عباد اللہ وارجو ان اکون انا هو فمن سال
اللہ لی الوسيلة حلت علیہ الشفاعة.
مجھ پر درود شریف پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود
شریف پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا
ہے پھر میرے لئے وسیلہ کا سوال کرو بے شک یہ جنت میں
ایک منزل ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک
بندے کے لئے ہی مناسب ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ
میں ہی ہوں پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلے کا
سوال کرے اس کے لئے شفاعت جائز ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۳ سنن نسائی ج ۲ ص ۲۵ صحیح خزیمہ رقم
الحدیث: ۳۱۸۱ شرح السنہ ج ۲ ص ۲۸۲ المغنی ج ۱ ص ۴۱۲ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۵۹۱ اتحاف السادة المتکلمین ج ۲ ص ۶۱
ج ۵ ص ۳۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۹۹۸-۲۱۰۰۶)

اس حدیث کو امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ نے حضرت کعب بن علقمہ رضی اللہ عنہ سے روایت
کرتے ہوئے نقل کیا اور لفظ ”الرجا“ ذکر کیا (معنی وہی ہے یعنی امید)۔
اگرچہ اس بات کا وقوع تحقق ہے لیکن ادب، تعلیم اور خوف یا دلالانے نیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف سوچنے کے اعتبار
سے امید کا ذکر فرمایا۔ نیز یہ کہ طلب کرنے والے کو خوف اور امید کے درمیان رہنا چاہیے ”حلت علیہ الشفاعة“ کا
مطلب یہ ہے کہ شفاعت واجب ہوگئی یہ بھی کہا گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت نے اسے ڈھانپ لیا اور اس پر اثر
مگنی۔

تنبیہ

ہمارے شیخ سخاوی رحمہ اللہ نے ”القاصد الحسنہ میں“ فرمایا کہ ”الدرجة الرفیعة“ والی حدیث میں اضافہ ہے یعنی جو
کچھ اذان کے بعد کہا جاتا ہے میں نے کسی روایت میں نہیں دیکھا اصل حدیث امام احمد، امام بخاری اور سنن اربعہ کے
ائمہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے وہ یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اذان سن کر
یوں کہے:

اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة
القائمة ات محمدا الوسيلة والفضيلة وابعثه
مقاما محمودا الذي وعدته.
اے اللہ! اے دعوت کاملہ اور کھڑی ہونے والی نماز
کے رب! حضرت محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور
ان کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ
فرمایا۔

اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگی۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۲۷ مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۳ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۳-۶۱۹ سنن الکبریٰ ج ۱ ص ۳۱۰ المعجم الصغیر ج ۱
ص ۲۳۰ الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۸۵ شرح السنہ ج ۲ ص ۲۸۲ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۵۹۰ اتحاف السادة المتکلمین ج ۳ ص ۶۱-)

ج ۵ ص ۵۰ الدر المنثور ج ۳ ص ۱۹۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۰۹۸۶)

وہ فرماتے ہیں جس نے اضافہ کیا گویا اس نے شفاء شریف کے بعض نسخوں سے دھوکہ کھایا جن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت درج ہے لیکن اس نسخہ میں جس پر اعتماد کیا گیا یہ اضافہ ہے اسے لکھنے والے نے اس میں ایسی بات جان لی جو اس میں شک کی طرف اشارہ کرتی ہے اور شفاء شریف کے باقی نسخوں میں اس اضافہ کو نہ دیکھا بلکہ شفاء شریف میں اس کے لئے الگ فصل مقرر کی گئی اور اس کی کوئی صریح حدیث نہیں ہے اور یہ اس کے غلط ہونے کی دلیل ہے۔ ۱۔

۲۔ دعا کے اول درمیان اور آخر میں درود شریف پڑھنا حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تجعلوني كقدح الراكب ' فان الراكب يملأ قدحه ثم يضعه ويرفع متاعه فاذا احتاج الى شراب شرب ' او الوضوء توضأ ' والا اهرقه ولكن اجعلوني في اول الدعاء واوسطه و آخره.

مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ سمجھو کہ سوار اپنے پیالے کو بھرتا ہے پھر اسے رکھ دیتا ہے اور اپنا سامان اٹھا لیتا ہے پھر جب پینے کی ضرورت ہوتی ہے تو پی لیتا ہے یا وضو کی ضرورت ہو تو وضو کرتا ہے ورنہ بہا دیتا ہے بلکہ تم مجھے دعا کے اول درمیان اور آخر میں کرو (درود شریف پڑھو)۔ ۲۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۵ اتمام السادة المستحقين ج ۵ ص ۳۲ مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۳۱۱۷ تذكرة الموضوعات رقم الحدیث: ۸۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۵۲-۳۱۱۷)

۵۔ یہ سب سے زیادہ تاکید ہے اور وہ دعائے قنوت کے بعد ہے امام احمد اصحاب سنن ابن جریر ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ نے حضرت ابوالجوزاء رحمہ اللہ کی حدیث سے نقل کیا وہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم ﷺ نے کچھ کلمات سکھائے کہ میں وتر نماز میں پڑھوں۔ وہ الفاظ یہ ہیں:

اللهم اهدني فيمن هديت ' و عافني فيمن عافيت ' و تولني فيمن توليت و بارك لي فيما اعطيت و قني شر ما قضيت ' فانك تقضي ولا يقضي عليك ' انه لا يذل من واليت ' ولا يعز من عاديت تباركت ربنا و تعاليت

یا اللہ! مجھے ہدایت یافتہ لوگوں میں ہدایت دے جن کو عافیت عطا فرمائے ان میں مجھے بھی عافیت دے میری گنہگاری فرما ان میں جن کی گنہگاری فرماتا ہے جو کچھ مجھے عطا فرمائے اس میں مجھے برکت عطا فرما اپنے فیصلے کے شر سے مجھے محفوظ فرما بے شک تو فیصلہ فرماتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں ہو سکتا تو جس کا والی ہو وہ ذلیل نہیں ہوتا اور تیرا دشمن معزز نہیں ہو سکتا اے ہمارے رب! تو برکت والا اور بلند ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۹-۲۰۰ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۰۰)

۱۔ امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن ابی عامر نے اسکی سند کے ساتھ جس میں مسعودی ہیں اور وہ ثقہ ہیں یوں نقل کیا اللھم صل علی محمد و اہلہ الذرجۃ و الوسیلۃ فی الجنۃ۔ تو وہ اس کا معنی نقل کرتے ہیں (زرقانی ج ۶ ص ۳۵۲)

یعنی میرا ذکر بطبع اور مخفی نہ ہو بلکہ اس کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے شروع میں درمیان میں اور آخر میں میرا ذکر کرو۔

(زرقانی ج ۶ ص ۳۵۲)

امام نسائی نے اپنی سنن میں ”وصلی اللہ علی النبی“ کا اضافہ کیا۔ ۱
نویں مقصد میں اس سلسلے میں زیادہ بحث ہوگی۔

۶۔ عیدین کی تکبیرات کے دوران درود شریف پڑھنا۔

اسماعیل قاضی نے روایت کیا کہ حضرت ابن مسعود ابو موسیٰ اور حذیفہ رضی اللہ عنہم کے پاس ولید بن عقبہ آیا اور اس نے کہا کہ عید قریب آچکی ہے تو اس میں تکبیر کا کیا طریقہ ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
تم ابتداء میں تکبیر کہہ کر نماز شروع کرو اپنے رب کی حمد بیان کرو اور نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھو پھر دعائے مانگو اور تکبیر کہو اور پہلے کی طرح کرو پھر تکبیر کہہ کر اس کی مثل کرو پھر تکبیر کہو اور پہلے کی مثل کرو پھر قرأت کرو اور رکوع کرو پھر کھڑے ہو جاؤ تکبیر کہو اور اپنے رب کی حمد بیان کرو اور نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھو پھر دعائے مانگو اور تکبیر کہتے ہوئے پہلے کی طرح کرو پھر رکوع کرو۔ حضرت حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت ابو عبدالرحمن (عبداللہ بن مسعود) رضی اللہ عنہ نے صحیح فرمایا۔ ابن کثیر نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔

۷۔ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلنے وقت درود شریف پڑھنا۔

امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو اپنے آپ پر درود شریف پڑھتے پھر یوں دعائے مانگتے:

اللھم اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک
یا اللہ! میرے خلاف اولیٰ کام بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب باہر نکلتے تو درود شریف پڑھتے اور پھر یوں دعائے مانگتے:

اللھم اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک
یا اللہ! میرے خلاف اولیٰ کام بخش دے اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷۱، مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۲، اتحاف السادة المتکلمین ج ۵ ص ۹۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۷۹۶۲-۲۳۱۰۹)

۸۔ نماز جنازہ میں درود شریف پڑھنا سنت ہے کہ ایک تکبیر کے بعد فاتحہ شریف پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد پڑھے اور دوسری تکبیر کے بعد نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں ہدیہ درود شریف بھیجے اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعائے مانگے اور چوتھی تکبیر کے بعد یوں کہے:

اللھم لا تحر منا اجرہ ولا تفتنا بعده۔ ۳
یا اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کرنا اور اس کے بعد ہمیں فتنہ میں مبتلا نہ کرنا۔

۱۔ امام زرقاتی فرماتے ہیں یہ اضافہ غیر ثابت ہے کیونکہ عبداللہ بن علی راوی غیر معروف ہیں اور اگر عبداللہ بن علی بن حسن ہوں تو انہوں نے اپنے دادا حضرت حسن سے سماعت نہیں کی لہذا یہ حدیث منقطع ہے۔ (زرقاتی ج ۶ ص ۳۵۳)

۲۔ (ذوہبی کا لفظ طلب) مغفرت کے وقت بارگاہ خداوندی میں انکساری اور عاجزی کے اظہار کے طور پر ہے۔ (زرقاتی ج ۶ ص ۳۵۳)

۳۔ احناف کے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھی جاتی ہے کیونکہ نماز جنازہ دعا ہے اس میں قرآن مجید کی قرأت نہیں ہوتی۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۱ اتحاف السادة المستمین ج ۵ ص ۱۰۳ النجم الکبیر ج ۱۲ ص ۶۰)

اس سلسلے میں امام شافعی اور امام نسائی رحمہما اللہ سے حدیث مروی ہے۔

۹۔ تلبیہ (لبیک للہم لبیک آخر تک) کہتے ہوئے درود شریف پڑھنا۔

امام شافعی اور دارقطنی نے حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ تلبیہ سے فارغ ہونے والے آدمی کو حکم دیا جاتا کہ وہ ہر حال میں نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے۔

۱۰۔ صفا و مروہ کے پاس درود شریف پڑھنا۔

حضرت اسماعیل قاضی، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا جب تم آؤ تو طواف کے ساتھ چکر لگاؤ اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھو پھر صفا پر آ کر کھڑے ہو جاؤ۔

حتیٰ کہ بیت اللہ شریف کو دیکھو پس سات بار تکبیر کہو اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھے اور اپنے آپ کے لئے دعا مانگے اور مروہ پر بھی اسی طرح کرے۔ ابن کثیر نے کہا کہ اس کی سند حسن عمدہ اور مضبوط ہے۔

۱۱۔ اکٹھا ہوتے اور جدا ہوتے وقت درود شریف پڑھنا۔

”ترمذی شریف میں“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی قوم مجلس قائم کرے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے اور اس کے نبی ﷺ پر درود شریف نہ پڑھے تو یہ بات اس کے لئے نقصان اور حسرت کا باعث ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔ (موارد التمام رقم

الحدیث: ۲۳۲۱ جامع تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۲۶۰ اتحاف السادة المستمین ج ۵ ص ۹ شرح السنہ ج ۵ ص ۲۷۸-۲۷۹ جامع ترمذی رقم

الحدیث: ۳۳۸۰ الدر المنثور ج ۵ ص ۲۱۸ الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۰۹ کنز العمال رقم الحدیث: ۱۸۱۱۱-۲۵۳۶۲)

اسماعیل قاضی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کوئی قوم بیٹھے پھر وہ کھڑے ہو جائیں اور نبی اکرم ﷺ پر درود شریف نہ پڑھیں تو یہ (مجلس) ان کے لئے حسرت کا باعث ہوتی ہے اور اگر وہ

جنت میں داخل ہوں تو ثواب نہیں دیکھیں گے۔

۱۲۔ صبح اور شام درود شریف پڑھنا جیسا کہ امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا

(نبی اکرم ﷺ نے فرمایا):

من صلی علی حین یصبح عشرا و حین

یمسی عشرا ادرکتہ شفاعتی یوم القیامة۔

دس بار درود شریف پڑھے قیامت کے دن اسے میری

شفاعت حاصل ہوگی۔

(الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۲۵۸ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۲۰ المغنی ج ۱ ص ۳۳۸ اتحاف السادة المستمین ج ۳ ص ۲۸۹ ج ۵ ص ۵۱۔

۱۳۲ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۳۰)

۱۳۔ وضو کرتے وقت درود شریف پڑھنا، حضرت ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ

فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا وضوء لمن لم يصل على النبي (ﷺ). اس شخص کا وضو (کامل) نہیں جو نبی اکرم ﷺ پر درود شریف نہ پڑھے۔

۱۴۔ کان بختی وقت درود شریف پڑھنا چاہیے۔

حضرت ابن ابی رافع کی روایت جسے ابن السنی نے مرفوعاً روایت کیا اس میں (نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی) ہے: اذا طنت اذن احدكم فليذكرني وليصل على وليقل ذكر الله من ذكرني بخير اور مجھ پر درود شریف پڑھے اور کہے اللہ تعالیٰ اسے یاد فرمائے جس نے مجھے بھلائی کے ساتھ یاد کیا۔

۱۵۔ کسی چیز کو بھول جانے کے وقت درود شریف پڑھنا۔

حضرت ابو موسیٰ مدینی سے ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا آپ نے فرمایا:

اذا نسيت شيئا فاصلوا علي تذكروه ان شاء الله تعالى. جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ تو مجھ پر درود شریف پڑھو ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۶۔ چھینک آنے کے بعد درود شریف پڑھنا۔ جیسا کہ ابو موسیٰ المدینی اور ایک جماعت کا مسلک ہے اور دوسرے حضرات نے ان سے اختلاف کیا اور کہا کہ اس جگہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے جیسے کھانے پینے اور جماع وغیرہ کے موقع پر ہوتا ہے۔

۱۷۔ رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کے موقع پر درود شریف پڑھنا۔ امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من احد يسلم على الا رد الله على روحى حتى ارد عليه السلام. کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰۳۱، مسند احمد ج ۲ ص ۵۲، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۳۵، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲، اتحاف السادة المستعین ج ۳ ص ۳۱۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۰۰)

ابن عساکر نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

من صلى على عند قبري سمعته. جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود شریف بھیجے میں اسے سنتا ہوں۔

جمعہ المبارک کے دن اور رات کے وقت کثرت سے درود شریف پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

تمہارے دنوں میں سے افضل دن جمعہ کا دن ہے اس میں حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اسی دن

ان کی روح قبض ہوئی اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن گرج ہوگی پس اس میں مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو بے شک تمہارا درود شریف مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر ہمارا درود شریف کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ کا جسم سو جائے گا؟ آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم کو کھائے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۰۳۷ سنن نسائی ج ۳ ص ۹۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۰۸۵-۱۲۳۶ مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۱ ج ۸ سنن داری رقم الحدیث: ۲۰۶۱ المسند رک ج ۸ ص ۲۷۸ الدر المنثور ج ۵ ص ۲۳۸ موارد الموعود رقم الحدیث: ۵۵۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۲۰۳۷-۲۲۰۳۷)

اس حدیث کو امام احمد ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے نقل کیا اور ابن خزیمہ ابن حبان اور دارقطنی رحمہم اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے فرمایا کہ امام بیہقی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی وہ نبی اکرم ﷺ سے جمعہ المبارک کی رات اور دن میں کثرت سے درود شریف پڑھنے کا حکم نقل کرتے ہیں لیکن اس کی سند میں ضعف ہے۔

سوال: جمعہ المبارک کے دن اور رات میں کثرت سے درود شریف پڑھنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ابن قیم نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ تمام مخلوق کے سردار ہیں اور جمعہ المبارک تمام دنوں کا سردار ہے پس اس دن آپ پر درود شریف کو جو فضیلت حاصل ہے وہ دوسرے دنوں میں نہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ ایک اور حکمت بھی ہے وہ یہ کہ امت کو دنیا اور آخرت میں جو بھلائی حاصل ہوتی ہے وہ آپ کے واسطے سے حاصل ہوئی پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی کو جمع کیا اور ان کو سب سے بڑا اعزاز جمعہ کے دن حاصل ہوتا ہے وہ جنت میں اپنی منازل اور محلات کی طرف جمعہ کے دن اٹھائے جائیں گے اور جب جنت میں جائیں گے تو یہ دن ان کے لئے مزید فضیلت کا باعث ہوگا اور دنیا میں یہ ان کی عید کا دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ ان کی حاجات کو پورا کرتا ہے اور مانگنے والے کا سوال رد نہیں کرتا یہ تمام باتیں ان کو نبی اکرم ﷺ کے ذریعے معلوم ہوئیں اور آپ کے واسطے سے حاصل ہوئیں پس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور اس کی حمد بیان کرنا اور نبی اکرم ﷺ کے حق میں سے کچھ ادا کرنا یہ ہے کہ اس دن رات آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھا جائے۔

نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنے کی فضیلت

نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود شریف کا تحفہ بھیجنے کی فضیلت کے بارے میں قوی احادیث میں وضاحت آئی ہے امام بخاری نے ان میں سے کوئی حدیث ذکر نہیں کی اور اس سلسلے میں سب سے اعلیٰ روایت امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی وہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

جو شخص مجھ پر ایک بار درود شریف بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ من صلی علی واحدہ صلی اللہ علیہ بہا

اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

عشرًا.

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۰ سنن نسائی ج ۳ ص ۵۰ مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۲ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۳۰ مصنف ابن ابی شیبہ

ج ۲ ص ۵۱۷ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۲ الدر المنثور ج ۵ ص ۲۱۸ کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۶۲-۲۲۰۶)

اس حدیث کو امام ابو داؤد ترمذی نسائی احمد اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تو کسی کو اپنے ساتھ جانے کے لئے نہ پایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پانی کا برتن لے کر آپ کے پیچھے آئے انہوں نے آپ کو سجدے کی حالت میں پایا تو پیچھے ہٹ گئے حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنا سر انور اٹھایا تو فرمایا اے عمر! تم نے اچھا کیا کہ جب مجھے حالت سجدہ میں پایا تو پیچھے رکے رہے بے شک حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے فرمایا کہ آپ کی امت میں سے جو شخص ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا اور اس کے دس درجات بلند کرے گا۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے نقل کیا اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
ابن کثیر فرماتے ہیں حافظ ضیاء المقدسی نے اس حدیث کو اپنی کتاب "المستخرج علی الصحیحین" میں اختیار فرمایا۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو آپ کے چہرہ انور سے سرور ظاہر ہو رہا تھا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے چہرہ انور پر خوشی کے آثار دیکھ رہے ہیں (کیا وجہ ہے؟) آپ نے فرمایا ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور اس نے کہا اے محمد! کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ کا رب عزوجل فرماتا ہے کہ آپ کی امت کا کوئی فرد آپ پر درود شریف پڑھے تو میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور آپ کی امت کا کوئی شخص آپ پر سلام بھیجے تو میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔ آپ نے فرمایا ہاں (میں اس پر راضی ہوں)۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۳۳ المسند رک ج ۲ ص ۳۲۰ تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳۵۷)

اس حدیث کو امام دارمی احمد ابن حبان حاکم اور نسائی نے نقل کیا اور الفاظ امام نسائی کے ہیں۔
حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو فرشتے مسلسل اس کے لئے دعائے رحمت فرماتے ہیں جب تک مجھ پر درود شریف پڑھتا رہے اب بندہ اسے کم کرے یا زیادہ (اس کی مرضی ہے)۔

اس حدیث کو امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔
حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جو شخص نبی اکرم ﷺ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں اب بندہ چاہے تو کم کرے اور چاہے تو زیادہ کرے۔

درود شریف پڑھنے کا فائدہ بیان کرنے کے بعد اختیار دینا اس میں کمی ت ڈرانے کے طور پر ہے اور یہ جھڑک کے معنی کے قریب ہے۔

امام ترمذی نے روایت کیا کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ پر درود شریف بکثرت پڑھنا چاہتا ہوں تو آپ کے لئے درود شریف کا کتنا وقت مقرر کروں (یعنی اپنی دعایا اپنے وظائف میں سے کتنا

وقت درود شریف کے لئے مختص کروں) آپ نے فرمایا جس قدر چاہوں میں نے عرض کیا چوتھا حصہ؟ فرمایا جس قدر چاہو اور اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے میں نے کہا نصف؟ فرمایا جس قدر چاہو اور اگر زیادہ کرو تو بہتر ہے میں نے عرض کیا دو تہائی؟ فرمایا جس قدر چاہو اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے میں نے کہا میں اپنی دعا (یا اپنے وظائف) کا تمام وقت آپ کے لئے مقرر کرتا ہوں آپ نے فرمایا اب تمہارے کاموں کے لئے کفایت ہوگی اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

بارگاہ نبوی میں ہدیہ سلام

یہ تمام باتیں درود شریف سے متعلق تھیں جہاں تک سلام کا تعلق ہے تو امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سلام کو چھوڑ کر صرف درود شریف پڑھنا مکروہ ہے انہوں نے اس بات سے استدلال کیا کہ قرآن مجید میں دونوں باتوں کا حکم ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب: ۵۶) اچھی طرح سلام بھیجو۔

لیکن امام نووی رحمہ اللہ پر اعتراض کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو درود شریف کی تعلیم سے پہلے سلام کا طریقہ سکھایا جیسا کہ ان کے قول میں وضاحت کے ساتھ منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں معلوم ہو گیا کہ آپ پر سلام کیسے پڑھیں تو (بتائیے) آپ پر درود شریف کس طرح بھیجیں اور نبی اکرم ﷺ نے ان کو درود شریف سکھانے کے بعد فرمایا کہ سلام (اسی طرح پڑھو) جیسا کہ تم جان چکے ہو پس آپ نے ایک مدت تک سلام کو درود شریف سے الگ رکھا۔

لیکن ”فتح الباری میں“ فرمایا کہ صرف درود شریف پڑھنا اور سلام بالکل نہ پڑھنا مکروہ ہے اگر کسی وقت درود شریف پڑھ لے اور کسی دوسرے وقت سلام پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے والا ہوگا۔

غیر نبی پر سلام پڑھنا

ہمارے اصحاب (شافعی مسلک والوں) میں سے ابو محمد الجونی نے فرمایا کہ سلام درود شریف کے معنی میں ہے پس یہ نہ تو غائب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور نہ ہی غیر انبیاء کرام کے لئے الگ طور پر استعمال ہو سکتا ہے پس یوں نہیں کہا جائے گا ”علی علیہ السلام“ (حضرت علی علیہ السلام) اس میں زندہ اور فوت شدہ برابر ہیں البتہ حاضر کے لئے تو اس سے خطاب کیا جاسکتا ہے پس ”سلام علیک“ یا ”سلام علیکم“ یا ”السلام علیک“ یا ”السلام علیکم“ کہا جائے گا اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔

۱۱ بعض ناقلین کی عادت ہے کہ وہ حضرت غلی المرتضیٰ اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما کے لئے سلام کا لفظ استعمال کرتے ہیں مثلاً علیہ السلام یا علیہا السلام کہتے ہیں اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں

کرتے۔ تو اگرچہ معنوی طور پر یہ صحیح ہے لیکن اس سلسلے میں تمام صحابہ کرام کے درمیان مساوات اختیار کرنی چاہیے کیونکہ یہ تعظیم و تکریم کے باب سے ہے اور تخفین (حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق) نیز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم ان دونوں سے اس بات کے زیادہ لائق ہیں۔ ابن کثیر نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف پڑھنا

نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام بیہقی نے ایک نہایت کمزور سند کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کی ہے (کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا):

لا تترکن فی التشہد الصلوۃ علی و علی
انبیاء اللہ۔
تشد میں مجھ پر اور اللہ تعالیٰ کے (دیگر) انبیاء کرام
علیہم السلام پر درود شریف پڑھنا نہ چھوڑو۔

اسماعیل قاضی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

صلوا علی انبیاء اللہ۔
اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام پر درود شریف پڑھو۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ:

اذا صلیتم علی فصلوا علی انبیاء اللہ
فان اللہ بعثہم کما بعثنی۔
جب تم مجھ پر درود شریف پڑھو تو انبیاء کرام علیہم
السلام پر بھی درود پڑھو بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کو مبعوث
فرمایا جس طرح مجھے مبعوث فرمایا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے درود شریف کا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اختصاص ثابت ہے ابن ابی شیبہ نے حضرت عثمان کے طریق سے حضرت عکرمہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں:

ما اعلم الصلاۃ تنبہی علی احد من احد
الا علی النبی ﷺ۔
میں نہیں جانتا کہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی پر
درود شریف بھیجنا مناسب ہو۔

اور اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی اس کی مثل آیا ہے۔

حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف بھیجنا مکروہ ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کے بعض شیوخ سے منقول ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کسی پر درود شریف بھیجنا جائز نہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ حضرات نے فرمایا کہ یہ بات امام مالک رحمہ اللہ سے معروف نہیں انہوں نے فرمایا میں غیر انبیاء پر درود شریف پڑھنے کو مکروہ جانتا ہوں اور (اس کی وجہ یہ ہے کہ) ہمارے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ ہم اس بات سے تجاوز کریں جس کا ہمیں حکم دیا گیا۔

حضرت یحییٰ بن یحییٰ (بن کثیر اللیثی القرطبی فقیہ مستجاب الدعوات تھے) فرماتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ صلوٰۃ (درود) رحمت کی دعا ہے پس اس کی ممانعت نص یا اجماع کے ذریعے ہو سکتی ہے۔

(الاعلام ج ۸ ص ۶۷۶ فتح الطیب ج ۱ ص ۳۳۲ فیات الایمان ج ۲ ص ۲۱۶ البدیع رقم الحدیث: ۳۵۰)

غیر انبیاء پر درود شریف بھیجنا

جہاں تک انبیاء کرام علیہم السلام کے غیر کا تعلق ہے تو اگر وہ بالتبع ہو تو جائز ہے جیسا کہ حدیث شریف میں گزر گیا۔
اللہم صل علی محمد و آل محمد۔ وغیرہ۔

اس کے جواز پر اجماع ہے اختلاف اس بات میں ہے کہ غیر انبیاء پر محض درود شریف بھیجا جاسکتا ہے یا نہیں۔ بعض لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں اور انہوں نے ان آیات سے استدلال کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ
وہی اللہ ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے
(الاحزاب: ۵۳) بھی (رحمت کی دعا کرتے ہیں)۔

اور ارشاد ربانی ہے:

اُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَ
رَحْمَةٌ. (البقرہ: ۱۵۳)
وہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے درود
اور رحمت ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

عُذْ مِنْ اٰمَنَآ اِلَيْهِمْ صَدَقَۃٌ تُطَهِّرُهُمْ وَ
تُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ. (التوبہ: ۱۰۳)
آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے کر ان کو ظاہری اور
باطنی طور پر پاک کریں اور ان کے لئے رحمت کی دعا کریں۔

اور حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی قوم آپ کے پاس صدقہ لے کر آتی تو آپ فرماتے:

اللہم صل علیہم۔
یا اللہ! ان پر رحمت نازل فرما۔

جب میرے والد صدقہ لے کر آئے تو آپ نے فرمایا:

اللہم صل علی آل ابی اوفی۔
اے اللہ! ابو اوفی کی آل پر رحمت فرما۔

جمہور علماء نے فرمایا کہ غیر انبیاء پر مستحکم صلوٰۃ کا استعمال جائز نہیں کیونکہ یہ انبیاء کرام کا شعار بن گیا کہ جب ان کا ذکر ہو تو یہ الفاظ کہے جاتے ہیں پس ان کے ساتھ ان کے غیر کو نہیں ملایا جائے گا لہذا یوں نہ کہا جائے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ اگرچہ معنوی اعتبار سے صحیح ہے جس طرح یوں نہیں کہا جاتا ”محمد عز وجل“ اگرچہ آپ عزت و جلال والے ہیں کیونکہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذات کا شعار و علامت ہیں۔

اور جو آیات اور حدیث پیش کی گئی ہے اسے ان لوگوں کے لئے دعا پر محمول کیا گیا ہے اسی لئے یہ لفظ (صلوٰۃ) حضرت ابو اوفی رضی اللہ عنہ کی آل کا شعار نہیں بنا۔ یہ مسلک حسن ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا (یعنی جمہور کی تائید میں فرمایا) کہ یہ جائز نہیں کیونکہ انبیاء کرام کے غیر پر درود شریف بھیجنا خواہشات کے پجاری لوگوں کی نشانی بن چکی ہے وہ جس کے معتقد ہو جاتے ہیں اس پر درود شریف بھیجتے ہیں لہذا اس سلسلے میں ان کی اقتدا نہیں کی جائے گی۔

پھر منع کرنے والوں کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حرام ہے یا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ؟ یہ تین قول حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے کتاب ”الاذکار“ میں نقل کرنے کے بعد فرمایا صحیح بات وہ ہے جو اکثر کا قول ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ بدعتی لوگوں کی علامت ہے اور ہمیں ان لوگوں کی علامت سے منع کیا گیا ہے۔
فصل نمبر ۳

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام آپ کی آل آپ کے اہل بیت قرابت داروں اور اولاد کی محبت کا بیان

آل بیت اور قرابت داروں کی محبت

طبری نے کہا یہ بات جان لو کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو آپ کے علاوہ تمام لوگوں پر جن لیا اور آپ کو ہر قسم کی فضیلت عطا فرمائی تو جو لوگ نسب یا نسبت کے اعتبار سے آپ سے منسوب ہیں آپ کی برکت سے ان کو بھی بلند مقام عطا فرمایا اور تمام مخلوق پر آپ کے مقربین کی محبت کو لازم قرار دیا آپ کے تمام اہل بیت اور اولاد معظم کی محبت کو فرض قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ. (الشوریٰ: ۲۳)
آپ فرمادیجئے میں تم سے اس (تبلغ دین) پر اجرت طلب نہیں کرتا البتہ اپنے قرابت داروں کی محبت کا سوال کرتا ہوں۔

مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے قرابت دار کون ہیں؟ آپ نے فرمایا حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے (حضرت حسن اور حضرت حسین) رضی اللہ عنہم۔
ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب: ۳۳)
اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے نجاست کو دور رکھے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔

آل بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟

اس آیت میں جن اہل بیت کا ذکر ہے ان سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔
حضرت ابن ابی حاتمؒ حضرت عکرمہؒ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے

فرمایا یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابن جریر نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ بازار میں اعلان کر رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبْ عَنْكُمْ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ (الاحزاب: ۳۳)

اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے نجاست دور رکھے۔

یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے حافظ ابن کثیر نے کہا آیت کریمہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات جنت میں جائیں گی کیونکہ اس آیت کے نزول کا سبب وہی ہیں اور ایک قول کے مطابق وہ سبب دخول میں داخل ہیں مطلب یہ ہے کہ یا تو وہ تھا اس کا سبب ہیں یا صحیح قول کے مطابق دوسروں کے ساتھ اس میں داخل ہیں۔

ایک قول کے مطابق یہاں اہل بیت سے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص چاہے مجھ سے مباہلہ کر لے کہ یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے اگر یہ مراد ہو کہ وہی (تہا) اس کے نزول کا سبب ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس سلسلے میں ایسی احادیث آئی ہیں جو عمومی معنی پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ کے ہمراہ حضرت علی المرتضیٰ، امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم بھی تھے ان دونوں (صاحبزادوں) نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا حتیٰ کہ آپ اندر تشریف لائے اور حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہما کو اپنے قریب کر کے اپنے سامنے بٹھایا اور حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کو اپنی ران پر بٹھایا پھر ان پر کپڑا یا ایک روایت کے مطابق چادر ڈالی پھر یہ آیت پڑھی۔ انما یورید اللہ (آخر تک گزر چکی ہے) اور فرمایا:

اللھم ھولاء اھل بیتی و اھل بیتی اھق یا اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں اور اہل بیت کا زیادہ

حق ہے۔

ابن جریر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں (حضرت واثلہ) نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی آپ کی اہل سے ہوں؟ فرمایا تم بھی میری اہل سے ہو۔

حضرت واثلہ فرماتے ہیں میں جن باتوں کی امید کرتا ہوں ان میں سے اس کی زیادہ امید ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان کے حجرہ مبارکہ میں تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک ہنڈیا لے کر حاضر ہوئیں جس میں گھی اور آٹے سے بنا ہوا ایک حلوہ تھا وہ حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا اپنے خاوند اور دونوں بیٹوں کو بلا کر لاؤ فرماتی ہیں حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم آئے اور آپ کے پاس حاضر ہوئے وہ بیٹھ کر اس حلوے سے کھانے لگے اور آپ ﷺ کے نیچے ایک چادر تھی حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں

امام زرقانی فرماتے ہیں بجز صادق ﷺ کی خبر مجھی ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکا اس کے باوجود اسے امید سے اس لئے تعبیر کیا کہ شاید یہ

کسی عمل کے ساتھ مقید ہو کہ اگر فلاں کام کرو گے تو میری آل میں شامل ہو گے اور شاید وہ شرط پوری نہ ہو سکے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۴)

میں حجرے میں نماز پڑھ رہی تھی کہ آیت کریمہ انما یرید اللہ الایہ (آخر تک) نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے چادر کے باقی حصے سے ان کو ڈھانپ لیا پھر اپنے ہاتھ نکال کر آسمان کی طرف کئے اور یوں دعا کی:

اللہم ہولاء اہل بیتی و حامتی فاذهب عنہم الرجس و طہرہم تطہیرا۔ پس ان سے ناپاکی کو دور رکھ اور ان کو خوب پاک کر دے۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں میں نے حجرے سے اپنا سر باہر کیا اور کہا یا رسول اللہ میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں؟ فرمایا تم بہتری پر ہو تم بہتری کی طرف ہو۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا اور اس میں ایک راوی کا نام نہیں لیا باقی سند ثقہ لوگوں پر مشتمل ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۲ الدر المنثور ج ۵ ص ۱۹۸)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آیت کریمہ انما یرید اللہ (آخر تک) پانچ شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے میرے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں۔

اس حدیث کو ابن جریر نے روایت کیا اور امام احمد نے ”المنقب میں“ نیز طبرانی نے بھی روایت کیا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔

حمد و صلوة کے بعد۔ اے لوگو! میں تمہاری طرح انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد (موت کا فرشتہ) آجائے تو میں اس کی بات مان لوں بے شک میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت و نور ہے پس اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ آپ نے اس کے بارے میں خوب ترغیب دی پھر فرمایا اور میرے اہل بیت میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی (یعنی اس کے حکم کی) یاد دلاتا ہوں تین بار فرمایا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں کیوں نہیں آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت سے ہیں لیکن یہاں اہل بیت سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر نبی اکرم ﷺ کے بعد صدقہ حرام ہے پوچھا وہ کون ہیں۔

فرمایا وہ آل علی آل جعفر آل عقیل اور آل عباس (رضی اللہ عنہم) ہیں پوچھا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا ہاں۔ یہ حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۶۰ مسند احمد ج ۳ ص ۳۶۷ السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۳۸۔ ج ۷ ص ۳۰ مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۱۳۱ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۴۳۴۱)

”الثقل“ میں قاف متحرک ہے جیسا کہ قاموس میں ہے ہر نفیس چیز جس کی حفاظت کی جائے ثقل کہلاتی ہے اسی سے وہ حدیث ہے جس میں فرمایا:

۱۔ آپ نے بتایا کہ تمہارا اہل بیت میں شمار ہونا بعید نہیں ایک روایت میں ہے کہ تم ازواج نبی سے ہو (مقصد یہ کہ تم تو پہلے سے اہل بیت میں شامل ہو۔ ۱۲ ہزاروی)۔ (ذرقانی ج ۷ ص ۴)

انی تبارک فیکم الثقلین کتاب اللہ بے شک میں دو عمدہ چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک وعترتی۔ (قاموس المحیط ج ۳ ص ۳۵۳) اللہ کی کتاب اور دوسری میری اولاد۔

اس حدیث کو اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے اور اہل سے فقط ازواج مطہرات مراد نہیں بلکہ وہ اہل کے ساتھ مراد ہیں اور جو شخص قرآن مجید میں غور کرے اسے اس بات میں شک نہیں ہوگا کہ ازواج مطہرات اس آیت کریمہ میں داخل ہیں کیونکہ سیاق کلام میں وہی مذکور ہیں اسی لئے اس تمام کلام کے بعد فرمایا:

وَأَذْكُرُ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (الاحزاب: ۳۴) اور یاد کرو جو اللہ تعالیٰ کی آیات و حکمت سے تمہارے گھروں میں پڑھا جاتا ہے۔

(عبدالحق بن غالب) ابن عطیہ رحمہ اللہ نے جمہور کا قول کہ اس سے حضرت علی المرتضیٰ فاطمہ الزہراء امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم مراد ہیں نقل کرنے کے بعد اس (مندرجہ بالا) قول کو اختیار کیا اور فرمایا جمہور کی دلیل اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی میں ”عنکم“ اور ”یطہرکم“ کے الفاظ ہیں یہ میم کے ساتھ جمع مذکر حاضر کی ضمیر ہے اگر صرف عورتوں کے لئے ہوتا تو ”عنکن“ ہوتا۔

(الاعلام ج ۳ ص ۲۸۲ فتح المصیب ج ۱ ص ۵۹۳ قضاة الاندلس ص ۱۰۹ المغنیہ الملتبس رقم الحدیث: ۳۷۶۰ المغنیہ الوعاة ص ۲۹۵) اس کا جواب یوں دیا گیا کہ مذکر کے صیغہ کے ساتھ خطاب تغلیب کے طور پر ہے (یعنی مردوں کو غالب رکھا گیا) پس اس سے مراد اسی طرح ہوگی جس طرح اس حدیث میں آل سے مراد ہے جو حدیث درود شریف کی کیفیت سے متعلق ہے اور اس کا ذکر گزر چکا ہے یعنی اس کے قول کے مطابق جس نے آل سے اولاد مراد لی ہے یہ ساری گفتگو پہلے ہو چکی ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر عطا کرے:

بِإِلَهِ بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ حَكَمٌ
يَكْفِيكُمْ مِنْ عَظِيمِ الْفَضْلِ الْكَمِ
فَرْضٌ مِنَ اللَّهِ فِي الْقُرْآنِ أَنْزَلَهُ
مَنْ لَمْ يَصِلْ عَلَيْكُمْ لَا صَلَاةَ لَهُ

”اے رسول اللہ ﷺ کے آل بیت تمہاری محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی اور اس سلسلے میں قرآن مجید (میں حکم) نازل ہوا۔ تمہاری بہت بڑی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ جو شخص تم پر درود شریف نہ پڑھے اس کا درود شریف قبول نہیں ہے۔“

آل بیت کی محبت

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث کا معنی نقل کیا ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

انی اوشک ان ادعی فاجیب وانی تبارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی کتاب اللہ میں تم میں دو عمدہ چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اللہ تعالیٰ کی

جبل محدود من السماء الى الارض و عترتی
 اهل بیتی وان اللطيف الخبير اخبرنی انهما لن
 يفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا بماذا
 تخلفونی فیہما۔
 کتاب اور میری عترت اللہ تعالیٰ کی کتاب ایک رسی ہے جو
 آسمان سے زمین تک لگی ہوئی ہے اور میری عترت میرے
 گھروالے ہیں اور لطیف و خیر ذات نے مجھے خبر دی ہے کہ
 یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوض پر مجھے ملیں پس تم
 دیکھو گئے کہ میرے بعد تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۱ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۵۰ کنز العمال رقم الحدیث: ۹۳۳)

جوہری کے قول کے مطابق کسی شخص کی عترت اس کی اہل نسل اور اس کا قریبی قبیلہ ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

یا ایہا الناس ارقبوا محمدا فی اہل بیتہ۔ اے لوگو! حضرت محمد ﷺ کے اہل بیت کے سلسلے
 میں آپ کا خیال رکھو۔

”مراقبہ“ کا معنی کسی چیز کی حفاظت کرنا ہے یعنی ان کی حفاظت کرو اور ان کو اذیت نہ پہنچاؤ۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک اور قول صحیح بخاری میں منقول ہے:

لقرابۃ رسول اللہ ﷺ احب الی ان اصل قرابت کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے۔
 من قرابتی۔ رسول اللہ ﷺ کی قرابت سے صلہ رحمی مجھے اپنی

جب حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے آپ سے نبی اکرم ﷺ کی وراثت کا مطالبہ کیا تو آپ نے عذر پیش
 کرتے ہوئے یہ (مندرجہ بالا) بات فرمائی اور آپ کا یہ قول ایمان کا تقاضا تھا کیونکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی جان مال
 اور اولاد کے مقابلہ میں آپ سے زیادہ محبت ہو جس طرح اسی مقصد کی پہلی فصل میں بیان ہوا۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے اپنے اقارب کے لئے وہی بات ثابت فرمائی جو اپنے لئے ثابت کی آپ نے فرمایا:

من احبہم لمحبی احبہم۔ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے
 ان سے محبت کی۔

اور آپ نے ہم پر شفقت فرماتے ہوئے اس بات کی ترغیب دی آپ پر اور آپ کی آل و اہل بیت پر اللہ کی رحمتیں اور
 سلام ہو۔

کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا:

رایت ولانی آل طہ فربضة علی رغم اہل البعد یورثنی القربی
 فما طلب المبعوث اجرا علی الہدی بتبلیغہ الا المودۃ فی القربی

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم انبیاء کرام کی جماعت کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے چونکہ حضرت خاتون جنت
 رضی اللہ عنہا کے علم میں یہ حدیث نہیں تھی اس لئے انہوں نے مطالبہ کیا لیکن جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنا کی تو وہ:
 خاموش ہو گئیں اور اس مطالبہ سے دستبردار ہو گئیں۔ ۱۲ ہزاروی

”میں آل طہ سے محبت کو فرض جانتا ہوں یہ دوری والوں کی مرضی کے خلاف ہے اور یہ محبت مجھے قرب عطا کرتی ہے اس نبی مبعوث نے ہدایت کی تبلیغ پر قرابت داروں کی محبت کے سوا کوئی اجرت نہیں مانگی۔“

”ترمذی شریف میں“ ایک حدیث منقول ہے جسے انہوں نے حدیث کہا ہے اس میں ہے:

احبوا اللہ لما یغزوکم بہ واحبوا لى بحب اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کہ وہ تمہیں غذا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرو۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۷۹ المصدر رک ج ۳ ص ۱۴۹ المجمع الکبیر ج ۳ ص ۳۹ علیہ الاولیاء ج ۳ ص ۲۱۱)

امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب ”کتاب المناقب“ میں ہے:

من ابغض اهل البيت فهو منافق۔ جو شخص اہل بیت سے بغض رکھے وہ منافق ہے۔

حضرت ابن سعد نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من صنع الى احد من اهل بيتي معروفا فعجز عن مكافاته في الدنيا فانا المكافي له في يوم القيامة۔ جو شخص میرے اہل بیت میں سے کسی سے اچھا سلوک کرے اور وہ دنیا میں اس کا بدلہ نہ دے سکے تو میں اس کی طرف سے قیامت کے دن بدلہ دوں گا۔

قرابت سے کون لوگ مراد ہیں؟

قرابت سے وہ لوگ مراد ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے جدا قرب یعنی حضرت عبدالمطلب کی طرف منسوب ہیں اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی یا آپ کی زیارت کی وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ اور وہ آپ کے اہل قرابت درج ذیل لوگ ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ اور ان کی اولاد یعنی حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت محسن اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہم جو حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے ہیں۔

حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کی اولاد یعنی حضرت عبد اللہ، حضرت عون اور حضرت محمد رضی اللہ عنہم۔ اور کہا جاتا ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب کے ایک اور صاحبزادے بھی تھے جن کا نام احمد تھا۔

حضرت عقیل بن ابی طالب اور ان کے صاحبزادے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہما۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور ان کی اولاد یعنی حضرت یحییٰ، حضرت عمارہ اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہم۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب اور ان کی مذکر اولاد اور وہ دس ہیں حضرت فضل، حضرت عبد اللہ، حضرت قثم، حضرت عبید اللہ، حضرت حارث، حضرت معبد، حضرت عبد الرحمن، حضرت کثیر، حضرت عون اور حضرت تمام رضی اللہ عنہم ان کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تموا بتمام فصاروا عشرة يارب فاجعلهم كراما بكرة

”حضرت تمام کے ساتھ پورے ہو گئے پس دس ہوئے اے میرے رب ان (میرے بیٹوں) کو عزت

والے اور ٹیک بنادے۔“

کہا گیا کہ ان سب کو نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی ہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں میں حضرت ام حبیبہؓ حضرت آمنہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن ہیں ان میں سے اکثر کی والدہ حضرت لبابہ ام الفضل ہیں۔ (رضی اللہ عنہا)

معتب بن ابی لہب اور عباس ابن ابولہب اور یہ آمنہ بنت عباس کے خاوند ہیں۔ (صحیح یہ ہے کہ عباس بن عتبہ بن ابی لہب ہیں)۔ ۱۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۳۰)

حضرت عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب اور ان کی بہن حضرت ضباء (رضی اللہ عنہم) یہ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔

ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور ان کے صاحبزادے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ۔

حضرت نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور ان کے بیٹے حضرت مغیرہ اور حارث۔ اور ان عبداللہ بن حارث کو زیارت کا شرف حاصل ہے ان کا لقب بہتہ تھا۔ (دونوں جگہ باء دوسری باء مشدد ہے)۔

حضرت امیمہؓ اروئی عاتکہ اور صفیہ جو حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادیاں ہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں اور صحابیت کا شرف حاصل کیا باقی کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقام

”صحیح بخاری میں“ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔
تمہیں مجھ سے وہی تعلق ہے جو حضرات ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۰ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۱ مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۹ حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۲۵ اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۲۲۷ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۰۹)
دوسری حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

اما ترضی ان تكون منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ۔
کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ آپ کا میرے ساتھ وہی تعلق ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا۔

۱۔ ”الاصابہ“ میں ہے کہ آمنہ بنت عباس بن عبدالمطلب ہاشمیہ عباس بن عتبہ بن ابی لہب کی زوجہ تھیں مشہور شاعر فضل بن عباس ان کے صاحبزادے ہیں (زرقانی ج ۷ ص ۱۱) حضرت عباس رضی اللہ عنہ (حضور علیہ السلام کے چچا) کے صاحبزادے حضرت فضل ان کے علاوہ ہیں۔ ۱۲۔ ہزاروی

یعنی آپ کو میرے ہاں وہی مقام حاصل ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حضرت ہارون علیہ السلام کو حاصل تھا۔ باء زائدہ ہے۔
طیبی نے کہا حدیث کا معنی یہ ہے کہ تم میرے ساتھ اس طرح ملے ہوئے ہو جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے اس میں تشبیہ صحیح ہے جسے آپ نے اس قول کے ساتھ بیان کیا:
الا انه لا نسی بعدی۔ مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہیں۔

پس معلوم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان اتصال نبوت کی جہت سے نہیں بلکہ اس سے نچلے درجے کی جہت یعنی خلافت کے
اعتبار سے (یعنی غزوہ تبوک کے موقع پر خلافت) اور جب حضرت ہارون علیہ السلام مشہ بہ ہیں اور وہ حضرت موسیٰ علیہ
السلام کی زندگی میں خلیفہ تھے تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت نبی اکرم ﷺ کی
حیات طیبہ کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ اعلم

ایک شبہ کا جواب

اس حدیث سے یہ استدلال کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا استحقاق حاصل ہے کسی دوسرے صحابی کو
نہیں کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ
السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کے خلیفہ تھے ان کے وصال کے بعد نہیں کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ حضرت
ہارون علیہ السلام کا وصال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال سے پہلے ہوا اس بات کی طرف خطابی نے اشارہ کیا ہے۔
”ترمذی اور نسائی میں“ حدیث شریف ہے:

من كنت مولاه فعلي مولاه۔ جس کا میں مولا ہوں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

بھی اس کے مولا ہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۳، مسند احمد ج ۱ ص ۸۳، ۱۵۲، المسند رک ج ۳ ص ۱۱۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۱، مجمع الزوائد
ج ۷ ص ۷۷، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۳، کشف الخفاء ج ۲ ص ۳۷۹، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۹۰۳، ۳۶۵۱۵)

تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے اسلام کی ولایت (یعنی مدد) مراد ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:
ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ
الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ (محمد: ۱۱)

ایمان لائے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حضرت علی المرتضیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا:

اصبحت مولى كل مؤمن۔ آپ ہر مؤمن کے مددگار ہیں۔

یعنی ہر مؤمن کے ولی ہیں۔

اس حدیث کے کئی طرق ہیں جن کو ابن عقدہ (احمد بن محمد کوئی مولیٰ بن ہاشم) نے کتاب مفرد میں جمع کیا اور اس کی
اکثر اسناد صحیح اور حسن ہیں ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من اذى عليا فقد اذانى۔ جس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اذیت

پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔

(الاعلام ج ۱ ص ۲۰۷ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۳۹ تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۴۱ العصر ج ۲ ص ۲۳۰ المسد رک ج ۳ ص ۱۲۲ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۷۵ موارد العلماء رقم الحدیث: ۲۲۰۲ دلائل النبوة ج ۵ ص ۳۹۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۹۰۱-۳۶۴۳۵) اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

اور تخلص الذہبی (ابوطاہر محمد بن عبد الرحمن) نے (نیز امام طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً) نقل کیا کہ:

من احب علیا فقد احبنی۔ جس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔

اور نقاش (مشہور مفسر و حافظ) نے ذکر کیا کہ ارشاد باری تعالیٰ: **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا** (الریم: ۹۶) کام کئے عنقریب رخصت ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔ (یہ آیت) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم کسی مؤمن کو نہیں پاؤ گے مگر وہ حضرت علی المرتضیٰ اور آپ کے اہل بیت سے محبت کرتا ہوگا۔

ابو حیان نے (اپنی تفسیر) ”البحر میں“ فرمایا لغوی امام رضی الدین ابو عبد اللہ بن یوسف انصاری شافعی لڑپنا بن اسحاق نصرانی رخصتی نے عجیب بات کہی:

عبدی و تیم لا احوال ذکرہم	بسوء ولكنی محب لہاشم
وما یعتزینی فی علی ورہطہ	اذا ذکرنا فی اللہ لومة لانم
یقولون ما بال انصاری تحبہم	واہل النہی من اعراب واعاجم
فقلت لہم انی لا حسب حبہم	سری فی قلوب الخلق حتی البہائم

”میں بنو عدی اور بنو تیم کا ذکر برائی کے ساتھ نہیں کرتا لیکن میں ہاشم قبیلے کا محبت ہوں اور جب حضرت علی المرتضیٰ اور ان کے خاندان کا ذکر کیا جائے تو مجھے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں وہ کہتے ہیں اے انصاری تمہیں کیا ہے کہ تم ان سے محبت کرتے ہو جب کہ عرب و عجم کے عقلمند لوگ موجود ہیں میں ان سے کہتا ہوں کہ میں ان کی محبت کو مخلوق کے دلوں حتیٰ کہ جانوروں کے اندر بھی پاتا ہوں۔“

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مقام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو سب لوگوں سے زیادہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت تھی اور ان کے خاوند مردوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ صحیح بخاری میں ہے:

ان فاطمة بضعة منی فمن اغضبها
بے شک فاطمہ میرا ٹکڑا ہیں پس جس نے ان سے
دشمنی رکھی اس نے مجھ سے بغض رکھا۔
اغضبنی۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۶ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۳۱۲-۳۳۳۱۳)

”البضعة“ کی باہ پر فتح ہے ضمہ اور کسرہ بھی آیا ہے اور ضا دساکن ہے اس سے مراد گوشت کا ٹکڑا ہے۔
امام سہیلی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت خاتون جنت کو گالی دینے والا کفر کا ارتکاب کرتا
ہے۔

حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کا مقام

”جامع ترمذی میں“ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت منقول ہے امام ترمذی نے فرمایا یہ حسن غریب
ہے نبی اکرم ﷺ نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:
اللهم انی احبہما فاحبہما واحب من
یا اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی
ان دونوں سے محبت کر اور جو ان سے محبت کرے اسے بھی
محبت کر۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۲ مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۶ السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۳ جمع الجوامع رقم الحدیث: ۱۹۷۱۱ المعجم الکبیر
ج ۳ ص ۳۹۰ الاکمل ج ۳ ص ۱۰۳۵ کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۲۵۵-۳۷۶۹۷)

امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خاص امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کی
اور ابو حاتم نے یہ اضافہ کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا اس
کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حافظ سلفی نے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں:
میں نے جب بھی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے کیونکہ ایک دن
رسول اکرم ﷺ باہر تشریف لائے اور میں مسجد میں تھا آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور میرا سہارا لیا حتیٰ کہ ہم قیقاع کے بازار
میں آئے آپ نے وہاں دیکھا پھر واپس لوٹ گئے حتیٰ کہ مسجد میں تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا میرے بیٹے کو بلاؤ۔ حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو لایا گیا جو تیز تیز چل رہے تھے حتیٰ کہ آپ کی گود میں جا
بیٹھے نبی اکرم ﷺ ان کے منہ کو کھولتے پھر ان کے منہ کو اپنے دہن مبارک میں ڈالتے (تا کہ برکت حاصل ہو) اور فرما
رہے تھے:

اللهم انی احبہ فاحبہ واحب من یحبہ۔
یا اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت
فرما اور ان سے محبت کرنے والے کو محبوب رکھنا۔

آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔

”جامع ترمذی میں“ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ دونوں صاحبزادوں کو

سو گھٹے اور اپنے ساتھ ملا تے اور فرماتے:

من احبني واحب هذين واباهما وامهما
كان معي في درجتي يوم القيامة.
جو مجھ سے محبت کرے اور ان دونوں سے نیز ان
دونوں کے باپ اور ان کی ماں سے محبت کرے وہ قیامت
کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۳، مسند احمد ج ۱ ص ۶۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۴۱۶۱)

امام ترمذی نے ”کان معي في الجنة“ (میرے ساتھ جنت میں ہوگا) کے الفاظ نقل کئے اور فرمایا یہ حدیث
غریب ہے۔

اور معیت سے یہاں مقام کے اعتبار سے معیت مراد نہیں بلکہ پردہ اٹھنے کے اعتبار سے ہے جیسا کہ چھٹے مقصد میں
آیت کریمہ:

كُلُّ لَيْكٍ مَعَ الْكَافِرِ اَللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ
النَّارِ (النساء: ۶۹)
پس وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ
تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء کرام، صدیقین، شہدا اور
صالحین۔

کے ضمن میں بیان ہوا۔

ابوزہیر بن ارقم، قبیلہ ازد کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ
کے بارے میں فرمایا:

من احبني فليحبه فليبلغ الشاهد الغائب.
جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے وہ ان سے محبت کرے
اور حاضر کو چاہیے کہ غائب تک (یہ بات) پہنچا دے۔

”صحیح بخاری میں ہے“ آپ نے فرمایا:

همار يحانناي من الدنيا.
یہ دونوں (امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں
میری خوشبو ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی زبان یا ہونٹوں کو چوستے تھے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے
روایت کیا۔

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے
حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھا رکھا تھا اور فرما رہے تھے:

بابي شبيه بالنبي ليس شبيها بعلي.
میرے باپ ان پر قربان ہوں یہ نبی اکرم ﷺ کے
مشابہ ہیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں ہیں۔

اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مکرار ہے تھے۔

حضرت محمد بن سیرین، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ رسول

اکرم ﷺ سے ان سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت زہری کی روایت نقل کی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

لَمْ يَكُنْ أَحَدًا شَبَهَ بِهِ لَنَبِيِّ ﷺ مِنْ كَوْنِ مَنْحَصٍ بَعْدَ حُسْنِ بَنِي عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا مِنْ بَدْءِ حَضُورِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَاشِبِيَّةٍ نَهَتْهَا۔

لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی مفت میں فرمایا:

لَمْ أَرِ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ۔ میں نے آپ سے پہلے اور بعد آپ جیسا نہیں دیکھا یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”شماکل میں“ ذکر کی ہے اور تیسرے مقدمہ میں ذکر ہو چکی ہے تو یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس پہلی بات کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفی کو عمومی تشبیہ پر محمول کیا جائے اور اثبات سے خصوصی تشبیہ مراد ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا جو قول پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی بھی حضور علیہ السلام سے زیادہ مشابہ نہ تھا تو حضرت ابن سیرین کی روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے اور پہلے گزر چکی ہے وہ اس کے معارض ہے اس میں یہ تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ زیادہ مشابہ تھے تو ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وہ قول جو حضرت زہری نے نقل کیا وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی کی بات ہوگی کیونکہ اس وقت آپ اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔

اور جو کچھ ابن سیرین کی روایت میں ہے وہ اس کے بعد کی بات ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسروں کے مقابلے میں حضرت امام حسین نبی اکرم ﷺ کے زیادہ مشابہ تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے بعض اعضاء کے اعتبار سے حضور علیہ السلام کے زیادہ مشابہ ہوں۔

امام ترمذی اور ابن حبان نے حضرت ہانی بن ہانی کے واسطے سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے سینے تک اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس سے نیچے رسول اکرم ﷺ کے زیادہ مشابہ تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کن کن لوگوں کی مشابہت تھی؟

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم کے علاوہ جن حضرات کو نبی اکرم ﷺ سے مشابہت تھی ان میں حضرت جعفر بن ابی طالب ہیں نبی اکرم ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

أَشْبَهْتُ خَلْقِي وَخَلْقِي۔ آپ خلق اور صورت میں میرے مشابہ ہیں۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۵، مسند احمد ج ۱ ص ۹۸، ج ۲ ص ۳۳۲، السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۵، المسند رک ج ۳ ص ۱۲۰، معنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۹۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۳۳۷۷، تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۳۷۹، المغنی ج ۲ ص ۳۱، مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱)

ج ۳ ص ۱۷۳ اتحاد السادة المتقين ج ۵ ص ۳۰۷ کنز العمال رقم الحديث: ۳۳۱۹۶-۳۶۹۰۶

ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت قثم بن عباس بن عبدالمطلب، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب، مسلم بن عقیل بن ابی طالب، سائب بن یزید المطلبی (حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے جد اعلیٰ) حضرت عبداللہ بن عامر بن کریم، کابس بن ربیعہ (اہل بصرہ میں سے تھے) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف توجہ فرمائی ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور زمین کا ایک حصہ ان کے لئے مختص کیا حضرت انس رضی اللہ عنہ جب ان (کابس بن ربیعہ) کو دیکھتے تو رو پڑتے تھے۔

یہ دس حضرات ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابو الفضل بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ان کا ذکر لقم کی صورت میں کیا انہوں نے فرمایا:

شبه النبی لعشر سائب وابی سفیان والحسین الطاہرین ہما

وجعفر وابیہ ثم ابن عامر ہم ومسلم کابس یتلوہ مع قثما

”دس آدمی نبی اکرم ﷺ کے شبیہ تھے حضرت سائب، ابوسفیان، حسین، کریمین، حضرت جعفر اور ان کے

صاحبزادے حضرت ابن عامر، حضرت مسلم ان کے بعد حضرت کابس اور حضرت قثم رضی اللہ عنہم۔“

بعض حضرات نے ان کی تعداد ستائیس لکھی ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے مشابہت رکھنے والوں میں آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضور علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بھی تھے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے حضرت عبداللہ (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) اور حضرت عون رضی اللہ عنہما اور اہل بیت میں سے ان کے علاوہ حضرات بھی آپ سے مشابہت رکھتے تھے حضرت ابراہیم بن حسین بن حسن بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہم) بھی ان میں شامل ہیں۔

اور یحییٰ بن قاسم بن محمد بن جعفر بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم بھی آپ کے شبیہ تھے اور ان کو شبیہ ہی کہا جاتا تھا۔ شریف محمد بن اسعد نسابہ نے ”الزورۃ الانیسۃ لمشہد السیدۃ النفیسۃ میں“ فرمایا کہ حضرت یحییٰ بن قاسم کے جسم میں مہر نبوت کی جگہ پر کبوتری کے انڈے کے برابر مہر نبوت کی طرح ابھرا ہوا (گوشت) تھا اور جب آپ حمام میں داخل ہوتے اور لوگ آپ کو دیکھتے تو نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھتے اور آپ سے تبرک حاصل کرتے تھے آپ کی پیٹھ کی طرف جھوم کرتے ہوئے بڑھتے اسی لئے آپ کو الشیہ کہا گیا اور قاسم بن عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم بھی آپ کے شبیہ تھے۔

حضرت علی بن علی بن نجاد بن رفاعہ رفاعی تبع تابعین میں سے مصری بزرگ بھی آپ کے شبیہ تھے۔

اور یہاں مشابہت سے جزوی مشابہت مراد ہے ورنہ آپ کا حسن کامل شریک سے منزہ ہے۔

امام بصری رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا:

منزہ عن شریک فی محاسنہ فجوہر الحسن فیہ غیر منقسم

”آپ اپنے حسن میں شریک سے منزہ ہیں آپ میں جو جوہر حسن ہے وہ ناقابل تقسیم ہے۔“

جیسا کہ میں (مصنف علیہ الرحمہ) نے تیسرے مقصد میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میں (مصنف) نے اس گفتگو کو کچھ طویل کر دیا لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا کہ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کاندھے پر اٹھایا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد جو شخصیت تمام انسانوں میں سے افضل ہے اس نے اہل بیت محمدی کا کس قدر احترام کیا اور ان کو کاندھوں پر بٹھایا خصوصاً آپ کا یہ فرمانا کہ نبی اکرم ﷺ کی قرابت سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنی قرابت کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے۔

اور جب اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مشابہت کا ذکر تھا تو میں نے اپنے کلام کو اس موضوع میں طول دیا میں نے اپنے اس مجموعہ (کتاب) میں اکثر اس طرح کا طریقہ اختیار کیا لیکن یہ عمل عمدہ فوائد سے خالی نہیں ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مقام

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اذیت نہ دو اس طرح تم مجھے اذیت دو گے جس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی۔ یہ حدیث امام بغوی (ابوالقاسم عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز بن المرزبان حافظ الحدیث متوفی ۳۱۷ھ) رحمہ اللہ نے اپنی معجم میں بیان کی ہے۔

(الاعلام ج ۳ ص ۱۱۹ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۷۷ شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۷۵ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۱۱ العصر ج ۲ ص ۱۷۰)

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا یدخل قلب رجل
الایمان حتی یحبکم لله ولرسوله۔
اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری
جان ہے کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا حتیٰ
کہ وہ تم لوگوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خاطر
محبت کرے۔

پھر فرمایا:

ایہا الناس من آذی عمی فقد آذانی فانما
عم الرجل صنواہ۔
اے لوگو! جس نے میرے چچا کو اذیت پہنچائی اس
نے مجھے اذیت دی بے شک کسی آدمی کا چچا اس کے باپ کا
بھائی ہوتا ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور آپ کا ارشاد گرامی کہ ”لا یدخل قلب رجل
الایمان حتی یحبکم“ (کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا حتیٰ کہ وہ تم سے محبت کرے)۔
میں حقیقی نجات دینے والے ایمان کی طرف اشارہ ہے اور وہ تصدیق قلبی ہے اور محبت و ایمان کے درمیان اس
اعتبار سے رابطہ ہے کہ محبت محبوب کی طرف دل کے میلان کا نام ہے اور ایمان تصدیق قلبی ہے پس یہ دونوں باتیں دل
میں جمع ہوتی ہیں اور ان دونوں کو لازم قرار دیا گیا لہذا ایک کی نفی سے دوسرے کی نفی لازم آتی ہے۔

پھر اس محبت کے بارے میں بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہولہذا کسی اور کی خاطر محبت کا اعتبار نہ ہوگا پھر ان کی اذیت کو اپنی تکلیف قرار دیا کیونکہ آپ ان کے عضو اور قرہی رشتہ دار ہیں پھر ان کے مقام کی عظمت یوں بیان کی کہ باپ کے قائم مقام قرار دیا تو جس طرح اولاد پر باپ کی تعظیم اور اس کے حقوق کی ادائیگی لازم ہے اسی طرح چچا کا معاملہ بھی ہے تو آپ نے فرمایا کسی شخص کا چچا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ (”وانما عم الرجل صنواً ابیه“ کے الفاظ ارشاد فرمائے) اور یہ صاد کے کسرہ اور نون کے سکون سے ہے یعنی باپ کی مثل ہے۔

ابن اشیر نے کہا کہ اس (صیغہ) کی اصل یہ ہے کہ ایک جڑ سے دو درخت اُگیں آپ کی مراد یہ تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد ماجد کی اصل ایک ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عباس اور ان کے صاحبزادوں رضی اللہ عنہم کو ایک چادر کے نیچے لے کر فرمایا:

اللهم اغفر للعباس وولده مغفرة ظاهرة وباطنة لا تغادر ذنبا اللهم احفظه في ولده. كونا هری اور باطنی طور پر بخش دے کہ کوئی گناہ نہ چھوڑے یا اللہ! ان کی اولاد میں ان کی حفاظت فرما۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۶۳، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۱۳۹، جمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۷۶۸، کنز العمال رقم

الحدیث: ۳۳۳۳۳)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور فرمایا یہ حسن غریب ہے۔

ابن السری نے اپنی روایت میں بیان کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وہ صاحبزادے جن کو چادر کے ساتھ ڈھانپا گیا، چھ تھے حضرت فضل، حضرت عبداللہ، حضرت عبید اللہ، حضرت قثم، حضرت معبد اور حضرت عبدالرحمن (رضی اللہ عنہم) وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ان کو ایسی چادر سے ڈھانپا جو سیاہ رنگ کی تھی اور اس میں سرخ دھاریاں تھیں اور آپ نے فرمایا:

اللهم ان هؤلاء اهل بيتي وعترتي يا الله! یہ میرے اہل بیت اور میری اولاد ہیں پس ان فاسترهم من النار كسترهم بهذه الشملة. کو آگ سے اس طرح ڈھانپ لے جس طرح اس چادر میں ان کو ڈھانپا گیا۔

پس گھر میں ہر ڈھیلے اور دروازے نے آمین کہی۔

حضرت عقیل اور ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا مقام

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انی احبک حبین حباً للقرابتک منی و حباً لما کنت اعلم من حب عمی لک. میں تم سے دو بار محبت کرتا ہوں ایک محبت اس بنیاد پر کہ تم میرے قرابت دار ہو اور دوسری محبت اس لئے کہ مجھے

معلوم ہے کہ میرے چچا (ابوطالب دوسری اولاد کی نسبت)

(کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۶۱۸)

تم سے (زیادہ) محبت کرتے تھے۔

طبری نے کہا کہ یہ حدیث ابو عمر (بن عبد البر) اور بغوی نے نقل کی ہے اور دارقطنی نے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے غزوہ یتیم کے دن فرمایا:

ابو سفیان بن الحارث (بن عبد المطلب) ابو سفیان بن حارث (بن عبد المطلب) میرے اہل خیر اہلی او من خیر اہلی میں یا فرمایا میرے اہل میں سے بہترین ہیں۔

آل بیت کے بارے میں اصطلاحات

امام حاکم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لا یغضنا اهل البيت احد الا اذخلہ اے اہل بیت! ہم سے جو بھی بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔ اللہ النار۔

(المصدر ج ۳ ص ۳۵۲، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۹۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۲۰۳)

آل بیت کے لئے چار الفاظ کا استعمال مشہور ہے جن سے وہ موصوف ہیں۔

- ۱۔ آلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام
- ۲۔ اہل بیتہ
- ۳۔ ذوی القربی
- ۴۔ عترتہ

جہاں تک پہلے لفظ کا تعلق ہے تو ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہی لوگ آپ کے اہل بیت ہیں اور دوسرے حضرات نے فرمایا ان ہی لوگوں پر صدقہ حرام ہے اور اس کے بدلے میں ان کو خُس کا خُس دیا گیا، ایک اور جماعت نے کہا کہ جو لوگ نبی اکرم ﷺ کا دین اختیار کر کے آپ کی اتباع کریں وہی آپ کے آل ہیں۔ دوسرا لفظ آپ کے اہل بیت کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے پس کہا گیا ہے کہ جو لوگ آپ کے قریب کے دادا کی طرف منسوب ہیں وہ لوگ آپ کے اہل بیت ہیں یہ بھی کہا گیا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ رحم میں شریک ہیں اور ایک قول کے مطابق جو حضرات نسب یا سبب سے آپ کے ساتھ اتصال رکھتے ہیں وہ لوگ آپ کے اہل بیت ہیں۔ اور تیسرا لفظ یعنی ذوی القربی کے بارے میں واحدی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ الَّتِي

الْقُرْبَى. (الشوری: ۲۳)

آپ فرما دیجئے میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر قربت داروں کی محبت کے علاوہ کسی چیز کا سوال نہیں کرتا۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں جن سے محبت کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا حضرت علی المرتضیٰ حضرت فاطمہ الزہراء اور ان کے دونوں صاحبزادے۔

حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما جو مقرب پیدا ہوں گے کفار کے شر کو دور کرنے کے لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں قرآن مجید دین اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت کے بدلے میں تم سے اور کچھ نہیں مانگا میرے ساتھ جو تمہاری قربت ہے اس کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور مجھے اذیت نہ دو۔ (ذرقانی ج ۷ ص ۲۰)

اور چوتھے لفظ ”عترتہ“ کے بارے میں کہا گیا کہ اس سے قبیلہ مراد ہے اور ایک قول کے مطابق ذریت (اولاد) مراد ہے جہاں تک خاندان کا تعلق ہے تو یہ وہی اہل ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے اور ذریت سے کسی شخص کی نسل مراد ہوتی ہے اور کسی آدمی کی بیٹی کی اولاد اس کی ذریت ہوتی ہے اور اس پر یہ ارشاد باری تعالیٰ دلالت کرتا ہے:

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَنَ وَأَيُّوبَ وَ يُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَكَرَّيْنَا وَيْخَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ كُلًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ (الانعام: ۸۴-۸۵)

اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اتصال اپنی ماں حضرت مریم علیہا السلام کے واسطے سے ہے۔ (کیونکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو ماں کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کہلائے)۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اور سبز لباس

یہ پاکیزہ اولاد کچھ مزید اعزازات سے خاص کی گئی اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے دوسروں کے مقابلے میں زائد فضیلت سے مختص ہوئے ان کو شرافت کی چادر پہنائی گئی اور وہ مزید اکرام اور تحفوں سے نوازے گئے۔ شرف والے لوگوں کے درمیان ان کے اختصاص کی اصطلاح بن گئی جس طرح عباسی (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد) ہعفرہ (حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد) کہ وہ اپنے مزید شرف کی وجہ سے ”الخضراء“ کہلاتے جیسا کہ کہا گیا ہے اس کا سبب یہ تھا کہ مامون نے خلافت کو حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی اولاد میں منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو ان کیلئے ایک نشانی بنائی اور ان کو سبز لباس پہنایا تا کہ سیاہ لباس عباسیوں کا شعار (علامت) ہو اور سفید لباس عام مسلمانوں کی علامت ہو۔ (الاعلام ج ۳ ص ۱۳۲ تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۱۸۳ انوار الوفاء ج ۲ ص ۲۳۵)

اور سرخ لباس کی کراہت (اور حرمت و جواز میں اختلاف ہے) زرد رنگ کا لباس آخر میں یہودیوں کی علامت بن گیا۔

اس کے بعد مامون نے یہ ارادہ بدل دیا اور خلافت بنو عباس کی طرف لوٹا دی لیکن یہ نشانی حضرت خاتون جنت کی اولاد میں سے علویوں کے لئے باقی رہی البتہ انہوں نے اس لباس کو مختصر کر دیا اور سبز کپڑے کا ایک ٹکڑا ان کی دستاروں پر بطور علامت رکھا جاتا لیکن آٹھویں صدی کے آخر میں یہ بھی ختم ہو گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی کتاب ”انباء الغمر ببناء العمر“ میں سات سو تہتر ۷۷۳ھ کے واقعات کے ذکر میں فرمایا کہ سلطان اشرف نے حکم دیا کہ وہ دوسرے لوگوں سے یوں ممتاز ہوں کہ ان کی دستاروں پر سبز پٹیاں ہوں پس یہ کام مصر اور شام وغیرہ میں کیا گیا اسی سلسلے میں ادیب ابو عبد اللہ بن جابر اندلسی نے کہا:

جعلوا لابیاء الرسول علامة
ان العلامة شان من لم يشهر
نور النبوة في كريم وجوههم
بغنى الشريف عن الطراز الاخضر
”ان لوگوں نے رسول اکرم ﷺ کی اولاد کے لئے ایک علامت مقرر کی لیکن علامت ان لوگوں کے

لئے ہوتی ہے جو مشہور نہ ہوں ان کے عزت والے چہروں میں نور نبوت نے سبز لباس سے شرف و عزت والوں کو بے نیاز کر دیا۔

اور ادیب شمس الدین دمشقی نے کہا:

اطراف تبجان ات من سندس
والا شرف السلطان خصهم بها
خضر باعلام علی الاشراف
شرفا لیفرقہم من الاطراف
”ریشمی چادروں کے سبز کنارے اشراف کی علامت بنی اور اشراف سلطان (شعبان بن حسن بن ناصر محمد بن قلاوون) نے ان لوگوں کو اس نشانی کے ساتھ خاص کیا کہ ان کو یہ شرف حاصل ہو اور وہ ممتاز ہوں۔“ (الاعلام ج ۳ ص ۱۶۳ الدرر الکامنه ج ۲ ص ۱۹۰)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت

اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفتح: ۲۹)

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور باہم رحمہل رہیں۔

سورت کے آخر تک فضائل صحابہ بیان ہوئے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیچھے رسول ہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں تو فرمایا ”محمد رسول اللہ“ یہ مبتدا اور خبر ہے اور امام بیضاوی وغیرہ رحمہم اللہ نے فرمایا کہ یہ جملہ مبینہ ہے مشہود بہ کو بیان کرتا ہے اس (مشہود بہ) سے مراد یہ آیت کریمہ ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا (الفتح: ۲۸)

وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس (دین حق) کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بھی جائز ہے کہ ”رسول اللہ“ صفت ہو اور اسم گرامی ”محمد“ مبتدا محذوف (ہ) کی خبر ہو۔

یہ آیت ہر اچھے وصف پر مشتمل ہے۔

پھر آپ کے صحابہ کرام کی تعریف میں فرمایا:

وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ

اور آپ کے ساتھی (صحابہ کرام) کفار پر بہت سخت ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ۔
پس عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جن سے وہ
محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں وہ مومنوں
(المائدہ: ۵۴) کے لئے نرم اور کافروں پر سخت ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت کفار پر سختی اور مسلمانوں کے لئے رحمت بیان فرمائی پھر ان کی تعریف میں فرمایا وہ نہایت خلوص
سے نیک اعمال کرتے ہیں پس جو شخص ان کو دیکھے گا وہ ان کے وقار اور سیرت کو پسند کرے گا جس کی بنیاد ان کی نیتوں کا
خلوص اور اعمال کا اچھا ہونا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جن صحابہ کرام نے شام کو فتح کیا جب عیسائی ان کو دیکھتے تو
کہتے۔

اللہ کی قسم! یہ لوگ ان حواریوں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں) سے بہتر ہیں جن کی خبر ہمیں پہنچی ہے۔ ان
عیسائیوں نے سچ کہا کیونکہ اس امت محمدیہ خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کتب الہیہ میں نہایت عظمت کے ساتھ ہوا
جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي
الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطَاةً فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ
فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سَوَابِغِ يَصُوبِ الزُّرَّاعِ لِیَغِیْظَ بِهِمُ
الْكُفَّارَ۔ (النحل: ۲۹)

ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل
میں جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی
پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق (تخت) پر کھڑی ہوئی کسانوں کو
بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل چلیں۔
شطاہ اس کا پٹھا۔ فازرہ اس کو سخت اور مضبوط کیا۔ فاستغلظ دیر ہو کر لمبی ہوئی۔ فاستوی علی سوابغ یعجب
الزراعی اس کا سخت و مضبوط ہونا اور حسن منظر کسان کو اچھا لگتا اسی طرح حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام میں انہوں نے
آپ کو قوت دی مضبوط کیا مدد کی تو وہ آپ کے ساتھ اسی طرح ہیں جس طرح کسان کے لئے پودا ہوتا ہے اور اس کا
مقصد یہ ہے کہ کفار کو غصہ آئے اور جل جائیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے ایک روایت میں مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کریمہ کی روشنی میں ان شیعہ کی
تکفیر فرمائی ہے جو صحابہ کرام سے بغض رکھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ان (شیعہ) کو صحابہ کرام پر غصہ آتا ہے اور جسے صحابہ
کرام پر غصہ آئے وہ کافر ہے۔ ایک جماعت نے اس فتویٰ میں ان کی موافقت کی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل میں بے شمار احادیث مروی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ان کی تعریف کرنا اور ان سے
راضی ہونا کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے مغفرت اور بہت بڑے اجر کا وعدہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق اور سچا ہے اس
کے خلاف نہیں ہوتا اور اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا بھی نہیں ہے اور وہ سننے سننے والا ہے۔

اور آیت کریمہ ”وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا“ میں لفظ من
منہم میں من (بیان جنس کے لئے ہے) (یہ مطلب نہیں کہ بعض کا ذکر ہے)۔

صحابی کی تعریف

صحابی کی تعریف میں اختلاف ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ جس مسلمان نے نبی اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی اور آپ کی زیارت کی وہ صحابی ہے امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے اور شیخ ابن مدینی (علی بن عبد البر بن جعفر المدنی بصری) نے اسی کی طرف سبقت کی اور جیسا کہ ہمارے شیخ (امام سخاوی رحمہ اللہ) نے فرمایا ان کا قول یہ ہے:

من صحب النبی ﷺ اور اہ ولو ساعة
آپ کو دیکھا چاہے دن کی ایک ساعت ہو وہ آپ کے
من نہار فہو من اصحابہ۔
صحابہ کرام میں سے ہے۔

یہ رائج قول ہے۔

(الاعلام ج ۳ ص ۳۰۳ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۵۸ مفتاح السعادة ج ۲ ص ۱۶۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۲۸ شذرات الذهب ج ۲ ص ۸۱)
اور اسلام کی قید سے کفار نکل جائیں گے جنہوں نے آپ کی صحبت اختیار کی یا آپ کو دیکھا اگرچہ وہ آپ کے وصال
کے بعد اسلام قبول کرے۔

لیکن اس تعریف پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جو شخص آپ کی مجلس اختیار کرے یا آپ کی زیارت کرے اور وہ مؤمن ہو
پھر اس کے بعد مرتد ہو جائے اور اسلام کی طرف نہ لوٹے جیسا کہ عبید اللہ بن جحش تو وہ بالاتفاق صحابی نہیں ہے۔ ۱۔

(السيرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۳ ص ۶۶ الاصابہ ج ۵ ص ۵)

اسی طرح ابن خطل ۲ (السيرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۳ ص ۵۲) اور ربیع بن امیہ بن خلف حمی کا معاملہ ہے ربیعہ فتح مکہ
کے دن اسلام لانے والوں میں سے تھا حجۃ الوداع میں شریک ہوا اور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ سے حدیث
روایت کی۔ ۳۔ پھر وہ ذلیل و رسوا ہوا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور تھا وہ کسی بات پر غصے میں آیا اور روم چلا گیا وہاں
جا کر عیسائی بن گیا۔ ۴۔ (راجع ج ۲ ص ۲۲۳)

۱۔ عبید اللہ بن جحش نے اسلام قبول کیا اور حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر عیسائیت قبول کر لی اور اسی حالت میں مر گیا۔

۲۔ ابن خطل نے اسلام قبول کیا پہلے اس کا نام عبدالعزیٰ بن خطل تھا اسلام میں عبد اللہ نام رکھا گیا نبی اکرم ﷺ نے اسے صدقہ لینے بھیجا تو اس
کا جو غلام خدمت گار کے طور پر تھا اس نے اسے قتل کیا اور مرتد ہو گیا اور اس نے دو لوٹریاں حاصل کیں جو نبی اکرم ﷺ کی توہین پر مبنی گائے
گاتی حصص فتح مکہ کے دن اسے خانہ کعبہ کے پردوں کے پاس قتل کیا گیا۔

۳۔ اس نے یہ حدیث روایت کی کہ نبی اکرم ﷺ عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے تو میں آپ کی سواری کی چھاتی کے نیچے تھا آپ کی آواز بلند
آپ نے فرمایا اے ربیع اعلان کرو کہ اے لوگو! اللہ کے رسول ﷺ تم سے پوچھتے ہیں کیا تم جانتے ہو کہ یہ کونسا شہر ہے۔ (زرقاتی ج ۷ ص ۲۲)

۴۔ الاصابہ میں ہے کہ ربیعہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شراب پی پھر بھاگ کر شام چلا گیا پھر قیصر کے پاس گیا اور عیسائی
بن گیا اور بالآخر اسی حالت میں مر گیا۔ عبدالرزاق اور نسائی نے بیان کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے ملک بدر کیا وہ عیسائی بن کر
روی بادشاہ کے پاس چلا گیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا آئندہ میں کسی کو ملک بدر نہیں کروں گا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی سند میں اس سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے لیکن یہ نقل مشکل ہے شاید امام احمد اس کے مرتد ہونے پر مطلع نہ ہوئے۔

تو مناسب یہ ہے کہ صحابی کی تعریف میں یہ اضافہ کیا جائے کہ وہ شخص حالت اسلام پر ہی دنیا سے رخصت ہو۔
اگر مرتد ہو جائے پھر اسلام کی طرف لوٹ آئے لیکن دوبارہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت نہ کر سکے تو صحیح یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام میں شامل ہوگا۔ (احناف کے نزدیک وہ صحابہ کرام میں شامل نہیں ہوگا یہ شافعی فقہ کے مطابق ہے)۔
کیونکہ محدثین نے بالاتفاق اشعث بن قیس وغیرہ کو صحابی شمار کیا اور ان لوگوں سے اپنی مسانید میں احادیث روایت کی ہیں۔

لیکن حافظ زین الدین عراقی نے فرمایا کہ یہ بات بہت زیادہ محل نظر ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرتد ہونا اعمال کو ضائع کر دیتا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الام“ میں یہی فرمایا ہے۔
اگرچہ (امام شافعی رحمہ اللہ سے) امام رافعی نے نقل کیا کہ اعمال اس صورت میں ضائع ہوتے ہیں جب ارتداد اس کی موت سے متصل ہو اس وقت ظاہر ہے کہ ارتداد پہلی صحبت کو ضائع کر دیتا ہے لیکن جو شخص نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اسلام کی طرف لوٹ آئے جس طرح عبد اللہ بن ابی سرح تو اس کے دوبارہ اسلام میں داخل ہونے کی وجہ سے صحابیت کا شرف حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

کیا نبی اکرم ﷺ کی زیارت کرنے والے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ دیکھ کر امتیاز بھی کر سکے یا محض دیکھنا کافی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بات محل نظر ہے اور صحابہ کرام کے بارے میں کتب تصنیف کی ہیں ان کا عمل دوسری بات پر دلالت کرتا ہے (یعنی محض دیکھنا کافی ہے) انہوں نے حضرت محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی مثال ذکر کی کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے وصال سے تین دن پہلے پیدا ہوئے جیسا کہ ثابت ہے کہ ان کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ان کو جنم دیا اور یہ ذی قعدہ ۱ھ کے آخر کی بات ہے۔

اور ان میں سے بعض نے مبالغہ سے کام لیا چنانچہ وہ ان ہی لوگوں کو صحابہ کرام میں شمار کرتے تھے جنہوں نے عرفی صحبت اختیار کی۔ (ملاقات وغیرہ) حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ صحابہ کرام میں ان ہی لوگوں کو شمار کرتے تھے جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ رہے ہیں یا آپ کے ساتھ ایک یا زیادہ غزوات میں شریک ہوئے اور عمل اس قول کے خلاف پر ہے۔

ان میں سے بعض نے یہ شرط رکھی ہے کہ بلوغت کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اجتماع ہو لیکن یہ قول بھی مردود ہے کیونکہ اس طرح حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور دیگر نو عمر صحابہ کرام صحابیت سے خارج ہو جائیں گے۔
جہاں تک زیارت کی قید کا تعلق ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ جب اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اگر رکاوٹ ہو جس طرح حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ تاہنا تھے تو وہ قطعی طور پر صحابہ ہیں پس زیادہ بہتر یہ ہے کہ زیارت کی بجائے ملاقات کی

قید لگائی جائے تاکہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بھی اس میں داخل ہو جائیں۔
حافظ زین الدین العراقي نے فرمایا کہ ان کا قول ”جو شخص نبی اکرم ﷺ کی زیارت کرے“ سے کیا آپ کو حالت نبوت میں دیکھنا مراد ہے یا یہ بات اس سے عام ہے تاکہ وہ بھی داخل ہو سکیں جنہوں نے آپ کو (اعلان) نبوت سے پہلے دیکھا اور وہ اعلان نبوت سے پہلے دین حنفیہ (دین ابراہیمی) پر انتقال کر گئے جس طرح حضرت زید بن عمرو بن نفیل ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انہ یبعث امة وحده۔ وہ تھا ایک امت کی شکل میں اٹھائے جائیں گے۔

ابو عبد اللہ بن مندہ نے ان کو صحابہ کرام میں ذکر کیا ہے اسی طرح جس نے آپ کو اعلان نبوت سے پہلے دیکھا پھر وہ غائب رہا اور بعثت نبوی کے زمانہ تک زندہ رہا پھر اسلام لایا اس کے بعد اس کا انتقال ہوا اور اس نے نبی اکرم ﷺ کو نہیں دیکھا۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے اس قسم کے لوگوں کا مسئلہ چھیڑا ہو اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ نبوت کے بعد آپ کو دیکھا ہو (تو وہ صحابی ہے) کیونکہ محدثین نے نبی اکرم ﷺ کے ان صاحبزادوں کو جو نبوت کے بعد پیدا ہوئے جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہما صحابہ کرام میں شمار کیا لیکن جو نبوت سے پہلے پیدا ہوئے اور انتقال کر گئے جیسے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ ان کو صحابہ کرام میں شمار نہیں کیا۔

اور کیا یہ ساری باتیں انسانوں سے خاص ہیں یا ان کے علاوہ عقل والوں کو بھی شامل ہیں تو یہ بات محل نظر ہے۔ جہاں تک جنوں کا تعلق ہے تو رائج بات یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام میں داخل ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو ان کی طرف مبعوث کیا گیا یہ قطعی بات ہے اور وہ مکلف بھی ہیں ان میں نافرمان بھی ہیں اور اطاعت گزار بھی پس ان میں سے جس کا نام معلوم ہو تو اسے صحابہ کرام میں شمار کرنے میں کوئی تردد مناسب نہیں ہے۔

ابن اثیر نے اس سلسلے میں ابو موسیٰ مدینی پر عیب لگایا لیکن اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں دی۔ ۱۔
جہاں تک ملائکہ کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی جائے جب تک ان کی طرف بعثت ثابت نہ ہو کیونکہ اس میں اصولیوں کا اختلاف ہے حتیٰ کہ بعض نے اس کے ثبوت پر اجماع نقل کیا اور بعض نے اس کے برعکس کہا۔
یہ سب باتیں اس شخص کے بارے میں ہیں جس نے آپ کو آپ کی دنیوی زندگی میں دیکھا ہو جس نے آپ کو آپ کے وصال کے بعد لیکن دفن ہونے سے پہلے دیکھا (جس طرح ابو ذؤیب ہذلی شاعر ہے) تو رائج قول یہ ہے کہ وہ صحابی نہیں ہے ورنہ جس کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہوتا کہ اس نے آپ کے جسم اقدس کو قبر انور میں دیکھا ہے اسے صحابہ کرام میں شمار کیا جاتا۔ (الاصابح ج ۳ ص ۲۱۰ ترجمہ اشباح رقم الحدیث: ۳۹۱۳)

اسی طرح اولیاء کرام میں سے جو کشف کے ذریعے بطور کرامت آپ کی زیارت کرے اس کا بھی یہی حکم ہے اور یہ بحث چوتھے مقصد میں نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

قبر انور میں زیارت کرنے والے کی صحابیت کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ جاری و ساری ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیوی زندگی نہیں ہے بلکہ یہ اخروی زندگی ہے جس کے ساتھ احکام دنیا متعلق نہیں ہوتے۔

۱۔ ابن حزم نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ کئی جن ایمان لائے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے قرآن مجید سنا پس وہ فضیلت والے صحابہ ہیں۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۸)

اور جو شخص آپ کو خواب میں دیکھے اور اس نے واقعی آپ کو دیکھا ہے تو یہ امور معنویہ کی بات ہے دنیوی احکام نہیں ہیں اس لئے وہ صحابی شمار نہیں ہوگا اور اس حالت میں آپ جو حکم دیں اس پر عمل واجب نہیں ہوگا۔

صحابہ کرام مخلوق میں سے بہترین ہیں

پہلے اور پچھلے تمام جمہور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہیں اور انبیاء کرام نیز خاص مقرب فرشتوں کے بعد سب سے افضل ہیں کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا
ثم الذین یلونہم زمانہ جو ان (میرے زمانے کے لوگوں) سے ملے ہوئے
ہیں پھر وہ جو ان سے متصل ہیں۔

صحیح بخاری میں ہی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم میری امت کے سب سے بہتر لوگ میرے زمانے
الذین یلونہم کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان سے متصل ہیں پھر وہ جو ان سے
متصل ہیں۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ آپ نے اپنے زمانے (کے ذکر) کے بعد دو مرتبہ فرمایا
تین بار ذکر کیا۔

”فتح الباری میں ہے کہ“ ایک زمانے کے لوگ جو قریب قریب ہوں ان کو قرن کہا جاتا ہے یہ لوگ مقصودی امور میں
سے کسی ایک بات میں باہم شریک ہوتے ہیں اور زمانے کی ایک مدت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے لیکن اس کی حد بندی میں
اختلاف ہے دس سال سے ایک سو بیس سال تک بیان کی گئی ہے لیکن میں نے کسی ایک شخص کو نہیں دیکھا جس نے نوے
سال یا ایک سو دس کی تصریح کی ہو۔ اور اس کے علاوہ کا کوئی نہ کوئی قائل ہے۔

صاحب محکم نے کہا کہ زمانے والوں کی عمروں کی درمیانی مقدار ہے اور یہ سب سے مناسب قول ہے۔
اور اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے قرن سے صحابہ کرام مراد ہیں اور مقصد اول کے شروع میں یہ حدیث گزر چکی
ہے کہ آپ نے فرمایا:

بعثت من خیر قرون بنی آدم مجھے انسانوں کے بہترین زمانے یعنی بہترین لوگوں
میں مبعوث کیا گیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت پریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیر هذه الامة القرن الذی بعثت فیہم اس امت کے سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن میں
مجھے مبعوث کیا گیا۔

آخری انتقال کرنے والے صحابی

حفاظ ائمہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام میں سے سب سے آخر میں انتقال کرنے والے صحابی جن پر سب کا اتفاق ہے اور کوئی اختلاف نہیں وہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیشی ہیں جس طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے اس بات کو یقینی قرار دیا۔ صحیح قول کے مطابق ان کا وصال ۱۰۰ھ میں ہوا ایک قول کے مطابق ۱۰۱ھ میں اور ایک دوسرے قول کے مطابق ۱۰۰ھ میں انتقال فرمایا امام ذہبی نے اسی (آخری) قول کو صحیح قرار دیا اور یہ قول نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق ہے جو آپ نے وصال سے ایک مہینہ پہلے فرمایا:

على راسة مائة سنة لا يبقى على وجه الارض ممن هو عليها اليوم احد.
 ایک سو سال کے بعد روئے زمین پر ان لوگوں میں سے کوئی ایک بھی باقی نہیں رہے گا جو اس وقت موجود ہیں۔
 "صحیح مسلم کی" ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا:
 ارايتكم ليلتكم هذه فانه ليس من نفس منقوسة تاتي عليها مائة سنة.
 کیا تم اپنی اس رات کو دیکھتے ہو کسی زندہ نفس پر سوواں سال نہیں آئے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۷۰-۲۱۸-۲۱۹ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۵۱ مسند احمد ج ۱ ص ۹۳ ج ۳ ص ۳۲۵)
 اور یہ جو ذکر کیا کہ حضرت ٹکراش بن ذویب جنگ جمل کے بعد ایک سو سال تک زندہ رہے تو یہ بات صحیح نہیں ہے اور اگر صحیح ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ جنگ جمل کے بعد ان کے سو سال پورے ہوئے یہ مطلب نہیں کہ اس جنگ کے بعد وہ سو سال باقی رہے جس طرح ائمہ حدیث نے بیان کیا ہے۔
 اور وہ جو بابارتن ۱ وغیرہ کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے تو جس شخص کے پاس تھوڑی سی عقل بھی ہے وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا اور گرد و نواح کے لوگوں میں سے جس صحابی کا وصال آخر میں ہوا تو ابن مندہ نے اس سلسلے میں کتاب لکھی ہے۔

مجموعی فضیلت ہے یا افراد کی فضیلت ہے؟

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی "ثم الدين يلو نهم" سے مراد تابعین ہیں جو اس قرن والوں سے ملے ہوئے ہیں اس کے بعد "ثم الدين يلو نهم" میں تبع تابعین کا ذکر ہے اور اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ صحابہ کرام تابعین سے افضل ہیں اور تابعین تبع تابعین سے افضل ہیں لیکن یہ فضیلت جماعتی اعتبار سے ہے یا افراد کے حوالے سے؟
 ابن عبد البر پہلے قول کے قائل ہیں جیسا کہ چوتھے مقصد میں اس امت کے خصائص کے سلسلے میں یہ بات گند چکی ہے اور انہوں نے اس گزشتہ گفتگو کے علاوہ اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

۱ امام ذہبی نے اپنی "تجريد" میں فرمایا کہ رتن ہندی ایک شیخ چھ سو سال بعد مشرق میں ظاہر ہوا اور اس نے صحابیت کا دعویٰ کیا اور جاہلوں نے اس سے سنایا یہ کہ اس کا کوئی وجود نہیں بلکہ بعض جموں نے لوگوں نے یہ واقعہ گھڑا میزاں میں فرمایا کہ رتن ایک دجال ہے جو ہجرت کے چھ سو سال بعد

مثل امتی مثل المطر لا یدری آخره خیر میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے معلوم نہیں ام اولہ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ یہ حدیث حسن ہے اور اس کے کئی طرق ہیں جن کی بنیاد پر یہ درجہ صحت کو پہنچتی ہے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر رحمہ اللہ سے جو ایک تابعی ہیں، حسن سند کے ساتھ روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے تین بار ارشاد فرمایا:

لیدر کن المسیح اقواما انہم لمثلکم او خیر۔
حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام ایسی اقوام کو پائیں گے جو تمہاری مثل ہوں گی یا بہتر ہوں گی۔
پھر تین بار فرمایا:

ولن یخزی البلیہ انا اولہا والمسیح آخرہا۔
اور اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی ذلیل نہیں کرے گا جس کے شروع میں میں اور آخر میں حضرت مسیح علیہ السلام ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۹۹ فتح الباری ج ۷ ص ۶)

امام ابو داؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

ایسا زمانہ آئے گا کہ عمل کرنے والوں کو پچاس کے برابر ثواب ملے گا عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ان میں سے پچاس یا ہم میں سے پچاس کے برابر؟ فرمایا بلکہ تم میں سے پچاس کے برابر۔
یہ حدیث اس حدیث کی شاہد ہے جس میں فرمایا:

مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر ام اخرہ۔
میری امت کی مثال بارش جیسی ہے معلوم نہیں اس کا اول بہترین ہے یا اس کا آخر۔

لیکن گذشتہ حدیث ”کہ عمل کرنے والے کو پچاس کے برابر ثواب ملے گا“ غیر صحابہ کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ محض اجر کا زیادہ ہونا افضلیت مطلقہ کو ثابت نہیں کرتا نیز اجر کی فضیلت برابر کے لوگوں کی نسبت سے ہوتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے مشاہدہ کی فضیلت

جن لوگوں کو آپ کے مشاہدہ کی فضیلت حاصل ہوئی تو اس فضیلت میں کوئی دوسرا ان کے برابر نہیں ہو سکتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے آپ کے ہمراہ یا آپ کے زمانے میں آپ کے حکم پر جہاد کیا یا اس کے لئے اپنے مال سے کچھ خرچ کیا تو بعد والوں میں سے کوئی بھی ان کی اس فضیلت تک نہیں پہنچ سکتا۔

ارشاد خداوندی ہے:

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتِلْ أُولَئِکَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِینَ أَنْفَقُوا مِنْ تَمِمْ مِنْ سَعِیْ کَیْ لَئِیْ لَا یُؤْخَذَ بِذُنُوبِہِمْ یَوْمَئِذٍ سَیْ جَزَیْہُمْ بِمَا کَانُوا یَعْمَلُونَ

تم میں سے کوئی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتا جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا ان لوگوں کا

بَعْلًا وَلَا تَكَلُّوا. (الحمدید: ۱۰)

درجہ ان لوگوں سے بہت بڑا ہے جنہوں نے بعد میں خرچ

کیا اور جہاد کیا۔

اسی طرح ان لوگوں کا درجہ بھی بلند ہے جنہوں نے آپ ﷺ سے شریعت کو حاصل کر کے بعد والوں تک پہنچایا۔ پس جمہور اور ابن عبد البر کے درمیان اختلاف کا نتیجہ صرف ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے صرف آپ کی زیارت کی اور یہ بات واضح ہے کہ جو مرتبہ ان کو حاصل ہوا وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا اس طرح گذشتہ احادیث کے درمیان تطبیق کی جاسکتی ہے۔

طبقات صحابہ رضی اللہ عنہم

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تین قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

۱۔ مہاجرین ۲۔ انصار (اور یہ اوس خزر ج اور ان کے حلیف اور آزاد کردہ غلام ہیں)۔

۳۔ وہ جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔

ابن اثیر نے ”الجامع میں“ فرمایا کہ مہاجرین، انصار سے افضل ہیں اور یہ اجمالی طور پر ہے لیکن تفصیل یہ ہے کہ انصار کی (اسلام میں) سبقت کرنے والی جماعت متاخرین مہاجرین سے افضل ہے اور سبقت کرنے والے مہاجرین سبقت کرنے والے انصار سے افضل ہیں پھر اس کے بعد ان کے درجات میں تفاوت ہے کئی حضرات جو اسلام دیر سے لائے لیکن وہ پہلے کرنے والوں سے افضل ہیں جیسے حضرت عمر فاروق اور حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہما علماء کرام نے صحابہ کرام کے لئے ترتیب کے ساتھ طبقات کا ذکر کیا ہے اس طرح تقسیم کرنے والوں میں امام حاکم رحمہ اللہ بھی ہیں جنہوں نے ”علوم الحدیث میں“ یہ طریقہ اختیار کیا۔

پہلا طبقہ: وہ لوگ جو اعلان نبوت کے ساتھ ہی مکہ مکرمہ میں اسلام لائے اور یہ لوگ مسلمانوں میں سبقت کرنے والے ہیں جیسے حضرت خدیجہ بنت خویلد، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت زید بن حارثہ اور عشرہ مبشرہ میں سے باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

سب سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا تو اس سلسلے میں اختلاف مقصد اول میں گزر چکا ہے۔

دوسرا طبقہ: دارالندوہ والے حضرات یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کو دارالندوہ میں لے گئے اور اہل مکہ کی ایک جماعت نے اسلام قبول کیا۔

تیسرا طبقہ: جنہوں نے اپنے دین کی حفاظت اور مشرکین مکہ کی اذیتوں سے بچنے کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کی ان میں حضرت جعفر بن ابی طالب اور ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہما بھی تھے۔

چوتھا طبقہ: عقبہ اولیٰ ۱۔ والے حضرات یہ لوگ انصار میں سے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں اور یہ چھ حضرات تھے اور عقبہ ثانیہ والے جو دوسرے سال آئے اور وہ بارہ حضرات تھے وہ بھی اسی طبقہ میں شامل ہیں دونوں عقبہ

۱۔ یہ انصار تھے جو عمر عقبہ کے پاس نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جمع ہوئے اور جو دوسرے سال حاضر ہوئے وہ عقبہ ثانیہ والے کہلاتے ہیں۔

والوں کے اسمائے گرامی مقصد اول میں مذکور ہو چکے ہیں۔

پانچواں طبقہ: یہ عقبہ ثالثہ والے ہیں اور یہ انصار میں سے ستر افراد تھے ان میں حضرت براء بن معرور، عبداللہ بن عمرو بن حرام، سعد بن عبادہ، سعد بن ربیع اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

چھٹا طبقہ: یہ وہ مہاجرین صحابہ کرام ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد آپ کے پاس اس وقت پہنچے جب آپ قبا میں تھے اور ابھی مسجد شریف کی تعمیر بھی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی آپ مدینہ طیبہ منتقل ہوئے تھے۔

ساتواں طبقہ: بدر کبریٰ والے حضرات ہیں نبی اکرم ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ والے واقعہ ۱ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: (السيرة النبوية ابن هشام ج ۳ ص ۴۱)

وما يدريك لعل الله اطلع على هذه العصابة من اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم.

(السيرة النبوية لابن هشام ج ۳ ص ۳۲ صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۰۸۱-۳۲۷۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۱۱ مسند احمد ج ۱ ص ۷۹ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۸۴ معجم الکبیر ج ۱ ص ۹۹)

آٹھواں طبقہ: وہ صحابہ کرام جنہوں نے بدر اور حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی۔

نواں طبقہ: بیعت رضوان والے حضرات جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے بیعت کی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا يدخل النار ان شاء الله تعالى من اصحاب الشجرة احد. (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۷۳)

ان شاء اللہ تعالیٰ درخت (کے نیچے بیعت کرنے) والوں میں سے ایک بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔

دسواں طبقہ: وہ لوگ جنہوں نے حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی جیسا کہ حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن عامر رضی اللہ عنہما ان میں سے بعض کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مثال دی گئی لیکن حافظ عراقی نے کہا کہ ان سے مثال دینا صحیح نہیں کیونکہ انہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے اور فتح خیبر کے بعد ہجرت کی بلکہ اس کے آخر میں کی۔

گیارہواں طبقہ: وہ لوگ جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور یہ بہت سے لوگ ہیں ان میں سے بعض نے خوشی سے اسلام لے حاطب بن ابی بلتعہ بدری صحابی ہیں فتح مکہ سے پہلے انہوں نے اہل مکہ کو خط لکھ کر راز قاش کرنا چاہا تھا اور حضور علیہ السلام نے اس عورت کو جو

یہ خط لے جا رہی تھی اسے گرفتار کروایا حضرت حاطب نے اپنا عذر پیش کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو معاف کر دیا۔ ۱۲ ہزاروی

ج "لعل" (جو امید کے لئے آتا ہے) اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے کلام میں قطعیت کے لئے آتا ہے لہذا ان کی بخشش یقینی تھی اور ان کے اچھے اعمال کی پیشگوئی تھی یہ مطلب نہیں کہ وہ جو چاہیں کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی صادر ہی نہیں ہوگی۔ ۱۲ ہزاروی

ج امام زرقانی فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں یہ کیا ہے کیونکہ صلح حدیبیہ فی قعدہ ۶ھ میں ہوا اور فتح خیبر کا واقعہ ۷ھ میں محرم کے آخر میں ہوا آپ نے محاصرہ کیا اور آخر میں حضرت ابو ہریرہ تشریف لائے تو صلح حدیبیہ سے پہلے کیسے ہجرت کی حالانکہ حدیبیہ کا واقعہ فتح خیبر سے پہلے کا ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۳۵)

امام طبرانی نے ایک روایت میں یہ اضافہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ یہ بات سنتے لیکن اس پر اعتراض نہ فرماتے۔ حضرت خثیمہ بن سلیمان نے ”فضائل الصحابہ میں“ سمیل بن ابی صالح سے روایت کیا وہ اپنے باپ سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ہم کہا کرتے تھے کہ جب حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم چلے جائیں گے تو لوگ برابر ہو جائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ یہ بات سنتے لیکن اعتراض نہ فرماتے۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا گیا۔

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ہے۔ اور بعض اسلاف کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مقدم ہیں حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ بھی اس بات کے قائلین میں سے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دی جائے یہ بات امام مالک رحمہ اللہ سے ”المدونہ میں“ نقل کی گئی اور ایک جماعت نے ان کی اتباع کی جن میں حضرت یحییٰ بن قتان بھی شامل ہیں۔ ابن معین نے کہا جس نے (اس ترتیب سے کہا) حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے ان کی سبقت اور فضیلت کو پہچانا وہ سنت والا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اکتفا کرے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے فضیلت کی پہچان نہ رکھتا ہو وہ مذموم ہے۔

ابن عبد البر نے دعویٰ کیا ہے کہ تین صحابہ کرام یعنی حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم پر اکتفا کرنا اہل سنت کے خلاف قول ہے کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان تین کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ اس بات کا یوں تعاقب کیا گیا کہ آپ کی فضیلت سے خاموشی کا مطلب آپ کی فضیلت سے انکار نہیں پس اہل سنت و جماعت کے نزدیک قطعی بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں ان دونوں کے بعد اختلاف ہے جمہور کے نزدیک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مقدم ہیں حضرت امام مالک رحمہ اللہ توقف فرماتے ہیں اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور مستند بات یہ ہے کہ ان چاروں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی خلافت اور آپ کے دین کو قائم کرنے کے لئے پسند فرمایا پس اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مقام ان کی ترتیب خلافت کے اعتبار سے ہے۔

عشرہ مبشرہ میں سے باقی کی فضیلت

امام ابو منصور بغدادی فرماتے ہیں ہمارے اصحاب کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان (عشرہ مبشرہ) میں سے افضل چاروں خلفاء ہیں پھر باقی چھ ہیں یعنی حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت سعدؓ حضرت سعیدؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔

امام ترمذی نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

قبول کیا اور بعض بددلی سے اسلام لائے لیکن بعد میں بعض کا اسلام نہایت اچھا ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو بہتر جانتا ہے۔ بارہواں طبقہ: وہ بچے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو پایا اور فتح مکہ کے سال اور اس کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر اور اس کے علاوہ آپ کی زیارت کی جیسے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ پھر فتح مکہ کے بعد ہجرت کا سلسلہ ختم ہو گیا صحیح قول یہی ہے۔

صحابہ کرام کی تعداد

جہاں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کا تعلق ہے تو جس نے ان کو شمار کرنے کا قصد کیا اس نے ایک بعید کام کا قصد کیا اور اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کیونکہ بعثت کے آغاز سے نبی اکرم ﷺ کے وصال تک اسلام لانے والوں کی بہت زیادہ تعداد ہے اور وہ مختلف شہروں اور دیہاتوں میں بکھر گئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے سے متعلق اپنے واقعہ میں بتایا کہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام بے شمار ہیں کوئی رجسٹر ان کو جمع نہیں کرتا۔ لیکن بعض غزوات میں ان کی تعداد ضبط میں آئی جس طرح غزوہ تبوک ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے سال نبی اکرم ﷺ دس ہزار مجاہدین کے ساتھ تشریف لے گئے، حنین کی طرف بارہ ہزار کو لے کر گئے حجۃ الوداع میں نوے ہزار اور تبوک کی طرف ستر ہزار تشریف لے گئے اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام موجود تھے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

صحابہ کرام میں سے افضل

پھر اہل سنت و جماعت کے نزدیک ان میں مطلقاً سب سے زیادہ فضیلت والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہم صحابہ کرام کے درمیان سب سے افضل کا انتخاب کرتے تو حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق اور پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کو اختیار کرتے۔

حضرت عبید اللہ بن عمر حضرت نافع (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے حضرت عمر فاروق اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما (کے برابر کسی کو نہ سمجھتے) پھر ہم صحابہ کرام کو چھوڑ دیتے اور ان میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو قرار نہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ان کی مثل نہیں سمجھتے تھے۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے حضرت سالم کے طریق سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ (ظاہر زندگی کے ساتھ) زندہ تھے تو ہم کہا کرتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد آپ کی امت میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم۔

(یہ) دس افراد جنت میں جائیں گے ابو بکر جنت میں جائیں گے، عمر جنتی ہیں عثمان جنت میں جائیں گے، علی زبیر، طلحہ، عبدالرحمن بن عوف، ابو عبیدہ بن جراح اور سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم) آپ نے نو کو شمار کیا اور دسویں سے خاموش رہے۔

قوم نے کہا ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتے ہیں (بتائیے) دسواں کون ہے؟ فرمایا تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دی ہے سعید بن زید جنت میں جائیں گے یعنی انہوں نے اپنے بارے میں فرمایا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۳۹، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۳۸، المسند رک ج ۳ ص ۳۱۶-۳۲۰، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۳۱۰۵)

برار لیس کا واقعہ

(ار لیس مدینہ طیبہ میں قبا کے قریب ایک باغ تھا) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مسجد نبوی شریف کی طرف نکلے تو نبی اکرم ﷺ کے بارے میں پوچھا صحابہ کرام نے بتایا کہ آپ اس طرف کو تشریف لے گئے ہیں فرماتے ہیں میں آپ کے پیچھے گیا حتیٰ کہ آپ برار لیس میں تشریف لے گئے میں دروازے کے پاس بیٹھ گیا اور اس کا دروازہ کھجور کی ٹھنیوں کا بنا ہوا تھا حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے اور آپ نے وضو فرمایا تو میں آپ کی طرف کھڑا ہوا آپ برار لیس کے گرد (کنویں کے گرد) تشریف فرما تھے اور اس کی منڈیر درمیان میں تھی میں دروازے کے پاس بیٹھ گیا اور میں نے (دل میں) کہا کہ آج کے دن میں نبی اکرم ﷺ کا دربان بنوں گا۔

اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون ہے؟ فرمایا ابوبکر ہوں میں نے کہا ٹھہریے پھر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں اور اجازت مانگتے ہیں آپ نے فرمایا ان کو اجازت دو اور جنت کی خوشخبری بھی دو میں آیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اندر تشریف لائیں اور نبی اکرم ﷺ آپ کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دائیں جانب کنویں کی منڈیر پر تشریف فرما ہوئے اور رسول اکرم ﷺ کی طرح اپنے پاؤں کنویں میں لٹکا دیئے اور اپنی پنڈلیوں کو نگار کھا میں واپس آ کر بیٹھ گیا اور میں اپنے بھائی کو گھر میں وضو کرتا ہوا چھوڑ گیا تھا کہ وہ مجھ سے مل جائیں گے میں نے کہا اللہ تعالیٰ فلاں (یعنی میرے بھائی) کے لئے نیکی کا ارادہ فرمائے تو اسے (یہاں) لے آئے۔

اتنے میں کسی نے دروازے کو حرکت دی تو میں نے پوچھا کون ہے؟ کہا عمر بن خطاب ہوں میں نے کہا رک جائیے پھر میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضرت عمر بن خطاب اجازت طلب کرتے ہیں آپ نے فرمایا ان کو اجازت دو اور جنت کی خوشخبری بھی دو میں نے کہا داخل ہو جائیں اور رسول اکرم ﷺ آپ کو جنت کی خوشخبری دے رہے ہیں۔

وہ بھی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آپ کی بائیں جانب کنویں کی منڈیر پر تشریف فرما ہوئے اور اپنے پاؤں کنویں میں لٹکا دیئے میں واپس آیا اور (دل میں) کہہ رہا تھا اگر اللہ تعالیٰ فلاں (یعنی میرے بھائی) سے بھلائی کا ارادہ فرمائے تو اسے لے آئے اب ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون ہے؟ فرمایا عثمان بن عفان ہوں میں نے کہا ٹھہر

جائیے اور میں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا ان کو اجازت دیں اور اس مصیبت پر جو ان کو پہنچے گی جنت کی خوشخبری دیں میں آیا اور کہا داخل ہو جائیں اور رسول اکرم ﷺ آپ کو اس مصیبت پر جو آپ کو پہنچے گی جنت کی خوشخبری دیتے ہیں چنانچہ وہ داخل ہوئے تو منذر کو بھرا ہوا پایا چنانچہ وہ آپ کے سامنے دوسری جانب تشریف فرما ہوئے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۴۳، معجم البلدان ج ۱ ص ۲۹۸، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹، جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۱۰، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۵، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۵۶، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۳۲۷، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۸، ج ۳ ص ۲۳، مشکل الآثار ج ۲ ص ۸۴، تحف السادة المتین ج ۷ ص ۷۸، تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۲۱۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۶۳۱۷)

حضرت شریک فرماتے ہیں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس کی تعبیر ان حضرات کی قبروں سے کرتا ہوں۔ اس حدیث کو امام احمد، امام مسلم اور ابو حاتم رحمہم اللہ نے روایت کیا اور امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا۔ امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اس کی مثل حضرت ابوسلمہ کے واسطے سے حضرت نافع بن عبد الحارث خزاعی سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کے باغوں میں سے ایک باغ میں داخل ہوئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا دروازے پر ٹھہر جائیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر اجازت طلب کی۔ اس کے بعد اسی طرح ذکر کیا۔

امام طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نافع بن حارث ہی اجازت طلب کرتے تھے۔ تو یہ بات واقعہ کے تکرار پر دلالت کرتی ہے لیکن شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے واقعہ کے متعدد نہ ہونے کو صحیح قرار دیا نیز یہ کہ یہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے اور دوسروں کے قول کو وہم قرار دیا اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

لقد بشر الهادی من الصحب زمرة

بجنات عدن کلهم فضله اشهر

سعد زبیر سعد طلحة عامر

ابو بکر عثمان بن عوف علی عمر

”ہدایت دینے والے (نبی ﷺ) نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو جنت عدن کی خوشخبری دی اور ان سب کی فضیلت مشہور ہے حضرت سعید زبیر، سعد، طلحہ، عامر (ابو عبیدہ بن جراح)، ابوبکر صدیق، عثمان غنی، عبد الرحمن بن عوف، علی المرتضیٰ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم۔“

ابوالولید بن الشحہ (محمد بن محمد الحلی ادیب، حنفی فقہی، متوفی ۸۱۵ھ) نے کہا:

اسماء عشر رسول الله بشرهم

بجنة الخلد عمن زانها و عمر

سعد سعید علی عثمان طلحة

ابو بکر ابن عوف ابن جراح الزبیر عمر

”وہ دس صحابہ کرام جن کو نبی اکرم ﷺ نے جنت الخلد کی خوشخبری دی کہ وہ اسے زینت بخشیں گے اور آباد کریں گے ان کے نام یہ ہیں حضرت سعد، سعید، علی، عثمان، طلحہ، ابوبکر، عبد الرحمن بن عوف، عبیدہ بن جراح، زبیر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم۔“ (الاعلام ج ۷ ص ۳۳، سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۱۶۱، الضوء المجمع ج ۱ ص ۳)

افضیلت و محبت

سوال: جو شخص چاروں خلفاء کی افضلیت معلوم ترتیب کے مطابق مانتا ہو لیکن کسی سے دوسرے کے مقابلے میں زیادہ محبت کرتا ہو تو کیا وہ گناہ گار ہو گا یا نہیں؟

جواب: شیخ الاسلام ولی بن عراقی نے فرمایا محبت بعض اوقات کسی دینی بات کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی دنیوی معاملہ کی بنیاد پر ہوتی ہے تو دینی محبت افضلیت کے لئے لازم ہے جو افضل ہو اس سے ہماری دینی محبت زیادہ ہوگی پس جب ہم ان میں سے ایک کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ وہ افضل ہے پھر ہم اس کے غیر سے دین کے حوالے سے زیادہ محبت کریں تو یہ تناقض ہے ہاں اگر ہم کسی دنیوی وجہ سے افضل کے مقابلے میں غیر افضل سے زیادہ محبت کریں جیسے رشتہ داری یا احسان وغیرہ تو اس میں کوئی تناقض اور امتناع نہیں ہے۔

پس جو شخص اس بات کا اعتراف کرے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد امت میں سے سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں لیکن وہ مثلاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت کرے تو اگر یہ محبت دینی ہے تو اس کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کیونکہ دینی محبت افضلیت کو لازم ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

تو ایسا شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا محض زبانی دعویٰ کرتا ہے جب کہ دل سے وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتا ہے کیونکہ وہ ان سے دینی اعتبار سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں زیادہ محبت کرتا ہے اور یہ جائز نہیں اور اگر یہ دنیوی محبت ہو کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہے یا اس کے علاوہ کوئی سبب ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں۔ واللہ اعلم

صحابہ کرام کی محبت اور اس کی علامت

طبری نے "الریاض النضرۃ فی فضائل العشرة" میں "ملاء (عمر مصلی) کی طرف نسبت کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی (کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا):

ان الله افترض عليكم حب ابي بكر و
عمر و عثمان و علي كما افترض الصلوة
و الزكاة و الصوم و الحج فمن انكر فضلهم فلا
تقبل منه الصلوة ولا الزكاة ولا الصوم ولا
الحج۔
بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی محبت اسی طرح لازم کی جس طرح نماز یا زکوٰۃ، روزہ اور حج فرض کیا پس جو شخص ان کی فضیلت کا انکار کرے اس کی نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج قبول نہ ہوگا۔

حافظ (ابو طاہر احمد بن محمد بن احمد بن ابراہیم اصفہانی) سلفی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں جو مشائخ کے ذکر میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث ذکر کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حب ابي بكر و احب علي امتي۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت میری

امت پر لازم ہے۔

اور انصاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اے ابوبکر! کاش میں اپنے بھائیوں سے ملتا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے بھائی ہیں آپ نے فرمایا نہیں تم میرے صحابہ کرام ہو میرے بھائی وہ ہیں جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا اور انہوں نے میری تصدیق کی اور مجھ سے محبت کی حتیٰ کہ میں ان میں سے ایک کے نزدیک اس کی اولاد اور والد سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ تم میرے اصحاب ہو اے ابوبکر! کیا تم اس قوم سے محبت نہیں کرتے جو تم سے اس لئے محبت کرتے ہیں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟ آپ نے فرمایا تم بھی ان لوگوں سے محبت کرو جو تم سے اس لئے محبت کرتے ہیں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

تو جس سے نبی اکرم ﷺ محبت کریں جیسے آل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ان کی محبت رسول اکرم ﷺ سے محبت کی علامت ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ سے محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت ہے اسی طرح لوگوں سے آپ کی دشمنی یا بغض کا معاملہ بھی ہے کیونکہ جو کسی سے محبت کرتا ہے وہ اس کے محبوب سے بھی محبت کرتا ہے اور جو کسی سے بغض رکھتا ہے وہ اس سے بھی بغض رکھتا ہے جس کو اس کا محبوب اچھا نہیں سمجھتا۔

ارشاد خداوندی ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (المجادلہ: ۲۲)
تم کسی ایسی قوم کو نہیں پاؤ گے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں (پھر) ان لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں۔

پس نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت، صحابہ کرام، آپ کی اولاد اور ازواج مطہرات کی محبت ہر ایک پر واجب ہے اور ان سے نفرت و بغض ہلاک کرنے والے کاموں میں سے ہے۔

اور ان کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی تعظیم کرنا، ان سے نیکی کرنا اور ان کے حقوق قائم کرنا، ان کی اقتداء کرنا، ان کے اخلاق اور طریقوں پر چلے اور ان کے ایسے اقوال پر عمل کرنا جن میں عقل کے لئے کوئی راستہ نہیں، ان کی اچھی تعریف کرنا کہ تعظیم کے طور پر ان کے اچھے اوصاف بیان کئے جائیں یہ سب کام واجب ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی تعریف کی اور اللہ تعالیٰ جس کی تعریف کرے اس کی تعریف کرنا نیز ان کے لئے طلب مغفرت (بھی) واجب ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

امروا ان يستغفروا لاصحاب رسول الله
لोगوں کو حکم دیا گیا کہ رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام کے لئے بخشش طلب کریں تو انہوں نے ان کو گالیاں دیں۔
فسبوہم۔

اور ان کے لئے بخشش طلب کرنے کا فائدہ خود اس شخص کی طرف لوٹتا ہے۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

جو شخص صحابہ کرام کی توقیر و تعظیم نہ کرے اور ان کے اوامر کی عزت نہ کرے وہ (کامل) مؤمن نہیں۔

صحابہ کرام کی محبت میں یہ بات بھی واجب ہے کہ ان کے درمیان جو اختلاف ہو اس سے خاموشی اختیار کرے

مؤرخین کی خبروں اور راویوں کی جہالت نیز شیعہ اور بدعتی لوگوں کی ایسی باتوں کی طرف متوجہ نہ ہو جو ان صحابہ کرام کی شان میں نقص ثابت کرتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب میرے صحابہ کرام کا ذکر ہو تو تم رک جاؤ۔

إذا ذکر أصحابی فامسکوا۔

(یعنی اس غلط گفتگو میں شریک نہ ہو)۔

(المجم الکبیر ج ۲ ص ۹۳، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۲-۲۲۳، الدر المنثور ج ۳ ص ۳۵، اتحاف السادة المستعین ج ۲ ص ۴۲-۴۳، ج ۸ ص ۵۵-۵۶، المغنی ج ۱ ص ۳۰-۳۱، الکامل ج ۶ ص ۲۱۷، کنز العمال رقم الحدیث: ۹۰۱)

اور ان کے درمیان جو اختلاف ہوا اس کی کوئی تاویل ڈھونڈے اور اچھا راستہ تلاش کرے کیونکہ ان کی شان کے لائق یہی بات ہے۔

ان کے درمیان جو اختلاف یا جھگڑا ہوا اس کی کوئی وجہ ہے پس ان کو گالی دینا یا ان پر طعن کرنا جو قطعی دلائل کے خلاف ہے وہ کفر ہے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی ہے اور اگر دلائل قطعیہ کے خلاف نہ ہو تو بدعت اور فسق ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يا ايها الناس احفظوني في اختيائي واصهارى واصحابي لا يظالبكم الله بمظلمة احد منهم فانها ليست مما يوهب. اے لوگو! میرے دامادوں اور میرے سرالی رشتہ داروں نیز میرے صحابہ کرام کے حوالے سے میری حفاظت کرو اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کی زیادتی کا تم سے مطالبہ نہیں کرے گا کیونکہ یہ ایسی بات نہیں جو کسی کے لئے ممکن نہ ہو۔

(اتحاف السادة المستعین ج ۷ ص ۳۹۱، تاریخ ابن مساکر ج ۶ ص ۱۲۹، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۵۷)

یہ روایت (ابو الحسن علی بن حسن شافعی فقیہ) خلی علی رحمہ اللہ نے نقل کی ہے۔

(الاعلام ج ۳ ص ۲۷۳، نایات الاعیان ج ۱ ص ۳۳۸، کشف الظنون رقم الحدیث: ۷۲۲-۷۲۳، ۱۲۹۷)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوہم غرضا من بعدی من احبہم فقد احبنی ومن ابغضہم فقد ابغضنی ومن اذاہم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک ان یاخذہ اللہ۔

میرے صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو میرے وصال کے بعد ان کو نشانہ نہ بنانا جس نے ان سے محبت کی تحقیق اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے ان کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ فرمائے۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۶۲، مسند احمد ج ۵ ص ۵۳-۵۷، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۸، اتحاف السادة المتقين ج ۲ ص ۳۳-۳۴، شرح السنہ ج ۱ ص ۷۰، الکامل ج ۳ ص ۱۳۸۵، مجمع الجوامع رقم الحدیث: ۹۶۵۸-۹۶۵۹، موارد الطمان رقم الحدیث: ۲۲۸۳، الشفاء ج ۲ ص ۶۰-۱۱۸-۱۵۱، مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث: ۶۰۰۵، میزان الاعتدال رقم الحدیث: ۳۳۱۲، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۲۸۳-۳۲۵۳۰) اس روایت کو مخلص ذہبی (ابوطاہر محمد بن عبد الرحمن ذہبی رحمہ اللہ) نے نقل کیا جیسا کہ بعض حضرات نے فرمایا یہ حدیث صحابہ کرام کے بارے میں تاکید و وصیت اور ان سے محبت کی ترغیب اور ان سے بغض سے ڈرانا ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان سے محبت کرنا ایمان سے ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے کیونکہ ان سے بغض نبی اکرم ﷺ سے بغض کی وجہ سے ہو تو بلا اختلاف کفر ہے کیونکہ حدیث شریف گزر چکی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

لَنْ يَؤْمِنَ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ
تَمَّ مِثْلُ مَنْ هُوَ كَزَمْ مَوْمِنٍ نَّهَىٰ هُوَ سَكَنَ يَهَا
تَمَّ مِثْلُ مَنْ هُوَ كَزَمْ مَوْمِنٍ نَّهَىٰ هُوَ سَكَنَ يَهَا
تَمَّ مِثْلُ مَنْ هُوَ كَزَمْ مَوْمِنٍ نَّهَىٰ هُوَ سَكَنَ يَهَا

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ صحابہ کرام کو نبی اکرم ﷺ سے بطور کمال قرب حاصل تھا کہ آپ نے ان کو اپنی ذات کی جگہ رکھا حتیٰ کہ ان کو تکلیف پہنچانا گویا نبی اکرم ﷺ کو تکلیف پہنچانا ہے۔

”غرض“ (جو حدیث شریف میں گزرا) اس نشانے کو کہتے ہیں جس پر تیر چلائے جاتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ سے ڈرانے کی تاکید کے ساتھ اس بات سے منع کیا گیا اور یہ بات اسی لئے کہ ایسا کرنا شدید حرام ہے ایک مرفوع حدیث میں ہے:

مَنْ سَبَّ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِي فَأَجَلَدُوهُ
(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۱، کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۵۳۱) لگاؤ۔

”تمام“ نے اپنی کتاب ”الفوائد الحديثية“ میں یہ حدیث ذکر کی ہے جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ذکر کیا حضرت مالک بن انس اور دوسرے حضرات نے روایت کیا کہ جو شخص صحابہ کرام سے بغض رکھے اس کا مسلمانوں کے مال فی (کفار سے جنگ کے بعد جو مال حاصل ہو) میں کوئی حصہ نہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس بات پر حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے سورہ حشر کی اس آیت سے استدلال کیا:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا
اَعْظِمْ لَنَا وَلَا غَوْلًا لِّلَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا
تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ
رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (الحشر: ۱۰)

اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے

ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر گئے اور اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کینہ نہ رکھنا ہے۔

شک تو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

(تو مال فی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ان مسلمانوں کے لئے رکھا جن کے دلوں میں مسلمانوں کے لئے بغض و نفرت نہیں ہے) اور انہوں نے فرمایا کہ جس شخص کو صحابہ کرام پر غصہ آئے وہ کافر ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

لِيَعِظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ. (الف: ۲۹)

تا کہ ان (صحابہ کرام) کے ذریعے کفار کو غصہ دلائے۔
واللہ اعلم

الحمد للہ! آج بروز جمعہ المبارک ۲۳ شوال المکرم ۱۴۲۱ھ / ۱۹ جنوری ۲۰۰۱ء بوقت صبح سات بجے دوسری جلد (اردو) کا ترجمہ مکمل ہوا اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو اس کتاب کے سمجھنے کے لئے مفید بنائے اور راقم کے گناہوں پر غفور و درگزر کا قلم پھیر دے آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

محمد صدیق ہزاروی
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور